دربارِ خلافت کا جاں نثار



ثاقب زیروی شاعر لاہور کی سوانح حیات

مرتبہ

رانا عبدالرزاق خان، لندن

ہفت روزہ

لاہور

لاہور

بانی ثاقب زیروی م

ایڈیٹر: یاسر زیروی

۲۶ جنوری ۲۰۰۲ء

جلد ۵۱ — شمارہ ۳



مکرم ومحترم جناب ثاقب زیروی صاحب

مورخہ ۱۳ جنوری ۲۰۰۲ء کو خالق کائنات کے حضور حاضر ہوگئے

انا للہ و انا الیہ راجعون

زندہ دِلان پاکِستان کی علمی ادبی صنعتی اور سِیاسی سرگرمیوں کا ترجمان

دربارِ خلافت کا جاں نثار

سیرت وسوانح ثاقب زیروی

مؤلفہ

رانا عبدالرزاق خان۔لندن

نام کتاب: دربارخلافت کا جاں نثار۔سیرت وسوانح ثاقب زیروی

مؤلفہ۔: راناعبدالرزاق خان

فون 00447886304637

ناشر؛ قندیل پبلشرز اکیڈمی،لندن یوکے

مقام اشاعت: لندن۔

14Woburn Road SM5 1RT Carshalton UK

سال اشاعت:۔ مارچ2024ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

خاکسار نے یہ کتاب اس لئے تیار کی ہے کہ اب تک کوئی بھی کتاب محترم ثاقب زیروی کی مکمل زندگی پر تیار نظر نہیں آئی تھی ۔بچپن سے ہم رسالہ لاہور کے قاری تھے تو ثاقب زیروی کے بھی عاشق بن چکے تھے ۔ایک جرنیل شخص تن تنہا پچاس سال تک لاہور رسالے کو مشاق صحافی کی طرح شدید طوفانوں سے بچا کر نکالتا رہا۔جس نے لاہور کو اپنے خون سے سینچا۔قسم قسم کے مصائب جھیلے۔مگر کامیاب وکامران رہا۔اس کی شخصیت کو نئی نسل تک پہنچانے کے لئے یہ ایک حقیر سی کاوش ہے۔اس کتاب کی تیاری کے لئے بہت سے گمنام احباب نے بھی تعاون کیا۔

محترم حمید اللہ ظفر آف جرمنی نے کافی مواد ارسال کیا۔ روزنامچہ بھی انہی سے مل گیا ۔کئی رسالے لاہور کے بھی مجھے بھجوائے ۔ میں ان کا بہت ہی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت تعاون کیا۔راہنمائی بھی کی ۔تصاویر بھی بھجوائیں ۔اسی طرح محترم زکریا ورک صاحب نے بھی کافی مضامین ارسال کئے۔

بڑی عرق ریزی سے اس کی پروف ریڈنگ کی ۔اس کتاب کے تیار کرنے میں اور بھی کئی دوستوں کا تعاون شامل ہے ۔بے شک یہ کتاب مکمل حالات کی عکاسی نہیں کرتی ۔آئندہ مزید کتب بھی ثاقب زیروی پر شائع ہونگی ۔یہ آغاز ہے ۔دوستوں سے درخواست ہے کہ اس کتاب کو پڑھیں اور مزید راہنمائی بھی کریں ۔میں ان سب دوستوں کا مشکور اور ممنون ہوں ،جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل کے لئے خاکسار سے تعاون کیا۔

رانا عبدالرزاق خاں



ثاقبؔ زیروی

رانا عبدالرزاق خاں



نام محمد صدیق ولد حکیم مولوی اللہ بخش
قوم راجپوت وطن زیرہ ضلع فیروز پور
(بھارت) تاریخ پیدائش 11اپریل 1919ء تاریخ وفات 13 جنوری 2002ء بمقام لاہور۔

قدرت نے ادبی وصف کا بیج روزِ اول سے ڈال دیا تھا آنرزان اردو 1947ء میں اور بی اے 1950ء میں پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ''گنجینہ اردو'' کے نائب مدیر بھی رہے، جبکہ مدیر احسان دانش تھے۔ پھر اپنے مرشد کے کہنے کے مطابق مولاناk عبدالمجید سالک اور مولانا غلام رسول مہر جیسے کہنہ مشق صحافیوں سے تربیت حاصل کی۔ کتب: ہندوستان کی مٹی (افسانہ)۔ کاربنکل کی تشخیص۔ پنجابی میری زبان۔ دورِ خسروی۔ شہابِ ثاقب۔ نویدِ منزل۔ آہنگِ حجاز مجموعہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی ہے اس کی طبیعت میں شرافت، سعادت، شرم حضوری اور دیانت فکر وعمل کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نوجوانی اور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی بے نفسی بے راہ روی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ اور وہ ہمیشہ بندھے ٹکے اسلوب زندگی پر کاربند رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی شاعری کو دیکھیئے فکر میں جدت تو ہے ابتذال نہیں دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں۔ عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں، غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں۔ موجودہ نظام عدم مساوات کے خلاف طیش ہے۔ لیکن کمیونزم نہیں۔ یہی اعتدال کا رستہ اور یہی صراط مستقیم ہے۔ خوش گل، خوش گلو، سروقامت، مقطع داڑھی، شیروانی پوش، ثاقب زیروی دلکش شخصیت کے مالک تھے۔ اعلیٰ مشاعروں میں جہاں چنیدہ لوگوں کا اجتماع ہو، ثاقب زیروی اپنی

انفرادیت برقرار رکھتے تھے۔ وہ زندگی کے کسی بھی معاملے میں انتہا پسند نہیں تھے۔ وہ ہر اعتبار سے میانہ رو، سلامتی پسند اور غیر حاسد قسم کے آدمی تھے۔ ان کی یہی خصوصیت انہیں حلقہ احباب میں مقبول بنائے رکھتی تھی۔ ثاقب زیروی کا شاعر ہونا اور اس حد تک دھانسو شاعر ہونا تاریخ ادب کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ عنفوانِ شباب میں ثاقب سب انسپکٹر تھے۔ لیکن کون جانتا تھا کہ یہی سب انسپکٹر شاعری کی دنیا میں مقبول خاص وعام ہو جائے گا۔

میاں محمد شفیع کہتے ہیں کہ ثاقب زیروی انجمن اسلام کے ایک جلسے میں موجود تھے۔ جب ان سے شعر سنانے کی فرمائش کی گئی تو اپنے اشعار اور گداز ترنم کے بل پر پورے جلسے پر چھا گئے اور اس دن سے ثاقب زیروی کے سامنے ایک اعلیٰ ادبی مستقبل اُجاگر ہو گیا۔ خلوص اظہار، سوز و گداز اور خیال و اسلوب کی ہم آہنگی ثاقب زیروی کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔ خاص طور پر ان کی نعتیں حضوری قلب کا بہترین اظہار ہوتی ہیں۔ اور اس مرحلہ پر اردو کے بہت شعراء ان کی برابری کرتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ثاقب زیروی طبیعت اور فکر کے اعتبار سے مذہب پرست ہیں، اور وہ نعتیں خانہ پُری کے لئے نہیں لکھتے بلکہ احتیاج طبیعت اور طبعی رجحان کے ماتحت لکھتے ہیں۔ اور یوں ان میں صداقت، خلوص اور جذبہ کا رچاؤ بھرپور انداز میں موجزن ہوتا ہے۔

تو حبیبِ ربِ جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا
تو مقامِ فخرِ خلیل ہے تیری حُرمتوں کا حساب کیا
کہاں تو کہ باعث کُن مکاں کہاں فکر ثاقبِ خستہ جاں
بلا مدحتِ شہ اِنس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

اس ایک نعت سے ہی ثاقب زیروی کے وفورِ جذبات اور عشقِ رسول کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ثاقب کے ہاں اسی قدر و نوعیت کی اور بھی کئی نعتیں بھی ملتی ہیں۔ ثاقب زیروی شعر و سخن کی عظیم رفعتوں پر فائز تھے اور خصوصاً نعت رسول کے بارے میں اپنے عاشقانہ رنگ، جذبہ فدائیت، جدت استعارات، لطافتِ تخیل، تشبیہ کی خوبی، مضامین کی جامعیت، اور والہانہ اندازِ بیان میں

آپ کا کلام اپنی نظیر آپ ہے۔نعت گوئی کے وصف میں یکتائے روزگار تھے،عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کا سرمایہ حیات تھا۔یہی وجہ ہے کہ شمع حُبِ نبوی آپ کے دل و دماغ میں پوری آب وتاب سے روشن تھی۔ ثاقب زیروی کی نظمیں موضوع کے اعتبار سے متفرق اور متنوع ہوتی ہیں لیکن اس میدان میں ان کا جذبہ حُب الوطنی کے گرد گھومتا ہے۔صبح دیانت، وطن، یاددہانی اور مجاہد وغیرہ یہ تمام نظمیں ملکی حالات کے متعلق ہیں۔المختصر ثاقب کی شاعری پاکیزہ باسلیقہ اور سلامت رو ہونے کے ساتھ ساتھ عنایت کی بھی حامل ہے۔ان کی شاعری ایک اعلیٰ کلچر کی طبیعت کی عکاسی کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں تاثر کا عنصر بدرجہ کمال پایا جاتا ہے،اور ہر سامع ان کے اشعار سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باکمال صاحبِ قلم پر، پُرشکوہ دستاویزی اشاعت شائع کرنا ہر ادارے کے لئے باعثِ فخر ہوتا ہے،اور جس کی 60 سالہ قلمی زندگی کی طویل صبر آزما جدو جہد کی داستاں کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ پھر بھی کچھ سر پھرے ادبی مجنوں یا لوح وقلم کی پرورش کی مرض میں مبتلا اپنے خونِ جگر سے ادب کے لالہ زاروں کی آبیاری کر رہے ہیں۔ بقول شاعرِ مشرق۔ع نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر!

ثاقب زیروی جیسی شخصیت پر لکھنا اس لئے بھی دشوار ہے کہ بقولِ ثاقب صاحب کہ ”ہم جو تھے وہ نہیں رہے جو بننا چاہتے تھے وہ بن نہیں پائے“ ایسی شخصیت جس نے برصغیر کی ریاستوں کے عروج وزوال اور عزت دار گھرانوں کو گردشِ لیل ونہار کے باعث گم نام ہوتے دیکھا ہو۔جس نے خاندانی خون کے علی الرغم قول وفعل کے تضاد کو دیکھا اور اپنے جذبات کو اشعار میں قلم بند کیا۔ ایسے شخص کے متعلق لکھنا اس لئے مشکل ہے کہ جس نے اپنی سیاسی بصیرت کو ہمیشہ فطرتی و کائناتی حقائق کے دائرہ سے باہر نہیں نکلنے دیا۔جس نے اعتدال کے ساتھ ساتھ محبت و بھائی چارے کے وسیع کینوس پر اپنے نقشِ محبت کو اپنے عمل سے ثبت کیا۔ جسے قدرت نے وصف عطا کیا کہ ”کسی کی تحریر کے چند فقرے اور گفتگو کے چند مکالمے اس کے معیارِ وفا کے نقش بن کر ثاقب صاحب کے

ذہن میں اُجاگر ہوجاتے تھے اور اس نقش کے مطابق ثاقب صاحب نے جس سے جو بھی تعلق قائم کیا اس کو ہمیشہ اس پر ناز رہا'' یہ محض ان کے خالق و مالک کا فضل تھا، جس نے الفاظ کی پہچان اور ان کے اوزان کی صلاحیت انہیں ودیعت کی۔ اسی کے فیض نے ہمیں ایک اچھا مصنف، اچھا شاعرو ادیب عطا کیا اس کے علاوہ ایک انسان دوست دیا جو بے غرض اطاعت اور بے پایاں محبت کا مجسمہ شاہکار ثاقب زیروی کی شکل میں دیا۔ جس نے ہمیشہ اپنی تحریر لکھتے وقت ان باتوں کو مدنظر رکھا کہ ''اس فقرے کے ملکی حدود میں کیا معنی کئے جاسکتے ہیں اور ملکی حدود سے باہر کیا؟ میرے دین کے لئے کیا مفہوم رکھتا ہے، اور بعد میں میری قوم پر کیا اثر چھوڑے گا، ایسی مستند تحریر لکھنے والی شخصیت پر لکھنا کچھ آسان نہیں۔'' بانی ہفت روزہ ''لاہور'' ثاقب زیروی نے اردو صحافت کی اعلیٰ روایات کو جس طرح زندہ تابندہ رکھا۔ وہ اپنی جگہ مسلم لیکن وفا اور وضع داری کے اس پیکر کی ساری زندگی تا مرگ، ہر لمحہ ایک ہی لگن اور ایک ہی مشن پر قائم رہی ''اعلیٰ دینی اقدار کا قیام واستحصالی نظام کا خاتمہ رہی۔ ثاقب زیروی صاحب سولو صحافت کا نادر نمونہ تھے۔ برصغیر پاک وہند کی صحافت کی جب تاریخ لکھی جائے گی تو کوئی مورخ آپ کے نام کا ذکر کئے بغیر آگے نہ بڑھ سکے گا۔ تن تنہا پچاس سال تک ہفت روزہ ''لاہور'' سورج کی سی باقاعدگی سے نکالتے رہے۔ ثاقب زیروی نہ جانے کیا شے تھے۔ وہ مقدمات بھی بھگتتے رہے، مبارک بادیں بھی سمیٹتے رہے، گالیاں بھی سنتے رہے، دعائیں بھی لیتے رہے، وہ مشاعروں کی جان تھے۔ بڑے بڑے مشاعروں میں شائقین کی آنکھوں کے تارے تھے، اور دلوں کی دھڑکن، وہ جہاں صاحبانِ اقتدار کے دوست تھے اسی طرح غریبوں کے مونس وغمخوار بھی وہ کبھی بڑے بڑے شاعروں کی موجودگی میں مشاعروں کو الٹ دیا کرتے تھے، اور کبھی پٹے ہوئے مشاعروں کو جما دیا کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں کئی نشیب وفراز بھی آئے، مگر وہ ویسے کے ویسے ہی رہے۔ اُن کی باتوں سے کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا وہ تہہ بہ تہہ کھلتے تھے، مگر کم کم احباب پر، اور جن پر کھلتے تھے اُن کو اپنی محبتوں اور شفقتوں میں سمیٹ لیا

کرتے تھے، اور وہ اُن محبتوں شفقتوں کا محور دیکھتا رہ جاتا کہ ایسا کس وجہ سے اور کیوں؟ آپ کے ہم عصروں میں فراق گورکھپوری، جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، بابا کمل پوش، کلیم عثمانی، طفیل ہوشیار پوری، مولانا صلاح الدین احمد، حکیم سعید، احسان دانش، ساغر صدیقی، سیف الدین سیف، مصطفیٰ زیدی، عدم، تاثیر، تبسم اسد ملتانی، کوثر نیازی، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، تلوک چند محروم، رام لعل، مولانا تاجور نجیب آبادی، جگر مرادآبادی، علامہ نیاز فتح پوری، سردار دیوان سنگھ مفتون، م۔ش۔ مجید نظامی، ن۔م راشد، نذیر شیخ، دوست جالندھری، مجید لاہوری، مولانا ظفر علی خان، سردار راجندر سنگھ بیدی، تھے۔ جن کا گاہے گاہے ذکرِ خیر چلتا رہتا تھا۔ ثاقب زیروی صاحب کی شخصیت اگرچہ نمایاں طور پر تبلیغ دین، شاعری، صحافت اور ادارت پر مشتمل تھی۔ اس کے آگے دو پہلو تخصیص کے حامل یہ تھے کہ انہوں نے مشکلات کے باوجود اپنا مشنری ذوق ابلاغ عمر بھر جاری رکھا اور صحافت میں انہوں نے اردو صحافت کا سب سے مشکل پہلو ''یک رُکنی'' صحافت کا اختیار کیا تھا۔ دنیا کی کسی زبان میں بھی ایسی صحافت مشکل ترین ہی ہوتی ہے لیکن اس طرح کی صحافت اردو میں اس لئے خاص اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے کہ مدیر کو باوصف نظریاتی اخلاص کے زندگی کے سبھی پہلوؤں پر یکساں گہرائی کی نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کے لئے مشاہدے اور مطالعہ کا ہمہ وقت مجاہد بننا لازم ٹھہرتا ہے۔ اس روایت میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' مولانا محمد علی کا ''ہمدرد'' مولانا حسرت موہانی کا ''اردوئے معلیٰ'' اتنی بڑی مثالیں ہیں، کہ بعض دفعہ یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ ثاقب زیروی صاحب نے 1952ء جیسے نامساعد حالات میں اپنے لئے اسقدر مشکل راستہ کیوں اختیار کیا لیکن ''لاہور'' کے پچاس سال گواہی کے لئے موجود ہیں، کہ انہوں نے نہ صرف انتخابِ درس کیا تھا بلکہ پورے تقاضوں اور شان بان کے ساتھ اسکو پورا رکھا اور جو سابق رواج خلوصِ کار اور ذاتی پاکیزگی کا تھا، اسے تابانی سے جاری رکھا۔ ایسے دقیق مگر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ ساتھ ثاقب صاحب سے ملنے والے تمام لوگ یہ

بھی گواہی دیں گے، کہ وہ شرعِ محمدیؐ پر پورے طور پر تمام عمر کاربند رہے۔اور ساری عمر ایک سالک صوفی اور باعمل عالم کے طور پر گزاری۔ ثاقب زیروی نے اپنی شاعری میں گل وبلبل،لب و رُخسار،ہجرووصال،شمع و پروانہ کا رونا نہیں رویا بلکہ انسان پر انسان کے ظلم کی داستان بھی بیان کی ہے۔انسان کی چیرہ دستیاں اورانسان کی مجبوریوں پرحاشیہ آرائی کی ہے۔ثاقب زیروی نے اپنی شاعری میں حسن وعشق کے ساتھ ساتھ غربت کے چھپے ہوئے ناسوروں کوبھی ننگا کیا ہے۔مذہب کے مقدس نام پرخوں ریزی کرنے والے جعلی مولویوں کو وطن دشمنوں کوبھی بے نقاب کیا ہے۔ثاقب زیروی ایک درویش صفت شاعر ہیں۔اُن کے ساتھ ادیب،صحافی،اُمراء روساء کی خوشامد کرکے کروڑوں روپے،کوٹھیوں اور کاروں کے مالک بن گئے مگر ثاقب زیروی نے نہ کوئی کوٹھی بنائی اور نہ کوئی کار خریدی۔ پاکستان بننے سے قبل وہ تحریک پاکستان کے صفِ اول کے مجاہد تھے اور پاکستان کے لئے انہوں نے شب وروز کام کیا،اوران کے بہت سے عزیز تقسیم کے وقت شہید ہوئے۔ 1952ء میں لاہور کی صحافت پر ایک ایک نئے روشن ستارے کی طرح طلوع ہوئے اورآدھی صدی تک لوگوں کے دلوں میں اپنی نثر، اور شاعری سے جگمگاتے رہے۔آخر شہابِ ثاقب بن کرٹوٹے،فضامیں روشنی بکھیرتے ہوئے اپنی حسیں یادیں چھوڑکراپنے خالق حقیقی سے جاملے۔اُن کے قلم میں جادوتھا۔دوست نواز،عظیم شاعر،باکمال صحافی،ہنس مکھ ساتھی،غمگسار رفیق،بہترین استادودوست تھے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اس سلطانِ نصیراورعمادالادب شخصیت کےتعارف کے لئے خاکسار نے کچھ حالات کی تدوین کی ہے تاکہ آنے والی نسلیں کچھ معلومات سے مستفید ہوں۔

عاصی صحرائی۔راناعبدالرزاق خان

جنوری2024ء



محترم ثاقب زیروی صاحب

سرڈاکٹرافتخاراحمدایاز

کئی دہائیوں تک برصغیر میں ادب اور شاعری میں اپنی صلاحیتوں کو ہرسطح پرمنوانے والے محترم ثاقب زیروی صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ آپ کی جوانی کے زمانہ میں ہی آپ کی والدہ محترمہ نے نصیحت کی تھی کہ آپ اپنی شاعرانہ استعداد کو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے ایمان افروز واقعات اور تعلیمات کو منظوم کرنے میں لگاؤ۔ چنانچہ آپ کا پہلا مجموعہ کلام ’’دورِخسروی‘‘ جو قادیان سے شائع ہوا، اسی نصیحت کا نتیجہ تھا۔اس مجموعہ کلام کا نام آپ نے ’’شاہنامہ احمدیت‘‘ رکھا تھا جو حضرت مصلح موعودؓ نے تبدیل فرمادیا۔

محترم ثاقب صاحب کے والدین نہایت پارسا اور تقویٰ شعار تھے اور اپنی اولاد کی تربیت بھی انہوں نے اسی رنگ میں کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کا اظہار محترم ثاقب صاحب نے علمی اور عملی طور پر بڑے جرأتمندانہ انداز میں ساری زندگی کیے رکھا اور اس راہ میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے نہ صرف تیار رہے بلکہ نہایت درجہ جسمانی، ذہنی اور مالی نقصانات بھی نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیے۔آپ کے استاد جناب عبدالمجید سالک صاحب لکھتے ہیں: ’’ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی، اُن کی طبیعت میں شرافت و سعادت، شرم حضوری اور دیانت فکروعمل کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نوجوانی اور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی نفسی بے راہروی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا اور وہ ہمیشہ ایک بندھے ٹکے اسلوب زندگی پر کاربند رہے ہیں۔ چنانچہ اُن کی شاعری کو دیکھئے، فکر میں جدت تو ہے ابتذال نہیں، دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں، عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں، غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں، موجودہ

نظامِ عدم مساوات کے خلاف طیش ہے لیکن کمیونزم نہیں۔ یہی اعتدال کا راستہ اور صراطِ مستقیم ہے اور مجھے ہرگز اندیشہ نہیں کہ اب ثاقب اپنی ادبی زندگی کے کسی موڑ پر بھی اس صراطِ مستقیم سے گمراہ ہوں گے''۔

جناب خواجہ ناظم الدین جو پاکستان کے دوسرے وزیرِاعظم بنے، ثاقب صاحب سے بہت التفات سے پیش آتے تھے۔ لاہور میں ہونے والے ایک مشاعرہ میں وہ مہمانِ خصوصی تھے جب ثاقب صاحب سے انہوں نے اُسی مشاعرہ میں وہ نظم تین مرتبہ سنی جو آپ نے اپنے ایک دوست کے جامِ مَے پیش کرنے کے جواب میں کہی تھی اور اپنے مخصوص انداز میں پڑھی تھی۔ اس نظم کا ایک بند یوں تھا:

یہ رنگ چھوڑ چھاڑ کر، یہ جام توڑ تاڑ کر
یہ نقش سب بگاڑ کر، یہ میکدے اجاڑ کر
نئی زمیں بناؤں گا، نیا جہاں بساؤں گا

لیکن یہی ثاقب زیروی اس قدر دینی غیرت رکھتے تھے کہ 1984ء میں جب ایوانِ صدر سے سیکرٹری کا فون آیا کہ آپ کے امتیازی کام کی وجہ سے آپ کو صدر خصوصی تمغہ اور مراعات سے نوازیں گے تو آپ نے اُس تقریب میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کا نام فہرست میں چھٹے نمبر ہے جو ایک امتیازی بات ہے۔ لیکن آپ نے پھر جواب دیا کہ مجھے اس تقریب میں آنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ضیاء الحق نے مجھے تین بار دعوت دی ہے کہ میرے پاس آؤ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مَیں نے جواب بھجوایا کہ مَیں کوئی عہدیدار یا نمائندہ نہیں ہوں، اس لئے میرے ساتھ کوئی مصلحت آمیز بات نہیں ہوسکتی۔ باقی رہی جماعت تو وہ کبھی تمہارے در پر نہیں آئے گی۔ بھٹو دَور میں جب ''روزنامچہ'' لکھنے پر تھانیدار نے تھانہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی گرفتاری ایک رات کے لئے ملتوی کر دی اور اگلے روز

اُسے فون آ گیا کہ گرفتار نہیں کرنا تو آپ واپس اپنے دفتر پہنچے۔ کسی نے بتایا کہ حضرت چودھری ظفراللہ خان صاحب ؓ کا ڈرائیور کئی بار آپ کے دفتر کے چکر لگا چکا ہے۔ کچھ دیر میں وہ پھر آیا اور کہا کہ رات کا کھانا آپ چودھری صاحب کے ساتھ کھائیں گے اور مَیں آپ کو لے جاؤں گا۔ شام کو جب آپ حضرت چودھری صاحب ؓ کی کوٹھی پہنچے تو وہ خلاف معمول کمرہ سے باہر بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ دیکھتے ہی آپ کو گلے سے لگایا اور فرمایا کہ مَیں رات بھر سو نہیں سکا اور دعا کرتا رہا۔ حضرت چودھری صاحب ؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

خدا تعالیٰ کے بندوں کے علاوہ خدا تعالیٰ کی براہ راست تائید اور نصرت بھی محترم ثاقب صاحب کے ہمیشہ شامل حال رہی۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جب 1974ء میں ہونے والے خونچکاں مظالم کو اکٹھا کر کے چھان پھٹک کر لی اور ترتیب دے لی تو اس کا کوئی عنوان ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ رات خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ تشریف لائے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں: ’’کیا وہ روزنامچہ مکمل ہو گیا؟‘‘۔ چنانچہ یہی عنوان طے پایا۔

زیرِ نظر کتاب میں آپ کی نظر سے بہت سے ایسے مضامین بھی گزریں گے جن میں محترم ثاقب صاحب کی روحانی بلندی کے کئی مناظر نظر آئیں گے۔ آپ کا تعلق باللہ آپ کے رؤیا و کشوف کے حوالے سے بھی سند رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جن مخدوش حالات میں خطرات سے اپنی پناہ میں لے کر آپ کی حفاظت فرمائی وہ نہایت ایمان افروز ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے ہر سطح کے احباب میں آپ کی ذات اور آپ کا فن قابل عزت قرار پایا اور آپ نہایت محبت اور احترام سے اپنی وفات کے بعد بھی یاد کیے جاتے رہے۔

بلوچی رئیس جناب میر جعفر خان جمالی کے دو صاحبزادے لاہور میں زیر تعلیم تھے اور محترم ثاقب صاحب کی شاعری کے قدردان تھے۔ ایک بار انہوں نے اپنے ہاں ہونے والی ایک سالانہ تقریب پر آپ کو بھی مدعو کیا تو وہاں میر جعفر خان جمالی سے آپ کا اخوت کا تعلق قائم ہو گیا۔

1970ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد بھٹو حکومت کی طرف سے آپ کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ جمالی برادران کو پیپلز پارٹی میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ آپ کے کہنے پر دونوں صاحبزادگان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور ایک بیٹے جناب تاج محمد جمالی کو بھٹو نے وزیر بھی بنالیا۔ 1974ء میں جناب تاج محمد جمالی لاہور میں ایک شادی کی تقریب کے بعد آپ سے بھی ملنے آئے۔ بھٹو کو اس کا علم ہوا تو اُن سے بہت ناراض ہوئے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ مَیں اس بات سے رُک نہیں سکتا کیونکہ یہ بات ہمارے والد کے وصیت نامہ میں درج ہے کہ ثاقب میرا بھائی ہے اور وہ خاندان کے اہم معاملات میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔ آپ کی کابینہ میں مجھے لانے والے یہی لوگ تو ہیں ورنہ مَیں آپ کی پارٹی اور کابینہ میں کیوں شامل ہوتا۔

1964ء کے ''لاہور'' کے پہلے شمارہ کا اداریہ ایسا یادگار تھا جسے بعد میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کے مجید نظامی صاحب نے ایک خوبصورت نوٹ کے ساتھ اپنے اخبار میں بھی شائع کیا اور ثاقب صاحب کو ''درویش صفت صحافی'' کا خطاب دیا۔ محترم ثاقب صاحب کی وفات کے بعد 18؍مارچ 2002ء کے اخبار ''نوائے وقت'' میں ایک صحافی جناب محمد شریف فاروق صاحب کا ایک مضمون آپ کے بارہ میں شائع ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں: ''ان کا پہلا عوامی تعارف قیام پاکستان کے بعد انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ سے ہوا۔ اس کی صدارت گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے کی۔ یہ دَور بھارت سے ہزاروں لاکھوں لٹے پٹے اور کٹے پھٹے مہاجرین کی بے محابا آمد کا تھا۔ ان میں غالب اکثریت ان لوگوں کی تھی جو بری طرح تباہ حال تھے۔ ثاقب زیروی نے چھوٹی بحر میں ایک دل ہلا دینے والی نظم پڑھی۔ ثاقب مرحوم کی سحر انگیز آواز اور ترنم نے پورے مجمع کو مسحور کر کے رکھ دیا۔ پورا مجمع گوش بر آواز اور ان کی آواز کی جادوگری کا شکار تھا...... ایک گوشہ نشین شاعر ثاقب زیروی نے منظر عام پر آ کر قیامت بپا کر دی ...... اگلے روز پورے لاہور میں ثاقب کی نظم کا طوطی بول رہا تھا۔ تمام لاہور میں دھوم مچ گئی۔ دھوم مچنے کا مطلب تمام پاکستان گوش

برآواز ہو گیا۔ یہ نظم اضطراب انگیز دَور کی سچی عکاس تھی۔‘‘

جناب احمد فراز صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے: ’’ثاقب زیروی جیسے لوگ محض شخصیتیں نہیں تہذیبیں ہوا کرتی ہیں۔ ان کو سنبھالے رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ایسی شخصیات ہیں کہ جن کے بارہ میں یہ شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چند شمعیں ہیں ان کے گرد حلقہ کر کے بیٹھ جاؤ تا کہ کچھ تو روشنی ان سے حاصل ہوتی رہے‘‘۔

نامور کالم نگار، شاعر، ادیب، صحافی، دانشور جناب منو بھائی کہتے ہیں: ’’جب دلوں کی آرٹریز سکڑ رہی ہوں اور معاشرہ کی رگوں میں اندھیرا اُتر رہا ہو، ایسے دَور میں ثاقب زیروی جیسے لوگ روشنی کی کرن ہوتے ہیں

الغرض نصف صدی سے زائد عرصے تک پاکستان کے شاندار ذہنوں کو اپنے تقویٰ اور اپنے فن سے متأثر کرنے والے ثاقب زیروی کی زندگی پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ خدائے واحد اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے محبت آپ کا سرمایہ حیات تھی۔ ایک بار آپ نے ذکر کیا کہ صدر ضیاء الحق کی بیگم نے ایک محفل نعت میں آپ کو وفاقی سیکرٹری کے ذریعہ مدعو کیا تھا کہ آ کر نعت پڑھیں۔ نعت گوئی میں آپ نے ایک نمایاں مقام پیدا کیا تھا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

یہ میرا دل جسے دنیا بھی دل ہی کہتی ہے
یہ اک جام ہے یثرب کے بادہ خانے کا

جب قومی اسمبلی نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا تو چیف سیکرٹری پنجاب نے ایک دعوت افطار میں مکرم ثاقب صاحب کو بھی مدعو کیا۔ آپ نے سیکرٹری صاحب سے پوچھا کہ آپ کی اسمبلی نے تو ہمیں غیر مسلم قرار دیدیا ہے اور آپ نے مجھے دعوت افطار میں مدعو کیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ مَیں نے سوچا کم از کم ایک تو روزہ دار بلالوں تا کہ اسے دعوت افطار کہا جا سکے۔

بہت کچھ آپ اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔ اپنی معروضات کے اختتام پر مکرم عبدالمنان

ناہید صاحب کی نظم بعنوان ’’ثاقب زیروی‘‘ سے انتخاب پیش ہے۔وہ کہتے ہیں ۔

کیا دل کا دھڑکنا ہے، یہ کیا رشتۂ جاں ہے
شائد یہ جہاں کارگہِ شیشہ گراں ہے
اک درد کی لہر ایسی اٹھی بزم سخن میں
دلگیر بہت قافلۂ ہم سخناں ہے
اب کون جگائے گا تری آواز کا جادو
افسردہ بہت محفلِ آشفتہ سراں ہے

میری سعادت ہے کہ مجھے اس کتاب کے پیش لفظ کے طور پر کچھ لکھنے کی توفیق مل رہی ہے۔خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان اور جماعت احمدیہ کو ہمیشہ ایسے وجود عطا ہوتے رہیں جو خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول کے عشق میں بھی سرشار ہوں اور مخلوق کی ہمدردی میں بھی ہمیشہ صف اوّل میں کھڑے نظر آئیں۔آمین

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ رانا عبدالرزاق کو صحت و سلامتی دے جس نے اس عظیم ہستی پر کتاب تیار کی۔یقیناً یہ کام صد ستائش کے قابل ہے۔

خاکسار

ڈاکٹر افتخار احمد ایاز



ثاقب صاحب ایک عالم باعمل، صوفی با صفا، بے خوف، راست گو بے مثال صحافی اور نعت گو شاعر تھے۔

ہفت روزہ لاہور اور ثاقب زیروی ماہتاب کے دو رخ روشن تھے۔ نثر ہو یا نظم دونوں کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ ثاقب نہ صرف خود گوہر نایاب بلکہ مردم شناس اور گوہر شناس تھے۔ جوہر کی قدر و قیمت جوہری ہی جانتا ہے۔ وہ ان مومن شاعروں میں سے تھے جو طاقت وروں اور جابر حکمرانوں کے سامنے جھکتے نہیں۔ وہ ایک عالم باعمل، صوفی باصفا، بے خوف، راست گو بے مثال صحافی اور نعت گو شاعر تھے۔ محفل آرائی میں فرد، سیاسیات کے بے مثال تجزیہ نگار، بذلہ سنج، صاحب ذوق اور صاحب اصول اور صاحب علم انسان تھے۔ ان کی ساری پونجی سادگی، سچائی اور وفاداری تھی۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ثاقب صاحب کے مداح دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور بائیس سال گزرنے کے باوجود ان کی یاد کو ابھی تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھار واٹس ایپ پر ان کے ویڈیو بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں تو لگتا ہی نہیں کہ وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔

میرے جیسے بہت سے قلم کار آپ کی چشم کرم کے طفیل ادیب و مصنف بن گئے۔ آپ کا اپنے ہفت روزہ میں ہمارے مضامین شائع کرنا ہماری جی بھر کر حوصلہ افزائی کرتا اور ہمارے ذوق نگارش کیلئے مہمیز کا کام کرتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا شاید بہت سے لکھاریوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا، اور ان کی ضیا پاشیاں دنیا سے اوجھل رہتیں۔ ہفت روزہ لاہور ہمارے لئے سرمہ نور بصیرت و بصارت کی مانند تھا۔ آپ ایسی ضوبار شمع محفل تھے جس سے صدیوں شمعیں روشن ہوئیں۔ عاجز کو

ابھی تک جلسہ سالانہ ربوہ پر آپ کی سریلی آواز اور وجد آفریں لہجے میں نظمیں پڑھنا خوب یاد ہے اور ان کی میٹھی یاد کانوں میں رس گھولتی ہے۔ اتنا موہ لینے والا، دل نشین لحن جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ آواز گرجدار اور پر وقار تھی۔ ان کے ایک مداح کے بقول: ان کے گلے میں لحن ہے کہ آواز نہیں نکلتی، بلکہ نور پھوٹتا ہے۔ جون 1970 میں جس وقت راقم آثم کراچی میں مقیم تھا تو جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ افریقہ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ کر پاکستان واپس تشریف لائے تو احباب سے ملاقات کے لئے احمدیہ ہال میں انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں ثاقب صاحب سے احمدیہ ہال میں سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی تصویر میرے پاس محفوظ ہے اور اس کتاب میں شامل کی جارہی ہے۔

میرا اور ہفت روزہ لاہور کا تعلق کوئی ساٹھ سال پر ممتد ہے۔ عاجز نے لاہور میں لکھنا بچوں کے صفحہ سے شروع کیا جس کے ایڈیٹر زاہد الحسن زاہد تھے۔ میری پہلی کہانی 62 سال قبل بچوں کے صفحہ پر 16 گست 1962 کو شائع ہوئی تھی۔ جس کا تراشہ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ ایک اور کہانی ''مجھے مت پڑھیے'' کے عنوان سے 13 مارچ 1967 کے بچوں کے صفحہ کی زینت بنی تھی۔ مرثیہ اپنے انجام تک 10 مئی 1965 میں شمارے میں منصۂ شہود پر آیا جبکہ ابوالعلاء المعری پر مضمون 23 اکتوبر 1967 کے ہفت روزہ کی زینت بنا تھا۔ 5 جولائی 2003 کے شمارے میں مستقل کالم پہاں میں ہوں میں راقم کا مزاحیہ مضمون ''وائٹ ہاؤس میں مشاعرہ'' شائع ہوا تھا۔ یہ سب تراشے میرے لئے حرزِ جاں ہیں۔

یہ ثاقب صاحب کی کرم فرمائی تھی کہ وہ اپنی وفات جنوری 2002 تک خاکسار کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ جو مضمون بھیجتا اس کی نوک پلک سنوار کر شائع کر دیتے خاص طور پر وہ مضامین جو نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کے متعلق ہوتے تھے۔ اس کے بعد آپ کے فرزند ارجمند یاسر زیروی لاہور کے مدیر مقرر ہوئے تو ان کے دورِ ادارت میں کوئی دس پندرہ سال قلمی معاونت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرے پاس ابھی تک ''لاہور'' کے ستر کے قریب پرانے شمارے محفوظ ہیں جو راقم

نے ایک مقامی لائبریری میں جمع کروادئے ہیں۔

کچھ ہی سال پہلے معروف اردو پنجابی شاعر عبدالکریم قدسی نے مجھے بتایا تھا کہ ثاقب صاحب تمہارے مضامین کا غور سے مطالعہ کرتے اور دوسروں کو ان کے مطالعہ کرنے کی تاکید کرتے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ ثاقب صاحب کا دل و دماغ حکمت و فراست کا بیش بہا خزانہ تھا۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ اس سراپا باغ و بہار شخصیت کی صحیح تصویر کشی کرسکوں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کو احساس ہوگا کہ ان کی ذات ہر محفل میں رونق محفل ہوتی تھی۔ جس محفل میں پہنچ جاتے نسیم بہار کی طرح دلوں کو شگفتہ کردیتے۔ عقیدے کے باعث سالہا سال تک ان کو عدالتوں کے چکر لگانے پڑے، رسالے کا ڈیکلریشن منسوخ کرنے کی کوشش کی گئی، کبھی دنیوی چیزوں کی لالچ دی گئی، مشاعروں میں شرکت پر پابندی، ریڈیو ٹیلی ویژن میں شرکت پر پابندی، اشتہارات پر پابندی، مگر ان کی علمی قابلیت، ان کی معاملہ فہمی اور ذاتی اثر آفرینی کا کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے چالاک شاطروں کو انہوں نے چاروں شانے چت کردیا۔ جغادری حریفوں کو جلد ہی پتہ چل گیا کہ ایسے دبنگ آدمی اور راسخ العقیدہ انسان کا مقابلہ کرنا کھیل نہیں ہے۔ ان کے مخالف بھی ان کی اعلیٰ ظرفی کا اعتراف کرتے تھے اور وقت پڑنے پر وہ ان کی مدد کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ ان کی ذات شرافت و نجابت کا سچا اور کھرا نمونہ تھی۔

ثاقب صاحب جیسے لوگ اب کہاں جن پر انسانیت فخر کرے۔ اخلاق کو جن پر ناز ہو، کردار جن کے وجود سے روشن ہو۔ ان کے اٹھ جانے سے علم و فضل، تحقیق و تدقیق، شرافت و کرامت، وقار اور ایثار، زہد و انکسار کی دنیا اندھیری ہوگئی۔ بہرحال رانا عبدالرزاق خان نے یہ مرتب کرکے ہم سب پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔ اور مستقبل کی نسلوں کی معلومات کے لئے یہ خزینہ تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی صحت میں برکت دے۔

زکریا ورک (میپل) ٹورنٹو کینیڈا (5 فروری 2024)



رانا عبدالرزاق خان کا شان دار ادبی کارنامہ



محقق اور دانشور ڈاکٹر عبدالکریم خالد کا تبصرہ

محبّ گرامی رانا عبدالرزاق خان صاحب کی جستجوئے شوق تھمنے میں نہیں آتی۔ اُن کا اَسپ قلم رواں دواں ہے اور سُرعتِ رفتار سے اس طور سرپٹ بھاگا جا رہا ہے کہ ''نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں''۔ رانا صاحب موصوف کے یہاں باگ بھی اُن کے ہاتھ میں ہے اور پاؤں بھی رکاب میں مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ اپنے قلم کو تقدیر کے حوالے کر کے وہ سکون سے بیٹھ نہیں گئے بلکہ تاریخ کے گوشوں اور کونے کھدروں سے ایسے گوہر نایاب تلاش کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں جن کی شخصیت کی چکا چوند آنکھوں کو چندھیائے دیتی ہے۔ تحقیق و تدوین اور تصنیف و تالیف کا ذوق و شوق کچھ اس فراوانی کے ساتھ انہیں ودیعت ہوا ہے کہ اُن کی ذات کا حصہ بن کر روح کی گہرائیوں میں اُتر گیا ہے۔ اُن جیسا مستعد، حوصلہ منداور ہر اعتبار سے چاق و چوبند شخص کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ جس نے قلم و قرطاس سے واجبی سا تعلق نہیں رکھا بلکہ اسے اپنے گلے کا ہار اور ذات کا زیور بنا لیا ہے۔ انہیں اپنے قلم پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے کتابوں کے ڈھیر لگاتے جاتے ہیں اور کتابیں بھی ایسی کہ جنہیں رواروی میں ترتیب نہیں دیا گیا بلکہ تحقیق کی کٹھنائیوں سے گزر کر تلاش و جستجو کے عمل کو آزما کر جامع اور مستند معلومات کو سلیقے سے جمع کر کے انہیں کتاب کا رنگ روپ دیا گیا ہے اور یوں اس سارے کام نے ایک مستند تاریخی ماخذ اور اہم دستاویز کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

حال ہی میں رانا عبدالرزاق خان صاحب نے ایک نمایاں ادبی کارنامہ سرانجام دیا ہے اور

’’دربارخلافت کا جاں نثار‘‘ کے نام سے عظیم اور معتبر شاعر اور ہفت روزہ ’’لاہور‘‘ کے مدیر شہیر جناب ثاقب زیروی مرحوم کے سیرت وسوانح پر ایک نہایت شان دار کتاب مرتب کر کے ہمارے ہاتھ میں تھمادی ہے۔اور مجھ جیسا کتاب کے عشق میں گرفتار شخص حیرت کے عالم میں ہے کہ یاالٰہی، یہ ماجرا کیا ہے۔اردو کے اہم مراکز سے کوسوں دُور بیٹھے رانا صاحب کے ہاتھ میں کون سا الٰہ دین کا چراغ ہے کہ وہ آن کی آن میں سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب منظر عام پر لے آتے ہیں۔ اور کتاب بھی ایسی کہ جس میں شخصیت کے حوالے سے تمام تر جزئیات بھی سمٹ کرآ گئی ہیں اور علم و ادب کا ایک خزانہ پڑھنے والے کے ہاتھ آ گیا ہے۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ثاقب زیروی کی شخصیت اور خاندان کے تعارف پر مشتمل ہے۔جس میں اُن کی سیرت وسوانح اور زندگی کے اہم اور چیدہ چیدہ واقعات کو ہنر مندی کے ساتھ ایک سِلک میں پرویا گیا ہے۔اس کے علاوہ دنیائے ادب وسیاست کی اُن تمام آراء کو بھی باب اوّل میں شامل کیا گیا ہے جو انہوں نے ثاقب زیروی کے بارے میں مختلف وقتوں میں دیں۔ان میں فیض احمد فیض سے پہلی ملاقات کا احوال بھی شامل ہے۔اور ثاقب مرحوم کے ان سے گہرے تعلقات کا پتہ بھی چلتا ہے۔

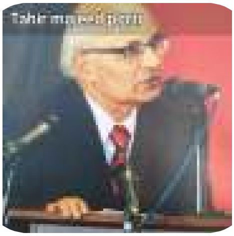
باب دوم میں ثاقب زیروی مرحوم کو احباب کی نظر میں دکھایا گیا ہے۔ان احباب میں رئیس امروہوی، احسان دانش، سید ضمیر جعفری، راغب مراد آبادی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، کلیم عثمانی، قیس مینائی جیسے مشاہیر کے نام شامل ہیں۔اس کے علاوہ ثاقب زیروی کے بارے میں مختلف اہلِ قلم کے رشحات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور اُن کے لکھے ہوئے مضامین اور جستہ جستہ انٹرویوز کو جگہ دے کر کتاب کی وقعت اور افادیت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

تیسرا باب ایک اہم دستاویز پر مشتمل ہے جو ثاقب زیروی کا لکھا ہوا ’’روزنامچہ‘‘ جسے اپنے وقت میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ باب چہارم ثاقب زیروی کی شاعری اور تخلیقی عمل سے تعلق

رکھتا ہے۔اس میں حضرتِ ثاقب کے مجموعہ ہائے کلام ''دورِ خسروی''،''شہاب ثاقب''،''نوید منزل''اور''آہنگ حجاز'' کا تذکرہ ہے اور اُن کا فکری وفنّی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سات سو سے زائد صفحات کی اس شان دار اور قیمتی کتاب کا ایک ایک صفحہ رانا عبدالرزاق خان صاحب کی اَن تھک محنت اور ادبیانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔مَیں اُن کے اس نہایت اعلیٰ کام کو قدر اور رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

رانا عبدالرزاق خاں کی کتاب (دربارِ خلافت کا جانثار) پر مشہور



شاعروادیب طاہرؔ مجید کا تبصرہ

شمع خلافت کا پروانہ تھا ثاقبؔ

طاہرؔ مجید

محترم رانا عبدالرزاق خاں کاٹھ گڑھی نے جب مجھے اپنی نئی کتاب ''دربارِ خلافت کا جاں نثار'' کے لئے کچھ لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے خوشی ہوئی۔اس کی دو وجوہات تھیں۔ان میں پہلی وجہ یہ تھی کہ کاٹھ گڑھ کے بہت سے خاندانوں سے ہمارے خاندان کے بہت مراسم تھے ان میں رانا عبدالرزاق خاں صاحب کا خاندان بھی شامل ہے کاٹھ گڑھ کے جن خاندانوں نے احمدیت قبول کی جنہیں میں جانتا ہوں وہ بڑے سادہ لوگ تھے۔رانا عبدالرزاق خاں بھی بچپن ہی سے ایک بڑا سادہ دیہاتی اور مخلص نوجوان تھا اپنے گاؤں سے وہ نوجوان لاہور رزق کمانے پہنچا تو تب بھی ایک سادہ سا شخص تھا مَیں حیران ہوا کہ وہاں اس نے ادب سے رشتہ قائم کیا۔پھر جب پنجاب سے لندن پہنچا تو پھر اس کی اُڑان نے تو سب کو حیران ہی کر دیا۔سب سے پہلے اس نے ایک کتاب شائع کی پھر وقت کے ساتھ ساتھ ایک کے بعد دوسری اور پھر دس کتابیں شائع کر دیں۔

ان میں سے کچھ اس نے تحریر کی اور کچھ تالیف کیں۔ ان میں بیشتر کتابیں بہت ضخیم ہیں۔ بعض تو 600 سو سے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ 2005ء سے آج تک 500 سو کے قریب مشاعرے کروائے ہیں

2020ء کے بعد وہ ہر دو تین ہفتوں میں زوم کے ذریعے مشاعرے کروا رہے ہیں۔

2013ء جنوری سے رسالہ قندیلِ ادب شائع کرتے ہیں اب تک اس کے 137 ایشو شائع کر چکے ہیں۔

2018ء سے سہ ماہی رسالہ قندیل حق شائع کر رہے ہیں جو اسلامی مضامین پر مشتمل ہے۔

میں رانا صاحب کے کاموں کی مزید تفصیلات بیان کرنے کی بجائے دوسری وجہ کے متعلق اب کچھ بیان کرنا چاہوں گا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جس شخصیت کی سوانح اور سیرت پر یہ کتاب تالیف کی گئی ہے انہیں میں اپنے بچپن سے جانتا ہوں۔ قیام پاکستان کے بعد ہم ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں اپنے سیالکوٹ والے مکان میں گذارتے تھے۔ میرے بڑے بھائی چوہدری عبدالرشید کاہلوں ان دنوں سرکاری ملازمت کے سلسلے میں وہیں رہتے تھے۔ وہیں پر اکثر شام کو ان کے دوست جناب محمد بشیر بھٹی آ جایا کرتے تھے۔ ایک روز ان کے ساتھ ان کے بڑے بھائی جناب محمد صدیق بھٹی بھی آ گئے۔ میری ملاقات پہلی بار ان سے اسی روز ہوئی ثاقب روبروی سے ہماری ملاقات 1961ء میں ہوئی جب میرے بھائی اور ان کے دوست بشیر بھٹی صاحب لاہور منتقل ہو چکے تھے۔ ٹیمپل روڈ پر یہ دونوں بھائی اپنے والدین کے ساتھ رہنے لگے۔ ہم ان دنوں بیگم روڈ کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ یوں ہم دونوں خاندان اکثر ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔

ثاقبؔ زیروی کے حالاتِ زندگی۔

رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے ثاقبؔ زیروی کے حالاتِ زندگی اتنی تفصیل سے بیان کئے ہیں کہ ان کے اجداد کے ذکر سے شروعات کرنے کے بعد ان کے بچپن سے لے کر ان کی وفات

تک کے حالات وواقعات اتنی خوب صورتی سے بیان کئے ہیں جیسے ان کی حیات کی ایک مکمل فلم قاری کے سامنے پیش کر دی ہے۔ میں چند باتوں کا اضافہ کرنا چاہوں گا۔محمد صدیق ابھی ساتویں جماعت میں تھا کہ اس نے اپنا تخلص ثاقبؔ رکھا۔ بہت بعد اس نے اپنا ادبی نام ثاقب زیروی رکھ لیا۔اس کے چند سال بعد میٹرک کرنے کے دو تین سال بعد اس نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ابھی وہ اٹھارہ برس کا نہیں ہوا تھا جب اس نے باقاعدہ شاعری کا آغاز کر دیا۔اس کے ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں۔وہ لکھتے ہیں۔

نگاہوں کو مری تو واقفِ سرِّ نہاں کر دے
مری کم مائیگی کو بے نیاز دو جہاں کر دے
وبالِ جان ہوتے جا رہے ہیں حسرت و ارماں
حیات چند روزہ کو حیات جاوداں کر دے
سرِ محفل میں ان سے بے تکلف ہو کے ملتا ہوں
کہ میری احتیاط ان کو نہ مجھ سے بدگماں کر دے

اس کی ابتداء خوب بلکہ بہت خوب تھی اور ہوتی بھی کیوں نہ کہ اس کو احسان دانش اور عبدالمجید سالک جیسے اساتذہ میسر آ گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ ڈاکٹر اقبال کا فلسفۂ خودی اور ان کی گرمادینے والی شاعری زبان زدعام ہو چکی تھی مگر اقبال خود صاحب فراش ہو چکے تھے۔1938ء میں ان کی وفات ہوگئی۔ 1933 میں حکیم مولوی اللہ بخش صاحب کے دو بیٹے جو میٹرک میں پڑھ رہے تھے ان میں سے ایک بیٹا محمد اقبال معمولی بیماری کے بعد اللہ کو پیارا ہوگیا اس کی موت سے جہاں حکیم صاحب کی کمر ٹوٹی وہاں اس سے زیادہ محمد صدیق کو بھی گہرا صدمہ پہنچا۔حکیم صاحب نے دل برداشتہ ہو کر گھر کی اکثر ذمہ داریاں محمد صدیق پر ڈال دیں۔یہی وہ بنیادی دکھ تھا جس نے محمد صدیق کو ثاقبؔ زیروی بنا دیا۔پھر 1939ء میں ایک واقعہ ہوا۔گورداسپور کے قصبہ

قادیان میں ایک مذہبی جلسہ تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی صدارت میں ہونے والے جلسے میں اس بیس سالہ نوجوان شاعر ثاقبؔ زیروی نے اپنی تازہ نظم جواس نے خاص طور پر اس موقع کے لئے لکھی تھی سنائی۔حاضرین جلسہ اسے سن کرعش عش کر اُٹھے۔اس کے چنداشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ساغرِ بادہء عرفان پلا دے ساقی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی
تجھ سے اقوام زمانہ کی ہے برکت منسوب
میری بگڑی ہوئی قسمت بھی بنا دے ساقی
تو نے جاری کیا خم خانہء تحریک جدید
اس سے بڑھ کے تجھے توفیق خدا دے ساقی
اپنے ثاقب کو جو احساس کی دولت بخشی
تجھ کو اس لطف کی اللہ جزا دے ساقی

یہ عشق کسی ماہ رُخ سے نہیں بلکہ اسے اپنے مرشد سے ہوا تھا جو اسے اس کے آخری سانس تک رہا

ثاقب نے لکھا

پردہ اُٹھایئے گا رُخ لاجواب سے
لپٹی ہوئی ہے دید کی حسرت نقاب سے
ثاقبؔ کو تیسرے عشق سے اک زندگی ملی
ذرے نے اِکتساب کیا آفتاب سے

یہ عشق خلافت ثانیہ سے لے کر مرتے دم تک رہا۔یہی وجہ تھی کہ خلافت ثالثہ اور رابعہ کے سالانہ جلسے ثاقبؔ کے خوش الحان کلام کے بغیر مکمل نہیں ہوتے تھے۔پاکستان بننے کے بعد گورنر

جنرل پاکستان جناب خواجہ ناظم الدین اور ان کی بیگم کی سرپرستی نے ثاقبؔ کو بلند ایوانوں میں لا کھڑا کیا۔ پھر یوں ہوا کہ معروف مشاعرے ثاقب کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں ہوتے تھے۔ بہت بعد کی بات ہے مجھے لاہور کے بڑے مشاعرے میں ایک سامع کی حیثیت میں شرکت کا موقع ملا۔ واپڈا ہاؤس کے آڈیٹوریم میں ایک بہت بڑا مشاعرہ منعقد ہوا جو اس دور کا بہت بڑا مشاعرہ تھا جس میں بڑے بڑے شعراء شریک ہوئے۔ وہیں پر میں نے ثاقب زیروی کو مشاعرہ پڑھتے سنا اور جوش ملیح آبادی کو آخری مرتبہ پڑھتے سنا تھا۔ 1959ء میں ثاقب زیروی کا پہلا شعری مجموعہ شائع ہوا۔ جس کا نام اس نے شہاب ثاقب رکھا۔ جب کسی شاعر کا مجموعہ شائع ہوتا ہے تو اس سے عموماً وہ پورے کا پورا شاعر سامنے آ جاتا ہے اور یوں قارئین پر وہ شاعر رفتہ رفتہ کھلنے لگتا ہے۔ میں نے جب شہاب ثاقب کو پڑھا تو جو علامتیں اس میں میرے سامنے آئیں وہ کچھ یوں تھیں۔ جام، مئے، ساقی، میکدہ پھر عشق، جنوں، آنکھیں اور نظر۔

میں آپ کو اس کے کچھ شعر پیش کرتا ہوں۔ جہاں اسی کی یہ علامتیں بار بار سامنے آتی ہیں۔

عطا کیا تجھے خدا نے بلند کیسا مقام ساقی
کہ تیرے ساغر کی ایک گردش ہے گردشِ صبح و شام ساقی
اسی طرح مست مست آنکھوں سے اپنے ثاقبؔ کو دیکھتا رہ ساقی
کہ تیرے ان میکدوں سے قائم ہے دو جہاں کا نظام ساقی
میرِ مَے خانہ ہے میں ہوں بادہء گل فام ہے
اب میرے ساغر کی زد پہ گردشِ ایام ہے
قلب و جگر کو غم کے سہارے نہیں رہے
شاید ہم ان کے اور وہ ہمارے نہیں رہے
عشق کو تسلیم عذرِ احتیاط و مصلحت

ہے مگر رکھتے ہیں اک ذوقِ جداگانہ ذرا
نظر ملا نہ سکیں گردشیں زمانے کی
ہجوم غم میں ادا سیکھ مسکرانے کی

لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے ان علامتوں کو یوں استعمال کیا ہے کہ اس کا عشق بھی سر چڑھ کے بولا اور عام سامع کو بھی یہ اندازہ نہ ہوسکا کہ یہ مے اور جام کے اشارے کہاں تک پہنچتے ہیں۔ یہی اس کی شاعری کا خاص انداز ہے۔جس طرح پنجابی میں ایک مثال ہے۔

''رو وے یاراں نوں ناں لے لے کے بھراواں دا''

کچھ اس طرح وہ مے۔جام۔ساقی۔اور میخانے کی باتیں کرتا رہا مگر اصل میں وہ اپنے عشق کی سرمستی کا اظہار کررہا ہوتا تھا۔ جسے اس کا محبوب جان لیتا تھا۔اس کی ان علامتوں نے مجھ پر اس کا مسئلہ واضح کر دیا۔میرے نزدیک اس کا اصل مسئلہ وہ عشق تھا تو اسے 1939ء میں ہوا تھا۔جو آخر دم تک اس پر سوار رہا۔اس لئے کہ وہ ایک سچا عاشق تھا اس کا محبوب اسے جو کہتا تھا وہی کرتا تھا اس کا معشوق جیسے جیسے اس کے رُخ موڑتا تھا وہ ویسے ہی مڑتا چلا جاتا تھا۔اس طرح یہ بھی ہوا کہ عاشق بھی مطمئن تھا اور معشوق بھی۔

میں نے اس کی صحافت کا ذکر نہیں کیا۔حالانکہ وہ شاعر کے مقابل صحافی بڑا تھا۔اس لئے بھی کہ میں خود شاعر ہونے کے سبب کو بطور شاعر بہتر طور پر جانتا تھا۔ثاقب نے جاتے ہوئے کہا تھا

مجھے رُخصت کریں رندانِ مَے نوش
کہ میں اس میکدے سے جا رہا ہوں

بس یہ کہتے ہوئے وہ ہم سے رُخصت ہو گیا مگر وہ اَن گنت یادیں ہمارے لئے چھوڑ گیا۔

طاہر مجید جرمنی

۶ مارچ ۲۰۲۴



تبصرہ

شہزادہ قمرالدین مبشر

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی یکے بعد دیگرے کتابیں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ حال ہی میں کتاب ''دربارِ خلافت کا جاں نثار'' کے مسودہ کو سرسری نظر سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جو علمی سمندر کا نایاب موتی ہے۔ یہ کتاب محترم ثاقب زیروی صاحب کی زندگی پر مشتمل ہے۔ محترم ثاقب زیروی صاحب نے اپنی پوری زندگی ایک عظیم مشن کے تحت گزاری۔ گورنمنٹ کی سروس کو چھوڑ کر محض لِلہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھتے ہوئے اخلاق کی اعلیٰ مثالیں پیش کی ہیں جو آنے والی نسلوں کیلئے ہمیشہ کیلئے مشعلِ راہ رہیں گی۔

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صحافت کے مضبوط ستون ہیں۔ صحافتی زندگی میں استقلال کے ساتھ عظیم کام کر رہے ہیں۔ آپ سیاست کی نبض پہچانتے ہیں۔ دوراندیش، کمال کے شاعر، ادیب وصحافی ہیں۔ جو خوبیاں محترم ثاقب زیروی صاحب سے دیکھنے کو ملی وہ بھی آپ نے اپنائی۔ یہ سب آپ کو جماعت احمدیہ مسلمہ کی بدولت ورثہ میں ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محترم ثاقب زیروی صاحب کو نثر اور شاعری میں بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اُن کی دل کو چھو لینے والی آواز ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ ہی نہیں کرتی تھی بلکہ دل کو سکون دیتی ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل نظمیں بہت مقبول ہوئیں۔ جو جماعتی جلسوں میں اکثر سننے کو ملتی ہیں۔

* ۔درود تم پر سلام تم پر۔ * ۔خلافت سہارا ہے ہم غمزدوں کا * ۔شعور دے کے محمد کے آستانے کا۔ * ۔دلی زباں سے نعت پیمبر سنائیں۔ * ۔ہے عرفان اِسلام ہر سمت جاری، فلک گیر ہے اب صدائے خلافت

محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب مدیر اعلیٰ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن نے اس کتاب کو

لکھنے، تحقیق کرنے میں دن رات ایک کردیا۔ کتاب ہذا قریباً پانچ صد صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق خوبصورت بنایا گیا ہے۔ضعیف العمر میں موصوف کا شوق و جذبہ لگاتار بڑھتا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان واخلاص میں برکت دے۔آپ ہر ماہ کسی نہ کسی موضوع پر کتاب کی رُونمائی مشاعروں کے انعقاد کے ذریعہ کرتے نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری دُنیا بھر میں مقبول ہوتی جارہی ہے۔محترم ثاقب زیروی صاحب کی زندگی پر مشتمل یہ نایاب کتاب تاریخ احمدیت میں روزِ روشن کی طرح کامیابیوں کی بلندیوں کو چھوئے گی۔انشاءاللہ

محترم ثاقب زیروی صاحب نے جن حقائق کو دیکھا اور محسوس کیا انہیں محترم رانا صاحب نے اُسے قلمی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔بعض اہم تاریخی واقعات کا ذکر اس کے صحیح تناظر میں پہلی بار پڑھنے کو مل رہے ہیں۔ لاہور میگزین میں احمدیت کے مرکزی نکتہ نظر سے جو تاریخی کردار ادا کیا وہ اپنی مثال آپ ہیں۔جس کا ذکر اس سوانح سے ملتا ہے۔محترم ثاقب زیروی صاحب کی آج تک کی سبھی نظمیں بھی اس کتاب میں شامل کردی گئی ہیں۔گویا یہ کتاب ثاقب زیری صاحب کی علمی ادبی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔محترم ثاقب زیروی صاحب کے کلام جو سوشل میڈیا میں سنے، دیکھے جاتے ہیں اور کتابوں ومیگزین میں پڑھنے کو ملتے ہیں انہیں سن پڑھ کر تسکین ملتی ہے۔محترم راناعبدالرزاق خاں صاحب اوران کے معاونین کواس کتاب کی اشاعت پر دِلی مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ رانا صاحب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور یہ کتاب عوام الناس اوران کے لواحقین کیلئے دُعاؤں وشکروحمد کا سامان پیدا کرے۔آمین

محترم ثاقب زیروی صاحب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی کتاب ایک غلطی کا ازالہ کی ضبطی کا حکم پڑھ کراپنے اشعارکو یوں پیش کرتے ہیں۔

حدود ذہن پر تعزیر کے پہرے بٹھا دیجیئے
لب اظہار پر تادیب کے تالے لگا دیجیئے

کچھ اس طرح غرورِ کجلا ہی کو جلا دیجیئے
لرزتے آنسوؤں کو دیکھتے ہی مسکرا دیجیئے

شہزادہ قمرالدین مبشر
21 ستمبر 2023ء
گلاسگو۔اسکاٹ لینڈ



باب اوّل

دنیا کا اِتنا ظرف کہاں ہے کہ سونپ دوں
وہ تجربات جو ہیں امانت حیات کی

تجربات جو ہیں امانت حیات کی

یادیں باتیں

ثاقب زیروی

حیات ثاقب ایک نظر میں

نام	محمد صدیق
ولدیت	حکیم مولوی اللہ بخش صاحب
ذات	راجپوت۔ پنہور جیسلمیر
پیدائش	11 اپریل 1919 ماہی والا (قصور) ضلع لاہور
تعلیم	بی اے
سکونت	زیرہ ضلع فیروز پور
شادی	1943ء
کاروبارزیست	1934ء سیشن کورٹ میں لیوز ریز رسٹ
سرکاری ملازمت	1938-42ء سب انسپکٹر کواپرایٹو بینک
وقف	1942ء

صحافت کی عملی تربیت 1946ء

(روزنامہ انقلاب میں مولانا عبدالمجید سالک صاحب اور مولانا غلام رسول مہر کے زیر تربیت عملی صحافت کا آغاز)

قیام پاکستان کے بعد سکونت مہتہ سٹریٹ، 14 ٹمپل روڈ۔ لاہور

ہفتہ روزہ ''لاہور'' کا آغاز فروری 1952ء

وفات 13 جنوری 2002ء

اولاد طاہر محمود زیروی، ظاہر فاروق احمد، انور مسعود احمد، یاسر منصور احمد زیروی

احوال

محترم ثاقب زیروی نے اپنی پوری قلمی زندگی ایک مشن کے تحت بسر کی۔جس جذبہ کے ساتھ آپ نے سرکاری نوکری چھوڑ کر دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی خاطر پوری زندگی وقف فرمائی۔اور جن توقعات کے ساتھ حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کی مخفی صلاحیتیں پہچان کر صحافت کی عملی تربیت دلوائی تھی اس پر پورا اُترے ثاقب زیروی نے اپنی صحافتی زندگی میں نہایت جانفشانی اور استقلال کے ساتھ عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔سیاسی اور سماجی حالات پر آپ کی گہری نظر تھی۔جو بھی اہم واقعہ رونما ہوا۔آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے اسے نثر اور شاعری کی صورت میں ضبط تحریر میں اسطرح لائے کہ واقعہ کا پسِ منظر، نتائج اور اس کا حل نکھر کر سامنے آجاتا۔اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو بہت سے اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا وہاں بے پناہ حافظہ کی نعمت بھی عطا کی تھی۔1996ء میں آپ کو برین ہیمبرتج کی بیماری کا سامنا کرنا پڑا۔برین ہیمبرتج کے آپریشن کے بعد یادداشت کے ساتھ ساتھ تمام جسمانی اعضاء کا معمولی کے مطابق کام کرنا محض فضلِ الٰہی تھا۔اس آپریشن کے بعد ہی آپ نے دوست واحباب کے اصرار پر اپنے حالات زندگی قلم بند فرمائے۔محترم ثاقب زیروی نے جن حقائق کو دیکھا اور محسوس کیا انہیں تحریر کی صورت عطا کی اور اپنے تاثرات کو زبان دی اس خودنوشت میں پڑھنے والے کو بعض اہم تاریخی واقعات کا ذکر اسکے صحیح تناظر میں پہلی بار پڑھنے کو ملے گا۔''لاہور'' نے احمدیت کے نکتہ نظر سے جو تاریخی کردار ادا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔جس کا اجمالاً ذکر آپ کو اس سوانح میں بھی ملے گا۔

حضرت حکیم مولوی اللہ بخش خاں صاحب کی زندگی کا ایک ورق

ولادت فروری 1877ء۔بیعت اپریل 1907ء۔وفات 21 مارچ 1963ء

''اللہ بخش! بس! اس سے آگے مَیں حضرت مرزا صاحب اور اُن کی جماعت کے خلاف ایک

لفظ نہیں سُن سکتا۔ مجھے تم سے بیٹوں کی طرح محبت تھی جو مَیں اب تک چُپ رہا ورنہ یہ دیکھو! میری باتوں سے میرے سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ مسجد والے میرے رازق نہیں ہیں اگر انہوں نے کوئی الزام لگا کر مجھے یہاں سے نکال دیا۔ تو پھر بس!''

'اللہ واحد فی السمآء وَاِنا واحد فی الذِیرِہ۔۔۔

تم دیکھ لوگے میرا خدا مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا''

یہ تھے زیرہ (ضلع فیروز پو)ر میں احمدیت کی تخم ریزی کرنے والے جید گروہ کے سرخیل حضرت مولانا مولوی علی محمدؔ صاحب کے وہ الفاظ جنہوں نے حضرت ابا جان (حکیم مولوی اللہ بخش خاں) کے فکر ونظر کے تمام زاویئے ہی بدل ڈالے اور وہ شخص جو دن رات اپنے اُستاد حضرت مولوی علی محمدؔ صاحب سے یہ کہا کرتا تھا'' مولوی صاحب آپ کس جماعت کے پیچھے لگ گئے ہیں جس کو قدم قدم پر گالیاں ملتی ہیں اور جس کے افراد کے ہر روز منہ سیاہ کئے جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ کا سارے علاقے ہی میں بڑا وقار ہے۔ مسجد سے معقول آمد ہے۔ ہم ایسے زمینداروں کے لڑکے آپ سے علم حاصل کرنا برکت اور سعادت خیال کرتے ہیں۔ دُور دُور تک آپ کا علمی دبدبہ ہے آپ کو نہ جانے اس کتاب میں کیا نظر آ گیا ہے کہ آپ یکسر گدازی ہو گئے ہیں'' اس مبارک ومسعود تخم ریزی کے ساتھ اپنے اُستاد مکرم کی اس تبدیلی عقیدہ پر غور کرنے لگا تھا اور اس کے دل میں احمدیت کیلئے تجسس کی سچی تڑپ پیدا ہو گئی تھی۔ اس مبارک ومسعود تخم ریزی میں ''زیرہ'' کی اصل داستان مختصراً یوں ہے کہ ضلع جالندھر کے ایک ''صحابی'' میاں جھنڈا ایک دو جمعوں پر حضرت مولوی صاحب کو مسیح موعود کے ظہور پُرنور کا مثر دہ سنانے آئے مگر دونوں دفعہ ان کے حکم پر مسجد سے دھکے دے کر نکال دیئے گئے حتیٰ کہ وہ ایک دن حضرت مسیح موعود کے تیر بہدف نسخہ تزکیہ نفس۔۔ ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' سے لیس ہو کر آ دھمکے اور ایسی شست باندھ کر کمان سے تیر چھوڑا کہ عین سینے پر لگ کر آر پار ہو گیا اور حضرت مولانا گھائل ہو گئے اور اپنے سینے سے ٹکرا کر دامن میں آ گرنے والی اس

کتاب کے چند ہی صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد بے ساختہ پکار اُٹھے ''ہم تو اب تک اس شخص کو صرف فیضیٔ زماں ہی سمجھتے رہے ۔ یہ تو ''امام زماں'' نکلا، اللہ بخش اسی وقت جاؤ اور مسجد کے مدارالمہام سے کہہ آؤ کہ اپنی مسجد کے لیے کسی نئے خطیب وپیش امام کا انتظام کرلیں''

اور چند دنوں بعد گوجروں کے نمبردار سے اُن کی ویران مسجد کو آباد کرنے کی اجازت لے کر دونوں شاگرد استاد کھرپے لیے صحنِ مسجد کو گھاس پھونس سے صاف کرنے میں جُت گئے اور یوں بیعت سے بھی پہلے حضرت مولانا اوران کے بیسویں ارادت مند علیحدہ نماز ادا کرنے لگے۔ جس کے کچھ دنوں بعد مولانا نے حضرت ابا جان کو حضرت مسیح موعود کی صداقت کے بارے میں اپنے سے استخارہ کرکے رہنمائی حاصل کرنے کی تلقین فرمائی جس کے نتیجے میں آپ نے ایک ایسا واضح واشگاف اور پُرانوار خواب دیکھا کہ دامنِ مسیح سے وابستہ ہوجانے میں کوئی انقباض باقی نہ رہا ۔اس خواب میں حضرت معاذؓ بن جبلؓ نے آپ سے مل کر حضرت مولوی صاحب کا پتہ پوچھا اور سید ولدِ آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ سایہ میں ورود مسعود اور پڑاؤ میں میدان میں بیعت لینے اور بڑے چوک میں جھنڈا گاڑنے کا مُژدہ سنایا۔ اتنے میں دو اس سے بھی خوبصورت گھوڑوں پر دونوں متذکرہ برگزیدہ ہستیوں کی سواریاں آ گئیں۔ ابا جان نے بڑھ کر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھوڑے کے بال کو پکڑ کر بوسہ دیا۔ حضورؐ نے بھی حضرت مولوی صاحب کے متعلق دریافت فرمایا۔ پھر پڑاؤ میں بیعت ہوئی اور بڑے چوک میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوش بخت سامعین کو اپنے ارشاداتِ مقدسہ سے نوازا۔ حضرت ابا جان یہ خواب (جس کے اُچٹتے سے کوائف ہی مَیں نے یہاں بیان کیے ہیں) ہر دوسرے تیسرے ہفتے بڑے ہی مزے لے لے کر ہم سب کو سنایا کرتے تھے۔ اس آفتاب عالمتاب کا جلوہ دیکھ لینے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ معجز بیان سے مسیح موعود کی تائید وصداقت سُن لینے کے بعد تو اشتباہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی ۔ چنانچہ حضرت ابا جان کامل انشراحِ صدر کے ساتھ دامے، درمے،

قدمے، سخنے حضرت مولوی صاحب سے تعاون کرنے لگے اور مغرب وعشاء کے درمیان اور عشاء کے بعد روزانہ مسجد میں تبلیغی مجالس جمنے لگیں جن میں بعض اوقات حضرت مولوی صاحب اگر رات کے وقت وعظ ونصائح شروع فرماتے تو سپیدئ سحر نمودار ہو جاتی۔

اب زیرہ میں چرچہ تھا تو احمدیت کا، مخالفت تھی احمدیت کی اور دلوں میں دبدبہ تھا تو احمدیت کیلئے۔جس نے حضرت مولوی علی محمد صاحب ایسے جید عالم کو بھی ''حلقہ بگوش'' بنالیا تھا کہ ایک دن تحصیل میں چپراسیوں کے ناظم حضرت منشی کا کو خاں عرف کڑ کے خاں آئے اور بھری مجلس میں حضرت مولوی صاحب سے بڑے درد واعتماد کے ساتھ مخاطب ہوئے۔''مولوی صاحب! کیا واقعی حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔کیا آپ اپنے رب کی قسم کھا کر مرزا صاحب کے اس دعوے کی تصدیق کر سکتے ہیں؟'' حضرت مولوی صاحب اُس وقت کلام پاک کا واعظ فرما رہے تھے۔فوراً دائیں ہاتھ میں اسی کتاب کو بلند کرتے ہوئے فرمایا'' کاکو خاں! قسم ہے مجھے اُس خدائے واحد کی جس نے یہ زمین وآسمان بنائے ہیں اور جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔یہ قرآن تو حضرت عیسیٰؑ کو وفات یافتہ ہی ثابت کرتا ہے۔اور حضرت مرزا صاحب اپنے تمام دعاوی میں صادق ہیں۔یہ سنتے ہی منشی کاکو خاں چھلک پڑے اور بڑے مسرت آفرین لہجے میں بولے بھائیو! مَیں تو پھر کل قادیان جا رہا ہوں بولو میرے ساتھ اور کون کون چلتا ہے۔

اس پر حضرت ابا جان اور حاجی محمد دین صاحب کمبوہ نے معیت سفر کی حامی بھری اور احمدیت کے تین عاشقوں کا قافلہ اپنے نادیدہ محبوب کی زیارت کے لئے 1905ء والے زلزلے کے دوسرے دن تخت گاہ مسیح زمان (قادیان دارالامان) کی طرف روانہ ہو گیا۔قادیان پہنچے تو شوق زیارت آنکھوں سے اُمڈ اُمڈ پڑتا تھا۔ہر بزرگ چہرے میں وہی جھلک تھی ہر روئے روشن میں وہی نور اور سرور دکھائی دیتا تھا۔حضرت منشی کاکو خاں اسی لگن میں ہر بزرگ چہرے کو دیکھ کر لپکتے اور پوچھتے''کیا آپ امام مہدی ہیں''؟ جواب ملتا''نہیں بھائی میں تو اُن کی خاک پا بھی نہیں خدا کا مسیح

تو اندر قلمی جہاد میں مصروف ہے‘‘ یہاں تک کہ حقیقی امام مہدی مسجد المبارک میں طلوع ہوئے اور ابھی دروازے سے نکل کر دوقدم بھی نہ چلنے پائے تھے کہ حضرت منشی کا کو خاں نے بڑھ کر عرض کیا’’ حضور! ہماری بیعت لے لیجئے!‘‘اس التجا میں نہ جانے کس قدر اعتماد تھا کہ حضور نے اپنی عادت اور معمول کے خلاف کسی مزید تجسس اور تحقیق کی تلقین نہ فرمائی اور وہیں بیٹھ کر اپنے عاشق کے ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر بیعت کے پُر ہدایت الفاظ دہرائے دل مسرت ایمان سے چھلک اُٹھے۔آنکھیں خمار نور محمدی سے اُبل پڑیں۔ایسی کہ ابا جان کو اپنے مشفق استاد کا تحریری بیعت والا رقعہ بھی پیش کرنا یاد نہ رہا۔لیکن جوں ہی وہ حبیب لبیب نگاہوں سے اوجھل ہوا۔ یہ ایمان افروز نظارہ بدلا ،حضرت ابا جان کو احساس ادائیگی فرض نے جھنجھوڑا۔فوراً دروازے پر پھر جا دستک دی۔ خادم باہر آیا۔عرض کیا۔حضرت صاحب تک یہ التجا پہنچاؤ کہ ایک لمحے کیلئے باہر تشریف لائیں۔ایک پیغام دینا تھا‘‘۔خادم اندر سے جواب لایا کہ’’ پیغام اُسی کو دے دیا جائے‘‘ دوبارہ التجا کی۔’’ پیغام تحریری ہے اور اُس کے متعلق تاکید ہے کہ حضور کے ہاتھوں میں دیا جائے‘‘۔اللہ رے عشق کے ناز و نیاز ایک ہی ملاقات میں نصیب عشق آسمانوں پر جا پہنچا۔حضور باہر تشریف لائے۔سر پر عمامہ نہ تھا ایک قدم صحن بیعت الذکر میں تھا تو ایک باہر۔حضرت ابا جان نے تحریری بیعت والا رقعہ پیش کیا حضور نے مطالعہ کے بعد خفیف سے متبسم کے ساتھ فرمایا’’ مولوی صاحب سے کہیں کہ اب وہ ’غزنوی باغ کی بجائے’’ احمدی باغ ‘‘ کی بلبل ہیں ۔اللہ تعالیٰ انہیں زیرہ میں بہت جلد ایک مضبوط اور مخلص جماعت بنادے گا‘‘اور زیرہ کا ہر محلہ، ہر گلی، بلکہ اس کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے مسیح کے ارشاد کے طفیل واقعی ایک مضبوط اور مخلص و با اثر جماعت عطا فرمائی جس کی وہاں اپنی ایک خوبصورت بیت الذکر تھی ۔اپنی عیدگاہ تھی ۔جس میں ہر طبقے ، درجے اور سلیقے کے افراد شامل تھے اور قصبے کی میونسپلٹی کے تین مسلمان ممبروں میں سے اکثر دو ممبر اسی ساٹھ گھروں والی جماعت کے ہوتے تھے۔مَیں کن الفاظ میں اس انداز کو بیان کروں کہ حضرت ابا جان حضرت

مسیح موعود کی خدمت میں حضرت مولوی صاحب والا رقعہ پیش کرنے کا یہ واقعہ بار بار کیسی لذت اور سرور کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ پھر پاکیزہ مشاہدے پر یہ اظہار مسرت و بہجت کہ ''ان آنکھوں نے اپنے آقا و مولا کو ننگے سر (بغیر عمامہ کے) بھی دیکھا ہے'' اور یہ بھی کہ ''جب قادیان سے لوٹے تو تاثیر و تاثر کا یہ عالم تھا کہ بس جس سے بھی ذکر چھڑا۔ گھائل ہو گیا۔'' حضرت مولوی صاحب کو لمبی عمر نصیب نہ ہوئی لیکن وہ اپنے فیض تربیت سے اپنے شاگرد رشید کے قلب و ذہن میں احمدیت کے ساتھ ایک ایسا عشق اور والہیت بھر گئے کہ احمدیت ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا بن کر رہ گئی اور اس سے الو ہی زندگی کا سب سے بڑا مطمحِ نظر ہو کر رہ گیا۔ اس پر چند سال بعد حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی صحبت بابرکت کا تاثر و نقش کہ مجھے یاد نہیں کہ زندگی میں اُن سے کسی شخص نے کسی موضوع پر کوئی بات کی ہو اور آپ نے تیسرے یا چوتھے فقرے ہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت خلیفۃ المسیح الاول یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایمان افروز ذکر نہ چھیڑ دیا ہو اور یہ یقیناً اُسی تڑپ کا انعام اور حاصل ہے کہ قصبہ زیرہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دریا کے کنارے پر واقع زیرہؔ فیروز پور اور قصورؔ کے درجنوں دیہات میں آپ کے ہاتھوں سے احمدیت کی تخم ریزی کرائی اور وہاں مخلص جماعتیں قائم ہوئیں اور آپ کے دل میں حضرت مسیح موعود کے مقدس مشن کی اشاعت و تبلیغ کی لگن کا مقصد وحید بن کر جاگزیں ہوگئی۔ حضرت ابا جان کا انداز تبلیغ آپ کے مزاج اور لباس کی طرح نہایت سادہ پُرسوز اور درد آفریں ہوتا تھا وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے مختلف امراض کیلئے ادویہ کا ایک صندوقچہ بھر کر تبلیغی دورہ کیلئے نکل کھڑے ہوتے اور قریہ قریہ دیہہ بہ دیہہ پھر کر بیمار انسانیت کی خدمت بھی بجالاتے اور ساتھ ساتھ تشنۂ روحانیت دنیا تک امامؔ الزمان کے ظہور پُرنور کا مژدہ جانفزا بھی پہنچاتے لوگوں کو قرآن کریم پڑھاتے ۔ اس کا ترجمہ و تفسیر ذہن نشین کراتے احادیث نبویؐ کا درس دیتے ۔ اور یوں آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر دلوں میں دین کی چنگاری بھی سلگاتے چلے جاتے۔ تبلیغ کیلئے آپ کا انتخاب بھی عام طور پر انوکھا، سادہ اور دوسروں سے مختلف ہوتا

تھا۔ آپ تبلیغ کیلئے عام طور پر ایسی روحیں اور دل چُنتے جن پر دوسروں کی نگاہ کم از کم پڑتی ہو اور جو دنیا والوں کی نگاہ میں بڑے کم مایہ اور معمولی ہوتے مگر احمدیت کی جلا پاتے ہی یہ ذرے ایسے آفتاب بن جاتے کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتیں۔ اسی طرح کے دو ایک چکروں کے بعد نومبر کی پہلی یا دوسری تاریخ ہی کو گھر سے نکل کھڑے ہوتے سال کے آخری دورہ میں زیر تبلیغ دلوں کے روحانی استحکام کا جائزہ لیتے۔ اُن کے ذہنوں کے اشکال وشبہات کھنگالتے اُنہیں دُور کرتے۔ جلسہ سالانہ کی برکات ذہن نشین کراتے۔ اسلام کی اجتماعی شان وشوکت کا نظارہ کھینچتے اور یوں پھرتے پھراتے جب ہفتوں کی مسافت کے بعد دارالامان پہنچتے تو اُن کے ساتھ ہر سال پندرہ بیس تازہ واردان کا قافلہ ہوتا۔ جن میں سے اگر آٹھ دس بیعت کر جاتے تو باقی آئندہ سالوں کیلئے پوری طرح تیار ہو جاتے اور اُن کے دل احمدیت کے متعلق خوش ظنیوں سے بھر جاتے اور یوں ہر سال چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا۔ گھر میں (بشمول حضرت والدہ محترمہ مدظلہا) سب کو قرآن کریم کا ترجمہ آپ نے خود پڑھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اہم کتب کا مطالعہ سبقاً سبقاً کرایا۔ حضرت مسیح موعود کا اردو، عربی اور فارسی کلام آپ کو کم وبیش تین چوتھائی از بر تھا۔ بلکہ حضور کی اُردو درثمین کی دو تہائی نظمیں تو ہم تینوں بھائیوں کو (جن میں سے مجھ سے بڑے محمد اقبال جو احمدیت کے فدائی تھے اور 4 دسمبر 1933ء کو اللہ کو پیارے ہوئے) میٹرک پاس کرنے سے قبل ہی از بر تھیں۔ اور حضور کے عربی قصیدہ الہامیہ کا شب وروز ورد تو حضرت ابا جان کا معمول تھا۔

میرے چھوٹے بھائی محمد بشیر سلمہ نے چوتھی جماعت ہی میں قرآن کریم حفظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُن کی تلاوت میں جاذبیت ہے اس لئے ہمارے قصبے کے بیشتر جلسے عموماً گھر کے افراد ہی سے ہو جایا کرتے عزیزم محمد بشیر سلمہ تلاوت کرتے مَیں نظم پڑھتا اور حضرت ابا جان تقریر فرما دیتے۔ سبحان اللہ کیسی خوشگوار ہیں یادیں اور کس قدر ایمان افروز ہے یہ ذکر جس سے زندگی اب تمام عمر کب سکون وطمانیت حاصل کرے گی۔ بھلا اب یہ سرتا پا توکل وتبلیغ ہستیاں اور احمدیت کی چلتی

پھرتی تصویریں کہاں ۔آپ کو شاید یہ سُن کر حیرانی ہو کہ علم دین میں ایسا شغف درک اور دسترس رکھنے والا میرا درویش باپ دنیا کے معاملات میں ایسا بے نیاز اور بے پرواہ تھا کہ ایک روپے کی ریز گاری گنتے ہوئے بھی غلطی کھا جاتا تھا۔ بازار والے جیسا چاہتے سڑا بُسا سودا دے دیتے اور وہ لے آتا۔ جتنے پیسے لوٹاتے لیکر گھر چلا آتا۔ مجھے خوب یاد ہے جب ایک دفعہ مسلسل دو چار دن گھر میں اسی قسم کا ذکر سننے میں آیا تو ایک دن میرے چھوٹے بھائی (محمد بشیر سلمہ) نے دریافت کیا''ابا جان! عام زندگی میں تو آپ اچھے اور بُرے آلوؤں میں بھی پہچان نہیں کر سکتے آپ نے وقت کے امام کو کیسے پہچان لیا تھا؟'' تو آپ نے اپنے روایتی تبسم کے بعد فرمایا۔''بیٹا وہ تو چہرہ ہی ایسا کھلی اور پاکیزہ کتاب کی طرح تھا کہ اُس پر نگاہ ڈالتے ہی دل کے تمام شکوک وشبہات دور ہو جاتے اور ذہن کی تمام گرہیں کھل جاتی تھیں اور یہ کہتے ہوئے حلق رندھ گیا آنکھیں ڈبڈبا اُٹھیں اور ماحول پر ایک ایمان افروز تاثر طاری ہو گیا۔

جو مل جاتا شکرانہ کے ساتھ کھا لیتے۔ جو میسر آجاتا الحمدللہ کہہ کر پہن لیتے اور یہ یقیناً اس تشکر و توکل ہی کا کرشمہ ہے کہ محدود آمدنیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہم سب کی سفید پوشی کا اب تک بھرم قائم رکھا۔ سلسلہ کی تمام اہم مالی تحریکوں میں حسبِ خواہش حصہ لینے کی توفیق سے نوازا اور آج تک کبھی کسی ایسی ضرورت اور احتیاج میں مبتلا نہیں کیا جو عزت نفس مجروح ہونے کے بعد پوری ہونے والی ہو، اور یہ اُسی بلند و برتر کا فضل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت اور حضرت ابا جان کی کوششوں اور دعاؤں کے طفیل (الحمدللہ) گھر کے تمام افراد ایک دوسرے سے بڑھ کر اسلام اور احمدیت سے دعویٰ شیفتگی رکھنے والے ہیں اور اسی نور کو سرمایہ حیات گردانتے ہیں ۔(اللھم زد فزد) میرا خدا اس نعمت کو ہماری آئندہ نسلوں کیلئے بھی مختص اور دائمی کر دے۔آمین

1947ء میں جہاں دوسرے زخم لگے حضرت ابا جان سے اپنا مخصوص حلقہ تبلیغ بھی چھوٹ گیا۔ اس پر دوسرا ستم یہ ہوا کہ اُن کا درویش مزاج ادھر کی افراتفریوں میں ایک لمحہ کیلئے بھی نہ کھپ سکا۔

طبیعت کا یہی ملال اور گھٹن 1955ء کے آواخر میں انحطاط صحت کی صورت میں نمودار ہونے شروع ہوگیا۔ ذیابیطس صحت کی چمک دمک کو دیمک بن کر چپک گئی اور رفتہ رفتہ قصر رعنا کی ہر جولانی کو چاٹ گئی لیکن دینی معلومات میں اب بھی کوئی کمی نہ تھی اور ہم بھی دنیا ومافیھا سے بے نیاز اُن کی مضبوط اور بابرکت دعاؤں کی ڈھال کے سہارے زندگی کے معمولات ومشاغل کو حسب سابق نباہتے چلے جارہے تھے کہ دسمبر 1962ء میں ان مستقل عارضوں میں ''ذات الجنبب'' کا اضافہ ہوگیا۔ جس کے باعث میں بمشکل 1962ء کے جلسہ سالانہ میں صرف ایک دن کیلئے حا ضری دے سکا اور عزیزی محمد بشیر سلمہ کو اُن کی خدمت میں رہنے کے باعث پورے جلسے ہی کی قربانی دینی پڑی۔

یہ پہلا رمضان تھا کہ آپ نقاہت وانحطاط صحت کے باعث روزے نہ رکھ سکے۔ لہٰذا فدیہ ادا کیا گیا اور اب تو چند ہفتوں سے گفتگو کا بھی یہ رنگ اور انداز تھا کہ اس سے فراق دائمی کی کرب آفریں پیش خبریاں صاف پڑھی جاسکتی تھیں یہاں تک کہ 21 مارچ 1963ء کو اپنی رہائش گاہ (3 ٹمپل روڈ، لاہور) میں علی الصبح تہجد کے وقت (تین بج کر پچیس منٹ پر) حضرت مسیح موعود کا یہ وارفتہ وشفتہ مغموم ہمیں ملال ویاس میں گم سم چھوڑ کر اپنے حبیب ومقتدا کی جانب پرواز کر گیا۔ وہ درویش ومحبوب باپ جس نے تمام عمر اپنے بیٹوں کیلئے اپنے سے بھی کہیں زیادہ دینی ودنیوی عزت و سربلندی کی دعائیں مانگیں۔ نزع کیفیت صرف چند ثانیوں کیلئے طاری رہی۔ اتنے مختصر ترین عرصے کیلئے کہ ہم اپنے سے پندرہ بیس قدم پر رہنے والی ہمشیرہ (عزیزی حفیظہ سلمہا) کو بھی نہ بلوا سکے۔ بس جسم کے بالائی حصہ میں خفیف سے تناؤ کے ساتھ ایک معمولی سی ہچکی لی اور پھر دو لمبے سانس اور کلمہ طیبہ کے وِرد کے دوران ہی مسیح موعود کی یہ نشانی (جو ہمارے لئے لاریب ان گنت برکتوں اور سعادتوں کا خزانہ تھی) دائمی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور پہنچ گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون یا اللہ رحم! حضرت ابا جان کے سفر آخرت کا ذکر نوک خامہ پر کیا آیا۔ زندگی کی

کا یا پلٹ جانے کا نقشہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ اپنی رستی بستی دنیا کے متزلزل ہو جانے کا کربناک نظارہ ایک بار پھر یاد آ گیا۔ اُن کی دعاؤں سے محرومی کا تصور پیازی اشک بن بن کر دامن کو تر کرنے لگا۔ زہے نصیب یہ اشک

آنکھوں کو پھر یہ اشک بھی شاید نہ ہوں نصیب
رو رو کے تجھ کو رختِ سفر دیکھتے تو ہیں

اور اب آگے لکھنے کا یارا نہیں۔ لہٰذا باقی پھر کبھی۔ مبادا ضبط کے ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ صبر کا پیمانہ چھلک اُٹھے۔ احساس کے سوتے پھوٹ بہیں اور دل اشک بن کر آنکھوں کے روزنوں سے رِسنا اور بہنا شروع ہو جائے۔ الحمد للہ کہ حضرت ابا جان کی قیمتی امانت اور اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمت (حضرت والدہ محترمہ) عزیزہ بیگم کے محبت نواز وجود کے روپ میں ہمارے سروں پر موجود ہے کہ گویا وفور یاد میں حصولِ تسکین کی ایک آماجگاہ میسر ہے ثم الحمد للہ اللہ تعالیٰ میرے ابا جان کو اپنے قرب خاص سے نوازے۔ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلنے اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بیش از بیش خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین (از تاریخ احمدیت لاہور)

پیدائش کے بعد

مرحوم بھائی محمد اقبالؔ اور میری پیدائش ماہیوالہ تحصیل قصورؔ ضلع لاہورؔ کی ہے۔ وہیں نوکرانی کی بے پروائی سے میرا ''دھوئیں'' میں پاؤں پڑا، جل گیا، سکڑ گیا۔ ایک عرصہ کے بعد رُوبصحت تو ہوا۔ مگر پون انچ کے قریب سکڑا رہا۔ دادا جان کی وفات کے بعد (جب تمام جائیداد ختم ہو چکی تھی اور صرف ایک ''مویشی خانہ'' باقی رہ گیا تھا۔ ہم ''سلے ونٹو'' اور ''بہاولپور سیداں'' میں کوئی ڈیڑھ سال کا عرصہ گزار کر زیرہؔ پہنچے۔ زیرہؔ ایک تحصیل مقام تھا۔ گو وہاں ریل، منڈی یا بجلی وغیرہ تو نہیں تھی لیکن باہم مہر و محبت کی کمی نہ تھی اور بھرپور فرقہ وارانہ ہم آہنگی تھی۔ ابا جان نے پہلے آ کر مویشی خانہ

کی دیواریں وغیرہ استوار کیں۔ والدہ صاحبہ نے آکر اسے صاف کیا، پوچا اور اس قابل بنایا کہ اس میں رہا جا سکے اس میں سویا جا سکے۔ جس کے بعد حضرت والدہ صاحبہ کا ہمیں تعلیم دلانے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور ہم دونوں بھائی یکے بعد دیگرے اسکول میں داخل کر دیئے گئے۔ ہمارے گھر کے ساتھ ''بڑ'' کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ مَیں دُوسری جماعت میں ہُوں گا کہ مَیں نے ایک رات خواب میں ''بڑ'' کے اس درخت پر چڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کے بلند ترین پتوں تک پہنچ گیا اور پہلے اور دوسرے پتے کو چھوڑ کر تیسرے کو چُھوا جو فوراً ایک ''بزرگ تصویر'' میں ڈھل گیا اور مَیں خوفزدہ سا ہو کر نیچے اُترا۔ صبح سویرے مَیں نے اُسی بھولپن میں حضرت ابا جان سے اپنے خواب کا ذکر کیا تو وہ افراتفری اور ساز و سامان کی اُلٹ پلٹ کے باوجود تین تصویریں نکال لائے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت حکیم مولانا نورؔالدین اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمودؔ احمد کی تھیں اور یہ جو پتا تصویر بن گیا تھا یہ تصویر یہ مردِ مومن حضرت صاحبزادہ ''مرزا بشیر الدین محمودؔ احمد'' کی تھی مگر یہ سچ ہے کہ اس وقت مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ میری زندگی کی ترتیب وتشکیل آئندہ اس بزرگ کی تربیت کے حوالہ سے ہوگی۔

میٹرک کے بعد

زیرہؔ کے جیون مل ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول میں ''ننگے پاؤں'' جا جا کر (انتہائی نکبت میں) مَیں نے ''میٹرک'' تو 1934ء میں پاس کر لیا مگر بھائی کا ساتھ چھُوٹ گیا وہ امتحان سے چند ماہ قبل 4 ،دسمبر 1933ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے اور اماں سخت نڈھال ونزار ہو گئیں۔ جب دادا جان نے احمدیت کی مخالفت کے باعث حضرت ابا جان کو تمام جائیداد سے عاق کیا تو ان کی عمر 20/21 برس کی ہوگی۔ انہوں نے بستر لیا اور قادیانؔ پہنچ گئے۔ حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ساری ''رام کہانی'' بیان کی تو آپ نے فرمایا آپ مولوی نورؔالدین کے ساتھ رہا کریں اور انہوں نے چند ہی ماہ میں ایک ''نیا نورالدین'' کھڑا کر دیا جس کا کام اب محض تبلیغ تھا۔ وہ ادویہ کا ایک

صندوقچہ تیار کر لیتے اور دیہات میں نکل جاتے ۔ دوسرے تیسرے مہینے لوٹتے ۔ اگر کوئی دوائی کی قیمت دے دیتا تو لے لیتے تقاضا نہ کرتے ۔ مجھے یاد ہے مَیں نے ان کی وفات پر ’’تاریخ احمدیت لاہور‘‘ میں جو مضمون لکھا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا ’’ہم اُن کی حکمت کے نذرانوں کے پڑھے ہوئے ہیں‘‘

صد شکر کہ مرحوم اقبال کے سفر آخرت سے قبل وہ گھر پہنچ گئے ۔ کجا 1934ء کا یہ خواب کہ میرے دو بچے میٹرک پاس ہو جائیں گے اب مجھے دینوی کیا فکر ہے اور کجا یہ کہ وہ خانقاہ موجدینؒ میں (جہاں بھائی کی تدفین ہوئی) نیم کے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے سکول کے تمام اساتذہ اور طلبہ تدفین میں شامل تھے کیونکہ اقبالؔ ایک ہونہار طالب علم اور بڑا مستعد کھلاڑی تھا ۔ میری عمر پندرہ سوا پندرہ سال کی ہوگی کہنے لگے ’’مَیں نے زندگی میں ایک شرک کیا تھا جس کی سزا آج میرے سامنے وہ پڑی ہے لیکن اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے کیا تم سنبھال سکو گے؟‘‘ مَیں نے بچپنے کی ترنگ میں کہہ تو دیا کہ ’’سنبھال لونگا‘‘ آپ فکر نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بعد زندگی اور بھر پور زندگی عطا فرمائی انہوں نے 21 مارچ 1963ء کو ’’پاکستان‘‘ میں میرے گھر وفات پائیَ ۔ مگر اقبالؔ کی وفات کے بعد انہوں نے دُنیوی کاروبار میں بہت کم حصہ لیا اور اگر لیا بھی تو بیزاری کے ساتھ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں تحصیل زیرہؔ، قصورؔ اور وسہبھرہؔ کے علاقوں میں سوا سے ڈیڑھ درجن تک جماعتیں قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی ڈاکٹر عبدالرحمٰن (آف موگا) ایسے مستعد مبلغ سے حلقہ بگوش احمدیت ہوئے اور گھر کی ذمہ داری مُجھ پر آن پڑی ۔

کاروبارِ زیست

چند ہی دنوں کے بعد مجھے اس امر کا احساس ہو گیا کہ مَیں نے حضرت ابا جان سے بہت بڑا وعدہ کر لیا ہے مَیں ابھی بلوغت کی منزل کو نہیں پہنچا تھا ایک دن ہمارے ہموطن (شیخ انور خورشید جیلانی) جن سے ہمارے خاندانی مراسم تھے حضرت اماں جان کے پاس تعزیت کیلئے فیروز پور

سے تشریف لائے تو میرے آئندہ سفر زندگی کے بارے میں بھی بات چھڑی اور فیصلہ ہوا کہ مَیں ان کے پاس فیروز پور چلا جاؤں اور کوئی ملازمت ملنے تک ٹائپ اور شاٹ ہینڈ سیکھ لوں! یہ کام شروع ہو گیا جو سیشن ججی میں لیور یز رولسٹ (Leave Reservist) پر منتج ہوا مگر یہ طبیعت کے موافق نہ تھا مَیں لاہور چلا آیا جہاں جے ڈی قریشی بیرسٹر کے علمی ادبی پرچہ ''گنجینہ اُردو'' میں حضرت احسان دانش کی نائب ادارت مل گئی لیکن تین چار پرچوں ہی کے بعد جو اُس میں احسان صاحب کی نظم ''باغی کا خواب'' چھپی تو حکومت کے تیور برہم ہو گئے ہم دونوں غائب ہو گئے اور پرچہ چھاپنا بند کر دیا گیا مَیں زیرہ چلا آیا اور کچھ عرصہ بعد مجھے محکمہ امداد باہمی میں سب انسپکٹر بھرتی کر لیا گیا جہاں مَیں نے 1942ء تک ملازمت کی۔ اسی دوران میں ایک دن جو قادیان آیا اور حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے خطبہ میں ''وقف زندگی'' کی تلقین سنی تو مَیں واپسی پر اس پر غور کرتا رہا اور پھر ایک دن بغیر والدین سے مشورہ کئے (گو مَیں اکیلا ہی ''کماؤ پتر'' تھا اور اب میری ترقی بھی ہو چکی تھی افسران بھی میرے کام کی عزت کرتے تھے) وقف زندگی کے لیے حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں عرض داشت بھیج دی۔

جسکی چند ہفتوں بعد ''مثبت'' منظوری آ گئی اور مَیں نے ''استعفیٰ'' داخل کر دیا۔ حضرت امی جان نے سنا تو انہیں رنج ہوا مگر حضرت ابا جان نے یہ کہہ کر انہیں جلد چپ کرا دیا کہ کیا اقبال مل گیا ہے؟ یہ جہاں بھی رہے گا بہر حال زندہ رہیگا حضور ایدہ اللہ کی نگرانی میں رہے گا۔ ہمیں ملتا جلتا رہے گا۔ رہے ہم تو ہمارا اللہ مالک ہے اب ہمارے پاس اپنا اچھا خاصا مکان ہے، بھینس ہے، ہمیں کس چیز کی کمی ہے۔ اور مَیں محکمانہ امور طے کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں ''انٹرویو'' کیلئے پہنچ گیا۔ میرے قادیان پہنچنے تک حضور ایدہ اللہ ڈلہوزی تشریف لے جا چکے تھے۔ مَیں نے عبدالرحمٰن انور صاحب سے (جو ان دنوں تحریک جدید کے مدار المہام تھے) سے عرض کیا کہ جب تک حضور ایدہ اللہ ڈلہوزی سے تشریف نہیں لاتے اگر آپ اجازت دیں تو مَیں اتنے دن اپنی ہمشیرہ حفیظہ سلمہا

کے پاس رہ لوں جس کی ابھی ابھی یہاں شادی ہوئی ہے۔اجازت مرحمت ہوگئی تو مَیں وہاں چلا گیا غالباً یہ مئی کا مہینہ تھا۔ایک دن مجھے اطلاع دی گئی کہ حضور ایدہ اللہ تشریف لے آئے ہیں۔آپ صبح قصرِ خلافت میں ساڑھے آٹھ بجے انٹرویو کے لئے پہنچ جائیں۔حاضر ہوا،محکمانہ اُمور طے ہوجانے سے متعلق سوال وجواب کے بعد حضور نے دریافت فرمایا:''آپ کو اخبار نویسی سے کس قدر دلچسپی ہے؟ ۔۔۔حضور کوئی دلچسپی نہیں ۔سچ تو یہ ہے کہ مَیں اخبار پڑھتا ہی نہیں ۔صرف ادبی رسالے پڑھتا ہوں مگر ان میں سے بھی حصہ نظم ، افسانوں اور کہانیوں تک سے کوئی دلچسپی نہیں'' ''کیا مطلب؟۔۔۔حضور عرض مطلب یہ کہ شہر میں بنئیوں کے پانچ چھ پرچے''دیر بھارت''اور''ملاپ ''وغیرہ آتے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں''۔(یہ داستان 1946ء کی ہے 1939ء میں حضور میرے علمی وادبی شغف سے واقف ہوچکے تھے) فرمایا''کہ عبدالمجید سالک صاحب کو جانتے ہو؟۔۔۔ حضور جانتا ہوں ؟۔۔۔کتنی دفعہ ملاقات ہوئی ہے ؟۔۔۔ملاقات تو کبھی نہیں ہوئی مَیں نے انہیں دیکھا تک نہیں'' ''انقلابؔ سے کوئی دلچسپی ہے؟۔۔۔صرف اتنی کہ کبھی کبھار جو مَیں نظم یا غزل کہتا ہوں تو وہ اُسے اس کی نوک پلک دیکھنے کے بعد اپنے اخبار میں چھاپ دیتے ہیں اور مَیں وہ اخبار ہفتوں اپنی جیب میں رکھتا ہوں ۔۔۔انہیں پھر یہ کیسے پتہ چلا کہ آپ قادیان آرہے ہیں''وقف'' کرکے؟۔۔۔حضور مَیں نے ملازمت سے فراغت کے بعد اپنے ان تین چار علمی بزرگوں کی خدمت میں خط لکھے تھے علامہ تاجورؔ ،مولانا صلاح الدینؔ احمد ،مولانا عبدالمجید سالکؔ ،اور مولانا غلام رسول مہرؔ ،ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ مَیں نے احمدیت کی خدمت کیلئے زندگی''وقف'' کرنے کے بعد ملازمت سے فراغت حاصل کرلی ہے لہٰذا اب آپ سے اس مقام سے خط وکتابت ہوگی جہاں حضور ایدہ اللہ تربیت وتعلیم کے بعد بھجوائیں گے یا پھر قادیان سے''۔فرمایا'' آپ کے خط کے بعد سالکؔ صاحب کا یہ خط آیا ہے اسے دیکھ لیں'' خط سالکؔ



صاحب ہی کا تھا میں تحریر اوران کا طرزتحریر پہچانتا تھا خط تو مَیں یاد نہ رکھ سکا لیکن یہ فقرہ میرے ذہن پر آج بھی نقش ہے’’ آج سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے تین نوجوان انقلاب میں صحافت کی عملی تربیت کیلئے بھجوائے تھے مگر مَیں نے محسوس کیا کہ ان میں ’’صحافت کے جراثیم‘‘ بہت کم تھے مَیں نے حیلوں بہانوں سے انہیں واپس بھجوا دیا مگر مجھے قلق ہے کہ آپ نے ایک حکم دیا جس کی مَیں بوجوہ تعمیل نہ کرسکا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ایک نوجوان آپ کے پاس آ رہا ہے مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا پڑھا ہوا ہے؟‘‘ یہاں پہنچ کر میں نے عرض کیا’’ حضور میں صرف میٹریکولیٹ ہوں یا ادیب فاضل!‘‘ فرمایا’’خط تو پڑھ لو‘‘ سالک صاحب نے لکھا تھا کہ’’ اگر آپ اسے پونے دو یا دو سال کے لئے انقلابؔ میں بھجوا دیں تو آپ کی خدمتِ بابرکت میں سالکؔ کا متبنیٰ پیش کر دیا جائے گا‘‘ فرمایا۔’’ کیا خیال ہے؟‘‘ عرض کیا!’’ حضور بہت بڑی خوش فہمی ہے مَیں تو بینک آڈٹ کرتا آیا ہوں۔‘‘ فرمایا (کھڑے ہوکر)’’ لیکن مَیں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ آپ مولوی عبدالرحمٰن انورؔ سے خط لے لیں۔ صبح انقلابؔ میں حاضری دیں اور مجھے تار دے دیں کہ’’ جائن‘‘ کر لیا ہے‘‘۔ شاید اسے ہی کہتے ہیں کہ

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

عجیب بات ہے کہ حضرت سالکؔ نوراللہ مرقدہ کو اپنا فقرہ یادرہا اور جب 48ء کے اوائل میں انقلاب سے فراغت ہوئی اور میرے استادانِ گرامی نے حضور کی خدمت میں’’ فراغت نامہ‘‘ بھجوایا تو اس میں صرف ایک فقرہ تھا’’ حضور لیجئے سالک کا متبنیٰ حاضر ہے‘‘

محسن کی ناراضگی 1938ء سے پورے 52 سال کے بعد خستہ ودریدہ ایک سکھ دوست کا خط ملا۔ جو نہ جانے کہاں کہاں سے’’ سنسر‘‘ ہوکر آیا تھا اور کب سے اپنی منزل مقصود کی طرف چلا تھا کیونکہ اس پر مکتوب نگار نے کوئی تاریخ رقم نہیں کی تھی۔ اس خط کو پا کر اور پڑھ کر چہرے پر ایک عجیب وغریب قسم کی تابندگی بکھر گئی۔ اور مَیں اسے پڑھنے کے بعد آٹھ دس منٹ تک اس خط اور

خط والے سے وابستہ یادوں میں کھویا کھویا سا رہا یہ میرے ایک 52 سال کے بچھڑے ہوئے سکھ دوست کا خط تھا۔ ویسے تو اس میں روائتی قسم کی غلط سلط سی عبارت تھی یہ کہ۔۔۔ ''میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں'' مگر صاحب خط تھا بڑا عجیب وغریب انسان! ایک واقعہ سنیئے۔ 1938ء میں ہم گورداسپور کی آپریٹو کلاس میں شرکت کے لئے گئے تو میرے ساتھ موگا کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کا نوجوان بھی تھا جس کا باپ تحصیلدار تھا۔ جو پرانے موگا میں ایک پوری ''پتی'' کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ ''للہ'' نامی گاؤں میں اس کی تین مربعہ زمین بھی تھی۔ اس طرحدار سکھ نوجوان کی عادات بڑی شُستہ اور نستعلیق تھیں۔ جن کے باعث وہ جلد ہی ذہناً میرے قریب ہو گیا۔ جہاں کلاس کے شرکاء کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کوٹھی کا سب سے چھوٹا کمرہ میرے حصے میں آیا تھا جس میں مَیں نے خود کہہ کر یہ کمرہ لیا تھا کہ یہ الگ تھلگ تھا، مجھے تنہائی میسر رہے گی۔ کلاس بھر میں اکلوتا ادیب وشاعر ہونے کے باعث کلاس کے اساتذہ اور خاص طور پر پرنسپل (سید دُر حسین شاہ صاحب) احترام کی حد تک مجھ پر التفات فرماتے تھے۔ مَیں پرنسپل صاحب کی بچی کو ایک گھنٹہ کے لئے ''ادیب عالم'' کی تیاری کرایا کرتا تھا۔ جس کے عوض وہ میرا کلاس کا سارا خرچ برداشت کرتے تھے۔ جب بھی کوئی افسر کلاس کے معائنے کیلئے آتا۔ وہ مجھے اس سے بطور خاص ملواتے اور تعریف فرماتے ایک دفعہ مسٹر آئی یو خان (آئی سی ایس) (جو ان دنوں ڈپٹی رجسٹرار مقرر تھے) دورہ پر آئے۔ کلاس میں حسبِ معمول ان سے خوب ملاقات رہی۔ اس کے بعد پرنسپل صاحب کے ساتھ ہماری اقامت گاہ (کوٹھی) کا معائنہ کرنے کے لئے گئے۔ جبکہ کلاس باہر پلاٹ میں لگی ہوئی تھی لیکن مَیں نے محسوس کیا کہ ہماری اقامت گاہ کے اس معائنہ کے بعد میرے مہربان پرنسپل صاحب کی نگاہ مجھ سے بدل گئی ہے۔ اس کے بعد تو وہ مجھ سے باقائدہ کھنچے کھنچے سے رہنے لگے۔ جیسے مَیں نے انہیں دھوکا دیا ہو یا تو قربت والتفات کا یہ عالم تھا کہ وہ مجھ سے اشعار سننے کے لئے میرے ڈربے میں چلے آتے تھے مگر اب یہ کیفیت تھی کہ مجھے ہر

بات پر ٹوکنا اُن کے لئے فرض بن گیا تھا یہ کیفیت میرے لئے سوہانِ رُوح تھی ۔ مَیں نے اپنے گزشتہ اڑھائی ماہ کے کردار کا بڑا ہی گہرا تجزیہ کیا مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ میرے محسن و مربی استاد کے طرز معاملہ میں یہ تبدیلی میری کس دانستہ یا نا دانستہ فرو گذاشت کا نتیجہ ہے ۔بعض ہم جماعتوں کے پُر اسرار اشاروں اور سر گوشیوں سے مجھے یہ شبہ تو گزرا۔ جیسے انہیں اس تبدیلی کا پس منظر معلوم ہے ۔لیکن مجھے کبھی اُن سے بھی دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ البتہ یہ قلق روز بروز بڑھتا گیا کہ میری کسی ایسی کوتاہی یا لغزش سے (جس کا مجھے علم تک نہیں) میرا ایک محسن مجھ سے کبیدہ خاطر ہے۔

یہاں تک کہ کلاس کی مدت ختم ہوگئی ۔تھیوری ۔ پریکٹس ۔ اور لاء کے تحریری پرچے ہو گئے ۔ اب صرف زبانی (عام معلومات) کا امتحان لیا جانا باقی تھا ۔جس کے لئے ڈپٹی رجسٹرار (آئی یو خان) تشریف لائے تھے ۔ یہ ہمارا گورداسپور میں آخری دن تھا ۔سب نے اپنا اپنا سامان باندھ رکھا تھا بس جو بھی اس عام معلومات کے زبانی امتحان سے فارغ ہو کر نکلتا ۔ دوسرے سے ہاتھ ملا کر اپنا سامان لے کر اسٹیشن یا بسوں کے اڈے کی طرف روانہ ہو جاتا ۔ مُجھ سے پہلے اس سکھ نوجوان کی باری تھی ۔ مَیں نے اسے کہا ’’میرا انتظار کرنا ۔ اکٹھے چلیں گے ۔ سفر خوشگوار گزرے گا‘‘ مَیں نے اس آخری دن کی صبح کو ارادہ کیا کہ پرنسپل صاحب سے مل کر ان کی کبیدگی خاطر کی وجہ معلوم کروں اور اُن سے اپنے ’’کردہ و ناکردہ‘‘ گناہ کی معافی مانگ لوں ۔لیکن مَیں تھوڑی دور تک اُن کے بنگلے کی طرف جا کر لوٹ آیا ۔ جانے کیوں مجھ پر غیر معمولی طور پر احساس کمتری طاری ہو گیا ۔ ترلوچن سنگھ امتحان دے کر باہر نکلا ۔ تو مجھے آواز پڑی اور مَیں اپنا سامان اس کے سپرد کر کے اندر چلا گیا ۔ اور وہ کھڑکی کے پاس شائد یہ معلوم کرنے کیلئے کہ اس سے کیا پوچھا جاتا ہے کھڑا ہو گیا امتحان کا یہ کمرہ (یا پرنسپل صاحب کا یہ دفتر) کوٹھی کی ایک نکڑ میں تھا جہاں باہر ہم دونوں نے اپنا سامان رکھا ہوا تھا ۔ ظاہر ہے کہ اندر کی آواز اگر باہر سنائی دے سکتی تھی تو لازماً باہر کی باتیں بھی اندر سنی جا سکتی تھیں ۔

مَیں اندر گیا پرنسپل صاحب رسماً مسکرائے۔ مگر جناب ''آئی یو خان'' بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور میرے (ان کے سامنے) بیٹھتے ہی فرمایا۔۔۔''مَیں نے پچھلے دنوں ''ریاست'' میں آپ کی ایک نظم ''کیف سحر'' پڑھی تھی بہت کامیاب اور اثر انگیز نظم تھی۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق آپ تینوں پر چوں میں ''ٹاپ'' پر ہیں۔ ظاہر ہے آپ کی دیگر معلومات بھی اچھی ہی ہوں گی۔ لہٰذا آپ کوئی اپنی تازہ غزل سنائیں، بس یہی آپ کا امتحان ہے'' مَیں نے تعمیل ارشاد کی اور اپنی وہ غزل جو غالبؔ کی زمین میں کہی گئی تھی جس کا ایک شعر تھا

پروانہ بھی شہید ۔ گل و غنچہ بھی شہید
کس کس جگہ خاک شہیداں اُٹھائے

''آئی یو خاں'' صاحب نے خاص طور پر اس شعر کی داد دی اور بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے مجھے ''خدا حافظ'' کہا۔ مگر مَیں نے محسوس کیا کہ پرنسپل صاحب کے مصافحہ میں آج بھی وہ پہلی سی گرمجوشی نہ تھی۔ مَیں کمرے سے باہر آیا تو ترلوچن مجھ سے لپٹ گیا اور کہنے لگا ''یار توں بڑا خوش قسمت ایں، تُوں غزل سنا کے ای میدان مار آیا ایں'' اس کے فوراً بعد کہنے لگا۔۔۔''مگر یہاں سے ملنے سے پہلے مَیں تُم سے اپنے ایک گناہ کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ جو کیا مَیں نے تھا مگر پچھلے 16 دن سے سزا تم بھگت رہے ہو۔'''' سید دُرحسین شاہ صاحب تم سے ناراض ہیں۔ اس ناراضگی کی دراصل وجہ مَیں ہوں جس دن بڑے صاحب نے کوٹھی کا معائنہ کیا۔ تمہارے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے پرنسپل ساحب نے تمہاری از حد تعریف کی ''نیک ہے، ذہین ہے، شریف ہے، سگریٹ تک نہیں پیتا، صحیح ادیب اور ہونہار شاعر ہے وغیرہ وغیرہ'' لیکن تمہارا کمرہ دیکھتے وقت (تمہاری بدقسمتی سے) شاہ صاحب نے جو تمہارا تکیہ پلٹا۔ تو اُس کے نیچے دو ''سگریٹ'' کی ڈبیاں تھیں اور ایک ''ماچس کی ڈبیا پڑی تھی۔ اس پر بڑے صاحب نے ان کی طرف بڑی معانی خیز نگاہوں سے دیکھا اور شاہ صاحب کی نگاہیں فرط ندامت سے زمین میں گڑ گئیں۔۔۔''مَیں تمہارا

گنہگار ہوں وہ ڈبیاں وہاں مَیں رکھا کرتا تھا۔کلاس میں آتے وقت۔تم پر کون شک کرسکتا تھا۔‘‘ مَیں ۔۔۔۔’’مگر تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا مجھے تو معلوم نہیں؟‘‘ ترلوچن ۔۔۔۔۔’’مجھے پریکٹس کے پروفیسر(گوڈردھن صاحب) نے بتایا تھا آپ بھی اس وقت ہمراہ تھے۔‘‘مَیں ۔۔۔ ’’مگر کیا تم سگریٹ پیتے ہو؟‘‘ترلوچن ۔۔۔’’یار میں کوئی پیناایں‘‘ ۔۔۔۔۔’’مَیں تو جب تک ہر پندرہ منٹ کے بعد سگریٹ نہ پی لوں مجھے چین نہیں آتا۔تمہیں معلوم نہیں مَیں ہر پیریڈ سے پیشاب کے بہانے ہر روز اُٹھ جاتا تھاسگریٹ پینے ہی تو جاتا تھا۔‘‘مَیں ۔۔۔۔’’مگر سگریٹ کہاں سے لیتے تھے۔کوٹھی کے کمرے تو اس وقت بند ہوتے تھے؟‘‘ترلوچن ۔۔۔’’چھوٹی ماچس اور کم ازکم دوسگریٹیں ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہیں۔پھر اس نے اپنی لمبی جرابوں کی تہہ پلٹ کر ایک چھوٹی ’’ماچس‘‘ نکال کر دکھائی اوراس طرح ’’جوڑے‘‘میں سے اوپر کو نکال کر دوسگریٹ‘‘ابھی وہ یہیں تک پہنچا تھا کہ جناب آئی یو خان اور پرنسپل صاحب بھاگ کر کمرے سے نکلے اور ہمارے پاس آگئے۔شاہ صاحب نے زبردستی مجھے اپنے ساتھ لپٹالیا اُن کی آنکھوں میں آنسو تھےاوروہ بار بار یہ کہہ رہے تھے’’ثاقبؔ مجھے معاف کردو،مَیں نے واقعی تم پر بہت ظلم کیاتمہیں ایک نا کردہ گناہ کی بڑی سزادی خدا کیلئے اپنی زبان سے کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے‘‘مَیں بھی خوشی سے آبدیدہ ہو گیااور کہا۔’’اللہ ہم سب کو معاف کرے۔‘‘

اب میرا سفر اطمینان سے کٹ جائے گا۔اگر یہ راز افشاء نہ ہوتا تو مجھے تمام عمر آپ سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہ ہوتی۔’’آئی یو خان‘‘ بھی بہت خوش تھےاوروہ میرے ملازمت چھوڑ دینے کے بعد پاکستان میں بھی مجھ سے ہمیشہ محبت سے پیش آتے رہے۔

کوآپریٹوڈیپارٹمنٹ میں

میرا خیال ہے مشیت ایزدی بھی انسان کی خاموش راہنمائی کرتی ہے۔اب میری طرف ہی دیکھئے سیشن کورٹ سے استعفیٰ کے بعد مَیں زیرہ چلا آیا یہاں میرا بس شعر کہنا تھا۔ یا شام کو‘‘

کوآپریٹو یونین'' میں جا بیٹھتا۔ جہاں کوآپریٹو سب انسپکٹر صاحبان سید رحمت حسین، چوہدری عبدالمالک اور دوسرے بزرگ آجاتے اور خوب خوش گپیاں چلتی تھیں۔ یارات کو چوہدری اعظم علی صاحب کے فیصلے ٹائپ کرتا۔ مَیں نے ایک دن سید رحمت حسین سے پوچھا کہ ''فرسٹ کلاس کا کرایہ کتنے گنا ہوتا ہے'' انہوں نے کہا ''چھ گنا'' پھر پوچھا ''کیوں کیا ارادہ ہے؟'' ''ارادہ تو نیک ہے فرسٹ کلاس کا سفر کرنا چاہیے خواہ فیروز پور سے تلونڈی بھائی تک کا ہی کیوں نہ ہو۔'' فیروز پور سے تلونڈی بھائی (جہاں سے زیرہ کو بس جاتی تھی) تک کا ریل کا کرایہ پانچ آنے ہوتا تھا۔ چوہدری اعظم علی (سول جج) مجھے کبھی کبھی کمیشن دے دیتے تھے۔ایک دفعہ جو انہوں نے ''کمیشن'' دیا تو وہ دس روپے مَیں نے جیب میں ڈال لیے اور ارادہ کرلیا کہ فرسٹ کلاس میں بیٹھنے کی خواہش پوری کر لی جائے۔ ''مالوہ نندہ بس'' کے مینیجنگ ڈائریکٹر سردار گوروت سنگھ سے میرا یارانہ تھا انہوں نے مجھے ''اپر کلاس کا پاس'' دے رکھا تھا۔ مَیں فیروز پور تک سفر مفت کر لیتا تھا۔اتوار آیا تو میں دوپہر کے کھانے کے بعد فیروز پور کیلئے ''مالوہ نندہ بس'' کی اپر کلاس میں جا بیٹھا۔ وہاں سے ساڑھے چار بجے ایک ریل گاڑی لدھیانہ کو جاتی تھی۔کوئی پونے چار بجے کے قریب مَیں ریلوے اسٹیشن پہنچا اور فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خرید کر گاڑی میں جا بیٹھا۔اس دن فرسٹ کلاس میں مَیں اکیلا مسافر تھا۔گاڑی نے وسل دیا تو ایک بزرگ مجھے فرسٹ کلاس کی بوگی کی طرف لپکتے نظر آئے۔ مَیں نے ہاتھ بڑھا کر انہیں ڈبے میں سوار کرایا۔اور اُن کا چپراسی جو کالا سا بکس اُٹھائے پھر رہا تھا کہیں سرونٹ کے ڈبے میں بیٹھ گیا۔ مَیں انہیں کوئی افسر سمجھا۔ سفید قمیض، سفید پتلون اور سفید بال سنوارے ہوئے درمیان میں مانگ۔ کچھ دیر تو وہ سانس درست کرتے رہے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ بزرگ ۔۔۔۔''صاحبزادے آپ کیا کرتے ہیں؟'' مَیں ۔۔۔۔''جناب مَیں کچھ نہیں کرتا۔''

بزرگ ۔۔۔''ہاں بھئی۔ بڑے زمینداروں کے بچوں کو کیا ضرارت ہے کہ وہ کوئی کام کریں

’’۔مَیں ۔۔۔۔۔ ’’نہیں جناب میں کسی بڑے زمیندار کا بیٹا نہیں ۔میرا باپ ایک معمولی حکیم ہے۔‘‘ بزرگ ۔۔۔ ’’مجھے سب سے پہلے اپنا تعارف کرانا چاہیے تھا۔صاحبزادے میں جالندھر میں ڈپٹی رجسٹرار (کواپریشن) ہوں اور لدھیانہ معائنے کیلئے جا رہا ہوں ۔اور آپ ۔۔۔‘‘مَیں ۔۔ ’’مَیں نے سیشن کورٹ سے استعفیٰ دے دیا ہے وہاں رشوت کے بغیر گزارا نہیں تھا اب چھ ماہ سے فارغ ہوں صدیق ثاقب میرا نام ہے ۔میٹریکولیٹ ہوں ۔‘‘ بزرگ ۔۔۔ ’’اگر تم چاہو تو مَیں تمہیں کوآپریٹو سب انسپکٹر لے سکتا ہوں ۔کیا درخواست لکھ لو گے یا میں لکھ دوں !‘‘مَیں...... ’’نہیں جناب مَیں لکھ لوں گا۔‘‘

بزرگ...... ’’ہم اکثر چھ ماہ بغیر تنخواہ کے رکھتے ہیں آپ کے لیے پندرہ دن ہوں گے۔اور پھر زیرہ ہی میں آپ تعینات ہوں گے۔‘‘مَیں...... ’’مَیں خاموشی سے درخواست لکھنے میں مصروف رہا۔جو میرے لکھنے کے بعد انہوں نے تہہ کر کے جیب میں ڈال لی۔‘‘تلونڈی بھائی کا سٹیشن آیا تو مَیں نے اُن سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور جب تک گاڑی کھڑی رہی مَیں بھی ڈبے کے سامنے کھڑا رہا۔اُس رات مَیں سوچتا رہا کہ مَیں اگر فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کا نہ سوچتا تو نئی نوکری کا سامان بھی نہ بنتا۔مشیت ایزدی بھی بعض اوقات بڑی خاموش رہنمائی فرماتی ہے۔اگلے دن کوآپریٹو یونین میں گیا۔سید رحمت حسین آئے تو مَیں نے اُن سے اُن کے ڈپٹی رجسٹرار کا پوچھا۔وہ میرا سوال پر چونکے اور کہنے لگے ’’یار کوئی اور ذکر کرو۔مَیں نے ابھی رات کا کھانا بھی کھانا ہے۔‘‘

میں اُن کی طنز سمجھ تو گیا لیکن مَیں نے انہیں ساری ’’رام کہانی‘‘ سنا دی۔کہنے لگے اب اُسے ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر۔پہلے تو اس نے کبھی نیک کام کیا نہیں۔لیکن پندرہ دن گزرے تو سترھویں دن انسپکٹر کواپریٹو کا چپڑاسی مجھے ڈھونڈتا پھر رہا تھا اس نے آتے ہی پہلے مجھے مبارک باد دی۔پھر کہا کہ ’’پندرہ دن کی تربیت کے بعد آپ باقاعدہ انسپکٹر ہو جائیں گے۔انسپکٹر صاحب سے

مل لیں۔'' اور یوں ہم سب انسپکٹر ہو گئے اور جب انسپکٹر ہوئے تو سات سال کے بعد وقف کر کے قادیان پہنچ گئے۔ جہاں سے ہمیں روزنامہ ''انقلاب'' میں صحافت کی عملی تربیت کے لیے بھیج دیا گیا۔

''یوں بھی ہوتا ہے''

دوسری جنگ عظیم جاری تھی۔ ایک دن مَیں دن ڈھلے اپنے گھر کے اندر داخل ہوا تو والدہ محترمہ نے کہا ''ایک تار آیا ہے اندر تمہاری میز پر پڑا ہے'' ''کس کا تار ہے؟'' ''کس کا لگتا ہے؟'' انہوں نے فرمایا ''تمہیں تو معلوم ہے مَیں انگریزی پڑھنا نہیں جانتی۔ اور وہ انگریزی میں ہے تو خود ہی پڑھ لو۔'' مَیں نے میز پر پڑا ہوا تار کھولا وہ ابرار محمد خاں کا تار تھا۔ جو میرا دوست اور میرا ہم جماعت بھی تھا۔ یہ تار اس نے دہلی سے بھیجا تھا۔ لکھا تھا کہ ''جلد پہنچو'' (Reach immediately) مَیں نے جلد جلد بیگ میں کپڑے رکھے اور والدہ محترمہ سے اجازت لے کر فوراً ہی ''بسوں کے اڈہ'' کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ فیروز پور پہنچ کر رات کی گاڑی سے دہلی پہنچ سکوں جو فیروز پور چھاؤنی سے رات نو بجے چھوٹا کرتی تھی۔ ابرار سے والدہ محترمہ واقف تھیں وہ اکثر ہمارے گھر آیا کرتا تھا۔ اس کا والد (خاں سردار محمد خاں) زیرہ کا تحصیلدار تھا۔ مَیں نے انہیں صرف یہ بتایا کہ ابرار کسی تکلیف میں ہے۔ اُس نے مجھے فوراً آنے کے لیے کہا ہے۔ اور انہوں نے یہ سنتے ہی جانے کی اجازت دے دی۔ ریل گاڑی اگلی صبح دہلی پہنچی تو مجھے اپنی اسی حماقت کا احساس ہوا کہ مَیں جلدی میں اُس کا کوئی خط جس پر اُس نے اپنا پتہ لکھا ہوا ہو ساتھ نہیں لایا اور نئی دہلی تو میلوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ بہر حال مَیں اسٹیشن سے باہر آ کر نئی دہلی پہنچا اور لگا دکانداروں اور لانڈریوں سے ابرار کا پتہ پوچھنے مگر ہر ایک سے یہی جواب ملتا ''کوارٹر نمبر'' ''بلاک نمبر؟'' اور وہ مجھے معلوم نہیں تھے۔ جون کا مہینہ تھا، نئی دہلی میں کوئی درخت بھی نہیں تھا کہ تھوڑی دیر سستایا جا سکے۔ جب ساڑھے گیارہ بج گئے تو میں ایک کوارٹر کے بیرونی پورچ میں جا بیٹھا۔ جہاں دو ایک

’’موڑھے‘‘ پڑے ہوئے تھے بیٹھا تو پیاس بھڑکی۔ مجھے کیا معلوم کہ یہ سکھ کا کوارٹر ہے، ہندو کا یا مسلمان کا، کیا کہہ کر آواز دوں۔ بالآخر مَیں نے سوچا ابرار صاحب کہہ کر ہی آواز دینی چاہیے۔ بعد میں جب کوئی باہر آیا تو اس سے معذرت کرنے کے بعد پانی مانگ لیں گے لہٰذا قدرے بلند آواز سے کہا: ’’ابرار صاحب!‘‘ اندر سے آواز آئی جو مانوس تھی...... ’’یار اندر آ جاؤ‘‘ مَیں نے تو آج تمہارے لئے چھٹی کی تھی۔ مگر اس وقت کونسی گاڑی آتی ہے؟‘‘ مَیں نے اندر جا کر ابرار صاحب کو بتایا کہ ’’مَیں تو صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں‘‘ ابرار...... ’’مگر مَیں تو ہر خط پر تمہیں اپنا پتہ لکھتا رہا ہوں‘‘ مَیں...... ’’خط لانا ہی تو یاد نہ رہا۔ تار نے ذہن میں کچھ ایسی افراتفری پیدا کی کہ خط ڈھونڈنے کا خیال ہی نہ آیا یہ احساس تو دہلی پہنچ کر ہوا کہ مجھے تو تمہارا اتہ پتہ کچھ معلوم نہیں۔ خیر اب مشیت الٰہی نے ہماری مدد کر دی۔ تم بتاؤ کہ تمہیں تار دینے کی ضرورت کیوں پڑی؟‘‘ اس نے بتایا کہ ’’میرا بوڑھا ہندو جو میرا ٹیبل میٹ ہے۔ وہ میرا انچارج بھی ہے۔ اُس کی اور میری کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے۔ وہ بڑا کینہ دوز انسان ہے۔ اگلے مہینے وہ میری رپورٹ لکھنے والا ہے۔ ضرور خراب کر دے گا۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ میرا اس میز سے کسی اور میز پر تبادلہ ہو جائے۔ خواہ کہیں ہو جائے ورنہ میری رپورٹ خراب کر دے گا!‘‘ مَیں...... ’’مگر اس معاملہ میں مَیں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ مَیں تو یہاں کسی کو نہیں جانتا!‘‘ ابرار...... ’’بھئی آپ کے ایک ’’ہم جماعت‘‘ چوہدری بشیر احمد صاحب ہمارے ڈائریکٹر ہیں اور وہ میرا تبادلہ کر سکتے ہیں!‘‘ مَیں...... ’’مگر وہ میرے تو واقف نہیں ہیں۔ اگر تم نے قدرے تفصیل لکھی ہوتی تو ان کا سالا ہمارے یہاں سول جج ہے اور اُن سے میری اچھی خاصی یاد اللہ ہے مَیں اس سے خط ساتھ لے آتا۔‘‘

ابرار...... ’’کوئی احمدی اور آپ کو نہ جانے؟...... اور پھر یہ تو ان کے لئے کوئی بڑا کام بھی نہیں روز تبادلے ہوتے رہتے ہیں!!‘‘ مَیں...... ’’بہر حال اب آیا ہوں تو اُن سے ضرور ملوں گا اور بتاؤں گا کہ خان صاحب نے جماعت زیرہ پر کیا کیا احسان فرمائے ہیں اور کہ تم میرے کلاس فیلو

ہو۔‘‘اگلی صبح مَیں ابرار کے ساتھ ہی اس کے دفتر پہنچا اور چوہدری بشیر احمد صاحب سے ملا، انہیں اپنے آنے کی غرض و غایت بتائی۔ بڑے خاں صاحب کے جماعت پر احسان بتائے پھر ابرار کا کلاس فیلو ہونا بتایا اور اپنے انچارج سے کبیدگیٔ خاطر کا سارا واقعہ سنایا اور آخر میں استدعا کی کہ اس کا تبادلہ کسی اور سیکشن میں کر دیا جائے۔ پنسل سیکشن میں، پیپر سیکشن میں، ربڑ سیکشن میں مگر چوہدری صاحب نے میری معروضات سننے کے بعد فرمایا کہ ’’یہ تبادلے کے لئے معقول وجہ نہیں ہے‘‘مَیں نے بتایا کہ چوہدری حمید اللہ صاحب (اُن کے سالے) میرے ہاں فروکش ہیں اگر ابرار مجھے خط لکھ دیتا اور وجہ لکھتا تو مَیں آپ کے نام اُن سے خط لانے کی جرأت بھی کرتا مگر اس نے تو تار دیا......مگر چوہدری صاحب محترم کا ایک ہی جواب تھا کہ ’’یہ تبادلے کے لئے معقول وجہ نہیں ہے‘‘ نا چار و نا مراد ان کے کمرے سے نکلا تو میرا لٹکا ہوا چہرہ دیکھ کر ابرار کہنے لگا۔’’چوہدری صاحب نہیں مانے چلو دفع کرو۔ آؤ چائے پیتے ہیں‘‘ اور ہم (چونکہ کینٹین دور تھی، پلاٹ کے آخر پر) پورچ میں آ گئے۔ اتنے میں بائیں طرف سے کوئی افسر (سوٹڈ بوٹڈ) ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا جسے دیکھتے ہی ابرار فوراً کمرے میں چلا گیا۔ اب مَیں وہاں کھڑا تھا اور وہ افسر میری طرف ہنستا ہوا آ رہا تھا۔ آتے ہی اس نے مجھ سے آداب عرض کی اور کہا افسر......’’اچھا کب‘‘ صاحب کیا آپ نے ’’سپلائی‘‘ کا کام شروع کر دیا ہے، مَیں تو آپ کو خوب جانتا ہوں مگر آپ مجھے نہیں جانتے مَیں......’’گستاخی معاف۔ مَیں فیروز پور سے آیا ہوں۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں تو کیسے؟ آپ سے تو کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ ویسے مَیں یہ عرض کر دوں کہ مَیں نے ’’سپلائی‘‘ وغیرہ کا کوئی کام شروع نہیں کیا۔ مَیں تو یہاں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔‘‘ افسر......’’فیروز پور میں سیشن کورٹ میں آپ کے ’’ٹیبل میٹ‘‘ ہیں۔ لالہ منگت رائے جی، وہ میرے ماموں لگتے ہیں۔ مَیں فیروز پور چھاؤنی کے رئیس ڈال چند جی کا ’’لے پالک‘‘ ہوں۔ آپ سے میری شادی پر لالہ منگت رائے جی نے ایک ’’چھہرا‘‘ (سہرا) لکھوایا تھا۔‘‘ اور مجھے یاد آیا کہ میں نے اُن کے کہنے پر ایک

سہرا لکھا تھا۔ جس کے سات شعر تھے۔ ہر شعر کے انہوں نے مجھے پانچ روپے دیئے تھے اور جس خلوص سے مَیں نے وہ ’’سہرا‘‘ لکھا تھا وہ اس کے مقطع سے ظاہر ہے، مقطع تھا ؎

لکھ دیا حضرت منگت کی یہ فرمائش تھی
ورنہ ایسے میں نہ ثاقب کبھی لکھتا سہرا

افسر......آیئے نہ ذرا گپ شپ رہے میرے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔ کمرے کے باہر ایک تختی آویزاں تھی جن پر اُن کا نام اور عہدہ (ڈائریکٹر جنرل) درج تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے چپراسی کو بلا کر ’’ٹھنڈا مشروب‘‘ لانے کا حکم دیا اور اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد کہنے لگے۔ ’’میرے لائق کوئی خدمت؟ آپ صرف اپنے دوست سے ملنے آئے تھے یا کوئی اور کام بھی تھا؟‘‘ مَیں نے انہیں اپنے آنے کی غرض بتائی اور کہا کہ ’’میرے دوست ابرار صاحب کے ساتھ ان کے انچارج کی کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے اور ماہ دو ماہ بعد انچارج صاحب کو ان کی رپورٹ لکھنا ہے۔ ظاہر ہے وہ حوصلہ افزا تو نہ ہوگی اس لیے میرے دوست کا خیال تھا کہ تبادلہ کرا لیا جائے کسی اور میز پر۔ ہر میز ہی تو ایک سیکشن ہے!‘‘ افسر...... ’’تو بشیر صاحب سے کہیے نہ کہ اُن کا تبادلہ کر دیں‘‘ مَیں...... ’’مَیں نے اُن سے ملاقات کی تھی اور تبادلہ کے لیے عرض کیا تھا مگر وہ مانے نہیں۔‘‘ افسر...... ’’نہیں معلوم وہ نیکی کے کاموں سے گھبراتے کیوں ہیں؟‘‘ پھر انہوں نے گھنٹی بجا کر بشیر صاحب کو لانے کے لیے کہا۔ آئے تو انہیں بٹھا کر مجھ سے دریافت کیا۔ ’’ثاقب صاحب آپ کے دوست کہاں جانا چاہتے ہیں؟‘‘ مَیں نے عرض کیا ’’آپ جہاں بھی بھیج دیں۔‘‘ پھر ابرار صاحب کو بلوا کر کہا...... ’’بھئی انہیں کیوں تکلیف دی! آپ مجھ سے کہتے، بہر حال ملاقات ہو گئی‘‘ اور بشیر صاحب سے کہا کہ ’’دو بجے تک ابرار صاحب کا تبادلہ ’’ربڑ سیکشن‘‘ میں ہو جائے۔ اس طرح کہ یہ وہاں چارج لے لیں۔ اس کے بعد مَیں ثاقب صاحب کی سیٹ بک کراؤں گا‘‘۔ بشیر صاحب محترم کو مجبوراً یہ نیکی کرنی پڑی۔ ہم چار بجے نکلے تو ایک موٹر ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔

بشیر صاحب نے منہ باہر نکال کر فرمایا ’’ثاقب صاحب آپ کو مبارک ہو آپ کا کام ہو گیا!‘‘ مَیں نے جواباً عرض کیا۔ ’’آپ کو بھی مبارک ہو کہ آپ کو یہ نیکی حکماً کرنا ہی پڑی!‘‘ ابرار مرحوم پاکستان میں آ کر ڈپٹی سیٹلمنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ جب بھی ملتے ہم اپنے بچپن میں پہنچ جاتے اور گھنٹوں اُن لطیف یادوں میں کھوئے رہتے۔

’’شائد کچھ بھی نہ بھول سکے‘‘

آج جب فضا ہر طرف سرد مہریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مہر و مروت، بھائی چارے اور رواداری کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ جب کسی کے ہاں ’’فوتید گی‘‘ ہو جائے اور وہ صبح سویرے کسی حاجی یا صوفی کی کپڑے کی دوکان کھلی دیکھ کر وہاں سے کفن خریدنے کے لیے چلا جائے تو عموماً دوکاندار اور گاہک کے مابین کچھ اس قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔ ’’کفن کا اکیس گز کا ایک ہی ٹکڑا باقی بچا ہے۔ ویسے ہے بہت عمدہ! شائد آپ کے لیے ہی بچا ہے۔ میرا تو نہیں خیال کہ مارکیٹ میں کہیں ایسا لٹھا ہو‘‘ اور پھر کپڑے کی قیمت سے دوگنے نرخ پر وہ اکیس گز کا ٹکڑا گاہک کو تھما دیا جاتا ہے۔ پانچ چھ دفعہ استغفار کے بعد! مگر میری زندگی میں ایک ایسا واقعہ بھی گزرا ہے۔ جو بھلائے نہیں بھولتا اور جب بھی کہیں کوئی ’’فوتید گی‘‘ ہوتی ہے مجھے اس کی تمام تفاصیل یاد آ جاتی ہیں۔

فیروز پور میں جب مَیں سیشن کورٹ میں لیور یزروسٹ Leave reservist تھا ہم تین چار مسلمان کلرک مکھو دروازے میں ہی رہتے تھے۔ ایک رات خبر آئی کہ ریڈر صاحب کے مکان کے عقبی جانب جو کاتب رہتا تھا اس کا ’’لنجا لُولا‘‘ بھائی فوت ہو گیا ہے۔...... ظاہر ہے اس کی تکفین و تدفین کا اہتمام ہمیں کو کرنا تھا۔ کاتب کی حالت پتلی تھی۔ ویسے بھی وہ گھر کی چیزیں فروخت کر کے بھائی کی علالت پر لگا چکا تھا۔ ہم سب اکٹھے ہوئے۔ حسب توفیق تدفین کے لیے ’’پیسے‘‘ ہر ایک نے دیئے۔ پھر ڈیوٹیاں بٹیں تا کہ صبح سویرے عدالت کے وقت سے پہلے ہی اُسے دفنا دیا جائے۔ مَیں نے عرض کیا ’’میں تو پیدل سیشن کورٹ کو جاتا ہوں اس لیے آپ میری ایسی ڈیوٹی لگائیں جو انجام

دے کر مَیں وقت پر عدالت پہنچ سکوں۔‘‘ چنانچہ میری ڈیوٹی کفن کا کپڑا (کورالٹھا) لا کر دینے کی لگی مَیں نے صبح صبح ہی ریڈر صاحب کا سائیکل پکڑا اور سارے بازار کا چکر لگایا مگر کپڑے کی کوئی دوکان بھی ابھی تک کھلی نہ تھی مَیں لوٹ آیا۔ پھر گیا۔ تو ایک دوکان میں ایک لالے کو گز صاف کرتے دیکھا۔ مَیں وہیں سائیکل سے اُتر کھڑا ہوا اور اس سے ’’کورے لٹھے‘‘ کے بارے میں پوچھا۔ اس کے ’’ہاں‘‘ کرنے پر (اٹھارہ یا اکیس گز) اب مجھے یاد نہیں کپڑا تھان سے پھاڑنے کو کہا۔ اُن دنوں 1936ء میں کورالٹھا دو آنے فی گز میں فروخت ہوتا تھا اور دوکاندار کا منافع اس میں ایک پیسہ فی گز ہوتا تھا۔ مَیں نے کپڑا لینے کے بعد چھتیس یا بیالیس آنے اُسے ادا کیے اور کپڑا کو تہہ کر کے کیریئر میں ٹھونس لیا اور سائیکل پر سوار ہو کر ’’گوبر منڈی‘‘ سے گزرنے کا پروگرام بنایا تا کہ جلدی پہنچ جاؤں اور ناشتہ کرنے کے بعد عدالت میں بروقت جا سکوں......

جب مَیں گوبر منڈی کے دروازے پر پہنچا تو اس میں سے بھینسوں کا ایک غول نکل رہا تھا مَیں سائیکل سے اتر کر ایک طرف ہو گیا۔ بھینسوں کا گلہ گزر جانے کے بعد جب مَیں نے سائیکل پر سوار ہونا چاہا تو مَیں نے محسوس کیا کہ کسی نے میرا کیریئر پکڑ رکھا ہے۔ مَیں نے اُتر کر دیکھا تو وہ وہی دوکاندار تھا جس سے ابھی ابھی اٹھارہ یا اکیس گز کورالٹھا خرید کر لایا تھا اور مجھ میں اور اس میں یوں گفتگو ہوئی۔ لالہ جی......’’آپ نے یہ کورالٹھا کا ہے کے لیے خریدا ہے؟‘‘ مَیں......’’کفن کے لیے!‘‘ لالہ جی......’’مگر آپ نے بتایا کیوں نہیں؟‘‘ مَیں......’’کیا آپ کو بتانا بھی گاہک کا فرض ہے۔‘‘ لالہ جی......’’آپ نے کفن کے کپڑے کو تہہ کیوں کیا تھا؟‘‘ مَیں......’’مجھے اس کا علم نہیں کہ کفن کے لیے کپڑے کو تہہ نہیں کیا کرتے۔‘‘ لالہ جی......’’تو لیجئے (اٹھارہ یا اکیس پیسے) اگر آپ نہ ملتے مجھے تو صبح صبح گؤ کھلا گئے تھے۔‘‘ گویا ہندو دوکاندار کفن کے کپڑے میں منافع نہیں لیتا تھا اور اسے ’’گؤ کھلانے‘‘ کے مترادف سمجھتا تھا۔ مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آیا ہے یہ شعر بے ساختہ میری زبان پر آ گیا ہے۔ ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

’’انقلاب‘‘ میں پہلا دن

مکرم عبدالرحمن انور صاحب سے حضرت سالک کے نام خط لے کر ’’لاہور‘‘ پہنچا۔ دہلی دروازہ، بیت الذکر میں گیا۔ سامان محمد حیات صاحب (کیئر ٹیکر) کے حوالے کیا۔ اور دفتر ’’انقلاب‘‘ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ لاہور اس سے پہلے بھی کئی دفعہ آیا تھا مگر میرا وہ لاہور مال روڈ، انارکلی، دہلی مسلم ہوٹل اور سٹینڈرڈ ہوٹل تک ہی محدود تھا۔ دفتر ’’انقلاب‘‘ کے بارے میں معلوم ہوا کہ ریلوے روڈ پر ’’خالصہ سٹریٹ‘‘ میں ہے۔ مئی کا مہینہ تھا۔ ساڑھے بارہ کا وقت ہوگا کہ مَیں منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ باہر ایک چپڑاسی کھڑا تھا اُسے ایک چٹ پر اپنا نام لکھ کر دیا کہ اندر لے جائے۔ وہ چک اُٹھا کر اندر چلا گیا اگلے ہی ثانیے آواز آئی۔ ’’آجایئے یہ درویشوں کا ڈیرہ ہے یہاں چٹوں سے ملاقات نہیں ہوتی۔‘‘

میں نے اندر داخل ہوتے ہی کہا ’’ثاقب زیروی‘‘ سالک صاحب اُٹھ کر ملے اور فرمایا ’’یار تم تو اچھے بھلے آدمی ہو مَیں نے تمہارے خطوط سے ایک عجیب وغریب ’’مولوی‘‘ سا بنا رکھا تھا۔‘‘ گویا اسی لمحے بے تکلفی کا آغاز ہوگیا۔ حضرت صاحب کی خیریت دریافت کی جس کے بعد فرمایا۔ ’’میرا خیال ہے کہ آج ہی کام شروع کر دیا جائے۔ آپ کی پہلی ڈیوٹی تو یہ ہوگی کہ جب مَیں آجاؤں آپ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ جایا کریں گے اور خاموشی سے ملاقاتیوں کے ساتھ ہماری باتیں سُنا کریں گے یہ باتیں خواہ آپ کے خلاف ہو رہی ہوں آپ کی جماعت کے خلاف یا آپ کے امام کے خلاف آپ کسی بات میں دخل نہیں دیں گے صرف سُنتے رہیں گے۔‘‘ اسی اثناء میں مَیں نے صحن میں ایک شخص کو آتے دیکھا۔ جس کی ڈاڑھی سرسید جیسی تھی، موٹی موٹی آنکھیں، سر پر رومی ٹوپی، کرتہ اور اٹنگی شلوار۔ اس نے سالک صاحب کے کیبن میں داخل ہوتے ہی بڑی گھن گرج سے

سلام علیک کی۔اس کے بعد مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔’’ثاقب صاحب! یہ ہیں علامہ حسین میر کاشمیری ہمارے ایڈیشن انچارج۔انہوں نے میری ایک نظم کی پیروڈی بھی کی ہے اور علامہ صاحب یہ ہیں ثاقب زیروی جنہیں صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد نے قادیان سے انقلاب میں صحافت کی عملی تربیت کے لیے بھیجا ہے اور میرا خیال ہے کہ آج ہی ان کی ٹرانسلیشن کی ڈیوٹی شروع ہوجائے۔ثاقب صاحب رات کو نیوز ایڈیٹروں کی ڈیوٹی آٹھ بجے شروع ہوتی ہے ان کے ساتھ دو نائب ہیں یوسف العزیز اور ملک مراتب علی تائب جن سے علامہ صاحب کی روزانہ جنگ ہوتی ہے اس لئے کہ وہ آٹھ دس منٹ تاخیر سے پہنچتے ہیں اور علامہ صاحب کے آٹھ بجے سے مراد سات بج کر اُنسٹھ منٹ ہیں۔آٹھ بج کر ایک منٹ نہیں‘‘ اور مجلس برخواست ہوگئی۔مجھے تو اور کوئی کام نہیں تھا مَیں پونے آٹھ بجے ہی مدیران مخابرات کے کمرے میں پہنچ گیا۔پانچ منٹ بعد علامہ صاحب بھی آ گئے۔گواُن کے دونوں نائب اس دن بھی پانچ منٹ کی تاخیر سے پہنچے لیکن شاید میری موجودگی کی وجہ سے علامہ صاحب اُن سے اُلجھے نہیں اور مجھے حکم دیا کہ مَیں ہر ترجمہ شدہ خبر غور سے پڑھتا رہوں۔ڈیٹ لائن کیسے دی جاتی ہے۔شہر کا نام اور سرخی وغیرہ وغیرہ۔کوئی آدھ گھنٹے کے بعد علامہ صاحب نے ٹیلی پرنٹر سے ایک چھوٹی سی خبر اُتار کر مجھے دی کہ اس کا ترجمہ کر ڈالیے اس ہدایت کے ساتھ کہ’’اگر اس میں کوئی مشکل لفظ ہو تو اس ڈکشنری نمبر ایک سے دیکھئے۔اگر اس میں نہ ہو تو اس دوسری ڈکشنری نمبر دو میں دیکھئے اور اگر اس میں بھی نہ ہو تو پھر (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس ڈکشنری نمبر تین سے پوچھئے۔‘‘ خدا جس کی لاج رکھے وہ خبر ٹھیک ترجمہ ہوگئی۔حکم ملا۔سرخی لگایئے وہ بھی اتفاقاً ٹھیک لگ گئی تو علامہ صاحب نے رات کے کاتبوں کے ہیڈ کو آواز دی۔’’لال دین کوٹھہ خالی ہے؟‘‘ واضح رہے کہ علامہ’’انقلاب‘‘ نام کے دونوں طرف کی خالی جگہوں کو کوٹھہ کہا کرتے تھے۔جواب ملا’’خالی ہے‘‘’’تو وہاں قادیان سے آئے ہوئے ثاقب زیروی صاحب کی خبر لگا دیجئے اور ثاقب صاحب جایئے میرزا محمود کو تار دیجئے کہ میری سب سے

پہلے ترجمہ کی ہوئی خبر کوٹھے پر لگ گئی ہے۔''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر 3)

''سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے''

وقف کے بعد مجھے انقلاب (روز نامہ) لاہور میں صحافت کی عملی تربیت کے لیے لاہور میں آئے ہوئے پانچ چھ روز ہو گئے تھے۔ مَیں رات کو دہلی دروازے کی مسجد کے محراب میں سوتا تھا میرا سامان مولوی محمد حیات صاحب (کیئر ٹیکر) کی نگرانی میں رہتا تھا۔ مَیں ناشتے کے بعد صرف ایک وقت کھانا کھایا کرتا تھا۔ تاکہ رات کی ڈیوٹی میں نیند نہ آئے اور میرے الاؤنس میں سے کچھ بچ بھی رہے تاکہ گھر بھیج سکوں۔ ایک دن لنڈے بازار میں سے گزر رہا تھا کہ میرے پاس آکر سائیکل سے ایک باوردی (سب انسپکٹر پولیس) اترا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ تھانیدار......''ثاقب صاحب آپ یہاں کہاں؟'' ثاقب......''مَیں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اور زندگی ''وقف'' کر دی ہے اور حضور نے مجھے روز نامہ انقلاب میں صحافت کی عملی تربیت کے لیے بھجوایا ہے۔'' تھانیدار......''آپ رہتے کہاں ہیں؟'' ثاقب......''دہلی دروازے کی بیت الذکر میں۔''

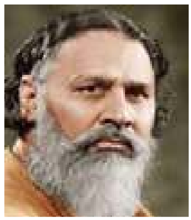
تھانیدار......''کھانا کہاں سے کھاتے ہیں؟'' ثاقب......''بازار سے۔'' تھانیدار......''میرا نام حفیظ احمد ہے۔ میں بحمد للہ احمدی ہوں مَیں یہاں نولکھا پولیس اسٹیشن کا انچارج ہوں۔ تھانے کی ڈیوڑھی کے اوپر میرا کمرہ ہے۔ مَیں اکثر نیچے بیٹھتا ہوں۔ آپ وہاں آجائیں۔ آپ کو انشاء اللہ وہاں پر آرام ملے گا! چلیئے آپ کا سامان مسجد سے لاتے ہیں۔ ایک تانگہ روکا گیا۔'' مسجد سے اُس پر میرا بستر اور سوٹ کیس رکھا گیا اور ہم لوٹ کر نولکھا پولیس سٹیشن آ گئے۔ کمرہ کشادہ تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہاں لکھنے لکھانے کا سامان (قلم، دوات اور کاغذ تک) موجود تھے۔ لیکن میرا دل پانچویں چھٹے دن وہاں سے اُکتا گیا اور مَیں نے ایک دن چوہدری عبدالمالک مرحوم (تحصیلدار) کے فرزند دلبند چوہدری حفیظ احمد (بہلولپوری) سے کہا ''مَیں رات کو ویسے نہیں سو سکتا۔ میری

ڈیوٹی ہوتی ہے۔صبح دس بجے کے بعد آپ کے اے ایس آئی (جو تین تھے ایک مسلمان ایک ہندو اور ایک سکھ) ملزموں کی کچھ اس طرح چھترول کرتے ہیں کہ ان کی چیخم ودھاڑ سے میری نیند ہَوا ہو جاتی ہے اور مَیں کچھ لکھ بھی نہیں سکتا مجھے واپس مسجد ہی میں پہنچا دیجئے۔'' کہنے لگے۔ مَیں نے اس لیے آپ کو یہاں رکھا تھا کہ آپ میرے پاس رہیں گے۔ ویسے میرے پاس تین منزلہ مکان بھی ہے۔ دل محمد روڈ پر''کے بی چشتی'' کے کارخانے کے سامنے مَیں نے تو''صحبت ناجنس'' سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ کو یہاں رکھا تھا ورنہ میرے بچے وہاں نہیں ہیں وہ گاؤں میں ہیں میرے اور چوہدری محمد امین باجوہ (سب انسپکٹر پولیس) کے بس دو، اردلی وہاں رہتے ہیں۔آپ وہاں چل رہیے۔'' اور انہوں نے فوراً تانگہ منگوایا اور مجھے وہاں پہنچا دیا۔اور مَیں کوئی دوسال وہاں رہا۔ میرے تمام اخراجات برداشت کرتے رہے۔ پھر تقسیم ہوگئی میری بچی کھچی فیملی لُٹ کھُٹ کر پاکستان آ گئی۔اُن دنوں ٹرانسپورٹ کی سخت قلت تھی۔تقسیم کے بعد اُنہیں ایس ایس پی صاحب کا ریڈر لگا دیا گیا تھا۔وہ بطور خاص اجازت لے کر میری فیملی کو قصور سے لاہور لائے اور بہ اہتمام خاص انہیں سیالکوٹ پہنچایا۔ جہاں میاں مظفر احمد صاحب (ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ) نے چوہدری اسلام الدین صاحب مجسٹریٹ، برگیڈیئر مظفر الدین (جو بعد میں میجر جنرل ہوئے اور مشرقی پاکستان کے گورنر بھی رہے) اور میری فیملی کو ایک بہت بڑی کوٹھی الاٹ کر دی تھی جس کے بالائی حصہ میں میری فیملی کے لوگ رہتے تھے۔چوہدری حفیظ احمد ڈی ایس پی ہو گئے اور ایک ملزم کا تعاقب کرتے ہوئے (شدید انجائنا کے باعث) اللہ کو پیارے ہو گئے۔میرا خدا اُن کی بال بال مغفرت فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ انہوں نے میرے زیر تربیت عرصے میں میرے تمام اخراجات برداشت کیے۔میرے تمام تردّدات دور فرما دیئے۔

امیر شریعت احرار سے گفتگو

روزنامہ انقلاب میں صحافت کی عملی تربیت حاصل کرنے کا بھی عجیب دَور تھا۔آئے دن کسی

بڑے ادب بڑے شاعر، بڑے سیاستدان اور بڑے مذہبی و معاشرتی لیڈر سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ حضرت مہر و سالک خضر حیات خاں ٹوانہ سے ذاتی مراسم ہونے کے باوجود اُن کے اور اُن کے وزراء کے بنگلوں کے طواف کے قائل نہ تھے۔ ضروری سے ضروری بات بھی فون ہی پر کر لی جاتی تھی۔ میرا علامہ رحمت اللہ ارشد، مولانا حسرت موہانی اور چراغ حسن حسرت سے ادارہ انقلاب ہی میں تعارف ہوا۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی مہر و سالک ہی کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ صبح سویرے فلیٹز میں کہ مولانا ان دنوں کانگرس کے راشٹر پتی تھے اور یارانِ شعر و ادب سے علی الصبح ملا کرتے تھے۔ رات کو ترجمہ کے علاوہ میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ جب سالک صاحب دفتر میں آجایا کریں تو میں اُن کے واپس گھر جانے تک اُن کے سامنے بطور ''سامع'' بیٹھا کروں اور کسی معاملہ میں دخل انداز نہ ہوں خواہ اُس کا تعلق میرے خاندان یا میرے کسی بزرگ ہی سے کیوں نہ ہو۔ شاید اس تربیت کا مقصد مجھ میں ہر قسم کی کڑوی کسیلی باتیں سننے کی برداشت پیدا کرنا اور اخبارات کے دفاتر میں آنے والوں سے مختلف پیراؤں میں نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا۔



1947ء کے آواخر میں ایک دن مَیں نے اپنے اساتذہ کو امیر شریعت احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی دعوتِ چائے میں شریک ہونے کا پروگرام بناتے دیکھا۔ جب بات طے ہو گئی کہ یہ دونوں حضرات دفتر انقلاب سے نکل کر تانگہ پر دہلی دروازہ سے باہر مجلس احرار کے مرکزی دفتر میں جائیں گے تو مَیں نے عرض کیا کہ مَیں بھی ساتھ چل سکتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ اسی طرح گم سم بیٹھا رہوں گا جس طرح روزانہ یہاں ڈیوٹی دیتا ہوں۔ مولانا مہر نے اس پر تشویش بھری نگاہوں سے سالک صاحب کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا ''ہم وہاں پہنچتے ہی کہہ دیں گے کہ اسے غیر حاضر سمجھیں۔ یہ صرف ہماری باتیں سُنے گا۔ دخل کسی بات میں نہیں دے گا۔'' اور ہم کوئی چار بجے کے قریب

مرکزی دفتر احرار میں پہنچ گئے۔ جہاں سید عطا اللہ شاہ بخاری کے علاوہ مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی اور شیخ حسام الدین بھی موجود تھے فرشی نشست تھی۔مگر مَیں نے چائے کے دوران میں بھی اور بعد میں بھی یہ محسوس کیا کہ شاہ صاحب مجھے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔شاید انہیں میرے چہرے مہرے سے کچھ شک گزر رہا تھا۔حتیٰ کہ انہوں نے سالک صاحب سے میرے بارے میں دریافت کر ہی لیا کہ یہ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ ''یہ نوجوان انقلاب میں صحافت کی عملی تربیت لے رہاہے آپ یہی سمجھیں کہ یہ یہاں موجود نہیں ہے ہم اسے اسی شرط پر یہاں لائے ہیں۔ یہ ہماری کسی گفتگو میں دخل انداز نہ ہوگا آپ اسے اپنایا ہمارا''سامع'' سمجھیں۔''خوش گپیاں ہی نہیں۔پھکڑ تلتے رہے۔سیاستدانوں کے لطیفے اخبار والوں کے لطیفے، مقرروں کے لطیفے، ایک سے ایک بڑھ کر۔مگر شاہ صاحب ہر نئی بات شروع کرنے سے پہلے میری طرف ضرور دیکھتے۔یہاں تک کہ اپنی ایک تقریر کے تاثرات بیان کرنے سے قبل انہوں نے براہ راست مجھ سے دریافت کیا''صاحبزادے! کیاتم نے میری کوئی تقریر سنی ہے؟''مَیں جواب میں خاموش رہا۔ جب انہوں نے دوبارہ اپنا سوال دوہرایا تو میں نے سالک صاحب کی طرف مستفسرانہ انداز میں دیکھا''اگر سنی ہےتو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں بتادو۔''انہوں نے فرمایامَیں نے عرض کیا۔''ہاں ایک دفعہ ایک ثانیے کے لیے سنی تھی اس کے بعد زندگی میں کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی''شاہ صاحب یہ جواب سن کر قدرے پریشان ہوئے میرے بزرگ استاد بھی خاموش ہو گئے۔چند کروٹیں لینے کے بعد شاہ صاحب نے دوسرا سوال داغ دیا''وہ تقریر آپ نے کہاں سنی تھی۔اور مَیں نے کیا کہا تھا جو اُس کے بعد آپ میری تقریروں سے ہمیشہ کے لیے بیزار ہو گئے۔''اُن کی تشویش بجا تھی ایک ایسا پرچارک جس کی سارے برصغیر میں دھوم تھی اُسے ایک نوجوان کہہ رہا تھا کہ مَیں ایک ثانیے کے لیے آپ کی تقریر سن کر ہمیشہ کے لیے بیزار ہوگیا۔مَیں شاہ صاحب کے اس سوال پر بھی خاموش رہا۔حتیٰ کہ سالک صاحب نے جواب دینے کی اجازت

مرحمت فرمائی اور مَیں نے شاہ صاحب کو بتایا کہ؛''ایک دفعہ میں فیروز پور سے قصور آ رہا تھا اور قصور کے چیف ایگزیکٹو آفیسر چوہدری عبداللہ خاں کے بنگلے کی چھت پر سویا ہوا تھا۔ پاس کی منڈی میں مجلس احرار کے زیر اہتمام آپ کی تقریر ہو رہی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو مَیں نے آپ کو یہ کہتے سنا؛''مینوں تاں جے اللہ میاں آپ آکھے کہ عطاء اللہ مرزا غلام احمد سچا اے تے مَیں آکھاں گا اللہ میاں توں جھوٹا ایں اوہ سچا نہیں ہوسکدا''میں نے''لاحول......''پڑھا اور کروٹ بدل کر سو گیا کہ جو شخص اپنے آپ کو خدا سے افضل سمجھتا ہے آئندہ اُس کی تقریر کبھی نہیں سنوں گا۔''ظاہر ہے اس کے بعد محفل میں کچھ مزہ نہ رہا مگر اس کا ایک فائدہ بھی ہوا کہ کوئی گھنٹے بھر میں ہم نیچے اُتر آئے۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔

اگست 1947ء کے آواخر میں مہاراجہ پٹیالہ کی فوج کے ساتھ اکالیوں اور بھوکے سکھوں نے زیرہ کے آس پاس کے دیہات میں ماردھاڑ، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کرنے کے بعد بالآخر قصبہ زیرہ میں بھی قتل عام کا پروگرام بنایا۔ اس سے قبل مَیں اپنی ٹانگ کا ایک زخم چھیل کر''نندہ مالوہ بس''کے پروپرائیٹر سردار گوردت سنگھ کے ہاتھ موگا کے کیمپ پر تعینات مسلمان فوجیوں کو یہ خونیں رقعہ لکھ چکا تھا کہ''زیرہ کا 18 ہزار مسلمان کسی وقت بھی انسانیت دشمنوں کی قتل و غارت کا نشانہ بن سکتا ہے اگر ممکن ہو تو اُسے بچا لیجئے۔''

پروگرام کا آغاز ہمارے ہی محلے کی دوسری نکڑ سے یعنی موچیوں کی گلی سے ہوا۔ اس کے بعد کمبوؤں کا محلہ آتا تھا اور اس محلہ کے آخر میں ہمارا گھر تھا جس کے ایک طرف بڑا نالہ اور سڑک تھی اور دوسری طرف کھیت۔ ہمیں حملہ کی اطلاع ملی تو ہم کوئی 2 بجے اپنے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے ''بیت الدعا''میں آ بیٹھے جہاں امی جان شہر کے بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتی تھیں۔ حملہ یوں کیا جاتا تھا کہ پہلے بے تحاشا گھوڑے دوڑا کر ہراس پھیلایا جاتا۔ پھر اکالیوں کے جتھے اِدھر اُدھر کرپانیں چلا کر نہتے مسلمانوں کے دست و بازو کاٹتے انہیں لوٹتے اور ماردھاڑ کرتے آخر میں فوج

آ کر صفایا کرتی۔گھوڑے دوڑانے سے قبل چاروں طرف وسل بھی بجائے جاتے تھے۔کوئی چار بجے بعد دوپہر وسل بجنے لگے، گھوڑے دوڑنے لگے۔اکالیوں کے جتھے اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے لگے تو ہم نے بھی اپنا ساز وسامان ٹھکانے لگا کر ''بیت الدعا'' میں آ ڈیرے جمائے۔اس سے قبل مجھ میں اور والد صاحب میں طے پا چکا تھا کہ اگر صورت حال واقعہ ناگفتہ بہ ہوگئی تو مَیں اپنی بیوی کو اور والدہ محترمہ کو ابا جان ٹھکانے لگا دیں گے اور کسی صورت یہ پاکیزہ بازو انسانیت دشمنوں کے ہتھے نہیں چڑھنے دیئے جائیں گے۔بقول غالب۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
بیقراری اس کی دیکھا چاہیے

ہمارا عجیب عالم تھا مجھے اس عالم میں غنودگی نے گھیر لیا اور مَیں نے دو بلکہ تین دفعہ سنا جیسے کوئی بلند آواز میں کہہ رہا ہو''وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى'' فوراً آنکھ کھلی مَیں نے حضرت ابا جان سے دریافت کیا''اس آیت مبارکہ'' کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا''اگر ہم یہاں اس ہلے گُلے میں مارے گئے تو اپنے رب کے نزدیک ''شہید'' ہوں گے۔لیکن اگر ہمارے رب نے بچا لیا تو ہماری بعد کی زندگی نہایت اچھی ہوگی کم از کم ہماری پہلی زندگی سے بہتر ہوگی۔''اس دوران ہی میں مَیں نے محسوس کیا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز مدہم پڑ گئی ہے۔وسل بجنے قریباً بند ہیں فوجی جیپیں وغیرہ بھی اِدھر اُدھر دوڑ بھاگ نہیں رہیں۔تھوڑی ہی دیر کے بعد ہمارے مکان کے بڑے دروازے پر کسی کا''ٹھڈ'' پڑا۔مَیں تالہ کھولنے کے لیے اُٹھا تو حضرت ابا جان پہلے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ''تم نہیں مَیں جاؤں گا''انہوں نے آہستہ سے دروازہ کھولا سامنے ایک''مسلمان فوجی'' کھڑا تھا اُس نے ابا جان کو دیکھتے ہی دریافت کیا''یہ ثاقب کون ہے؟۔۔۔میرا بیٹا ہے۔''۔۔یہ رقعہ اُس کا ہے؟۔۔۔جی ہاں۔''''تو شہر بھر میں اعلان کر دو کہ ہم آ گئے ہیں'' یہ آنے والے صرف سات جوان تھے اُن کے پاس ایک جیپ اور ٹرک تھا۔انچارج حوالدار فضل تھا۔یہ کہہ کر وہ چند نوجوانوں

کولے آس پاس کے دیہات سے مغویہ بیٹیاں بازیاب کرنے نکل کھڑے ہوئے اور صبح تک 21 لڑکیاں برآمد کر ڈالیں۔



تبادلہ انتقال آبادی

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی مجرمانہ مداخلت سے (جہاں تقسیم ہند کا پورا ایوارڈ 14/ اگست کو نشر ہوا) وہاں ضلع فیروز پور اور ضلع گورداسپور کا ایوارڈ 17/اگست 1947ء کو نشر کیا گیا جس کے دوران میں فیروز پور اور زیرہ کی مسلم اکثریت والی تحصیلوں کے علاوہ گورداسپور کی تحصیل بھی بھارت کی جھولی میں ڈال دی گئی۔جس کا ان تینوں تحصیلوں کے مسلمانوں کو خطرناک خمیازہ بھگتنا پڑا۔باؤنڈری فورس کے 7 بلوچ پاکستانی فوجیوں کا قافلہ زیرہ کے 18 ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو سرکاری سڑک کے ذریعہ پیدل لے کر 29 اگست 1947ء کو چلا تھا۔علی الصبح مجھے اُس صبح کے دو مناظر اب تک یاد ہیں۔ سب سے پہلے مجھے جگن ناتھ پان فروش اور اس کا بیٹا ملے جسے مَیں پیار سے ''پپلی صاحب'' کہا کرتا تھا۔ مجھے پان کھانے کی عادت تھی۔دورے میں بھی اکثر ڈبیا بھیج کر بھروالیا کرتا تھا۔اُن دنوں پان دو پیسے حد ایک آنے کا ہوتا تھا۔ مَیں ذہن میں حساب رکھتا تھا کبھی دو روپے۔کبھی چار روپے جگو (جگن ناتھ) کو دے دیئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ جگو باقاعدہ حساب رکھتا تھا کیونکہ جب آخری ملاقات میں مَیں نے اس سے یہ کہا کہ نہ جانے تمہارے میری طرف کتنے پیسے ہیں یار قیامت کے دن معاف کر دینا'' تو جواب ملا'' کوئی زیادہ نہیں ہیں صرف 9 روپے دس آنے ہیں'' تو مَیں نے چاہا کہ یہ حساب نمٹا ہی دوں اور دس روپے اس کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ باقی چھ آنے میرے پپلی صاحب کی نذر کر دینا۔قافلہ چلا تو سوائے میری والدہ محترمہ کے کوئی بھی ''گڈے'' پر بیٹھا ہوا نہ تھا اتنے میں بشمیر سنگھ (سُنار) ملنے آیا اور اُس نے مجھے ایک طرف لے جا کر کہا کہ مجھے خطرہ ہے اس قافلہ پر حملہ ضرور ہو گا اس لیے آپ زیور وغیرہ لے جانے کی کوشش نہ کریں۔ہم نے

امی جان، میری بیوی محمد بشیر کی متوقع بیوی اور بعض شاگرد پیشہ بچیوں کے زیورات کی ایک گیند سی بنا کر حضرت اماں جان کی جھولی میں ڈال رکھی تھی۔ مَیں نے حضرت اماں جان سے یہ بات کی تو فرمایا ’’ ملے گُلے کے دس پندرہ دن گزرنے کے بعد ہم نے آ تو جانا ہی ہے یہ گیند پھر بشمیر سنگھ ہی کو کیوں نہ دے دیں۔‘‘ اور وہ گیند وہیں سے اس کی طرف لڑھکا دی گئی۔

قافلہ روانہ ہوگیا۔ ہلکی ہلکی بارش برسنے لگی۔ مسلمانوں نے جو قیمتی اشیاء کی گٹھریاں اپنے سروں پر رکھی ہوئی تھیں وہ لمحہ بہ لمحہ بوجھل ہونے لگیں اور وہ ان میں سے کم قیمت سامان نیچے پھینکتے چلے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لُٹیرے سکھوں کو قافلہ پر حملہ کا تردد نہیں کرنا پڑا اور انہیں زمین پر گِرا ہوا سامان اور اشیاء ہی کافی ہو گئیں۔ تیسرے دن ہم ستلج ہیڈ سے ہوتے ہوئے رات کے وقت گنڈا سنگھ والا (پاکستان) پہنچ گئے اور پھر قصور، لاہور اور سیالکوٹ۔ ایک سال اور چند ماہ گزر گئے تو مجھے بتایا گیا کہ دونوں ملکوں میں خط و کتابت بھی ہو رہی ہے۔ حسین والا پر آ کر دونوں ملکوں کے لوگ ’’نومینز لینڈ‘‘ میں باہم مل بھی بیٹھتے ہیں۔ تو میرے دل نے مشورہ دیا کہ کسی دن بشمیر سنگھ کو لکھوں کہ آ کر مل جائے اور مَیں نے لکھ دیا۔ اُس کا جواب آیا کہ وہ فلاں دن آنے کی کوشش کرے گا۔ مَیں اُس دن صبح سویرے ہی پہنچ گیا مگر وہاں دوپہر تک بشمیر سنگھ کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ حتیٰ کہ مَیں تھک ہار کر ایک شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں تو بشمیر سنگھ کو ڈھونڈ رہی تھیں ایک بھاری بھرکم جُثے کے بوڑھے شخص کو جس کے بیشتر بال سفید ہوں اتنے میں اُس کا لڑکا ’’حکم‘‘ مجھے ملا اور کہنے لگا۔ باپو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور مَیں تو صبح سے آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ’’ پھاوا‘‘ ہو گیا ہوں اس کے بعد ہم دونوں نے بیٹھ کر وہ میٹھی روٹیاں جو وہ اپنی ماتا جی سے بنوا کر لایا تھا کھائیں اور بعد دوپہر تک ہم بیٹھے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ باہم جدا ہونے کا وقت آ گیا تو اس نے اپنا ’’بیگ‘‘ کھولا اور کہا کہ ’’ باپو نے آتے وقت یہ گیند میرے حوالے کی تھی کہ آپ کو پیش کر دوں۔‘‘ یہ گیند میں خوب پہچانتا تھا۔ مَیں نے بھی ’’ باپو کے تحفے‘‘ کے طور پر اُسے قبول کیا

اور بیگ میں رکھ کر لاہور چلا آیا۔ پانچویں چھٹے دن سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت امی جان کی خدمت میں پیش کی۔ وہ فوراً اُسے لے کر اندر چلی گئیں اور پھر کوئی آدھ گھنٹے کے بعد باہر آکر بتایا کہ ''جس بچی کا جوزیور جس کاغذ میں سِلا ہوا تھا اُسی میں سِلا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے بشمیر سنگھ سنار نہیں صداقت و دیانت کا علمبردار بھی ہے۔''

بطنِ زمیں میں سینکڑوں خورشید ہیں نہاں
کیوں اپنے دل سے عظمت انساں اُٹھائیے

انسان ذلیل ہے خدایا

30 اگست 1947ء کو زیرہ اور مضافات کے 18 ہزار سے زائد بے خانمانوں کا قافلہ جس کے سامنے ہندوستان کی سرحد عبور کرنے کے علاوہ اب کوئی اور منزل نہ تھی۔ جس کے ساتھ گڈے تھے چھکڑے، گھوڑے، بیل، بھینس اور گدھے تھے محافظوں نے اُسے ''حکومت والا'' میں پہنچ کر قیام کی اجازت دی کہ یہاں دونوں طرف سڑک چوڑی بھی تھی نیز سڑک کے دونوں طرف صاف میدان بھی تھا۔ ''حکومت والا'' سکھوں کا گاؤں تھا ''مل وال'' اور ''بازید پور'' کے نزدیک۔ یہاں ہم نے رات بھر قیام کیا۔ سرِ شام ہی اجازت دے دی گئی تھی کہ کھانے پکانے کے لیے گاؤں سے پانی وغیرہ لے آیا جائے۔ مگر اکیلا آدمی نہ جائے۔ دو دو تین تین کر کے گاؤں میں جائیں شاید اس خیال سے کہ مسلمانوں کا قافلہ آرہا ہے۔ سکھوں نے تمام مسلمان مردوں کا صفایا کر دیا تھا اور اُن کی مستورات اغوا کر لی تھیں آسمان پر قدرے بادل تھے اور بجلی وقفوں وقفوں سے تڑپتی تھی۔ ہم گاؤں میں گئے تو مسلمانوں کے گھروں میں کہیں کوئی ٹانگ پڑی تھی۔ کہیں کوئی بازو اور کہیں کوئی سر۔ مجھ پر تو اس بے بسی کا اتنا زیادہ اثر ہوا کہ مَیں واپس لوٹ آیا۔ مگر جب دوسرے لوگ واپس آئے تو مَیں نے دیکھا کہ وہ لوگ جو بارش کے باعث اپنے سر کی گٹھڑیوں سے بھی سامان پھینکتے آئے تھے۔ جن کا ماضی ختم ہو چکا ہے پہلے وطن سے ناطہ ٹوٹ چکا تھا۔ سامنے کوئی منزل نہ تھی۔ وہ

سکھوں کے گھروں سے یا مسلمانوں ہی کے گھروں سے کھیس، چوتیہیاں، گڈے کے پہیے، دو ایک بکریاں اور دیگر بے معنی اشیاء اٹھائے اور ہانکتے چلے آرہے تھے۔ مَیں بڑھ کر قافلے کے رکھوالے فضل سے ملا۔ اور کہا۔ ''کیا ہم بحفاظت پہنچ سکیں گے؟'' ''کیوں نہیں پہنچ سکیں گے؟'' ذرا ناشکر گزاری کا یہ منظر دیکھو کہ یہ بے خانماں موت کے گھاٹ اُتر جانے والے مسلمانوں ہی کی اشیاء اُٹھا کر آرہے ہیں۔ فضل کی آنکھوں میں یہ دیکھ کر خون اُتر آیا۔ مَیں نے بآوازِ بلند کہا ''انسان ذلیل ہے خدایا۔'' فضل نے اُن بائیس، چوبیس افراد کو وہیں زمین پر لٹا کر اُن کی رائفل کے بٹوں سے مرمت کی۔ وہ ایسا کرتے وقت رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ رب العالمین ہم اس گناہ میں شامل نہیں ہیں تو ہمیں منزل پر ضرور پہنچا دینا۔ یہ اِن لوگوں کی کارستانی ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ یہ بھی عجیب رات تھی۔ چاندنی ہونے کے علاوہ بادلوں کی وجہ سے اندھیر۔ مجھے پیشاب کا احساس ہوا سڑک کے دونوں طرف سرکانہ تھا اور گڑھے تھے۔ مَیں نے آہستہ آہستہ سرکانوں کے قریب جا کر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کیا مگر مَیں نے محسوس کیا جیسے پیشاب عام زمین کی بجائے کسی شے پر گِر رہا ہے۔ اتنے میں بجلی چمکی تو مَیں نے دیکھا کہ مَیں زمین پر نہیں کسی انسان کی لاش پر پیشاب کر رہا ہوں۔ ایسا ہول آیا کہ پیشاب رخصت ہو گیا اور اگلے دن گنڈا سنگھ والا پہنچنے پر آسکا۔ ظاہر ہے وہ لاش کسی مسلمان ہی کی ہو سکتی تھی۔

''گگّے باگے''

غنچوں کو کچل دینے والے اس باغ کا بھی اک مالی ہے
کلیوں کو مسل دینے والے کلیوں کا بھی کوئی والی ہے
وہ دیکھ نہ لے یہ ظلم کہیں
یہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں

تقسیم ہند کے 13 سال بعد 1960ء میں فیروز پور (مشرقی پنجاب) کا ایک چورقہ

موصول ہوا جس کی ایک اہم خبر یوں تھی:

''موضع ڈھنڈیاں تحصیل زیرہ کا ایک سِکھ زمیندار اگلے دن جنون کی ایک عجیب وغریب قسم ''گگے با'' سے ہلاک ہو گیا۔ اس پر تین دن نزع کی کیفیت طاری رہی اور اس سارے عرصے میں وہ نیم بے ہوشی میں ''گگے با''۔ ''گگے با'' کے نعرے لگا تا رہا۔ یہاں تک کہ جب اُس نے آخری بار ''گگے با'' پکارا تو لفظ ''با'' پر اس کی آواز یوں ختم ہو کر رہ گئی جیسے اس کی صوتی لہر کو کسی نے تیز دھار تلوار سے کاٹ کر پرے پھینک دیا ہو'' اور اب مَیں اپنے قارئین کے سامنے اس خبر کا جانکاہ سیاق و سباق بیان کرنے لگا ہوں جس سے متذکرہ چوورقے کے مدیر مخابرات کو بھی شاید آگاہی نہیں دراصل اس خبر کے ڈانڈے 1947ء کے اُن ہنگامہ قتل و غارت سے ملتے ہیں جب مہاراجہ پٹیالہ کی بادشاہت اور مشرقی پنجاب میں ''سِکھ راج'' کے قیام کے لیے سکھوں کے ٹکوئے، گنڈاسے، تلواریں اور کرپانیں مسلمانوں کے گلے کاٹ رہی تھیں۔ اُف توبہ 1947ء کا ذکر کیا نوک قلم پر آیا۔ رُباب دل کے تمام تار جھنجھنا اُٹھے اور وہ تمام زندہ لاشیں نگاہوں میں گھوم کر رہ گئیں جو نہ جانے آج بھی کس آس پر زندہ ہیں۔ وہ پھیکی پھیکی پھانکیں اور وہ ترشے ہوئے بازو جنہیں ہم ساتھ لے آئے اور وہ تمام لذیز میٹھی قاشیں تو ادھر رہ گئیں یا بالجبر اُدھر رکھ لی گئیں اور اب نہ جانے کس حال میں ہیں۔ یا اللہ رحم یادیں بھی ظالم عجیب وغریب چیز ہیں ان کی دلدل میں دھنس کر غم، کسک، چبھن اور پھر دائمی دلدوز ٹیس کی شکل تو اختیار کر لیتا ہے ان سے نکل کر مسرت کا رنگ بھی اختیار نہیں کر پاتا۔

''گگے با'' دراصل ادھورا نعرہ ہے۔ پورا تھا ''گگے باگے''۔ ایک نعرہ ایک سحر، ایک تعویز یا کسی مجذوب کی ایک بڑ۔ جو تحصیل زیرہ کے ہیڈ کوارٹر (زیرہ) سے ڈھائی میل جانب شمال نواں زیرہ (زیرہ نو نامی موضع) کے ایک پیدائشی مست کا تکیہ کلام تھا۔ تکیہ کلام بھی کیوں؟ اُسے تو کبھی کسی نے بھی کبھی ان دو مبہم لفظوں کے سوا کچھ اور بولتے سنا ہی نہیں تھا۔ لوگوں کے سر درد ہوتے۔ ''گگے

باگے''ایک ہاتھ پیشانی پر رکھ کر اور دوسرا ہاتھ فضا میں لہرا کر نعرہ لگاتا اور ''گگے باگے'' اور درد ہوا ہو جاتا۔اس طرح ڈاڑھ کا درد، کمر کا درد یا بل، جانے کتنے ہی ایسے درد تھے جن کے لیے اس مست کا یہ ''گگے باگے'' امرت دھارے کا کام دیتا تھا اور جن کے طفیل تحصیل بھر کے مسلمان، ہندو، سکھ تمام اس کے اس شفاء بخش نعرے سے یکساں طور پر مستفید ہوتے تھے۔''گگے باگے'' یتیم پیدا ہوا۔ چھ سال کی عمر میں لاوارث ہو گیا۔وہ پیدائشی مست تھا۔اس کے اعصاب میں پیدائشی لرزہ تھا۔اسے نہ کسی نے پڑھایا نہ لکھایا۔بس گاؤں والے روٹی کپڑا دیتے رہے اور ''گگے باگے'' جوان ہوتا چلا گیا۔نماز اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔جانے اس نے کس سے سیکھی اور کیسے پڑھی تھی اور وہ اس میں کیا پڑھتا بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ تھا۔نماز کے دوران اس کا جسم سمٹ کر پیشانی میں آجاتا تھا جسے وہ اپنے محبوب حقیقی کی دہلیز پر جھکا دیتا تھا۔لیکن سیاست کی نیرنگیاں دیکھئے کہ 1947ء میں جب انسان نے انسانیت کا ملبوس اُتار کر ہندو، سکھ اور مسلمان کا چولہ پہن لیا تو جہاں بڑے بڑے جاگیردار، مالدار، رعب دار، ذیلدار اور نمبردار حالات کے شکنجے میں آگئے وہاں ''گگے باگے'' کے لیے بھی عافیت کی راہیں تنگ اور مسدود ہو گئیں۔

جس دن ''نواں زیرہ'' (زیرہ نو) صاف اور ہموار کیا گیا جس دن زیرہ کے اس سے قریبی گاؤں کی انسانیت نُچی ، ناموس لُٹی ''گگے باگے'' اُس دن وہاں موجود نہ تھا۔ اس گاؤں کے مسلمانوں کی تکابوٹی کرنے کا کام رتن سنگھ لوہگڑیہ (ایم ایل اے) کی جانب سے ڈھنڈیاں کے سِکھ زمینداروں کو الاٹ ہوا تھا جن کے سرخیل لالو (لال سنگھ) بدمعاش اور اُس کا سفید پوش بھائی تھے۔ایک باپ کے دو بیٹے، ایک دس نمبر کا بدمعاش اور دوسرا سفید پوش مگر درحقیقت دونوں ہی بدمعاش بلکہ سفید پوش تو اپنے بدمعاش بھائی سے بھی دو جوتے آگے تھا۔ جو بوقت ضرورت جب چاہتا ویسی ہی کینچلی بدل لیتا اور پھر لالو جب سفید پوش بنتا تو اس کی بدمعاشی تو ایسی بھیانک اور خوفناک شکل اختیار کر لیتی کہ بڑے بڑے ناغڑ تھانیدار اُسے سلام کر کے گزرتے۔''گگے باگے''

کہیں صبح سویرے ہی گاؤں سے نکلا تھا۔کھیتوں، بگڈنڈیوں اور درختوں کی چھاؤں کا لطف اُٹھاتا، مریضوں ،محتاجوں اور عقیدت مندوں کے دُکھ دَرد دُور کرتا کوئی عصر کے قریب ڈھنڈیاں نامی گاؤں کے راستے پر پہنچا۔''گگے باگے'' کے لیے ہر گھر پناہ گاہ تھا اور علاقے کا ہر فرد اُس کا میزبان۔اس لیے اُسے بھی دن کے ڈھل جانے یا شب کی تاریکی چھا جانے کا خوف طاری نہیں ہوا۔اُس نے سوچا ہوگا۔چلو آج کی رات ''ڈھنڈیاں'' ہی میں گزار لیں گے لیکن ابھی وہ مشرقی ندی کے ورلی طرف ہی پہنچا تھا کہ اُسے لالو کی قیادت میں سِکھ خونخواروں کا وہ گرو بندوقوں، تلواروں اور کرپانوں سے مسلح آتا ہوا دکھائی دیا جو''نواں زیرہ'' (زیرہ نو) کے مسلمانوں کا صفایا کر کے انسانیت پر اپنی بربریت کی فتح مندی کے پھریرے لہراتا ہوا گھوڑوں پر سوار چلا آرہا تھا کہ دور سے گرد اُڑتی دیکھ کر''گگے باگے'' نے فرطِ حیرت سے فضا میں اپنا مخصوص نعرہ چھوڑا اور اس خونخوار قافلے نے اپنی سواریوں کی باگیں اس کی طرف موڑ دیں۔ایک تحریری ثقہ روایت کے مطابق لالو بدمعاش اس کے بیٹے اور اس کے سفید پوش چچا میں اُس کے قتل کے بارے میں کچھ دیر جھگڑا ہوتا رہا۔بیٹے کا کہنا تھا کہ ''باپو''گگے باگے'' نماز ہی تو پڑھتا ہے اور یہ بھی کیا خبر کہ کیا پڑھتا ہے ہوسکتا ہے کہ واہگورو کی کوئی بانی ہی پڑھتا ہو اُسے قتل کرنے کا فائدہ؟'' لالو خاموش تھا لیکن ہونٹوں پر کچھ اس انداز سے زبان پھیر رہا تھا جیسے سانپ ڈسنے سے پہلے اینٹھ رہا ہو۔لیکن اس کے بھائی کو اصرار تھا کہ ''اب اس علاقے میں صرف گورو کا سِکھ ہی رہے گا مُسلا (مسلمان) خواہ وہ دیوانہ یا پاگل ہی کیوں نہ ہو کسی حالت میں بھی ''اب دسویں بادشاہ کے سنگھوں کی نگری میں نہیں رہ سکتا۔'' اور ابھی سفید پوش اپنی رائے کے حق میں دلائل دے ہی رہا تھا کہ قافلہ مست کے اور قریب ہو گیا اور ایک سورمے نے اپنے نیزے کی اَنی سے اُسے ٹھوکا دیا کچھ اس انداز سے جیسے کہہ رہا ہو ''تیار ہو جا خالصے کا وار آرہا ہے'' لیکن ''گگے باگے'' کو اس الٹی میٹم کے آداب و اطوار سے کوئی شناسائی نہ تھی۔وہ جواباً اپنی وہی معصوم مستوں کی سی ہنسی ہنسنے لگا جسے لالو کی ایک ہی خونخوار گرج نے

سراسیمگی میں تبدیل کر دیا۔ ابھی لالووار کے لیے پرتول ہی رہا تھا کہ سفید پوش نے اپنا گھوڑا آگے کیا اور اُسے کہا ''اوئے مستا ذرا نعرہ تاں لا'' (ارے او مست ذرا اپنے مخصوص انداز میں اپنا نعرہ تو الاپ) مست نے ایک ہاتھ کان پر رکھ کر اور دوسرا فضا میں لہرا کر الاپنا شروع کیا ''او گگے باگے''۔

لیکن ابھی اُس نے ''با'' والا ٹکڑا پورا ادا نہ کیا تھا کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے جسم سے علیحدہ ہو کر پانی کو سُرخرو کرنے کے لیے ندی میں جا گرے ان میں سے ایک اُس کا سر تھا اور دوسرا فضا میں لہرانے والا ہاتھ۔ اور آج پورے 13 سال بعد فیروز پور (مشرقی پنجاب) کا ایک چوورقہ یہ خبر لے کر نمودار ہوا ہے کہ موضوع ڈھنڈیاں تحصیل زیرہ کا ایک سکھ زمیندار اگلے دن جنون کی ایک عجیب و غریب قسم ''گگے باگے'' سے ہلاک ہو گیا۔ اس پر پورے تین دن نزع کی کیفیت طاری رہی اس سارے عرصے میں وہ نیم بے ہوشی میں ''گگے با'' ''گگے با'' کے نعرے لگا تا رہا۔ یہاں تک کہ آخری بار جب اُس نے ''گگے با'' پکارا تو لفظ ''با'' پر اس کی آواز یکدم یوں ختم ہو گئی جیسے اس کی صوتی لہر کو کسی نے تیز رفتار تلوار سے کاٹ کر پرے پھینک دیا ہو۔ ''شائد ڈھنڈیاں کی مشرقی ندی میں'' اور ابھی نہ جانے کتنے لاکھ معصوموں، بے گناہوں اور نہتوں کی روحیں اسی طرح اپنے قاتلوں کے گرد مکافات عمل کے آتشیں ہتھیار لئے پھرتی ہوں گی۔ اللہ انسان کو انسان کے قہر سے محفوظ رکھے! آمین۔

غنچوں کو کچل دینے والے اس باغ کا بھی ایک مالی ہے
کلیوں کو مسل دینے والے کلیوں کا بھی کوئی والی ہے
وہ دیکھ نہ لے یہ ظلم کہیں
یاں دیر تو ہے اندھیر نہیں



انجمن حمایت اسلام کا مشاعرہ

قائداعظم کی وفات کے بعد الحاج خواجہ ناظم الدین بحیثیت گورنر

جنرل پاکستان پہلی دفعہ لاہور تشریف لائے تو ''انجمن حمایت اسلام'' کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعرہ کی صدارت بھی فرمائی۔ میر مشاعرہ ایم ڈی تاثیر تھے جنہیں دیال سنگھ کالج کے ایک مشاعرے میں میرے بارے میں کچھ غلط فہمی ہوگئی تھی جس کے مولوی ظفر علی خاں صدر تھے۔ اس لیے مَیں انجمن کے مشاعرہ میں مدعو نہ تھا ویسے بھی لاہور کے شعری حلقوں میں بہت کم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ مَیں شعر کہتا ہوں۔ اس لیے مَیں پریس گیلری میں جا بیٹھا اور بطور سامعِ مشاعرے میں شریک ہوا۔ پریس گیلری میں کوئی بیس ایک صحافی موجود تھے۔ جن کے ایک کونے پر مَیں اور دوسرے کونے پر میاں محمد شفیع (جو بعد میں م۔ش کے نام سے مشہور ہوئے) بیٹھے تھے اور جو پریس کے سیکرٹری جنرل تھے۔ رات کے ساڑھے بارہ بج گئے مگر مشاعرہ جم نہ پایا اس میں وہ شوکت نہ آئی جو انجمن کے مشاعرں کا طرہِ امتیاز تھی حتیٰ کہ دو تین شاعر رہ گئے۔ شاید اسی باعث جناب میاں محمد شفیع نے تاثیر صاحب کو لکھا کہ پریس گیلری کے شاعر (ثاقب زیروی) صاحب کو پڑھنے کا موقع دیا جائے۔ اسٹیج پر صدرِ محترم کے دائیں بائیں اے۔ڈی اظہر اور ایم۔ڈی تاثیر تشریف فرما تھے انہوں نے جواباً لکھا کہ اب اساتذہ کا دَور ہے کیا آپ کا متبدی دوست اس مقام پر پڑھ لے گا؟ یہ جوابی چٹ اسٹیج کا رضا کار مجھے دے گیا مَیں نے میاں صاحب سے کہا کہ انہوں نے کیا غضب کیا۔ مَیں تو سر پر ٹوپی بھی لے کر نہیں آیا۔ نہ میرے پاس کوئی کلام ہے ویسے بھی فی الواقعہ اساتذہ کا دَور شروع ہو چکا ہے مگر وہ نہ مانے اور انہوں نے اسی چٹ کے دوسری طرف لکھ بھیجا کہ اگر آپ نے پریس گیلری کے شاعر کو نہ پڑھوایا تو مشاعرہ کی خبر کا بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔ بھلا اظہر و تاثیر کو یہ کیونکہ گوارا ہوتا کہ اگلی صبح گورنر جنرل کے ساتھ اُن کی تصویریں نہ چھپیں اور مشاعرہ کی خبر تک نہ ہو اس لیے انہوں نے اسد ملتانی کے بعد فوراً مجھے بلوا لیا۔ چونکہ مَیں قطعاً تیار نہ تھا اس لیے مَیں نے اسٹیج پر جانے میں پس و پیش کی مگر یارانِ پریس گیلری نے مجھے دھکیل کر اسٹیج پر بھیج دیا۔ اور مَیں نے اپنی ایک نظم ''میرا جواب'' پڑھنی شروع کی (جو اپنے ایک شاعر دوست کے جام شراب پیش کرنے

کے جواب میں لکھی گئی تھی) ابھی اس کے دو بند ہی پڑھے تھے کہ ایک دھما کہ سا ہوا۔ تھوڑے سے شور و شغب کے بعد معلوم ہوا کہ مستورات اپنی قناتوں کی طنابیں توڑ کر مردوں کے پیچھے آ بیٹھی ہیں۔ داد و تحسین تھی کہ موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھی۔ بارہ پندرہ منٹوں کے بعد نظم ختم ہوئی اور مَیں جانے لگا تو خواجہ صاحب نے مجھے روک کر کہا۔ ’’اب کہاں؟ ایک نظم اور سنایئے‘‘ مَیں نے عرض کیا ’’حضور مَیں مشاعرے میں مدعو نہ تھا۔ جنہوں نے فوراً جواب گھڑا کہ۔ ’’حضور دعوت نامہ تو بھیجا تھا مگر شاید ملا نہیں بھلا ایسے مقبول شاعر کو کیونکر بھلایا جا سکتا ہے؟‘‘ بہر حال مَیں نے دوسری نظم ’’بربط کے نظارے‘‘ شروع کی جو فرقان فورس کے (مجاہدین) کی رزمیہ سرگرمیوں سے متعلق تھی۔ جنگِ کشمیر اُن دنوں ہر کس و ناکس کی زبان پر تھی داد و تحسین کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جیسے آسمان سے شہرت و مقبولیت کا نزول ہو رہا ہے۔ نظم مکمل کر کے مَیں پھر جانے لگا تو خواجہ صاحب محترم نے فرمایا اگر کچھ اور یاد نہیں تو پہلی نظم ہی دوبارہ سنا دیجئے۔ جس کی تعمیل کی گئی اور مَیں خوشگوار نگاہوں کے پرتو میں پریس گیلری میں پہنچا۔ اسٹیج سے اعلان ہوا کہ اب ابوالاثر حفیظ جالندھری اپنا کلام سنائیں گے مگر کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ موصوف طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے تشریف لے گئے ہیں اور مشاعرہ ختم ہو گیا اور آٹو گراف لینے والوں نے اس ناچیز کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کوئی ساڑھے تین بجے تک شائقین کی چھوٹی چھوٹی بکوں پر دستخط کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ساڑھے تین بجے برف خانے کے چوک کے ایک معزز مقیم اظہر صاحب نے مجھے اپنی گاڑی پر گھر پہنچایا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ اس رات نیند بہت دیر سے آئی اور آنکھ بھی بہت دیر سے کھلی کوئی ساڑھے آٹھ بجے کے قریب مکرم میاں محمد یوسف صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری) تشریف لائے اور فرمایا۔

’’حضور انتظار فرما رہے ہیں اور ابھی تک ناشتہ نہیں فرمایا‘‘

مَیں جلدی سے تیار ہو کر رتن باغ پہنچا اوپر اطلاع کرائی یاد فرمایا گیا تو دیکھا کہ حضور تمام روزانہ



اخباروں کو اپنے سامنے پھیلائے اور مشاعرہ کی خبروں پر نشان لگائے بیٹھے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا ’’ایک ہی مشاعرہ میں ہم سے بیگانہ ہو گئے؟‘‘ عرض کیا ’’حضور بیگانگی کی جرأت اور مَیں؟ مَیں تو مشاعرہ میں مدعو بھی نہ تھا۔ اسی لیے حضور سے اجازت لے کر محض سننے گیا تھا یہ سب حضور کی دعا اور قوت قدسی کا کرشمہ ہے۔‘‘ فرمایا ’’یہ دیکھو اس اخبار نے کیا لکھا ہے کہ انجمن نے اقبال اور حفیظ کے بعد ایک اور شاعر ثاقب قوم کو دیا۔‘‘ عرض کیا ’’یہ سب حضور کی خصوصی توجہ کا انعام ہے ورنہ مَیں اپنی ہستی موہوم کی قیمت سمجھتا ہوں۔‘‘ پھر اپنے ساتھ ناشتہ کرایا اور فرمایا۔ ’’آئندہ کوئی بڑا مشاعرہ ’’مِس‘‘ (Miss) نہ کرنا۔‘‘ اُن دنوں روزانہ ناظر صاحبان اور وکلاء صاحبان کی حضور کے ساتھ مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ’’پریس اتاشی‘‘ کی حیثیت سے یہ خاکسار بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ اس مجلس میں جو شمس صاحب محترم نے رات کے مشاعرے کا ذکر کیا تو خدا کے اس برگزیدہ بندے نے فرمایا۔ ’’اللہ تعالیٰ نے احمدیت کو ہر میدان کا شہسوار دیا ہے مشاعروں کا شہسوار بھی۔‘‘

بربط کے نظارے

(آزاد کشمیر بربط نامی ایک رزم گاہ پر فرقان فورس کے مجاہدوں کی جاں سپار جولانیوں اور وادی کی شاداب رعنائیوں سے متاثر ہو کر) ثاقب

اِک طرفہ خوشی چھن جانے پر بے تاب ہے دل رنجور ہوں میں
گو حسن کے طوفاں خواب ہوئے اِک پاک نشہ میں چور ہوں میں
دیکھا ہے جو دل کی آنکھوں سے کہنے کے لیے مجبور ہوں میں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
خوابیدہ نظاروں کے چہرہ صہبائے ضیا سے دھلتے ہوئے
شبنم کے لرزتے موتی بھی کانٹوں میں گلُوں کے تلتے ہوئے

ظلمت کی ردائیں اٹھتی ہوئیڈن جلووں کے دریچے کھلتے ہوئے
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
وہ رات کے عبرت نامے پر تصدیق سحر کا فرمانا
مدہوش فضاؤں میں یکدم آواز اذاں کا لہرانا
اور صبح کے چپے چپے کو چاندی کی قبائیں پہنانا
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
شبنم کے دھلے گلزاروں میں چھن چھن کے ہواؤں کا آنا
بربط کے دمکتے سینے پر برکھا کا وہ موتی برساتا
جھرنوں کے حسیں فواروں کی جھل مل میں جنوں کا افسانہ
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
جذبات نمو کا یہ عالم ذرّوں میں دھڑکنے کے ارماں
ہر راہ میں نظمیں بکھری ہوئیں ہر ذرہ فسانے کا عنواں
ہر موڑ سراپا انگڑائی ، ہر گام پہ لغزش کا امکاں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
جب سانولے کھیتوں کو چھو کر رنگین ہوائیں گونجتی ہیں
تاریک خموشی میں یکدم توپوں کی صدائیں گونجتی ہیں
بے باک مجاہد جھومتے ہیں بے باک ندائیں گونجتی ہیں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
آزاد مجاہد وادی میں جب شب کو طرارے بھرتے ہیں
اور چرخ کے پختہ کار ستارے آنکھ ملاتے ڈرتے ہیں

تکبیر کے نعرے سُن سُن کر بے موت بھی دشمن مرتے ہیں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
کچھ پوچھ نہ اُن دیوانوں کی یلغار پہ جب آجاتے ہیں
گردُوں اپہ کلیلیں کرتے ہیں کہسار سے ٹکر کھاتے ہیں
باطل کو ہزیمت ہوتی ہے دولت کے دھوئیں اُڑ جاتے ہیں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں

میراجواب (ایک شاعردوست کے جامِ شراب پیش کرنے پر)

مِری نظر ستارہ گیر	سکُوں پسند و دلپذیر
جنوں نواز وغم شناس	نیاز کیش و پرُ سپاس
میں آشنا ہوں درد سے	جہاں کے گرم و سرد سے
نشیب سے فراز سے	ہر ایک سوز و ساز سے
زمیں کے دل کے راز سے	فلک کی ساز باز سے
سماں یہ خوشگوار سا	یہ وقت پُر بہار سا
یہ شوخ و چنگ محفلیں	خِرد شکار منزلیں
یہ نُور پاش مشعلیں	حسیں کھنکتی چھاگلیں
یہ رنگ رُوپ یہ شباب	یہ شوق کا حسین خواب
یہ حُسن اتنا بے نقاب	یہ آنکھ اتنی بے حجاب
یہ وقت کے ہیں شعبدے	نہیں گر آج کل مٹے
سُبو میں سرخ سرخ سی	خمار کیف کی پَری

غرور میں بھری بھری	اگر نظر میں نچ گئی
تو سب متاعِ ہوش گُم	یہ جوش گُم، خروش گُم
تو فکرِ عاقبت مِٹا	تو رُعب مغفرت گیا
خودی میں غرق ہو گیا	سزا جزا کا غم اُڑا
فلک سے خاک پر گرا	نحوستوں کا ہو رہا
مجھے ہے غم سے کھیلنا	فلک کے وار جھیلنا
مِٹانا اس شعُور کو	خمار زدہ سرور کو

خدا کے نام پر ہنسی

خدا کے خوف کی کمی	یہ اہتمام عارضی
یہ شُعبدے ، ہما ہمی	یہ میری زَد میں آئیں گے
یہ مجھ سے منہ کی کھائیں گے	اُٹھا شرابِ ناب اُٹھا
یہ چنگ اور رُباب اُٹھا	ہے ان کے لئے میں دہریت
ہے اُن میں جذب شیطنت	یہ رنگ چھوڑ چھاڑ کر
یہ جام توڑ تاڑ کر	یہ نقش سب بگاڑ کر
یہ میکدے اُجاڑ کر	نئی زمیں بناؤں گا
کہ جس کی دیکھ کر جھلک	ہمیشہ سر دُھنے فلک
جہاں ملَک بھی سر جھکائیں	ہمیشہ حوریں گیت گائیں
جہاں مِلے گی ہر گھڑی	حجاز کی کھنچی ہوئی

چاٹ گام کی صنعتی نمائش کا مشاعرہ

تقسیم وطن کے بعد چند سال تک میرے بچے اور والدین سیالکوٹ میں رہے۔ وہاں کچہری روڈ پر ایم ایم احمد صاحب نے ایک وسیع وعریض کوٹھی چوہدری اسلام الدین صاحب ''سٹی مجسٹریٹ'' کوالاٹ کردی تھی۔ جس کے بالائی حصے میں میرے والدین اور بچے رہتے تھے اور مَیں لاہور میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے ساتھ پریس اتاشی۔ ایک دفعہ جو دو دن کے لیے وہاں گیا تو محسوس کیا کہ حضرت ابا جان کو شوگر نے از حد کمزور کر دیا ہے۔ درخواست کی کہ آپ کبھی لاہور آجائیں تاکہ پیشاب اور خون وغیرہ کا ٹیسٹ ہو جائے۔ اس کے چند دن بعد وہ لاہور تشریف لائے جب میری جیب میں صرف دو روپے تھے۔ مجھے فکر لاحق ہوئی کہ کھانے وغیرہ کا انتظام تو ممکن تھا مگر ڈاکٹر اور ٹیسٹوں کی فیس کا کیا ہوگا۔ نماز ظہر کے بعد حضرت امام نے مجھے ایک حکم دیا جس کی تعمیل میں گلبرگ جانا پڑا مَیں بس میں سوار ہوا۔ اندر ایک نہایت غریب آدمی ایک آٹھ دس سالہ بیمار بچے کو لیے بیٹھا تھا۔ مَیں نے کھڑے کھڑے ہی اس سے پوچھا کہ بچے کو کیا تکلیف ہے۔ جواب ملا کہ ''تاپ تلا ہے'' حالانکہ اس کی سینے کی ہڈیاں بتا رہی تھیں کہ اسے شدید قسم کی ٹی بی ہے۔ وہ دونوں ہسپتال جا رہے تھے اور اُن کے میلے چیکٹ اور دریدہ کپڑے ان کے افلاس کی منہ بولتی تصویر تھے۔ جانے کیوں مجھے وہ دو روپے چبھنے لگے اور جب وہ دونوں باپ بیٹا ہسپتال کے چوک میں اُترنے لگے تو مَیں نے بچے کے والد سے ہاتھ ملانے کا بہانہ کرتے ہوئے وہ دو روپے اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔ موصوف نے ایک بار تشکر بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بس سے (دونوں باپ بیٹا) اُتر گئے۔ اور بس اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اور مَیں جاتے اور آتے ہوئے ذہن میں پروگرام بناتا رہا کہ کِسی شخص سے اُدھار لیا جائے جو جلد نہ مانگے۔ کوئی پانچ بجے کے قریب میں گھر کو لوٹا تو حضرت ابا جان کو سیڑھیوں پر اپنا منتظر کھڑے پایا مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ ''ایک ڈاکیہ تین دفعہ آیا ہے۔ اب تم کہیں نہ جانا وہ ایک دفعہ پھر آنے کو کہہ گیا ہے۔'' ڈاکیہ آیا تو اس کے ہاتھ میں مبلغ چار سو روپے کا ایک ''ٹی ایم او'' تھا جس کے کوپن پر انگریزی ٹائپ میں لکھا ہوا

تھا''فلاں تاریخ کو چاٹ گام کی صنعتی نمائش میں مشاعرہ ہے جس کی صدارت الحاج خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل فرمائیں گے۔ پرسوں ایک چارٹرڈ (ہوائی جہاز) آپ کو لینے کے لیے پہنچ رہا ہے۔(این ایم خاں۔اے ڈی اظہر)''این ایم خاں اُن دنوں چاٹ گام میں کمشنر تھے اور''اے ڈی اظہر'' ریلوے کے''فنانشل ایڈوائزر''۔ مَیں نے رقم وصول کی حضرت ابا جان کو تھمائی اور خود انہی قدموں حضور سے اجازت لینے کی غرض سے (کوپن ساتھ لے کر) رتن باغ جا پہنچا۔ حضور کوپن دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا''کل چھٹی کرو۔ پرسوں تمہیں جانا ہے۔ کچھ تو تیاری کرنا ہی ہوگی۔ اور اگر وہاں رُکنا پڑے تو بے شک رُک جانا۔''لوٹنے لگا تو فرمایا''این ایم خاں کی بیگم صاحبہ احمدی ہیں۔''

تیسرے دن چارٹرڈ (ہوائی جہاز) پہنچ گیا۔ مَیں بھی حضرت ابا جان کے ٹیسٹوں وغیرہ سے فارغ ہو چکا تھا اور واپس سیالکوٹ جا چکے تھے۔ جہاز میں سوار ہوا تو اکانومی کلاس میں سب سے اگلی سیٹ پر ابوالاثر حفیظ جالندھری تشریف فرما تھے جو اُن دنوں افواج پاکستان کو گیت وغیرہ سنانے کے ڈائریکٹر تھے تاکہ عسکریوں کا حوصلہ بلند رہے۔ مَیں اسی کلاس کی آخری سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اُن دنوں جہاز اورئینٹ کا ہو یا پاک ایئر کا دہلی سے ہو کر ڈھاکہ پہنچتا تھا اور ڈھاکہ میں کسٹم والوں سے بھی کسی قدر سابقہ پڑتا تھا۔ سرد رات تھی، دلی ایئرپورٹ پر ہمارا ہوائی جہاز کوئی چار بجے صبح پہنچا۔ اور مَیں اور ابوالاثر اُتر کر ٹرانزٹ کیمپ کی طرف چلے راہ میں ابوالاثر نے بعض تاریخی حوالوں سے دِلّی کی شان بیان کرنی شروع کی کہ یہ جہانگیر کی دِلّی ہے جہاں فلاں واقعہ ظہور میں آیا۔ یہ شاہجہان کی دہلی ہے جس کے عہد میں فلاں کارنامہ رونما ہوا۔ یہ اورنگزیب کی دِلّی ہے جہاں ۔۔۔۔۔ مَیں نے اُن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔''مَیں تو سب سے پہلے دِلّی کی اس سرزمین پر پیشاب کروں گا۔ یہ کونسی ہمارے حصے میں آئی ہے''اور ابوالاثر شاید یہ سوچ کر چپ ہو گئے کہ مجھے تاریخ سے چنداں مَس نہیں ہے۔ دو گھنٹے کے بعد ہوائی جہاز پھر روانہ ہوا اور ڈھاکہ پہنچا۔ اس میں



دو ہی مسافر تھے اور مسافروں کی فہرست میں پہلا نام میرا اور دوسرا حفیظ صاحب کا۔ کسٹم والے بنگالی اہلکار نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں میرا نام لیا ''ثاقیئب زیراوی'' میں کچھ کہنے ہی کو تھا کہ حفیظ صاحب نے بڑی حقارت اور طنز سے۔۔۔۔''اے پوئیٹ (A poet)''اس کے بعد اُن کا نام لیا گیا''حافظ جالندھری''انہوں نے معاً فرمایا۔''ڈائریکٹر مورال پاکستان آرمیز(Director morale Pakistan armies)''میں نے فوراًفقرہ کسا۔''بٹ ناٹ اے پوئیٹ (But not a poet)''حفیظ صاحب نے بڑی تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ مَیں نے عرض کیا۔

''کیا مَیں نے کوئی غلط بات کی ہے؟'' باہر آئے تو انہیں ایک بریگیڈیئر صاحب اور مجھے وزیر اعلیٰ چوہدری نورالامین کے پی اے صاحب لینے کے لیے آئے ہوئے تھے تا کہ چند گھنٹے آرام کر لیں کیونکہ چاٹ گام کے لیے ڈکوٹہ دن ڈھلے جانے کو تھا۔ چاٹ گام پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضراتِ جگر مرادآبادی، حیدر دہلوی اور فنا کانپوری پہلے پہنچے ہوئے ہیں۔ مشاعرہ رات کو نو بجے تھا جس میں سے 35 منٹ کے لیے ریڈیو والوں نے ''ریلے'' کا انتظام کیا تھا۔ ان 35 منٹوں میں چھ سات مشاہیر نے غزلیں پڑھنا تھیں جس کے لیے ریڈیو ڈائریکٹر نے خاص طور پر درخواست کی تھی کہ سات سات اشعار کی غزلیں پڑھی جائیں۔ کوئی اڑھائی گھنٹے کے بعد ''ریلے'' کا سلسلہ شروع ہوا۔ ترتیب کے مطابق میرے بعد حفیظ اور جگر صاحبان نے پڑھنا تھا۔ جب مَیں نے مائیک پر آکر یہ کہا کہ ''غزل کے چند اشعار سماعت فرمائیں'' تو خواجہ صاحب محترم نے فرمایا۔ ''نہیں ہم وہ نظم سنیں گے جو آپ کے ڈان کے مشاعرے میں سندھ مدرسہ گراؤنڈ میں سنائی تھی۔'' مَیں نے عرض کیا۔ حضور مَیں غزل ریڈیو والوں کی اس مجبوری کے باعث پڑھ رہا ہوں کہ 35 منٹ کا مشاعرہ ''ریلے'' ہو رہا ہے اور کوئی پندرہ منٹ باقی ہیں لیکن خواجہ صاحب محترم نے اصرار فرمایا

کہ۔ ''نہیں وہ یوم آزادی کی شب'' والی نظم ہی سنائیے'' اور مَیں نے حکم کی تعمیل میں ''یاد دہانی'' پڑھنی شروع کی۔ جب اس کے اس بند پر پہنچا کہ

وہ بے حساب عصمتیں	وہ بے مثال برکتیں
جو دن دہاڑے لُٹ گئیں	تمہیں جو یاد تک نہیں
یہ اُن کا خون ہے پیئو	پیئو ، پلاؤ اور جیو

تو اگلی صف میں صوفے پر بیٹھا ہوا ایک آفیسر کھڑے ہوکر سر پیٹنے لگا اور پھر بے ہوش ہوکر گر گیا۔ مشاعرہ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اُسے اُٹھا کر باہر لے جایا گیا بعد میں معلوم ہوا کہ اُن مجسٹریٹ صاحب کی دو بیٹیاں سرحد پار اغوا کر لی گئی تھیں جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ مَیں پڑھتا پڑھتا رُک گیا تو خواجہ صاحب محترم نے نمناک آنکھوں سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ثاقب صاحب نظم شروع سے دوبارہ پڑھیں۔ اُس کے بعد داد و تحسین کا جو عالم ہوا، اس کا اندازہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں البتہ مجھے یہ قلق ضرور رہا کہ ڈھاکہ اور مشرقی بنگال کے دوسرے شہروں کے لوگ حضرات حفیظ اور جگر مرادآبادی کو نہ سُن پائے۔ اگلے دن سے تو شعری نشستوں اور مشاعروں کا تانتا بندھ گیا۔ عجیب بات ہے کہ ایک صاحب (برما) میں سفیر پاکستان سردار اورنگ زیب خاں جو بطورِ خاص مشاعرہ سُننے تشریف لائے تھے ان شعری نشستوں اور مشاعروں میں سب سے پہلے پہنچتے تھے۔ اے ڈی اظہر صاحب سے اُن کی گاڑھی چھنتی تھی۔ ایک دن ہال میں بیٹھے ہوئے مَیں نے محسوس کیا کہ وہ اظہر صاحب سے میرے بارے میں کچھ پوچھ رہے ہیں اور اُن کے ہر اشارے کے جواب میں اظہر صاحب مثبت اشارہ فرمارہے ہیں۔ میرے کانوں میں صرف یہ فقرہ پڑا کہ ''اِن کی بددعا سے ڈرنا چاہیے''۔ مجھے اُن کے اس فقرے نے تشویش میں مبتلا کر دیا اور مَیں ''ریلوے انسٹی ٹیوٹ'' کے مشاعرے سے دو گھنٹے قبل اُن کے کمرے میں جا پہنچا اور اس احتیاط اور خوف کا سبب پوچھا تو انہوں نے بڑے ہی لطیف پیرائے اور مخصوص لہجے میں بتایا کہ ''وہ

بھی صوبہ سرحد کے سب سے پہلے با اختیار تھے۔ پی سی ایس کا نتیجہ نکلا تو سرحد کے دو نو جوان سر فہرست تھے۔ عبداللہ جان خاں اور شیر بہادر خاں (جو بعد میں مغربی پاکستان کے اولین وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خاں صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری اور عدالت عالیہ کے جج رہے)''،'' مجھے معلوم تھا کہ عبداللہ جان خاں قادیانی ہے اور قادیانی کا بیٹا ہے میں نے کہا کہ میں تو اسے جج نہیں لگاؤں گا میری یہ بات کسی طرح عبداللہ خاں کے والد محترم غلام رسول خاں تک بھی پہنچ گئی۔ وہ مجھے ملنے آئے مگر مَیں نے عبداللہ خان کو جج لگانے سے صاف انکار کر دیا۔ غلام رسول خاں نے کہا اورنگ زیب خاں ضِد نہ کرو اور خدا کے غضب کو نہ للکارو۔ مَیں نے تو رویاء میں عبداللہ جان خاں سربراہ عدالت کے طور پر دیکھا ہے۔ مگر مَیں اپنے انکار پر بضدر رہا اور وہ واپس چلے گئے۔ پشاور میں چیف منسٹر ہاؤس لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ تینوں منزلوں کی سیڑھیاں بھی لکڑی کی ہیں۔ اگلی صبح ناشتے کے بعد جو سیکرٹریٹ جانے کے لیے تیار ہوا تو میرا پاؤں ان سیڑھیوں سے ایسے پھسلا کہ مَیں لڑھکتا ہوا دھڑام سے نچلی منزل کے فرش پر آ رہا اور میری دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ مجھے ہسپتال پہنچا دیا گیا اور قائداعظم کو اس سانحہ کی اطلاع دی گئی انہوں نے فرمایا کہ سینئر نائب صدر خان عبدالقیوم خان کو قائد حزب اقتدار چُن لیا جائے اور وہ کل وزارت علیا کا حلف اُٹھالیں۔ حلف اُٹھانے کے بعد وہ مجھے ملنے آئے تو مَیں نے اُن سے تاکیداً کہا کہ'' آج ہی عبداللہ جان خاں کا بطور سول جج تقرر کر دو ورنہ میری طرح تمہاری بھی ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی'' چاٹ گام میں آٹھ دن قیام رہا۔ ان آٹھ دنوں میں دو راتیں خواجہ ناظم الدین پیلس میں گزریں اور ایک رات محترم عبدالرحیم درد صاحب کے بھائی مرحوم مصلح الدین سعدی کے ہاں جوان دنوں وہاں فلپس کے منیجر تھے۔ ایک روز علی الصبح ڈھاکہ کا ایک اخبار سعدی صاحب نے لاکر دیا اس میں ایک سرخی تھی'' شاعر مرزائیت کا بنگال میں ورود''

انہوں نے وہ پرچہ این ایم خاں صاحب کو جا کر دکھایا۔ این ایم خاں صاحب نے وزیر اعلیٰ

چوہدری نورالامین صاحب سے بات کی انہوں نے بتایا کہ ایڈیٹر یہ کہتا ہے کہ یہ خبر ہمیں حفیظ صاحب نے پہنچائی تھی۔ ایڈیٹر مشاعرے میں معافی مانگنے کو تیار ہے اور ذلیل خبر بھیجنے والے کو یہ سزا دی جائے گی کہ وہ ڈھاکے میں ہوگا مگر اُسے مشاعرے کا دعوت نامہ نہیں بھیجا جائے گا۔ وہ تو اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ کلکتہ میں فرق وارانہ فسادات پھوٹ پڑنے کے باعث ڈھاکہ میں بھی جوابی گڑ بڑ شروع ہوگئی۔ شہر میں کرفیو لگ گیا اور کئی دن لگا رہا اور پبلک مشاعرہ نہ ہوسکا البتہ ایجوکیشن سیکرٹری فضل احمد کریم فضلی کے ہاں کرفیو کے باوجود ایک شعری نشست بابائے اُردو مولوی ڈاکٹر عبدالحق کے اعزاز میں منعقد ہوئی جس میں شرکت کے لیے سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے رُکن جناب سعید حسن رات کو مجھے لینے آئے۔ مقامی اے ڈی ایم اُن کے ساتھ تھے اس نشست میں حفیظ صاحب کو ڈھاکہ میں موجود ہونے کے باوجود شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ واپسی سے ایک دن قبل این ایم خاں صاحب کا پی اے سفر خرچ لے کر آیا جو کراچی سے تھری سیکنڈ کرائے کا تھا حالانکہ مجھ سے وعدہ تھری فرسٹ کا تھا مگر مَیں نے خاموشی سے دستخط کر کے پیسے لے لیے۔ محترم سعدی صاحب نے توجہ دلائی تو مَیں نے طنزاً کہا ''پٹھانوں کی مہمان نوازی ایسی ہی ہوتی ہے'' سعدی صاحب نے یہ خبر این ایم خاں صاحب کی بیگم صاحب کو جا سنائی وہ ابھی یہ شکایت کر رہے تھے کہ خاں صاحب بھی پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ ''مجھے حفیظ نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا وہ میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگا لگا کر کہہ رہا تھا این ایم خاں میری ضرورتیں زیادہ ہیں۔ وہ تو ابھی نوجوان ہے اور میری سات بچیاں ہیں اور مَیں اس کے بھرے میں آ گیا۔'' خاں صاحب یہ وضاحت کر کے چلے گئے تو اُن کی بیگم صاحبہ نے تمام افسروں کی بیگمات کو ایک نعتیہ شعری نشست سننے کے لیے اپنے گھر مدعو کیا اور گو تمام شعرا مدعو تھے مگر محترمہ نے تعارفی کلمات میں کیا کہ ''اس نشست میں کلام صرف ثاقب زیروی صاحب ہی سنائیں گے'' اور مَیں نے کوئی سات نعتیں سنائیں نشست ختم ہونے کے بعد محترمہ نے انعام کے طور پر مجھے ایک لفافہ دیا جس میں تھری فسٹ اور تھری سیکنڈ

کے فرق سے دوگنی رقم تھی۔شاید اس سفر کی روئیداد اس واقعہ کے ذکر کے بغیر مکمل نہ ہوگی کہ خواجہ صاحب محترم کے ہاں قیام کے دوران مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ ''اگر ایک گاڑی مل جائے تو مَیں بعض چیزوں کی خرید کے لیے بازار جانا چاہتا ہوں۔''خواجہ صاحب نے فرمایا''ثاقب صاحب ہم معذرت خواہ ہیں۔ ہمارے ذہن سے یہ بات نکل ہی گئی کہ آپ کو کچھ خریداری بھی کرنا ہوگی۔''مَیں نے عرض کیا۔''میرا یہ مقصد نہیں مَیں تو صرف گاڑی کے لیے درخواست کی ہے۔''فرمایا''نہیں مگر ہمارے بھی کچھ فرائض ہیں آخر آپ ہمارے مہمان ہیں۔''اوراپنے سیکرٹری سے کہا کہ ''ثاقب صاحب کے ساتھ جاؤ یہ کچھ خریدنا چاہتے ہیں۔''مَیں نے پھر عرض کیا۔''سیکرٹری کو زحمت نہ دیجئے۔ مجھے صرف گاڑی چاہیے اور ایسا ڈرائیور جسے چاٹ گام کے بازاروں سے واقفیت ہو۔ ہوسکتا ہے مَیں کچھ ایسی چیزیں خریدوں جو آپ خریدنا پسند نہ فرمائیں۔'' کہنے لگے''کیا شراب و راب خریدیئے گا؟''عرض کیا''آپ کو تو معلوم ہے میں سگریٹ بھی نہیں پیتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ مَیں ان دنوں ربوہ میں ہوں جو زیرِ تعمیر ہے۔ وہیں کچے مکانوں میں امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیرالدین محمود احمد فردکش ہیں اوراُن کی والدہ ماجدہ حضرت امّاں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ بھی۔ مَیں حضرت اماں کی بیگمات اور حضرت اماں جان کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق کچھ تحائف خریدنا چاہتا ہوں۔''ایک لمحے کے توقف کے بعد اپنے سیکرٹری سے فرمایا''ثاقب صاحب کو ساتھ لے جاؤ اور جو چیز یہ خریدیں وہی چیز ایک ہماری طرف سے خریدو''ہم بازار گئے۔کچھ جائے نماز۔ململ کے تھان،اور کچھ اور چیزیں خریدیں۔ ہر وہ چیز جو میں نے خریدی سیکرٹری صاحب بھی خریدتے چلے گئے۔ میرے سامان کا اگر''بید'' کا ایک بکس بنا تو ایک ان کے خریدے ہوئے سامان کا بن گیا اور یوں ہم چند گھنٹوں کے بعد لدے پھندے''ناظم الدین پیلس''میں پہنچ گئے۔واپسی پر ایک روز لاہور قیام کے بعد مَیں دونوں بکس لے کر ربوہ پہنچا۔اُن دنوں قصرِ خلافت بھی کچا ہی تھا۔ملاقاتیں جاری

تھیں۔ مَیں نے بھی کسی طور اپنی اطلاع اندر بھجوا دی چند لمحوں کے بعد مجھے بلوایا گیا۔ مَیں نے مشاعرے اور مابعد کے واقعات کی روئیداد سنانے کے بعد اپنے بکس کے ساتھ خواجہ صاحب محترم کا بکس بھی تحفۃً خدمت اقدس میں پیش کیا تو فرمایا ’’خواجہ صاحب کا بکس؟ کیا مطلب؟ اُن کا ہم سے کیا تعلق؟‘‘ مَیں نے ساری بات من وعن سنا دی اور کہا ’’ہر وہ چیز جو میرے بکس میں ہے وہ خواجہ صاحب کے بکس میں بھی ہے‘‘ فرمایا ’’فجز اہ اللہ احسن الجزاء‘‘

یاددہانی

(یوم آزادی کی شب ایک محفل رقص وسرور دیکھ کر)

مسرتوں کے ساتھیوں
تمازتوں کے دوستو
ہجوم درد چھٹ گیا
الم کا رنگ کٹ گیا
ہے کائنات نغمہ زن
ہوا ہوئے غم و محن
بکھر گئی نئی پھبن
جَبَل جَبَل دَمَن دَمَن
ہے اِک عجیب بانکپن
روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جام لو
عنانِ زیست تھام لو

شفق کا رنگ چھا گیا
پیام شام آ گیا
سنبھل رہی ہے تیرگی
مچل رہی ہے چاندنی
یہ حسن و سحرِ دلبری
بہک چلی ہے زندگی
یہ شب فسونِ بے خطا
یہ نکہتوں کا سلسلا
جوان دُودھیا فضا
یہ زمزموں کا رت جگا
انہیں جو دیکھ پائے گا
نہ کیوں پیئے پلائے گا
لو مَے بہ جام آ گئی
وہ لالہ فام آ گئی
جنوں پیام آ گئی
برائے عام آ گئی
ابھی تو عام ہے پیئو
خِرد غلام ہے پیئو
وہ بے حساب عصمتیں
وہ بے مثال برکتیں

جو دن دہاڑے لٹ گئیں
تمہیں جو یاد تک نہیں
یہ اُن کا خون ہے پیو
پیو...... پلاؤ اور جیو
خدا نہ دے وہ بے ضمیر
کہ جن سے قوم ہو حقیر
فقط امیر بن امیر
سرور و رقص کے اسیر
مگر یہ تابہ کے چلن
رہو گے کب تلک مگن
ہمیں وہ شیر چاہیں
عدو پہ جو جھپٹ سکیں
ہجوم غم میں مسکرائیں
اجل پہ قہقہے لگائیں
یہ فاقہ مست و خستہ حال
نحیف برق کی مثال
نہ ان کے فقر کو جنجھوڑ
نہ یوں کلائیاں مروڑ
امڈ پڑیں جو آندھیاں
کڑک اٹھیں جو بجلیاں

اگر یہ آگ ابل پڑی
اگر یہ بھوک جاگ اُٹھی
تو زلزلہ سا آئے گا
تو عرش کانپ جائے گا
تو پھر یہ جنگ زرگری
یہ مکرو فن کی رہبری
یہ اہتمام مے کشی
یہ تاجرانہ دوستی
یہ سب بنیں گی ساقیا
نہنگ وقت کی غذا



فسادات پنجاب میں دولتانہ کا کردار

فسادات پنجاب 1953ء وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے ''ری کنسٹریشن فنڈ'' اور تعلقات عامہ فنڈ سے اخبارات کو رشوت دے کر اور پولیس کا ہاتھ روک کر کرائے تھے تا کہ وہ پنجاب میں ہنگامہ برپا کر کے خواجہ ناظم الدین سے وزارت عظمیٰ کی ردا چھین سکیں۔ مَیں نے دانستہ سردار فضلی (چیف رپورٹر روزنامہ احسان سے) اس کا ذکر کیا کہ وہ دولتانہ صاحب کے بہت قریب تھے۔ اور قدرے تفصیل سے کیا۔ ایک دن دولتانہ صاحب کا پرسنل سیکرٹری حرمت مجھے گھر میں ملا اور کہا کہ دولتانہ صاحب کہتے ہیں کہ ''اِدھر اُدھر باتیں کرنے کا فائدہ؟ اپنے رسالہ لاہور میں لکھو۔ مَیں ہرگز ایکشن نہیں لوں گا۔'' چنانچہ میں نے ''آگ اور خون کی ہولی کا آغاز'' کے عنوان سے ایڈیٹوریل لکھا جس میں بڑی احتیاط سے متذکرہ تفصیل بھی دے دی اس پر حرمت میرے دفتر میں تشریف لائے۔ ان

دنوں بڑا استا زمانہ تھا۔ پانچ روپے نیوز پرنٹ کے رم کی قیمت تھی اور دوکاندار دفتروں میں آ کر نمونے (کاغذوں کے) دکھایا کرتے تھے کہ قیمت جب چاہے ادا کر دینا جونسا نیوز پرنٹ پسند ہے وہ اُٹھالواور رسالے کی قیمت فی پرچہ چار آنے ہوتی تھی (مجھے یاد ہے جب چوہدری حمید اللہ مرحوم گوجرانوالہ میں سول جج تھے تو انہوں نے ازراہِ امداد وکلاء سے دس دس روپے (زرِ سالانہ لاہور) اکٹھے کر کے مجھے دوسو روپے بھجوائے تھے) حرمت آئے انہوں نے وہ پرچہ طلب کیا اور مجھے چار آنے کی بجائے ایک لفافہ قبول کرنے کی پیش کش کی۔ مَیں نے عرض کیا کہ ''لفافے میں کیا ہے؟'' کہنے لگے ''اس میں پانچ سو روپے ہیں۔'' ''یہ تو میری قیمت نہیں۔ پانچ لاکھ بھی قیمت نہیں۔ مَیں احمدیت کے لیے عنفوان زندگی ہی سے گالیاں سُن رہا ہوں۔ یونہی تو نہیں سُن رہا۔ اب عبدالستار نیازی جیسے لوگ بھی دولتانہ صاحب کے اشارے پر مسجد وزیر خاں میں اینٹھ رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ہیں اور آپ ضرور دینا چاہتے ہیں تو چار آنے دے دیجئے۔ مَیں لے لوں گا یہ لفافہ مجھے قبول نہیں۔ وہ صاحب اختیار ہیں۔ مجھے علم ہے کہ وہ اس ایڈیٹوریل پر بھر بھی کیا کیا ایکشن لے سکتے ہیں۔'' حرمت کہنے لگے۔ ''اس ایڈیٹوریل پر تو کوئی ایکشن نہیں ہوگا آپ خاطر جمع رکھیں۔'' بعد میں جو تحقیقاتی عدالت حکومت پنجاب نے قائم کی اس نے تفصیل سے بتا دیا کہ یہ ری کنسٹریشن فنڈ زمیندار، احسان، مغربی پاکستان وفاق میں کس کس طرح بٹا اور دیگر اخبارات کو کیا کیا اور کس کس طرح لالچ دیا گیا۔ جب لاہور میں مارشل لاء لگا۔ نیازی صاحب ڈاڑھی مونچھ منڈا کر مسجد وزیر خاں سے بھاگے۔ دولتانہ نے استعفیٰ دے دیا تو آخری حکم ''لاہور'' کی بندش کا (دولتانہ صاحب نے لکھا) حالانکہ حرمت مجھے یقین دلا گئے تھے کہ اس ایڈیٹوریل پر کوئی ایکشن نہیں ہوگا۔ جب دولتانہ صاحب کے کاغذات پر مارشل لاء والوں نے قبضہ کیا اور وہ حکم دیکھا جو ''لاہور'' کے متعلق جاری کیا گیا تھا تو Within martial law area کے الفاظ کاٹ دیئے۔ ان الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ جب مارشل لاء اُٹھا تو مَیں نے تیار پرچہ مارکیٹ میں پھینک دیا۔ مجھے کسی نئے

ڈیکلریشن کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ پرچہ بند تھا۔ مَیں لاہور چھوڑ کر کسی کام سے پنڈی چلا گیا جب تیسرے دن لوٹا تو گھر والوں نے مجھے بتایا کہ ایک محمد صدیق نامی تھانیدار پولیس کوئی چار دفعہ آپ کو جانکی داس ہسپتال لے جانے آئے تھے۔ مَیں پہنچا تو تھانیدار صاحب پھر آ گئے۔ مَیں نے گیلری میں کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ کبھی برادرم چودھری حفیظ احمد کے پاس نولکھا پولیس اسٹیشن میں محرر ہیڈ کانسٹیبل تھے اب ''اے ایس آئی'' ہو چکے تھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ''چودھری صاحب اوپر آ جایئے مَیں ناشتہ کر لوں تو چلیں گے مگر ہسپتال میں میرا کیا کام؟'' کہنے لگے ''ہسپتال میں مارشل لاء والوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ برادرم ناشتہ بھی آ کر کر لینا مجھے ایڈ جوٹنٹ صاحب نے کل چار گھنٹے دھوپ میں کھڑا رکھا ہے'' اور مَیں سائیکل لے کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب ہم دونوں جانکی داس ہسپتال کی ڈھلوان پر پہنچے تو ہمیں ملٹری والوں کی ایک جیپ آتی ہوئی نظر پڑی۔ ''اے ایس آئی'' صاحب نے ''صاحب'' کو سیلوٹ کیا۔ جیپ رُک گئی ایک صاحب (میجر کی وردی میں باہر آئے جنہیں مَیں ہرگز نہیں جانتا تھا اور مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں'' مَیں نے کہا۔ ''صوبیدار صاحب کسی میجر صاحب کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔ مَیں پنڈی گیا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے ناشتہ بھی کرنے نہیں دیا۔'' اس پر میجر صاحب بولے کہ ''صوبیدار صاحب آپ ان کی سائیکل لے جائیں ہم ناشتہ کر کے آتے ہیں'' اور میجر صاحب مجھے لے کر ''کیفے اور ینٹ'' میں آ گئے۔ جہاں ہم دونوں نے خوب ناشتہ کیا۔ اور واپس ہوئے۔ اُن میجر صاحب کے خیمہ میں داخل ہو گئے مَیں اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ دیر تک شعر و شاعری کی باتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ انہوں نے کہا۔ ''سول لائن کے صوبیدار کو بلاؤ وہ لاتا ہی نہیں ایڈیٹر ''لاہور'' کو'' خیمہ میں میری پشت دروازے کی طرف تھی۔ صوبیدار صاحب آئے۔ میجر صاحب نے اُن سے کہا۔ ''آپ پھر نہیں لائے ایڈیٹر ''لاہور'' کو۔'' غالباً صوبیدار صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ ''صاحب'' لایا ہوں'' اور وہ یہ بیٹھے ہیں آپ کے سامنے۔''

اس پر میجر صاحب نے صوبیدار صاحب کو تو باہر بھجوا دیا اور مجھ سے دریافت کیا۔ ''ثاقب صاحب آپ رسالہ ''لاہور'' بھی نکالتے ہیں؟'' مَیں نے ''ہاں'' میں جواب دیا اور کہا کہ
''1956ء میں تو رسالہ نکلا ہے۔ ہم تو بڑے محتاط ہیں آپ نے مجھے کس جرم میں بلایا ہے۔'' جواب ملا ''آپ نے کاتب کو تنخواہ نہیں دی۔'' مَیں نے عرض کیا کہ ''کیا کاتب نے آپ کے پاس درخواست دی ہے؟'' جواب ملا۔ ''آپ کی ''قبض الوصول'' تو ایسا ہی کہتی ہے۔'' مَیں نے عرض کیا۔ ''کیا مَیں ''قبض الوصول'' دیکھ سکتا ہوں'' انہوں نے رجسٹر میرے سامنے پھیلا دیا۔ اُس میں غلطی سے فروری کی بجائے بھی جنوری لکھا گیا تھا گو اس مہینے کی تنخواہ کاتب کو دے دی گئی تھی۔ مَیں نے عرض کیا ''اتنی سی سہو پر مجھے یہاں بلوایا گیا ہے تنخواہ تو دے دی گئی ہے۔'' کہنے لگے ''ہم آپ کو کسی نہ کسی طریقے سے محفوظ کرنا'' چاہتے تھے کہ ''قتل کئے جانے والوں میں) گیارہواں نمبر آپ کا تھا اور ہمارے پاس محفوظ ترین طریقہ آپ کو ''محفوظ'' کرنے کا آپ کو جیل بھیج دینے کا ہے۔'' اس پر ایک ہلکا سا قہقہہ اُبھرا اور وہ مجھے جیپ میں بٹھا کر گھر چھوڑ گئے اور صوبیدار صاحب (اے۔ایس۔آئی) میری سائیکل لائے۔ جیپ سے اُترے تو میجر صاحب نے مجھے کہا۔ ''ہمارے پاس محفوظ کرنے کا جو راستہ تھا وہ مَیں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ مَیں اتنے بڑے شاعر کو معمولی سی سہو پر جیل میں تو نہیں بھیج سکتا لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جب تک مارشل لاء ہے آپ ''لاہور'' چھوڑ دیں۔ پنڈی یا کراچی چلے جائیں۔'' چنانچہ مَیں رات کی گاڑی سے کراچی چلا گیا اور اس دن لوٹا جب مارشل لاء اُٹھا۔ مَیں اسٹیشن پر اُترا تو ایک ''لاہوریہ'' اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ ''آ اوئے میں تینوں مارشل لاء تے اوہدی ووہٹی جاندیاں وکھاواں''

دولتانہ کی احرار نوازی

وزیر اعظم پاکستان الحاج خواجہ ناظم الدین کے چھوٹے قد اور انتظامی امور میں قدرے تساہل محسوس کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کا وزیر اعظم ہوتے

ہوئے یہ محسوس کیا کہ پنجاب کو بہرحال فوقیت وترجیح ملنی چاہیے اورانہیں ''وزیراعظم'' ہونا چاہیے۔ مرکز اُن کی سیاسی ذہانت اور شدبُد کے باعث اُن کے بارے میں ویسے بھی نرم گوشہ رکھتا تھا اور انہوں نے 1952ء کے وسط میں اشد تریں دشمن جماعتِ پاکستان اور پنڈت جواہر لال نہروؔ کی لے پالک ''مجلس احرار'' سے در پردہ گٹھ جوڑ کرلیا جس کا وجود ہی کانگرس کے ایک اجلاس میں معرض میں آیا تھا۔ احراری لیڈروں کو جماعتِ احمدیہ کے خلاف تخریبی تقریروں کی کھلی چھٹی دے دی گئی۔ اکابرین جماعت احمدیہ کے خلاف غلیظ تریں الزامات لگائے گئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس کے خیال میں یہ سب کچھ کنٹرول کرنے کیلئے صرف ایک تھانے دار کافی تھا۔ لیکن جب وزیراعلیٰ کسی تخریب کاری کا پُشت پناہ ہوتو تخریب کا رُخ کون موڑ سکتا ہے۔ یہاں تو زمیندارؔ، احسانؔ، مغربی پاکستانؔ، آفاقؔ، آزادؔ اور دیگر روزناموں کو بھی اس سیاسی تخریب کاری کی آبیاری پر لگا دیا گیا۔ ''تعلیمی فنڈ'' سے داد ودہش کا سلسلہ جاری ہے۔ اُن پر اشتہارات کی بارشیں برسائی جارہی ہیں۔ جب بات بڑھ گئی تو مَیں نے ''آگ اور خون کی ہولی کا آغاز'' کے عنوان سے لاہور میں اداریہ لکھا اور اس میں اشارۃً اور کنائیۃً وزیراعلیٰ کی ان تمام حرکتوں کی نشاندہی کی اتنے میں عبدالستار نیازی نامی ایک مذہبی ابن الوقت نے مسجد وزیرخاں میں مورچہ بند ہوکر وزیراعلیٰ کے اشارے پر شہر بھر میں فسادات کا اعلان کردیا۔ قافلے چل پڑے۔ مودوُدیؔ اور اخترؔ علی کے لوگ بھی اس آگ میں کود پڑے۔ احمدیوں کے گھروں کو ڈھایا اور انہیں زندہ جلایا جانے لگا۔ لاہور سے باہر بھی کھلم کھلا تخریبی حرکات ہونے لگیں ادھر در پردہ مرکز کو الٹی میٹم دیئے جانے لگے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ''اگر الحاج خواجہ ناظم الدینؔ اپنی مسند سے نیچے اُتر آئیں تو یہ سب کنٹرول میں آسکتا ہے۔ یا لایا جاسکتا ہے۔'' شہر کی فضا کو خطرے میں دیکھ کر ڈیفنس سیکریٹری سکندر مرزاؔ نے لاہور میں ''مارشل لاء'' نافذ کردیا اور لیفٹیننٹ جنرل محمدؔ اعظم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے جنہوں نے فوری طور پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؔ امیر جماعت اسلامی کو قید کرلیا۔ عبدالستار نیازیؔ ڈاڑھی مونچھ منڈا کر ایک

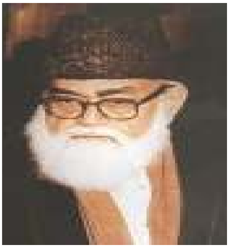
دیگ میں بیٹھ کر قصوری کی طرف بھاگ گئے جس کے بعد قصوری کے قبرستان میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس محمد اصغر کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ نیازی صاحب نے اپنے بعد اس نام نہاد ''تحریک ختم نبوت کے گیارہ قائد مقرر کیے تھے کہ فلاں کے بعد فلاں ہوگا اور 17 احمدی حضرات ''ہِٹ لِسٹ'' پر تھے جن میں سے ''ساتواں نمبر'' اس عاجز کا تھا۔ تخریب کاروں کی گرفتاری و گوشمالی کی بعد ''ہِٹ لِسٹ'' والوں کو محفوظ کرنے اور توازن برقرار رکھنے کی مہم شروع ہوئی۔ ایک دن مَیں جو صبح صبح اُٹھا تو میرے چھوٹے سے مکان کے اردگرد اور اندر پولیس اور فوج ہی فوج تھی۔ انہوں نے میرے مکان کی تلاشی شروع کردی۔ اُنہی دنوں ایک ماہ نامہ نگار نے ایک اداریہ ''پاکستان میں یہ کیا ہو رہا ہے'' لکھا تھا جو جناب شفیق بریلوی نے مجھے دیا جسے مَیں نے نقل کر کے اس کی ایک نقل اپنے چھوٹے بھائی محمد بشیر زیروی کو دے دی تا کہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔ تلاشی ہوتی رہی۔ میرے پاس اُن دنوں 305 بور کی ایک رائفل تھی جس میں 303 کی گولیاں ہی چلتی تھیں۔ مَیں نے مارشل لاء کے حکم پر رائفل تو جمع کرا دی مگر گولیاں اس خیال سے جمع نہ کرائیں کہ یہ کسی اور بور کی سمجھی جائیں گی اور اب وہ میرے گھریلو دفتر میں چھوٹے سے ''بریف کیس'' کی جیب میں پڑی تھیں۔ پولیس انسپکٹر اور فوجیوں نے بریف کیس اُتارا۔ اُن دنوں ایک خوبصورت فوجی وردیوں والا ایک مصری فوجی وفد پاکستان آیا ہوا تھا۔ مجھے اچانک جو سوجھی تو مَیں نے الماری میں ہاتھ مارتے (اُن والا) لفافہ بریف کیس پر پھینک دیا اور وہ سب بریف کیس کو چھوڑ کر مصری فوجی افسروں اور اُن کی وردیوں کی چکا چوند دیکھنے لگے اور بریف کی جیب سے آٹھ دس گولیاں نکال کر دیکھنے کی طرف کسی کا دھیان نہ گیا ورنہ اُن دنوں فی گولی کی سزا مارشل لاء کے احکام کیے تحت فی سال کے حساب سے دی جاتی تھی۔ ابھی پولیس اور فوج والے میری گرفتاری کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ عزیزی محمد بشیر دورے سے لوٹ آیا اور جب اس نے دیکھا کہ چاروں طرف سے پولیس اور فوج نے اس کے گھر کو گھیر رکھا ہے تو گھبرا کر ''نگار'' کا وہ ''اداریہ'' پھاڑ کر پھینک دیا جس کی نقل مَیں نے اُسے

دے رکھی تھی۔جس پر پولیس انسپکٹر نے کہا

YOU ARE CONCEALING SOME EVIDENCE YOU ARE UNDER ARREST.(''تم کوئی شہادت چھپا رہے ہو۔تم اب زیرحراست ہو۔'') مَیں نے بہتیرا کہا کہ یہ نقل مَیں نے ہی اسے دی تھی ۔ یہ ماہنامہ (نگار) ہند کا ایک اداریہ ہے۔'' پاکستان کے حق میں ہے'' لیکن میری کسی نے نہ مانی ۔ وہ سرکاری ملازم تھااور مجھے یہ بھی خطرہ تھا کہ اس کی نوکری چلی جائے گی ۔ پولیس اورفوجیوں نے کہاتوصرف یہ کہ ''تم دونوں جانا چاہو تو ہم لے جائیں گےلیکن اس کونہیں چھوڑیں گے'' وہ گرفتارکر کے محمد بشیرؔ سلمہ کو لے گئےتو مَیں اُس کے تعاقب میں'' نیلا گنبد'' کے'' اوپن کیمپ'' کی طرف گیا جہاں مجھے معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؔ صاحب اورصاحبزادہ مرزا ناصرؔ احمد صاحب بھی گرفتارکر لئے گئے ہیں بعض معمولی جرائم کے الزام میں ۔ مَیں شام تک اِدھراُدھر مارامارا پھرا کہ ان تینوں کوکہاں لے گئے ہیں ۔کہیں شام کے وقت چراغ دینؔ اورشیرمحمد ساکن موضع بھائی کے جو میرے ساتھ سرکاری ملازمت کر چکے تھے کرفیو سے بچتے بچاتے میرے پاس آئے اور بتایا کہ دوگورے چٹے بزرگوں اورمحمد بشیر کوجیل کے دروازے پر چھوڑ آئے ہیں ۔ مَیں چھپتا چھپتا نورتن باغ پہنچا۔حضرت صاحبزادہ مرزاعزیزؔ احمد صاحب کو بتایاانہوں نےسیکرٹری خزانہ صاحبزادہ مرزامظفراحمد صاحب کو بتایااور بات ڈی آئی جی (قیدخانہ جات) تک پہنچ گئی۔دوتین دن کے بعدسماعت شروع تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزاشریف احمدؔ صاحب کوچندسال اورجرمانے کی سزاہوئی۔اب اس کے بعدمحمد بشیرؔ سلمہ کی باری تھی مجھے محمد بشیر سلمہ نے بتایا اپنی سماعت کی رات بار بارحضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اُسے تلقین فرماتے رہے ۔'' دیکھو بشیرؔ! جھوٹ نہیں بولنا۔خواہ کچھ بھی ہو جائے۔'' اگلے دن بریگیڈئر(ایڈووکیٹ جنرل) نے بلوایامَیں بھی اسے ملنے گیاہواتھااندرتھاجب وہ''اداریہ'' جوڑکر بریگیڈئر صاحب کودکھایا گیاتو اُن کاخون کھول گیاوہ بار بارکہتے'' یہ تو پاکستان

کے حق میں ہے تُم اس جرم پر انہیں پکڑ کر لائے ہو' اور مجھے اُس دن معلوم ہوا کہ ہمارے فوجیوں کو ہماری پولیس سے کم گالیاں نہیں آتیں ساعت کے بعد ہم تینوں نے کھانا اکٹھے کھایا اس کے بعد ہم نے اجازت چاہی تو کہا ''میں صرف سفارش ہی کر سکتا ہوں رہائی اور ''ریلیز'' جنرل صاحب کے اختیار میں ہے۔ میرے خیال میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔'' پھر اُسی رات شب بارہ بجے کے قریب میرے مکان کے دروازے پر ٹھڈا پڑا۔ مَیں اُٹھا اس وقت تک بجلی ہمارے مکان میں نہ تھی۔ لالٹین جلائی۔ دروازہ آہستہ سے کھولا۔ آواز آئی ''یہ رجسٹری خط ہے'' عرض کیا ''کچھ اور تو نہیں اس کا جواب تو درکار نہیں؟'' ''نہیں'' اور مَیں نے خط لے کر چٹخنی چڑھادی۔ اس وقت تک امی نیم بے ہوشی کے عالم میں تھیں شاید اس قرب سے کہ ایک بیٹا دن دہاڑے گیا دوسرا آدھی رات جا رہا ہے۔ مگر جب مَیں نے چٹھی دیکھی تو وہ ''ریلیز آرڈر'' تھا ''فی الفور'' سُکھ کی سانس تو لیا۔ مگر خیال آیا کہ اُٹھو کپڑے بدلوں اور جا کر جرنیل صاحب سے عرض کروں کہ ''آج اتوار ہے۔ اگر آپ اتوار کو پکڑ سکتے ہیں تو رہا بھی تو کر سکتے ہیں'' مَیں ابھی نہا ہی رہا تھا کہ میرے بیٹے ظاہر فاروق نے صبح ساڑے چار بجے کے قریب بتایا کہ چچا جان بستر اُٹھائے آ رہے ہیں۔ دراصل جنرل صاحب کا حکم ہوتے ہی ڈُھنڈیا پِٹ گئی تھی قلعہ، کیمپ جیل و سنٹر جیل میں تلاشی ہو رہی تھی اور جیل والوں نے محمد بشیر کو ساڑھے تین بجے ہی ڈیوڑھی میں بٹھا لیا تھا۔ چار بجے کرفیو اُٹھا تو سپرنٹنڈنٹ جیل نے اپنے رفقاء سے کہا ''وارے وارے جائیں مارشل لاء والوں کے کہ اس شخص کی فائل پر اس کے والد کا نام ہی نہیں ہے صرف برادرِ اصغر ثاقبؔ زیروی ہے گویا پکڑنا اُسے مقصود تھا۔ کارگزاری کے طور پر پکڑ لائے۔'' ''آگ اور خون کی ہولی کا آغاز'' کے اداریئے پر یہ کہہ کر کہ جو شکایات ہیں مجھ سے زبانی بیان کرو اور مجھے دولتانہؔ صاحب نے وعدہ دیا تھا کہ کوئی ایکشن نہیں لونگا لیکن پھر بھی ''برطرفی'' سے قبل آخری حکم ''لاہور'' کی بندش کا لکھا جسے بڑھا کر مارشل لاء والوں نے ''مارشل لاء ایریا'' میں کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرچہ چونکہ سارا تیار تھا اس لئے بغیر کسی نئے ڈکلیریشن کے جونہی مارشل لاء

اُٹھا ہم نے پرچہ مارکیٹ میں پہنچا دیا۔



’’سیلاب زدگان کی اِمداد‘‘

یہ پاکستان میں پہلے سیلاب کا واقعہ ہے اُن دنوں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ریڈیو پر تقاریر ہوئی تھیں۔ جماعت اسلامی کے ارکان اسے اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے اور قومی زندگی کے ہر شعبے پر چھائے ہوئے تھے۔ سرکاری ملازموں کی نگاہ بڑی تیز ہوتی ہے وہ فوراً ایسے لوگوں کے لیے ’’نرم گوشہ‘‘ اختیار کر لیتے ہیں شاید اے ڈی ایم راجہ حامد مختار بھی اسی رنگ میں جماعت اسلامی سے متاثر اور ابوالاعلیٰ مودودی کے عزائم کے متعلق حسنِ ظن رکھتے تھے۔ ایک دن دفتر لاہور میں میرے دوست ایس ڈی ایم حمید الدین آئے اور بتایا کہ وہ علی پور ضلع مظفر گڑھ میں انڈو پاک مشاعرہ کروا رہے ہیں اور پھر بڑی بے تکلفی میں فرمایا ’’اگر تم نہ آئے اور فلاں تاریخ کو مشاعرہ میں شرکت نہ کی تو کھال کھنچوا دوں گا۔ قتل کے مقدمے میں گواہ کے طور پر بار بار بلواؤں گا۔‘‘ ظاہر ہے اس انتباہ کے بعد تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی پھر علی پور کے مشاعرے کے چند دن بعد کراچی میں صدر سکندر مرزا نے جوش ملیح آبادی کے اعزاز میں ایک نشست کا اہتمام کیا تھا جس میں جگر مراد آبادی، ماہر القادری اور مَیں مدعو تھے۔ مَیں نے کہا ’’تم ہمیں وہاں سے (یعنی علی پور سے) ڈیرہ نواب صاحب کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچوا دو گے!‘‘ اُس نے حتمی وعدہ کیا تو مَیں نے شرکت کی حامی بھر لی۔ علی پور میں میرے ہم وطن ’’مقصود جیلانی‘‘ سب انسپکٹر پولیس تھے جو بعد میں سول لائنز لاہور کے ایس ایچ او بھی رہے مَیں اور نظر امروہی علی پور پہنچے تو وہاں فیض احمد فیض، جگر مراد آبادی، ماہر القادری، زہرہ نگاہ اور سحاب قزلباش پہلے سے موجود تھے۔ یہ مشاعرہ بھی اپنی نوعیت کا خصوصی مشاعرہ ہی تھا۔ جس کے لیے خاص طور پر عارضی بجلی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ داد و تحسین کا اس سے اندازہ کر لیں کہ سحاب قزلباش کے بعد جب شیر افضل جعفری پڑھنے لگے تو مجمع سے آواز آئی ’’صاحب! اینوں مچھاں

والے نوں بٹھاتے اوس کرماں والی نوسد کر۔ اوہ موٹیاں موٹیاں اکھاں والی‘‘۔حمید الدین میرا دوست تھا نہ مَیں نے اس سے شرکت کے لیے کچھ طے کیا تھا نہ طے کر سکتا تھا۔مشاعرے کے بعد پیشہ ور شعراء کی معاوضۂ شرکت مشاعرہ پہنچا دیا گیا۔ مَیں، جگر اور نظر ایک کمرے میں تھے۔جگر صاحب بار بار میری طرف دیکھ کر نظروں نظروں ہی میں معاوضہ نہ ملنے کا افسوس کرتے یہاں تک کہ مَیں اُن کا اشارہ سمجھ گیا اور عرض کیا ’’حضرت مشوش نہ ہو جیئے۔حمید میرا دوست ہے اس کے مشاعرے میں میری شرکت لازمی تھی۔ مجھے تو اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ’’پیسے‘‘ کم ہو جانے پر وہ میری جیبیں نہ کھنگالنا شروع کر دے۔‘‘ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ہمیں ڈیرہ نواب صاحب پہنچانے والی بس آ گئی۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔مگر وہ بس چلنے کا نام نہ لیتی تھی اُسے ایس ڈی ایم صاحب کا انتظار تھا۔جگر صاحب فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے کہ حمید الدین صاحب آئے اُن کا قد قدرے چھوٹا تھا اور لفافہ نکال کر کہنے لگے۔’’بھئی یہ کچھ بچا ہے یہ تم لے جاؤ‘‘ لفافہ ہاتھ بڑھا کر جگر صاحب نے لیا۔بس چل پڑی۔جگر صاحب نے لفافہ شاید کھول لیا تھا کہ میری طرف بڑھا کر بولے ’’مَیں بھی کہوں کیوں مطمئن بیٹھے ہیں!‘‘ چند دن بعد صدر اسکندر مرزا کی نشست میں شرکت کے بعد رات کی گاڑی سے لاہور روانہ ہوا اور لاہور پہنچ کر میں ابھی کسی قُلی کے انتظار ہی میں تھا کہ سید محمد جعفری مرحوم (انفارمیشن افسر) مجھے دکھائی دیئے۔انہوں نے میرے پاس آتے ہی فرمایا کہ ’’مَیں گاڑی لایا ہوں جو پرے پلیٹ فارم کے پاس کھڑی ہے تم میرے ساتھ چلو‘‘ اور مجھے گھسیٹتے ہوئے کار میں ٹھونس کر بتایا کہ ’’تمہارا وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت جاری ہو چکا ہے اس لیے سب سے پہلے ضمانت کا انتظام کرنا ہے باقی سب کچھ بعد میں۔‘‘ ہم ریلوے اسٹیشن سے سیدھے چیف جسٹس رحمان کے بنگلے پر پہنچے۔ وہ ہمیں دیکھ کر حیران ہوئے صورت حال عرض کی تو کہا ’’میرے ساتھ بیٹھو عدالت میں چلتے ہیں۔‘‘ وہاں ہماری ضمانت قبل از گرفتاری ہوئی اور تاریخ کا انتظار کرنے لگے۔ اُن دنوں فلم ایکٹر راجہ ظہور کے بھائی راجہ سہراسپ خاں دفتر لاہور کے ساتھ فلیٹ میں رہتے

تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ وہ معلوم تو کریں کہ بات کیا ہے معلوم ہوا کہ سیلاب زدگان کی امداد کے لیے قائم ایک کیمپ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کے بڑے معتمد انچارج تھے۔ انہوں نے گھی کا ایک کنستر اور دال کی ایک بوری کھسکائی تھی رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تو بڑے میاں سفارش کے لیے پہنچ گئے اور جان بخشی ہوگئی۔ لاہور کے کالم نگار کو اس سانحہ کی بھنک پڑ گئی اُس نے چوری کرنے والے کا حلیہ لاہور میں چھاپ دیا۔ جس پر بانیٔ جماعت اسلامی کے مشورے پر ''اے ڈی ایم'' صاحب کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا گیا میں علی پور میں تھا اس مشاعرے کی خبر مقامی اخبارات کے علاوہ ڈان تک میں چھپی۔ پھر صدر مملکت کے ہاں شعری نشست کی خبر بھی ڈان میں شائع ہوئی۔ بہرحال مقررہ تاریخ پر مَیں اور راجہ سہراسپ خاں (حاضر ضامن) عدالت میں پہنچے جب ہمیں آواز پڑی اور ہم راجہ صاحب کے سامنے آئے تو راجہ صاحب نے دو تین منٹ نہایت رعونت بھری تقریر کی مَیں خاموش رہا آخر وہ بلا واسطہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور بولے کہ ''آپ لوگوں کے ہاتھ میں قلم کیا آجاتا ہے آپ اُسے کلہاڑا بنا کر شرفائے وطن پر چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ جواب دیجئے آپ نے ایسا کیوں کیا۔'' عرض کی کہ ''یہ سب فریب کاری جماعت اسلامی کی ہے مَیں فلاں تاریخ کو علی پور ضلع مظفر گڑھ کے مشاعرے میں شریک تھا یہ ڈان میں اس مشاعرے کی خبر شائع ہوئی ہے۔ مگر آپ کی عدالت سے غلط رپورٹ پر وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت جاری کرا لیا گیا جبکہ مَیں اس دن بھی صدر اسکندر مرزا کی شعری نشست میں شریک تھا۔ یہ خبر بھی ڈان میں شائع ہو چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ اور صدر مملکت کی گواہی ضرور تسلیم کر لیں گے۔'' یہ سُن کر راجہ حامد مختار کچھ ربرہم ہوئے اور کہنے لگے ''مگر ثاقب صاحب آپ یہ کس طرح ثابت کریں گے کہ فلاں شخص نے چوری کی یہ کوشش کی تھی۔'' مَیں نے عرض کیا ''ہمارے کالم نگار نے حلیہ لکھا ہے نام نہیں لکھا۔ اب اُس حلیے کے شخص یا کارکن پر ٹوپی فِٹ کرنا آپ کا کام ہے۔'' راجہ صاحب نے کہا ''مگر ایک حلیے کے کئی آدمی بھی تو ہو سکتے ہیں مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ

آپ کس طرح ثابت کریں گے؟'' عرض کیا ''ان دنوں آپ کے کیمپوں کے نگران مجسٹریٹ صاحبان تھے اگر کہیں فون قریب ہو تو آپ طہماسپ خاں صاحب سے بات کر کے دیکھیں۔ میرا خیال ہے راہ گیر کو یہ کہانی انہوں نے بتائی تھی۔'' راجہ صاحب فوراً اُٹھ کر ریٹائرنگ روم میں چلے گئے۔ اور طہماسپ خاں صاحب سے بات کی۔ طہماسپ خاں بڑے دبنگ انسان تھے انہوں نے نہ صرف ساری بات من وعن بتائی اس مولوی کو اور اس کی جماعت کو بے ساختہ ملاحیاں بھی سنائیں جن کا علم ہمیں اس طرح ہوا کہ راجہ صاحب نے ریٹائرنگ روم سے نکلتے ہی مستغیث پر برسنا شروع کر دیا۔ استغاثہ برخاست کر دیا اور مجھ سے پوچھا کہ '' آپ کے ''لاہور'' کا چندہ کیا ہے؟'' عرض کی کہ '' آپ سے سو روپیہ شرفائے وطن سے دس روپے'' کہنے لگے۔ '' آپ مجھے شرفائے وطن میں کیوں شمار نہیں کرتے؟'' عرض کیا۔ ''بلا سوچے سمجھے وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت جاری کرنے والے کو شرفا میں کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے؟'' انہوں نے ہنس کر سو روپے مجھے تھما دیئے۔ راجہ حامد مختار بڑے شریف النفس انسان تھے اس کے بعد وہ اور بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے مگر ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے اور پیش آتے رہے۔

فلم ''روحی'' کا پس منظر

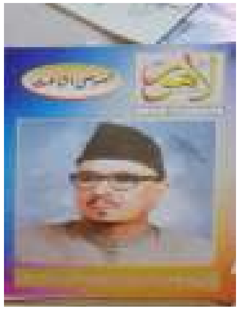
''انجمن حمایت اسلام'' کے مشاعروں کے بعد تو خواجہ صاحب محترم کی کرم فرمائیوں کی انتہا ہو گئی۔ اب وہ صرف اسی مشاعرے میں تشریف لے جاتے تھے جس میں یہ ناچیز شریک ہو۔ بلکہ صدارت اور شرکت کے لیے یہ شرط عائد فرما دیتے تھے کہ ثاقب کو بلایا جائے۔ اُن دنوں روزنامہ ''ڈان'' کے زیر اہتمام کراچی میں عظیم الشان سالانہ مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ مگر مجھے کراچی میں کوئی نہ جانتا تھا۔ اس لیے دعوت دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ 1949ء کے مشاعرے میں شریک ہوئے مگر بعض ایسی خفیف حرکتیں کیں کہ میزبانوں کا ذائقہ کسیلا ہو گیا اور انہوں نے اگلے مشاعرے میں حفیظ کو نیچا دکھانے کے لیے برصغیر کے مقبول ترین غزل گو شاعر جگر

مرادآبادی کوشرکتِ مشاعرہ کی دعوت دی۔ادھر جب الحاج خواجہ ناظم الدین صاحب سے قدوم ممنیت لزوم فرمانے کی گزارش کی گئی تو انہوں نے شعراء کی فہرست میں ایک اور شاعر کا (میرا) نام بڑھوادیا۔ڈان والے شعراء کو معززین شہر کے ہاں ٹھہرایا کرتے تھے۔چنانچہ مجھے نواب نورالدین حسین کے ہاں قیام کرنا پڑا۔اسے شاعرانہ انا کی غیر شعوری حرکت سمجھ لیجئے کہ جب نواب صاحب حضرت جگر مرادآبادی کا ذکر کرتے اور بار بار کرتے کہ انہوں نے دعوت قبول کر لی ہے۔ انہوں نے مشاعرے کے لیے ایک تازہ غزل کہی ہے۔انہوں نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید لیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو مجھے نہ جانے کیوں یہ احساس ہوتا کہ ان کے ہاں بھی ایک شاعر مقیم ہیں مگر یہ جب بھی ذکر کرتے ہیں سرحد پار کے شاعر کا ذکر کرتے ہیں۔حتیٰ کہ انہوں نے یہ خبر آ کر سنائی کہ جگر صاحب تشریف لے آئے ہیں اور زبیری صاحب کے ہاں مقیم ہیں۔ یہ مشاعرہ ''سندھ مدرسہ'' کی گراؤنڈ میں ہوا۔ ساٹھ ستر ہزار سے کم کیا سامعین ہوں گے چالیس پینتالیس کے لگ بھگ تو شعراء ہی تھے۔سردار عبدالرب نشتر صدر مشاعرہ تھے اور سید محمد جعفری کنڈکٹر اور سامعین میں اگلی صف میں الحاج خواجہ ناظم الدین اور بیرونی ملکوں کے سفراء اپنے اپنے قومی لباس میں ملبوس تشریف فرما تھے۔مقامی شعراء و منتظمینِ مشاعرہ نے شعراء کو پڑھوانے کی جو ترتیب تیار کی اس میں میرا کوئی بیسواں یا اکیسواں نام تھا۔سوچا ہو گا کہ اگر داد و تحسین کا غیر معمولی طور پر مورد بھی ہوا تو اختتام مشاعرہ تک کسے یاد رہے گا۔مگر جب مرا نام پکارا گیا تو مَیں نہ اُٹھا اور مقامی شعراء میں سے مجھے کوئی جانتا تھا نہیں احسان دانش صاحب نے بھی اسے ''شرارت'' سمجھا اور میرے چپ بیٹھے رہنے پر چپ رہے حتیٰ کہ چار پانچ شاعر رہ گئے۔احسان صاحب بھی پڑھ آئے اُدھر خواجہ صاحب محترم بار بار فرما رہے تھے کہ ثاقب کو بلایا جائے چنانچہ احسان صاحب کے بعد مجھے بلایا گیا۔ میں اُٹھا تو جعفری صاحب نے کہا بھئی ثاقب زیروی صاحب کو بلایا ہے۔عرض کیا ''مجھے ہی بن جانے دیجئے''۔اور مَیں نے تھوڑی سی تمہید کے بعد اپنی نظم ''یاد دہانی'' پڑھنی شروع کی جو یوم آزادی کی

شب ایک محفلِ رقص وسرور دیکھ کر کہی گئی تھی۔ مَیں جوں جوں مصرعے اُٹھاتا چلا گیا۔ نظم کا تاثر گہرا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ''زیڈ اے بخاری'' صاحب کو نہ جانے کیا سوجھی۔ انہوں نے اُٹھ کر پنڈال کی ''لائٹ آف'' کردی۔ مَیں نے مائیک کو ٹھکورا وہ چل رہا تھا عرض کیا ''نظم مجھے یاد ہے مائیک درست ہے احباب سماعت فرمائیں'' تاثر مزید گہرا ہو گیا۔ حاضرین کھڑے ہو گئے ماحول داد و تحسین سے معمور ہو گیا۔ بخاری صاحب نے ''لائٹ آن'' کردی اور مَیں نظم ادھوری چھوڑ کر بیٹھ گیا اور پنڈال حاضرین کے تقاضوں سے کھول اُٹھا۔ یہاں تک کہ نشتر صاحب میرے پاس تشریف لائے اور مَیں نے مائیک کے سامنے آنے کے بعد آغاز سے پھر نظم پڑھنی شروع کی۔ مجھے افسوس ہے کہ ''مغویہ خواتین'' سے متعلق اس نظم کے بعد حضرت جگر مراد آبادی کی غزل نہ جم سکی۔ اب آٹو گراف دینے کی باری آئی بھائی جان چوہدری عبداللہ خاں مرحوم ومغفور میرے پہلو میں بیٹھے دعائیں کرتے رہے۔ کوئی چار بجے کے قریب ایک صاحب نے جو بہترین سوٹ میں ملبوس تھے میرے سامنے اپنی ''آٹو گراف بک'' پھیلاتے ہوئے کہا کہ ''مجھے تو یہ ساری نظم چاہیے مَیں ایک شعر پر اکتفا نہ کروں گا۔'' عرض کیا ''بہت وقت ہو گیا ہے۔ نظم خاصی طویل ہے۔ پھر کبھی لے لیجئے گا۔'' کہنے لگے ''یہی لکھ دیجئے کہ پھر جس طرح چاہیے لے لیجئے گا۔'' تعمیل ارشاد کر دی گئی۔ اذانِ فجر کے ساتھ گھر پہنچے تو نواب صاحب کو سیڑھیوں ہی میں منتظر پایا۔ اب تو وہ سب کچھ بھول چکے تھے انہیں صرف ایک میرا ہی نام یاد تھا۔ اگلے دن گورنر جنرل ہاؤس میں نشست تھی۔ جس کے بعد پانچ چھ دن کراچی میں رہ کر مختلف شعری نشستوں میں شرکت کی اور پھر لاہور آ گئے۔ کوئی چھ سات ماہ گزرے ہوں گے کہ مَیں ایک دن پنجاب اسمبلی ہال کی طرف سے اپنے دفتر واقع بیڈن روڈ کو جا رہا تھا کہ گرلز کالج کے قریب ایک کار میرے پاس آ کر کھڑی ہوئی اس میں سے ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص اور ایک خوبرو خاتون اُترے اور صاحب نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا ''میرا نام ''ڈبلیو زیڈ احمد'' ہے۔ اور یہ میری اہلیہ ہیں ''نینا' (جوان کا فلمی نام ہے)'' اور پھر کوٹ کی اندر کی جیب سے

ایک آٹو گراف بُک نکال کر مجھے اس کا ایک صفحہ دکھاتے ہوئے کہا ''یہ دیکھئے کیا یہ آپ ہی کی تحریر ہے؟''مَیں نے کہا ''ہاں''''تو مجھے آپ کی نظم ''یاددہانی'' چاہیے آپ ہی کے ترنم اور لب و لہجے میں''عرض کیا''کیا کیجئے گا؟''''مَیں اس پرفلم بنانا چاہتا ہوں۔(بجلی بجھادینے کی ٹچ کے ساتھ) ''مَیں نے کہا۔''مَیں توفلمی شاعرنہیں ہوں نہ مجھے دیواروں پر یہ لکھا جانا ہی منظور ہے کہ گانے فلاں شاعر کے اس لئے مَیں فلم کیلئے آپ کونظم نہیں دے سکتا۔''اس کے بعد انہوں نے دلائل و براہین کے ساتھ جتنا بھی اصرار کیا میرا انکار اتنا ہی بڑھتا چلا گیا۔وہ اس ملاقات کے بعد بھی دو چار دفعہ میرے گھر آئے مگر مَیں اپنے موقف پر قائم رہا۔حتیٰ کہ ایک دن مجھے میرے آقا حضرت مرزا بشیرالدین محمودؓ صاحب نے بلاوا بھیجا اور فرمایا''مولانا صلاح الدین احمد آئے تھے اُن کے بھتیجے ''ڈبلیو زیڈ احمد'' آپ کی کسی نظم پر فلم بنانا چاہتے ہیں جو اصلاحی قسم کی ہوگی۔وہ دیواروں پر آپ کا نام نہیں لکھیں گے۔البتہ شروع میں ایک ٹائٹل دیا جائے گا کہ ثاقب زیروی صاحب نے (جن کی آواز میں یہ نظم ہے) براہ کرم ہمیں مرحمت فرمائی ہے۔تو کیا حرج ہے؟''مَیں آمادہ ہو گیا۔ڈبلیو زیڈؔ احمد صاحب ایک دن تشریف لائے اور مجھے''ملکہ سٹوڈیو'' لے گئے جہاں فلم بن رہی تھی ایک بڑے سے ہال کا سیٹ تھا جس میں دوخواتین (شمیؔ اور ساحرہؔ) بیٹھیں تھیں۔مَیں نے مائیک پر پہنچ کر احمدؔ صاحب سے استدعا کی کہ ان بہروپیوں کو بھی ہال سے باہر جانے کو کہیں اور پھر نظم ریکارڈ کرادی۔جس میں داد وتحسین انہوں نے خود بھر لی۔نظم ریکارڈ ہونے کے بعد احمدؔ صاحب نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے دفتر چھوڑ آئیں۔جب محترمہ مجھے لے کر سٹوڈیو سے باہر نکلیں تو بڑے گیٹ کے دونوں طرف بیسیوں افراد قطار باندھے بیٹھے تھے۔مَیں نے اُن سے عرض کیا کیا یہ''ایکسٹراز''ہیں کہنے لگیں۔''نہیں یہ انہیں دیکھنے کیلئے بیٹھے ہیں جنہیں آپ نے سیٹ سے نکلوادیا۔حیرت ہے آپ نے 60۔70 ہزار افراد کی موجودگی میں تو نظم پڑھ دی مگر ان دو کی موجودگی آپ سے برداشت نہ ہوسکی۔''مَیں نے کہا وہ سب لوگ اصلی تھے جو کچھ بھی تھے مگر یہ میک اَپ زدہ تھیں نقلی تھیں۔کراچی

میں روحیؔ کوئی پچاس ہفتے کے لگ بھگ دو تین سینماؤں میں چلتی رہی پھر لاہور آئی تو چھ ماہ چلنے کے بعد احمدؔ صاحب کی نون صاحب وزیر اعلیٰ سے کچھ کھٹ پٹ ہو گئی انہوں نے حکماً نمائش بند کرادی ۔پھر حکم واپس لے لیا گیا اور کافی دیر تک اس کے بعد بھی چلتی رہی۔



انتخاب صدر انجمنِ جرائد

لاہور کا ابھی اجراء ہوا ہی تھا۔ دفتر بھی گھر پر ہی تھا۔ مَیں صبح سویرے گاؤ تکیہ رکھ کر بیٹھ جاتا ایک طرف انتظامی فائلیں ہوتیں تو دوسری طرف مضامین کی کہ ایک دن نوائے وقت کے منیجر شیخ حامد محمود صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ حمید نظامی صاحب کی یہ خواہش ہے کہ مَیں کراچی چلوں فلاں تاریخ کو۔ اور ''انتخاب صدر انجمن جرائد'' میں شامل ہوں۔ چونکہ میرا ارادہ جانے کا نہ تھا اس لیے مَیں نے کسی نئے اُمیدوار کا نام معلوم کرنے کی بجائے ان سے عرض کیا کہ ''لاہور کا ابھی ابھی اجراء ہوا ہے اس کے پیچھے کوئی بیش بہا سرمایہ بھی نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ اس سفر کا مالی بوجھ برداشت نہیں کر سکے گا۔'' شیخ صاحب واپس تشریف لے گئے ۔محترم حمید نظامی صاحب سے میرے بڑے وقیع اور محبانہ مراسم تھے وہ میرے پڑوسی بھی تھے۔ میرا ہر طرح خیال رکھتے تھے نیز میرے نظریاتی مخالف ''آغا شورش کاشمیری'' سے مخلصانہ مراسم رکھنے کے باوجود میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ اگلے دن محترم شیخ حامد محمود صاحب پھر تشریف لائے اور کہا کہ ''یہ رہا آپ کا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ اور یہ رہی آپ کی کراچی کے پائیدار ہوٹل ''بیچ لگژری'' میں بکنگ۔'' مَیں نے عرض کیا ''میں آپ کے اس اقدام سے یہ سمجھ گیا ہوں کہ نظامی صاحب کی بہر حال یہ خواہش ہے کہ مَیں کراچی کے اس اجلاس میں شرکت کروں لیکن اس کے لیے مَیں یار پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ آپ مجھے اجلاس میں حاضر پائیں گے۔'' ابھی چار دن باقی تھے میں نے ارادہ کیا کہ دو دن پہلے چلا جاؤں انٹر کلاس میں اور مَیں اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہاں تو اصلی، جعلی اور ڈمی ایڈیٹر صاحبان کا جمِ غفیر تھا

حاجی لق لق، قمر اجنالوی، اشرف عطا یعنی ہر وہ ایڈیٹر جو پرچے کی بجائے ڈمی شائع کرتا تھا بعض کو تو فوری طور پر ''ڈیکلریشن'' لے کر دیئے گئے تھے۔ مَیں چھپ چھپا کر انٹر کے ایک ڈبے میں بیٹھ گیا۔ کہیں پڈعیدن پہنچ کر اس گروہ کو پتہ چلا کہ مَیں بھی اس گاڑی میں ہوں۔ حمید نظامی اور اختر علی میرے پاس آئے کہ ''آپ کی سیٹ خالی آ رہی ہے۔ آپ کا کمرہ بھی ''بیچ لگثری'' میں بُک ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں''، لیکن مَیں نے مسکرا کر جواب دیا کہ ''اب مَیں یہاں خوب فٹ ہوں احباب سے بھی گہری چھننے لگی ہے اب مجھے آپ جوتوں یہیں رہنے دیں۔'' گاڑی کراچی پہنچی تو مَیں نے فوراً اپنا سامان اٹھایا اور ابھی یہ اہتمام ہی میں مصروف تھے کہ سامان لے کر اسٹیشن کے ساتھ ہی ''نگار ہوٹل'' میں پہنچ گیا۔ اور کرایہ پر ایک کمرہ لے کر وہیں ٹِک گیا۔ اُن دنوں ''انجمن جرائد'' کے جناب الطاف حسین ''مدیر ڈان'' صدر تھے۔ جو ایک مسلمہ علمی و ادبی شخصیت تھے۔ ''تحریک پاکستان'' کے ایک جید کارکن تھے۔ قائداعظم کے محترم ساتھیوں میں سے تھے۔ مگران کے مقابلہ میں سلہری اینڈ کمپنی نے جوان دنوں ''مارننگ نیوز'' کے ایڈیٹر تھے زمیندار کے مولانا اختر علی کو کھڑا کیا تھا جن کے بارے میں مجھے خوب معلوم تھا کہ وہ ''صحافت'' کی بجائے ''طبلہ نوازی'' میں تاک تھے۔ پاکستان کے قیام سے کبھی والہانہ دلچسپی نہ رہی تھی چونکہ سستی صحافت کے قائل تھے اس لئے ان کا اخبار خوب بکتا تھا۔ مجھے خوب معلوم ہے وہ ''اخبار مارکیٹ'' میں بھی ٹرک پر لد کر جاتا تھا اور وہ اصلی جعلی اور ڈمی ایڈیٹروں کو بھی تحفے تحائف خوب دے سکتے تھے کسی کو نقد، کسی کو سنہری قلم اور کسی کو سنہری گھڑی وغیر وغیرہ۔ عجیب بات ہے کہ وہاں ان کے کھانے تک بُک تھے اگر صبح کا فردوس ہوٹل میں ہے تو شام کا ''ملک اینڈ حق'' کے مگر مَیں۔ طبعاً ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوا سوائے راشدی صاحب کے کھانے پر جنہوں نے بطورِ خاص آ کر فرمایا کہ دیکھو ''مَیں وزیر اطلاعات ہی نہیں ایک اخبار نویس بھی ہوں اور کل تک ''سندھ آبزور'' کا ایڈیٹر تھا۔'' آخری دن ''انتخاب'' کے لیے مقرر تھے۔ عجیب بات ہے کہ لاہور کے اخبار نویسوں کے گروہ کی سرگرمیوں کی خبر تک کسی اخبار

میں نہ چھپتی تھی۔بس ’’مارننگ نیوز‘‘ میں شائع ہوتی تھی اور وہ دو دو چار چار پرچے رائے دہندگان کو پہنچادیئے جاتے تھے۔سندھ اسمبلی بلڈنگ میں انتخابی معرکہ جما۔ڈان کے عملہ کا کوئی ایک آدمی بھی موجود نہ تھا۔حالانکہ اس وقت ان کے گجراتی،انگریزی،اُردو (تین) تو ڈان ہی چل رہے تھے۔ جناب ابراہیم حبیب رحمت اللہ (وزیر صنعت) مسند صدارت پر بیٹھے تھے اور ساتھ زیڈ اے سلہری۔نام تجویز ہوئے اس کے بعد حمید نظامی محترم آغا شورش کاشمیری اور جناب خلیق قریشی نے تقریریں کیں (مولانا) اختر علی کے حق میں۔آخر پہ ’’رائے شماری‘‘ ہوئی کھڑے ہوکر تو صرف مَیں بیٹھا ہوا تھا جناب صدر نے میرے بیٹھے رہنے کی وجہ دریافت کی تو مَیں نے عرض کیا کہ ’’مجھے ایوان کی رائے سے اختلاف ہے اور مَیں اپنی رائے ریکارڈ کرانا چاہتا ہوں۔‘‘سلہری صاحب نے دریافت کیا’’ریکارڈ کرانے کی ضرورت؟‘‘ تو مَیں نے کہا کہ ’’آپ اس کی ضرورت کبھی نہ سمجھ سکیں گے۔‘‘اس پر مَیں نے تقریر کے طور پر چند فقرے کہے اور بیٹھ گیا مَیں نے کہا کہ ’’میرے نزدیک آج صحافت کا ’’یوم سیاہ‘‘ ہے کہ آج ہم نے ایک مسلمہ صحافی کی جگہ ایک ایسے شخص کو اپنا ’’سرخیل‘‘ چن لیا ہے جو چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتا۔جس کی تحریکِ پاکستان میں کوئی خدمت قابلِ ذکر نہیں اور جس کے دامن میں اسلام کی خدمت بھی یہ ہے کہ اس نے ایک رات کی عیاشی کے لیے ’’مسجد شہید گنج‘‘ کا قبالہ بیچ کھایا تھا‘‘۔بعد میں معلوم ہوا کہ اختر علی نے محترم حمید نظامی سے کہا کہ یہ تو ’’مارِآستین‘‘ نکلا۔انہوں نے جواب دیا کہ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ’’اس مرزائی‘‘ کو بھی چلنا چاہیے۔مَیں نے آمادہ کرلیا۔مگر کچھ نہیں بتایا کہ جانے کی غرض کیا ہے اور الطاف کے مقابلے میں کس کو کھڑا کیا جارہا ہے۔شاید وہ نہ آتا!

ہارٹ کا آپریشن

غالباً 1996ء کے مارچ میں مجھے حسب سابق امیر جماعت احمدیہ چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب میڈیکل چیک اَپ کے لئے بریگیڈیئر مسعود الحسن نوری صاحب کے پاس لے کر گئے

۔اس دفعہ بھی محترم میرزا نصیر احمد صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ بریگیڈیئر صاحب سے وقت لیا مکرم محمود احمد بھلّر صاحب (جوڈیشل رجسٹرار مانا پلی کنٹرول اتھارٹی) بھی آ گئے۔وقت معینہ پر بریگیڈیئر صاحب کے پاس پہنچے۔انہوں نے معائنہ شروع کیا مَیں نے محسوس کیا کہ معائنہ کرتے وقت ان کا چہرہ متغیر ہو گیا ہے، جبکہ مجھے کسی قسم کا کوئی درد بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔انہوں نے بڑی نرمی اور آہستگی سے کہا (جیسا کہ اُن کا معمول اور طریق ہے) کہ ’’ثاقب صاحب میرا خیال ہے کہ آپ چند دنوں کے لئے رُک جائیں۔آپ کا اچھی طرح چیک اَپ ہو جائے۔‘‘مَیں نے عرض کیا ’’آج تو مَیں اجازت چاہوں گا رات کو جا کر اگلا پرچہ تیار کروں گا اور دفتر والوں کو اس کے متعلق ہدایات دے کر اگلے دن آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔‘‘ یہ سُن کر وہ دوسرے کمرے میں فون کرنے چلے گئے۔شائد ’’انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی‘‘ کے انچارج کو فون کرنے۔اتنے میں میرزا نصیر احمد نے مجھ سے کہنا شروع کیا ’’جناب اب تو آپ ہِل بھی نہیں سکتے۔آپ کو وہیل چیئر پر بٹھایا جائے گا۔‘‘ مکرم نوری صاحب آئے ،انہوں نے میرے منہ میں کوئی دوائی ’’پف‘‘ کی۔اپنے نائب سے کہا ’’وہیل چیئر‘‘ لائے اور پھر مجھے اس پر بٹھا کر ’’انسٹی ٹیوٹ‘‘ میں لے گئے کہ خصوصی نگہداشت میں ایک بیڈ خالی تھا۔اور پھر میرا چیک اَپ شروع ہو گیا۔اب مجھے کسی قدر درد بھی محسوس ہونے لگا تھا۔’’ای سی جی‘‘ شروع ہو گئی۔سوائے شلوار کے میرے تمام کپڑے اتر گئے اور میرا سینہ مختلف قسم کی تاروں سے ڈھک گیا اور مجھے پندرہ پندرہ منٹ کے بعد دو دو گولیاں کھلانی شروع کر دی گئیں مکرم امیر صاحب نے گھر پر (لاہور میں) فون کر دیا اور بتایا کہ وہ خصوصی نگہداشت کے کمرے میں ہے۔اس رات مجھے کوئی پندرہ دفعہ پیشاب آیا۔رات کو میرا لڑکا طاہر محمود احمد بھی پہنچ گیا اور پھر انور مسعود احمد بھی۔امیر صاحب محترم نے انہیں بتایا کہ تمام شریانیں بند ہو گئی تھیں لیکن اب خدا کے فضل سے قدرے افاقہ ہے۔انسٹی ٹیوٹ ہو یا ہسپتال وہاں اگر کوئی جمعدار بھی واقف مل جائے تو رشتہ دار محسوس ہوتا ہے مگر میرے ساتھ تو مولا کریم کا بے حد فضل تھا

، مَیں خصوصی نگہداشت کے کمرے میں تھا کہ ایک غالباً (میجر) لیڈی ڈاکٹر میرا بلڈ پریشر چیک کرنے آئیں۔ جب بلڈ پریشر لے چکیں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ’’انکل میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔‘‘ مجھے حیرت ہوئی یہ سُن کر کیونکہ کسی لیڈی ڈاکٹر کا مجھ سے واقف ہونا میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ مَیں نے آنکھ اُٹھا کر انہیں دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ’’مَیں لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) محمود الحسن کی بیٹی ہوں‘‘ مجھے یاد آیا کہ مَیں تو ان کی امی کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں کیونکہ وہ ہماری گلی میں رہی ہیں اور وہ اس وقت کالج میں تھیں۔ مَیں نے انہیں کہا! ’’دیکھو! مَیں تمہاری امی کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں ہم ایک ہی گلی میں رہتے رہے ہیں اپنے ابو سے اور اپنی امی سے میرا سلام کہنا اور دعا کے لئے عرض کرنا۔‘‘ ’’مَیں آپ کا نام پڑھتے ہی انہیں فون کر آئی ہوں۔ وہ آرہے ہوں گے۔‘‘ اللہ اللہ وہ مسبب الاسباب جب کرم فرمانا چاہتا ہے تو ایسے ایسے سہارے پیدا کر دیتا ہے۔ مَیں کوئی سات دن تو انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی میں رہا۔ پھر بیت الفضل اسلام آباد میں پہنچ گیا تیسرے دن مکرم نوری صاحب کا فون آیا کہ ’’مَیں حضور کا ارشاد بھجوار ہا ہوں۔‘‘ مَیں نے عرض کیا۔ ’’ہماری حیثیت ’’سمعنا واَطَعنَا‘‘ کی ہے آپ ارشاد کے مطابق حکم فرمائیں۔‘‘ انہوں نے کہا ’’حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کم ازکم چار ہفتے یہاں رہیں اور مَیں آپ کو چیک کرتا رہوں۔‘‘ عرض کیا ’’تعمیل ہوگئی۔‘‘

ان چار ہفتوں کے بعد ’’عیدالفطر‘‘ تھی مَیں ’’لاہور‘‘ پہنچا۔ تو خیال آیا۔ ’’داستان دردِ دل‘‘ لاہور میں لکھنی چاہیئے تاکہ قارئین کو بھی کچھ معلوم ہو سکے! ’’لاہور‘‘ کے قارئین میں ایک معتبر نام حکیم محمد سعید دہلوی (وقف ہمدرد کراچی) کا بھی تھا، وہ باقاعدگی سے ’’لاہور‘‘ کے پڑھنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے ’’داستان دردِ دل‘‘ پڑھی تو ایک خط بھی لکھا جس کے آخر میں طبیعت کی بحالی اور انجائنا کی روک تھام کیلئے ایک چائے بھی تجویز کی۔ جو پودینہ، پان اور ادرک سے بنتی تھی۔ مَیں نے ایک مخلص دوست کے اس محبانہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اُسے دو ایک دفعہ پیا اور

مفید پایا تو حضرت میرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت عالیہ میں جہاں دوسری رُوئیداد لکھی وہاں یہ نسخہ بھی لکھ دیا ۔حضور نے بھی شائد اُسے مفید سمجھا اور بیرونی ملکوں کے صحت کے اداروں کو ’’سرکولیٹ‘‘ کر دیا۔اس سلسلہ میں ایک لطیف واقعہ بھی ہوا کہ مجھے چند مہینوں بعد امریکہ سے ایک دوست نے لکھا کہ آپ کو’’انجائنا‘‘ کی شکایت ہے آپ یہ چائے پیا کریں۔اور آگے وہی چائے لکھی ہوئی تھی جو مَیں نے حکیم محمد سعید کے مشورے پر آزمانے کے بعد حضور کی خدمت میں لکھی تھی !میں’’عطائے تو بہ لقائے تو‘‘ کی اس لطیف حادثہ پر بیساختہ مسکرا کر رہ گیا۔(نوٹ) ’’داستان دردِ دل‘‘اور’’حکیم صاحب کا محبت نامہ‘‘ بھی پیش کروں گا مگر پہلے برین ہیمرتج آپریشن کی داستان۔

’’برین ہیمرتج آپریشن‘‘

1996ء کے آواخر کی بات ہے میں’’سی ایم ایچ‘‘ ہسپتال میں داخل تھا۔گزشتہ دس دن سے مسلسل ہچکی چل رہی تھی ۔میرے بڑے لڑکے کا اصرار تھا کہ’’سکیننگ‘‘ کروانی چاہیئے ۔چنانچہ ’’اتفاق ہسپتال‘‘ والوں سے وقت لیا گیا سکیننگ میں دوتین’’کلاٹ‘‘ نظر آئے ۔ہسپتال کے دل کے معالج میجر عمرانؔ (جو بڑے ہی حلیم الطبع تھے) نے سکیننگ کی رپورٹ دیکھ کر کہا کہ وہ اس کا آپریشن کر سکتے ہیں ۔مگر میجر جنرل نسیم احمدؔ صاحب مرحوم’’سی ایم ایچ‘‘ راولپنڈی سے وقت لے چکے تھے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہوا کہ’’آپریشن‘‘ کیلئے پنڈی جایا جائے ۔میجر عمرانؔ سے مَیں نے کوئی بارہ ایک بجے کے قریب فراغت کیلئے کہا تو اُن کا کہنا تھا کہ یہاں سے سیدھے ائیر پورٹ جایئے مگر مَیں چاہتا تھا کہ برگیڈئیر نوری صاحب سے خود دریافت کرنا چاہیئے کہ ’’بائی ائیر‘‘ آیا جائے یا’’بائی روڈ‘‘ اتفاق کی بات ہے کہ وہ فون پر جلد ہی مل گئے اور انہوں نے فرمایا کہ’’بائی ائیر‘‘ ہرگز نہ آئیں ۔‘‘اب مسئلہ ٹرانسپورٹ کا تھا چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب محترم راولپنڈی میں تھے ۔میجر جنرل نسیم احمدؔ نے غالباً اُن سے بات کی ۔انہوں نے عزیزم مصطفی

سلّمہ کی ڈیوٹی لگائی اور جب مَیں ''سی ایم ایچ'' لاہور سے فراغت کے بعد گھر پہنچا تو کچھ دیر کے بعد محترم عیسیٰ درد صاحب (مرحوم) کا فون آیا کہ کل صبح پانچ بجے تین گاڑیاں (لائق اعتماد) ڈرائیوروں کے ساتھ آپ کے پاس پہنچ جائیں گی!''ہچکی'' بدستور چل رہی تھی۔کوئی پانچ بجے کے قریب میرے (کینیڈا میں مقیم) بیٹے ظاہر فاروق احمد کا فون آیا کہ ''اباجی آپ آپریشن کے لئے پنڈی کب جارہے ہیں''؟ مَیں نے کہا کہ ''ہمیں تو حضور کا ارشاد آج دوپہر کو ملا ہے تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ مَیں پنڈی جارہا ہوں۔''

اس نے بتایا کہ ''ہمارے یہاں ان دنوں ''ایم ٹی اے''نہیں آرہا،کیسٹ آتا ہے۔مِیں ابھی ابھی حضور کی سوال و جواب کی محفل کی روئیداد سُن کر آرہا ہوں جس کے دوران حضور نے فرمایا۔'' ''مَیں نے ثاقب صاحب کو کہا ہے کہ وہ راولپنڈی جا کر آپریشن کرالیں۔'' اُن دنوں قادیان دارالامان کے جلسہ سالانہ پر حضور کی افتتاحی تقریر ہونے والی تھی میرے چھوٹے بھائی عزیزم محمد بشیر مرحوم نے وہ تقریر سنی تو آکر بتایا کہ ''حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بچوں سے آپ کی نظم ''قادیان دارالامان'' پڑھوائی اور پھر اس تمہید کے ساتھ کہ کبھی قادیان کی گلیوں میں یہ نظم گونجا کرتی تھی بھرائی ہوئی آواز میں ''دعا کی تحریک'' فرمائی کہ اس نظم کا خالق ان دنوں سخت بیمار ہے۔'' مَیں نے یہ سُن کر کہا کہ گو مجھے یقین نہیں تھا کہ ''آپریشن'' کامیاب ہوگا لیکن اب اُمید بندھ چلی ہے ۔خدا تعالیٰ جب کسی کو خاص کام کیلئے چُنتا ہے تو اسے اپنی نصرت سے بھی نوازتا ہے اور مجھے پنڈی میں دوستوں نے بتایا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اختتامی خطاب کے وقت پھر یہی عمل دوہرایا پہلے بچوں سے ''قادیان دارالامان'' والی نظم سنوائی۔پھر دعا کی تحریک کی۔صبح سویرے بارش شروع ہو گئی۔ٹھیک پانچ بجے (صبح) محترم عیسیٰ درد صاحب (مرحوم) تین گاڑیاں لے کر غریب خانے پر پہنچ گئے۔ہم تیار تھے۔انہوں نے دعا کے ساتھ ہمیں رُخصت کیا۔میرے ساتھ عزیزم طاہر محمود احمؔد،عزیزم یاسرؔ منصور احمد اور عزیزم محمد احمدؔ مبشر (میرا بھتیجا) چلے۔ہچکی بھی جاری تھی اور پیشاب

کیلئے ''بیگ'' بھی لگا ہوا تھا۔ہم کوئی 9 بجے کے قریب گیسٹ ہاؤس (راولپنڈی) میں پہنچے ۔میرے والے ڈرائیور نے موبائل پر محترم امیر صاحب کو اطلاع کر دی تھی کہ ہم اتنے منٹوں میں گیسٹ ہاؤس پہنچ جائیں گے اور انہوں نے میجر جنرل نسیم احمدؐ صاحب (مرحوم) کو بلوا رکھا تھا۔میری کیفیت یہ تھی کہ مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔جنرل صاحب نے ہمارے پہنچتے ہی کرنل صاحب کو فون کیا۔انہوں نے فرمایا کہ آجائیں۔پھر اپنے ایک نائب کو ساتھ بھیجا کہ دکھا کر ''آپریشن کی تاریخ لے آؤ۔کرنل صاحب کے ہاتھ میں کھال کا بنا ہوا ایک بڑا سا ہتھوڑا تھا جس سے وہ مریضوں کے جسم کے اعضاء کو ٹھکورتے تھے۔انہوں نے میرے سر کے چاروں طرف سے اُسے زور سے لگا کر دیکھا اور کہا کہ ''کل آٹھ بجے ''آپریشن'' کرونگا۔رات کو کچھ نہ کھائیں۔''وہ اس کو اس زور سے لگاتے تھے کہ دیر تک درد ہوتا رہتا تھا مجھے خوب یاد ہے کہ مَیں نے برگیڈئیر نوری صاحب سے عرض کیا کہ ''کرنل صاحب سے عرض کریں کہ کل ''آپریشن'' کے وقت ہاتھ ذرا ''نرم'' رکھیں۔'' مگر برگیڈئیر صاحب نے یہ کہہ کر بات مذاق میں ٹال دی کہ ''کرنل صاحب یہ دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ بھی ہماری طرح خالی ہے یا بھرا ہوا ہے۔''اس وقت کے امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی نے (جو ایک سینئر ایڈووکیٹ بھی ہیں) کرنل صاحب سے مل کر (جانے کن الفاظ میں) یہ کہا کہ ''ذرا خیال رہے یہ ہمارے خاص آدمی ہیں۔''اور کرنل صاحب نے اس کہنے کا اتنا اثر لیا کہ آپریشن کے وقت میجر جنرل نسیم، برگیڈئیر نوریؐ اور لیفٹینینٹ جنرل محمودالحسنؐ کو پاس بٹھایا اور کہا کہ ''آپ مجھے ''گائیڈ'' کرتے رہیں مَیں آپریشن کرتا ہوں۔'''' آپریشن سے پہلے کی رات آنکھوں میں گزری۔سچ یہ ہے کہ مجھے آپریشن کی کامیابی کی قطعاً امید نہیں تھی مگر مَیں ''دُعا'' کرتا رہا آپریشن روم میں داخل ہونے کے وقت تک۔البتہ مجھے یقین تھا کہ خلیفۃ المسیح کی دُعا رائیگاں نہ جائے گی۔اللہ میاں ضرور انہیں اپنی نصرت سے نوازے گا۔''آپریشن'' ہو گیا۔مجھے پوری طرح کوئی شام کے پانچ بجے ہوش آیا۔جس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ مجھے کوئی ''ٹھوکے'' دے رہا

ہے۔ مَیں نے کہا ”کون؟“ جواب ملا۔ ”مَیں جنرل نسیم ہوں۔ خصوصی نگہداشت والوں سے آنکھ بچا کر آپ کو صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کا ”آپریشن“ بہت کامیاب ہوا ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔“ مَیں نے بے ساختہ ”الحمدللہ“ کہا اور عرض کیا کہ ”بھئی میری انگوٹھی تھی، گھڑی تھی، جو انہوں نے اُتروالی تھی وہ کہاں گئی؟“ جواب ملا۔ ”وہ بیٹے لے کر کمرے میں پہنچ گئے تھے اور اُن میں سے مبشرؔ اور یاسرؔ تو اب گھر پہنچنے والے ہوں گے صرف آپ کا بڑا لڑکا طاہرؔ یہاں ہے۔“ اگلی صبح خصوصی نگہداشت والوں نے ناشتہ دیا تو میرا دل ناشتہ کرنے کو نہ چاہا اور مَیں نے معائنہ کیلئے آنے والے میجر صاحب سے عرض کیا کہ ”مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیا جائے۔“ انہوں نے ایک سبز سا کرتہ نما دیا اور سٹریچر پر لٹا کر مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیا۔ جہاں چند گھنٹوں کے بعد جنرل محمودالحسن تشریف لائے اور انہوں نے آپریشن کی تفاصیل سنائیں کمرے میں آنے کے بعد ”آپریشن“ سے رکی ہوئی ”ہچکی“ پھر شروع ہوگئی۔ ”مَیں نے عزیزم طاہر سلمہ سے کہا ”کرنل صاحب کو فون کرو کہ ”ہچکی“ تو پھر شروع ہوگئی ہے۔ اگر یہی کچھ ہونا تھا تو یہ عذاب جھیلنے کی کیا ضرورت تھی؟“ مگر طاہر نے آ کر بتایا کہ ’کرنل صاحب نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا صرف اتنا کہا ہے۔ کہ ”بند ہو جائے گی“ اور کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ایسی بند ہوئی کہ پھر کبھی شروع نہیں ہو۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ!! شام کو کرنل صاحب تشریف لائے تو آتے ہی سوال کیا؟ ”ثاقب صاحب آپ کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟“ جواب دیا۔ ”اُس ہاتھ کی نہ پوچھو وہ آسمان تک پہنچتا ہے۔“ رات کو جنرل نسیم آئے تو مَیں نے انہیں کرنل صاحب کی یہ بات بتائی۔ کہنے لگے ”وہ مجھ سے بھی یہی بات کرتے رہے۔ کہہ رہے تھے ہم نے تین سالوں میں تیرہ آپریشن کیے ہیں۔ کوئی نہیں بچا۔ یہ پہلا شخص ہے۔ پھر ہم جس طرف سر پر سوراخ کرتے ہیں اُدھر فالج گر جاتا ہے۔ ان کے سر پر پانچ سوراخ کئے گئے ہیں۔ لیکن تقدیرِ الٰہی دیکھو کہ یہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہیں۔“ کرنل صاحب صبح و شام تشریف لاتے تو مجھ سے کہتے۔ ”ثاقب صاحب کوئی پانچ سال پرانا شعر سنایئے۔“ پھر آئے ”کوئی دس

سال پرانا شعر سنایئے۔‘‘جب پندرہ سال کے بعد انہوں نے بیس سال کا کوئی شعر سنانے کے متعلق کہا تو مَیں نے عرض کیا کہ ’’یہ ڈرامہ آخر کیا ہے؟ آپ کو سالہا سال پرانے شعر سننے کا مرض تو نہیں؟‘‘ تو کہنے لگے ’’ثاقب صاحب! دراصل میں آپ کی ’’یادداشت‘‘ چیک کر رہا ہوں۔ جو بالکل ٹھیک ہے اور جو (اگر آپریشن کامیاب بھی ہو) تو ختم ہو جایا کرتی ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ‘‘ برین ہیمبرج‘‘ کے اس آپریشن کی یہ داستان نامکمل رہے گی اگر مَیں جماعت احمدیہ راولپنڈی کے اُن خدام کا شکریہ ادا نہ کروں جو روزانہ میرے کمرے میں ڈیوٹی دیتے رہے۔ بھائی عزیز کی بیٹی پروفیسر محمودہ اوران کا صاحبزادہ کاشف سلمہ تو روزانہ میری خیریت دریافت کرنے اور میرا دل اپنی محبت بھری باتوں سے بہلانے کے لئے آتے رہے۔اوران سینکڑوں احباب کا ذکر نہ کروں جو روزانہ میری خیریت دریافت کرنے کے لیے آتے رہے۔فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔چودہ دن کے بعد ٹانکے کھلے تو ہم لاہور کو لوٹنے کے قابل ہوئے۔جب پہلی دفعہ ’’چیک اَپ‘‘ کے لیے گیا تو کرنل صاحب نے کہا!’’دیکھ لیجئے جو اشعار مَیں نے آپ سے لکھوا لئے تھے۔وہ ہمیشہ میرے سامنے رہتے ہیں اور مَیں اکثر انہیں پڑھتا رہتا ہوں۔اب تو مجھے زبانی یاد ہو گئے ہیں۔‘‘

داستانِ دردِدل

(چند روز اے ایف آئی سی راولپنڈی میں) یہ دل بھی جو اللہ کریم نے گوشت کا ایک عجیب و غریب لوتھڑا تخلیق فرمایا ہے اور پھر میرا دل! جس کے بارے میں پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

نت نیا روگ ہے ہر روز نیا مرنا ہے
دل نے نقصان اُٹھایا میرا دل ہو کر

اس کا مزاج تو ’’انجائنا‘‘ کے باعث ستمبر 1995ء ہی سے برہم ہے۔معالجِ دلنواز (ماہر امراض قلب) کرنل (اب بریگیڈیئر مسعود الحسن نوری) ہر تیسرے چوتھے مہینے جس کی حرکتوں،

دھڑکنوں اور جرأتوں کا جائزہ لینے کے بعد اسے راہ راست پر رکھنے کی تدابیر عمل میں لانے اور اس کے مزاج کو مزید برہم نہ ہونے دینے کے لیے علاج تجویز فرماتے رہتے ہیں۔ برادرم عزیزم چوہدری حمید نصر اللہ خاں کی قیادت میں میرا گیارہ مارچ 1992ء کو راولپنڈی کا سفر بھی اسی معمول کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ 12ر کی صبح کو وقت معینہ پر نوری صاحب محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے ''ای سی جی'' ہوا تو ناخوشگوار نکلا۔ جسے دیکھتے ہی نوری صاحب محترم کے ماتھے پر تردد کے شکن نمودار ہوئے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کوئی آدھ گھنٹہ کے فرق سے پھر ''ای سی جی'' لیا گیا جو چنداں بہتر تھا مگر ذمہ دار معالج کا تردد دور نہ ہو سکا اور انہوں نے بڑے ہی ملائم الفاظ میں (جو عملاً بڑے ہی مضبوط اور مستحکم ثابت ہوئے) فرمایا کہ بہتر ہوگا آپ دو ایک دن کے لیے داخل ہو جائیں تاکہ یہ تکلیف کاملاً دور ہو جائے۔ مجھے چونکہ صورت حال کا نہ اندازہ تھا نہ آگہی اور کہ مَیں نے پہلے چالیس سالوں میں زندگی کی ہر ضرورت اور تقاضے پر ''لاہور'' کو ترجیح دی تھی۔ عرض کیا کہ ''بہت بہتر مَیں آج لوٹ جاتا ہوں اور دو تین دنوں میں آئندہ دو ایک پرچوں کی تیاری کر کے حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔'' مگر میرا معالج یہ سُن کر ہنس دیا۔ یہ ہنسی بڑی معنی خیز۔ معنی نگر اور تردد آفریں تھی فرمایا ''اس حالت میں آپ کو سفر نہیں کرنا چاہیے۔''

جسے سُن کر چوہدری حمید نصر اللہ خاں کے علاوہ میرے دوسرے ساتھیوں مرزا نصیر احمد ایڈووکیٹ اور چوہدری محمد احمد بھلر نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور مجھے اپنے ہر فکر اور تردد کو بالائے طاق رکھنے کی تلقین کی۔ حکم ہوا کہ اب کار عین دروازے کے سامنے لائی جائے گی۔ مریض کو کار تک چل کر جانے کی اجازت کا خدشہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ محترم نوری صاحب کا ایک کارکن ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھا وہ خود اپنی کار پر براہ راست چلے اور یونہی چند منٹوں میں آرمڈ فورسز کے ''انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی'' میں پہنچ گئے اور پھر اگلے چند منٹوں ہی میں مریض اس ہسپتال کے صاف ستھرے۔ علاج معالجے کی ہر ضرورت اور آلات سے لیس ایمرجنسی وارڈ کے بیڈ پر تھا

جب ڈرپ کے علاوہ مسلسل آٹھ گھنٹے ''ای سی جی'' بھی ہوتی رہی یہاں تک کہ ساڑھے چار بجے شام کو ''ای سی جی'' کے سلسلہ میں اطمینان کے بعد اسی وارڈ کے ایک دوسرے کمرہ میں منتقل کر دیا گیا۔لیکن اس سارے سلسلہ میں پاکستان کی ذمہ دار فرض شناس دلدار و غمگسار بیٹیاں (آپ انہیں ہاؤس سرجن اور نرسیں کہہ لیجئے) ٹھیک اپنے اپنے وقت پر ٹمپریچر لینے بلڈ پریشر چیک کرنے، ٹیکے لگانے اور خون لینے کے لیے آتی جاتی رہیں۔اس پر مستزاد جنرل یوسف، جنرل نسیم اور جنرل محمود الحسن اور حضرات ناہید و طارق کی آمد۔تشفی آمیز پیاری گفتگو جس سے محسوس ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ علاج ہی اطمینان بخش ہاتھوں سے نہیں ہو رہا مَیں ہوں بھی ہمدرد اور محفوظ ترین ہاتھوں میں۔

ایک نمایاں بات۔اس ہسپتال کی سب سے نمایاں بات دیکھنے میں یہ آئی کہ رات کے آٹھ بجے کے بعد مریض کے پاس کوئی عزیز ترین شخص بھی ٹھہر نہیں سکتا اور ملاقات کے اوقات میں بھی دو منٹ سے زیادہ مریض کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں اور عزیزوں کی غیر حاضری میں ہسپتال کا عملہ اس ذمہ داری سے ہر گھنٹی کی آواز پر لپک کر مریض کے بیڈ پر پہنچتا ہے کہ کسی عزیز کی غیر حاضری کے احساس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یاد آیا میرے ساتھ کے کمرے کے ایک بیڈ کا مریض جو ایک دن ان الفاظ میں کراہنے لگا کہ ''اوئے مجھے ڈرپ لگاؤ مجھے ڈرپ کیوں نہیں لگاتے۔'' تو مسلسل درد و کرب کی ضربوں کے بعد لگنے والی میری آنکھ بھی کھل گئی اور میں نے خود گھنٹی بجا دی۔نرس بھاگ کر آئی تو مَیں نے اسے اس آواز کی طرف توجہ دلائی تو اس نے مسکرا کر کہا۔''انکل تین دفعہ دیکھ کر آئی ہوں۔بابا جی خواب میں بڑ بڑا رہے ہیں۔ویسے انہیں ڈرپ کی ضرورت بھی نہیں۔'' آفیسر وارڈ میں ضروری اور لازمی معائنے تجزیے اور جائزے اطمینان بخش ثابت ہوئے تو جنرل یوسف کے حکم پر مریض کو بالائی منزل پر آفیسرز وارڈ میں منتقل کر دیا گیا جہاں پیر کو صبح دس بجے تک پابند بستر رہنا پڑا۔جہاں مریضوں کی کراہیں۔ان کی طرف سے نرسوں کو بلائے جانے کی گھنٹیوں کی گونج اور معالجوں اور معاون معالجوں کی بھاگ دوڑ کچھ کم تھی گو یہاں

بھی جنرل صاحبان کے علاوہ کرنل مسعود الحسن نوری، کرنل عاشق حسین اور لیڈی ڈاکٹر وقت پر آتے۔ پورے اطمینان سے مریض کو دیکھتے۔ اور اس کا معائنہ کرتے رہے اور صبح چھ بجے سے رات کے دس بجے تک گولیاں کھلانے۔ ٹمپریچر لینے اور بلڈ پریشر چیک کرنے۔ ''ای سی جی'' لینے وزن دیکھنے اور کھانا پیش کرنے کا سلسلہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ انتہائی ذمہ داری اور محبت کے ساتھ جاری رہا۔ اُس وارڈ میں چوبیس گھنٹوں میں تین دفعہ نرسنگ کا اور دوسرا عملہ تبدیل ہوتا ہے۔ باقاعدہ اپنے اپنے شعبے کا چارج دینے کے بعد۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسٹی ٹیوٹ والوں نے ان تمام چھوٹی بڑی ماتحت اور افسر نرسوں کو محبت و ملائمت سے گفتگو کرنے اور ہمدردی و غمگساری کے اظہار کے تمام انداز و اطوار گھول کر پلا دیئے ہیں۔ کتنا رس تھا ان ہونہار و غمگسار بیٹیوں کے انداز مخاطب میں۔ ''بابا جی، انکل، چچا ابا، بھائی جان'' اور پھر سب کا سب سے ایک دوسری سے کامل تعاون، کامل تابعداری وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر ان سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ لاکھ اینٹھیئے سرماریئے ان کی بات ماننے سے گریز کیجئے کیا مجال جوان کے ماتھے پر برہمی کی ایک ذرا سی شکن بھی نمودار ہو جائے یا آواز میں ذرا سی بھی تلخی اور بلندی آجائے۔ جب تک وہ اپنا فریضہ انجام نہ دے لیں۔ ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ اور پیشانی سے خندگی جانے کا نام نہیں لیتی۔ اللہ وطن عزیز کی ان ذمہ دار و دلدار بیٹیوں کو خدمت قوم و وطن کی بیش از بیش توفیقات عطا فرمائے۔ آمین ''اے ایف این ایس'' کے تحت قائم اس انسٹی ٹیوٹ میں ساڑھے تین سو کے لگ بھگ بیڈ ہیں۔ ان دنوں مدار المہام جنرل یوسف ہیں۔ اور تکنیکی عملہ کے علاوہ ہر وارڈ کی نگرانی کرنے اور مریضوں کی رفتار صحت کا طبی جائزہ لینے پر مامور نصف درجن کے قریب کیپٹن، میجر اور کرنل ڈاکٹر، علاوہ ازیں ایک درجن سے زیادہ کیپٹن سے برگیڈیئر تک کے درجہ کی لیڈی ڈاکٹرز اور پونے تین صد کے قریب نرسز جن میں سے سو کے قریب زیر تربیت (جو اپنی خاکی یونیفارم سے پہچانی جاتی ہیں) اور باقی شانوں کے ''پھولوں'' سے پہچانی جانے والی نرسیں۔ ایک زیر تربیت نرس

کا کورس تین سال کا ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک سال کا مڈوائف (دایہ) کے شعبہ کی تربیت کا۔ میرا دل تحسین و دعا کے جذبات سے بھر گیا۔ یہ جان کر کہ بمشکل تیس فیصد نرسیں ایسی ہیں جنہوں نے یہ پیشہ اپنے خانگی حالات سے مجبور ہر کر روزگار کے طور پر اپنایا ہے۔ پچھتر سے زائد فیصد بچیوں کا تعلق بفضلہٖ تعالیٰ ملک کے کھاتے پیتے گھرانوں سے ہے اور انہوں نے یہ ''پروفیشن'' صرف اور صرف خدمت انسانیت اور خدمت وطن کے جذبے سے اپنایا ہے۔ الٰھم زدفزد۔ پورے دس دن۔ راقم السطور پورے پانچ دن اس انسٹی ٹیوٹ میں زیر علاج رہا۔ اور اس کے بعد پانچ ہی دن معالج دلنواز کرنل نوری صاحب کی آنکھ تلے زیر نگرانی ''بیت الفضل'' میں...... اس سارے عرصہ میں دن میں کئی کئی دفعہ یہ خواہش بے ساختہ ہونٹوں پر آتی رہی۔ کاش ''اے ایف این ایس'' ایسے انسٹی ٹیوٹ کم از کم ہر ضلع نہ سہی ہر ڈویژنل ہیڈکوارٹر ہی میں قائم کر دیئے جائیں تا کہ یہ نعمت اور رحمت ہر علاقہ کے مریضوں کے لیے عام ہو جائے اور انہیں ان پرائیویٹ ہسپتالوں اور کلینکوں سے نجات مل جائے جنہوں نے اب قصاب خانوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور جن کا ہر شعبہ پیسے ڈھلانے والی ٹکسال کا رنگ اختیار کر گیا ہے۔ الا ماشاء اللہ



حکیم محمد سعید (مرحوم) کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

16 شوال المکرم 1416ھ 17 /اپریل 1996ء شمسی

جناب ثاقب زیروی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''داستان درد دل'' مَیں نے ''لاہور'' مورخہ 4/اپریل 1996ء میں پڑھ لی ہے اللہ کا شکر آپ بخیر و عافیت اپنے سفر پر واپس آئے ہیں ان حالات کے لیے ایک ''چائے'' مَیں تجویز کرتا ہوں۔ پودینہ تازہ چھ گرام۔ ادرک تازہ تین گرام اور پان تازہ ایک عدد ان کو باریک تراش لیں۔

پانی میں جوش دیں ایک دو بار چائے کی طرح نوش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

بہ احترامات فراواماں

دستخط حکیم محمد سعید

بگرامی خدمت جناب محترم ثاقب زیروی صاحب

گے لاکسی۔ لاء چیمبرز۔ ٹرنر روڈ لاہور

''لاہور'' کا اجراء

لاہور میں کافی ہاؤس نامور ادیبوں اور مشاعروں کی فکری جولانگاہ کا کام دیتا تھا۔ مولانا چراغ حسن حسرت، عبداللہ بٹ، احسان دانش اور بعض دوسرے نامور ادیبوں اور شاعروں سے کافی کے کپ پر علمی گپ شپ رہتی۔ ایک دن ایسی ہی ایک نشست میں مولانا چراغ حسن حسرت نے (جو امروز کو خیر باد کہہ چکے تھے) باتوں باتوں میں یہ تجویز پیش کی کہ ''شیرازہ جیسا ایک ہفت نامہ ہونا چاہیے جو نیم سیاسی سا ہو لیکن ''لاہور'' کی علمی و ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا احاطہ بھی کرے۔'' پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر آپ جم کر ڈیسک پر بیٹھنے کی حامی بھر لیں تو مَیں شیخ غلام علی اور فلاں فلاں سے دس پندرہ ہزار روپے جمع کر لوں گا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ ہفت نامہ اپنی جگہ بنالے گا۔'' مَیں نے حامی بھری تو نام تجویز ہونے شروع ہوئے اور بالآخر ''لاہور'' نام طے پایا۔ کہنے لگے! ''آپ کل ہی ''ڈیکلریشن'' کے لیے درخواست دے دیں۔'' جو دے دی گئی اور کوئی دو ماہ بعد ڈیکلریشن بھی مل گیا۔ لیکن اسی عرصہ میں مولانا ریڈیو پاکستان کی ملازمت اختیار کر کے کراچی چلے گئے۔ مَیں نے ڈیکلریشن مل جانے کی اطلاع کے ساتھ آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں استفسار کیا تو جواب ملا کہ ''اب آپ اسے نکالیں میری دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔'' اسی اثناء میں مجھے وکالت تبشیر

ربوہ میں تبادلے کا حکمنامہ مل گیا۔ مَیں ربوہ چلا گیا اور ''لاہور'' ڈمی چھپتا رہا جس پر ایڈیٹروں کی حیثیت سے تین نام ہوتے تھے۔ علامہ لطیف انور، عاطر عاشمی اور ثاقب زیروی۔ اسی اثناء میں ایک ''ڈمی'' پر ایک ڈاکٹر سے متعلق ایک سخن گسترانہ بات ہوگئی ایک طنزیہ قطعہ کی صورت میں جس کا دوسرا شعر یوں تھا کہ

ایمان کو میراث سمجھنے والے
اخلاص تیرے باپ کی جاگیر نہیں

چونکہ اس قطعہ کا عنوان ''ڈاکٹر سے تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب جو اکثر و بیشتر ہماری معمولی معمولی باتوں کی بھی شکائتیں کرتے رہتے تھے اس قطعہ کی شانِ نزول اپنا وجود سمجھتے اور روتے ہوئے پرچہ لے کر ''قصرِ خلافت'' میں پہنچ گئے۔ جواب ملا ''تم نے بھی تو کوئی کسر نہیں چھوڑی اب ایک لوہار کی بھر مار برداشت کرو۔'' یوں حضور کو پتہ چل گیا کہ میرے پاس ایک ڈیکلریشن ہے۔ چند روز بعد مجھے بلوایا اور فرمایا۔ ''معلوم ہوا ہے تمہارے پاس ایک ہفت نامے کا ڈیکلریشن ہے تو اُسے نکالو۔'' عرض کیا ''وہ ڈیکلریشن لاہور ڈسٹرکٹ کا ہے پرچہ ربوہ سے نہیں لاہور ہی سے نکل سکتا ہے۔'' فرمایا۔ ''ہاں ''لاہور'' ہی سے نکالو۔ مَیں تمہیں ایک سال کی رخصت دیتا ہوں۔ بتاؤ پیسے کتنے چاہیں۔'' عرض کیا ''صرف دعا چاہیے۔ پیسے نہیں۔ مَیں کوشش کروں گا کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل احسن طور پر ہو سکے۔'' ''لاہور'' میں جی پی او کے سامنے بینک سکوائر کی ایک عمارت میں اکثر نشست رہتی تھی ایک دن ایک شریک محفل چوہدری شکراللہ خاں ایڈووکیٹ (جن کی ''میڈیسنز'' کی ایک دوکان تھی) نے مجھ سے کہا کہ ''رسائل و جرائد میں تمہارے مضامین سے طبیعت بہت متاثر ہے تم اپنا پرچہ کیوں نہیں نکالتے؟'' مَیں نے بتایا کہ ''ایک ہفتہ وار کا ڈیکلریشن بھی میرے پاس ہے مگر صرف ڈیکلریشن کافی نہیں باقاعدہ پرچہ نکالنے کے لیے ''سرمایہ'' درکار ہے اور وہ میرے پاس نہیں۔'' کہنے لگے۔ ''اس کا ایک پورا پرچہ تو نکال کر دیکھو۔ مَیں آپ کو اس کے لیے دو صد

روپے پیش کرتا ہوں میری ''میڈیکوز'' کا اشتہار اس میں لگا دینا۔'' اُن دنوں پانچ روپے فی رم نیوز پرنٹ تھا۔ مَیں نے 24 صفحے کا ایک پرچہ 20x30 / 4 سائز پر شائع کیا جو چٹان، قندیل اور آفاق کے درجے کا تھا۔ اس کا پہلا صفحہ یعنی سرورق بانی پاکستان کی شبیہہ سے اور آخری صفحہ گورنر جنرل پاکستان کی تصویر سے مزین تھا۔ میرے تمام احباب پرچہ دیکھ کر اور پڑھ کر بہت محظوظ ومتاثر ہوئے اور مَیں چالیس پچاس کاپیاں لے کر بھائی جان چوہدری عبداللہ خاں کے پاس کراچی چلا گیا۔ پرچہ دیکھ کر کہنے لگا۔ ''ایسے ''لاہور'' کو تو باقاعدہ ہونا چاہیے۔ بتاؤ کتنے پیسے ہوں تو یہ باقاعدہ چھپنے لگے گا؟'' آل راؤنڈر تو مَیں تھا ہی پھر جوانی کا جوش، مَیں نے کہا۔ ''بھائی جان! اگر تین ہزار روپے جمع ہو جائیں تو مَیں اسے بند نہیں ہونے دوں گا۔'' کہنے لگے ''پروگرام کیا ہے؟'' عرض کیا کہ ''آج رات خواجہ ناظم الدین صاحب کے پاس گزاروں گا۔کل آپ کے ہاں اور پرسوں واپسی۔'' مَیں گورنر جنرل ہاؤس چلا گیا۔محترم خواجہ صاحب کی خدمت میں پرچہ پیش کیا۔ بہت خوش ہوئے اور ہنستے ہنستے اندر تشریف لے گئے اور پانچ دس منٹ کے بعد اُسی طرح ہنسی بکھیرتے ہوئے واپس آئے اور فرمایا ''شاہ بانو (ہماری بیگم) ''لاہور'' کے اس پرچے سے بہت متاثر ہوئی ہیں اور انہوں نے کہا کہ ثاقب صاحب کی خدمت میں ہماری طرف سے نذرانے کے طور پر پانچ صد روپے پیش کئے جائیں۔اور یہ لیجئے اُن کے پانچ صد روپے'' (جنہیں مَیں نے شکریئے کے ساتھ وصول کیا) کچھ دیر تک مندرجہ مضامین پر تبصرہ فرماتے فرماتے ایک دم پھر ہنس پڑے اور فرمایا ''اور ہم تو شاہ بانو کے میاں ہیں ان سے دوگنا ہدیہ پیش کریں گے اور یہ لیجئے ایک ہزار روپے۔'' گویا نصف رقم مجھے اسی اقامت گاہ پر مل گئی۔ مَیں اگلے دن بھائی جان (چوہدری عبداللہ خاں) سے ملا تو کہنے لگے۔ ''مَیں نے تیرہ سو کے تین ڈرافٹ اشتہارات کے وصول کر لیے ہیں۔'' مَیں نے عرض کیا ''ڈیڑھ ہزار روپے میرے پاس خواجہ صاحب محترم اور اُن کی بیگم کا عطیہ ہے۔'' یہ سُن کر اپنے اچکن اور کُرتے کی جیبیں کھنگالنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد کہا ''یہ لو دوسو

روپے میری طرف سے۔اب ان تین ہزار میں سے کچھ خرچ مت کرنا واپسی کا کرایہ اور سفر کا خرچ مَیں دوں گا۔''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے اور یہ کبھی بند نہ ہو۔''اور الحمد للہ کہ آج اس کا پچاسواں سال ہے لاہور کے دامن پر سوائے دو جبری بندشوں کے (جو پہلے 1953ء کے مارشل لاء میں ہوئی اور دوسری جماعت احمدیہ کے خلاف ایک آئینی تعریفی ترمیم کرنے سے قبل بھٹو صاحب کے حکم سے ہوئی جسے تیسرے ہفتے عدالت عالیہ نے ناجائز قرار دے دیا) ایک اشاعت کے ناغے کا دھبہ بھی نہیں ہے۔الحمداللہ۔ثم الحمدللہ۔

''لاہور'' کی کہانی



آج کچھ دل میں میرے درد سوا ہوتا ہے۔کیوں نہ مختصراً ''لاہور'' کی کہانی ہی لکھ دی جائے۔جس پر گذشتہ پچاس سالوں میں ایسے وقت بھی آئے کہ مالیاتی کمزوری دیکھ کر ساتویں دن کی بجائے پندرھویں دن اِکٹھا پرچہ نکالنے کا قصد کیا۔مگر اُس مسبب الاسباب نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جو ہمارے وہم وگمان بھی نہ تھے۔سب سے پہلی بات تو یہ کہ ''لاہور'' کو پہلے چار پانچ سال اشتہارات ملتے رہے اس کے بعد بند ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم امور مملکت کو مقتدرین کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔بھٹو صاحب کے دور میں مصائب کا آغاز ہوا اور اب تک جاری ہے۔''تحفظ ختم نبوت'' والے بھٹو صاحب پر سوار تھے راؤ رشید (انسپکٹر جنرل پولیس کے دور میں اُن کے عزیز راؤ عبدالمنان آف سرگودھا کی) بھٹو صاحب سے ہاٹ لائن پر گفتگو ہوتی تھی۔اُن سے ''لاہور'' کے پرنٹر (ثاقب زیروی) اور پبلشر م۔ش (محمد شفیع میاں) کے خلاف سرگودھا کے ایک مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں ''ازالہ حیثیت عرفی'' کا کیس دائر کروایا گیا۔جس میں آؤ دیکھا نہ تاؤ مجسٹریٹ صاحب نے سمن اور وارنٹ بھجوانے کی بجائے ''وارنٹ گرفتاری'' جاری کر دیئے کیونکہ بھٹو صاحب اس کیس میں دلچسپی لے رہے تھے جو ہمیں

ہائیکورٹ سے معطل کرانے پڑے ۔ جب سرگودھا کے کیس میں ہزیمت فاش اُٹھائی تو ’’ڈیفنس آپ پاکستان رولز‘‘ لگا دیئے جن دو مقدمات میں 25 سال کی سزا تھی ۔ ہم ابھی ضمانت قبل از گرفتاری کیلئے ہائیکورٹ کا دروازہ کھٹکھٹا ہی رہے تھے کہ مارشل لاء لگ گیا۔’’ڈی پی آر‘‘ کا کیس ختم ہو گیا اور جنرل ضیاء الحق آ گئے ۔ جنرل ضیاء الحق نے نہ صرف اشتہارات بند کئے ، نیوز پرنٹ کا کوٹہ بند کیا، ٹی وی ریڈیو پر میرے لئے چٹخنیاں چڑھا دیں پبلک مشاعرے تک بند کر دیئے ۔ ’’جماعت احمدیہ‘‘ کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے بعد اہل صحافت نے یہ کرم فرمائی کی کہ ’’لاہور‘‘ کو قادیانی ہفت روزہ لکھنا شروع کیا ۔ حالانکہ مَیں قادیان کا رہنے والا نہیں اور نہ ’’لاہور‘‘ جماعت ہی کا پرچہ ہے ۔ نواز شریف صاحب سے پانچ کریمینل کیس بنوائے ۔ جب ’’ان کیسز‘‘ میں بریت ہی ہوئی تو نواز شریف صاحب نے ڈیکلریشن کی منسوخی کا آرڈر ڈپٹی کمشنر صاحب کو بھیج دیا جو ساڑھے چار سال تک چلتا رہا ۔ حتیٰ کہ جنرل ضیاء اپنے تیس جرنیلوں سمیت ’’عذاب النار‘‘ کی نذر ہو گئے ۔ اور ہماری جان چھوٹ گئی ۔ ہم نے تین ہزار کے سرمائے سے پرچہ نکالا تھا اس لئے ابتدائی چند سالوں میں تو حالت سخت ناگفتہ بہ رہی ۔ لاہور کے نمائندہ خصوصی کراچی میں ’’یوزیڈ تاثیر‘‘ تھے ۔ آخر وقت میں ریٹائرمنٹ کے بعد تو اُن کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی ۔ وہ ’’مسرت ڈائجسٹ‘‘ کے ایڈیٹر تھے ’’اپنا گھر‘‘ کے ایڈیٹر تھے ۔ سندھ گورنمنٹ ایمپلائز ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل تھے ۔ ہر مہینے میں کم از کم دس دن بیرونی ملکوں میں گزارتے تھے ۔ وہ ’’لاہور‘‘ کی کچھ رقم صرف کر بیٹھے ۔ ان سے دوستی بھی تھی بلکہ استادی وشاگردی کا رشتہ تھا ۔ انہیں لکھ نہیں سکتا تھا ۔ مگر ’’لاہور‘‘ کی حالت پتلی تھی ۔ جب صورت حال کچھ زیادہ ہی خراب ہو گئی تو مَیں نے منشی لال دین (کاتب) سے کہا کہ کیوں نہ اس دفعہ ناغہ کریں اور ایک کاپی بڑھا کر پندرہ دنوں کے بعد اکٹھا پرچہ شائع کر دیں ۔ مگر وہ قدرے متذبذب تھے کہ شاید مسبب الاسباب کوئی صورت بنا دے ۔ ایسے لمحے تو ہم پر کئی دفعہ آئے ہیں ۔ اور مَیں نے بھی آستانہ الوہیت پر سر رکھ دیا ۔ اگلے

دن کچھ مصروفیت تھی جب مَیں دفتر میں پہنچا تو منشی جی نے بتایا کہ ایک ڈاکیہ منی آرڈر لے کر آیا تھا ۔مگر آپ نہیں تھے۔اور وہ مجھے دے نہیں رہا تھا۔ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ ڈاکیہ پھر آ گیا ۔سات سو کا ''ٹی ایم او'' لے کر جو تاثیر صاحب نے بھیجا تھا۔مَیں نے الحمدللہ پڑھ کر تاثیر صاحب کو فوراً خط لکھا کہ ''شاید آپ نے واجب الادا رقم ادا کی ہو مگر حقیقت میں احسان فرمایا کہ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہم ہفت روزہ کی بجائے پندرھویں دن پرچہ شائع کرنے کا سوچ رہے تھے ۔''اور میرا خط ملنے کے بعد انہوں نے ''ٹی ایم او ہی کے ذریعے تین سو اور بھجوا دیئے'' اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔جو وقت پر کام آئے وہی اصل دوست ہوتا ہے۔

خلیفہءوقت کی نظروں میں ''لاہور'' کی اہمیت

یہ ذکر 1973ء کے آواخر کا ہے۔مَیں معمول کے مطابق خلیفہءوقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی بارگاہ میں پہنچا۔رسمی حال احوال کے بعد حسب ذیل گفتگو ہوئی: خلیفہءوقت ۔۔۔۔''تمہارے ''لاہور'' کا کیا حال ہے؟'' مَیں ۔۔۔۔۔۔''اچھا ہے مگر مَیں اُسے فروخت کر رہا ہوں ۔تھک گیا ہوں اکیس بائیس سال تو چلا لیا۔'' خلیفہءوقت ۔۔۔۔۔۔''کوئی خریدار بھی ہے یا اس کی سیل لگاؤ گے؟'' مَیں ۔۔۔۔۔۔''فلاں سیاست دان خرید رہا ہے چھ لاکھ دینے کو تیار ہے۔ذمہ داریاں Liabilities سب اس کی جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔'' خلیفہءوقت ۔۔۔۔۔۔''مگر اس چھ لاکھ کا کرو گے کیا؟'' مَیں ۔۔۔۔۔۔''مَیں نے سوچا ہے ایک کُتب خانہ قائم کروں گا۔دس کتابیں تو اسی ''لاہور'' ہی سے بن جائیں گی کچھ تبادلے میں آ جائیں گی ۔یوں کاروبار چل نکلے گا۔'' خلیفہء وقت ۔۔۔۔۔۔''تجویز تو اچھی ہے تم محنتی بھی ہو۔صحافت کا تجربہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور واقعی کاروبار چل نکلے گا میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مگر۔۔۔۔۔۔'' مَیں ۔۔۔۔۔۔''مَیں نے عرض کیا حضور اس مگر کے بعد بھی کچھ ارشاد ہو!'' خلیفہءوقت ۔۔۔۔۔۔''مَیں سوچ رہا ہوں کہ اگر

جماعت پر کوئی بحران آ گیا تو کیا اکیلا الفضل اس کا مقابلہ کر سکے گا۔" مَیں۔۔۔۔۔۔"تو حضور اگر آپ کے خیال میں واقعی کوئی بحران جماعت کو درپیش ہونے والا ہے تو میں اس ارادہ کو ترک کرتا ہوں۔" خلیفۂ وقت۔۔۔۔۔۔"ہاں بہتر ہے ترک ہی کر دو اللہ مالک ہے۔"

اور ستمبر 1974ء میں بحران آ گیا اور "لاہور" کو پندرہ سولہ قسطوں میں "روزنامچہ" شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔اس روز نامچے میں پنجاب کے تمام شہروں اور دیہات کی تاریخوار تفصیل تھی کہ کہاں کہاں احمدی قتل ہوئے۔کس شہر یا گاؤں میں کتنے مکان لوٹے، ڈھائے یا جلائے گئے۔کتنی بیت السجود ڈھائی یا جلائی گئیں۔جس کے نتیجہ میں دو ہزار کے لگ بھگ نوجوانوں کو صرف جرمنی میں پناہ Asylum ملی جواب خدا کے فضل سے Establish ہیں۔یعنی دو ہزار خاندان اللہ انہیں بیش از بیش خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔آمین گویا امام وقت کی نگاہیں اس بحران عظیم کو دیکھ رہی تھیں اور وہ نہ صرف خود سینہ سپر تھا۔اپنے خدام کو بھی اس بحران سے نمٹنے کیلئے تیار کر رہا تھا۔مَیں بیرسٹر مبشر لطیف کو ساتھ لے کر "زمان پلازا" میں جناب سلام صاحب ایڈووکیٹ کے پاس آیا۔انہوں نے حامی بھر لی اور ٹائپنگ وغیرہ کے پیسے بھی لے لیے لیکن تیسرے دن وہ مجھے اپنی گلی میں پھرتے نظر آئے۔میں بھاگ کر اُن سے ملا۔تو انہوں نے بتایا کہ "وہ پرسوں ہائی کورٹ کے جج کا حلف اُٹھا رہے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ اُن کا نائب اس کیس کو اچھی طرح نباہ سکے گا۔اس لیے میرا مشورہ یہ ہے آپ کوئی اور وکیل کر لیں۔" مَیں نے عرض کیا۔"کیا آپ کے خیال میں عابد حسن منٹو صاحب بہتر رہیں گے۔" فرمایا:"مَیں بھی آپ کو اسی کا مشورہ دینے آیا تھا۔" چنانچہ ہم منٹو صاحب سے ملے اور انہیں رٹ (ارجنٹ) دائر کرنے کو کہا۔عجیب توارد ہے کہ مَیں ایک دن وار آفس میں ڈیوٹی پر تھا۔مرکز سے فون آیا تو مَیں سمجھا کہ صاحبزادہ خورشید احمد بول رہے ہیں لیکن فوراً ہی مجھے احساس ہو گیا کہ یہ امام وقت کی آواز ہے۔مَیں نے عرض کیا کہ "بے تکلفی معاف۔مَیں صاحبزادہ خورشید احمد سمجھا تھا۔" حضور نے فرمایا:"ثاقب آپ

رٹ کیوں نہیں کرتے؟ کوئی کمیونسٹ وکیل کر کے رٹ داخل کر دو۔'' اس ارشاد کی تعمیل میں ہم پہلے سلام صاحب کو ملے اور پھر منٹو صاحب سے۔ تیسرے دن رٹ لگ گئی۔ جب مَیں ہائیکورٹ پہنچا تو رٹ کی سماعت ہو چکی تھی۔ منٹو صاحب نے تو اتنا ہی بتایا کہ ''حکم واپس لے لیا گیا'' مگر ایک سامع نے (جو عدالت میں سماعت کے وقت موجود تھا) بتایا کہ ''جب عدالت نے سماعت کے دوران ''ایڈووکیٹ'' جنرل کی طرف دیکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''حکم واپس لے لیا گیا ہے۔'' عدالت نے دریافت کیا ''حکم کب واپس لیا گیا ہے؟'' جواب ملا۔ ''رات بارہ بجے۔'' چنانچہ ''لاہور'' پھر چھپنے لگا۔

مولوی تاج محمود کے سِدھائے ہوئے

مولوی تاج محمود فیصل آباد کے معروف خطیبوں میں سے تھے وہ ''لولاک'' نام کا ایک پرچہ بھی نکالتے تھے جو بہت کم چھپتا تھا اور جس کا نصف وہ اعزازی طور پر ربوہ (چناب نگر) میں مختلف احباب کے نام ارسال کر دیتے تھے تا کہ کوئی جواب دے تو اُن کا باقی پرچہ بک سکے۔ اس لیے وہ ہر پرچے میں احمدیت اور احمدیوں کے خلاف ضرور لکھتے تھے۔ حضرت حافظ مرزا ناصر احمدؒ (امام جماعت احمدیہ) پانچویں چھٹے روز ضرور یاد فرما لیتے تھے اور مَیں اسے اپنی سعادت سمجھتا تھا اور ویسے بھی ان کی کرم گستری ایسی ہی تھی کہ ہر پانچویں چھٹے دن طبیعت حاضری کے لیے بے قرار ہو جاتی تھی اور مَیں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کو جا نام لکھواتا تھا ایک دفعہ مجھے اشتہارات کے لیے کراچی جانا پڑا۔ واپس لوٹا تو بیگم نے بتایا کہ ''حضور نے یاد فرمایا تھا۔'' اگلے دن صبح سویرے ہی ریل کار سے ربوہ جا دھمکا۔ چونکہ مَیں نے کراچی سے لوٹنے کی اطلاع کر دی تھی اس لیے میں پہنچا تو مولانا عبدالمالک خاں صاحب (مرحوم ومغفور) (ناظر اصلاح وارشاد صدر انجمن احمدیہ) اور ایڈیٹر الفضل حضور نے بلوائے ہوئے تھے جو حاضر خدمت تھے۔ مَیں پہنچا تو حضور نے پہلا سوال یہ فرمایا ''ثاقب کیا تم ''لولاک'' پڑھتے ہو؟'' جواب نفی میں تھا۔ ارشاد کیا۔ ''اس ہفتے کا ''لولاک''

تم نے دیکھا ہے؟'' جواب نفی میں تھا۔ارشاد ہوا۔تم ''لولاک'' کیوں نہیں پڑھتے ؟''''اس لیے حضور کہ وہ بہت کم چھپتا ہے۔فیصل آباد سے زیادہ ربوہ میں اعزازی طور پر بھیجا جاتا ہے''اوٹ پٹانگ'' احمدیہ عقائد لکھ کرتا کہ کوئی جواب دے تو بحث چلے اور باقی پرچہ بکے۔ویسے بھی مَیں اسے ''مذہبی پرچہ'' نہیں سمجھتا''۔فرمایا: ''کیا تم نے تازہ ''لولاک'' دیکھا ہے۔'''عرض کیا ''نہیں''حضور نے مجھے تازہ ''لولاک'' کا پرچہ تھما دیا۔میں نے ''لولاک'' کی صاحبزادہ لقمان احمد کے ہاں ''قبل از وقت'' پیدا ہونے والے بچے سے متعلق ''نوٹ نما خبر'' پڑھی مَیں جوں جوں پڑھتا جا رہا تھا میرے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔مَیں نے نوٹ نما خبر پڑھ کر عرض کیا'' مجھے اجازت دی جائے کہ مَیں اس کا جواب لکھوں جو''لاہور'' کے آئندہ شمارے ہی میں لکھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ پرچہ پرسوں مارکیٹ میں ہوگا۔''حضرت نے فرمایا:''آپ کے چہرے کا رنگ تو اس نوٹ کو پڑھ کر ہی تبدیل ہو گیا ہے مگر یہاں تو میرے توجہ دلانے پر بھی جوں تک نہیں رینگی۔''مجلس ختم ہوئی تو میں واپسی پر راستے بھر سوچتا آیا کہ کس انداز سے لکھا جائے کہ مولوی کو اس کی سازش کا مزا آ سکے۔مَیں نے واپس پر سب سے پہلے''لولاک'' کے نوٹ کے (جوں کی توں)''کمپوزنگ'' کرائی۔پھر''الفضل'' کی ''شادی کی خبر کی کمپوزنگ کرائی۔جس میں میں خود بھی شامل ہوا تھا۔بچہ پوری معیاد پر پیدا ہوا تھا۔دونوں اخباروں کی کتابت میں صرف فرق نظر آتا تھا۔دونوں مسطر پر چپا کر ایک اداریہ بھی لکھا جس کا عنوان تھا'' کاش تجھے تیری ماں نہ جنتی'' اس اداریہ میں اپنی سخت زبان کے عذر کے طور پر لکھا کہ ان مولویوں نے جماعت احمدیہ سے متعلق ''واہی تباہی'' بکنے کو عادت بنا لیا ہے۔جب یہ امام جماعت پر کیچڑ اُچھال سکتے ہیں تو ان کی چھچھوری تبرہ بازی سے دوسرے احمدی کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں۔اس تازہ ''لاہور'' کے منظر عام پر آنے کے کوئی دس بارہ دن بعد دونوں جوان (جن کے چہرے سے رعونت ٹپک رہی تھی اور نتھنے پھولے ہوئے تھے) دفتر''لاہور'' میں در آئے اور آتے ہی مجھ سے سوال کیا کہ ''ثاقب زیروی''

کہاں ہے؟ مَیں ’’کیا ان سے کوئی کام ہے؟‘‘ ’’جی ہاں! اس سے کام ہے۔ اس نے پچھلے ’’لاہور‘‘ میں حضرت مولانا تاج محمود صاحب سے متعلق بکواس کی ہے ہم اسے اس کی اس بکواس کا مزہ چکھانے آئے ہیں!‘‘ اس وقت میں اور منشی جی ہی دفتر میں تھے۔ مَیں نے منشی جی سے کہا ’’ذرا فائل تو مجھے دینا۔ مَیں بھی دیکھوں ثاقب صاحب نے حضرت مولانا تاج محمود صاحب مدیر ’’لولاک‘‘ کے بارے میں کیا لکھا ہے۔‘‘ منشی لال دین صاحب نے مجھے فائل دی۔ مَیں نے ’’لاہور‘‘ کا متعلقہ شمارہ دیکھا اور پھر ان نوجوانوں سے (جن کی چھوٹی چھوٹی داڑھیاں بتا رہی تھیں کہ وہ شاگرد پیشہ ہیں) کہا ’’کیا آپ ’’لولاک‘‘ کی تحریر پہنچانتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے ثاقب صاحب نے ’’لولاک‘‘ اور الفضل کی خبریں شائع کر کے اپنی طرف سے نوٹ لکھا ہے۔‘‘ اور فائل ان نوجوان کو تھما دی۔ ’’الفضل‘‘ اور ’’لولاک‘‘ کی اپنی تحریریں ان کی مخصوص کتابتوں میں شائع تھیں) جس نوجوان کو مَیں نے فائل دی تھی اس نے پڑھنے کے بعد دوسرے نوجوان کو تھما دی جس نے پڑھنے کے بعد حضرت مولانا کو ایک ’’غلیظ گالی‘‘ دینے کے بعد کہا ’’پہلاں پنگاں لے لیندا اے فیر سانوں شِشکار دیندا اے۔‘‘ اور چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ثاقب زیروی میں ہی ہوں چائے تو پیتے جائیں ان دونوں نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور کہا کہ ’’چائے تو آپ نے پلا دی‘‘۔ چند دن بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا ’’لولاک‘‘ نے معذرت کر لی ہے کہ ہمیں غلط خبر پہنچائی گئی۔‘‘

روزنامچے کی اشاعت کے بعد

لاہور کا وجود ہمیشہ ہی بھٹو صاحب کو کھٹکتا رہا انہوں نے پہلے مدیر ’’لاہور کو زیر بار احسان کرنے کے لیے دو کاروں کے پرمٹ بھجوائے جب شاہیں اس پر زیر دام نہ آیا تو سرگودھا میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر راؤ عبدالمنان سے (جو پنجاب میں) انسپکٹر جنرل پولیس راؤ عبدالرشید کے عزیز تھے۔ لاہور کے پبلشر اور پرنٹر کے خلاف ’’ازالہ حیثیت عرفی‘‘ کا ایک استغاثہ دائر کروایا اور

جب یہ سازش بھی نامراد ثابت ہوئی تو روزنامچہ کی اشاعت کی پاداش میں ''لاہور'' کے پبلشر (ثاقب زیروی) اور پرنٹر (میاں محمد شفیع عرف م۔ش) کے خلاف ''ڈیفینس آف پاکستان رولز'' کے تحت دو کیس تھانے میں رجسٹر کروا دیئے۔ جن میں سے ایک میں دس سال اور دوسرے میں پندرہ سال کی سزا تھی اور ''ڈی پی او'' کے تحت درج ہونے والے ان مقدمات کو بھٹو صاحب کے چہیتے اور اُن کی داد و دہش سے (ربوہ ریلوے اسٹیشن پر 29 مئی 1974ء کو برپا ہونے والے ایک جعلی فساد کو ہوا دینے والے) اخبارات نے خوب خوب ہی اُچھالا۔ اس روزنامچے میں جو کوئی پندرہ قسطوں میں شائع ہوا۔ تاریخ وار اور شہر وار اُن مظالم کی مختصر تفصیل دی گئی تھی جو اُن کے ڈیڑھ، دو ہزار (مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ، قتل عام اور تباہی و بربادی میں ماہر خرید کردہ کارندے) احمدیوں کے خلاف جگہ جگہ دھاڑتے رہے تھے۔ اور جن کے ثبوت کے طور پر ان تمام مظالم کے خلاف دائر کردہ ''ابتدائی اطلاعی رپورٹوں'' ''ایف آئی آرز'' کی نقول ادارہ لاہور کے پاس تھیں۔ ہمارے لیے اب کوئی چارہ باقی نہ تھا کہ مقدمات رجسٹر ہونے کی اطلاع ملتے ہی ''ضمانت قبل از گرفتاری'' کرائیں جو چوہدری عزیز احمد باجوہ (سینئر ایڈووکیٹ لاہور نے) اگلے ہی دن رِٹ ہائی کورٹ میں دائر کر دی۔ جو سماعت کے لیے ڈویژن بینچ میں لگی جس کے سربراہ ریٹائرڈ چیف جسٹس سید نسیم حسن شاہ اور ایم۔ ایس۔ ایچ قریشی تھے۔ سید نسیم حسن شاہ صاحب سے صرف اتنی ہی غائبانہ واقفیت تھی کہ وہ سید محسن شاہ صاحب کے صاحبزادے ہیں جو اُن دنوں زیر تعلیم تھے جب یہ خاکسار دو تین دفعہ اُن کی کوٹھی پر حضرت امام جماعت احمدیہ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا کوئی پیغام ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی'' سے متعلق لے کر جاتا رہا۔ البتہ م۔ش صاحب سے وہ خوب شناسا تھے۔ عجیب بات ہے کہ جس بنچ میں ضمانت کے لیے ہماری رٹ لگی۔ اسی میں راجہ منور احمد اور مسٹر حنیف رامے کے کیس بھی تھے جو اُن دنوں حکمران وقت کے زیر عتاب تھے اور باقاعدہ ہتھکڑیوں کے ساتھ عدالت میں لائے جاتے تھے۔ ہمارا کیس ان جج صاحبان نے کوئی چھ ماہ تک

سُنا اور سُنا بھی ایسا کہ شروع تک نہ کیا بس ہر دفعہ ڈیڑھ، دو ماہ کی تاریخ دے دی جاتی اور ایڈووکیٹ جنرل سے کہہ دیا جاتا کہ ہم نے ابھی سماعت شروع نہیں کی انہیں گرفتار نہ کیا جائے اور پولیس کو منع فرما دیتے جو ہر تاریخ ہتھکڑیوں کے ساتھ عدالت کے دروازے پر موجود ہوتی تھی۔ مَیں نے محسوس کیا کہ جسٹس نسیم حسن شاہ جرأت آفریں اور ہمت افزا ذو معنی اور معنی نگر تبصرے کرنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں اور اس انداز سے تبصرہ فرماتے ہیں کہ سرکاری عمال کی گردنیں ندامت سے جھک جاتی ہیں مثلاً جب پہلی پیشی ہوئی تو سید نسیم حسن شاہ صاحب نے دریافت فرمایا ''ملزم کہاں ہے؟Where is accused'' ''مَیں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ مائی لارڈ۔ ''مَیں ہوں ثاقب زیروی'' فرمایا: ''وہ ثاقب زیروی جو تحریک پاکستان میں اس ملک اور قوم کے ترانے گاتا رہا جس کی قومی نظموں کی بڑی دھوم رہی'' ''اور شریک الزام :Co-Accused'' اس پر میاں محمد شفیع عرف م۔ش کھڑے ہوئے اور عرض کیا ''مائی لارڈ'' ''م۔ش'' فرمایا: ''وہ!'' ''م۔ش'' میاں محمد شفیع (علامہ اقبال کا سیکرٹری) اس ملک اور قوم کے لیے دو دفعہ قید ہوئے۔۔۔۔ مسٹر ایڈووکیٹ جنرل! تحریک پاکستان کے ان دو جید کارکنوں سے بہتر لوگ ڈیفنس آف پاکستان رولز کیلئے مل سکتے ہیں بہرحال ہم آج سماعت نہیں کر رہے انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔'' کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد دُوسری پیشی ہوئی۔ اور سید نسیم حسن شاہ صاحب نے اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا ''مسٹر ثاقب زیروی! یہ جو روزنامچے میں آپ نے بعض تفاصیل شائع کی ہیں یہ واقعات کہیں ہوئے بھی ہیں یا آپ نے محض شعر ہی کہہ دیئے ہیں؟'' عرض کی۔ ''مائی لارڈ!

All these are facts اور ان تمام سانحات کی ابتدائی اطلاعی رپورٹوں کی نقول میرے پاس محفوظ ہیں'' فرمایا: " All these are facts and you are How simple you .dicussing the facts in the regeim are" یعنی یہ تمام باتیں حقائق پر مبنی ہیں اور آپ اس دور حکومت میں حقائق زیر بحث لا رہے ہیں

۔آپ بھی کتنے سادہ ہیں۔''مسٹر ایڈووکیٹ جنرل ان کی سادگی کی داد دیجئے ابھی ہم سماعت شروع نہیں کر رہے انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔''اور پھر دو ایک پیشیوں کے بعد چوہدری عزیز احمدؔ صاحب باجوہ (مرحوم ومغفور) کو بلوا کر کہا کہ ہمارے پاس تو ڈی پی آر میں ضمانت لینے کا اختیار ہی نہیں ہے۔آپ خاموشی سے درخواست واپس لے لیں ہم ایڈوکیٹ جنرل سے وعدہ لئے لیتے ہیں کہ انہیں گرفتار نہ کیا جائے اور چوہدریؔ صاحب نے ایسا ہی کیا۔مگر اوپر سے انسپکٹر جنرل پولیس کو بدستور گرفتاری کی ہدایت آتی رہیں یہاں تک کہ ایک دن قلعہ گوجرسنگھ کے تھانیدار صاحب آئے اور آئی جی صاحب کی ہدایت کے بارے میں بتایا۔مَیں نے انہیں اعتماد میں لے کر بتایا کہ ''ایدووکیٹ جنرل نے عدالت عالیہ سے گرفتاری نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔''وہ کہنے لگے''اگر یہی بات ایڈووکیٹ جنرل یا اُن کے نائب مجھے کہہ دیں تو مَیں تعمیل حکم سے بچ جاؤں گا۔''مَیں نے ہائی کورٹ بار میں پیغام بھجوایا۔چوہدری عزیز احمدؔ باجوہ اور اُن کے بھائی چوہدری محمد عبداللہؔ باجوہ ایک چھوٹی سے کار میں پہنچ گئے اور پھر مجھے اور تھانیدار صاحب کو لے کر ایڈووکیٹ جنرل اور اُن کے نائب کی کوٹھیوں کا کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک طواف کرتے رہے مگر دونوں میں سے کوئی نہ ملاحتیٰ کہ تھانیدار صاحب نے کہا''چوہدری صاحب آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔مجھے یقین ہے اب زیادہ تردد نہ فرمائیے۔مَیں آئی جی صاحب کو یقین دلا دونگا۔''اللہ اللہ جب وہ مالک الملک اپنے کسی بندے کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو کسی طرح اپنے فرشتہ سیرت بندوں کو اس کی امداد کی تاکید فرما دیتا ہے۔

پی این اے کی تحریک زوروں پر تھی۔بھٹو صاحب انتخابات پر مجبور ہو گئے تھے۔لاہور 32 ملکوں میں جاتا ہے اور ملکوں کے سفراء کی طرف سے انہیں روزنامچے کی تفاصیل پر کئی ملکوں کی طرف سے احتجاج کی اطلاعات مل رہی تھیں۔تنگ آ کر انھوں نے حکم دیا کہ ہمیں گرفتار کر لیا جائے ۔پولیس کی ایک باقاعدہ نفری آئی اور مجھے لے گئی پھر م۔شؔ صاحب کو بھی پریس سے لے لیا۔قلعہ

گوجرسنگھ کا تھانہ اُن دنوں زیرِ تعمیر تھا۔ اس لئے انسپکٹر صاحب نے ہم ملزموں کے لئے ایک خیمہ نصب کرا رکھا تھا جس میں ایک میز، دو کرسیاں اور ایک چارپائی تھی۔ اتنے میں منشی لال دین صاحب نے ہمارے وکلاء کو پیغام بھجوادیا۔ اُن میں سے تین تو ہمارے پاس پہنچ گئے وہ ہوم سیکرٹری سے ملنے چلے گئے اور ایک ایڈووکیٹ جنرل سے جا ملے۔ شام اُتری تو ایس۔ ایچ۔ او صاحب خیمے میں تشریف لائے اور کہا کہ ’ہمارے یہاں کوئی حوالات نہیں ہے۔ ہمیں آپ کو بہرحال سول لائینز کے تھانے میں بھیجنا ہوگا مگر میرا خیال ہے لکھت پڑھت نہ ہی کریں۔ آپ اپنے گھروں میں جا کر آرام کریں۔ کل ساڑھے نو سے 10 بجے آجائیں اور ٹربیونل میں ضمانت کیلئے درخواست دیتے آئیں۔‘‘ عرض کیا۔ ’’کیا آج ہمیں آپ ہماری مرضی سے لائے تھے یا اپنی مرضی سے اور کیا کل کوئی آپ کا اہلکار وہاں آئے گا یا ہم خود ہی آجائیں۔‘‘ جواب ملا۔ ’’ہمارا کوئی اہلکار گیا تو سو باتیں بنیں گی۔ آپ باعزت لوگ ہیں ہم آپ پر اعتماد کرتے ہیں آپ خود ہی آجائیں۔‘‘ مَیں م۔ش صاحب کے یہ کہنے پر کہ چار پانچ دن ہماری ضمانت نہیں ہوگی آخر بڑے صاحب کا حکم ہے گھر آکر رات بھر اگلے ہفتے کا پرچہ تیار کرتا رہا اس کے بعد نوافل کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ گرفتاری نہیں ہوگی۔ کوئی پونے نو بجے کے قریب م۔ش صاحب آگئے اور میں اُن کے اصرار کے باوجود ساز و سامان کے بغیر اُن کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پریس میں پہنچے، چائے منگوائی، کوئی ساڑھے نو بجے مرزا نصیر احمد اور چوہدری اعجاز نصر اللہ خاں ایڈووکیٹ پہنچ گئے ہم نے کہا۔ ’’آپ چائے پی کر جائیں گے یا آکر پییں گے؟‘‘ وہ جلد ہی تھانے کو چلے گئے جب لوٹے تو اُن کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی تھا۔ کہنے لگے۔ انسپکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ: ’’گرفتاری نہیں ہوگی۔ آج ساڑھے آٹھ بجے صبح بھٹو صاحب کے سیاسی مشیر جناب (محمد حیات ٹمن) کا فون آیا ہے کہ گرفتاری نہ ڈالی جائے۔‘‘

سرکار بنام ثاقب زیروی، محمد شفیع (م۔ش)

''لاہور'' فنون پریس (رائل پارک لاہور) میں چھپتا تھا۔ جب حکومت 'لاہور' کی بے لوث اور بے باک تنقید سے تنگ آگئی تو اس نے پنجاب ریلیشنز کے ڈائریکٹر کو 'لاہور' بند کرانے کے لئے کہا، اُن دنوں ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز مسٹر جاوید اختؔر تھے جو بعد میں ''ڈائریکٹر جنرل'' بنا دیئے گئے ۔انہوں نے فنون پریس کے مالک بشیر علی موجدؔ کو بلا کر ڈرایا دھمکایا اور پریس ضبط کرنے کی دھمکی دی۔ مُوجد صاحب یرک گئے اور انہوں نے تعلقات عامہ کے دفتر سے آتے ہی نہ صرف مجھے (بحیثیت پبلشر) بلکہ پریس برانچ کو بھی اطلاع کر دی کہ وہ آئندہ لاہور نہیں چھاپیں گے۔ مَیں اور میاں محمد شفیع صاحب (عرف م۔ش) جاوید اختر صاحب سے ملے تو اُنہوں نے وعدہ کیا کہ وہ پریس برانچ کو جلد تبدیلی پریس کی منظوری دینے کی ہدایت کریں گے۔ لیکن عملاً وہ خوش تھے کہ فنون پریس نے ''لاہور'' چھاپنے سے انکار کر دیا ہے۔ ''م۔ش'' صاحب نے مجھے تسلی دلائی کہ وہ ''لاہور'' چھاپیں گے اور ہم نے نہ صرف عارضی منظوری کے لئے پریس برانچ کو لکھ دیا یا باقاعدہ فارموں پر ''پاکستان پرنٹنگ ورکس'' میں لاہور کی اشاعت کیلئے بھی درخواست پیش کر دی ہے مگر حکومت تو جیسے ''لاہور'' کی بندش پر تُلی ہوئی ہے۔ ڈائریکٹر صاحب نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور اور سینئر سپرینٹنڈنٹ آف پولیس کو لکھ بھیجا کہ ''لاہور'' نے ویسٹ پاکستان آرڈیننس 1963 کے پریس اینڈ پبلیکیشن کی دفعہ 5/56 کی خلاف ورزی کی ہے لہٰذا اس کا ڈیکلیریشن منسوخ کرنے کے علاوہ اُسے اس خلاف ورزی کی سزا دی جائے۔''

چنانچہ 9-07-85 کو لوئر مال پولیس اسٹیشن سے دو سپاہی وارنٹ گرفتاری لے آئے اور 5000/-روپے کے مچلکے پر مسٹر بشیر احمد ناصرؔ (مجسٹریٹ درج اول) کی عدالت میں 14-07-85 کو حاضر ہونے کی تحریر لے کر چلے گئے۔ مَیں نے اپنے وکلاء میرزا نصیر احمدؔ اور حمید اسلم قریشی کو اطلاع کی، سارے حالات بتائے تو انہوں نے 04-08-85 کو ایک

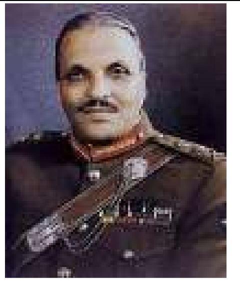
درخواست زیر دفعہ 249۔اے (تعزیرات پاکستان) عدالت میں پیش کی کہ ”یہ کیس بنتا ہی نہیں کیونکہ پبلشر نے نہ صرف عارضی منظوری کیلئے درخواست دے دی تھی بلکہ ”پاکستان پرنٹنگ ورکس“ کے مینجر میاں محمد شفیع (عرف م۔ش) اور ’لاہور‘ کے پبلشر (ثاقب زیروی) نے باقاعدہ فارموں پر مستقل منظوری اشاعت کے لئے درخواست بھی دے دی ہوئی ہے۔ پولیس برانچ کا فرض بنتا تھا کہ اگر اُن کا ارادہ منظوری دینے کا نہ تھا تو کم از کم پرنٹر اور پبلشر کو اطلاع ضرور دیتے کہ منظوری نہیں دی جاسکتی اور کیوں؟“ چونکہ سرکاری چالان کیس تھا اس لئے ڈسٹرکٹ اٹارنی جنرل نے ملزموں کو سزا دلانے کی بھرپور کوشش کی مجسٹریٹ صاحب کے پاس کچھ نان جوڈیشل کام بھی تھے اس لئے کوئی پونے دو سال تک تاریخوں پر تاریخیں پڑتی رہیں بالآخر بحث ہوئی۔ اور اس مقدمے میں جو ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز کی چٹھی پر درج ہوا تھا۔ بالآخر عدالت نے اپنے حکم میں لکھا کہ

"I there fore come to the conclusion that there had been no contravention of section 5 of the ordinance, hence penalty prescribed under section 56 cannot be imposed, because of the admitted of the facts of the case and the relavent law discussed above, the charge against the petitioner is groundless and there is no probability of the accused being convicated of any offence. They are therefor, acquitted".

یہ فیصلہ اس قدر جامع اور حقائق پر مبنی تھا کہ ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز صاحب کو اس کی اپیل کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی!

”لاہور“ اور جنرل ضیاء الحق

مرکز تُلا ہوا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو ”لاہور“ کا ڈیکلریشن منسوخ ہونا چاہیے کیونکہ جنرل ضیاء الحق جو خود کو قادر مطلق سمجھتے تھے (نعوذ باللہ) وہ اپنے اقدامات پر نرم تنقید بھی برداشت کرنے



کو تیار نہ تھے۔ اسکی ہدایت پر لاہور کی سیکرٹیریٹ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب لاہور کولکھ بھیجا کہ ''لاہور'' کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیں۔''

مگر یہ منسوخی مشروط ہوتی ہے معتوب کو سننے اوراس کی حاضری سے۔ چنانچہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحبان کی عدالتوں میں حاضری کا سلسلہ شروع ہوا۔ایک دوتین۔ ہر دفعہ کسی نہ کسی عذر پر تاریخ لے لی جاتی۔اسی عرصہ میں مجھے ہر نیا کا آپریشن کرانا پڑا۔ پھر چیک اَپ کیلئے لنڈن جانا پڑا۔میڈیکل سرٹیفیکیٹ پیش ہوتے رہے۔ سب سے پہلی پیشی سردار احمد شیر صاحب اے ڈی سی کے رُو برو ہوئی (جو بعد میں اٹک کے ڈپٹی کمشنر ہوکر چلے گئے)مَیں نے اُن کے مشورے پر دوروپے کےکورٹ فیس پر یہ درخواست دی کہ'' مَیں ڈائریکٹر تعلقات عامہ سے ملنا چاہتا ہوں ۔شائد وہ اپنی کاروائی پرنظر ثانی کے لئے تیار ہو جائیں۔''مِثل واپس چلی گئی اور مَیں نے 28 جولائی 85ءکوڈائریکٹر تعلقات عامہ کی خدمت میں نظرثانی کیلئے ایک درخواست بھی دیدی سردار احمد شیر تبدیل ہو گئے تو اختر علی مونگا آ گئے اُن سے بھی تاریخیں لیتے رہے پھر ایک اور اے ڈی سی صاحب پیش ہوتے رہے لیکن چونکہ ''لاہور'' چھپ رہا تھااور پریس برانچ میں جاتا تھا اسلئے انہیں اس بات کی تکلیف تھی کہ یہ پرچہ کیوں چھپ رہا ہے چنانچہ پنجاب سیکرٹیریٹ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کولکھا کہ وہ خود اس کیس کی سماعت کریں اورجلدازجلد'لاہور' کو بند کریں۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی خدمت میں بُلاوے پر 29 اپریل 87ءکو مَیں اورم ۔ش دونوں پیش ہوئے ہمارے ساتھ چاروکلاء بھی تھے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے پاس اس دن سماعت کیلئے 31 کیس تھے انہوں نے حکمِ خاص پر 30 پر تاریخیں دلوا دیں مگر ہمارا کیس سماعت کے لئے رکھ لیا مگر ہم یہی چاہتے تھے کہ اُن تیس مقدمات کی طرح ہمیں بھی تاریخ ہی مل جاتی ۔پیشی پر مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے سیکرٹری

اطلاعات کی خدمت میں بھی یہ معروضات پیش کی ہیں

1۔ فنون پریس کے مالک نے بغیر کوئی وجہ بتائے لاہور کی اشاعت بند کر دی تھی۔

2۔ جس پر ہم نے عارضی منظوری کیلئے د درخواست بھی دے دی تھی اور

3۔ مستقل ڈیکلیریشن کے لئے باقاعدہ فارموں پر درخواست بھی دی تھی۔

مَیں اور میرا پرنٹر (م۔ش صاحب) سیکریٹری صاحب سے ملے بھی تھے انہوں نے ہماری درخواست ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز کو بھجوا دی تھی مگر اس درخواست کا کیا نتیجہ نکلا ہمیں معلوم نہیں۔ اب آپ نے حکم دیا ہے تو ہم حاضر ہو گئے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) صاحب نے ساری فائل کا مطالعہ کیا اور پھر سٹینو کو بلوا کر لکھوایا کہ معتوبین کی درخواست میں بہت سے قانونی نکات اُٹھائے گئے ہیں۔ ان کا جواب دیئے جانے سے قبل ''لاہور'' کا ڈیکلیریشن منسوخ کرنا بہتر نہ ہوگا اس لئے جو نکات ''لاہور'' کے پبلشر اور پرنٹر نے اپنی درخواست میں اُٹھائے ہیں پہلے ان کا جواب دیا جانا ازحد ضروری ہے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے فائل لوٹا دی۔۔۔ 21اپریل 87ءکو فائل لوٹائی گئی تھی۔ جس کا کوئی جواب سیکرٹری اطلاعات اور ڈائریکٹر جنرل (تعلقات عامہ) پنجاب سے بھی نہ بن آیا۔ حتیٰ کہ جنرل ضیاء الحق کے متعلق خبر آ گئی کہ وہ ''عذاب النار'' کی نذر ہو گئے ہیں اور یوں ''لاہور'' کی اشاعت پر کوئی قدغن نہ لگائی جا سکی۔

نواز شریف کی وزارت عالیہ کے دور میں



نواز شریف کا دور وزارت عالیہ دراصل ملاؤں کا دور تھا جو ہوم سیکریٹری (پنجاب) کی مدد کرتے تھے اور جنہیں احمدیوں کی ہر حرکت زیر دفعہ 298 سی نظر آتی تھی۔ ہوم سیکرٹری ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو لکھتے تھے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ متعلقہ تھانے کو لکھتے تھے۔ ایس ایچ او کی کیا مجال کہ وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم کے مطابق ''ایف آئی آر'' نہ کاٹے۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ

مجسٹریٹ صاحب کے حکم کی تعمیل میں علامہ نیاز فتحپوری (مدیر شہیر ماہنامہ نگار لکھنؤ) کراچی کے ایک مضمون پر 1990ء کے نئے سال کی ابتداء ہی میں ثاقب زیروی (مالک و ناشر ہفت روزہ ''لاہور'') اور طابع (میاں محمد شفیع عرف م۔ش) کے خلاف ایف آئی آر درج ہوئی۔حکم تھا کہ ''ایف آئی آر'' درج کر کے اس کی نقل ان کے دفتر میں بھجوا دی جائے۔اسی طرح 6 جنوری 1990ء کو ایف آئی آر نمبر 6(1990ء) زیر دفعات 295الف، 298سی ت رپ درج ہوئی جو''لاہور'' کے شماروں (27 مئی 1989ء۔3 جون 1989ء۔17 جون 1989ء اور یکم جولائی 1989ء) سے متعلق تھی جن میں ملاں حضرات کو ان جرائم کا ارتکاب نظر آیا تھا۔''لاہور'' چونکہ تنہا نگار صحافت کا مجلہ تھا اور م۔ش بیماری کے باوجود مجھ سے تعاون فرمارہے تھے اور پرچہ ہر کھینچا تانی کے باوجود چھاپ رہے تھے اس لئے ان کے لئے بھی وکلاء ضامنوں اور ضمانتوں کا اہتمام مجھے ہی کرنا پڑتا تھا۔چونکہ ان دنوں اس ہفتہ وار کے ایڈیٹر کو ہراساں کرنے کیلئے ضمانت طلبی کے نوٹسوں کی بھرمار رہتی تھی اور اکثر ہر پندرہویں دن ہم دونوں کو چیف سیکریٹری۔ہوم سیکریٹری کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ایک دفعہ جو حاضری ہوئی تو اس کے خاتمے پر''م۔ش'' صاحب کو ایک ''ذاتی گفتگو'' کے لئے روک لیا گیا۔میری غیر حاضری میں جو بات چیت چیف سیکریٹری صاحب اور م۔ش صاحب میں ہوئی۔م۔ش صاحب نے مجھے راستے میں بتائی۔م۔ش صاحب نے بتایا کہ چیف سیکریٹری صاحب مجھ سے کہنے لگے۔

''مجھے تو شرم آتی ہے آپ کو بار بار یوں بلواتے ہوئے۔آپ یہ پرچہ چھاپنا ترک کیوں نہیں کر دیتے۔خواہ مخواہ کیوں اذیت اُٹھا رہے ہیں؟ اور مَیں نے جواباً عرض کیا کہ''لاہور کے معاملہ میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔وکیل ایڈیٹر صاحب خود کرتے ہیں ضامن خود تیار کرتے ہیں ضمانت بھی خود کرواتے ہیں۔اگر کہیں جانا پڑے تو مجھے ٹیوٹا میں بیٹھا کر لے جاتے ہیں وہاں مرغ مسلم سے میری تواضع کرتے ہیں۔میرا کام تو اخبار اور دیگر دستاویز چھاپنا ہی ہے اس کے برعکس''فلاں''

پرچہ میرے ہاں چھپتا ہے اس نے کوئی خط مردان کے کسی خاں کے متعلق چھاپ دیا تھا جس نے ’’ ازالہ حیثیت عرفی‘‘ کا استغاثہ دائر کر دیا (مردان میں) پولیس آئی اور مجھے اور ایڈیٹر صاحب کو ہتھکڑی پہنا کر لے گئی رات سول لائنز پولیس سٹیشن میں کٹی۔صبح سویرے بس میں بیٹھے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی وہ تو اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مجسٹریٹ مجھے جانتا تھا اُس نے فوراً ہماری ضمانت لے لی۔ضامن بھی خود تیار کئے ۔اب بتایئے مَیں کس طرح ’’لاہور‘‘ چھاپنا بند کر سکتا ہوں‘‘۔ لوئر مال پولیس اسٹیشن والا کیس اے۔سی (صدر) کے پاس لگا تھا۔ملاؤں کو تو احمدیوں کی ہر حرکت 298 سے اور 295 الف نظر آتی تھی اس لئے وہ ہوم سیکریٹری صاحب کو یہی مشورہ دیتے تھے اور ہمارے وکلاء کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ سب سے پہلے درخواست دیا کرتے تھے کہ صاحب یہ جرم تو بنتا ہی نہیں۔ چنانچہ لوئر مال کے کیس میں بھی ایسی درخواست دے دی گئی میرے ایک مہربان نے مجھ سے بڑے تذبذب سے کہا ’’ماڈل ٹاؤن کا ’’اے۔سی‘‘ میرا مہربان ہے اگر آپ اجازت دیں تو مَیں ان سے کہوں کہ وہ صدر کے اے۔سی صاحب سے بات کریں۔‘‘ میں نے اجازت دے دی۔ دو ایک دن بعد وہ تشریف لائے تو مجھے بتایا کہ اے۔سی (صدر) صاحب نے جواب دیا کہ ’’مقدمے میں تو کچھ نہیں ہے لیکن ثاقب زیروی ایک بڑا معروف احمدی ہے۔ اگر اُسے چھوڑ دوں تو مَیں بھی احمدیوں کے ساتھ بریکٹ ہو جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے مَیں یہ کیس کسی مجسٹریٹ کو منتقل کر دوں۔‘‘ اگلے دن ہماری پیشی تھی گیارہ بجے جب دھوپ نے تنگ کرنا شروع کیا تو مَیں نے مکرم حمید اسلم قریشی صاحب (ایڈووکیٹ) سے کہا ’’بھائی ریڈر کو کچھ دے دلا کر تاریخ ہی لے لو۔ اے۔سی صاحب تو آنے سے رہے۔ وہ کہنے لگے ’’مکرم مرزا نصیر احمد صاحب (ایڈووکیٹ) کو آنے دیجئے انہیں ان اہل کاروں سے معاملہ کرنا آتا ہے۔‘‘

مرزا صاحب تشریف لائے تو ان سے ریڈر صاحب کو ملنے کے لئے کہا گیا وہ گئے اور چند منٹ بعد باہر آ گئے۔ کہ کیس تو مجسٹریٹ جاوید اقبال صاحب کی عدالت میں منتقل ہو گیا ہے اور اے۔سی

صاحب قبضہ گروپ والوں کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ اٹھائیس دن ضمانت نہیں ہوئی۔ جاوید اقبال صاحب ایسے مجسٹریٹ تھے جو علامہ نیاز فتح پوری کو نہ جانتے تھے۔ چنانچہ انہیں ان سے روشناس کرانے کے لئے ماہنامہ ''نگار'' کا ایک نمبر پیش کرنا پڑا۔ جس میں علامہ نیاز فتح پوری کا وہ مضمون وعنوان ''تاریخ اسلام میں کنیزوں کا اقتدار'' شائع شدہ تھا۔ یہی مضمون ''لاہور'' کے 22 جولائی 1989ء میں نقل ہوا تھا جس پر ملاں لوگ تاؤ کھا گئے۔ دوران سماعت ایک ایسا واقعہ بھی ہوا جس سے مجسٹریٹ صاحب کی نیک نیتی ظاہر ہوتی تھی۔ مجسٹریٹ صاحب عدالت میں دس بجے کے قریب آنے کے عادی تھی جبکہ ہمیں ان کی عدالت میں ساڑھے سات بجے پہنچ جانا ہوتا تھا ایک دن مَیں کھڑا کھڑا تھک گیا تو حمید اسلم قریشی صاحب ایڈووکیٹ نے مجھے عدالت میں ایک خالی پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا مجسٹریٹ صاحب تشریف لائے مقدمات کی سماعت شروع ہوئی یہاں تک کہ ہماری باری آ گئی ہمارے وکلاء کے ساتھ ملزموں کو نہ دیکھ کر مجسٹریٹ صاحب نے سوال کیا کہ

''Accused کہاں ہیں۔'' مَیں اُٹھا اور سامنے آیا تو مجسٹریٹ صاحب بولے کہ'' آپ ملزم ہیں اور بیٹھ گئے ہیں'' مَیں نے عرض کیا کہ'' مَیں دراصل کھڑا کھڑا تھک گیا تھا۔ قریشی صاحب کے کہنے پر بیٹھ گیا۔'' اتنے میں مرزا نصیر احمد صاحب نے حوالوں کی بوچھاڑ کر دی کہ'' یہ مجرم نہیں ملزم ہیں اور ملزم بیٹھ سکتا ہے۔'' شکر ہے کہ مجسٹریٹ صاحب نہ صرف رام ہو گئے۔ کسی قدر شرمندہ بھی ہوئے اور حکم کیلئے تاریخ بھی دے دی۔ جب ہم پہنچے تو وہ شیعہ کانفرنس میں ڈیوٹی کیلئے گئے ہوئے تھے۔ اور پھر جو تشریف لائے تو 30 ستمبر 1991ء کو ثاقب زیروی اور م۔ش صاحب کو بری کر دیا۔ دوسرا مقدمہ ذرا دلچسپ تھا جو نیازی صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں تھا۔ جہاں تیس سیڑھیاں پھلانگ کر جانا پڑتا تھا۔ بیرسٹر مبشر لطیف صاحب نے نواب اوصاف علی خان صاحب ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سے ضمانتیں کروا دیں۔ مگر میرا بڑا لڑکا طاہر محمود احمد بہت مضطرب تھا۔ اسے

کسی نے بتایا تھا کہ ’’مجسٹریٹ نیازی صاحب مولوی عبدالستار نیازی کے عزیز ہیں۔ وہ م۔ش صاحب کوتو رہا کردیں گے کہ وہ مولوی عبدالستار نیازی کا دوست ہے مگر آپ کو سزا دے دیں گے۔‘‘

میرا ہر دفعہ یہی جواب ہوتا تھا کہ ’’جب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو دھمکیوں کا کیا ڈر‘‘ جو لوگ کریمینل مقدمات کی سماعت سے آگاہ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ دو تین پیشیاں رسمی قسم کی ہوتی ہیں۔ تیسری پیشی پر ہمارے وکلاء یہ درخواست پیش کرنے والے تھے کہ م۔ش صاحب کو حاضری سے مستثنیٰ کردیا جائے کیونکہ وہ بیمار ہیں۔ معلوم ہوا کہ مقدمہ منتقل ہوگیا ہے اور سی ایس پی ’’اے۔سی‘‘ محترمہ ناہید شاہ جیلانی کی عدالت میں لگ گیا ہے۔ وکلاء نے جب باہر آکر یہ بتایا تو میرے منہ سے بے ساختہ بلند آواز سے ’’الحمدللہ‘‘ نکلا۔ جس پر م۔ش صاحب نے کہا۔ ’’بھائی بڑے زور سے الحمدللہ کہا ہے۔‘‘ مَیں نے جواباً عرض کیا کہ ’’مجھے ’’انجائنا‘‘ کی شکایت ہے اور وہ عدالت سیڑھیوں والی نہیں ہے۔‘‘ ہم اگلی پیشی میں محترمہ ناہید شاہ جیلانی کی عدالت میں جا پہنچے۔ نہ جانے کس شریف النفس کی بیٹی تھیں کہ ایک دفعہ بھی ملزموں کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ ملزمان کے وکلاء نے ضابطہ فوجداری کی 249 الف کے تحت (حسب معمول درخواست دے رکھی تھی بحث کے دوران ہمارے وکلاء (حمید اسلم قریشی صاحب اور مرزا نصیر احمد) نے نظائر پیش کئے۔ بالآخر مرزا نصیر احمد نے کہا کہ ’’کسی اخبار، یا ہفت روزہ کو کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ ہفت روزہ ’’لاہور‘‘ کے ایڈیٹر اور پبلشر گو احمدی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا ہفت روزہ ’’لاہور‘‘ بھی احمدی ہے یہ تو اکثر سکھوں، بوہروں، اسماعیلیوں اور زرتشتیوں کے مضمون چھاپتے رہتے ہیں حالانکہ یہ نہ سکھ ہیں نہ بوہرے نہ اسماعیلی اور نہ زرتشتی پھر دوسرے ملزم (م۔ش) مسلمان ہیں ۔ انہوں نے شائع شدہ مضامین کے متعلق بھی وضاحت کی دوران سماعت ایک دن مجھے خواب میں نظر آیا کہ میں زیرہ ضلع فیروز پور میں ہوں۔ سڑک ویران ہے اور اس پر ایک بڑا لمبا چوڑا ’’سانپ‘‘ چلا آرہا ہے۔ اتفاق سے میرے دونوں وکیل میرے ساتھ ہیں اور مَیں ان سے کہتا ہوں کہ اس

سانپ کو ماریں مگر وہ ایک پجیرو پر چڑھ جاتے ہیں اور میری آنکھ کھل جاتی ہے اگلے دن مکرم حمید اسلم قریشی مرحوم مجھے لینے آئے کہ ’’مَیں زیادہ چل پھر نہیں سکتا تھا۔‘‘ مَیں نے انہیں خواب سنائی اور کہا کہ

’’اگر آج محترمہ نے فیصلہ سنایا تو ہمیں ’’جرمانہ‘‘ ضرور ہوگا۔ کیونکہ بہرحال ’’سانپ‘‘ دیکھا ہے اور اس کا خواب میں دیکھنا کوئی اچھی بات نہیں‘‘ مگر محترمہ نے ہمیں ایک ہفتے کی تاریخ دے دی یہ کہہ کر کہ ’’مَیں تھک گئی ہوں آج فیصلہ نہیں سنا سکتی۔‘‘ اگلے دن پھر قریشی مرحوم صاحب جب مجھے ملنے آئے تو سب سے پہلا سوال کیا کہ کیا کوئی خواب آئی۔ عرض کیا۔ ’’خواب آئی ہے اور مَیں نے اس کی یہ تعبیر کی ہے کہ ہم آج ’’بری‘‘ ہو جائیں گے۔ کہنے لگے خواب تو سناؤ۔ مَیں نے کہا۔ ’’مَیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ چند خدام میرے پاس آئے ہیں یہ خواہش لے کر کہ مَیں ان سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی باتیں کروں۔ انہوں نے گو کچھ نہیں کہا یہ میرا احساس ہے اور مَیں ان سے کہتا ہوں کہ حضرت خلیفہ الثالث نے فرمایا۔ ’’ثاقب کل تمہارا یوم پیدائش ہے‘‘ اور میری آنکھ کھل گئی اور میرے منہ سے نکلا کہ کل تو ہماری تاریخ ہے۔ اگلے ہی لمحے میرے دل نے کہا کہ پیدایش کے وقت تو انسان ’’معصوم‘‘ ہوتا ہے۔ گویا ہم بری ہو جائیں گے باعزت!‘‘ جب ہم عدالت پہنچے تو اے۔ سی صاحبہ نے ہمیں 27 اکتوبر 1991ء کو بری کر دیا اے۔ سی صاحبہ شریف النفس تھیں۔ مَیں اکثر رکشہ پر اپنے دفتر جاتا ہوں۔ ایک دن جو میں دفتر جا رہا تھا تو سامنے سے ایک چھوٹی کار آ رہی تھی جس کی ڈرائیور کوئی خاتون تھیں مَیں نے رکشہ ڈرائیور سے کہا کہ ’’تم مجھے یہیں اُتار دو بیشتر اس کے کہ اس بی بی سے تمہاری ٹکر ہو جائے۔‘‘ مَیں ہائی کورٹ کے ٹرنر روڈ والے دروازے سے ذرا پرے اُتر گیا۔ مگر کار بھی رُک گئی اور اس میں سے وہی اے۔ سی صاحبہ (ناہید شاہ جیلانی) نکل آئیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں! ’’ثاقب صاحب آج آپ ہائی کورٹ میں پھر رہے ہیں؟‘‘ ان کا خیال تھا کہ آج یہاں بھی ان کی کوئی پیشی ہے! میں نے

عرض کیا ''بی بی یہاں گلیکسی لاء چیمبرز میں میرا دفتر ہے۔ میں اپنے دفتر جارہا تھا'' تو مَیں نے محسوس کیا کہ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا ہے۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بطن زمیں میں سینکڑوں خورشید ہیں پنہاں
کیوں اپنے دل سے عظمت انساں اُٹھائیے

اعلان مصلح موعود



جب خلیفۃ المسیح الثانی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو (ٹمپل روڈ لاہور) پر رویاء میں باوضاحت یہ بتا دیا گیا کہ موعود مصلح آپ ہی ہیں تو جماعت نے اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کو ملک بھر میں پھیلانے کا پروگرام بنایا اور ملک کے چار بڑے شہروں (ہوشیار پور، لدھیانہ، دہلی اور لاہور) میں عظیم الشان جلسوں کا اہتمام کیا گیا۔ نقشہ جات کی تیاری میں مصروف ہونے کے باعث ہوشیار پور کے ابتدائی جلسہ کا تو پتہ نہ چل سکا گو اس کی روح آفریں یادوں نے دل کو از حد محرومی کے قلق میں مبتلا کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے لدھیانہ کے جلسہ میں شرکت کی سعادت بخشی جس کے دوران اس زور کی بارش ہوئی کہ سجدے ناک اور کان بند کر کے پانی ہی میں کئے جاتے تھے اور پھر دہلی کے جلسہ میں اللہ تعالیٰ نے بھرپور شرکت کی سعادت عطا فرمائی۔ بے شک دہلی کا جلسہ اپنی حیثیت میں اہم ترین بھی ثابت ہوا اور تاریخی بھی اور اگر وقفوں وقفوں سے لاؤڈ اسپیکر برہم نہ ہو جاتا تو امام ہمام واقعی دہلی کو ہلا دیتے۔ مَیں نے اور چوہدری حمید اللہ خان (ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج) نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ جلسہ سنیں گے کچھ دیر محمد بشیر زیروی (میرے چھوٹے بھائی) کے پاس ٹھہریں گے اور رات کو گاڑی پر سوار ہو کر علی الصبح واپس پہنچ جائیں گے۔ لیکن حالات اور مخالفین کے شور شرابے نے ایسا نہ ہونے دیا۔ بات بڑھتی گئی حتیٰ کہ ہاتھا پائی، دھینگا مشتی اور باقاعدہ جلسہ گاہ پر حملہ کی صورت اختیار کرتی چلی گئی۔ ابھی جلسہ گاہ میں

حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد تلاوت کلام پاک ہی فرما رہے تھے کہ مخالفین احمدیت نے ایک زیروزبر کے عذر لنگ کی بنا پر شور شرابا کرنا شروع کر دیا۔ چند جوشیلے نوجوانوں نے (جو بہت دور دراز علاقوں سے جلسہ کی سماعت کیلئے آئے تھے) ان شورہ پشتوں کو نکال باہر کیا بس پھر کیا تھا وہ دوڑے شہر بھر میں گھومے اور سینکڑوں مزید شورہ پشتوں اور تخریب کاروں کو ساتھ لے آئے۔ اور آتے ہی عورتوں کے پنڈال پر حملہ کر کے دو خدام میاں محمد احمد سلمہ اور چوہدری مشتاق احمد باجوہ کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد تو باقاعدہ ہلڑ بازی، سنگباری اور مخاصمت کی صورت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے سینئر جج حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں نے پولیس کو اس شور شرابے کی اطلاع دی جہاں سے ایک نھو رام نامی مجسٹریٹ آئے گارڈ کے ساتھ مگر جب انہوں نے شورہ پشتوں کا جم غفیر دیکھا تو معذرت کرنے لگے بلکہ زور دینے لگے کہ ”آپ جلسہ بند کر کے چلے جائیں۔“ اس پر قائد خدام حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے انہیں کہا کہ ”مَیں آپ کو ان شور شرابے کرنے والوں کو منتشر کرنے کیلئے پانچ منٹ دیتا ہوں اور آپ دیکھیں گے کہ سنگباروں کا یہ مجمع منتشر ہوسکتا ہے۔“

نیز پنڈال کے باہر مامور 35 خدام کو حکم دیا کہ وہ آگے آجائیں اور صف باندھ لیں۔ پھر دو منٹ کے بعد فرمایا تین قدم اَور آگے آجایئے اور پھر ایک منٹ کے بعد ”بزن“ کا حکم دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے دونوں طرف چودھری ظہور احمد (سابق ناظر دیوان) اور چودھری ناصر الدین محمود احمد (سابق آڈیٹر تحریک جدید) اور میرا بھائی محمد بشیر زیروی اور ہمارا مزارعہ محمد مراد تھا جس کے ہاتھ میں کوئی سوا چھ فٹ کے قریب لمبا ”کھونڈا“ تھا جو شورہ پُشت مولویوں کی پیٹھوں پر نوبت کی سی آواز کے ساتھ پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ آدھ گھنٹے سے بھی کم وقت میں پارک صاف ہوگئی اور شورہ پُشت جن کا مقصد محض تماش بینی تھا ”ہارڈنگ لائبریری“ کے چوک کی طرف بھاگ گئے اور دوکانوں کے تھڑوں پر جا کر پرے جمالئے۔ اب سوال یہ تھا کہ شام گہری ہوتی جارہی تھی۔ دھندلکا

گھمبیر ہوتا جا رہا تھا۔غیر احمدی خواتین کثیر تعداد میں تشریف لائی ہوئی تھیں جلسہ سننے کیلئے ۔انہیں ان کے گھروں میں بحفاظت کس طرح پہنچایا جائے ۔ چنانچہ اس کے لئے بسیں منگوائی گئیں اور سب سے پہلی بس پر ہم چار خدام کی ڈیوٹی لگی ۔ثاقبؔ زیروی، محمد بشیرؔ زیروی، چودھری صلاحؔ الدین اور (سابق مبلغ فرانس) ملک عطاءؔ الرحمٰن صاحب جونہی ہماری یہ بس ہارڈنگ لائبریری کے چوک پر پہنچی ایک شورہ پشت نے تان کر میرے سر پر ہا کی ماری اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ’’سالا گھوم گیا‘‘ ٹوپی کے نیچے سے خون بہتا دیکھ کر فوراً ایک ماں ، بہن یا بیٹی نے اپنا دوپٹہ یا ساڑھی پھاڑ کر میرے سر پر باندھ دیا۔ مَیں نے محترم ملک صاحب کو حملہ شروع ہو جانے کی اطلاع دی اور انہوں نے ’’بزن‘‘ کا حکم دے کر باقاعدہ جوابی حملے کا آغاز کرا دیا۔جس کے بعد چند ہی منٹوں میں عملاً میدان صاف ہو گیا کچھ لوگ سامنے کی سڑک کی طرف بھاگے اور کچھ ریلوے اسٹیشن کی طرف جن کے پیچھے پیچھے تعاقب میں مَیں اور میرا چھوٹا بھائی محمد بشیرؔ زیروی تھے۔لیکن تھوڑے سے تعاقب کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ بھاگنے والے لوٹ رہے ہیں اور ہمیں دیکھ کر گلیوں کوچوں میں چھپنے شروع ہو گئے ہیں ۔اِدھر اُدھر سے جو پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ ریلوے اسٹیشن کے جھٹکیٹوں سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ ’’پنجابی ہندوستانی‘‘ کی لڑائی ہو گئی اس لئے وہ علاقائی رشتے کے آڑ میں برہم ہو کر انہیں مارنے لگے ہیں ۔اس کے بعد پولیس حرکت میں آئی دونوں طرف سے 151 / 107 ت ہ کے تحت افراد گرفتار کئے گئے ۔ ہمارے کم ان کے دوگنا سے زیادہ۔ جماعت کی طرف سے جناب فضل رحیمؔ پراچہ یا فضل کریمؔ پراچہ ہمارے قائد مقرر ہوئے اور ان کے بعد فہرست میں ہم تینوں کے نام تھے۔(ثاقبؔ زیروی، محمد بشیرؔ اور محمد مراد) تھانے پہنچے تو ایک سکھ ہیڈ کانسٹیبل سے سابقہ پڑا جو ضلع فیروزؔ پور کے شہر نما قصبہ فیروزؔ شاہ کا رہنے والا تھا جسے عرف عام ’’فُیرُ وشہرُ‘‘ کہا جاتا تھا اس نے پہلے ہماری فہرست بنانی شروع کی ۔ پہلے ہمارے قائد کے کوائف لکھے اس کے بعد ثاقبؔ زیروی۔ساکن زیرہؔ ضلع فیروز پور پھر محمد بشیرؔ۔ساکن زیرہؔ ضلع فیروز پور اور پھر محمد مرادؔ ساکن

زیرہ ضلع فیروز پور تو قلم رکھ دیا اور کہنے لگا ''اوئے تسیں اینا ں ''چڑ کٹیاں'' نوں کٹّن واسطے ایڈی دوروں چل کے آئے اوں'' اور محفل زعفران زار ہوگئی۔ محمد بشیر تو دہلی میں تھے ہی محمد مراد فارغ تھا صرف ایک میں سرکاری ملازم تھا جو بغیر چھٹی کے آیا تھا اس لئے پرچہ ختم ہونے تک توقف کرنا اور دلی ٹھہرنا پڑا۔ واپس پنڈال میں آئے تو محترم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے مرہم پٹی کی جو میری والدہ محترمہ نے ''انتقال آبادی'' تک بطور تبرک سنبھال کر رکھی پھر دوسرے سازوسامان کے ساتھ وہ بھی نسیاً منسا ً ہوگئی۔ زیرے میں میرے دوست اسلام الدین تحصلیدار تھے خان بہادر ڈائریکٹر زراعت (پنجاب) مولوی فتح الدین کے صاحبزادے انہیں بے حد تشویش ہوئی انہوں نے میرے افسر سے درخواست تو کر دی لیکن سرکاری ملازمت سے غائب ہو جانے کی انہیں اس قدر فکر لاحق تھی کہ انہوں نے اپنے دو ایک سکھ دوستوں خصوصاً دلیپ سنگھ کے ذریعہ معلوم کرایا کہ اصل وجہ کیا ہے۔ جس پر مَیں نے ان کے نام ایک نظم بعنوان ''داستانِ غم'' لکھی جو الفضل (انٹرنیشنل) میں بھی چھپ چکی ہے جس کے دو ابتدائی شعر یہ تھے:

لے سن اسلام دلی کے سفر کی داستان غم
بڑا پُر ہول تھا ہنگامۂ بیتاب کا عالم
ان آنکھوں سے بڑے دلدوز منظر دیکھ آیا ہوں
حقیقت کے سمجھنے کو بڑا سامان لایا ہوں

اور آخری شعر

تو پھر اس مظہر خُلق برائے نام سے توبہ
مجھے یہ کُفر بہتر ہے ترے اسلام سے توبہ

امام وقت کے حضور

گنڈا سنگھ والا سے بغیر کچھ کھائے پیئے قصور کی طرف روانہ ہو پڑے اور قصور پہنچ کر ہیجڑوں کے

سرخیل کے مزار کے پاس قیام کیا۔ گو اس کیمپ کی خوراک وغیرہ کا انتظام ''ملک غلام محمد فلور ملز'' والوں کا تھا مگر دوکانداز ''شیخان قصور'' نے تین دن کے بھوکوں کو جو باسی تر باسی اشیاء فروخت کرنی شروع کیں تو افواہ پھیل گئی کہ گیارہ کے قریب افراد ہیضے کی نذر ہو گئے ہیں یہ صورت حال دیکھ کر مَیں نے اپنے ساتھیوں سے عرض کیا کہ وہ چند گھنٹے بھوک اَور برداشت کرلیں مَیں شہر جاتا ہوں اور اُن کے کھانے کے لئے کچھ لاتا ہوں۔ مگر جب حضرت امی جان کے نیفے سے بیس روپے نکلوا کر مَیں شہر کو روانہ ہو پڑا تو خیال آیا کہ تمہاری ہیئت کذائی تو یہ ہے کہ پاؤں سوجے ہوئے ہیں۔ تمہارے پاس نہ کوئی برتن ہے نہ کپڑا آخر تم پانچ آدمیوں کا کھانا کیسے لاؤ گے اس پر مجھے خیال آیا کہ مَیں ملک صاحب کی فلور ملز میں جاؤں اور وہاں سے برتن وغیرہ لے کر (اگر وہ مجھے پہچان جائیں) تو کھانا وغیرہ لے آؤں اور مَیں گرتا پڑتا اُفتاں خیزاں فلور ملز میں پہنچ گیا۔ بڑے ملک صاحب اکثر ملز کے بڑے دروازے کے پاس موڑھوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ مَیں کھڑکی کے راستے اندر داخل ہوا ''سلام علیک'' کی۔ ایک منٹ کے توقف کے بعد پہچان گئے فرمایا ''ثاقب ہے ---جی ثاقب ہے!---اسی طرح ؟ ---جی اسی طرح --کہنے لگے '' حضرت مولوی صاحب آپ کی والدہ محترمہ، بہنیں بھائیوں کی کوئی خبر؟'' عرض کیا '' ہم پانچ بلکہ سوا پانچ کنارے لگے ہیں ابا جان، امی جان، میری بیوی، مَیں، میرا بھائی، اور میرا بچہ!--تو وہ کہاں ہیں؟--- ہیجڑوں کے سرخیل کے مزار کے نیچے۔'' انہوں نے فوراً ملک عبدؔالرحیم (اپنے سب سے چھوٹے فرزند) کو آواز دی اور پوچھا ''حضرت مولوی صاحب کو پہچانتے ہو؟---کیوں نہیں؟--نوکروں سے کہو کہ وہ پیرا اکبرؔعلی صاحب والی فلیٹ میں قالین وغیرہ بچھا دیں اور خود کار لے کر جاؤ اور ان سوا پانچ افراد کو لے آؤ اور کسی سے کہو کہ ثاقب صاحب کا منہ ہاتھ دُھلا کر کھانا کھلائے۔'' ہمیں یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ مَیں نے آرام سے کھانا وغیرہ کھایا اور پھر ملک صاحب سے عرض کیا 'اب میرے ساتھی محفوظ ترین ہاتھوں میں ہیں۔ اگر آپ اجازت دیدیں تو سُنا ہے کہ کچھ دیر بعد ایک گاڑی

لاہور کو جانے والی ہے اُس سے لاہور چلا جاؤں۔'' اجازت مل گئی۔ یہ مال گاڑی تھی اور وہ بھی زیادہ تر کوئلے سے لدی ہوئی جو ہر اسٹیشن پر آدھ پون گھنٹہ ٹھہرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ خُدا جھوٹ نہ بلوائے۔ گاڑی رات کے ڈیڑھ دو بجے لاہور پہنچی جب شہر پر کرفیو نافذ تھا۔ مجھے خواب معلوم تھا کہ میرے تھانیدار دوست (چوہدری حفیظؔ احمد اور چوہدری محمد امینؔ) کہاں ہوتے ہیں اردلی کہاں سوتے ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ تیسری منزل کی چھت پر ایک چھوٹی سی چارپائی بچھی رہتی ہے۔ مَیں اسٹیشن پر چائے پی کر چھپتا چھپاتا کے۔ بیؔ چشتی کے مکان واقع دل محمدؔ روڈ پر پہنچ گیا اور چپکے سے اوپر جا کر سو گیا اور پھر نا جانے کب تک سویا رہا اس عرصے میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کے بھائی چوہدری شکر اللہ خاں (شاید پیچش کے باعث) اُوپر بیت الخلاء میں آئے گئے بالآخر انہوں نے حفیظؔ صاحب سے کہا'' اُوپر کون مردود سو رہا ہے۔ بس سو رہا ہے۔ مَیں شاید چھ یا سات دفعہ اُوپر آیا گیا ہوں وہ بے سُدھ سو رہا ہے۔'' چوہدری حفیظ احمد صاحب نے کہا'' چوہدری صاحب اُوپر کون ہوسکتا ہے۔ ہم دونوں نیچے ہیں۔ دونوں اردلی نیچے ہیں۔ آپ نیچے ہیں کسی کی اتنی جرأت کہ وہ اوپر جا سکے اچھا مَیں دیکھتا ہوں۔'' وہ اُوپر آئے تو مجھے پایا۔ لپٹ گئے، رونے لگے جب اُن کے آنسوؤں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی تو مَیں نے بھی آنکھ کھولی اور سب سے پہلا سوال کیا کہ'' کیا وقت ہے؟'' کہنے لگے'' ساڑھے چار بج گئے ہیں۔ اُٹھو نیچے چلتے ہیں۔ مَیں پانی گرم کرتا ہوں۔ نہالو، کپڑے بدل لو۔ اور پھر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں چلیں گے۔ مَیں انہیں بہت غلط اطلاع دے بیٹھا ہوں۔'' نیچے آئے تو چوہدری حفیظؔ احمد صاحب نے ساتھیوں کو میرے بچ کر آنے کی خوشخبری سُنائی۔ پانی گرم کیا۔ اپنی قمیض شلوار اور سلیپر دیئے اور پھر میز پر چائے لگا کر کہا کہ پہلے آدھا کپ چُسکیاں لے کر پیو۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ چوہدری شکر اللہ خاں صاحب میری کُرسی کے پائے کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے ہیں اور کہہ رہے ہیں میرے پاؤں پکڑ کر'' ثاقبؔ صاحب مجھے معاف کر دیں مَیں اس کُتیا زبان سے بہت بکواس کر بیٹھا ہوں'' مَیں نے عرض

کیا'' آپ نے مجھے تو یاد نہیں میرا کوئی قصور کیا ہو۔ بہر حال آپ فرماتے ہیں تو اللہ آپ کو بھی معاف کرے مجھے بھی بس بھول جایئے غلط فہمی میں انسان بہت کچھ کر بیٹھتا ہے۔'' اس کے بعد ہم شیخ بشیر احمدؔ صاحب کی کوٹھی واقع ٹمپل روڈ کی طرف چلے۔ جب ہم پہنچے حضور مغرب کی نماز پڑھ کر باہر نکل رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑی۔ ایک قدم آگے نکل گئے۔ پھر لوٹے اور فرمایا'' ثاقب تم ہو'' عرض کیا۔'' جی حضور!'' بلبلا کر گلے لگا لیا اور دیر تک پیار کرتے رہے جب حضور اندر چلے گئے تو چوہدری حفیظؔ احمد صاحب نے جذبات میں کہا'' اگر مجھے یقین ہو کہ حضور مجھے بھی اس طرح گلے لگا کر پیار کریں گے تو مَیں لٹنے کو تیار ہوں۔'' مَیں نے کہا'' میرے بھائی ایسا نہ کرو۔ ایسی خواہش نہ کرو۔ بس جب پڑتی ہے تو گذر جاتی ہے۔ یہ مولا کے رنگ ہیں جنہیں وہ چاہتا ہے مصائب کی بھٹی سے گزارتا ہے۔''

جماعتی وقار۔'' بغیر حساب''

بفضلہٖ تعالیٰ یُوں تو حضرت المسیح الثانی کی جماعتی زندگی کے ہر پہلو پر بڑی گہری نظر رہتی تھی لیکن جماعتی وقار کا پہلُو ان تمام محسوسات پر غالب تھا۔ جماعت غریب ہے، چندوں پر چل رہی ہے لیکن وہ خُدا کی نظروں میں بڑی عظیم ہے اس لئے اس کی عظمت میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ مَیں جن ایام میں وکالت تبشیر ربوہ میں تھا اور بعض کام درد صاحب کی ہدایات کے تحت پر بھی کرتا تھا۔ ایک روز حضور نے مجھے یاد فرمایا اور کہا کہ'' دیکھو یہ تین خط پہنچانے ہیں مکتوب علیہم تک۔'' جن میں سے چوہدری غلامؔ عباس اور سردار محمد ابراہیمؔ کے نام تھے'' یہ پہنچا کر جواب لے آؤ۔'' مَیں جانے لگا تو فرمایا'' ان کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔'' مَیں نیچے آیا۔ پرائیوٹ سیکریٹری صاحب نے کام کی نوعیت پوچھی بھی مگر مَیں طرح دے گیا۔ نہ دردؔ صاحب ہی سے ذکر کیا۔ مجھے ان دنوں ستر روپے الاؤنس ملتا تھا۔ جس میں سے مَیں پچاس گھر بھیج دیا کرتا تھا۔ مَیں واپس گھر آیا تو کچھ دیر توقف کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا عزیزؔ احمد صاحب سے ملا اور عرض کیا کہ'' مجھے دوسو روپے درکار ہیں۔ مَیں آپ کو دس

روپے ماہوار قسط ادا کر دونگا۔'' بات مَیں نے انہیں بھی نہ بتائی کیونکہ حضور نے تو تاکیداً فرمایا تھا کہ'' اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا لیکن جماعتی وقار ضرور قائم رہنا چاہیے کہ تم امام جماعت احمدیہ مرزا محمود احمدؓ کے نمائندے کی حیثیت سے جا رہے ہو۔'''' لہٰذا ذاتی سفر کسی طرح بھی کرو بس میں۔ تانگے میں یا چھکڑے میں لیکن جب تم ایبٹ آبادؔ۔ پشاورؔ۔ یا مظفر آبادؔ پہنچو تو سب سے اونچے ہوٹل میں ٹھہرو۔ پرائیوٹ کار لو۔ فون کرو اور وقت مُعین کر کے ملو۔'' مَیں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' پیسے'' کا معاملہ حل ہو گیا تو میری سب سے بڑی اُلجھن دُور ہو گئی اور مَیں اگلے دن صبح ہوتے ہی اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ کام ہو گیا تو پانچویں دن لوٹ آیا اور آ کر رپورٹ حضور کی خدمتِ بابرکت میں پیش کر دی۔ پھر اس پر جب کوئی دو ماہ گذر گئے تو ایک دن رات کے وقت عبدالرحمٰن انورؔ صاحب کو بڑی پریشانی کے عالم میں خود کو تلاش کرتے پایا۔ عرض کیا'' خیر تو ہے؟'' کہنے لگے'' حضور بظاہر بڑے غصے اور حیرت میں ہیں آپ چلیں۔'' مَیں دردؔ صاحب محترم اور سید ولی اللہؔ شاہ صاحب کو لے کر آیا۔ مَیں پہنچ گیا بلکہ میرے پہنچنے کے ساتھ یہ دونوں بزرگ بھی پہنچ گئے۔ مَیں نے درد صاحب سے عرض کی کہ'' مجھے بتا دیں کہ کیا بات ہے۔'' مگر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ انہیں ہرگز معلوم نہیں۔ اتنے میں مجھے بلوا لیا گیا اور یہ دونوں بزرگ آخری سیڑھیوں پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا'' مَیں نے تمہیں فلاں کام کے لیے بھیجا تھا؟ ۔۔

حضور وہ تو ہو گیا تھا۔ مَیں نے حضور کی خدمت میں اس کی رپورٹ بھی پیش کر دی تھی ۔۔۔ کتنے پیسے خرچ ہوئے تھے ۔۔۔ شاید ایک سو چالیس یا ایک سو اکتالیس روپے'''' کس سے لئے تھے؟ ۔۔۔ حضور کسی سے نہیں! ۔۔۔ پرائیویٹ سیکریٹری سے لئے یا دردؔ صاحب سے'''' مگر حضور نے تو فرمایا تھا کہ کسی سے اس کا ذکر نہیں کرنا ۔۔۔ آخر خرچ تو ہوا کیسے کیا۔ کہاں سے لیا۔ تمہارا ایڈوانس تو اتنا نہیں ہے۔'' عرض کیا'' حضرت صاحبزادہ مرزا عزیزؔ احمد صاحب ہمارے فیروز پورؔ میں علاقہ مجسٹریٹ بھی رہے ہیں اور اے۔ ڈی۔ ایم بھی اُن سے لئے تھے دس روپے ماہوار قسط پر

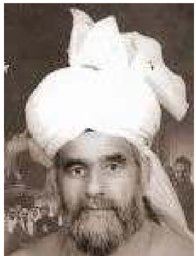
۔‘‘فرمایا’’تو گویا یہ سارا سلسلہ ’’بغیر حساب‘‘ ہی چلتا رہا‘‘ اس کا کوئی جواب مجھ سے بن نہ سکا۔’’ اچھا ٹھہرو۔‘‘ اندر گئے اور ایک بھرا ہوا ہاتھ کرنسی نوٹوں کا لائے۔ مَیں نے بھی جھولی پھیلا دی رُخصت ملنے پر سیڑھیوں میں تینوں بزرگ میرے انتظار میں تھے۔ کہنے لگے تبدیل کرلو عرض کیا۔ صرف پانچ پانچ کے تین نوٹ تبدیل کرسکتا ہوں۔ یہ کُل سات سوا کاون یا سات سو باون روپے کے کرنسی نوٹ تھے۔

مشکل حل ہوگئی

مَیں حضور کے پریس اتاشی کے فرائض ادا کر رہا تھا۔ ایک دن مجھے بلوایا گیا۔ نہیں معلوم کون سی اُلجھن اس اظہار کا پس منظر تھی۔ حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد نے مجھے بلا کر کہا۔’’ چونکہ قادیان میں ہمارا سامان لُوٹنے والے یہ لوگ نہ تھے اس لئے ہم نے رتن باغ کا سارا سامان انہیں دے دیا تھا صرف پلنگ رہ گئے جو وہ ساتھ لے جا نہ سکے۔ مگر ان پلنگوں کے لئے بستر بھی تو چاہئیں جو پورے تو کیا ہمارے پاس اُدھورے بھی نہیں ہیں اس لئے ایسا کرو کہ سمن آباد سے ڈاکٹر حسنؓ صاحب کو ساتھ لو اور لنڈے سے اچھے صاف ستھرے کمبل خرید کر انہیں دھلواؤ۔‘‘ اور اس حکم کی تعمیل حرف بہ حرف ہوئی۔ نیز فرمایا’’ مَیں نے سنا ہے کہ ایل ڈی اے کا سیکرٹری تمہارا دوست ہے۔ عرصہ ہوا اُم ناصرؓ کے نام پر ہم نے ایک پلاٹ خریدا تھا جس کے بارے میں اب کچھ یاد نہیں۔ اگر وہ پلاٹ نِکل آئے تو شاید اُسے فروخت کر کے کچھ ضرورتیں پوری ہو جائیں۔‘‘ عرض کیا’’ وہ میرا تو صرف دوست ہے مگر اپنے آپ کو حضور کا بھتیجا بھی تو کہتا ہے حضور متحدہ پنجاب کے ڈائریکٹر زراعت خان بہادر مولوی فتح الدینؓ کو تو جانتے ہوں گے۔‘‘ حضور نے فرمایا’’ ہاں وہ تو ہم سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔ گرمیوں میں ڈلہوزی جائیں تو وہ ایک دفعہ دعوت ضرور کرتے تھے۔‘‘’’ اسلامؓ (سیکرٹری ایل ڈی اے) انہی کا فرزند اکبر ہے۔ مَیں اُسے کل شام کو حضور کی خدمت میں لے آؤں گا۔‘‘ اسلام آیا اور حضور کی خواہش اور کوشش کے باوجود حضور کے برابر صوفے پر نہیں بلکہ نیچے

قالین پر بیٹھا۔ حضور نے اُس سے پلاٹ کا ذکر کیا تو اُس نے حضرت اُم ناصرؓ کا نام نوٹ کر لیا اور کہا کہ ''مَیں انشاء اللہ پچھلے بیس سال کا ریکارڈ کھنگال ڈالوں گا۔'' اور پھر اُس نے اس سلسلہ میں دن رات ایک کر دیئے۔ سرکاری دفتروں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض نے کمشنر سے جڑ دی کہ سیکرٹری صاحب تو ایک پلاٹ کے لئے جو کسی مرزائیہ کا ہے باؤلے ہوئے پھر رہے ہیں کمشنر نے خود ایک دن اُن سے کہا ''اسلام تم مرزائی تو نہیں ہو گئے یہ پلاٹ کا کیا چکر ہے'' اسلام نے جواب دیا۔ ''اگر ہو گیا ہوں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پلاٹ خرد برد کر لیا جائے یہ بات تو شرافت، انصاف اور دیانتداری کے صریحاً خلاف ہے اور اگر حکومتیں بھی ایسا کرنے لگیں تو عوام الناس کیا نہ کریں گے؟'' الحمدللہ بالآخر وہ پلاٹ مل گیا اور اقتصادی مشکلات ایک حد تک حل ہو گئیں۔

احکامِ اسلام کی افادیت



غالباً 16 ستمبر 1948ء کو حضرت مولانا جلال الدین شمسؓ نوراللہ مرقدہ نے ''مشاورتی مجلس'' میں جماعت ہوئے احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز کا نام ربوہ تجویز کیا جس کے بعد 25 ستمبر کو امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی قیادت میں اکابر جماعت کے ایک قافلہ نے ربوہؔ کا افتتاحی دورہ کیا جس کے چند ہفتے بعد ربوہؔ ہی میں حضور نے پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں درج ذیل مقتدر صحافیوں نے شرکت کی مولانا عبد المجید سالکؔ مدیر انقلاب، فیض احمد فیض ایڈیٹر پاکستان ٹائمز، باریؔ علیگ بی آئی ایسؔ، عبداللہ بٹؔ (برٹش انفارمیشن سروس)، جمیل الزمانؔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ)، صدیقیؔ صاحب نمائندہ سٹار، میاں محمد شفیع (عرف م۔ش) پروفیسر محمد سرورؔ (ہفتہ وار آفاق) بشیر احمد (سفینہ) صالح محمد صدیقؔ (مغربی پاکستان) اور سردار فضلیؔ (روزنامہ احسان) وغیرہ ہم انہی دنوں میں گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی نے جوہر آباد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ لاہور میں انہی دنوں قندیلؔ اور چٹانؔ کے علاوہ ایک بڑا ہی

ثقفہ ہفت نامہ آفاقؔ بھی شائع ہوتا تھا جو سنجیدہ حلقوں میں کافی معروف ومقبول تھا۔اس کے ادارۂ تحریر میں پروفیسر سرورؔ جامعی ۔میاں محمد شفیعؔ (م۔ش) اور چوہدری علی محمدؔ خادم شامل تھے۔ڈاکٹر تاثیرؔ مرحوم اس میں ہفتہ وار ڈائری لکھا کرتے تھے۔اپنی ایک ڈائری میں انہوں نے لکھا کہ ’’گزشتہ ہفتہ جوہرآبادؔ کا سنگِ بنیاد گورنر موڈیؔ نے رکھا ہے اور انہی دنوں میں مرزا بشیر الدین محمود احمدؔ نے جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز کا افتتاح کیا ہے۔دیکھیں ان دونوں شہروں میں سے کون سا پہلے آباد ہوتا ہے۔‘‘حضور کی نگاہوں سے یہ ڈائری گزری تو مجھے بلوایا اور فرمایا۔’’ابھی جا کر تاثیر صاحب سے کہہ آؤ کہ ربوہ پہلے آباد ہوگا‘‘ اور ہوا بھی۔چند ہی دنوں میں وہاں کچے دفاتر اور مکانوں کی تعمیر شروع ہوگئی۔اور چند ہی ماہ میں تمام مرکزی دفاتر اور جماعت کے امام تک ان کچے مکانوں میں منتقل ہوگئے۔اور اب تو بفضلہٖ تعالیٰ ربوہ ایک پختہ شہر ہے اس میں جا بجا سایہ دار اور پھلدار درخت ہیں۔سبزہ بنجر قدیم زمین کے کلر کو کھا گیا ایک عظیم ہسپتال ہے ریلوے اسٹیشن ہے ،تھانہ ہے،ٹاؤن کمیٹی ہے اور ریذیڈنٹ مجسٹریٹ بھی ،لڑکوں اور لڑکیوں کے کالج اور ہائی سکولز ہیں ،ایک وسیع وعریض ’’دارالضیافت‘‘ کے علاوہ پانچ فائیو سٹار ہوٹلوں جیسے مہمان خانے میں ایک عظیم الشان خلافت لائبریری ہے، نیز صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے سیکرٹریٹ ہیں ، بیرونی ممالک کیلئے مبلغین تیار کرنے کا تعلیمی ادارہ جامعہ احمدیہ ہے۔دسیوں تعلیمی وتربیتی ادارے ہیں۔ ربوہ سے روز نامہ الفضل کے علاوہ ماہنامہ خالد، ماہنامہ انصاراللہ، ماہنامہ مصباح ، ماہنامہ تشحیذ الا ذہان اور ماہنامہ تحریکِ جدید شائع ہوتے ہیں نیز عالمگیر جماعت احمدیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے ربوہ کو بین الاقوامی نوعیت کی شہرت وعظمت حاصل ہے۔ہفتہ وار آفاق کا ذکر چھڑا ہے تو شاید یہ بات بھی بے محل نہ ہو کہ ایک دن جناب م۔شؔ نے مجھ سے ’’آفاق‘‘ کی امداد کیلئے کہا تو مَیں نے عرض کیا کہ ’’ایسا دو ہی طریقوں سے ہوسکتا ہے۔اول یہ کہ میں گاہے گاہے اس کے لئے مضمون لکھا کروں۔جو لکھتا رہتا ہوں دوسرے یہ کہ اپنے حلقہ احباب میں اس کی خریداری کی تلقین کروں جس

کیلئے تیار ہوں اور کرتا بھی رہتا ہوں۔'' ''رہی بات جماعت کی! اول تو ایک مذہبی جماعت کو ایک سیاسی پرچے سے کیا رغبت ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی لُٹی کھٹی جماعت پر ایک بھرے ہوئے شہر کی آبادی و آبادکاری کا بوجھ ہے۔ اور سربراہ جماعت کی ساری توجہ ان دنوں ربوہ آباد کرنے پر مرتکز ہے۔'' اس کے بعد ربوہ کی آبادی و آبادکاری کی باتیں ہوتی رہیں جن کے آخر میں طے پایا کہ مَیں وقت لے لوں تو کسی دن امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔ ربوہ ہی کے بارے میں چند وضاحتیں مطلوب ہیں چنانچہ مقررہ دن کو ہم شام کے وقت ربوہ پہنچ گئے پروفیسر سرور جامعیؔ ، جناب م۔ شؔ اور مَیں۔ حضور کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کھانے پر ملاقات ہوگی۔ لاہور سے ربوہ تک کہ سفر میں اپنے دونوں ہمسفروں سے میں بیرونی مشنوں کی ورکنگ اور ''تحریک جدید'' کے مطالبات کے بارے میں گفتگو کرتا آیا تھا کہ تحریک جدید نے ساری جماعت کی زندگیوں کا رُخ سادہ زندگی، سادہ لباس اور سادہ خوراک کی طرف موڑ دیا ہے۔ رات کو کھانے پر حاضر ہوئے۔ فرشی دسترخوان بچھا مگر میرے دونوں ساتھی یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ دسترخوان پر دو میٹھی ڈشوں کے علاوہ چار سالن اُتارے گئے۔ جب کہ مَیں راستہ بھر انہیں یہ بتاتا آیا تھا کہ ہم اکثر و بیشتر صرف ایک ہی سالن پر اکتفا کرتے ہیں سوائے اس کے کہ کوئی ایسا مہمان آجائے جس کیلئے کچھ تکلف کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں میٹھی ڈش کی بھی اجازت ہے۔

دسترخوان پر نگاہ ڈالتے ہی پروفیسرؔ صاحب نے م۔ شؔ صاحب کو اور م۔ شؔ صاحب نے میری طرف دیکھا اُن کی نگاہوں سے جو کہہ رہی تھیں۔ جناب یہ کیا؟ آپ تو راستے بھر ایک کھانے کا ذکر کرتے آئے ہیں اور یہاں چار سالن دسترخوان پر موجود ہیں کیا ''تحریک جدید'' کے مطالبات آپ کے امام پر لاگو نہیں ہیں؟ شاید حضور نے ہمارا یہ ایک دوسرے کی طرف طنز بھری نگاہوں سے دیکھنا بھانپ لیا تھا مگر چپ رہے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد مختلف باتیں شروع ہوئیں تو حضور نے باتوں باتوں میں فرمایا ''اسلام کا ہر حکم اپنے اندر ایک خاص اہمیت اور افادیت رکھتا ہے۔ مثلاً

چار شادیوں کی اجازت ہی کو لے لیجئے مَیں مصروفیت کے باعث آپ کی آمد کے بارے میں بھول چکا تھا۔آپ کی اطلاع ہوئی تو مَیں نے اپنی چاروں بیویوں کے ہاں کہلا بھیجا کہ مہمان آ گئے ہیں کچھ کھانا یہاں بھجوادیں دو بیویوں کے ہاں اُن کے عزیز بطور مہمان آئے ہوئے تھے۔اس لئے دو ایک میٹھی چیزیں بھی میسر آ گئیں اور دستر خوان سج گیا۔'' حضور نے یہ وضاحت اس محبت اور نستعلیق پن سے فرمائی کہ م۔شؔ بے ساختہ بول اُٹھے۔''بے شک جب تک کسی جماعت کا قائد اپنے احکام اپنی عملی زندگی پر وارد نہ کر لے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کی جماعت اُن پر عمل کرنے لگے۔راستے میں ہمیں ثاقبؔ صاحب نے بتایا تھا کہ آج کل ہم صرف ایک ہی کھانے پر اکتفا کرتے ہیں اور آج یہاں آ کر اس کی توثیق ہوگئی''

ربوہ میں پہلی پریس کانفرنس



8 نومبر 1948ء کو صدر انجمن احمدیہ کے ناظر امور خارجہ مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ کی دعوت پر لاہور کے مدیران جرائد اور رپورٹر حضرات نے ربوہؔ میں منعقد اپنی نوعیت کی پہلی پریس کانفرنس میں شرکت کی چونکہ یہ خاکسار اس پریس کانفرنس اور پکنک کا کنوینئر تھا۔مَیں نے واپس آ کر جماعت کے ترجمان (روزنامہ) الفضل کو حسب ذیل رپورٹ بھیجی جسے ان سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا:''لاہور کے مؤقر جریدہ نگاروں کا صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز''ربوہ''میں ورود' ایک بے آب وگیاہ میدان میں حضرت (امام جماعت احمدیہ) ایدہ اللہ کی پریس کانفرنس''(الفضل کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے)''لاہور 8 نومبر 1948ء۔صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ناظر امور خارجہ مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ایم۔اے کی دعوت پر کل لاہور کے مؤخر جریدوں کے مدیران اور چیف رپورٹرز لاہور سے سو میل دور اس بے آب و گیاہ قطعہ زمین کو دیکھنے کیلئے تشریف لے گئے جسے صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اپنے نئے مرکز

کیلئے چُن کر اس کا نام ''ربوہ'' رکھا ہے۔ مدیران اور چیف رپورٹرز کا یہ قافلہ (امام جماعت احمدیہ) ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ رتن باغ لاہور سے پونے نو بجے صبح موٹر کاروں پر روانہ ہو کر قریباً پونے بارہ بجے ربوہ پہنچ گیا۔ جہاں میدان کا احاطہ کئے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کے خیمے کسی فوج کے ٹریننگ کیمپ کا منظر پیش کر رہے تھے۔ کاروں سے اُترتے ہی جریدہ نگاروں کی نگاہیں جونہی دور تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں کے سلسلے پر پڑی جن کے دامن میں نصب شدہ خیموں کے مکین اُن کے لئے سراپا خیر مقدم بنے کھڑے تھے تو اُن میں سے ہر ایک نے تھکن محسوس کئے بغیر ان پر چڑھ کر مناظرِ قدرت سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دی۔ کچھ رپورٹرز حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے یہ دریافت کرنے میں مصروف ہو گئے کہ انہوں نے شہری علاقوں سے دور ایک ایسے قطعے کو کیوں ترجیح دی جسے حکومت باقاعدہ تحقیق کے بعد ''ناقابلِ کاشت'' قرار دے چکی ہے اور جس کی خاک کو اکسیر بنانے کیلئے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑے گی حضور نے مختصراً اُنہیں بتایا کہ گو یہ زمین موجودہ صورت میں واقعی مہنگی ہے اور اس میں کوئی جاذبیت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اسے ایک نہایت شاندار شہر کی صورت میں تبدیل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں جو دفاعی لحاظ سے بھی پاکستان میں محفوظ تریں مقام ہوگا۔ آپ نے اُنہیں یہ بھی بتایا کہ اس کے پاس دس پندرہ میل کے اندر بعض اس سے بھی بڑے قطعات پڑے ہیں جن کی زمین اس سے اچھی اور قیمت اس سے کئی گنا ہے اور اگر حکومت چاہے تو صنعتی شہر آباد کرنے کیلئے وہ محفوظ تریں مقامات بن سکتے ہیں۔ جریدہ نگاروں کا یہ قافلہ جس نے قریباً سارا دن ربوہ میں گزارا مندرجہ ذیل مدیران اور رپورٹرز پر مشتمل تھا کرنل فیض احمد فیضؔ (چیف ایڈیٹر پاکستان ٹائمز)، میاں محمد شفیع (چیف رپورٹر پاکستان ٹائمز)، مجسٹر جمیل الزمانؔ (چیف رپورٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ)، مولانا عبدالمجید سالکؔ (مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب)، سردار افضل (چیف رپورٹر روزنامہ احسانؔ)، میاں صالح محمد صدیقؔ (چیف نیوز ایڈیٹر روزنامہ مغربی پاکستان)، مولانا باریؔ علیگ (برٹش انفارمیشن

سروس)، چوہدری بشیر احمد (نائب مدیر روزنامہ سفینہ)، مسٹر عبداللہ بٹ (برٹش انفارمیشن سروس)، مسٹر عثمان صدیقی (منیجر اینڈ چیف رپورٹر سٹار نیوز ایجنسی)، پروفیسر محمد سرور (مدیر ہفت روزہ آفاق) اور ثاقب زیروی (نامہ نگار خصوصی روزنامہ الفضل) حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ اکابر سلسلہ میں سے مندرجہ ذیل احباب تھے: حضرت مرزا بشیر احمد مدظلہ، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد سلمہ، پرنسپل تعلیم الاسلام کالج، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ احمدیہ جماعت لاہور، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور، نواب محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر، مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے، ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور چوہدری اعجاز نصر اللہ خاں صاحب (نظارت امور عامہ) انہی خیموں میں سے ایک خیمے سے ''ڈائننگ روم'' کا کام لیا گیا جس میں کھانے وغیرہ کا سارا انتظام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر سید محمود اللہ شاہ صاحب کے سپرد تھا اور جنہوں نے اس فریضہ کو اس احسن طریق سے انجام دیا کہ جریدہ نگاروں نے ربوہ سے رُخصت ہوتے وقت ان کا شکریہ ادا کیا۔ کھانے کے بعد حضور نے پریس کے نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس زمین کو حکومت بالکل ''نا قابلِ کاشت'' قرار دے چکی ہے۔ گرمی کے متعلق ریسرچ کرنے والوں کا کہنا یہی ہے کہ یہاں گرمی بہت زیادہ پڑے گی لیکن ہم اس جنگل کو منگل بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ ایک عرصہ کی کوشش کے بعد پانی نکلا ہے لیکن وہ نمکین زیادہ ہے لہٰذا ابھی مزید کوشش کی جائے گی۔ آپ نے ربوہ آباد کئے جانے والے شہر کا نقشہ سامنے رکھ کر بتایا کہ اس کی تعمیر امریکی طرز پر ہوگی جس میں ہسپتال، سکول، ویٹرنری ہسپتال، ریلوے سٹیشن، ڈاکخانہ، واٹرورکس اور بجلی گھر کے علاوہ صنعتی اداروں کے لئے بھی ایک طرف جگہ چھوڑی گئی ہے۔ حضور نے بتایا کہ ہم فی الحال پختہ بنیادوں پر کچی دیواریں ہی کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور اس پر کم از کم خرچ کا اندازہ 13 لاکھ روپے ہے اس کے بعد جب ہمیں اللہ تعالیٰ پختہ مکانات تعمیر کرنے کا موقع دے گا تو مزید 18 / 17 لاکھ روپیہ خرچ ہوگا گویا 30 لاکھ کے قریب رقم تو اس پر سلسلہ ہی کو خرچ کرنی پڑے گی۔ دوسرے لوگ

جو اپنے مکانوں پر خرچ کریں گے وہ اس کے علاوہ ہوگا۔اس سے آپ لوگ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں یہ زمین کتنی مہنگی پڑے گی اور اس پر سلسلہ کو کس قدر محنت اور مشقت کرنی پڑے گی ۔آپ نے اس کے علاوہ حدود اربعہ اور مغربی پنجاب کی ہندوستان سے لگنے والی سرحدوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ جگہ صوبے کے عین وسط میں پڑتی ہے اور اگر اس کے محلِ وقوع میں حکومت جدید نمونے کے صنعتی شہر آباد کرائے تو یہ شہر پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کا کام دے سکیں گے۔

حضور کے خطاب کے بعد چند ضروری کاموں کی وجہ سے پاکستان ٹائمز کے مدیر اعلیٰ کرنل فیض احمد فیضؔ صاحب، مسٹر عثمانؔ صدیقی، شیخ بشیر احمدؔ اور عبدالرحیم صاحب درد واپس تشریف لے آئے۔ حضور ان مہمانوں کو سڑک تک چھوڑنے کیلئے پیدل تشریف لے گئے ۔فیضؔ صاحب کے روانہ ہونے کے بعد اخبار نویسوں کا یہ مجمع بیٹھنے کیلئے مخصوص خیمہ میں آ گیا جہاں مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب حضرت سالک نے حاضرین کو اپنے کلام بلاغت نظام سے محظوظ فرمایا۔ یہ شعر و شاعری کا دَور ابھی شروع تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد حضور کا پیغامبر یہ پیغام لئے ہوئے پہنچا کہ آؤ ذرا اس سے آگے پندرہ سولہ میل چل پھر آئیں چنانچہ یہ سارے کا سارا قافلہ کاروں پر سوار ہو کر کئی ہزار ایکڑ بنجر زمین کے ایک میدان میں آ گیا جس کے شمال میں بہت اونچی پہاڑیوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا حضور نے ایک نئے شہر آباد کرنے کیلئے اس ٹکڑے کی اہمیت کی وضاحت کے بعد پہاڑیوں کی بلندی پر بنے ہوئے چند مکانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس پر ہندو یوگیوں کی ایک بستی سارے ہندوستان کے یوگیوں کا مرکز تصور ہوتی تھی ۔اسے پنجابی میں ’’بھگت بالناتھ کا ٹلہ یا ٹیلہ‘‘ بھی کہا جاتا ہے اور اس کے متعلق روایت ہے کہ یہاں وارثؔ شاہ کے ہیرؔ ورانجھا نے بھگت بالناتھ سے یوگ حاصل کیا تھا۔واپسی پر سید محمود اللہؔ شاہ صاحب اور اُن کے رفقاء کار نے مولوی عبدالرحمٰن انورؔ، مولوی بشیر احمدؔ رازی اور چوہدری عبدالسلام صاحب اخترؔ نے مہمانوں کو چائے پلائی اور چائے کے بعد قریباً پانچ بجے انتہائی خوشگوار ماحول میں جریدہ نگاروں کا یہ قافلہ حضور کے ہمراہ

واپس لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں اگر سست روی کی وجہ سے کوئی کار قافلے سے دور رہ جاتی تو حضور اپنی کار روک لیتے اور اُس وقت تک نہ چلتے جب تک ڈار سے کٹا ہوا آہو ساتھ نہ آملتا۔ القصہ صبح کے پونے نو بجے سے صحافت کے علمبرداروں کا لاہور سے چلا ہوا یہ قافلہ ٹھیک سوا آٹھ بجے رتن باغ آ گیا۔

اخبارات کے تبصرے

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز ربوہ سے متعلق ''مغربی پاکستان'' کے اپنے نامہ نگار کے قلم سے ''چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر احمدیوں نے ایک شہر بنانے کا کام شروع کر دیا'' شہر جدید طرز اور امریکی نوعیت کا ہوگا ابتدائی سکیم کی تیاریاں'' لاہور۔ 7 نومبر۔ آج میرزا بشیر الدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ کی دعوت پر لاہور کے تمام اخبارات کی پارٹی نے ربوہ کا دورہ کیا جو چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے جب پریس پارٹی ربوہ پہنچی تو وہاں پر سرکردہ اصحاب نے اخبارات کے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ ربوہ کا وہ علاقہ دکھایا جہاں جدید طرز کا ایک چھوٹا شہر آباد کیا جائے گا۔ یہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے دامن میں ایک خوشنما قطعہ اراضی ہے۔ میرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبارات کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت احمدیہ نے حکومت مغربی پاکستان سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ ایکڑ زمین خریدی ہے۔ جہاں امریکی طرز پر ایک چھوٹا سا شہر تعمیر کیا جائے گا۔ ہسپتال، کالج، سکول، ویٹرنری ہسپتال، ریلوے سٹیشن، ڈاکخانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر لگانے کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔ ماہرین تعمیرات نے شہر کی تعمیر کا ابتدائی نقشہ امریکی طرز پر تیار کر لیا ہے۔ جو عنقریب ٹاؤن پلینر کی منظوری کے لئے اُن کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس شہر کی ضروری عمارتوں کی تعمیر پر تقریباً 13 لاکھ روپیہ صرف ہوگا جو جماعت برداشت کرلے گی۔ مرزا صاحب نے مزید بتایا کہ وہ اس شہر کو اس قدر دلفریب اور جدید نوعیت کا بنانا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک نمونہ ہو۔ اور حکومت بھی اس قسم کے شہران علاقوں میں تعمیر کرے جو فضول پڑے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو ایک بہترین خطہ

ارضی بنایا جائے اور یہ اس طرح ہی ممکن ہے اگر ہر حکومت ان علاقوں میں جدید طرز کے گاؤں اور شہر بنانے کا کام شروع کر دے تو تھوڑے ہی عرصہ میں تمام پاکستان جنت نظیر بن سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ربوہ میں کارخانے بھی لگائے جائیں گے جو ضروریات زندگی تیار کریں گے۔ اس مقصد کیلئے ایک حصہ وقف کر دیا گیا ہے۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ جونہی حکومت نے شہر کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ بیک وقت کام شروع کر دیا جائے اور ایک سال کے اندر اندر شہر کو مکمل کر دیا جائے گا۔ ربوہؔ کا دورہ کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو ٹیلہ بالناتھؔ کا دورہ کرایا گیا جہاں سات ہزار ایکڑ زمین بے کار پڑی ہے۔ آپ نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ اگر حکومت اس زمین پر ایک شہر تعمیر کرانے کا پروگرام بنائے تو ایک بہترین شہر اس علاقے میں تعمیر ہو سکتا ہے'' (مغربی پاکستان)

'مغربی پاکستان'' کو ایک غیر احمدی کا مراسلہ

لاہور کے مختلف اخباروں میں قادیانی جماعت کے نئے مرکز ربوہؔ سے متعلق دو چار دنوں سے خبریں چھپ رہی ہیں مذہبی اختلافات کے باوجود ہمیں ایک مسرت ہے کہ دُوسری جماعتوں کے دوش بدوش اس جماعت نے بھی پاکستان کے بنانے اور اس کی تعمیر میں خاطر خواہ جدوجہد کی اور کر رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ سے پریس میں اُن کے خلاف جوش ختم ہو گیا ہے۔ اگر قادیانی جماعتی تنظیم کیلئے اپنا کوئی علیحدہ مرکز بناتے ہیں تو بنائیں۔ تنظیم ایک ایسی چیز ہے جس سے بحیثیت مجموعی اُمت کو فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے لیکن یونہی مخالفانہ واقعات از خود بنا کر غلط مراسلے شائع کرنا تا کہ ایک فرقہ کی دلآزاری ہو۔ میرے خیال میں پاکستان کے مفاد کے بھی خلاف ہے۔ شاید ایک اخبار میں (ایک زیر تبلیغ غیر احمدی کا) مراسلہ آپ کی نظر سے گزرا ہو۔ جس کا عنوان یہ ہے'' بنو قریظہ اپنا علیحدہ باٹا پور بنانے لگے'' اول تو لکھنے والا کوئی زیر تبلیغ غیر احمدی نہیں بلکہ خود مدیر ہے۔ مسلمان خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے آپ کو غیر احمدی خود نہیں لکھتا۔ قادیانی اُسے غیر احمدی لکھیں تو لکھیں پھر اندھیر تو یہ ہے کہ تعصب میں آ کر قرآن کے لفظ ربوہ کا بھی مذاق اُڑایا ہے اور اُسے''

لکھن جی کا ٹیلہ لکھ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے ربوہؔ کے نام میں بظاہر کوئی موسیقی نہیں نہ کوئی جاذبیت ہی ہے لیکن قادیانی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نام محض اس لئے رکھا ہے۔کہ قرآن میں آیا ہے۔اب بھلا اس نام کا مذاق اُڑانے سے کیا مطلب؟ میں آپ کی وساطت سے اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا ان فتنوں کو نہ دُہرایئے جو پاکستان کے لئے نقصان رساں ثابت ہو سکتے ہیں ۔ پاکستان محبت اور آتشی سے ہی قائم رہے گا۔ (مغربی پاکستان 13 نومبر 48ء)

''مغربی پنجاب میں امریکی طرز پر ایک نئے شہر کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا''''یہ شہر پچیس لاکھ کے مصرف سے ایک سال میں مکمل ہو جائے گا''لاہور 8 نومبر۔جماعت احمدیہ کے امیر مرزا بشیر الدین محمود احمد کی دعوت پر مقامی اخبار نویسوں کی ایک پارٹی جماعت احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز ربوہ کو دیکھنے گئی۔جو لاہور سے کوئی ایک سو میل اور چنیوٹ سے پانچ میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے غربی کنارے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بے آب و گیاہ غیر مزروعہ اور نا قابلِ آبادی قطعہ زمین پر آباد کیا جا رہا ہے۔زمین کا یہ ٹکڑا جو ایک ہزار چونتیس ایکڑ پر مشتمل ہے۔ اور جسے حکومت سے خرید لیا گیا ہے ان دنوں جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن رہا ہے۔یہاں ربوہ نام سے امریکی طرز پر ایک جدید ترین شہر زیر تعمیر ہے۔جس کی لاگت کا ابتدائی اندازہ کوئی پچیس لاکھ روپے کے قریب لگایا گیا ہے۔جائے وقوع کے لحاظ سے ربوہ لائل پور اور سرگودھا کے عین وسط میں واقع ہے۔ریلوے لائن اور پختہ سڑک اس قطعہ زمین کے پاس سے گزرتی ہیں لیکن اس زمین میں مادہ شور ہونے کی وجہ سے کئی کئی میل تک آبادی کا کہیں نام ونشان نہیں۔صبح نو بجے روانہ ہو کر اخبار نویسوں کا قافلہ کوئی تین گھنٹے میں ربوہؔ پہنچ گیا۔جہاں سینکڑوں رضا کار خیمے وغیرہ نصب کرنے میں مصروف تھے۔اخبار نویسوں کے علاوہ اس قافلہ میں مرزا بشیر الدینؔ محمود احمد،مرزا ناصرؔ احمد،مرزا بشیر احمد،نواب محمدؔ الدین،چوہدری اسد اللہؔ خاں،شیخ بشیرؔ احمد،مسٹر عبدالرحیم دردؔ اور چوہدری اعجاز نصر اللہؔ خاں شامل تھے۔ربوہؔ پہنچنے پر مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبار نویسوں کو بتایا

کہ انہوں نے نئے شہر کی تعمیر کا نقشہ امریکی طرز پر بنوایا ہے اور یہ شہر پاکستان بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا شہر ہوگا اس میں سکول، کالج، ہسپتال، واٹر ورکس، اور بجلی گھر غرضیکہ ایک جدید طرز کے شہر کے تمام لوازمات مہیا کئے جائیں گے۔ ریلوے سٹیشن اور ڈاک خانہ تار گھر کھولنے کیلئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی گئی ہے اور بہت جلد ان کی تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔ مرزاؔ صاحب نے بتایا کہ وہ خشک اور بنجر پہاڑیوں کو سیر گاہوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تا کہ ان پہاڑیوں پر مختلف قسم کے پھول اور سبزی وغیرہ اُگ آنے سے ایک تو موسم گرما میں اس نئے شہر کے لوگ گرمی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں اور دوسرے ان پہاڑیوں پر سیر و تفریح کا لطف بھی اُٹھایا جا سکے۔ آپ نے اخبار نمائندوں کے سامنے ربوہؔ نام کی تاریخی اہمیت و مذہبی حیثیت کو اپنے الہامات اور رویاء کی روشنی میں واضح کیا اور اُمید ظاہر کی کہ وہ ایک سال کے اندر اندر نئے شہر کی تعمیر کے کام کو مکمل کر لیں گے۔ مرزاؔ صاحب نے بتایا کہ نہ صرف مغربی پنجاب بلکہ مغربی پاکستان میں اس قسم کے کئی بنجر اور غیر آباد علاقے بے مصرف پڑے ہیں اگر مشرقی پنجاب کے بڑے بڑے شہروں مثلاً جالندھرؔ، امرتسرؔ اور لدھیانہؔ کے مسلمان اپنی سابقہ اجتماعیت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی صنعتوں کو کوآپریٹو رکھنا چاہتے ہوں تو ان کیلئے لازم ہے کہ وہ ربوہؔ کی قسم کے نئے قصبوں کو بسائیں۔ ویسے بھی دفاعی ضرورتیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہمارے صنعتی علاقے سرحد سے کافی دور ہوں اور ان کی ڈیفنس کا کوئی قدرتی انتظام ہو۔ صرف اسی صورت میں ہم اطمینان سے بیٹھ کر اپنی صنعتوں کو ترقی یافتہ ممالک کے معیار پر لا سکتے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ یہاں ربوہؔ سے سرگودھا جانے والی سڑک پر کوئی سترہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں کے دامن میں تین چار ہزار ایکڑ پر مشتمل ایک سرکاری قطعہ زمین پڑا ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا۔ اگر لدھیانہؔ یا امرتسرؔ کے کاریگر اس قطعہ زمین کو حاصل کر کے یہاں ایک صنعتی شہر آباد کرنا چاہیں تو حکومت سے بھی مدد کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ اخبار نویسوں کے اشتیاق پر مرزاؔ صاحب نے اس قطعہ زمین کے دورے کا بھی پروگرام بنایا۔

چنانچہ تیسرے پہر پورے قافلے نے اس سرکاری اراضی کو بھی دیکھا یہ اراضی ایک ایسی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جسے بعض روایتوں کی بنا پر گورو بالناتھؔ کا ٹِلہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ رانجھے نے اس ٹلہ پر گورو بالناتھ سے جوگ لیا تھا اور کان چھدوا کر مندریں ڈالی تھیں۔کوئی سات سو برس سے یہ ٹلہ ہندو جوگیوں کے قبضہ میں تھا۔لیکن گزشتہ فسادات کے موقع پر یہ جوگی ہندوستان چلے گئے تھے۔آج کل یہ ٹلہ جن پر تقسیم سے پہلے اچھی خاصی آبادی تھی ویران پڑا ہے۔اس قطعہ زمین میں کبھی کبھی پولیس والے چاند ماری کیلئے آجاتے ہیں ورنہ یہ زمین بالکل بیکار پڑی ہے ۔مرزاؔ صاحب نے کہا اگر حکومت اس رقبہ میں ایک صنعتی شہر تعمیر کرانے کا پروگرام بنالے تو اس قسم کے دوسرے مقامات پر بھی نئے نئے شہر بننے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ٹلہ بالناتھ سے واپسی پر اخبار نویسوں کی طرف سے مولانا عبدالمجید صاحب سالکؔ نے ربوہ کے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ قافلہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ہمراہ رات کے وقت واپس لاہور پہنچ گیا۔"(احسان)"

امام جماعت احمدیہ ربوہ کو پاکستان میں نمونہ کا شہر بنانا چاہتے ہیں"

لاہور سے سو میل دور احمدیوں کا نیا مرکز (سٹار کے چیف رپورٹر کے قلم سے)

لاہور 8 نومبر۔لاہور سے سو میل دور احمدی ایک شہر بنام ربوہ تعمیر کر رہے ہیں جو جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کا مرکز ہوگا۔شہر کے نام ربوہؔ کو (جس کے معنی پہاڑی ٹیلے کے ہیں) مذہبی اہمیت بھی حاصل ہے۔احمدیوں کے معروف عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ ابھی اُن پر غشی اور بے ہوشی کی سی علامت طاری تھی کہ اُن کے حواری اُنہیں صلیب سے اُتار کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے ایک پہاڑی ٹیلے پر پناہ لی ۔ احمدی قادیانؔ سے اپنی حالیہ ہجرت کو بھی اس ہجرت کے مشابہ جان کر کہتے ہیں کہ انہوں نے قادیان سے نکالے جانے کے بعد بے آب و گیاہ غیر مزروع کوہستانی علاقے میں پناہ لی ہے جس کا نام ربوہ تجویز کیا گیا ہے۔ یہ شہر جس کی تعمیر کے متعلق جماعت احمدیہ نہایت بلند اور حوصلہ افزا عزائم رکھتی

ہے 12 سوا ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا ہوگا اور اس کی تعمیر پر اوسط اندازے کے مطابق کم از کم پچاس لاکھ روپے خرچ آئے گا۔ ربوہؔ میں دو کالج ہوں گے ایک لڑکوں کا اور دوسرا لڑکیوں کا۔ اس کے علاوہ کئی اور سکول، ایک بڑا ہسپتال، شفاخانہ حیوانات، ڈاک خانہ تار گھر اور ریلوے سٹیشن ہوگا۔ بجلی لانے کے انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں بلکہ ایک جنریٹر تو پہنچ بھی چکا ہے اور ابھی دو اور جنریٹر بہت جلد لائے جائیں گے۔ جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؔ نے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی کو (جو ربوہؔ دیکھنے کے لئے گئی تھی بتایا کہ وہ اسے پاکستان میں ایک نمونے کا شہر بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جو ایک امریکی طرز پر تعمیر کیا جائیگا اس شہر میں صنعتی اداروں کیلئے بھی جگہ رکھی جائے گی جو شہری آبادی سے ذرا ہٹ کر ہوگی۔ توقع ہے کہ اس شہر کی تعمیر ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی اور جماعت احمدیہ کا آئندہ سالانہ جلسہ جو اگلے سال دسمبر میں ہونے والا ہے بھی ربوہ ہی میں منعقد کیا جائے گا۔ (سٹار)

احمدیوں کا نیا مرکز

(سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نامہ نگار خصوصی سے) لاہور کے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی نے گزشتہ اتوار کو ربوہؔ کے مقام پر ایک نہایت خوشگوار ٹرپ کی۔ ربوہؔ، شیخوپورہ، اور سرگودھاؔ کے درمیان کی سڑک چنیوٹ سے قریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس جگہ جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی دفاتر قائم کرنے کے لئے ایک ہزار چونتیس ایکڑ زمین خریدی ہے۔ جماعت احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمدؔ صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ سر دست نئی بستی کے قیام پر 13 لاکھ روپے کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا ہے ہم یہاں پر ایک ایسا معیاری قصبہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں ہسپتال، تعلیمی ادارے اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے علاوہ مقامی باشندوں کے لئے ہر ممکن سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ دریائے چناب سے واٹر پمپ کے ذریعہ سے قصبہ کیلئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ اخبار نویسوں کی پارٹی نے ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر

ایک اور موزوں قطعہ زمین بھی دیکھا جہاں ایک صنعتی بستی قائم کی جا سکتی ہے یہ قطعہ سرگودھا کی نہری نوآبادی سے قریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ 9 نومبر 1948ء)

''پاکستانی احمدیوں کا نیا مرکز''

(پاکستان ٹائمز کے نامہ نگار خصوصی سے) دریائے چناب کے دائیں کنارے پر چنیوٹ کے قرب میں ایک نئے مثالی شہر کی بنا رکھنے میں نہایت دوراندیشی اور صحیح تخیل کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس شہر کی آبادی کیلئے 1200 (1032 مترجم) ایکڑ اراضی کا ایک قطعہ منتخب کیا گیا ہے اور اس کا نام ربوہ تجویز ہوا ہے۔ پکی شاہراہ سے چند قدموں کے فاصلے پر اتفاقاً گزرنے والوں کیلئے یہ ایک خوبصورت مقام ہو گا اور یہاں مہاجر احمدیہ خلافت کا مرکز بنایا جائے گا۔ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ نے جو اخبار نویسوں کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے بیان کیا کہ ایک رویا جو انہوں نے کچھ دن ہوئے دیکھی تھی اور قرآن کریم کی ایک آیت نے اُن کو اس اراضی کے انتخاب میں (جسے حکومت نے ناقابل زراعت اور بنجر قرار دے دیا تھا) مدد دی ہے۔ انجمن کے دفاتر، ہسپتال، سکول، کالج اور سڑکیں تیار کرنے میں ساڑھے 13 لاکھ روپے کے ابتدائی خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ جونہی صوبائی محکمہ تعمیرات نقشہ جات کو منظور کر لے گا تعمیر کا کام شروع کر دیا جائیگا۔ اخبار نویسوں کو اس مقام سے پندرہ میل کے فاصلے پر ایک اور سات ہزار ایکڑ کا قطعہ اراضی بھی دکھایا گیا جو ایک صنعتی شہر کی آبادی کیلئے نہایت موزوں ہے۔'' (پاکستان ٹائمز 9 نومبر 1948ء)

(قادیان کی بجائے ربوہ) پس منظر

قادیانی جماعت نے چنیوٹ کے قریب ایک بستی بسائی ہے۔ جس کا نام ربوہ رکھا گیا ہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس بستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔۔۔ ربوہ کے معنی ''مقام خداوندی کے ہیں'' یہ بالکل غلط ہے ربوہ عربی میں ٹیلے کو کہتے ہیں۔ قادیانیوں کے بانی مرزا غلام احمدؑ تھے جو

قادیان کے رہنے والے تھے انہوں نے 1908ء میں انتقال کیا۔اُن کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین صاحب تھےجنہوں نے 1914ء میں انتقال کیا قادیانی جماعت کے موجودہ امام مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ جو مرزا غلام احمدؑ صاحب کے بیٹے ہیں دوسرے خلیفہ ہیں حکیم صاحب کی انتقال پر قادیانی جماعت دو گروہوں میں بٹ گئی تھی ایک جماعت نے مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ صاحب کی ہاتھ پر بیعت کی دُوسری نے جس کے سرکردہ مولوی محمد علی تھے انکے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔اور لاہور کو اپنا مرکز بنایا۔اس جماعت کے امیر مولوی محمد علی ہیں دونوں جماعتوں میں عقائد کے لحاظ سے بھی اختلافات ہیں مثلاً اول الذکر جماعت مرزا صاحب کو نبی کہتی ہے ثانی الذکر کا خیال ہے کہ وہ مسیح موعود اور مجدد تو تھے لیکن نبی نہیں تھے۔ان کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ قادیانی جماعت کے نزدیک قادیان کو بڑا تقدس حاصل ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ربوہ کو بھی وہ تقدس حاصل ہوگا یانہیں۔‘‘

دریائے چناب کے کنارے احمدیہ جماعت کی نئی بستی (ڈان)

لاہور9،نومبر۔دریائے چناب کے دائیں کنارے پر متصل چنیوٹ ایک نیا شہر جس کا نام ربوہ رکھا گیا ہے۔احمدیہ جماعت کے مہاجرین کی آبادی کیلئے جماعت احمدیہ تعمیر کر رہی ہے۔اسی شہر میں آغاز میں دو ہزار مکانات بنائے جائیں گے۔صدر انجمن احمدیہ کو انجمن کے دفاتر،سکول، ہسپتال، کالج،سڑکیں وغیرہ بنانے کیلئے فی الحال ساڑھے تیرہ لاکھ روپے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔جونہی مجوزہ تعمیرات سے تعمیری نقشہ منظور ہوکر وصول ہوجائے گا تعمیر کا کام شروع ہوجائیگا۔نقشہ منظوری کیلئے پیش کی دیا گیا ہے۔ (ڈان 11 نومبر 1948ء)

ربوہ۔حکومت اور عوام کیلئے ایک قابلِ تقلید مثال ہے

(مدیر اعلیٰ روزنامہ’’سفینہ‘‘ کا ادارتی نوٹ)مولانا وقار انبالوی 13 نومبر کے پرچے میں لکھتے ہیں: گزشتہ اتوار کو امیر جماعت احمدیہ نے لاہور کے اخبار نویسوں کو اپنی نئی بستی ربوہ کا مقام دیکھنے

کی دعوت دی۔اورانہیں ساتھ لے کر وہاں کا دورہ کیا۔اس دورے کی تفصیلات اخباروں میں آچکی ہے۔ایک مہاجر کی حیثیت سے ہمارے لئے ربوہ ایک سبق ہے۔ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کے وہاں سے بھی اُجڑے اور یہاں بھی کسمپرسی نے انہیں منتشر رکھا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔رب العالمین کے پرستار اور رحمۃ اللعالمین کے نام لیوا۔مساوات واخوت کے علمبردار لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجا نہ کر سکی ۔اس کے برعکس ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے ہیں لیکن اُن کی تنظیم ۔اُن کی اخوت اور دُکھ سُکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کر دی ہے۔ مہاجرین میں وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا تھا لیکن اُن کا روپیہ اُن کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا۔ربوہ ایک اور نقطۂ نظر سے بھی ہمارے لئے محل نظر ہے۔وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے۔اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونے پر بسا سکتی ہے۔اسی طرح ربوہ عوام اور حکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعویٰ کئے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں۔ (سفینہ 13 نومبر 1948ء)

نا قابل فراموش (چند گھنٹے فرقان فورس کے مہاجرین کے قدموں میں)

انسانی ذہن بھی نا قابل فراموش یادوں کا عجیب وغریب خزینہ ہے۔زمانے کی کوئی یورش جن کے گداز اور تاثر کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتی۔آج قلم اور فکر دونوں ایک ایسی ہی محبت آفریں یاد سے دوچار ہیں۔ساڑھے سترہ سال گزرنے پر بھی جس کی آب وتاب جوں کی توں لوحِ ذہن پر محفوظ ومثبت ہے۔میرا خدا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اوائل مارچ 1949ء میں جس کی بابرکت معیت میں ہم چند صحافیوں کو وہ جوان اور اُمنگوں بھرا ماحول دیکھنے کا بابرکت موقع میسر آیا جہاں قوم کے سجیلے جوان مادرِ وطن کی حفاظت

کیلئے ہتھیلیوں پر سر رکھے ہوئے چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ جمے بیٹھے تھے۔ شجاعت اور مردانگی کے ان پتلوں کر دیکھتے ہی دل نے باآواز بلند کہا۔ ''انسان اور حیوان میں یہی ایک جذبہ تو امتیاز پیدا کرتا ہے۔ ایک حیوان کی محبت اپنے نفس حدا پنے بچوں تک محدود رہتی ہے لیکن ایک متمدن انسان کی محبت اپنے سے بڑھ کر اپنی قوم اور اپنے وطن سے ہوتی ہے۔ وہ جس طرح دُکھ درد میں اپنے لئے ہر قربانی کر گزرتا ہے بعینہ اسی طرح جب اس کی قوم یا وطن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اپنی تمام آسائشوں اور راحتوں کو تج کر مادرِ وطن کی آواز پر لبیک کہتا ہوا مصائب کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔'' اس بابرکت سفر میں ہم دیکھنے والی آنکھوں سے اُن شیروں کو دیکھ لیا جن کے دم قدم سے غریبوں کو استبدادی طاقتوں سے چھٹکارا اور مصائب سے نجات حاصل ہوئی مسلسل تکالیف اور مظالم کے روندے ہوئے ہزاروں بلکہ لاکھوں مجبور و مقہور انسان پورے ایک سال ادھر اُدھر ٹھوکریں کھانے کے بعد پھر اپنے آبائی گھروندوں کی سمت لوٹے اور اب خدا کے فضل سے اور ان مجاہدین کے زورِ بازو کی ضمانت پر کشمیر کے اس خطہ میں کھیتیاں پھر بوئی جا رہی تھیں۔ ہل چل رہے تھے۔ چولھوں میں آگ دہک رہی تھی اور بچے پورے ایک سال کی دربدری کے بعد پھر دامن کوہ میں مسرت و انبساط سے طرارے بھرنے لگے تھے۔ اخبار نویسوں کا یہ مختصر سا قافلہ جس میں راقم الحروف کے علاوہ روزنامہ پاکستان ٹائمز کے چیف رپورٹر (میاں محمد شفیع) روزنامہ احسان کے چیف رپورٹر (سردار فضلی) اور ہفت نامہ ''آفاق'' کے مدیر و مالک (پروفیسر سرور جامعی) شامل تھے اتوار کی صبح کو بھارتی اور ڈوگرہ فوجوں کے ہاتھوں بُری طرح مسمار شدہ قصبہ بھمبر سے ہوتا ہوا جیپ کاروں کی سخت جانی اور تیز رفتاری کے طفیل سنگین بلندیوں کو ٹاپتا پھاندتا نوشہرہ کے جنوب میں ''بکسر'' کے اس مشہور قلعے کے قریب جا نکلا جس کی پیشانی پر احمد شاہ ابدالی کی سطوت کا لیبل چسپاں تھا اور جس کی مستحکم دیواروں سے ٹکرا کر دشمن کی دُور مار توپوں کو بیسیوں نہیں سینکڑوں دفعہ منہ کی کھانی پڑی تھی۔ اور پھر اس کے قریب وجوار میں ایک جگہ سکائی لائن پر فرقان فورس کے مجاہدین

کے دمدموں میں کھڑے ہوکر دشمن کے مورچوں کا جائزہ لیتے وقت مجاہدین کے امام (کمانڈر) نے ہمارے ایک سوال کے جواب میں کہا۔ ''ہم سے پوچھئے گا تو یہ سچ مچ ''متارکے'' کا وقت نہ تھا دشمن اپنی پوری طاقت صرف کرنے کے بعد حوصلہ ہار چکا ہے اور ہم نے اِدھر اُدھر سے اس پر جوابی یلغار بھی شروع کر دی تھی۔ آئندہ دس پندرہ دن میں ہمارے لئے اس کے قدم اُکھاڑ دینا ہرگز مشکل نہ تھا۔ پھر خدا کے فضل سے نوشہرہ تک کا محاذ ہمارے ہاتھ میں ہوتا لیکن جناب ہم تو حکم کے بندے ہیں ہمارے ذاتی عزائم اور ارادے کیا معنی؟ لیکن یہ ضرور چاہتے ہیں کہ اگر کار پردازان ملت کے 'التوائے جنگ'' کے سمجھوتے پر صاد کر دیا ہے تو اب دشمن کی در پردہ سرگرمیوں پر ضرور نظر رکھی جائے مبادا ہماری غلط مروت اور وعدہ ایفائی کی لٹیا ہی ڈبو کر رکھ دے اور پھر اس نے ایک ہاتھ میں دُوربین سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے ہمیں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے یہ سامنے کی پہاڑی پر دور جیپوں اور ٹرکوں کی آمدرفت کا سلسلہ کس تیز رفتاری سے جاری ہے۔ سڑکیں بن رہی ہیں تازہ دم فوجیں اُتر رہی ہیں جونہی ہم میں سے ہر ایک نے باری باری دُوربین کی وساطت سے اُس طرف صرف ڈیڑھ دومیل دور پہاڑی پر نظر دوڑائی تو ہمارے مشاہدے نے امام بربط کے ہر لفظ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ابھی اس دُورشنائی کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک دم ایک ایسے بھیانک دھما کے سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا جیسے ہمارے بالکل پاس ہی کہیں پچیس پونڈ کا گولہ پھٹا ہو۔ ہم ذرا پریشان ہوئے تو امیر مجاہدین نے کہا یہ توپ کے گولے کی آواز نہیں بلکہ ڈانامائیٹ کے پھٹنے کی آواز ہے دشمن اس کی مدد سے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر سڑک تعمیر کر رہا ہے اور پھر ہم جب تک وہاں رہے تیس تیس چالیس چالیس منٹ کے وقفوں کے بعد اسی طرح کے ارتعاش انگیز دھماکوں سے فضا ہلتی لرزتی رہی۔

رضا کار مجاہدین کی اس بٹالین میں ہر عمر کے جاں نثار دیکھنے میں آئے بڑی عمر کے آزمودہ کار اور پختہ کار سپاہی بھی کالجوں کے عشرت زدہ ماحول کے پلے ہوئے کھلنڈرے بھی اور ایسے خوردسالہ

نوخیز بھی جو ابھی تک زندگی کی کشمکش سے پوری طرح دو چار بھی نہیں ہو پائے تھے ۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ امام جماعت کی آواز سنتے ہی کو یہ کالج کی خوش آئندہ فضا پر میدانِ جنگ کو ترجیح دیتا ہوا چلا آیا ہے ۔ کوئی والدین کا اکلوتا بیٹا ہے اور کسی کی شادی محض دولہا کی غیر حاضری کے باعث پورے ایک سال سے رُکی ہوئی ہے پھر انہی میں سے ایک تیرہ چودہ سالہ دلیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بٹالین کے کمانڈر نے ہمیں بتایا کہ یہ جس کا ہاتھ بمشکل ٹریگر تک پہنچتا ہے پورے دو ماہ سے مسلسل بصد اصرار دشمن کی پہاڑی کے اردگرد پٹرول کیلئے جاتا رہا ہے ۔ جبکہ دُوسری طرف دشمن کی جواں ہمتی کا یہ حال ہے کہ اس کے سپاہیوں نے پٹرول پر آنا تو ایک طرف کبھی پہاڑی کے اس طرف جھانک کر بھی نہیں دیکھا ۔ سب سے زیادہ دلچسپ اور جرأت آفریں بات (جس کا نقش آج بھی میرے ذہن کی تختی پر جُوں کا توں اُجاگر ہے) یہ تھی کہ کوئی مجاہد ہماری زبان سے اسلحہ گولہ بارود یا خوراک کے متعلق کوئی سوال نہ سُن سکتا تھا ۔ ہم جب بھی لفظی آنکھ مچولی کی آڑ میں سوال کرتے یہی جواب ملتا خوراک اگر نہ بھی ملے تو کیا ہے ۔ یہ پتے یہ گھاس یہ پھل کیا کم نعمتیں ہیں ۔ ہمارے آبا ؤ اجداد نے بھی تو یہی کچھ کھا کر ساری دُنیا پر قبضہ کیا تھا اور یہ تو آپ جانتے ہیں فتح کیلئے صرف گولہ بارود ہی کافی نہیں اس کیلئے دل چاہیے ۔ گولوں سے بھی کھیل جانے والا دل ، توپوں سے ٹکرا جانے والا حوصلہ ! اور اس سے کہیں زیادہ ایمان افروز تھے وہ لمحات جب ہم اُن کے ورزشی کرتب دیکھنے کے بعد ایک جماعت کی صورت میں پہاڑی کے دامن میں مدفون اُن جوانوں کی قبروں پر دعا کیلئے پہنچے جو مادرِ وطن کیلئے دادِ شجاعت دیتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہو گئے تھے ۔ ہر مجاہد کی آنکھ بہہ رہی تھی ۔ بعض کی تو فرطِ رقت سے ہچکیاں بندھ گئیں ۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خدا کی راہ میں جان دینے والوں کے یہ زندہ نقوش زبانِ حال سے پکار پکار کر اپنے لئے دعا کرنے والے مجاہد بھائیوں سے کہہ رہے ہوں ۔ ’’ دیکھو ہم نے مر کر بھی اس سرزمین کو نہیں چھوڑا تم جیتے جی دشمن کے قدم اس خطۂ پاک پر نہ آنے دینا ورنہ ہماری لاشوں کی بے حرمتی ہو گی اور تم جانتے ہو جو

قوم خدا کی راہ میں جان دینے والوں کی لاشوں کی بے حرمتی برداشت کر لیتی ہے اس سے زندہ اور قائم رہنے کا حق چھین لیا جاتا ہے۔'' اس مختصر سے قیام کے دوران میں جہاں فرقان فورس کے ان مجاہدین نے اپنی مردانہ شجاعت، قومی حمیت اور وطن سے محبت کے عظیم نقوش ہمارے دلوں پر ثبت کئے وہاں ساتھ کے ساتھ ہمیں جنگی کرتبوں سے بھی روشناس کرایا اور روایتی مہمان داری کے معاملہ میں تو حد ہو گئی۔

واپسی پر جب ہماری جیپ کار ایک پہاڑی موڑ سے ٹکرا کر اُلٹ گئی (جس میں ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے ایک برگزیدہ بندے کی پُرسوز دعاؤں کی برکت سے شدید قسم کی ضربات سے محفوظ رہے) تو ان مجاہدوں نے اپنی محبت اور ہمدردی کے پھول ہم پر اس فراخدلی سے نچھاور کئے کہ ہمارے دل تڑپ تڑپ اُٹھے۔ مَیں تو اسے بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور کرم ہی کہوں گا کہ جیپ کار کے اُلٹ جانے کا یہ حادثہ ہمیں اس مقام پر پیش آیا جہاں سے ''سفر منیاں'' کا کیمپ قریب تھا۔ وہ جیپ کا کو غلط کروٹ بدلتے دیکھتے ہی لپکے اور ہمیں ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کر اپنے ہاں لے گئے۔ ہمیں جھاڑا، پُونچھا، زخموں پر ٹنکچر لگایا، پٹیاں باندھیں اور جوں جوں فرط تشکر سے ہماری نگاہیں جھکتی چلی گئیں ان کی محبت و دلداری بڑھتی چلی گئی۔ بے شک

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

اور اس تاریخی سفر کا یہ رُخ از حد خوشکن اور خوشگوار ہے کہ جاتے وقت اور بربط سے واپسی پر آزاد کشمیر کے علاقے کے عوام نے جب بھی ہمارے قافلے کو دیکھا ہمارا ''پاکستان زندہ باد'' کے گرمجوش نعروں سے استقبال کیا۔

نقشِ اولین

سیدی و محبوبی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد نور اللہ مرقدہ کے فرزند دلبند صاحبزادہ مرزا فرید احمد کا اصرار ہے کہ مَیں اس وجود باجود سے منسوب و معنون (خالد کی اشاعت خصوصی کیلئے) اُن

یادوں میں سے کچھ لکھوں جن کا سلسلہ کم وبیش نصف صدی پر پھیلا ہوا ہے اور ادھر میرا یہ عالم کہ ابھی تک دل کے کسی زخم پر کچا کھرنڈ تک نہیں آیا۔ رات کو دیدہ دانستہ رات گئے تک خواہ مخواہ بھی لکھنے میں مصروف رہتا ہوں لیکن ادھر بستر پر دراز ہوا اور قلب وذہن پر اس محبت ورافت کے اس مرقع کی مہکتی ہوئی یادیں دل ودماغ پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ عید الفطر سے پہلی رات کی بات ہے حسب معمول ان معطر یادوں کی محفل جو جمی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ محبوب دلنواز میرے اتنا قریب ہے کہ اس کے معصوم متبسم رُخِ انور کی شعاعیں مجھ پر پڑ رہی ہیں۔ نزول اجلال فرماتے ہی ارشاد ہوا ''ثاقبؔ تازہ کلام سناؤ'' عرض کیا حضور ایک غزل نما نظم ہوئی ہے پیش کرتا ہوں۔ غزل کے آخری شعر تک پہنچتے پہنچتے میری آواز بھرا گئی اور حلق روندھ گیا۔ مقطع کے بعد اس روئے انور کو دیکھنے ہی والا تھا کہ فرمایا'' ثاقب بہت اُداس ہو'' عرض کیا ''ہاں حضور بہت'' اور آنکھ کھل گئی۔ جب فکر ونظر اس کرب آفریں کیفیت سے دو چار ہوں تو ظاہر ہے اس میں ماضیِ قریب کی شفقتوں کا دہرانا کسی صورت ممکن نہیں اس لئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب ناز و نیاز کا اولین ورق ہی پیش کروں گا۔ جب مَیں شعر کہنے کی سُوجھ بُوجھ رکھنے کے باوجود ایک کندۂ ناتراش دیہاتی تھا۔ نہ اظہار و بیان کا سلیقہ اور نہ آداب محفل ہی کا کامل شعور اور جس کی ایک ایک تفصیل جوں کی توں قلب محزوں پر نقش ہے۔

ایک دیرینہ دلی خواہش

دوسرے یا تیسرے سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ کی بات ہے جس کا افتتاح حضرت مصلح موعود نے بیت اقصیٰ قادیان میں فرمایا تھا۔ مَیں اجتماع میں نمائندہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ یونہی چھٹی لے کر دو چار دن قادیان دارالامان کی بابرکت فضاؤں میں گزارنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ زیرہؔ میں شاید ابھی مجلس خدام الاحمدیہ قائم بھی نہیں ہوئی تھی اور مکرم مولوی محمد سلیمؔ صاحب (سابق مبلغ فلسطین) کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ انہی کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ کل حضرت خلیفۃ المسیح بیت اقصیٰ میں خطاب

فرمائیں گے۔ یہ سنتے ہی میرے دل میں اس اجلاس کیلئے ایک تازہ نظم کہنے کی تحریک پیدا ہوئی اور مَیں اسٹیشن کی طرف نکل گیا۔ قادیانؔ میں اُن دنوں میری واقفیت بہت ہی محدود تھی خاندانِ مسیح موعود کے کسی فرد سے بھی ذاتی شناسائی نہ تھی۔ میری واقفیت کا دائرہ حضرت مولانا غلام رسولؔ راجیکی صاحب (جنہیں آپ کے حضرت ابا جان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے باعث) مَیں ''تایا جی'' کہہ کر پکارا کرتا تھا) مولوی محمد سلیمؔ صاحب اور چند نوجوان طلبہ (شمس الدین صاحب سیال، جلال الدین صاحب قمر، حافظ عبدالسلامؔ صاحب جوگی، اور راجہ محمد یعقوبؔ ظفر) تک ہی محدود تھا۔ مَیں مغرب کے بعد واپس آیا اور نظم مولوی محمد سلیمؔ صاحب کو سُنائی جسے انہوں نے پسند کیا اس پر مَیں نے ان سے اپنی اس دیرینہ دلی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کسی طرح کل کے اجلاس میں میری نظم پڑھوا دیں مگر انہوں نے کہا ''یہ میرے بس کا روگ نہیں حضورؔ کی تقریر سے پہلے صرف انہی اشخاص کو نظم پڑھنے کا کہا جاتا ہے جن کے ناموں کی حضورؔ خود اجازت دیں اور اگر کلام خود حضور ہی کا ہو تو اُسے وہی شخص پڑھتا ہے جسے حضورؔ نے اس کیلئے ارشاد فرمایا ہو'' بہر حال ہم اگلے دن اجلاس سے کچھ پہلے ہی بیت اقصیٰ میں پہنچ گئے۔ اور شمالی جانب کنوئیں کے پاس تایا جان حضرت مولانا راجیکی صاحب کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ تایا جان نے حسب معمول اپنے مخصوص انداز میں پیار کیا جس کی شہ پا کر مَیں نے اپنی دلی خواہش اُن سے بھی بیان کر دی۔ آپ نے بھی اس سلسلہ میں معذوری ظاہر کی۔ لیکن پھر چند منٹوں کے بعد بیت کی جنوبی جانب کھڑے ہوئے ایک خوبرو جوان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''ان سے جا کر کہو وہ شاید مدد کر سکیں'' مَیں یہ سنتے ہی اُٹھا اور اس خوش پوش و خوبرو جوان کے سامنے جا کھڑا ہوا اس نے مجھ سے مخاطب ہونے سے پہلے تو مجھے اوپر سے نیچے تک غائر نظر سے دیکھا (کھدر کا پاجامہ، کھدر کا کرتہ اور شیروانی جس کے سارے بٹن کھلے ہوئے) پھر کہا ''فرمائیے۔ کچھ مجھ سے کہنا ہے۔'' عرض کیا ''جناب مَیں اس اجلاس میں نظم پڑھنا چاہتا ہوں'' جواب ملا ''نہیں۔ اس جلسے میں آپ نظم نہیں پڑھ سکتے'' اس پر مَیں نے اپنے

مخصوص دیہاتی اُبالی پن سے کہا۔’’ جناب مَیں زیرہ ضلع فیروز پور سے آیا ہوں کیا قادیان کے جلسوں میں باہر والوں کا کوئی حق نہیں ہوتا۔کیا آپ پسند کریں گے کہ مَیں جلسہ میں جہاں بیٹھا ہوں وہیں کھڑا ہو کر نظم پڑھنا شروع کردوں۔‘‘مُسکراتے ہوئے لیکن تحکمانہ انداز میں جواب ملا۔’’اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم آپ کو اُٹھا کر بیت سے باہر پھینک دیں گے۔‘‘اور مَیں اپنی ایک دیرینہ دلی خواہش کی اس پذیرائی پر اپنا سا منہ لے کر اپنی جگہ واپس جا بیٹھا۔حضرت تایا جان نے مجھے کچھ ملول دیکھا تو اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا۔

فرمایا۔’’ سوہنیا اوہ حضرت صاحب دا پُتر ای ناں اے۔‘‘ بھئی اوہ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد نیں۔‘‘مشروط اجازت ۔۔۔ یہ سنتے ہی مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ مَیں نے حضور کے صاحبزادے کے ساتھ شایانِ شان انداز میں گفتگو نہیں کی۔اور دل میں اس کا احساس اُبھرتے ہی وہاں سے اُٹھ کر معذرت خواہی کیلئے پھر حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس پہنچ گیا۔جو مجھے دیکھتے ہوئے پہلے مسکرائے پھر فرمایا۔’’ آپ پھر آگئے اب کیا ارادہ ہے۔‘‘عرض کیا’’ حضرت میاں صاحب میں اپنی بے باک گفتاری کی معذرت کرنے آیا ہوں اصل میں آپ سے متعارف اور آپ کے مقام ومرتبے سے آگاہ نہ تھا۔‘‘فرمایا’’اچھا معاف کیا۔پھر؟‘‘’’اب عرض یہ ہے کہ آپ میری نظم دیکھ لیں جو مَیں نے اس اجلاس کیلئے خاص طور پر کہی ہے اور یہ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نظم اچھی پڑھتا ہوں۔محفل کو ہرگز بدمزہ نہ ہونے دونگا۔اگر آپ پسند فرمائیں تو مَیں اس کے چند شعر یہاں بھی پڑھ کر سُنا سکتا ہوں۔‘‘فرمایا۔’’ کہاں ہے وہ نظم؟‘‘مَیں نے نظم آپ کے دستِ مبارک میں دیدی۔مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا۔’’نظم تو اچھی ہے ممکن ہے آپ کی دوسری بات بھی ٹھیک ہو بات دراصل یہ ہے کہ بعض لوگ اشعار ایسی بھونڈی لَے میں اور ایسے غلط تلفظ کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں کہ مقرر کی طبیعت منغض ہوجاتی ہے اور حضور تو اس معاملہ میں ازحد حساس ہیں۔اچھا نظم تو مَیں پروگرام میں شامل کئے لیتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔‘‘مَیں نے کہا’’ مجھے منظور ہے۔‘‘فرمایا

’’شرط توسُن لیں‘‘،’’جی! وہ جو بیت کی سیڑھیاں ہیں آپ جس وقت نظم پڑھیں گے۔ مَیں اُن کی دائیں بُرجی کے پاس کھڑا ہوں گا۔نظم پڑھتے وقت میری طرف بھی دیکھتے رہیں اگر نظم کے دوران مَیں ہاتھ ہلا کر آپ کو رُکنے کا اشارہ کردوں تو آپ فوراً نظم پڑھنا بند کردیں۔کیا آپ کو یہ شرط بھی منظور ہے؟‘‘عرض کیا’’بہ دل وجان منظور ہے۔‘‘اور مَیں یہ پہلی مہم سرکر کے تایا جان کے پہلو میں آ بیٹھا۔فرمایا۔’’کیا اس دفعہ کام بنا۔‘‘عرض کیا’’اس شرط پر بنا!‘‘ کہنے لگے’’اصل میں صاحبزادہ صاحب نے میرے بیٹے کو پہلے نظم پڑھتے کبھی سنا نہیں۔‘‘ تھوڑی ہی دیر کے بعد ماحول پر’’باادب باملاحظہ ہوشیار‘‘ قسم کی خاموشی اور احترام مسلط ہو گئے یہ سلطان البیان حضرت المصلح الموعود مؤسس تحریک جدید کی آمد آمد کا اعلان تھا۔حضور صحن میں داخل ہوئے کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے اور پروگرام پر ایک نظر دوڑانے کے بعد فرمایا’’ حافظ صوفی غلام محمد صاحب آف ماریشس تلاوت کریں گے اور ثاقب (ایک ثانیہ کے توقف کے بعد) زیروی نظم پڑھیں گے۔‘‘

ثاقب زیروی اہل قادیان کیلئے بالکل نیا نام تھا جسے سُنتے ہی بعض لوگوں نے اسٹیج کے آس پاس متجسس نگاہیں دوڑائیں مگر وہاں تو کوئی اجنبی چہرہ نہ تھا کیونکہ مَیں تو اسٹیج کے قریب بیٹھنے کی بجائے پھر شمالی جانب حضرت تایا جان کے پہلو میں جا بیٹھا تھا۔قریب بیٹھنے کے دو فائدے ہیں ایک تو وقت ضائع نہیں ہوتا دوسرے دور سے تیز تیز چل کر آنے سے سانس نہیں چڑھتا۔ بہرحال تلاوت ہوئی۔اس کے بعد حضور نے اس عاجز کا نام پکارا۔مَیں جونہی اسٹیج تک پہنچ کر حضور کی دائیں جانب نظم پڑھنے کیلئے مائیک کے سامنے آیا۔حضور نے ایک بھرپوری نگاہ سر سے پاؤں تک مجھ پر ڈالی اور فرمایا۔’’ آپ زیرہ ضلع فیروز پور سے آئے ہیں کیا حکیم مولوی اللہ بخش صاحب کو جانتے ہیں؟‘‘عرض کیا’’حضور مَیں اُن کا بڑا بیٹا ہوں۔‘‘اور اس کے بعد مَیں نے نظم پڑھنی شروع کردی۔ مطلع تھا

ساغرِ بادۂ عرفان پلا دے ساقی

میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی

مطلع پڑھتے وقت مَیں نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب شمالی بُرجی کے پاس کھڑے تھے دوسرا شعر تھا ؎

زخمۂ نور سے یُوں چھیڑ رُبابِ ہستی
قلب بیتاب کا ہر ذرہ دعا دے ساقی

ساغرِ بادہ، زخمہ نور، رباب ہستی قسم کی شاعرانہ اصطلاحیں پہلی دفعہ احمدیہ اسٹیج سے سُنی جا رہی تھیں۔ ہر شخص ہمہ تن گوش تھا کہ میں نے یہ تیسرا شعر پڑھا ؎

تجھ کو مولا نے کیا عطرِ رضا سے ممسوح
یہ مہک گلشنِ عالم میں بسا دے ساقی

اس پر حضورؓ نے فرمایا۔اس شعر کو دوبارہ پڑھیں۔محفل میں سبحان اللہ اور جزاک اللہ کی گونج قدرے بلند ہوگئی اور حضرت میاںؓ صاحب بُرجی کے پاس سے ہٹ گئے اسی طرح جب مَیں نے نظم کا یہ شعر پڑھا

تو نے جاری کیا خمخانہ ِ تحریک جدید
اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی

تو حضورؓ نے اسے بھی دوبارہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔۔۔اس کے بعد شاعر نے اپنے آقا سے یہ التجا کی

مجھ سے غم دیدہ پہ ہو جائے وہ چشمِ الطاف
جگمگا اُٹھیں میرے سارے ارادے ساقی

نظم بارہ پندرہ منٹ میں مقطع تک پہنچ گئی جو تھا

اپنے ثاقبؔ کو جو احساس کی دولت بخشی

تجھ کو اس لطف کی اللہ جزا دے ساقی

نظم ختم کر کے مَیں پھرتا یا جان حضرت مولانا راجیکی صاحب کے پاس جا بیٹھا۔ میرے بیٹھتے ہی مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر میرے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا ''گھر پہنچ کر میرے یارنوں (ابا جان) میرے ولوں مبارکباد دیویں'' اس کے بعد حضرت سلطان البیان نے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک بصیرت آفریں تقریر فرمائی جس کا مرکزی موضوع ''تحریک جدید'' تھا جلسہ ختم ہونے کے بعد شرکاء اجلاس نے جس ذوق وشوق سے اس عاجز کی بلائیں لیں اور مصافحے اور معانقے کئے وہ سرتاسر گواہی تھے اس بین حقیقت کے کہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس غیر متوقع اور غیر معمولی تحسین وآفریں میں اختتام جلسہ پر حضرت میاںؓ صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا شام کے وقت مَیں اور مولوی محمد سلیم صاحب جب گھر کولوٹ رہے تھے ہر گلی میں اس نظم کے الاپے جانے کی صدائیں بلند تھیں جنہیں سن کر بار بار میرے ہونٹوں پر الحمدللہ آجاتا تھا ۔گھر پہنچے۔کھانا کھایا۔نماز عشاء پڑھی اور لیٹنے کی تیاری کررہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ مولویؓ صاحب دروازے تک آ گئے اور واپس آکر کہا۔ باہر خدام آپ کو لینے آئے ہیں۔ باہر گیا دونوں صاحبوں نے حافظ قدرت اللہؓ اور غالباً چوہدری غلام یٰسینؓ (نام بتا کر) اپنا تعارف کرایا اُن کے ساتھ بارہ تیرہ سال کی عمر کا گورا چٹا ایک طفل بھی تھا۔ حافظ صاحب نے کہا۔'' صاحبزادہ صاحب نے فرمایا ہے کہ آپ فوراً بیت اقصیٰ میں پہنچ جائیں'' اور ساتھ ہی وفد کے تیسرے نوخیز رُکن نے کہا'' امیؓ جان نے کہا ہے آپ کل صبح ناشتہ ہمارے یہاں کریں'' مَیں نے کہا'' مَیں ضرور حاضر ہو جاؤں گا مگر آپ اپنا تعارف تو کرائیں کہ مجھے صبح کہاں پہنچنا ہے۔'' حافظ صاحب نے کہا'' یہ ارشاد حضرت اُمِ طاہر (نوراللہ مرقدہ) کا ہے آپ صاحبزادہ مرزا طاہر احمدؓ ہیں'' اور مَیں نے پہلے ارشاد کے جواب میں ازراہ تکلف شاعرانہ عرض کیا۔'' اس وقت میرے سر میں قدرے درد ہے مَیں

صبح حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔“

وہ فوراً بولے ”حضرت میاں صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر شاعر کچھ نخرے وغیرہ کرے تو اُسے اُٹھا کر لے آئیں۔“

”اللہ اللہ چند ہی گھنٹوں میں زمین و آسمان کیسے تبدیل ہو گئے تھے۔ اجلاس سے قبل جسے بیت کے صحن سے اُٹھا کر باہر پھینک دینے کی نوید سُنائی گئی تھی اب اپنے اسی نیاز کیش کو اس اپنائیت اور بے ساختہ و محبانہ تمکنت اور اعتماد آفریں اشتیاق سے یاد فرمایا گیا تھا یہ سُنتے ہی شکر کے جذبات سے لبریز دل تصور میں آستانۂ الوہیت پر سجدہ ریز ہو گیا۔ فوراً اندر گیا۔ شیروانی پہنی، بیاض ہاتھ میں لی اور ساتھ ہو لیا۔ جس وقت ہم چاروں نے صحن بیت میں قدم رکھا۔ خدام کا تقریری مقابلہ کا اجلاس شروع تھا اور حضرت صاحبزادہ صاحب کرسئ صدارت پر متمکن تھے اور لاہور ہی کے ایک خادم (اب پروفیسر اور ڈاکٹر) سلطان محمودؔ شاہد تقریر کر رہے تھے ہم پر نظر پڑتے ہی آپ نے انہیں چند سیکنڈ کیلئے روک کر اعلان کیا کہ ”اس تقریر کے بعد ثاقبؔ زیروی صاحب نظم پڑھیں گے“ اور پھر جو ہر دوسری تقریر کے بعد نظم پڑھوانے کا سلسلہ شروع ہوا تو رات گئے تک جاری رہا ان دو صحبتوں نے اس عاجز کو اپنے حبیبِ لبیب کے اتنا قریب کر دیا کہ آئندہ 42 سالوں میں (نہ خلافت کی خلعت پہنائے جانے سے قبل اور نہ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد) امتداد زمانہ کی کوئی یورش اس تعلق خاطر میں رخنہ انداز ہو سکی اور اس پارس نے اس وسیع الظرفی سے مجھے اپنے ساتھ چپکایا کہ

اِک ذرۂ حقیر کو سونا بنا دیا

مجھے آداب مجلس سکھائے۔ سلیقہ گفتگو سکھایا یا خاندانِ مسیح موعود کے اکابر سے روشناس کرایا۔ حضرت اماںؓ جان اور حضرت پھوپھی جان نواب مبارکہ بیگمؓ صاحبہ کی بارگاہ میں پہنچایا اور اس عاجز کے کلام کو اپنی محبت بھری دعاؤں سے ایسی جلا بخشی کہ اس سال سے جلسہ سالانہ پر کلامِ ثاقب

ایک مستقل فیچر بن گیا الحمد للہ کہ ان غیر معمولی نوازشاتِ کریمانہ سے یہ کوتاہ ظرف کبھی چھلکنے اور بہکنے نہیں پایا انتہائی قربت انتہائی بے تکلفی کے لمحات میں بھی ادب واحترام کا ایک فاصلہ ہمیشہ قائم رہا۔الحمد للہ

یادش بخیر

جب جدوجہد آزادی کشمیر عروج پر تھی حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت میں یہ ناچیز اس قافلہ کے ہمراہ فرقان فورس (احمدیوں کی رضا کار بٹالین) کے جوانوں کی عسکری جولانیاں دیکھ چکا تھا۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد مولوی عصمت اللہ بہلولپور۔ چوہدری محمد اکبر ریٹائرڈ سب انسپکٹر (ر) محمد احمد آبادی۔سید میر محمود احمد ناصر وغیرہ ہم اور م۔ش (میاں محمد شفیع ایم۔اے) جب ''مارف'' ہیڈ کواٹر میں ہمارے قافلے کے ارکان سے پانچ پانچ فائر کرانے اور فوجی وردیاں پہنوانے کے بعد ہمیں نہر عبور کرادی گئی تھی۔لیکن جب سیز فائر (متارکہٗ) ہوا تو ایک دن مجھے بطور خاص بُلوا کر ہمارے آقا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (نور اللہ مرقدہ) نے مجھے حکم دیا کہ وہ'' فرقان فورس'' کے شہداء کی قبروں پر فاتحہ کیلئے جانا چاہتے ہیں اگر تمہاری کوئی صحافی دوست بھی ساتھ جانا چاہے تو دریافت کرلو۔طے شدہ پروگرام کے تحت سفر میں صرف تین دن تھے۔مَیں نے یارانِ صحافت سے اپنے طور پر بات کی تو اُن میں سے یہ لوگ شامل ہوئے۔م۔شؔ'' پاکستان ٹائمز'' پروفیسر سرورؔ ہفتہ وار آفاق اور سردار فضلیؔ چیف رپورٹر احسان میں نے یاران صحافت کے لئے لورینگ سے اہتمام کے ساتھ ناشتہ تیار کرلیا تھا۔لیکن مجاہدوں کی سُرخ دال دیکھی تو اُن کی بھی ٹپک پڑی اور صحافیوں نے وہ دال کھانے ہی کو ترجیح دی۔

کھانے کے بعد نمازیں ہوئیں۔ظہر عصر کی اور پھر فاتحہ خوانی کے بعد قافلہ واپسی کیلئے تیار تھا۔مجھے پروفیسر سرورؔ اور سردار فضلیؔ کو جیپ کی اگلی سیٹوں پر جگہ ملی اور م۔شؔ کو حضرت صاحب کی ڈاج میں۔ابھی کوئی ایک دو میل کے قریب ہی یہ کوہستانی سفر طے ہوا ہوگا کہ ہماری جیپ جو سب سے

آگے تھی ایک موڑ کاٹنے کی کوشش میں پہاڑی سے ٹکرا کر لُڑھک گئی ۔ مَیں نے باآواز بلند انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا پروفیسر سرورؔ، سردار فضلی اور مَیں کھڈ میں گرنے کی بجائے سیپرز اینڈ مائنز کی بنائی ہوئی سڑک پر گرے اور لڑھکتے لڑھکتے ایک پتھر پر جا گرے ۔ جب مَیں نے یہ محسوس کیا ہم کھڈ کی بجائے ایک پتھر پر گرے ہیں اور ہمیں خراشوں کے سوا کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تو اپنے ساتھیوں سے اُٹھنے کو کہا۔اور اُٹھتے ہی اپنا اوورکوٹ لہرا لہرا کر ڈاج کو کسی متوقع خطرے سے آگاہ کرنا چاہا۔ڈاج میری حرکتیں دیکھ کر رُک گئی ۔حضرت صاحب نے مجھ سے میرے اوور کوٹ لہرانے کی وجہ دریافت کی اور پھر احتیاط سے اُتر کر ڈاج کی سواریاں ہم تک پہنچیں ۔ مَیں اس وقت اپنے ساتھیوں کی اچکنیں جھاڑ رہا تھا کہ میرے آقا ہمارے پاس آتے ہی میرا اوورکوٹ جھاڑنے لگے جسے مَیں نے جلد ہی اتار پھینکا تو بڑے پیار سے آقا نے فرمایا

''ثاقبؔ میرے تو تم بھی مہمان ہو یہ تو خدائے بزرگ و برتر کا خاص فضل ہے اگر خدانخواستہ یہ جیپ ٹیڑھی کھڑی ہو جانے کی بجائے کھڈ میں گر جاتی اور تم اللہ کو پیارے ہو جاتے تو تمہارے والدین کو مجھ پر ذرا بھی شک نہ گزرتا وہ سمجھتے کہ حادثہ ایسا ہی ہوا ہے۔لیکن اگر واقعتاً ہی جیپ کھڈ میں گر جاتی اور تم سب ہلاک ہو جاتے تو اگلے دن کے اخبارات یہ سرخیاں لے کر طلوع ہوتے کہ مرزا محمودؔ نے فلاں فلاں صحافیوں کو ساتھ لے جا کر کھڈ میں گرا کر ہلاک کر دیا۔تم گاڑی میں بیٹھو مَیں شُکرانے کے نفل پڑھ کر آتا ہوں ۔''

اتنے میں سیپرز اینڈ مائنز پہنچ گئے انہوں نے ہماری خراشیں وغیرہ سہلا کر اُن پر ادویہ چھڑک دیں لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ اب میرے دوست اس حادثہ زدہ جیپ میں بیٹھنے کو تیار نہ تھے اور جیپ اِدھر اُدھر دو ایک دفعہ چلانے کے بعد واپسی کیلئے مستعد تھی ۔ حضرت صاحب فوراً میری ہچکچاہٹ کی وجہ بھانپ گئے اور آپ نے بخوشی اپنی ڈاج ہمیں دے دی اور بقیہ سفر ہماری جیپ میں طے فرمایا اور ہم کوئی دن ڈھلے ''سوکھا تالاب'' پر پاکستانی فوجیوں کے ہیڈکوارٹر میں پہنچ گئے ۔

جب ہم گاڑیوں سے اُتر کر کیکر کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے سائے سائے جارہے تھے تو کیکر کا ایک کانٹا چلتے چلتے حضور کی دائیں آنکھ کے بالائی پپوٹے کو اس طرح چیرتا ہوا گزر گیا کہ حضور کو اپنے شملے سے اس سرخ قطرے کو صاف کرنا پڑا۔ حضور نے جب اپنا خون شملے پر دیکھا تو فوراً ہماری طرف مڑ کر ہم سے یوں مخاطب ہوئے۔ ''دوستو تمہیں اب مجھ پر کوئی فضیلت نہیں اس سفر کے خون میں اب میرا خون بھی شامل ہے۔'' اللہ اللہ کس قدر سوار تھے میرے آقا کے ذہن پر مسافروں کے خون کے چند قطرے بہہ جانے والے۔ اگلے دن جب جیپ لڑھک جانے کی خبر پاکستان میں چھپی اور پاکستان ٹائمز دیکھا تو حضرت نے فرمایا ''یہ م۔شؔ واقعی حقیقی اخبار نویس ہے وہ پہلے بھی یہ کہہ رہا تھا کہ حضور اتنا بڑا حادثہ ہوا اور آئیں صرف چند خراشیں نہ کسی کا بازو ٹوٹا نہ ٹانگ حالانکہ جیپ پہاڑی سے ٹکرائی تھی۔ جب کہ یہ محض خدا کا فضل تھا کہ اگلے دن کوئی دس سطری خبر، اس عنوان کے تحت شائع ہوئی۔ JEEP TURNED TURTLE

جنگ کشمیر کے دوران

جماعت احمدیہ کے امام منتخب کئے جانے سے قبل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے اور کالج لاہور میں تھا ایک دن فرمایا ''حضور کی خواہش ہے اپنے مجاہدوں کی حوصلہ افزائی کیلئے بر بط جائیں اور ایک دن اُن کے ساتھ گزاریں'' عرض کیا ''مَیں انشاء اللہ ساتھ چلوں گا۔'' چنانچہ ایک صبح یہ قافلہ جو چھ سات افراد پر مشتمل تھا مارف ہیڈ کوارٹرز کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں مولوی عصمت اللہؔ بہلولپوری، چوہدری محمدؔ اکبر ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس، محمد احمدؔ حیدر آبادی، سید میر محمود احمدؔ ناصر، ثاقب زیرویؔ اور فاتح الدینؔ (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب) شامل تھے۔ علاوہ ازیں م۔شؔ بھی شریک قافلہ تھا۔ مجھے فوجی وردی پہننے میں انقباض تھا کہ مَیں نے اس سے قبل پتلون یا نکر یا سوٹ کبھی نہ پہنا تھا لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب نے میرے پاس آ کر اس پھرتی سے نئی وردی پہن لی کہ مجھے بھی پہنتے ہی بنی۔ اس کے بعد ہم نہر عبور کر کے

پیدل سفر کرتے کرتے گہری شام کے وقت بھمبرؔ پہنچ گئے جہاں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں دو مسافر اور بھی تھے فرمایا ''دو گھنٹے آرام کرلیں چاند نکلتے ہی ہمیں اگلے سفر پر چل پڑنا ہے رات کے وقت تارا سنگھ دشمن کے ہوائی جہاز کا کوئی خطرہ نہیں۔'' مجھے خواب یاد ہے مَیں پیشاب کرنے کیلئے باہر گیا واپس آیا تو سوائے حضرت صاحبزادہ صاحب کے سب سو رہے تھے فرمایا ''اب میرے پیٹ پر سر رکھو اور مولوی عصمت اللہ صاحب کے پیٹ پر ٹانگیں اور یوں فری شیپ سو جاؤ۔'' مجھے اتنا تو یاد ہے کہ مَیں نے تعمیل ارشاد میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے پیٹ پر سر رکھا اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں تھکاوٹ کا یہ عالم تھا دو گھنٹے کے بعد اُٹھ گئے یا اُٹھا دیئے گئے۔ ایک گائیڈ ملا جو ایک پگڈنڈی پر لے کر ہمیں چلنے لگا۔ ابھی دو ایک میل کی مسافت ہی طے ہوئی ہوگی کہ گائیڈ ''ہائے ماں'' کہہ کر بیٹھ گیا معلوم ہوا اسے ''بچھوا بوٹی'' نے کاٹا ہے حضرت صاحبزادہ صاحب مڑے اور بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے اُس کی ٹانگوں کو اس جگہ سے سہلانے لگے جہاں بوٹی نے کاٹا تھا۔ چند منٹوں ہی میں اُس کا درد، جلن اور تپش سب رام تھے۔ وہ سراپا عقیدت بن کر کہنے لگا ''حضورؐ آپ تو بڑے کرنی والے ہیں آپ کے ہاتھوں میں تو الٰہی تاثیر ہے۔'' حضرت صاحبزادہ صاحب فوراً سمجھ گئے کہ وہ کدھر چل پڑا ہے فوراً قضیہ زمیں کو برسرِ زمین طے کرتے ہوئے فرمایا ''یہ کوئی خوبی کی بات نہیں ''ایسی کرنی والے'' تم بھی ہو سکتے ہو۔ جب آموں کا بور پھوٹے تو اس کچے بور کو چار پانچ روز ہاتھوں میں مل لیا کرو۔ اس میں اتنی تاثیر ہے کہ ہر زہر، ہر جلن اور درد کو رام کردے۔ گائیڈ آپ کو حیرت سے دیکھنے لگا۔''''سوکھے تالاب کے بعد دن چڑھ آیا تھا ہم پر تین مرتبہ تارا سنگھ نے جھپٹنے کی کوشش بھی کی لیکن ہر دفعہ ہم کھیتوں میں اوندھے منہ لیٹ کر بچ جاتے رہے۔ یہاں تک کہ بعد دوپہر بربط پہنچ گئے جہاں حضرت صاحبزادہ فاتح الدینؔ اور اُن کے قافلے کا نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے خیر مقدم کیا گیا۔ کھانا مجاہدوں کے ساتھ سُرخ دال والا کھایا گیا۔ جس کے بعد ''دمدمے'' الاٹ ہوئے میرے اور صاحبزادہ صاحب کے حصے میں میجر حمید احمد کلیمؔ کا دمدمہ آیا جو قدرے

کھلا تھا۔ رات زیادہ نہیں گزری تھی کہ فائرنگ شروع ہوگئی اور حضرت صاحبزادہ صاحب رائفل اُٹھا کر ’’سکائی لائن‘‘ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے مجھے کہہ کر کہ ’’آ جاؤ رائفل لے کر۔‘‘ حضرت صاحبزادہ صاحب جس قدر صاحب علم و عرفان تھے اُسی قدر حوصلہ مند، بہادر اور شجاع بھی تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوٹے تو فرمایا ’’ہمارے مجاہدوں کے پاس دستی بمب پرانے تھے اُن میں سے دو ایک پھٹ گئے تو ریچھ (دشمن کی پہاڑی کا کوڈ نام) کی پٹرول پارٹی نے سمجھ لیا کہ آج بربط کی پٹرول پارٹی کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے بھی فائر کھول دیا مگر جلد ہی غلط فہمی دور ہوگئی۔‘‘ ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ فائرنگ دوبارہ شروع ہوگئی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب پھر رائفل اُٹھا کر ننگے پاؤں ہی بھاگ گئے۔ واپس لوٹے تو کہا کہ ’’تم نے میرے یہ کہنے پر کیا کہا تھا کہ چلے آؤ‘‘ سوال براہ راست تھا۔ مَیں نے جواباً بتایا کہ میں نے کہا تھا۔ ’’جناب کن ہلان ہلان کھیل لو‘‘ فرمایا ’’مطلب؟‘‘ عرض کیا ’’ایک دن ایک بچھڑا اور ایک بچھڑی کھلی فضا میں بیٹھے تھے کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ سامنے کھلا میدان تھا بچھڑی نے بچھڑے سے کہا کہ ’’آؤ ذرا اس سحر آفریں فضا میں کدالیں۔

کالج کی گرانٹ

’’لاہور‘‘ کا ابھی آغاز تھا سردار عبدالرب نشتر گورنر تھے۔ علم و ادب سے شغف رکھتے تھے۔ کبھی کبھار محفل شعر و ادب بھی گرم کیا کرتے۔ حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد ایم اے (آکسن) ٹی آئی کالج کے پرنسپل تھے۔ تعطیلات کے دوران جون کی گرمی میں مَیں ایک دن ربوہ گیا۔ مَیں کسی وقت بھی جاؤں مجھے اس گھر میں پناہ مل جاتی تھی۔ مَیں شدید دوپہر کے وقت پہنچا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب دُور کالج کی چھت پر کھڑے تھے چھتری تانے۔ کھدر کی قمیض کھدر کی شلوار اور سر پر معمولی سا کپڑا۔ مَیں نے عرض کیا اس گرمی میں آپ چھت کے اُوپر کھڑے ہیں فرمایا ’’دیہات میں پھر پھرا کر کالج کیلئے پیسے اکٹھے کئے ہیں۔ انہیں ٹھیکیداروں کے حوالے کر دوں۔

تمہارے نشترؔ صاحب نے تو ہماری گرانٹ بھی بند کر دی ہے۔‘‘’’ میرے محسن ! نشترؔ صاحب میرے رشتہ دار تونہیں ہیں وہ توکبھی کبھار محفل شعروسخن گرماتے ہیں تو مجھے بھی یادفرمالیتے ہیں۔بہر حال مَیں کوشش کروں گا۔‘‘فرمایا’’تم کیا کوشش کروگے۔‘‘جمعہ جمعہ آٹھ دن تولاہور کی پیدائش کے ہیں۔گورنر کیوں کرمرعوب ہوگا؟‘‘ ربوہؔ سے واپسی پر مَیں سارا راستہ سوچتا رہا کہ کیا کیا جائے۔ بالآخرایک تجویز سوجھی۔میں نے آتے ہی’’مرزافہیم الدین (ایم۔اے)کےقلم سے

’’کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد ‘‘

کے عنوان سے ایک بھرپور مضمون لکھااورزیرتدوین پرچے میں چھاپ دیا۔اس میں لکھا’’ٹی آئی۔کالج‘‘ قادیانؔ میں ہندوستان کی سب سے بہترین عمارت چھوڑکرآیا تھا۔لاہور میں اُسے ’’ایف۔سی۔کالج‘‘ کے اصطبل کے کمروں میں جگہ ملی اس کے بعد اسے’’ڈی۔اے۔وی کالج‘‘ الاٹ کر دیا گیا۔جس میں شرنارتھیوں نے ایک بھی دروازہ، ایک بھی دریچہ اورایک بھی کھڑکی نہ چھوڑی تھی جب اس غریب اور بے خانماں جماعت نے یہ دروازے، کھڑکیاں اور دریچے وغیرہ تعمیر کر لئے اور دیواروں پررنگ وغیرہ کرالیا تو یہ کالج اسلامیہؔ کالج کوالاٹ کر دیا گیا۔جماعت نے پھرربوہ کے جامعہؔ میں کالج چلایا اوراب جب جیسی تیسی اس کی عمارت زیرتعمیر تھی تو پنجاب گورنمنٹ نے’’اسکی گرانٹ‘‘ بھی بند کر دی ہے جس کیلئے میں نشترؔ صاحب کی بصیرت اورعلم وتعلم سے ان کی محبت کا گلا کرتا ہوں اورمبارک باد عرض کرتا ہوں۔‘‘نشترؔ صاحب اہل علم تو تھے ہی وہ قندیلؔ، چٹانؔ اورلاہورؔ(تینوں پرچے) پریس سے منگوا کر ہی پڑھ لیا کرتے تھے۔انہوں نے جو یہ مضمون دیکھا توان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔انہوں نے فوراً مجھے یادفرمایااورکہا کہ’’تم تو مجھ سے خود بات بھی کر سکتے تھے یہ مضمون چھاپنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ سب سے پہلی بات تو یہ کہ’’گرانٹ‘‘(جو بوجوہ رُکی ہوئی تھی) بھیج دی گئی ہے اوراس کی رسید بھی آ گئی ہے۔آئندہ اگر ایسی کوئی زیادتی تمہاری نظر میں آئے تو مجھے براہ راست آ کر کہہ دیا کرنا۔‘‘ اگلے دن مجھے ربوہؔ یاد

فرمایا گیا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں مضمون کے متعلق بڑا ہی تعریفی خط لکھا کہ ’’خوب لکھا۔۔۔ بہت خوب لکھا یقیناً اس کے بعد گرانٹ مل جانی چاہیے‘‘ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس عاجز کی بڑی ہی حوصلہ افزائی فرمائی۔ فرمایا ’’گویا لاہور نے اپنا کام شروع کر دیا، مبارک ہو‘‘ بلکہ دو سال کا چندہ بھی مرحمت فرمایا۔

سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب



جناب امیر محمد خان (نواب آف کالا باغ) بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ دیانتدار اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ اپنی ذات پر سرکاری رقم صرف کرنا حرام جانتے تھے۔ ہر شعبے کی ہر فائل کو بغور پڑھ کر اس کا مستقل مزاجی سے نوٹس لیتے تھے اور پھر اس کی شایانِ شان تعمیل کراتے تھے۔ صوبے کے ہر شعبے کے ہر پہلو سے باخبر رہتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ خالی پیٹوں پر گولی چلانے کے قائل نہ تھے خیر جب انہیں اس امر کا حساس ہو جاتا تھا کہ اُن سے کوئی لغزش سرزد ہو گئی ہے تو اس کی تلافی اور ازالے میں حجاب یا بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ اُن کے عہد میں اُن کے ہوم سیکرٹری کی کوشش سے حضرت بانی جماعت احمدیہ کی ایک مختصر سی کتاب ’’سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب‘‘ ضبط کر لی گئی۔ اُن دنوں نواب صاحب کی تقریر لکھنے کی ڈیوٹی میری تھی۔ مَیں نے کتاب کی ضبطی سے متعلق خبر پڑھی تو خون کھول گیا کہ یہ کتاب عیسائیوں کے خلاف ہے انگریز نے ستر سال تک اسے برداشت کیا۔ پاکستان کی حکومت سے چند سال بھی یہ برداشت نہ ہو سکی حالانکہ اس ساری کتاب میں لفظ ’’احمدیت‘‘ تک نہیں ہے۔ ’’انجمن حمایت اسلام‘‘ والوں نے ان چار سوالوں کا جواب حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ سے لکھوایا جو اجلاس میں سُنوایا گیا۔ مَیں نے ایک ایڈیٹوریل لکھا ’’موہوم دل آزادی کی آڑ لے کر‘‘

ہزار احتیاط کے باوجود اس اداریئے کے لب ولہجہ میں تلخی وتُندی کا آجانا یقینی تھا۔ چیف سیکرٹری صاحب (جناب وہاب الدین عباسی) کے نوٹس میں لایا گیا تو انہوں نے مجھے نوٹس دیا کہ ’’گیارہ دن کے اندر اندر آپ آکر جواب دیں کہ آپ کا پرچہ کیوں نہ بند کر دیا جائے جس کی زبان اسقدر تلخ ہے۔‘‘ گیارہ دنوں میں صرف ایک پرچہ نکل سکتا تھا مَیں نے تازہ شمار کیلئے ایک نظم کہہ کر سرورق پر شائع کر دی اس کا مطلع تھا ؎

تقدیس کی لَو ضبط ارادت کی جلاء ضبط
اس شہر وفا میں ہوئی ہر رسمِ وفا ضبط

اس اداریئے اور نظم کی اشاعت کے بعد مَیں عباسی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو کوئی آدھ گھنٹے کی حیث بحث کے بعد آخر طے پایا کہ مَیں اُن سے تقریر لکھنے کی چٹ لے جاؤں اور تقریر لکھنے کے بعد کتاب کے بارے میں جو گزارشات کرنا چاہوں کر آؤں ۔اسی شام مَیں نے کوثر نیازیؔ صاحب کو دفتر میں بلایا۔ جی بھر کر انہیں مرغوب مچھلی کھلائی اور کہا کہ تمہاری برداشت کی طاقت کس قدر کمزور ہے کہ جس کتاب کو انگریز نے 70 سال تک برداشت کیا اُسے تُم چند سال بھی برداشت نہ کر سکے حالانکہ اس میں لفظ ’’احمدیت‘‘ تک نہیں ہے جواب ملا ’’مَیں لکھ نہیں سکتا‘‘ مَیں نے کہا پرسوں ایڈیٹرز کانفرنس ہے اُس میں یہی ذکر کرو۔ کہنے لگے ’’تُم کیوں نہ کرو‘‘ مَیں نے کہا میری چیف سیکرٹری صاحب سے ملاقات ہو چکی ہے اب مَیں اگر ذکر چھیڑوں گا تو وہ فوراً فرما دیں گے کہ آپ سے تو بات ہو چکی ہے۔ بہر حال مَیں نے ایڈیٹرز کانفرنس میں اپنی نشست کا ایسا اہتمام کیا کہ ایک طرف کوثر نیازیؔ تھے تو دوسرے طرف آغا شورش کاشمیریؔ اور خود دوسرے دن عباسی صاحب کی چٹ لے کر گورنر کے دربار میں جا پہنچا۔نواب صاحب کا معمول تھا وہ دریافت کرتے ’’اوئے منڈیا کافی پیئیں گا لسی کہ چائے۔‘‘اس دن میری طبیعت بھی بھری ہوئی تھی انہوں نے معمول کے مطابق پوچھا مگر مجھ سے کوئی معقول جواب بن نہ پڑا جس پر نواب صاحب نے دریافت کیا’’

منڈیا تو کھروا کیوں دیخ ریا ایں جھیڑی گل کرنی اے کھل کے کر‘‘ مَیں نے عرض کیا’’ جناب! یہ کتاب ضبط کر کے آپ نے اپنا ہی کچھ نقصان کیا ہے۔ کیا غلام غوثؔ ہزاروی کی خواہش کی تکمیل کسی اور رنگ میں نہیں ہوسکتی تھی۔ فرمایا!’’ غلام غوثؔ ہزاروی کی مجھے کیا تکمیل خواہش منظور تھی اور کیوں؟‘‘

عرض کیا’’ اس نے نواب مظفر خاں کے الیکشن میں ان کی مدد کی تھی۔‘‘’’ تمہارا مطلب یہ ہے کہ غلام غوثؔ ہزاروی ایسے مولویوں کی خاطر مَیں اپنے صوبے کا انتظام درہم برہم کرلوں۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں اب تو بتا کہ ہم نے اپنا کیا نقصان کیا ہے؟‘‘ عرض کیا’’ یہ ایک غریب جماعت ہے جس کا ہر فرد ہر نماز میں دعا مانگتا رہتا ہے اللہ حکومت وقت کو مضبوط رکھنا۔ وہ دعا تو اب بھی مانگتا رہے گا کہ اُس کے امام کا حکم ہے لیکن وہ پہلی سی بشاشت اُس میں نہیں ہوگی۔‘‘’’ آپ نے شاید کتاب دیکھی نہیں یہ دیکھیں اس میں تو لفظ’’ احمدیت‘‘ تک نہیں ہے۔ کہنے لگے یہ کتاب تو ضبط ہو چکی ہے۔‘‘ عرض کیا’’ گورنمنٹ ہاؤس میں تو کچھ ضبط نہیں ہوتا۔‘‘ اب تقریر کی ریہرسل بھی ہو چکی ہے مَیں نے کھڑے ہو کر کچھ عرض کرنا چاہا تو بولے۔’’ تو بھی نرا شاعر ہی ہے۔ عباسیؔ صاحب سے کہہ کر کتاب واگزار کر دیں۔‘‘ عرض کیا’’ پرسوں عباسیؔ صاحب نے فرمایا تھا کہ نوابؔ صاحب کی خدمت میں عرض کرنا۔‘‘ فرمایا’’ عباسیؔ صاحب سے کہو نوابؔ صاحب نے کہا ہے کہ کتاب واگزار کردو۔‘‘ اگلی صبح ایڈیٹر کانفرنس تھی محفل جمتے ہی کوثرؔ نیازی نے اتنا ہی کہا تھا کہ’’ جناب مرزا غلام احمد کی کتاب‘‘ آر اے پی پی کے احمدؔ صاحب نے مصرع اُٹھا لیا اور کہا’’ ہمارے تو احتجاجی خطوط سے میز بھرے پڑے ہیں۔‘‘ اس پر مجیدؔ نظامی صاحب نے بھی یہی فقرہ دوہرایا اس پر عباسیؔ صاحب نے محمدؔ علیؔ شاہ ہوم سیکرٹری کو بلوایا اور اُن سے کہا کہ’’ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب‘‘ نامی کتاب کی واگزاری کا نوٹیفیکیشن کر دیں۔‘‘ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت بانی احمدیہ کا ایک اور کتابچہ’’ کتاب غلطی کا ازالہ‘‘ بھی ضبط ہوا لیکن جلد ہی نوابؔ صاحب کو اس امر کا احساس ہوا

کہ یہ بھی زیادتی ہوئی ہے اور کتا بچہ جلد ہی واگزار کر دیا گیا۔

منادی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف لطیف ’’سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب‘‘ کی ضبطی کا حکم پڑھ کر۔(ثاقب)

تقدیس کی لَو ضبط ارادت کی جلا ضبط پھر شہرِ وفا میں ہوئی ہر رسمِ وفا ضبط
اس دور ہوس کار کے اللہ رے تیور ہر گُمرہی آزاد وفاؤں کا صلہ ضبط
پر ہول اندھیروں کا تقاضا ہے یہ پیہم کر لیجئے پُر نور سویروں کی ضیا ضبط
ہر سمت ہے تہذیب فرنگی کی منادی اسلام کی تائید میں اُٹھے جو صدا ضبط
تہذیب کلیسا پر کوئی حرف نہ آئے اس راہ میں حائل ہے جو کعبے کی ردا ضبط
بندے کو خدا ماننے والوں کی یہ ضد ہے توحید پرستوں کی ہو ایک ایک ادا ضبط
ترتیبِ گلستاں کے یہ انداز تو دیکھو صرصر رہے آزاد مگر بادِ صبا ضبط
توقیرِ محمد ﷺ پہ ہر اک وار گوارا لیکن لبِ مسلم کی ہر اِک آہ و بکا ضبط
انصاف کہیں تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے کر لیجئے بے بس کا ہر اک حرف دُعا ضبط
بے نور بصیرت سے کہاں دور رہے اک دن قرآن پہ قدغن ہو تو ناموسِ خدا ضبط
اس نام کی تضحیک ہی کیا اس کا صِلا ہے جس نام کی برکت سے تمہیں ملک ملا ہے

انتباہ۔

حضرت مسیح موعود کی تصنیف لطیف ’’ایک غلطی کا ازالہ‘‘ کی ضبطی کا حکم پڑھ کر۔(ثاقب)

جس نام کی برکت سے تمہیں ملک ملا ہے حدود ذہن پر تعزیر کے پہرے بٹھا دیجے
لب اظہار پر تادیب کے تالے لگا دیجے کچھ اس طرح غرورِ کجکلا ہی کو جلا دیجے
نہ جانے پھر جہانبازی کے یہ دن ہاتھ کب آئیں لرزتے آنسوؤں کو دیکھتے ہی مسکرا دیجے

چٹک غنچوں کی بھی تو بارِ خاطر ہے الگ ہاتھوں جہاں نقشِ وفا کوئی نظر آئے مٹا دیجے
اُنہی پر جانے کیوں ہر بار مشق جور ہوتی ہے شگفتہِ لالہ و گل پر بھی پابندی لگا دیجے
کہاں ہاتھ آئے گا پھر نسخہِ مقبولیت ایسا جنہیں ہے حکم ہر دکھ دینے والے کو دعا دیجے
سیاست ناز اُٹھائے تابہ کے اللہ والوں کے بنام امن مظلوموں کو روحانی سزا دیجے
نبیؐ کا نام لیتے ہیں غلامانہ عقیدت سے انہیں نفرت میں دھوکر ان کی ہُو حق کو دبا دیجے
انہیں ہے اعترافِ جرم عشق احمد مرسل انہیں تحقیر کا الزام دے کر چُپ کرا دیجے
یہ جب کرتے ہیں صد سالہ پرانی بات کرتے ہیں انہیں اس جرم کی کوئی سزا ئے جا نگزا دیجے
مبادا آپ کی محبوبیت پر حرف آجائے انہیں کچھ عصر حاضر کے قرینے بھی سکھا دیجے
مگر یہ یاد رکھئے ایک شے آہ رسا بھی ہے ارادت کے تمام اوراق پارینہ جلا دیجے
انہی حالات میں جکڑے ہوؤں کا اک خدا بھی ہے



انتخاب خلافت ثالثہ

جب لاہور میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال کی خبر پہنچی تو مَیں آشوبِ چشم سے از حد بیقرار تھا لیکن وہ وجود باجود جس کے ہاتھوں سے اَن گنت میٹھی کاشیں کھائی تھیں جس نے مجھ دیہاتی کندہ نا تراش کو انسان اور مجھ بینکر کو صحافی بنایا تھا اس کے جنازے میں شرکت از حد ضروری تھی پھر یہ دُعا بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنی جماعت کی باگ دوڑ کس نئے ہاتھ میں دینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ رات کو انتخاب خلافت ہوا۔ گو صدر مجلس کی طرف سے مجھے بحیثیت مبصر اندر آنے کی اجازت تھی۔ مگر میری آنکھیں روشنی برداشت نہیں کرتی تھیں اس لئے مَیں نے بیت مبارک کے سامنے والے گھاس کے میدان میں ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھ جانے کو ترجیح دی۔ نام پیش ہوئے۔ آراء شماری ہوئی اور نعرہ ہائے تکبیر سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انتخاب

خلافت کا مرحلہ بخیر وخوبی طے پا گیا ہے اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصرؔ احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلعتِ خلافت عطا ہوئی ہے۔ انتخاب کے بعد پہلی بیعت ہوئی تو مَیں اندر چلا گیا اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیزؔ احمد صاحب۔ صدر مجلس سے مجوزین، مؤیدین اور حاصل کردہ آراء کے اعداد وشمار کے کاغذات دکھانے بلکہ دے دینے کی گزارش کی۔ انہوں نے فرمایا ''کاغذ مولوی عبدالرحمٰن انورؔ کے پاس ہیں۔'' انورؔ صاحب محترم ابھی مجھے ساری کاروائی بتا ہی رہے تھے کہ صاحبزادہ مرزا انسؔ احمد تشریف لائے اور مجھے کہا ''ابا جان! آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔'' جب قصرِ خلافت کی سیڑھیاں چڑھنے لگے تو مجھے اپنی حیثیت یاد آئی۔ مَیں نے مرزا انسؔ احمد صاحب سے کہا ''میاںؔ! آپ کے ابا جان والی بات تو ٹھیک ہے لیکن ہمارے یاد فرمائے جانے والا سلسلہ اب ختم ہو گیا ہے۔ آپ دیکھیں حضور کس کمرے میں ہیں۔''

وہ گئے اور جلد ہی لوٹ آئے اور بتایا کہ حضور حضرت اُم ناصرؔ کے کمرے میں نفل پڑھ رہے ہیں۔ مَیں سیڑھیوں سے اُتر کر گلی میں آ گیا اور میاں صاحب سے عرض کی کہ ''جب فارغ ہو جائیں تو عرض کر دیجئے گا کہ ثاقبؔ حاضر ہو گیا ہے اور باہر گلی میں کھڑا ہے۔'' مَیں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو گلی کے آخر پر حضرت صاحبزادہ مرزا منصورؔ احمد صاحب۔ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ محمودؔالحسن صاحب اور ڈاکٹر مسعودؔ احمد (ریٹائرڈ) سرجن کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد (جہاں مَیں کھڑا تھا اس کے سامنے کے دروازے کے پٹ کھلے اور حضور نے جالی کی چٹخنی کھولی تو مجھے خیال آیا۔ ثاقبؔ تم پہلے آدمی ہو جو اپنے آقا سے مل رہے ہو۔ اس لئے تم پر کچھ نہ کچھ نذر کرنا فرض ہے۔ مَیں نے اچکن کی جیبیں ٹٹولیں پانچ یا دس روپے کا ایک نوٹ دستیاب ہوا وہ مَیں نے ہاتھ میں تھام لیا اور جب حضور باہر آئے اور مَیں نے مصافحہ کا شرف حاصل کیا اور وہ نوٹ حضور کی ہتھیلی سے ٹکرایا تو حضور بلبلا کر مجھ سے لپٹ گئے بلبلاتے جاتے تھے اور بار بار ایک ہی فقرہ کہہ رہے تھے

''ثاقبؔ امی سے کہنا دعا کریں مجھے کچھ علم نہیں ہے مجھے کچھ پتا نہیں'' حضور کے دھاڑیں مار کر

مجھ سے لپٹنے کی آواز سُنی تو یہ تینوں بھاگتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے مگر اتنے میں خدا کا وہ شیر اپنے آنسو پی چکا تھا۔ اُن سے مصافحہ کیا اور ڈاکٹر صاحبان سے یہ بھی کہا کہ ’’آپ تو جماعت کے محسن ہیں ‘‘ تدفین اگلے دن بعد دوپہر طے ہوئی۔ میری آنکھوں کی حالت وہی تھی دن ڈھلنے کو تھا کہ عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر حضرت مسیح موعود کے فرزند دلبند کا تابوت اُٹھا کر بہشتی مقبرہ کی طرف روانہ ہوا ۔اس کاروان غم واندوہ کا روانہ ہونا تھا کہ میرے جذبات اشعار کے پانچوں میں ڈھلنے شروع ہو گئے ۔ بہت سے قطعات ہوئے جن میں سے یہ قطعہ بہت مقبول ہوا

ہونٹوں پہ آہ سرد جبینوں پہ غم کی دُھول
آنکھوں میں سیلِ اشک چھپائے ہوئے چلا
دِن ڈھل چلا تو درد نصیبوں کا قافلہ
کاندھوں پہ آفتاب اُٹھائے ہوئے چلا

عصر اور مغرب کے درمیان نمازِ جنازہ ترتیب پائی حضرت خلیفۃ المسیح ثالثؒ نے پانچ تکبیروں کی نماز جنازہ پڑھائی اور یوں ہم اُس بادشاہ کو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ منوں مٹی کے نیچے دفن کر کے لوٹ آئے ۔ جب حضور کا وصال ہوا اسی دن ’’لاہور‘‘ کا پرچہ منصہ ٔشہود پر آیا تھا اب کم و بیش آٹھ دن کے بعد نئے پرچے کی تدوین ممکن تھی ۔ اس دوران میں آنکھوں کا آشوب بھی ختم ہو گیا۔لیکن دو چار دنوں کے بعد الفضل میں جب انتخاب خلافت کی رپورٹ شائع ہوئی۔جس پر دو یا تین اکابر کی کاروائی متفقہ طور پر ہونی بیان ہوئی تھی جو صحیح نہ تھی نہ جانے کیوں مجھے رپورٹ پڑھ کر ایک عجیب وغریب قرب محسوس ہوا جیسے میرے محبوب کی خلافت کا پہلا ورق ہی ’’ڈسٹارٹ‘‘ کر دیا گیا ہو مَیں نے فیصلہ کیا کہ لاہور میں تدفین سے پہلے اور تدفین کے بعد کے واقعات بے کم و کاست شائع کئے جائیں گے چنانچہ مَیں نے چار صفحہ کا ایک مصور فیچر تازہ شمارہ شائع کیا۔جس کا عنوان تھا ’’جس نے ہر سانس لیا دین محمدؐ کے لئے‘‘ اور جس میں ’’انتخابِ خلافت‘‘ کی پوری کاروائی

اعداد وشمار کے ساتھ من وعن آ گئی تھی۔ یہ پرچہ شائع ہوکر ربوہ پہنچا تو اگلے ہی دن بارگاہِ خلافت سے مجھے حاضری کا بلاوا آ گیا۔ میری سمجھ سے بالا تھی یہ بات کہ مجھے کیوں یاد فرمایا گیا ہے۔ میرے ذہن نے کہا

تمہارا خیال ہے الفضل کی رپورٹ حضور کی اجازت کے بغیر شائع ہوئی ہے؟ مگر مَیں نے تو بالواسطہ انداز میں عملاً اس سے اختلاف کیا۔ کہیں میری ہی حرکت تو حضور کو ناگوار نہیں گزری۔ مگر میرا دل میرے ذہن سے متفق نہ تھا۔ تاہم مَیں استغفار پڑھتا ہوا ربوہ پہنچا۔ حاضری کے وقت ملاقات کے کمرے میں مولانا عبدالمالک مرحوم بھی موجود تھے۔ مصافحہ کے بعد مجھے کانپتے دیکھ کر حضور نے فوراً ہی فرمایا ''لاہور'' میں آپ کی انتخاب خلافت کے متعلق رپورٹ پڑھی جو صدفی صد درست ہے آپ ہمیں لاہور کی کتنی کاپیاں دے سکتے ہیں؟ مَیں نے عرض کیا حضور ہم اکثر و بیشتر چالیس پچاس پرچے رکھتے ہیں جن میں سے چار تو فائلوں کے ہوتے ہیں اور آٹھ دس اُن خریداروں کے جن کو کسی وجہ سے ڈاک سے پرچہ نہیں ملتا بیس پچیس کاپیاں نذر کی جاسکتی ہیں۔ حضور نے فرمایا الفضل نے جو رپورٹ شائع کی وہ صحیح نہیں تھی اس لئے بیرونی مشنوں کو متعلقہ الفضل کی ترسیل روک دی گئی ہے۔ ہمیں ''لاہور'' کے کم وبیش پانچ صد پرچے چاہیں۔ عرض کیا دو دن کی مہلت عطا ہو جائے تو پانچ صد کاپیاں پیش کر دی جائیں گی۔ حضور نے اس گزارش کو شرفِ قبولیت بخشا اور ہم نے دو دن کے بعد لاہور کی پانچ صد کاپیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جو لفافوں میں بند کر کے پانچ پانچ دس دس کے حساب سے بیرونی مشنوں کو بھجوادی گئیں۔

محبانہ ناراضگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک جماعت کی امامت وقیامت پر فائز رہے اس عاجز پر بلا استحقاق بڑی ہی شفقت فرماتے رہے۔ 39ء میں اُن سے شناسائی ہوئی تھی جو جلد ہی محبانہ عاطفت میں بدل گئی جو جماعت کا امام بننے تک قائم رہی پھر وہ اس عاجز کے امام بن گئے

۔روحانی باپ۔مگر اُن کی شفقتوں اور محبتوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا گو مَیں نے ہمیشہ فاصلہ رکھا۔ ایاز قدرِ خود شناس۔ ہر چوتھے روز بُلاوا بھیجتے اور محبتوں سے نوازتے۔ایک دن مَیں حاضر ہوا تو عرض کیا''میں تین دن لاہور سے غائب رہوں گا۔''فرمایا''خیر ہے۔''عرض کیا''جمالیوں کا اجتماع ہے حیدرآباد میں چار اجلاس ہوں گے دو دنوں میں۔ایک کی صدارت مجھے دی گئی ہے۔''فرمایا۔'' وہاں ضرور جاؤ۔مگر ہاں یاد آیا۔اگر وقت ملے تو رسول بخش تالپور سے ضرور ملنا اور اُن سے یہ بات کرنا۔''رخصت مرحمت ہوئی تو مَیں اگلے دن حیدرآباد کیلئے روانہ ہوگیا۔دو دن کا اجتماع تھا دو دن آنے اور جانے کے۔واپسی پر پرچے کی تدوین میں کوئی سات دن بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوا مگر نہ جانے کیوں اپنا وہ بریف کیس جو حیدرآباد میں میرے پاس تھا ساتھ لیتا گیا۔حاضری میں پہلے پندرہ بیس منٹ تو حالات حاضرہ پر گفتگو میں گزر گئے پھر مجھے حضور کا ارشاد آیا جو جاتے وقت رواروی میں فرمایا گیا تھا۔مَیں نے عرض کیا''مَیں تالپور صاحب سے ملا تھا انہوں نے حضور کی بات کا یہ جواب دیا ہے۔''حضور تو یہ سُن کر آگ بگولہ ہوگئے اور فرمایا''ثاقب تم سے تو مجھے غلط بیانی کی اُمید نہ تھی''عرض کیا۔''اور ہونی بھی نہیں چاہیے حضور!''فرمایا۔''تالپور تو وہاں تھے ہی نہیں۔تم نے یہ جواب کیسے بنالیا''اب میری کیفیت یہ تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔اسی عالم میں مجھے اپنا'' بریف کیس''یاد آیا جس میں اجتماع کی تصویریں تھیں اور مجھے وہ حکمت سمجھ میں آگئی جس کے تحت بلا ارادہ مَیں اُسے اُٹھا لایا تھا۔مَیں نے عرض کیا۔''حضور میں نیچے سے اپنا بریف کیس اُٹھا لاؤں ۔''مسکراتے ہوئے فرمایا''کیا اس میں پستول ہے۔''عرض کیا!''مَیں حاضری کی اجازت ملنے پر اُسے کھُلا ہی چھوڑ آیا تھا۔''

آپ نے دفتر کے ایک کارکن سلیم کو حکم دیا کہ وہ میرا بریف کیس اُٹھا لائے۔بریف کیس آیا تو مَیں نے اس میں سے اجتماع جمالیان کی تصاویر نکال کر حضور ایدہ اللہ کے سامنے رکھنی شروع کیں۔''حضور! یہ سب سے پہلا اجلاس ہے۔سردار یار محمد جمالی چیف آف ٹرائب صدارت فرما

رہے اور حاضرین میں پہلی لائن میں محمد مرادؔ جمالی، مَیں اور تالپورؔ صاحب تشریف فرما ہیں۔‘‘’’ حضور یہ دوسرا اجلاس ہے۔ میر محمد مرادؔ جمالی صدارت فرمار ہے ہیں اور سامنے کی لائن میں تالپورؔ صاحب، میر محمد مرادؔ جمالی اور سردار یار محمدؔ خاں تشریف فرما ہیں اور‘‘’’ یہ آخری اجلاس زیر صدارت تالپورؔ صاحب ہے اور ہم تینوں میں، میر محمد مرادؔ خاں جمالی اور سردار یار محمد خاں صاحب سامنے بیٹھے ہیں۔‘‘ ہر تصویر حضور کے چہرۂ مبارک پر ایک نیا رنگ اُبھرتا تھا اور سردیوں کے باوجود حضور کا روئے مبارک پسینے سے تر بتر ہو گیا۔ تصویریں دیکھ چکنے تو بڑی محبت سے فرمایا۔’’ ثاقب خلیفہ وقت کو کسی پر تو اعتبار کرنا پڑتا ہے کیا مَیں اپنے ناظروں اور ناظموں پر بھی اعتماد نہ کروں کیا اب مجھے گلیوں میں پھر کر خبریں اکٹھی کرنا ہوں گی۔ مجھے تو یہ رپورٹ دی گئی تھی کہ تالپورؔ صاحب وہاں نہیں ہیں۔‘‘ اس پر مَیں نے آخری تصویر بھی پیش کی اس تمہید کے ساتھ کہ’’ جب مَیں پہلے اجلاس کے بعد ہوٹل پہنچا تو تالپور صاحب میرا بستر ا اُٹھوا لے گئے تھے تالپورؔ ہاؤس مَیں اور یہ ہے میری اور اُن کے بچوں کی تصویر‘‘ عرض کیا’’ رپورٹ کرنے والا شاید صحیح نہیں سمجھا۔ وہ سیدھا کراچیؔ گیا ہوگا۔ تالپورؔ ہاؤس میں فون کیا ہوگا جواب ملا ہوگا کہ تالپورؔ صاحب لندن گئے ہیں دراصل علی احمدؔ خاں تالپور اُن کے بڑے بھائی لندن گئے ہیں رسولؔ بخش تو حضور حیدر آباد کا بے تاج بادشاہ ہے اس نے کہاں جانا ہے۔‘‘ حضور کا غصہ محبت میں تبدیل ہو گیا اور میری جان میں جان آگئی اگر خدانخواستہ بریف کیس ساتھ نہ ہوتا اور مجھے لاہورؔ سے لا کر ثبوت پیش کرنا پڑتا تو شاید اس دوران میں میری موت واقع ہو جاتی۔ واپسی پر یہ شعر زبان پر جاری رہا

پھر ڈھونڈنا ہے کوئی ثبوتِ وفا مجھے
پھر مجھ سے بدگماں ہے طبیعت حضور کی

کارِ خیر

ایک دن باندھی (ضلع نواب شاہ) کی جماعت کے امیر حاجی عبدالرحمٰن صاحب باندھی

صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد الثالثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ اُن کے بھائی غلام قادر صاحب (جو غیر از جماعت ہیں) کو ''غنڈا ایکٹ'' میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ وہ احمدی تو نہیں ہیں لیکن غیر از جماعت احباب نے جب بھی جماعت کے خلاف تشدد یا شورہ پشتی کا پروگرام بنایا ہے وہ ہماری طرف سے لڑنے اور مرنے مارنے کیلئے تیار کھڑے ہو جاتے ہیں اور جماعت کے افراد کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ حضور دعا کریں کہ اُن کی رہائی کی کوئی صورت پیدا ہو۔ جس پر حضور نے دریافت فرمایا کہ ''اُن کی گرفتاری میں کس کس کا زیادہ ہاتھ تھا۔'' جواب ملا ''خیر شاہؔ ڈپٹی کا اور میر جعفرؔ خاں جمالی کا'' میر جعفر خاں جمالیؔ کا نام سُن کر حضور کا ذہن اس عاجز کی طرف مُڑا اور مجھے بُلوا کر ساری بات سُنائی گئی۔ مَیں نے عرض کیا مَیں تو اداریہ لکھنے لکھانے کی وجہ سے شاید کل اُن سے بات کرنے کے بعد حاضر نہ ہوسکوں کہ میرؔ سائیں لاہور آئے ہوئے ہیں اور ہم دونوں ''سبی میلہ'' میں شمولیت کیلئے نشستیں ریزرو کرائے بیٹھے ہیں۔ اگر حضور کسی ذمہ دار شخص کی ڈیوٹی لگا دیں جن کے سامنے بات ہوگی تو حضور کو معاملہ کے پس منظر و پیش منظر کی اطلاع ہو سکے گی۔'' حضور نے حضرت صاحبزادہ میرزا طاہرؔ احمد صاحب کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ اگلے دن پانچ بجے ایمپیر ہوٹل کے فلاں کمرے میں میرؔ سائیں سے ملیں۔ ثاقبؔ بھی وہاں ہوگا۔ مَیں کوئی ساڑھے چار بجے پہنچا تو میر سائیںؔ نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر قالین پر وڈیروں کی سی آن بان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ پانچ بجے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہرؔ احمد صاحب بھی پہنچ گئے۔ مَیں نے تعارف کرایا کہ'' صاحبزادہ صاحب ہمارے سابق امام کے صاحبزادے اور موجودہ امام کے بھائی ہیں۔'' میرؔ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اصرار کیا کہ وہ صوفے پر بیٹھیں میرؔ قالین پر بیٹھیں گے۔ میاں صاحب کو اصرار تھا کہ میرؔ صوفے پر بیٹھیں گے یہ اصرار یہاں تک بڑھا کہ میرؔ سائیں کو کہنا پڑا کہ'' جناب ہم تو اسے (میری طرف اشارہ کر کے) پیر سمجھتے ہیں آپ تو اس کے بھی پیر ہیں آپ کو صوفے پر بیٹھنا ہی پڑے گا'' اور حضرت میاں صاحب طوعاً یا کرہاً صوفے پر بیٹھ گئے اور مَیں نے حضور سے ملاقات

کے بعد صاحبزادہ صاحب کو میر سائیں سے ملاقات کی غرض بیان کی۔ میر نے ساری رام کہانی سُن کر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہا ''ثاقب! میرے بھائی چھ ماہ کی کوششوں سے اندر کرایا ہے۔'''' مگر اب تو حضرت صاحب کا حکم آ گیا ہے لہٰذا تعمیل کرنا ہی ہوگی میاں صاحب آپ پرسوں علی الصبح حاجی عبدالرحمٰن کو سبی بھجوا دیں ہم انشاءاللہ تعمیل کرنے کی کوشش کریں گے۔''معین صبح کو حاجی صاحب سبی پہنچ گئے۔ میر محمد مراد خاں جمالی کو جگا کر یہ ڈیوٹی دی گئی کہ وہ حاجی صاحب کے ساتھ کمشنر عنایت مرزا کے پاس جائیں اور عرض کریں کہ حاجی غلام قادر کو چھوڑ دیا جائے اور مختصر سے کاغذی کاروائی کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا

آپ بہت جلدی بری ہو جائیں گے

بھٹو صاحب کی فرمانروائی تھی۔ سعودی سرائے سے سرکاری اشارہ پر مُلک بھر میں احمدیوں کے خلاف ماردھاڑ، لوٹ مار آتشزنی، قتل وغارت گری اور ہنگامہ خیزی کی تحریک جاری تھی۔ اور پی پی پی اسمبلی سے جماعت احمدیہ کو پاکستان میں (بغیر کسی مطالبہ کے) غیر مسلم قرار دیئے جانے کے بعد قومی زندگی کے ہر شعبے پر پاکستان کی شدید مخالف سیاسی (بظاہر مذہبی تنظیموں) مجلس احرار، جماعت اسلامی، جمعیت العلماء اسلام وغیرہم کے پرچارکوں کا تسلط تھا۔ لاہور کے ایک ہفت نامے کے مالک و مدیر اپنی خدمات (فتنہ اُبھارنے کا معاوضہ) تین لاکھ روپے نقد اور چار مربعہ زمین کی صورت میں وصول کر چکے تھے۔ چونکہ منافرت انگیزی اور اس کا معاوضہ وصول کرنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اس لئے جونہی 29 مئی 1974ء کو بحران برپا ہو گیا۔ انہوں نے 30 مئی کو موعودہ زمین کا انتقال بھی کرا لیا۔ میں نے جب دیکھا کہ 40 / 35 لاکھ افراد پر مشتمل ایک پڑھی لکھی اخبار بین جماعت کا کوئی بیان تو کیا کوئی اخبار اُسکی طرف سے کی جانے والی صدفی صد درست اور صحیح تردید بھی چھاپنے کی اخلاقی جرأت نہیں کرتا۔ سب اپنی اپنی نقد جنس کی صورت میں قیمت وصول کر چکے ہیں۔ تو صحافت کا اولین فریضہ سمجھتے ہوئے ''لاہور'' کو حتی المقدور مظلومین

کی آواز بلند کرنے پر لگا دیا جس کا انعام پہلے تو کار اور چسیلے کے پرمٹ کی صورت میں عطا ہوا۔ جب وہ قبول نہ ہوا تو وزارت اطلاعات نے اشتہارات کی بندش کا حیلہ آزمایا۔ جب وہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا تو مدیر لاہور پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دروازے بند کردیئے گئے۔ اور جب مرد قلندر اس سزا کو بھی خاطر میں نہ لایا تو ہوم سیکرٹری صاحب کی طرف سے ہر پندرہویں بیسویں دن ''لاہور'' کے پبلشر (ثاقب زیروی) اور پرنٹر جناب م۔ش کو ضمانت طلبی کے نوٹس آنا شروع ہوئے اور آئے دن دونوں کی سیکرٹریٹ میں پیشی ہونے لگی ہوتے ہوتے ان نوٹسوں کی مالیت دولاکھ سے بھی بڑھ گئی۔ قلعہ گوجر سنگھ کے تھانے سے ایک باوردی سب انسپکٹر صاحب تشریف لاتے اور دستخط کرا کے نوٹس کی ایک نقل مجھے دے جاتے اور اسی طرح پریس میں جناب م۔ش کو بھی۔ وسط اپریل 75ء میں ایک دن جو وارد ہوئے تو میں نے اُن کا چہرہ کچھ متفکر و پریشان محسوس کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا کہ ''آج آپ قدرے پریشان محسوس ہوتے ہیں خیر تو ہے؟'' جواب ملا۔ ''پریشان تو ہوں مگر آپ کی وجہ سے'' عرض کیا۔ ''کیا آج کوئی زیادہ اہم ''لو لیٹر'' آ گیا ہے۔'' کہنے لگے۔ ''کیا آپ پر سرگودھا میں کوئی استغاثہ ہوا ہے اور وہاں سے کوئی سمن وغیرہ آیا۔'' عرض کیا۔ ''میرا سرگودھا سے کیا واسطہ؟ ویسے بھی اگر کوئی سمن وغیرہ آتا تو آپ ہی کی معرفت آتا اور آپ کو اس کا علم ہوتا۔'' کہنے لگے۔ ''یہی خیال میرا ہے بلکہ یہی میری اُلجھن ہے سمن آتا آپ تعمیل سے گریز کرتے تو وارنٹ آتا۔ مگر نہ کوئی سمن آیا اور نہ کوئی وارنٹ بلکہ بلا واسطہ وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت آ گیا ہے اور وہاں سے دو کانسٹیبل اور ایک ہیڈ کانسٹیبل آپ کی گرفتاری کیلئے بھی آئے ہیں جو نیچے فٹ پاتھ پر کھڑے ہیں۔'' پھر موصوف (مجھ سے کرایہ لے کر) آنے والوں کو واپسی کا کرایہ دے کر یہ کہہ کر لوٹا آئے کہ ''ایڈیٹر صاحب لاہور میں نہیں ہیں آج نہیں تو کل آ جائیں گے۔ ایک باقاعدہ ہفت روزہ کا ایڈیٹر دو دن باہر نہیں رہ سکتا۔ تاریخ پیشی میں ابھی پانچ دن ہیں ہم انہیں اور م۔ش صاحب کو گرفتار کر کے مقررہ تاریخ پر پیش کر دیں گے۔'' وہ چلے گئے تو سب انسپکٹر

صاحب اُوپر آئے اور کہا کہ ’’اب میرا مشورہ یہ ہے کہ ’’ آپ کل ہی عدالت عالیہ میں رٹ دائر کر دیں ۔ ہتک عزت کا قانون قابلِ ضمانت ہے اس میں خواہ مخواہ نا قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری نہیں ہونا چاہیے یہ کوئی اونچا گھپلہ معلوم ہوتا ہے ۔‘‘ ہتک عزت کا یہ استغاثہ ’’لاہور‘‘ کے پبلشر (ثاقب زیروی) اور پرنٹر (میاں محمد شفیع عرف م ش) کے خلاف سرگودھا کی مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر، راؤ عبدالمنان نے لاہور میں شائع ہونے والی ایک مراسلت کی بناء پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 500 کے تحت دائر کیا تھا اور چونکہ وہ بھٹوصاحب کے بڑے چہیتے اور معتبر جیالے تھے نیز اُن کے ایک عزیز راؤ عبدالرشید صاحب ان دنوں پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس تھے اس لئے مقامی انتظامیہ اُن سے مرعوب بھی تھی اور اُن کی خوشنودی طبع کا خیال رکھنا بھی اپنا فرض اولین سمجھتی تھی ۔ مزاج کے اعتبار سے بھی وہ دو آتشہ تھے اور اپنے آپ کو سرگودھا میں بھٹو صاحب کا خصوصی گماشتہ سمجھتے تھے ۔ دفتر سے واپسی پر محترم ومکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب سے مشورہ کیا انہیں اپنی اور سب انسپکٹر صاحب کی ساری گفتگو سنائی انہوں نے بھی رٹ دائر کرنے کی تجویز پر صاد کیا اور اگلی صبح عدالتِ عالیہ میں مرزا نصیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے رٹ دائر کر دی جو چیف جسٹس سردار محمد اقبال صاحب کے پاس لگی موصوف نے وارنٹ معطل کر دیئے اور ملزموں کو تاریخ مقررہ پر سرگودھا پہنچ کر راجہ محمد اقبال (مجسٹریٹ درجہ اول) کی عدالت میں مچلکے پیش کرنے کا حکم دیا چیف جسٹس صاحب نے اپنے مختصر فیصلے میں مجسٹریٹ (متعلقہ) کی قانونی شُدبُد پر حیرت کا اظہار بھی کیا جس نے ایک قابلِ ضمانت جرم میں خواہ مخواہ نا قابلِ ضمانت وارنٹ جاری کر دیئے تھے ۔ تاریخ سے ایک دن پہلے شیخ محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ ۔ مرزا نصیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جناب م ۔ ش اور یہ ناچیز بعد دوپہر ربوہ کیلئے روانہ ہوئے کیونکہ طے یہ پایا تھا کہ رات ربوہ میں گزاری جائے اور دن گرم ہونے سے قبل اگلی صبح سرگودھا پہنچ جائیں ۔ گو میں نے اس خبر کو بہت دبا کر رکھا تھا اور اپنے بڑے لڑکے (طاہر محمود احمد سلمہ) کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ اس استغاثہ کا ذکر

نہ اپنی ماں سے کرے نہ میری ماں سے مگر اوپر سے جب حضرت امی جان نے گھر کے سامنے بے وقت ایک بڑی کار کھڑی دیکھی، دو وکیل دیکھے، م۔شؔ صاحب کو آتے دیکھا اور مجھے کسی سفر کے لئے تیار ہوتے دیکھا تو وہ آرام سے نیچے اُتر آئیں اور دریافت فرمایا کہ ''کیا ماجرا ہے کہاں کی تیاری ہے کیا کوئی نئی افتاد آن پڑی ہے؟'' عرض کیا ''ماجرا اور اُفتاد صرف اتنی ہے کہ جب میرے آقا کے خلاف مقدمے بنا کرتے تھے تو آپ اکے یا تانگے پر بٹالے پہنچتے اور کسی درخت کے سائے میں چادر بچھا کر بیٹھا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ادنیٰ تریں غلام کو اس رنگ میں اُن سے مماثلت دی ہے کہ مقدمہ تو ہے مگر باہر کار کھڑی ہے۔ وکلاء حاضر ہیں اور ہر طرح کی آسانیاں میسر ہیں۔'' سمجھ گئیں۔ اس کے بعد مزید کرید نہیں کی۔ بس اتنا فرمایا ''فیر جا پُتر۔ ستے خیراں''

رات پوری طرح وارد نہیں ہوئی تھی کہ ہم ربوہ پہنچ گئے۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصرؔ احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کے دعائے خیر کی درخواست کی۔ صبح روانگی سے قبل پھر زیارت کیلئے حاضر ہوئے تو (معمول کے خلاف) مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''ثاقب! رات کوئی خواب دیکھی'' عرض کیا۔ ''سیدی دیکھی تو ہے مگر اُس کا میرے معاملے سے دُور کا بھی تعلق معلوم نہیں ہوتا ۔مَیں نے دیکھا کہ میرے دوست علامہ ارشد بہاولپوری (جو مغربی پاکستان اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر تھے) ربوہ میں پھر رہے ہیں۔ مَیں اُن سے پوچھتا ہوں (اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں) علامہ آپ اور ربوہ میں؟'' جواب ملا۔ ''مرزا ناصر احمد صاحب نے یاد فرمایا تھا حاضر ہو گیا۔'' یہ سُن کر مسکرائے اور فرمایا ''تو جائیے آپ کو اپوزیشن سے نصرت آئے گی'' ہم روانہ ہو گئے ایک کی بجائے کاریں دو ہو گئیں۔ سرگودھا میں محترم ومکرم مرزا عبدالحقؔ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ وہ فوراً تیار ہو کر ہمارے ساتھ ہو لیئے اور راجہ محمدؔ اقبال صاحب (مجسٹریٹ) سے جا کر کہا کہ '' م۔ش صاحب اور ثاقب صاحب آ گئے ہیں۔ حسب وعدہ ضمانت لے لی جائے۔'' اتنے میں ہم، ہمارے وکلاء، ہمارے ضامن (میاں عبدالسمیعؔ نون اور چوہدری عطاء اللہ بھٹی (ایڈووکیٹس) بھی

کمرہ عدالت میں پہنچ گئے ۔راجہ صاحب نے مرزا صاحب محترم کی بات سنتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں اور کہا ''مرزا صاحب ! یہ تو بڑا اہم کیس ہے آپ ضمانت کیلئے درخواست دے دیں ۔میں مستغیث کے نام نوٹس جاری کر دونگا پھر بحث کے بعد فیصلہ ہوگا کہ ضمانت ہو یا نہ ہو ورنہ پرسوں سیشن جج صاحب سے ضمانت لے لیں گے ۔'' گویا دو دن کیلئے ہمیں جیل میں رکھنے کا پروگرام تھا ۔مگر مرزا نصیر احمد صاحب راجہ صاحب کی یہ بات سُن کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور کہا ۔''میرا خیال ہے آپ کو اتنی زحمت نہیں کرنی پڑے گی ذرا ملاحظہ فرمائیے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحب نے کیا لکھا ہے ۔'' چیف جسٹس صاحب کا فیصلہ پڑھ کر راجہ صاحب چوکڑی بھول گئے اُن کے اوسان خطا ہو گئے اور فوراً آسمان سے زمین پر اُتر آئے فرمایا جناب والا یہ دو ایک نان جوڈیشنل قسم کی چٹھیاں ڈپٹی کمشنر صاحب کی طرف سے آئی ہیں مَیں ذرا ان کو دیکھ لوں آپ آرام سے بار روم میں جا کر بیٹھیں ۔وہیں سے مچلکے بھر کر بھیج دیں ۔راجہ صاحب کے اوسان خطا ہونے کی دُوسری وجہ مثل دیکھنے کے بعد مرزا نصیر احمد صاحب کا قدرے بلند آواز میں یہ کہنا تھا کہ ''سمنوں پر تو پولیس کی رپورٹ یہ ہے کہ ہم محرم ڈیوٹی کی وجہ سے تعمیل نہیں کرا سکے میرے خیال میں یہ تو رپورٹ نا قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کئے جانے کے لئے کافی نہیں ہے یہ واقعی کوئی اُونچا گھپلہ معلوم ہوتا ہے ۔'' م ۔شؔ صاحب اور میری آمد کی اطلاع سرگودھا کے وکلاء کو ہو چکی تھی ۔وہ بھی پندرہ بیس کی تعداد میں راجہ صاحب کی عدالت میں پہنچ گئے ۔جنہیں ہم جانتے تک نہ تھے اور ہمیں وہاں سے باصرار بار روم میں لے گئے جہاں کچھ دیر تک کوکا کولا اور چائے کے دَور چلتے رہے حتیٰ کہ ہمیں عدالت سے بھی تاریخ 29 مئی کی مل گئی ۔29 مئی قریب اجازت مرحمت ہوئی رخصت ہو کر باہر آ گئے ۔ابھی ہم گلی ہی میں تھے کہ میرے کانوں میں آواز پڑی ۔ثاقب ! ہم پھر بھاگے بھاگے گئے تو فرمایا ''آپ لوگ گھبرا تو نہیں گئے ؟ عرض کیا ۔سیدی گھبراہٹ کیسی ۔ہمارا کہا ں کوئی قصور ہے ۔'' فرمایا ''آپ بہت جلد بَری ہو جائیں گے ۔'' ہم انشاء اللہ کہہ کر باہر آ گئے ۔

احاطہ سے نکلے تو میاں صاحب نے کہا۔ ’’ثاقب بھائی! اب ہم بَری تو ہو جائیں گے کیونکہ حضرت صاحب نے کہہ دیا ہے مگر ہوں گے کوئی ساڑھے تین سال بعد!‘‘ ’’وہ کیوں؟ بھائی میرے!‘‘ ’’اس لئے کہ راؤ نے 150 گواہوں کی فہرست دی ہے جن کی تعمیل ہی دو سال میں ہو سکے گی پھر شہادتیں ہوں گی پہلے استغاثہ کی۔ پھر ہماری۔ پھر بحث اور اُس کے بعد فیصلہ۔ معلوم ہوتا ہے حضرت صاحب عدالتی طریق کار سے چنداں آگاہی نہیں رکھتے۔ مَیں نے کہا مجھے آپ سے اس لئے اتفاق نہیں کہ ہمارا یہ امام تو قید بھی رہا ہے۔ ویسے بھی میاں صاحب! ہم اُن کی مجلس عرفان میں تین چار گھنٹے بیٹھے رہے ہیں۔ کیا وہ یہ فقرہ اس وقت نہیں فرما سکتے تھے؟۔۔ تو تمہارا کیا خیال ہے؟‘‘ ’’میرا خیال ہے کہ کوئی فلیش آیا ہوگا القاء ہوا ہوگا۔‘‘ میاں صاحب یہ سُن کر چپ ہو گئے اور ایسے چپ ہوئے کہ صبح ناشتے پر بھی اس موضوع پر کوئی بات نہ کی۔ مَیں نے محسوس کیا کہ انہیں مُجھ سے اتفاق نہیں سرگودھا پہنچ کر مَیں تو عدالت کے باہر کھڑا ہو گیا اور میاں صاحب بار رُوم کا چکر لگانے کے لئے چلے گئے جب لوٹے تو اُن کے پیچھے پیچھے بیس پچیس وکلاء آ رہے تھے جو عدالت کے کمرے میں چلے گئے اور راجہ صاحب سے کہا کہ صاحب نے ہم ملزموں کو آگے بلوا کر کہا کہ آپ کے خلاف جو استغاثہ تھا وہ واپس لے لیا گیا ہے آپ دونوں کو باعزت بَری‘‘ کیا جاتا ہے تو میاںؔ صاحب کے لاشعور پر مسلط بات ہونٹوں پر آ گئی اور انہوں نے مجسٹریٹ سے مخاطب ہو کر کہا ’’حضرت صاحب نے تو یہ رات ہی فرما دیا تھا‘‘ بات لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ اعلان بریت کے بعد ہم سب پھر بار روم میں آ گئے اور وہ بھی جن پر کل تک بار روم کے دروازے بند تھے۔ بار روم میں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ بڑے دروازے پر ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر کے ایک بزرگ نمودار ہوئے۔ شلوار کی بجائے پتلون پہنے ہوئے مگر قمیض اوپر کھلی ہوئی۔ سفید داڑھی کلاہ دار سفید پگڑی مَیں نے سمجھا اپنے وکیل کو ڈھونڈ رہے ہیں اور اُن کی حرکات سے میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اُن کی بینائی قدرے کمزور ہے مگر امیر الاُمرا نے انہیں پہچان لیا وہ کسی نواحی جماعت کے صدر تھے اور انہیں بلا کر اپنے

ساتھ بٹھالیا۔ اب ایک صوفے پر وہ میرے اور مرزاؔ صاحب کے درمیان بیٹھے تھے چند منٹوں کے بعد انہوں نے مرزاؔ صاحب سے پوچھا کہ۔''ثاقبؔ صاحب کے خلاف مقدمے کا کیا بنا؟'' جواب ملا۔''الحمد للہ کیس واپس لے لیا گیا ہے باعزت بریت ہوگئی ہے۔''

کہنے لگے۔''میں پچھلی تاریخ پر بھی آیا تھا۔مگر راستے میں گھوڑے کا''تنگ۔۔۔''ٹوٹ گیا۔ جب پہنچا تو سب لوگ جا چکے تھے مگر مرزاؔ صاحب مَیں اب ان پیسوں کا کیا کروں جو احباب جماعت نے مجھے یہ کہہ کر دیئے تھے کہ جس طرح چاہو انہیں خرچ کرنا۔ثاقبؔ صاحب کو سزا نہیں ہونی چاہیے۔''اور اس کے ساتھ انہوں نے جناب مرزاؔ صاحب کو سوسو کے ساٹھ ستر نوٹوں کی ایک'' دتھی'' دکھائی مرزا صاحب محترم نے کہا''اب یہ اُن دوستوں کو شکریئے کے ساتھ واپس کر دیجئے اللہ تعالیٰ نے اُن کی نیت اور خواہش کے مطابق بغیر کسی خرچے ہی کے فضل فرما دیا ہے۔'' چند منٹ خاموشی کے گذر گئے تو انہوں نے مرزاؔ صاحب محترم سے پوچھا''ثاقب صاحب کہاں بیٹھے ہیں۔ انہیں مِل لوں تا کہ مَیں جماعت کو بتا سکوں کہ مَیں انہیں مل کر آیا ہوں۔'' جواب ملا''آپ ثاقبؔ صاحب کے ساتھ ہی تو بیٹھے ہیں۔'' یہ سنتے ہی وہ ایک محبانہ چیخ کے ساتھ اس عاجز سے اس بے ساختگی سے لپٹے کہ سامنے بیٹھے ہوئے تین چار وکلاء اس منظر کو دیکھ کر آنکھوں میں بے ساختہ اشک بھر لائے اور محترم ملک محمدؔ اقبال (صدر بار ایسوسی ایشن سرگودھا) نے کہا''دوستو! یہ ہے جماعت! اسے کہتے ہیں جماعت! دونوں ایک دوسرے کے والا و شیدا بھی ہیں اور ذاتی طور پر جانتے بھی ہیں۔'' اور میرے قلب و روح مولا کریم کے اس لطف و کرم خاص پر اس کی حمد سے لبریز ہو گئے بے لوث خاطر تواضع کا ایک اور دَور چلا اس کے بعد میز بانوں کے اصرارِ بسیار پر کھانا بھی کھایا اور پھر ہم نے (اُن کی) باگیں کاروں کے کانوں پر رکھ دیں۔تا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ربوہؔ جا کر حضرت صاحب کو یہ نوید سنائیں کہ اُن کے منہ سے نکلی ہوئی بات کس باوقار انداز میں پوری ہوئی ہے کوئی سوا دو بجے دوپہر کے قریب ہم ربوہ پہنچے۔

29 مئی کو سوا دو بجے دوپہر جب ہر طرف چلچلاتی دھوپ مسلط تھی۔ کار احاطہ میں داخل ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ حضرت صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے بیرونی برآمدے میں ٹہل رہے ہیں۔ سر ننگا ہے، پاؤں میں سلیپر ہیں اور ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے خدام سلسلہ صاحبزادگان مرزا خورشید احمد اور مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔ کار کھڑی ہوئی تو دھوپ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فوراً ہماری طرف لپکے اور میرے چہرے کا بغور جائزہ لینے کے بعد فرمایا۔ ''آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کھانا کھا آئے ہیں اور مَیں نے اور منصورہ بیگم نے ابھی تک نہیں کھایا اور مجھے تو ضعف بھی ہو رہا ہے۔'' عرض کیا ''سیدی! انہوں نے بہت اصرار کیا۔ محترم مرزا صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا کہ کھا لینا چاہیے مگر آپ کے ساتھ بھی کھا لیں گے۔'' ہاں تو کیس کا کیا بنا؟'' ''بَری ہو گئے میرے آقا!'' ''آج ہی ہو گئے؟'' ''سیدی! آپ نے رات ہی تو فرمایا تھا کہ تم بہت جلدی بَری ہو جاؤ گے۔'' اس کے بعد آپ نے دفتر کے ایک کارکن کو آواز دی کہ ''انہیں کھانے کی میز پر لے جا کر بٹھاؤ مَیں شکرانے کے نفل پڑھ کر آتا ہوں۔''

'' کارکن ہمیں لے کر کمرے کی طرف چلا۔ جب گلی میں پہنچے تو میاں صاحب (م ش) دیوار کے ساتھ ماتھا لگا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ مَیں نے دلاسا دینا چاہا تو بولے ''مجھ پر تو آج یہ راز کُھلا ہے کہ تم لوگ اپنے امام کے اس قدر فدائی کیوں ہو وہ تو تم سے بھی زیادہ بیقرار ہے۔ ایسی محبت تو مَیں نے جسمانی باپوں میں بھی نہیں دیکھی۔'' ایک اور بات جس کا ذکر کئے بغیر داستان ادھوری رہے گی یہ ہے کہ اس مقدمے میں جن تین افراد نے اہم رول ادا کیا وہ تینوں ہم نام تھے یعنی وہ مجسٹریٹ جس نے پولیس کی اس رپورٹ پر کہ ''محرم ڈیوٹی کی وجہ سے تعمیل نہیں کرائی جا سکی'' وہ بارہ سمن جاری کرنے کا حکم دینے کی بجائے وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت جاری کر دیئے اُس کا نام راجہ محمد اقبال صاحب تھا۔ لاہور ہائی کورٹ کے جس چیف جسٹس نے ان وارنٹوں کو معطل کیا اور حکم دیا کہ ملزمان مقررہ تاریخ پر سرگودھا جا کر مچلکے داخل کر دیں اُس کا نام سردار محمد اقبال صاحب تھا اور

بار ایسوسی ایشن سرگودھا کے جس صدر نے مستغیث کو اس کی حیثیت عرفی اور معاشرتی مقام و مرتبہ سمجھا کر اپنا استغاثہ واپس لینے پر آمادہ کیا اُس کا نام ملک محمد اقبال صاحب تھا۔



وہ مقدس وجود

جس کے منہ سے نکلی ہوئی بات اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا تھا مصباح کی مدیرہ محترمہ نے سیدی و محبوبی حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی پاکیزہ مطہر زندگی کے بارے میں کچھ لکھنے کو کہا ہے اور مَیں اسی وقت سے اس اُلجھن میں ہوں کہ 43-42 سال پر پھیلے ہوئے قربت و رفاقت حسنہ کے اس رشتے کو کہاں سے پکڑوں کہ مضمون کو شروع کر کے مکمل کر سکوں کیونکہ

مشکل بہت ہے مل کے بچھڑنے کا مرحلہ
اللہ نہ دے کسی کو سزائے غمِ فراق

پھر یہ قربت و رفاقت حسنہ بھی اس مقدس وجود سے جس کی شیریں زبان سے سب سے پہلی دفعہ اپنے رب کے راز و نیاز کی گفتگو سننے کا 1942ء میں شرف حاصل ہوا اس ''ہدایت'' کے ساتھ کہ'' ثاقب اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا'' اس کے بعد سلسلہ جاری رہا۔ روح پاکیزہ و پُرانوار مکالمات سے اکثر سیراب ہوتی رہی لیکن اس ''ہدایت اولین'' کے باعث لبوں پر ہمیشہ مہر سکوت لگی رہی۔ بلکہ حضور کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی بچوں، دوستوں اور احباب جماعت سے صرف وہی باتیں کرنے یا دہرانے کی جرات کی جن کی آگے بیان کرنے کی مرحمت فرمادی گئی۔ وہ شخص جو اکثر خدا کے عطاء کردہ علم سے گفتگو فرماتا تھا۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ اور ایسے رواروی کے انداز میں کہ وہ بات اکثر ضمنی اور متفرق ہی سی معلوم ہوتی اس وقت تک۔ جب تک رضائے الٰہی سے چند گھنٹوں اور بعض اوقات چند لمحوں کے بعد لفظاً لفظاً پوری ہو کر سامنے نہ آئی۔ 1974ء سے 1977ء تک تو ایسے ایمان افروز لمحے تو بار ہا آئے۔ اُن ایام ابتلاء میں جب حکومت کی طرف سے

''لاہور'' سے ہر دسویں پندرھویں دن دس ہزار، پندرہ ہزار روپے کی ضمانت طلبی کے سلسلہ نے معمول کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ جب ''روز نامچہ'' کی اشاعت کی پاداش میں اس عاجز کے خلاف حکومت کی طرف سے ''ڈی پی آر'' کے تحت دو ایسی دفعات کے تحت مقدمات درج ہوئے جن میں سے ایک میں سزا چودہ سال تھی تو دوسرے میں دس سال اور جب ایک اشارۂ خاص پر ایک معاند سلسلہ نے ناچیز کے خلاف ''ہتک عزت'' کا ایک استغاثہ سرگودھا میں دائر کیا تھا ارباب اختیار کی ایسی اشیر باد اور پشت پناہی کے ساتھ کہ بوکھلائے ہوئے مجسٹریٹ کی عدالت سے ہمیں سمن اور اس کے بعد وارنٹ کی بجائے پہلی ہی دفعہ ''وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت'' وصول ہوا۔ ہتھکڑی کی کھنکتی ہوئی زنجیروں کے ساتھ جسے ہائیکورٹ نے غیر قانونی قرار دے کر معطل کیا۔ ہاں اُن ایام میں جب بالآخر اس ناچیز کو 11 فروری 1977ء کو گرفتار بھی کیا گیا تو میرے سید و محبوب کی دعائیں مجھ پر اس طرح تنی رہیں کہ سارا دن تھانے میں بٹھا کر بالآخر یہ کہہ دیا گیا کہ ''چونکہ کاغذات میں گرفتاری صبح ڈالی جائے گی آپ کل صبح ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان آ جائیں۔'' اور جب وہاں اگلے دن پہنچا تو تھانے کے انچارج نے ہنس کر کہا ''یا تو وہ شوراشوری تھی یا یہ بے نمکی ہے۔ پہلے ایک تابڑ توڑ حکم کے تحت گرفتار کرنے کو کہا گیا جب گرفتار کر لائے تو چند گھنٹوں کے بعد حکم آ گیا گرفتاری صبح ڈالنا اور صبح ہوئی تو حکم آ گیا فی الحال گرفتاری نہ ڈالو۔'' فرمانے لگے۔

''ثاقبؔ صاحب معلوم ہوتا ہے آپ کے ہاتھ بہت بہت لمبے ہیں ورنہ پی پی پی کے دور میں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔'' عرض کیا ''ہاں واقعی بہت لمبے ہیں۔ جو آسمان تک پہنچتے ہیں۔ میرا ہاتھ ایک ایسے راستباز اور برگزیدہ انسان کے ہاتھ میں ہے جو میرے رب کو بہت محبوب ہے۔'' مجھے تو حاضری کی سعادت ساتویں یا دسویں دن نصیب ہوتی تھی۔ پھر اس حاضری کیلئے کسی دن اور وقت کی قید بھی نہ تھی۔ ان ایمان بھرے نظاروں سے صبح و شام لطف اندوز تو ہوتی ہو گی وہ نیک اولاد جو ہر وقت اس وجود باوجود کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہتی تھی یا پھر آپ کی محبوب رفیقۂ حیات

حضرت سیدہ منصورہ بیگم نوراللہ مرقدہ جو

قصرِ خلافت میں اُجالے کی طرح تھی
تھی چاند مگر چاند کے ہالے کی طرح تھی

حضور کے خدائی اشارے کے تحت گفتگو فرمانے کا ایک واقعہ حضرت سیدہ محترمہ ہی کی زبانی سماعت فرما لیجئے۔ اس واقعہ کی تمہید کے طور پر عرض کر دوں کہ حضرت سیدہ محترمہ کو پان کھانے کا شوق تھا۔ حضور بھی پان کا شوق فرماتے تھے۔ خلافت کی خلعت پہننے سے قبل مگر سیدہ محترمہ سے کم اور چونکہ مجھے بھی یہ عادت سکول کے ابتدائی ایام سے ہے اس لئے مجھے بھی ہمیشہ اس خوانِ نعمت سے مائدہ عطا ہوتا رہا۔ 1965ء کی جنگ میں پان باہر سے آنا بند ہو گئے میں جو ربوہ آیا تو حضرت آپا جان نے جس پتے پر چونا کتھا لگوا کر مجھے بھجوایا وہ غالباً چنبیلی کا پتہ تھا بہر حال پان کا نہ تھا۔ یہی صورت پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحب کے پاندان کی تھی ۔ اس دن کے بعد مَیں نے اپنا معمول بنا لیا کہ جب بھی ربوہ آیا بیس اکیس پان کے پتے ساتھ لیتا آتا۔ ''لاہور'' کے دفتر کے نیچے ایک تنبولی کا کھوکھا تھا۔ اس کی باقاعدہ ڈیوٹی لگا دی گئی مَیں اسے اپنی اگلی حاضری کی تاریخ بتا دیتا اور وہ دن درمیانی دنوں میں جوں توں بیس اکیس پان اکٹھے کر لیتا جو حضرت آپا جان کی خدمت میں پہنچتے ہی دو دو چار چار کر کے خاندان کے مختلف گھروں میں بٹ جاتے۔

1965ء کے بعد 1971ء میں بھی کامیابی کی یہی صورت ہوئی۔ مَیں نے 1965ء میں جو ارادہ کیا تھا اس سے پہلے معمول پھر عادت کی شکل۔ اور پانوں نے خاندان حضرت اقدس میں میرے ''ملاقاتی کارڈ'' کی صورت اختیار کر لی۔ حضور نے خلافت کے بعد یہ شوق پہلے کم کیا۔ پھر بالکل ہی چھوڑ دیا۔ یعنی جب تک مَیں حضوری میں رہتا۔ میرے لئے تھلیا میں پان لگ کر اندر سے آتے رہتے اور اگر کبھی تاخیر ہو جاتی تو حضور خود اندر تشریف لے جا کر لگوا کر لے آتے۔ اللہ رے غلام نوازی! اس سلسلہ کا 1977ء کی جنگ کے دنوں کا ایک واقعہ ہے ایک دن مَیں صبح سویرے

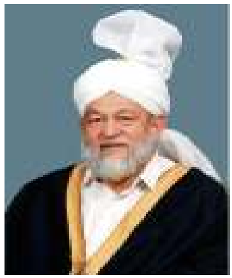
ریل کار سے ربوہ پہنچا۔ ریل کار سردیوں میں سات بجے کے قریب ہی ربوہ پہنچ جاتی تھی۔ اسٹیشن سے سیدھا قصرِ خلافت پہنچا۔ ''برگ سبز'' کا تحفہ اندر بھجوایا۔ اندر سے ارشاد ہوا ''ناشتہ بھجوایا جارہا ہے دفتر ہی میں بیٹھیں''، مگر جب ناشتہ آیا تو خادمہ اس کے ساتھ ہی ایک بند لفافہ بھی لائی جس پر کوئی نام درج نہ تھا اس لئے جب میں اس خیال سے اُسے جیب میں ڈالنے لگا کہ ملاقات کے دوران مَیں حضور سے دریافت کرلوں گا کہ یہ کس کے نام ہے تو خادمہ نے بتایا کہ ''وہ خط میرے نام ہے اور حضرت آپا جان نے بھجوایا ہے'' ناشتے سے فراغت کے بعد مَیں نے اس ملفوف کو کھولا تو اس کا مضمون یہ تھا ''آپ کا پان لانا تو ایک خوشگوار معمول بن چکا ہے اور رسمی شکریے سے بات بہت آگے نکل چکی ہے مگر آج ایک ایسی بات ہوئی کہ مَیں اس کے روحانی لطف و سرور میں آپ کو بھی شامل کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی چند منٹ گزرے حضور میرے کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا آج پان کو جی چاہتا ہے آپ کے پاس کوئی ٹکڑا ہے مَیں نے پاندان کھولا۔ اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا بلکہ کھنگالا اور عرض کیا۔ حضور صرف یہ پون انچ چوڑا اور کوئی سوا انچ لمبا ایک ٹکڑا ہے۔ فرمایا ''یہ مجھے لگا دیں آپ کے پان اللہ تعالیٰ بھجوا دے گا'' مَیں نے ارشاد کی تعمیل کی حضور نے وہ ٹکڑا دہن مبارک میں رکھا اور اپنے کمرے میں تشریف لے گئے کہ دو منٹ کے بعد دفتر کے ایک کارکن نے باہر سے آواز دی ''ثاقب صاحب نے سلام عرض کیا ہے اور یہ پان بھجوائے ہیں''

عطیہ دستار

آپا جان حضرت منصورہ بیگم صاحبہ کے وصال کے بعد بوجوہ میرا معمول بن گیا کہ میں ہفتے میں دو راتیں ربوہ میں گزارتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی صحبت میں چار پانچ گھنٹے گزارتا۔ رات ''سرائے محبت'' میں بسر کرتا اور اگلی صبح لاہور لوٹ آتا۔ میرے پہنچنے کے وقت عام طور پر حضور کمرہ ملاقات ہی میں بیٹھے ہوتے اور اپنے غلام کا انتظار ہو رہا ہوتا۔ ایک دن مَیں نے عرض کیا کہ ''میاں مبارک علی صاحب ٹمبر (اب آئرن) مرچنٹ جو مجھے اپنی کار پر لے کر آتے ہیں حضور

سے ملاقات کے متمنی و ملتجی ہیں۔‘‘فرمایا’’بلالو‘‘مَیں باہر گیا تو میاں صاحب نماز کیلئے بیت مبارک تشریف لے جا چکے تھے۔ اب مَیں آواز بھی دیتا تو کیسے وہاں تو کئی مبارکؔ تھے۔ ادھر حضور ملاقات کیلئے تیار کھڑے تھے۔ صاحبزادہ میاں انسؔ احمد بھاگے ہوئے آئے مَیں نے صورتحال عرض کی کہنے لگے۔’’حضور تو اسی وقت سے کھڑے ہیں۔‘‘ نماز ختم ہوئی تو مَیں نے میاں صاحب کو تمام بات سنائی اور ساتھ لے کر چلا حضور کو اطلاع کی گئی تو حضور نے باہر نکل کر انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا یہ کہتے ہوئے’’ آپ کا تو مجھ پر شکریہ بھی واجب ہے آپ میرے ثاقبؔ کو لے کر آتے ہیں۔‘‘ میاںؔ صاحب ملاقات کر کے چلے گئے اور کمرے میں ہم دونوں رہ گئے۔ مجھے اُن دنوں’’ ہرنیا کی تکلیف تھی اور پیشاب آور ادویہ بھی اکثر حضور ہی دیا کرتے تھے۔ جب کبھی پیشاب آجاتا تو روکنا مشکل ہو جاتا۔ مَیں اگر ضبط کرنے کی کوشش کرتا تو چہرے پر ضبط و قرب کے آثار ضرور نمودار ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد جو مجھ پر یہ کیفیت وارد ہوئی تو حضور نے میرے چہرے پر بھانپ کر فرمایا’’ آپ غسلخانے سے ہو آئیں مَیں آپ کیلئے پان بنوا کر لاتا ہوں۔‘‘ حضور تشریف لے گئے تو مَیں غسل کھانے گیا۔ مجھے کچھ دیر ہو جایا کرتی تھی۔ دیر کے بعد نکلا تو دروازے پر حضور صاحبزادہ مرزا مظفرؔ احمد اور صاحبزادہ مرزا فریدؔ احمد کو پایا۔ حضور کے ہاتھ میں کوئی کپڑا تھا۔ فرمایا’’ یہ لو یہ وہ پگڑی ہے جو مَیں نے کل جمعہ میں باندھی تھی۔‘‘ میرے لئے یہ عطیہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ حضور کی طرف سے مجھ پر اور میری نسلوں پر یہ کرم بھی ہو سکتا تھا۔ مَیں نے بے ساختہ اس دستار مبارک کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو چھلک پڑے فرمایا’’ آپ بھی نِرے شاعر ہیں اس میں رونے کی کونسی بات تھی۔‘‘ ربوہ سے واپسی پر اس عطیہ خاص پر اشعار ہونا شروع ہوئے۔ چوتھے دن جب پھر حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کوئی تازہ کلام؟ عرض کیا حضور کی اس دن کے کرم پر کچھ اشعار ہوئے ہیں۔ حضور نے فوراً ٹیپ ریکارڈر کھولا اور وہ اشعار ریکارڈ کر لئے۔ یہ بے ساختہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مرکز جو دوسخا اب گہر بار بھی ہے	تو میرے واسطے اک دولتِ بیدار بھی ہے
جب بھی ہوتی ہے تری مجھ پر عنایت کی نظر	دل یہ کہتا ہے کہ تو اس کا سزا وار بھی ہے؟
دے دیا ہاتھ ترے ہاتھوں میں جب سے مَیں نے	ایسا لگتا ہے کوئی میرا نگہدار بھی ہے
لوگ کہتے تو ہیں پر اُن کو یہ معلوم کہاں	مرحلہ عشق کا آسان بھی دشوار بھی ہے
میری سانسوں میں بسی رہتی ہے تیری خوشبو	میرے شعروں میں تیری باتوں کی مہکار بھی ہے
جراَتیں تو نے ہی بخشی ہیں قلم کو میرے	میرا سرمایہ تیری دولتِ افکار بھی ہے
تیرا ہر حکم میرے واسطے پیغام حیات	تو مربی بھی ہے محسن بھی ہے غمخوار بھی ہے
اپنی خوش بختی پہ خود رشک نہ کیوں آئے مجھے	میرے سر پر تیرا سایہ بھی ہے دستار بھی ہے
دل کہ مسرور بہت رہتا ہے قربت میں تیری	اپنے آقا کی دعاؤں کا طلبگار بھی ہے
ہے میرے واسطے اس در کی غلامی کافی	خوش ہے ثاقبؔ کہ ترا ادنیٰ رضا کار بھی ہے



انتخاب خلافت رابعہ

جب سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث صاحبزادہ مرزا ناصرؔ احمد کی اسلام آبادؔ سے علالت کی اطلاع موصول ہوئی تھی مَیں روزانہ ’’شاہنواز میڈیکو‘‘ سے بیت الفضل میں فون کر کے حضور کی رفتارِ صحت معلوم کرتا اور عام طور پر صاحبزادہ ڈاکٹر مبشرؔ احمد صاحب فون پر رفتار صحت بتلاتے۔ ایک دن جو مَیں نے فون کیا تو ڈاکٹر مبشرؔ احمد کی بجائے ایک مانوس آواز سنائی دی یہ آواز میرے آقا ناصر الدین کی تھی فرمایا ’’ثاقب تم آئے نہیں‘‘ عرض کیا ’’حضور مَیں تو اس ڈر کے باعث نہیں آیا مبادا حضور مجھے اپنے پاس بٹھالیں اور حضور کے معالج اور چارہ گر مجھ سے خوامخواہ ناراض ہوں۔‘‘ فرمایا ’’مَیں تو اب بالکل ٹھیک ہوں‘‘ عرض کیا ’’تو حضور مَیں صبح ہی کی پرواز سے

حاضر ہو رہا ہوں۔''

مَیں نے اس خوشی میں مجیب الرحمٰن صاحب امیر جماعت راولپنڈی (جو اتفاق سے لاہور میں تھے) مرزا نصیر احمد اور چوہدری محمد اسلام بھٹی کو کھانے کی دعوت دی۔ ہم کوئی گیارہ بجے چینی ریستوران ''می کا نگ'' (گلبرگ) سے لوٹے مَیں نے مجیب صاحب سے کہا کہ مَیں بھی کل آپ کے ساتھ اسلام آباد چلوں گا کیونکہ حضور اب تندرست ہیں میری آج حضور سے براہ راست گفتگو ہوئی ہے۔ مگر اس اثناء میں حضور پر وہاں دل کا ایک اور حملہ ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مَیں آ کر صحن میں بچھے بستر پر لیٹ گیا مگر نا جانے کیوں طبیعت سخت بے چین تھی۔ 12 بجے میں نے نفل پڑھنے شروع کئے مگر طبیعت کو کسی پہلو سکون نصیب نہ ہوا۔ ناچار، نوافل کے بعد پھر لیٹ گیا لیکن آنکھیں نیند سے بیزار تھیں یہاں تک کہ ڈیڑھ دو بجے کے درمیان نیچے سے میرا بڑا لڑکا عزیزی محمود اوپر آیا اور اس نے آ کر کہا کہ ''آپ کو مکرم امیر صاحب نے دارالذکر میں یاد فرمایا ہے۔'' مَیں نے کہا ''بیٹے! امیر صاحب تو لاہور میں نہیں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''میری مراد نائب امیر صاحب سے ہے۔ ایک لڑکا موٹر سائیکل پر آپ کو بلانے آیا ہے۔'' مَیں نیچے گیا اور چپکے سے موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا گو اس سے پہلے اور اس کے بعد میں کبھی موٹر سائیکل یا سکوٹر پر نہیں بیٹھا۔ راستہ بھر وہ خادم اور مَیں دونوں خاموش رہے لیکن جب اس نے مجھے دارالذکر میں جا کر اُتارا تو مَیں نے اس سے کہا کہ ''آخر مجھے بتاؤ تو بات کیا ہے؟'' اور وہ مجھ سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگا اور میں سمجھ گیا کہ خیر کی خبر نہیں ہے۔ مکرم چوہدری فتح محمد صاحب نائب امیر مجھے دیکھتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے اور پھر سسکیوں اور آہوں کے دوران میں مجھے فون ڈیوٹی دے کر خود گھر چلے گئے۔ دراصل انہیں یہ ہدایت تھی کہ وہ مجھے خاموش نہ رہنے دیں۔ اشاروں کنائیوں سے ساری بات بتائیں اور مصروف رکھیں۔ صبح کے سات بجے کے قریب وہ

پھر آئے اور کہنے لگے ’’جنازہ تو بہر حال انتخاب خلافت کے بعد ہوگا اور ابھی تو حضور کا جسدِ مبارک بھی ربوہ نہیں پہنچا ہوگا مگر ہر فون کرنے والے سے کہہ رہے ہیں کہ بس ربوہ پہنچ جاؤ اور آپ کے بعد وہ مجھے فون کرتے ہیں۔‘‘ مَیں نے عرض کیا ’’چوہدری صاحب ربوہ کی آبادی میں بعض نا پسندیدہ لوگ بھی ہیں جن سے ہر نا شدنی کی امید ہے آپ ان دیوانوں کو وہاں جانے دیجئے ان کو ربوہ کی گلیوں اور سڑکوں پر گروہ در گروہ پھرتے دیکھ کر ان لوگوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔‘‘ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا اور کہا ’’ہم کب چلیں گے؟‘‘ مَیں نے عرض کیا ’’بعد دوپہر۔‘‘ ہم بعد دوپہر روانہ ہو کر ربوہ پہنچے تو بسوں کے اڈے ہی پر ایک خادم نے خواہشمندِ خلافت کی طرف سے پھیلایا گیا ’’سائیکلوسٹائل‘‘ دیا اور کچھ فرائض بتائے اور کہا کہ ’’سینٹر مولوی ظہور احمد آپ کا دارالضیافت میں انتظار کر رہے ہیں۔‘‘ مجھے اور چوہدری فتح محمد صاحب مرحوم و مغفور کو دارالضیافت میں ایک کمرہ مل گیا۔ اور مَیں منہ ہاتھ دھو کر مولوی ظہور صاحب کے ساتھ ڈیوٹی پر نکل گیا اور کوئی اڑھائی بجے شب فارغ ہو کر کمرے میں پہنچا۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب نیم غنودگی میں تھے۔ چونکہ نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے مَیں نے وضو کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے اور بڑے الحاح کے ساتھ اپنے رب سے جماعت کے نئے سربراہ کے بارے میں التجائیں کیں جن کے دوران میں مجھے بڑے زور سے آواز آئی ’’ابن مریم آرہا ہے‘‘ آواز اس قدر بلند تھی کہ حضرت چوہدری صاحب اُٹھ کر بیٹھ گئے مَیں نے چٹخنی اُتار کر باہر کی طرف نظر دوڑائی ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ واپس آکر مَیں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ ’’حضرت مسیح موعود تو ’’مثیل ابن مریم‘‘ ہیں اُن کا چوتھا خلیفہ ’’ابن مریم‘‘ کیسے ہو گیا؟‘‘ ہم دونوں نے فکر و نظر کے خوب خوب گھوڑے دوڑائے مگر یہ گتھی سُلجھ نہ سکی۔ حتیٰ کہ چوہدری صاحب نے کہا ’’ہم ناشتہ بی بی امۃ الجمیل کے ہاں کریں گے شاید وہاں یہ عقدہ حل ہو جائے‘‘ اور ہم ناشتے کیلئے وہاں پہنچ گئے وہاں اتفاق سے صاحبزادہ مرزا طاہر احمد، راجہ غالب احمد اور ایک اور دوست بھی موجود تھے جن کا نام اس

وقت ذہن میں مستحضر نہیں۔ چائے وغیرہ پینے کے دوران نہ جانے کس نے ’’انتخاب خلیفہ‘‘ کی بات کی تو مَیں نے کہا’’ یہ ہمارا تردد نہیں ’’ارکان ادارہ انتخاب‘‘ جس شخص کو چن لیں گے ہمارا رحیم و کریم خدا اُسے اگلے ہی لمحے مرزا ناصرؒ احمد بنا دے گا۔‘‘ صاحبزادہ صاحب نے کہا’’ رات فلاں دفتر میں جب کسی نے یہ سوال اُٹھایا تو مَیں نے بالکل یہی جواب دیا تھا۔‘‘ ظاہر ہے اس کے بعد’’ابن مریم‘‘ کا پس منظر و پیش منظر زیر بحث آ ہی نہیں سکتا تھا۔ بیت مبارک میں ادارۂ انتخاب کا اجلاس تھا۔ شدید گرمی تھی حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں نوراللہ مرقدہ لندنؒ سے ربوہؒ پہنچ چکے تھے۔اب ہمیں یہ خواہش تھی کہ جس صورت بھی ممکن ہو ہم نئے خلیفہ کی پہلی بیعت میں شامل ہوں۔ مَیں نے کہا’’اس کی ایک ترکیب ہے آپ مجھے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا دیں مجھے قصر خلافت کے تمام خدام جانتے ہیں وہ دروازہ ضرور کھول دیں گے اور ہم پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں جا بیٹھیں گے جونہی انتخاب کی کارروائی مکمل ہوئی تو بھاگ کر بیت مبارکؒ ہی میں پہنچ جائیں گے۔‘‘ اور ویسا ہی ہوا۔ہم پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں پہنچ گئے اور پھر جونہی صاحبزادہ مرزا انسؒ احمد نے باہر آ کر فرشِ زمین پر سجدہ شکرانہ ادا کیا ہم بھاگ کر بیت مبارک میں پہنچ گئے۔ جہاں میرے ایک طرف چوہدری فتح محمدؒ صاحب اور دوسری طرف چوہدری ظہورؒ احمد صاحب مرحوم ناظر دیوان بیٹھے تھے کہ بیعت کے بعد ثانی الذکر نے میرے چہرے پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔’’ آپ کے چہرے پر مَیں ایک خاص قسم کی آسودگی اور اطمینان دیکھ رہا ہوں۔‘‘ عرض کیا’’ آپ بجا فرما رہے ہیں دراصل حضرت صاحبزادہ مرزا طاہرؒ احمد کو دیکھتے ہی ایک عُقدہ حل ہو گیا ہے جس نے رات سے ہم دونوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ یہ’’ابن مریم‘‘ ہی تو ہیں۔‘‘ حضرت اُم طاہرؒ نوراللہ مرقدہ کا نام مریمؒ ہی تو تھا بیعت کے بعد دارالضیافت سے ہو کر ہم پھر قصر خلافت پہنچ گئے۔تا کہ جنازہ اور تدفین میں شامل ہو سکیں اور ان دونوں سعادتوں کے حاصل کرنے کے بعد لاہور لوٹ آئے۔’’انتخاب خلافت‘‘ سے تیسرے دن میرے بھائی چوہدری محمد بشیرؒ زیروی ملاقات کیلئے ربوہ گئے۔اور واپس آ کر ملاقات کی تفصیل

اور نئے انتظامات کے بارے میں بتایا۔ پانچویں یا چھٹے دن پرچہ مارکیٹ میں آتے ہی میں عازم ربوہ ہو گیا اور قصر خلافت کی بجائے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر میں پہنچا کہ ملاقات کیلئے نام لکھوا سکوں مکرم میجر حمید کلیم نے مجھے دیکھتے ہی متعلقہ کلرک سے کہا کہ میرا نام سب سے اُوپر لکھ دے۔ ابھی وہ اس حکم کی تعمیل نہیں کر پایا تھا کہ قصرِ خلافت سے ایک باڈی گارڈ نے آ کر کہا کہ ''حضور نے یاد فرمایا ہے'' مَیں اپنی اس خوش بختی پر نازاں دوڑتا ہوا اسی کمرہ میں پہنچا جہاں حضرت منصورہ بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد میں ہفتے میں دو راتیں ربوہ میں بسر کرتا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حضور گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا کمرہ میں داخل ہوتے ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے مجھے کھڑے ہو کر اپنے ساتھ لپٹا لیا اور ہم دونوں کوئی دو منٹ تک کھڑے سسکیاں بھرتے رہے۔ پھر بیٹھ گئے تو چند لمحوں کے بعد خاموشی کے اس طلسم کو توڑتے ہوئے فرمایا ''مجھے اس بات کا احساس ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا آپ کے ساتھ جو امتیازی تعلق تھا وہ نہ تو جماعت کے کسی اور رکن کے ساتھ تھا اور نہ خاندان ہی کے کسی رکن کے ساتھ''۔ بہتے ہوئے اشکوں میں عرض کیا۔ ''حضور وہ امتیازی تعلق بھی بغیر استحقاق تھا اور اب جو حضور عنایات فرمائیں گے وہ بھی بغیر استحقاق ہوں گی۔''

ذکر سالانہ جلسوں میں پڑھی جانے والی نظموں کا

احمدیت کے اسٹیج سے میرے نظم پڑھنے کے سلسلے کا آغاز 1939ء میں خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے دوران میں بیت الاقصیٰ (قادیان) کے صحن میں منعقد ہونے والے اس خصوصی اجلاس سے ہوا جس سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خطاب فرمایا۔ حضور کے خطاب سے قبل مجھے اپنی نظم پڑھنے کی اجازت مرکزی قائد خدام الاحمدیہ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد نے ہزار ہچکچاہٹوں کے بعد عطا کی تھی اُن کا کہنا تھا کہ حضور کی موجودگی میں معمولاً حضور ہی کا کلام پڑھا جاتا ہے اور اکثر وہ صاحب پڑھتے ہیں جنہیں حضور خود اجازت مرحمت فرمائیں۔ جو صحیح تلفظ رکھتے ہوں اور جن کا طرزِ

ادائیگی پسندیدہ ہو۔ میرے عاجزانہ اصرار بسیار پر نظم دیکھ لینے کے بعد موصوف مجھے مشروط اجازت دینے پر آمادہ ہوئے۔ شرط یہ ٹھہری کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نظم پڑھے جانے کے وقت اسٹیج کے سامنے بیت الاقصیٰ کی سیڑھیوں کی ایک بُرجی پر کھڑے ہوں گے۔ مَیں اُن کی طرف بھی دیکھتا رہوں گا اگر وہ ہاتھ ہلا کر بیٹھ جانے کا اشارہ کریں تو مَیں نظم پڑھنا بند کر دوں الحمدللہ کہ ایسا کوئی سانحہ پیش نہ آیا۔ بلکہ جب حضور نے مجھ سے نظم کا یہ دوسرا شعر بفرمائش کریمانہ مکرر پڑھوایا کہ

زخمۂ نور سے یوں چھیڑ رُبابِ ہستی
قلب بیتاب کا ہر ذرہ دعا دے ساقی

تو حضرت صاحبزادہ وہاں سے غائب ہو گئے اور مَیں زیادہ اطمینان سے پڑھنے لگا۔ اس کے بعد حضور نے مزید تین چار شعر مکرر پڑھوائے جس کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ آئندہ کیلئے تمام راستے صاف ہو گئے اور مَیں اسی سال جب جلسہ سالانہ میں شرکت کیلئے قادیان آیا تو جماعت احمدیہ زیرہؔ (ضلع فیروز پور) کی ملاقات کے دوران میں اس ناچیز کو شرف مصافحہ سے نوازتے وقت حضور نے فرمایا ’’کیا آپ پرسوں میری تقریر سے قبل میری نظم پڑھ دیں گے؟‘‘ اللہ اللہ یہ کرم بے حساب کے کنواں پیاسے سے دریافت کرے کیا تم میرے پانی سے اپنے کام و دہن کو سیراب کرنا پسند کرو گے جواب میں ’’حضور ضرور‘‘ کے الفاظ کے ساتھ ہی میری آنکھوں سے مسرت کے دو آنسو بھی چھلک پڑے حکم ہوا ’’کل صبح آٹھ بجے آ کر نظم لے جانا‘‘ میری وہ رات کیونکر گذری ہو گی اور مَیں نے اپنی خواہش بختی پر کیا کیا ناز کئے ہوں گے اس کا اندازہ او راحساس میرے سوا کون کر سکتا ہے! بہر حال اگلی صبح وقتِ معینہ پر حاضر ہوا۔ حضور نے پیڈ کے ایک ورق پر جس کا ایک کونا پھٹا ہوا اور غائب تھا لکھے ہوئے چند اشعار میرے ہاتھ میں دینے کے بعد فرمایا ’’ذرا ٹھہرو! مَیں مریم سے کہتا ہوں کہ انہیں صاف کر کے لکھ دیں‘‘ میں نے عرض کیا۔ حضور مَیں پڑھ لونگا حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ’’مجھ سے تو کبھی کبھی اپنا لکھا خود نہیں پڑھا جاتا تم کیسے پڑھ لو گے‘‘ ادھر مجھے یہ زعم کہ مَیں تو سیشن

کورٹ کی ملازمت میں پولیس اہلکاروں کی کھردری کاغذوں پر پنسل سے لکھی ہوئی ضمنیاں بھی پڑھ لیتا رہا ہوں۔ مَیں نے پھر وہی گزارش دہرا دی تو فرمایا ''اچھا کوشش کرو دیکھو اگر سارے اشعار ٹھیک پڑھ لئے تو انعام ملے گا'' میں نے جب اشعار پر دو دفعہ نظر دوڑائی تو اجازت ملنے پر تمام اشعار تحت تلفظ پڑھ کر سُنا دیئے۔حضور خوش ہوئے۔فرمایا۔ ''ٹھہرو مَیں تمہارا انعام لاتا ہوں'' اور چند منٹوں کے بعد حضور ایک پلیٹ پر شیشے کا ایک دودھ بھرا گلاس لے کر نمودار ہوئے۔گلاس جالی دار نیپکن سے ڈھکا ہوا تھا فرمایا ''لو اسے پی لو'' اللہ رے خوش بختی۔مَیں نے فوراً جالی ہٹائی اور پینا شروع کر دیا۔دودھ گرم تھا حضور نے میرا شوق اور میری بیتابی بھانپتے ہوئے متبسم لہجے میں فرمایا'' دیکھو اس میں سے مَیں ہرگز نہیں پیئوں گا یہ سارا تمہارے ہی لئے ہے آہستہ آہستہ پیو۔ دودھ گرم ہے اگر گلا خراب ہو گیا تو کل میری نظم خراب پڑھو گے۔'' اس نظم کا مطلع تھا

معصیت و گناہ سے دل مراد داغدار تھا
پھر بھی کسی کے وصل کے شوق میں بیقرار تھا

اخلاق عالیہ کی ایک جھلک

اور پھر یہ اعزاز، یہ شفقت، یہ سعادت مجھ کندۂ ناتراش کے لئے گویا وقف و مختص ہو گئی اور وہ بھی اس اخلاقِ عالیہ کے ساتھ کہ ہر سال مجھے دسمبر کے آغاز میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے ایک رجسٹرڈ لفافہ ملتا کہ حضور فرماتے ہیں'' کیا آپ اس سال 27 یا 28 دسمبر کو یا 27 اور 28 دسمبر دونوں دن میری نظم یا نظمیں پڑھ دیں گے'' ہر حساس قاری بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ غلام کا کیا جواب ہوتا ہو گا۔ پھر کرم نامہ آتا کہ 26 دسمبر کو فلاں وقت آ کر نظم لے جائیں۔ایک دفعہ کا ذکر ہے مَیں دیوان کھانے کے اندر سویا ہوا تھا ڈاکیہ آیا او دروازے میں سے ایک خط پھینک کر چلا گیا۔جب میری آنکھ کھلی تو مَیں نے ایک ملفوف زمین پر پڑا ہوا پایا۔کھولا تو وہ حضور کا خط تھا۔ طبیعت بے حد منغض اور مشتعل ہوئی اور یہ تین شعر فی البدیہہ ہو گئے۔

ڈاکیہ فرشِ زمین پر پھینک کر خط چلدیا
سٹپٹا یا قلب تحقیرِ خط محمودؔ پر
غیرت و توقیر کی شکنیں جبیں پر آ گئیں
کپکپاتی رُوح کا نپا تن بدن بپھری نظر
اک ندا آئی میرے پہلو سے اے شیریں سخن
جوہری بِن کون جانے قیمت و قدر گوہر

میرا معمول تھا کہ مَیں نظم شروع کرنے سے قبل تعارفاً کبھی۔''کلام محمود بزبانِ ثاقب''۔ کبھی۔''حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے تازہ ترین منظوم ارشادات''اور کبھی''کلام الامام امام الکلام'' کے الفاظ کہتا۔جنہیں سنتے ہی سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے اور مقطع تک ہمہ تن گوش ہی رہتے۔ عام طور پر حضور 28۔27 دسمبر کیلئے دو نظمیں کہہ لیا کرتے تھے لیکن جس سال صرف ایک نظم کہنے کی فرصت ملتی تو مجھے اپنی سلسلہ سے متعلق کوئی نظم یا نعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنے کیلئے ارشاد فرما دیا جاتا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی

یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد دارالہجرۃ ربوہ میں بھی حضور کی آخری علالت تک اسی اہتمام سے جاری رہا یہاں تک کہ علالت کے باعث ایک جلسہ سالانہ پر حضور 27 دسمبر کو خطاب کیلئے تشریف نہ لا سکے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی جلال انگیز آواز میں لکھی ہوئی تقریر پڑھنے سے قبل مجھے نظم پڑھنے کیلئے ارشاد فرمایا۔مَیں نے تعمیل ارشاد میں حضور کی صحت کیلئے ایک دعائیہ نظم پڑھی جسے عشاقِ احمدیت نے بہتے ہوئے آنسوؤں سے سنا لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ ابھی ایک اور امتحان سے بھی گزرنا باقی ہے۔28 دسمبر کو حضور پالکی میں بیٹھ کر جلسے میں تشریف لائے اور تلاوت کے بعد اپنے مختصر ترین خطاب سے قبل فرمایا

’’ثاقب کو بلاؤ اور کہو کہ وہ اپنی کل والی نظم پڑھے‘‘

حضور کی موجودگی میں حضور کی فرمودہ یا اپنی کوئی نظم پڑھتے وقت تو ویسے ہی حجاب، احترام، خوف اور فخر و انبساط کی ملی جلی کیفیت قلب و ذہن پر مستولی رہتی تھی مگر آج تو صورت حال کاملاً مختلف تھی۔ آج مجھے اپنے ان اشعار کو اُسی مرکزِ حسن و خوبی کے سامنے پڑھنے کے مرحلہ سے گزرنا تھا جس کی صحت و نقاہت سے متعلق وہ کہے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل کہ یہ مرحلہ جوں توں گزر گیا۔ مَیں نے وہ اشعار پڑھے اور سننے والوں نے انہیں چیخوں اور کراہوں کے ساتھ سنا۔ اس دعائیہ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

چشمِ میگوں میں یہ دِلدوز سی حسرت کیا ہے روئے روشن پہ پریشان سی نگہت کیا ہے
تجھ کو دیکھا تو بجھے دل کو قرار آ ہی گیا تیری بیمار نگاہوں میں بھی برکت کیا ہے
جس نے ہر سانس لیا دینِ محمدؐ کے لئے اُس کی ہستی کے سوا میری ضرورت کیا ہے
شمع افسردہ ہو پروانوں کی حالت معلوم جانے اس کرب میں مالک کی مشیئت کیا ہے
ساری دنیا کے مریضوں کو شفا دے یا رب آج معلوم ہوا ہے کہ علالت کیا ہے

لیکن الٰہی تقدیریں تو وارد ہو کر رہتی ہیں۔ مسیح موعود کا گرامی وار جمند فرزند دلبند ایک دن آسمان سے بلاوا آنے پر اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔

عہد خلافت ثالثہ کا پہلا سالانہ جلسہ

الٰہی سلسلوں کے کام تو نہیں رُکتے اس سال کے آخر میں بھی سالانہ جلسہ منعقد ہوا اور نگاہوں نے کرسئ صدارت پر سیدنا محمودؓ کی بجائے آپ کے پسرِ کامگار سیدنا ناصرؓ کو متمکن پایا۔ تلاوت کلام پاک ہو چکی تو ارشاد ہوا نظم پڑھو اور آپ کے غلام نے ’’پیمانِ شاعر‘‘ کے عنوان سے درج ذیل نوحہ نما خیر مقدمیہ پڑھا

تُو نے کی مشعلِ احساس فروزاں پیارے دِل بھلا کیسے بھلا دے تِرا احساں پیارے

پہلے بخشا مرے بھکے ہوئے نغموں کو گداز　　پھر مری رُوح پہ کی درد کی افشاں پیارے
اب نگاہیں تجھے ڈھونڈیں بھی تو کس جا پائیں　　جانے کب پائے سکوں یہ دلِ ویراں پیارے
مجھ کو بھولے گی کہاں وہ تری بھرپور نگاہ　　جگمگاہ اُٹھا تھا جب فکر کا ایواں پیارے
شکرِ ایزد کہ تری گود کا پالا آیا　　اپنے دامن میں لئے دولتِ عرفاں پیارے
فکر میں جس کے سرایت تری تخیل کی ضَو　　گفتگو میں بھی وہی حُسن نمایاں پیارے
دیکھ کر اس کو لگی دل کی بجھا لیتا ہوں　　آنے والے پہ نہ کیوں جان ہو قرباں پیارے
تیری اس شمع کا پروانہ صفت ہو گا طواف　　تیرے ثاقبؔ کا ہے اب تجھ سے یہ پیماں پیارے

اگلی صبح جب میں جلسہ گاہ میں پہنچا تو ناظر صاحب اصلاح وارشاد نے مجھے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا یہ ارشاد پہنچایا کہ" ثاقب ہماری (خواتین کی) جلسہ گاہ میں آکر اپنی کل والی نظم پڑھیں" اس رقعہ کو پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ مَیں نے کل کیا کچھ کہہ دیا ہے اور سننے والوں نے اس نوحہ نما خیر مقدمے کا کن کانوں سے سُنا ہے مگر یہ مرحلہ میرے لئے کسی امتحان سے کم نہ تھا۔ مَیں نے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے ناظر صاحب محترم سے گزارش کی کہ نظم ٹیپ ہو چکی ہے آپ وہ ٹیپ وہاں بھجوا دیں۔ موصوف نے تو تعاون کیا لیکن چند منٹوں کے بعد جواب آیا" جب ثاقب زندہ موجود ہے تو" ٹیپ" پہ کیوں اکتفا کیا جائے" جس کے بعد سرتابی ومعذرت کی تمام جرأتیں ختم ہو گئیں۔ پہنچا تو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہ نے ان الفاظ میں نظم کا تعارف کرایا" اب آپ ثاقب زیروی صاحب کی زبانی اُن کی دلوں کو آنسوؤں سے دھو کر اُن میں نئے امام کی محبت بھر دینے والی نظم سنیئے" اور پھر نظم پڑھتے ہوئے میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی جو سسکیاں میری سماعت سے ٹکرائیں میرا دل اس وقت بھی انہیں سن رہا ہے۔

سیاست دین بن گئی

خلافت ثالثہ کے دور میں پاکستان کی سیاست نے ایسا رنگ بدلا کہ دین کا لبادہ اوڑھ لیا۔ دلائل

وبراہین سے عاجز آئے ہوئے مولویوں کے طائفہ نے حکومتی غلام گردشوں کا طواف شروع کر دیا اور بوالہوس مقتدر نے اپنے دورحکومت کوطول دینے کیلئے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور قرآن کریم کے تمام فرامین کو بالائے طاق رکھ کر خدائے جبار وقہار کے غضب کوللکارتے ہوئے پاکستان میں جماعت احمدیہ کےلکھوکھہاافرادکوغیرمسلم قرار دے دیا جس سے اس عاجز کی سوچ کا اندازہ تبدیل ہوگیا۔جلسہ سالانہ اس سال بھی ہوا۔ وارفتگان احمدیت مرکزِسلسلہ میں جوق در جوق پہنچے۔اس سال 27 دسمبر کو مَیں نے حضرت سیدنا ناصرؒ کے ارشاد پر’’ حالات حاضرہ‘‘ پرایک نظم پڑھی چنداشعار

یہ بجا کہ راستہ پُر خطر ہے ۔ستم کی رات سیاہ بھی
مگر اہلِ دل کو ہوفکر کیوں ۔ کہ جنوں ہے مشعلِ راہ بھی
جو گزر گئی ہیں قیامتیں ۔نہ کہیں گے اُن کی حکایتیں
کوئی کر لے ظلم کی انتہا نہ کریں گے ہم کوئی آہ بھی
جو لگے تھے زخم وہ سی لئے۔جو ملے تھے اشک وہ پی لئے
درِشکوہ سارے ہی بند ہیں نہ سنو گے دل کی کراہ بھی
مَیں فدائے دین ہدیٰ بھی ہوں درِمصطفیٰ کا گدا بھی ہوں
میری فرو جرم میں درج ہو ۔مرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی
تیرے پاس ثاقبؔ بے نواہیں یہ سب خدا کی امانتیں
اُسی در پہ جا کے جھکائیو یہ جبیں بھی ، دل بھی ، نگاہ بھی

مختصرلیکن بہترین تبصرہ

اس جلسہ سالانہ پرحکومت سے جلسہ گاہ کے اردگرد خصوصی پولیس خاص طور پر متعین کی تھی۔نظم پڑھنے کے بعد مَیں نے بیتابانہ معانقے کرنے والوں کے چہروں کودیکھ کرمحسوس کیا کہ جیسے مَیں نے

اپنے دل ہی کی نہیں اُن کے دل کی بات بھی کہی ہے مگر اگلی صبح ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا۔ مَیں جلسہ گاہ کی اسٹیج کے پاس پہنچا تو ناظر صاحب امور عامہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نے مجھے ایک طرف لے جا کر بتایا کہ ’’ایک ’’ایس پی‘‘ تمہیں رات سے ڈھونڈ رہا ہے۔‘‘ مَیں نے کہا ’’پاگل ہے اب ڈھونڈنے کا کیا فائدہ۔ نظم تو مَیں نے پڑھ لی۔ اس باخبر کو نظم پڑھنے سے پہلے مجھے ڈھونڈنا چاہیے تھا۔ مگر ہاں یہ بتائیں اس بات کا حضور کو علم تو نہیں ہوا۔‘‘ جواب ملا ’’وہ تو مَیں نے بتا دیا ہے۔‘‘ مجھے افسوس ہوا کہ باجوہ صاحب نے مضطرب ہو کر بھی پریشان کیا۔ مَیں نے کہا۔’’ مَیں اسٹیج پر فلاں جگہ بیٹھوں گا۔ اگر اب وہ ایس پی صاحب یا اُن کا کوئی ماتحت پولیس افسر ادھر آ نکلے تو مجھے بلوا لینا۔‘‘ تھوڑی دیر کے بعد مجھے انہوں نے باہر آنے کا اشارہ کیا مَیں اسٹیج سے اُترا تو دیکھا کہ میرے ایک پرانے شناسا ادب پرست پولیس افسر ہیں۔ قریب آئے اور ہم بڑی گرمجوشی سے جو ایک دوسرے سے لپٹے تو باجوہ صاحب کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ مَیں نے حیرت سے پوچھا۔ ’’اتنے سارے پھول کیسے لگ گئے؟‘‘ کہنے لگے ’’آج ہم سات سال کے بعد مِل رہے ہیں کیا سات سال میں مجھ جیسے لائق پولیس افسر کا انسپکٹر سے ایس پی ہو جانا اچنبھے کی بات ہے۔‘‘ اسٹیج کے پیچھے حضرت مولوی محمد دین صاحب کیلئے جیپ کھڑی تھی مکرم باجوہ صاحب۔ مکرم چوہدری احمد مختار صاحب، مولانا احمد خاں نسیم، شاہ صاحب اور خاکسار کو لے کر اس میں جا بیٹھے اور مہمان کی خشک میووں اور چائے سے تواضع کی۔ چائے کے دوران میں مَیں نے شاہ صاحب سے ربوہ آنے کی وجہ پوچھی تو ہنس کر جواب ملا ’’میری ’’کافروں‘‘ پر ڈیوٹی لگی ہے؟‘‘ تو اُسی طنزیہ اور متبسم لہجے میں مَیں نے پوچھا ’’تو پھر کافروں کے دیس میں آپ نے کیا دیکھا؟‘‘

’’یہ سوال خاصا دلچسپ ہے۔ ثاقب صاحب یہ جو چور، ڈاکو اور رسہ گیر ہوتے ہیں دراصل یہ ہمارے لئے بڑے کارآمد ہوتے ہیں۔ ہم ان سے تعلقات بنا کر رکھتے ہیں۔ مَیں سرگودھا میں ڈی ایس پی تھا تو ایک بڑے رسہ گیر کے فوت ہو جانے کی اطلاع ملی۔ کوئی دو ماہ بعد مَیں اس کے گاؤں

کی طرف ایک تفتیش کے سلسلہ میں گیا تو اس کے گاؤں پیغام بھجوایا کہ مَیں تعزیت کے لئے فلاں وقت آؤں گا۔ گئے تو پلنگ بچھے ہوئے تھے اور کھانا تیار تھا۔ کھانے کے بعد مرحوم رسہ گیر کا پوتا حقہ لے کر میرے پاس آ بیٹھا اور لگا اپنے بابے (بہشتی) کے کارنامے سُنانے لگا کہ ایک دفعہ بابا بہشتی کسی کا ''جھگا بھنن'' گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ''او بے ایمان نماز نیتی کھڑا اے''۔

اتنا کہہ کر شاہ صاحب ہنستے ہوئے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ راؤنڈ پر چلے گئے اور مَیں بھاگا بھاگا قصرِ خلافت پہنچا کہ حضور کی پریشانی دور کروں اس وقت شاید سیالکوٹ کی جماعت کی ملاقات ہو رہی تھی۔ حضور نے مجھے دیکھا۔ میرے چہرے کا بغور جائزہ لیا کہ پریشان نہیں ہے۔ پھر اشارے سے اپنے پاس بلایا دو منٹ کے لئے ملاقات کا سلسلہ روک دیا گیا۔ مَیں نے من وعن سارا واقعہ سنایا تو حضور اپنے مزاج اور عادات کے خلاف بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا ''لو تمہارا ''جہاں میں ہوں'' (لاہور کا ایک مستقل کالم) بن گیا اس سے بہتر اور جامع تبصرہ اس صورتِ حال پر نہیں ہوسکتا۔''

حالات حاضرہ کی عکاسی

یہ ماہ وسال ہی ایسے تھے کہ ان سالوں میں جلسہ سالانہ پر میرا ''حالاتِ حاضرہ'' پر نظم پڑھنا معمول کا رنگ اختیار کر گیا جو 1983ء تک جاری رہا ان سالوں میں پڑھی جانے والی دو ایک نظموں کے چند اشعار یوں ہیں۔

وہ جو گرد سی تھی جمی ہوئی وہ جبیں سے ہم نے اُتار دی
شبِ غم اگرچہ طویل تھی شبِ غم بھی ہنس کے گزار دی
نہ بجھا سکیں انہیں آندھیاں جو چراغ ہم نے جلائے تھے
کبھی لَو ذرا سی جو کم ہوئی تو لہو سے ہم نے اُبھار دی
وہی ٹھہرے موردِ کفر بھی جنہیں دیں جاں سے عزیز تھا

وہی خار بن کے کھٹک رہے ہیں جنہوں نے فصلِ بہار دی

(2)

مَے کی مانند ہر اک جام میں ڈھلتے رہنا ہم نے سیکھا نہیں ایمان بدلتے رہنا
ٹھوکریں کھا کے بہر گام سنبھلتے رہنا دوستوں کو قسم ہے یونہی چلتے رہنا
خود بخود دے گی صدا تم کو کناروں کی ہوا دل میں موجوں کی تڑپ لے کر مچلتے رہنا
گلشن دینِ محمد ؐ کے مہکتے پھولو لاکھ ہوں جورِ خزاں پھُولتے پھَلتے رہنا
اور بھی آئیں گے ان راہوں میں کچھ سخت مقام عزم کی شمع لئے سینوں میں چلتے رہنا

ایک اور سرکش

یہاں تک کہ 1977ء میں مقتدر وقت پسِ زنداں پہنچ گیا۔ چنانچہ مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سیدنا ناصرؒ کی اجازت سے 1977ء کے جلسہ سالانہ میں 27 دسمبر کو ایک نظم ''انجام'' کے عنوان سے پڑھی۔ جس کے چند اشعار یوں تھے۔

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خواب طرب سب خاک ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
طاقت کے نشے میں چُور تھے جو توفیقِ نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا
پستے ہیں بالآخر وہ اک دن اپنے ہی ستم کی چکی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا ہامانوں کا
جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا
اے صبر و رضا کے متوالو۔ اُٹھو تو سہی دیکھو تو سہی

طوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا
اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کے ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سُو ، پہرہ ہے کم فہموں کا نادانوں کا
آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے۔اب گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقبؔ انجام بلند ایوانوں کا

1977ء کے اس جلسہ سالانہ میں جھنگ کے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کے علاوہ حکومت کی طرف سے ایک فوجی کرنل صاحب بھی ''اَون ڈیوٹی'' تھے راولپنڈی کے ایک صحافی نے جو رپورٹنگ کے لئے بطور خاص آئے تھے بتایا کہ نظم پڑھے جانے کے دوران حاضرین کے بے محابا جوش وخروش اور نعرہ بازی کو دیکھ کر (جسے موصوف ''اشتعال'' سمجھتے تھے) کرنل صاحب بہت مضطرب تھے انہوں نے دو ایک دفعہ بڑے اضطراب سے کہا کہ مجمع قابو سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔جب تیسری دفعہ بھی انہوں نے اسی رنگ میں اپنے اضطراب کا اظہار کیا تو ڈپٹی کمشنر جھنگ نے چند منٹ اور صبر وضبط سے نظارہ دیکھنے کی استدعا کرتے ہوئے کہا آپ شاید اس جماعت کے مزاج سے واقف نہیں۔نظم ختم ہونے کے بعد جونہی اس کے امام مائیک کے سامنے آئیں گے۔آپ کو یوں محسوس ہو گا جیسے یہاں کوئی بیٹھا ہوا نہیں اور وہی ہوا جونہی حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع کی ہر طرف ایک گھمبیر سناٹا چھا گیا جس پر کرنل صاحب نے بڑی حیرت سے کہا

''یہ کس ملک ک باشندے ہیں۔کس قدر کنٹرول ہے انہیں اپنے جذبات پر''

28 دسمبر کو نعت رسولؐ

ربوہ کے جلسوں میں 28 دسمبر کو مَیں حضرت خلیفۃ المسیح کی علمی تقریر کی رعایت سے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا کرتا تھا۔گویا 1974ء کے بعد نعتوں میں بھی دلی کرب کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ایسی نعتوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

شعور دے کے محمدؐ کے آستانے کا مزاج بدلیں گے ہم اس نئے زمانے کا
یہ میرا دل جسے دنیا بھی دل ہی کہتی ہے یہ ایک جام ہے یثرب کے بادہ خانے کا
میرے سفینۂ ہستی کے ناخدا ہیں حضور مجھے نہیں کوئی اندیشہ ڈوب جانے کا
زہے نصیب کہ میرا لہو بھی کام آئے مجھے جنوں ہے چراغِ حرم جلانے کا
زمانہ جتنے ستم چاہے توڑلے ثاقبؔ دلوں سے عشق محمدؐ نہیں ہے جانے کا
ہر التجا سے پہلے ہر التجا کے بعد آتا ہے لب پہ نام محمدؐ خدا کے بعد
ہے ذاتِ حق کی صورت میں جلوہ گر آئینے سب ہیں ماندرُخِ مصطفیٰ کے بعد
ہے کون بدنصیب جو باندھے گا غیر سے عہد وفا ، حضور سے عہد وفا کے بعد
یا رب مجھے بنا دے درِ مصطفیٰ کی خاک مانگوں گا پھر نہ دعا اس دعا کے بعد
ثاقبؔ پہ ہو حضورؐ کی وہ عطائے خاص رہتی ہے کوئی طلب جس عطا کے بعد

جمالِ مہر و وفا کے قصے ، کمالِ صدق و صفا کی باتیں
جو ہو سکے تو سنائے جاؤں تمہیں حبیبِ خدا کی باتیں
وہی ہیں اول وہی ہیں آخر ۔ وہی ہیں ظاہر وہی ہیں باطن
رہیں گی تا حشر اب زبانوں پہ خاتم الانبیاء کی باتیں
میں داعی دین مصطفیٰ ہوں ۔فدائی دینِ مجتبیٰ ہوں
ڈرا سکیں گی نہ میرے دل کو کبھی سزا و جزا کی باتیں
قدم قدم اُن کی رہنمائی جہاں جہاں اُن کی روشنائی
فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اب تک سکوتِ غارِ حرا کی باتیں
میری لگن اُن کا آستاں ہے یہی تڑپ تو متاعِ جاں ہے

کبھی تو ہوں گی شفیعِ محشر سے ثاقبؔ بے نوا کی باتیں

نگاہ خلافت

خلافتِ ثالثہ کے دور میں جماعت کی مخالفت زیادہ ہونے لگی تھی اور زبان وقلم پر قدغنوں میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ جلسہ میں پڑھی جانے والی نظم ہو یا نعت مَیں کسی نہ کسی رنگ میں حضور کو دکھا ضرور دیتا تھا۔ حضور کاغذ میرے ہاتھ سے لیتے روا روی میں اس پر ایک سرسری نگاہ دوڑاتے اور کاغذ مجھے واپس کر دیتے۔ جس پر مجھے یہ وہم سا تھا کہ شاید حضور صرف حُسن ظنی بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں پڑھتے نہیں جبکہ میرے دکھانے کا مقصد تو یہ تھا کہ چونکہ مجھے یہ اشعار حضور کی موجودگی میں پڑھنے ہیں اس لئے ان کی ذمہ داری حضور پر بھی آسکتی ہے۔ اس طرح ایک سال میں نے اپنی ایک نعت حضور کی خدمت میں مطالعہ وملاحظہ کیلئے پیش کی جس کا ایک شعر یوں تھا:

پڑی ہے دھوم زمانے میں حُسنِ یوسف کی
وہ عکس تیرے ہی سائے کا ہو بہو ہو گا

حضور نے نعت دیکھی اور اس پر معمول کی ایک نظر دوڑانے کے بعد لوٹا دی یہ فرما کر کہ ”ہاں پڑھ دیں۔“ اس کے بعد کوئی آدھ گھنٹے تک یہ غلام خدمت میں حاضر رہا۔ بالآخر جب رُخصت ہونے لگا تو فرمایا۔ وہ ”حسن یوسفؑ والا شعر کیا تھا؟“ مَیں نے پڑھا تو بڑے کریمانہ لہجے میں فرمایا ”حضرت یوسفؑ کی نبوت تو حقیقی نبوت تھی عکسِ نبوت تو نہ تھی“ مَیں نے فوراً عرض کیا ”حضور یہ شعر نہیں پڑھوں گا“ فرمایا۔ ”ہاں نہ پڑھیں“ اس کے ساتھ ہی مجھ پر یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ نگاہِ خلافت کس قدر جلد اشعار میں بنیادی مفاہیم کو پا جاتی ہے جس کے بعد میرا دل اپنی اس فکری لغزش پر دیر تک استغفار کرتا رہا۔

جمالی اجتماع

جمالی اجتماع ایجنٹ جنرل بلوچستان قربان علی خاں کے دور میں تو منعقد نہ ہوسکا مگر اے۔جی۔جی سیکر صاحب کے عہد تک اوستہ محمدؐ (بلوچستان) میں با قاعدہ جمالی شان کے ساتھ جمالی اجتماع منعقد ہوتا رہا۔جس میں کھیل تماشوں کے علاوہ حکومتی کارناموں کی تشہیر بھی ہوتی تھی۔لاہور فروری 52ء میں جاری ہوا تو ایف۔سی۔کالج میں پڑھنے والے میرے دو شاعری کے بلوچستانی ''فین (FANS)'' مُصر ہوئے کہ مَیں بھی اب کے یہ اجتماع دیکھوں۔اس میں شرکت کروں یقیناً اس سے ''لاہور'' کی مقبولیت و اشاعت میں بھی اضافہ ہوگا کیونکہ اس اجتماع میں بلوچستان ہی سے نہیں کراچیؔ اور راولپنڈیؔ تک سے اخبار نویس شرکت کرتے اور محمد مرادؔ جمالی کے اتالیق جناب نسیم حجازیؔ بھی ہر سال باہتمام شریک ہوتے ہیں۔مَیں تیار ہوگیا اور چلا بھی گیا لیکن یہ دونوں (محمد مرادؔ اور فضل محمدؐ جمالی) نہ جاسکے بلکہ انہوں نے اپنے سیاسی لیڈر میر جعفرؔ جمالی کے نام تار بھیج دیا۔مَیں جب جیکبؔ آباد سے ہوتا ہوا اوستہ محمدؐ پہنچا تو مَیں نے محسوس کیا جیسے مَیں اٹاری آ گیا ہوں اور ہر طرف سِکھ پھر رہے ہیں کیونکہ بلوچوں کے سر کے بال (کیس) اور ڈاڑھیاں بالکل سکھوں ایسی تھی۔مَیں کوئی صبح کے تین بجے پہنچا تھا۔سب اپنے اپنے خیموں میں سو رہے تھے۔مَیں نے ایک قنات کی آڑ میں اپنا بستر لگا دیا اور لیٹ گیا کہ کوئی چار بجے کے قریب میرؔ سائیں تشریف لائے اور پنڈال میں دیکھتے بھالتے بالآخر میرے بستر کے قریب آ کر کہنے لگے'' مجھے تو وہ مہمان یہی معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں میرے بھتیجے (بھانجے) نے تار بھیجی ہے۔سائیں اُٹھئے آپ کا خیمہ تو کبھی کا تیار ہے۔

واقعی ایک عام بلوچ بھی خیمہ لگانا خوب جانتا تھا۔صبح اُٹھے۔حاجات سے فراغت کے بعد اجتماع کا چکر لگایا اس کے بعد میرؔ سائیں کے پاس آ گئے جو لکڑیوں کے کُنڈ جلا کر چاروں طرف قالین بچھائے ناشتے میں مصروف تھے۔ناشتہ کیا اور اس کے بعد اجتماع کی دیگر مصروفیات شروع ہوگئیں۔اگلا دن اجتماع کے خاتمے کا تھا۔مصروفیات ختم ہوئیں۔دعوتیں ختم ہوئیں تو واپسی شروع

ہو گئی۔سرکاری شعبے اپنی اپنی بساط لپیٹنے لگے اور میرؔ سائیں ایک جگہ کھڑے ہو کر مختلف نمبر کی کاریں بُلوانے لگے کہ ''فلاں فلاں اخبار نویس کو فلاں جگہ چھوڑ آؤ۔'' ''فلاں کو فلاں جگہ پہنچا دو۔'' مگر مَیں نے محسوس کیا کہ میرا نام نہیں آ رہا۔ مَیں نے میرؔ سائیں کے بھانجے خیر محمدؔ جمالی کی معرفت پیغام بھی بھجوایا کہ ''جناب مَیں بھی جانا چاہتا ہوں۔''(اس وقت تک مَیں خیر محمدؔ خاں جمالی کو میرؔ سائیں کا پرائیویٹ سیکرٹری سمجھتا تھا) جواب آیا'' آج آپ ہمارے مہمان رہیں گے روجھانؔ جمالی میں ۔ اس کے بعد آپ جب کہیں گے اور جہاں کہیں گے آپ کو پہنچا دیں گے۔'' چنانچہ جو آخری قافلہ اجتماع سے نکلا اس میں مَیں،عبیداللہ خالق،''مدیر تنظیم جمالی۔'' نظامیؔ صاحب اور حقانیؔ صاحب تھے۔میر سائیں نے روجھان پہنچتے ہی حکم دیا کہ مہمانوں کو شایان شان مہمان خانوں میں اُتارا جائے البتہ مَیں اور ثاقبؔ صاحب چھوٹے بنگلے میں کھانا کھائیں گے اور وہیں قیام کریں گے۔تھوڑی دیر کے بعد خادم چھٹا نے دستر خوان بچھا دیا اور فرشی کھانا چُن دیا گیا۔ کھانے کے دوران میں میرؔ سائیں نے کہا'' آپ بڑے نستعلیق شخص ہیں۔آپ سے تعلقات قائم کرنے اور رکھنے کو جی چاہتا ہے مگر آپ نے اجتماع میں دو ایک حرکتیں ایسی کیں جو بلوچ معاشرہ میں اچھی نہیں سمجھی جاتیں۔'' مثلاً'' پہلے دن آپ ناشتہ کے درمیان میں اُٹھ کر (بغیر اجازت لیے) اپنے خیمہ میں چلے گئے۔اسی طرح آپ بڑے کھانے کے دوران چپکے سے کھانا چھوڑ کر چلے گئے۔'' عرض کیا'' یہ باتیں ہمارے ہاں بھی معیوب ہیں لیکن مَیں مجبور ہوں! میرؔ سائیں مَیں ایک بے یارو مددگار اور بے خانماں شخص ہوں جس کے بازو اس کی آنکھوں کے سامنے تراشے گئے ہیں۔سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک مجھ پہ ان سانحات کا اتنا گہرا اثر ہے کہ مَیں کسی قوم تو کیا کسی خاندان کے افراد کو بھی اکٹھے بیٹھتا،کھاتا یا خوشی مناتا نہیں دیکھ سکتا۔آپ یقین مانیں مَیں اپنے بھائی کی شادی (جو اِدھر سیالکوٹ میں ہوئی) سیالکوٹ میں ہوتے ہوئے برات کے ساتھ نہیں گیا۔'' اس وقت عالم یہ تھا کہ ہم دونوں کے ہاتھ میں لُقمے تھے اور آنکھیں نمناک۔ مَیں نے کہا میرے پاس قلم ہے۔

اب مَیں یہی بچا کر لایا ہوں۔آپ سے تو زبان، علاقے اور قوم کا بھی کوئی رشتہ نہیں۔ پنجاب میں لیڈروں کی بھی کوئی کمی نہیں۔آپ سے تعلقات رکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے بلوچوں کی بعض ادائیں بھی پسند ہیں مگر ان کا نباہ کیونکر ہوگا اس پر میرؔ سائیں نے چھوٹا کو آواز دی اور کہا کہ اُن کے دونوں چھوٹے بھائیوں قیصر خاں اور شاہنواز کو بلا لائے۔تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی اپنی کار پر آ گئےتو میرؔ سائیں نے کھڑے ہو کر کہا'' ثاقب بھائی! اب تک ہم تین بھائی تھے۔ مَیں، قیصر (مجھ سے چھوٹا) اور شاہنواز (اُس سے چھوٹا) آج ہم چار''حقیقی بھائی'' ہیں مَیں،آپ، قیصر اور شاہنواز۔لو اب تم معانقے کرلو۔ باقی کھانا ہم کوٹ (قلعہ) میں چل کر کھائیں گے۔''اور مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد جب تک میرؔ سائیں جئے روجھانؔ میں ہوں یا لاہورؔ میں کبھی محفل سے مجھ سے پہلے اُٹھ کر گئے ہوں۔کار میں مجھ سے پہلے بیٹھ گئے ہوں۔اور اُن کے بھائی قیصرؔ اور شاہنوازؔ تو اپنے بڑے بھائی کی طرح ہی میری عزت و وقعت کرتے رہے اور اُن کی اولادیں اپنے جرگوں اور محفلوں میں آج بھی مجھے سب سے اونچی مسند عطا کرتے ہیں بلکہ میرا انتہائی ادب و احترام کرتے ہیں۔ انسانیت کے سچے خادم، شرافت و ذہانت کے مجسمے۔ اللہ انہیں ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور اُن کے دامنِ زیست کو اپنی رحمتوں، برکتوں، شادمانیوں اور کامرانیوں سے بھر دے۔آمین

58ء کا مارشل لاء

1958ء کے مارشل لاء کو'' میرؔ سائیں'' ''والئ قلات'' کے نوادرات لُوٹنے کا بہانہ فرمایا کرتے تھے ورنہ جس شخص کو قائد اعظم اپنا فرزند کہتے ہوں۔ بیماری کے ایام میں '' زیارت'' تشریف لے جاتے ہوں اس کی خدمتوں سے افادہ کرتے ہوں کیا قائداعظم میں اتنی صلاحیت بھی نہ تھی کہ پاکستان کے ساتھ اس کی وفاداریوں کی کتھا معلوم کر سکتے۔دراصل سکندر مرزاؔ اور جنرل ایوبؔ خاں جُوں تُوں ملک پر اپنا پورا تسلط چاہتے تھے انہوں نے خان آف قلاتؔ کی بغاوت کا ڈھونگ رچایا اور انہیں نظر بند کر کے قلات کا خزانہ لوٹ لیا۔ریاستی لوگ خریدے جانے

کیلئے بے قرار ہوتے ہی ہیں۔سب فروخت ہو گئے سوائے میر جعفر جمالی کے۔میر سائیں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اب ہمارے گرد بھی ابتلاؤں کا حِصار تعمیر کر دیا جائے گا کہ ہم خان آف قلات کے ظاہر و باہر دوست ہیں۔اور ایسا ہوا بھی۔یہ تو بہتر ہوا کہ رفقاء کار نے جنرل ایوب خان سے سکندر مرزا کو وطن عزیز سے نکلوا کر راہ راست پر ڈال لیا اور ملک صنعتی ترقی کی راہوں پر چل نِکلا اور اُن کے دس سالوں میں ملک کے اندر بے پناہ صنعتی ترقی ہوئی۔انہی ایام میں وزیر داخلہ جنرل خالد لاہور آئے اور انہوں نے اسمبلی چیمبرز میں اپنا چار دن پہلے کا جاری کیا ہوا یہ بیان پھر دہرایا کہ ''ہمارے پاس اس وقت کوئی سیاسی قیدی نہیں ہے''مَیں اُن کے اس بیان پر نوٹ لکھ چکا تھا اور اُن کی نگاہوں سے بھی گزر چُکا تھا۔مَیں نے بھری مجلس میں اُن سے سوال کیا کہ ''خان احمد یار خان کو کِس کیٹیگری میں رکھا گیا ہے؟''فرمایا۔''آپ سے علیحدہ بات ہوگی۔''ایڈیٹرز کانفرنس کے بعد اُن سے علیحدہ سے گفتگو ہوئی۔کہنے لگے''آپ نے میرے بیان پر نوٹ لکھا۔ایک ایڈیٹر کا حق بنتا ہے کہ جو معقول بات اُس کے ذہن میں آئے لکھے لیکن یاد رہے جنرل صاحب اس بارے میں بہت حساس ہیں دوبارہ یہ حرکت نہ ہو۔مجھے یاد ہے آپ''مارف''ہیڈ کوارٹر جہلم بھی آئے تھے آپ نے اشعار وغیرہ بھی سُنائے تھے ہمارے''ڈی کیو''صاحب سے خوش گپیاں بھی فرمائی تھیں جو ان دنوں ہمارے وزیر اطلاعات ہیں۔کوشش کریں کہ آئندہ اجتناب ہی رہے۔''

میری احمد یار خان سے کوئی یاد اللہ نہ تھی۔کوئی سیاسی تعلق نہ تھا۔مَیں نے بھی دل میں اس مسئلہ پر لکھنے لکھانے سے اجتناب ہی کا فیصلہ کیا کہ ایک دن بغیر کسی اطلاع کے''میر سائیں''لاہور میں آ دھمکے۔دفتر کے نیچے پہنچ کر اطلاع دی کہ''مَیں آ گیا ہوں فلاں ہوٹل میں قیام کروں گا۔''یہ اُنکا معمول تھا اگر شام کی گاڑی سے پہنچتے تو گھر پر یہی اطلاع دیتے میرے گھر پر شاذ ہی قیام کرتے کہ پردہ نشینان سیاست میرے ہاں گفتگو میں حجاب محسوس کرتے تھے۔وارد ہوئے اور پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ''میر احمد یار خان کی مدد کرنا ہے۔تمہارا نوٹ مَیں پڑھ چکا ہوں اور اسی سلسلہ

میں آیا ہوں۔ مَیں نے عرض کیا کہ ضرور کیجئے مگر میرا اُن سے کیا واسطہ؟ مَیں تو اُنہیں جانتا تک نہیں ۔اُن سے کبھی ملا تک نہیں۔'' کہنے لگے۔''نہیں اُس کا تم سے بھی ایک رشتہ ہے جو امداد کا متقاضی ہے۔''''میرا دادا سخی دُر محمدؔ (جس کا روجھان میں بہت بڑا مزار ہے) اور میر خُداؔ داد خان والیٔ قلات کے عزیزی دوست تھے اور میر خدا داد خان احمدی تھے۔ جب انگریزوں نے بیل پٹ میں اُن سے گفتگو کے بہانے انہیں معزول کیا اور سبیؔ کی صحت سرائے میں لا کر نظر بند کیا تو انہیں پانچ چھ نوکر بھی دیئے گئے تھے جن میں ایک خیاطؔ (درزی) احمدی تھا وہ اُسی کی تبلیغ سے احمدی ہوئے تھے ۔''''اس کا ثبوت؟'''' اس کا ثبوت تو'' بیعت نامہ'' سے ہی ہوسکتا ہے اور چونکہ سرائے سے کاغذ کا ایک معمولی سا ٹکڑا بھی باہر نہیں نکل سکتا تھا اس لئے اس خط کی تصویر ریکارڈ میں ضرور محفوظ ہوگی ۔ اگر فرصت ہو تو میرے ساتھ قلاتؔ چلو شاید وزیر اعظم کے پاس وہ تحریر محفوظ ہو۔'' میر خداداؔ دخان کی احمدیت نے مجھے حوصلہ دلایا اور مَیں اُن کے ساتھ روجھانؔ پھر ڈہاڈرؔ اور پھر قلاتؔ چلا گیا اور وہ بیعت نامہ (جو فارسی میں تھا اور یہاں سے شروع ہوتا تھا)

میرزائے قادیان اپنی آنکھوں سے دیکھا یہ بیعت نامہ تاریخ احمدیت میں بھی شائع ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی تہیہ کر لیا کہ احمد یارؔ خان کی اب دامے درمے قدمے سخنے مدد کی جائے گی۔ جنرل ایوبؔ خان نے لاہور کے نوٹ پر مدیر لاہور کے خلاف کوئی تعزیری کاروائی تو نہ کی لیکن بلوچستان میں لاہور کا داخلہ بند کر دیا اب پرچہ جیکبؔ آباد سے سمگل ہو کر جاتا تھا جسے ایک نوجوان لے جاتا تھا جس کی تعلیم کا صرفہ'' میر جعفرؔ جمالی'' برداشت کرتے تھے۔ ریاستی عوام کی ذہنیت ہی ریاستی کم علم اخبار نویسوں کی ہوتی ہے۔ اُن دنوں وہاں تو اخبارات میں احمد یار خان کا نام بھی نہیں چھپ سکتا تھا وہ تمام ایک ماہ تک تو اس انتظار میں رہے کہ'' لاہور'' کا ایڈیٹر آج کل پا بجو لاں کوئٹہ لایا جاتا ہے لیکن جب مایوس ہو گئے تو اس نوٹ کو فائدہ بخش سمجھ کر قبزانی نامی ایک ایڈیٹر نے اُسے اپنے اخبار میں نقل کر دیا۔ اور دھر لیا گیا۔ پہلی پیشی کے بعد وہ بھاگ کر لاہور آ گیا۔ مجھ

سے ملا مَیں نے اُسے مشورہ دیا کہ ''تم واپس جا کر اپنے آپ کو مارشل لاء والوں کے حوالے کر کے رحم کی درخواست کرو کیونکہ تمہارے پاس اُن کے اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا کہ مدیر ''لاہور'' نے تو یہ نوٹ اُس کے بعد لکھا جب وزیر داخلہ نے فلاں بیان داغا اور وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن اب کون سے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ تمہیں احمدؔ یار خان کے حق میں ''لاہور'' کا نوٹ دہرانے کی ضرورت پیش آئی۔'' اُنہیں شاید میری بات سمجھ میں نہ آئی وہ واپس چلے گئے۔قید اور جرمانے کی سزا ہوئی صرف اس لئے کہ اُن کے پاس حکومت کی طرف سے اُٹھائی گئی اس بات کا کوئی جواز نہ تھا۔لطیفہ یہ ہوا کہ انہوں نے وہاں جاتے ہی اپنا موقف تبدیل کیا اور عدالت سے کہا کہ ''مَیں نے تو آپ کو اس بات سے آگاہ کرنے کیلئے یہ نوٹ دہرایا ہے کہ اگر غدار نظر بند ہے تو ایک اور اُس کا ساتھی ''لاہور'' میں بھی ہے اس کی بھی گوشمالی ہونی چاہیے۔''لیکن ایڈووکیٹ جنرل کا کہنا تھا کہ '' پھر بشکریہ لاہور کیوں؟'' ''پھر تو مخالفت میں تمہیں خود لکھنا چاہیے تھا ۔''

ایبڈو اور میرؔ سائیں

میرؔ سائیں کا قیام صحیح تھا۔جب جنرل ایوب خانؔ نے بعض سیاست دانوں کو اپنے راستے سے ہٹا کر نئی ٹیم تیار کرنے کا ارادہ کیا تو ''ایبڈو'' نافذ کر دیا اور متعدد سیاست کار جو اس پیشے کو تجارت سمجھ کر در آئے ہوئے تھے اُن کی راہ سے ہٹ گئے اور ایبڈو کے تحت سیاست میں حصہ نہ لینے کا اعلان کر دیا۔ایک دن مجھے میرؔ سائیں کی طرف سے بذریعہ تار اطلاع ملی کہ مَیں لاہورؔ آرہا ہوں اب کے برگنزاؔ میں ٹھہروں گا دو کمرے بُک کروالیں۔میرؔ سائیں غربا و فقرا و مساکین کے معاملہ میں بڑے مخیر اور اپنی ذات کے معاملے میں بڑے ''جُزرس'' تھے لباس بھی اتنا ہی عمدہ پہنتے جتنا اُن کی سیاسی ضروریات اور ربط وضبط کے شایان شان ہوتا حتی الوسع دوسروں کو پہنا کھِلا کر خوش ہوتے۔

لاہورؔ وارد ہونے پر مَیں نے برگنزاؔ میں ٹھہرنے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ ''ایوبؔ نے ایبڈو لگا دیا

ہے زیادہ دن ٹھہرنا پڑے گا۔محمد مرادؔ بھی ساتھ ہے۔‘‘’’ایبڈ و لگا دیا ہے تو کیا؟ سیاست آپ کا پیشہ تو نہیں۔ اُس کے راستے سے ہٹ جایئے خِلق خدا کے دوسرے اَن گنت بگڑے ہوئے کاج ہیں انہیں سنواریئے۔آخر اُسے بھی تو اپنے کاموں کے لئے ایک نئی ٹیم تیار کرنی ہے۔‘‘ کہنے لگے۔’’ایسا ضرور کرتا لیکن اُس نے تو احمدؔ یار خاں کے حوالے سے مجھ پر ’’وطن دشمنی‘‘ کا الزام لگایا ہے۔ یہ تو مَیں برداشت نہیں کرونگا مَیں نے تو پاکستان کو بلوچستانؔ کا پورا خطہ دیا ہے کیا یہ وطن دشمنی ہے۔ ان لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی ہے۔‘‘مَیں نے یہ سُنا تو دل نے کہا۔ اس معاملہ میں اس وطن دوست کا ساتھ نہ دینا زیادتی ہوگی۔ واپسی پر میں حضرت شیخ بشیر احمد صاحب (جج عدالت عالیہ) سے ملا۔ باتوں باتوں مَیں اُن سے اس امر کا تذکرہ آیا تو کہنے لگے’’تم کیوں ایک بلوچ کے معاملہ میں ٹانگ اڑا رہے ہو؟ عرض کیا مَیں اور میر سائیں دوست ہیں بلکہ بھائی ہیں اور یہ دوستی جنرل ایوبؔ پر خوب واضح ہے۔ ان کے بعد وہ بزعم خویش دوسرے وطن دشمن کے خلاف بھی تعزیری کاروائی کرنے کی کوشش کرے گا اس لئے الزامات کی اس شِق پر ضرور لڑیں گے۔‘‘ ایبڈ و کے تحت یہ حکم تھا کہ کوئی وکیل نہیں کیا جا سکتا۔ جواب دعویٰ کسی ’’عرضی نویس‘‘ سے بھی نہیں لکھوایا جا سکتا۔ نیز۔ کسی طرح کی کوئی آئینی اعانت وصول وقبول نہیں کی جا سکتی۔ الزامات کی پہلی قسط وصول ہوئی تو معاملہ زیر بحث آیا کہ اس کا کیا حل ہو۔ بالآخر طے پایا کہ ’’کوہستان‘‘ کے کاتب جواب لکھ دیا کریں گے جن میں میرؔ فیملی کا با قاعدہ حصہ تھا۔ اور وہی جواب ایبڈ و عدالت میں پیش کر دیا جائے گا جس کے سربراہ ایک کرنل تھے کاتب آئے میرؔ صاحب نے الزامات کے جوابات سمجھائے اور بات آگے بڑھی۔ مَیں نے میر سائیں سے بڑی خاموشی سے عرض کیا کہ ’’کل کیا ہوگا؟ کل تو یہ لوگ نہیں آئیں گے اور معاملہ روزانہ جواب سوالات لکھنے کا ہے۔‘‘ جواب ملا’’کیوں نہیں آئیں گے؟‘‘عرض کیا’’وہ سامنے گیٹ پر ایک ڈی ایس پی سی آئی ڈی بیٹھا ہے۔ کل تو میرے خیال میں نسیم حجازیؔ بھی نہ آئیں کہ اُن سے محکمانہ جان پہچان ہے۔‘‘تحیث بحث کے بعد طے پایا کہ کل اگر یہ نہ آئے تو مجھے

بلوا لیجیئے گا۔ پھر مَیں لکھوں گا۔

میر سائیں عملاً اَن پڑھ تھے بس سرائیکی، پنجابی، اُردو، اور بلوچی میں کچھ لکیریں مار لیتے تھے جنہیں میں اُٹھا کر صحیح اُردو میں ڈھال لیا کرتا تھا۔ میرا قیافہ درست ثابت ہوا اگلے دن وہ واقعی نہ آئے انتظارِ بسیار کے بعد میر محمد مراد جمالی نے جو نسیم حجازی کے بارے میں بڑا حسنِ ظن رکھتے تھے نے مجھے بلاوا بھیجا اور مَیں نے سرائیکی، پنجابی، اردو اور ملی جلی بلوچی میں اُن کا جواب سُنکر خود ہی صاف کر کے لکھ دیا مگر طے پایا کہ مَیں نہ کبھی عدالت میں جاؤں گا نہ وہ بتائیں گے کہ کون لکھ رہا ہے اور نہ مجھ سے پوچھے بغیر میرا نام ہی بتائیں گے بات چلتی رہی روزانہ سوالات آتے روزانہ ہی جوابات جاتے۔۔۔۔ ایک دن شام کو نمازِ مغرب کے بعد حضرت شیخ بشیر احمد صاحب نے مجھے اپنے کمرۂ خاص میں طلب کیا وہاں ایک اور ماڈرن سوٹڈ بوٹڈ بزرگ گہرے سانولے رنگ کے تشریف فرما تھے کہنے لگے ''کب تک لڑو گے؟ کہاں تک لڑو گے؟ کبھی حکومتوں سے بھی لڑا گیا ہے؟ میر جعفر سے کہو راستے سے ہٹ جائے بس اللہ اللہ خیر سلا۔''

مَیں نے پھر عرض کیا کہ ''میری اور میر سائیں کا برادری پن جنرل صاحب پر خوب واضح ہے اس لیے انہوں نے میرے پرچے کا داخلہ بلوچستان میں بند کیا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ میر سائیں کے بعد مجھ پر وار کریں گے۔'''' غضب خدا کا ایک شخص نے بلوچستان کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرایا اب وہ وطن دشمن ہے۔'' مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جیکب آباد کے جمخانے میں دعوت ناخوشی تھی جنرل صاحب بھی پیگ لیے ہوئے تھے کہ میر سائیں نے جنرل ایوب سے کہا'' ایوب نجیب بن اوران ننگے سروالوں سے (اختر حسین کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے صافے بچا ۔یہ ایک دن تجھے بھی ڈسیں گے۔'' جنرل ایوب یہ سن کر ایسے لرزے کانپے اور لڑکھڑائے کہ ان کے ہاتھ سے ''پیگ'' گر کر زمین پر آ رہا تھا۔ سندھ میں ''وڈے پن'' کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ جتنا بڑا وڈیرہ ہوا اتنا ہی بڑا چغلخور اور شکایت کنندہ بھی ہو۔ محفل برخاست ہوئی تو وڈیروں کی کاریں

کراچی ملک غلام محمد گورنر جنرل کی حاضری کیلئے روانہ ہوگئیں۔ جنرل صاحب نے تو ملک صاحب کو کیا جواب دیا اسکا مجھے علم نہیں البتہ جب میر جعفر جمالی سے دریافت کیا گیا تو جواب ملا ''ملک تجھے کوئی خطرہ نہیں مَیں نے یہ بات آزمائش کیلئے کی تھی۔ جنرل کے ہاتھ سے تو پیگ ہی گر گیا۔ کیا کبھی شرابی شراب بھی چھوڑتا ہے؟ اب راستہ بالکل صاف ہے۔''

حضرت شیخ صاحب کے پاس مَیں نے جس سُوٹڈ بوٹڈ کا ذکر کیا تھا وہ معلوم ہوا کہ وہ دراصل ایبڈ وٹربیونل کے تیسرے ممبر تھے۔ عدالتِ عالیہ کے رکن۔ انہوں نے اگلے دن ٹربیونل کو جا کر یہ بات سنائی۔ میرے اس حوالے سے کہ یہ شخص سرائیکی، پنجابی، اردو اور بلوچی ملی جلی زبان میں روزانہ چھوٹی سی ڈائری بھی لکھتا ہے اس نے یہ واقعہ بھی ضرور لکھا ہوگا چنانچہ اگلی پیشی پر انہیں اپنی گذشتہ دو سال کی یہ پاکٹ ڈائریاں لانے کی ہدایت ہوئی اور جب وہ لائے اور لیفٹیننٹ کرنل نے جو چاروں زبانوں سے آشنا تھے ایک ڈائری میں وہ واقعہ من وعن لکھا ہوا دیکھ لیا تو پیشی کے دوران ہی ان سے یہ بھی کہا کہ ''آپ کے جوابات کون لکھتا ہے؟'' میر سائیں نے جواب دیا ''مَیں ان سے پوچھ لوں گا کیونکہ ہم میں طے ہوا ہے کہ پوچھے بغیر نام نہیں بتاؤں گا۔'' یوں میر سائیں نے مجھے اسمبلی چیمبر میں بلوایا۔ مَیں نے کہا ''بتا دیں اِنہیں خوب معلوم ہے۔'' نام بتا دیا گیا تو لیفٹیننٹ کرنل نے کہا ''کوئی کیس نہیں رہا۔ آپ کو باعزت بَری کیا جاتا ہے'' میر سائیں پہلے سیاستدان تھے جو ایبڈو کے تحت لڑے اور باعزت بَری قرار دیئے گئے۔

اعتمادِ کامل

ایک دفعہ مَیں راولپنڈی گیا اُن دنوں کراچی میں شیخ امجد احمد ڈپٹی کمشنر تھے۔ شیخ صاحب لاہور میں میرے پڑوسی تھے میرے سامنے والے مکان میں رہتے تھے۔ میرے سامنے ''سی ایس پی'' ہوئے۔ پھر چند سال مختلف اسامیوں پر گزارے۔ ذہین۔ مستعد اور وضع دار افسر تھے۔ جلد ہی کراچی ایسے بھر پور شہر کے ڈپٹی کمشنر لگا دیئے گئے وہ بھی اُس دن پنڈی گئے ہوئے تھے۔ ہم

رات کو کوئی گیارہ بجے کے قریب اکٹھے ہی لاہور پہنچے میں جب گھر پہنچا تو عزیزم طاہر محمودؔ (میرے بیٹے) نے مجھے بتایا ''میر جعفر خاں صاحب جمالیؔ تشریف لائے ہیں۔۔۔کہاں اور کس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں؟۔۔۔ہوٹل میں نہیں۔ وہ گھر پر ٹھہرے ہیں!۔۔۔اُن کا سامان وغیرہ کہاں ہے ؟۔۔اُن کے ساتھ کوئی سامان نہیں!۔۔۔بھئی یہ کس طرح ہوسکتا ہے اُن کے ساتھ تو ہر دفعہ پانچ سات چھوٹی بڑی پیٹیاں ہوتی ہیں''

''اُن کے نوکروں کو کہاں ٹھہرایا ہے؟۔۔۔اُن کے ساتھ کوئی نوکر نہیں ہے۔۔۔نہ میر اللہ نہ عبدالرحمٰن نہ کوئی اور!۔۔کوئی نہیں''

مَیں سمجھا اس بچارے نے کسی اور بلوچ سردار کو میرؔ سائیں سمجھ لیا ہے۔ پھر کھانے وغیرہ کے بارے میں پوچھا اور بڑے کمرے میں جا کر دیکھا تو واقعی میرؔ صاحب ہی سو رہے تھے۔ اس بڑے کمرے کے صرف دروازے تھے کوئی کھڑکی یا دریچہ نہ تھا کہ جاتے وقت ڈپٹی سیکرٹری مسعودؔ الحسن صاحب اُکھاڑ کر سب کچھ ساتھ لے گئے تھے۔ میرؔ صاحب پلنگ پر شایانِ شان بستر میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ گو میری رہی سہی نیند بھی اُڑ گئی انہیں اس بے بسی میں دیکھ کر۔ نہ نوکر، نہ ہوٹل، نہ سامان۔ مَیں جوتے اُتار کر اُوپر گیا۔ بیوی کو جگایا اور بتایا کہ ''میر سائیں'' ٹھیک چار بجے ''بیڈ ٹی'' پیا کرتے ہیں۔ مَیں ٹھیک پونے چار بجے آ ؤنگا اور چائے لے جاؤں گا۔'' مگر مَیں ساری رات سو نہ سکا کہ یہاں ایک بلوچ وزیر محمدؔ خاں لغاری ہیں۔ اُن کے دوست قاضی فضلؔ اللہ وزیر ہیں ایسی کونسی اُفتاد آ پڑی کہ انہیں یوں بے سروسامانی کے عالم میں مجھ کنگلے کے ہاں ٹھہرنا پڑا۔ چار بجے میں چائے لے کر حاضر ہوا تو پہلے دو ایک منٹ تک مجھے حسبِ معمول چومتے چاٹتے رہے ۔ مَیں نے عرض کیا ''خیر تو ہے مَیں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔'' جواب ملا۔ ''اب خیر ہے مَیں اپنے یار کے گھر میں ہوں اور میرا یار میرے سامنے ہے۔'' مگر اُفتاد کیا آ پڑی تھی ایسی جو بے سروسامانی اختیار کرنا پڑی فرمایا ''کل شام کو میر احمد علی سوسائٹی والا بنگلہ گھیر لیا گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پولیس آج

مجھے گرفتار کر لے گی اور یہاں زمینوں کے اتنے مقدمے ہیں۔تمہارے پاس پیسے ختم ہیں اُن مقدمات کا کیا بنے گا۔ مجھے ایک ترکیب سوجھی مَیں نے نوکروں سے کہا کہ لاہور کے سفر کی تیاری کریں۔جب سامان وغیرہ جیپ پر رکھ لیا گیا تو انہیں کہا کہ اسٹیشن پر جا کر بیٹھ جائیں اور گاڑی پر آج نہیں کل صبح سوار ہوں۔اللہ مالک ہے۔جیپ کو اسٹیشن کی طرف جاتا دیکھ کر پولیس کا ایک حصہ اسٹیشن کو روانہ ہو گیا وہاں گرفتاری بھی آسان تھی۔اس کے بعد مَیں نے ٹیکسی منگوائی اور چپکے سے اُس میں بیٹھ کر ائرپورٹ پہنچا اور جہاز میں سوار ہو کر لاہور آ گیا۔مجھے اس امر کا بھی احساس تھا کہ ’’زرعی اصلاحات‘‘ کے سلسلہ میں تمہارے پاس پیسے ختم ہیں اور ابھی دو رٹ دائر کئے جانے والے ہیں۔‘‘ ’’امجدؔ بڑا اچھا بھائی ہے وہ مجھے اس قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔کہنے لگے۔’’اب تم پنجابی کی تعریف نہیں کرو گے تو کون کرے گا۔‘‘عرض کیا’’ آپ بدظنی نہ کریں نہ سارے بلوچ اچھے ہوتے ہیں نہ سارے پنجابی بُرے ہوتے ہیں۔‘‘اور باہر آ کر طاہرؔ سلمہ سے کہا کہ امجدؔ بھائی سے جا کر کہے کہ اگر ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تو ہمارے ساتھ آ کر کریں ورنہ یہاں سے ہو کر ضرور جائیں ایک مہمان انہیں ملنے کے لئے بے قرار ہیں۔وہ ناشتہ کر چکے تھے اس لئے طاہرؔ سلمہ کے ساتھ ہی آ گئے۔میرؔ صاحب انہیں دیکھتے ہی بولے’’تو گویا تم میرے پیچھے پیچھے ہی چلے آئے ہو۔‘‘امجدؔ صاحب نے کہا’’ آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی۔آپ کو نہیں ہم آپ کی ملحقہ کوٹھی والے عبدالمجید سندھی کو گرفتار کرنے والے تھے۔مجھے آپ کے اور بھائی ثاقب کے تعلقات کا علم ہے یہ تو میرے گھر میں بستر بچھائیں گے۔دیکھئے آئندہ آپ جب کراچی آئیں تو میرے گھر میں ٹھہرا کریں۔‘‘ ’’تو میں اب ہوٹل میں چلا جاؤں‘‘ ’’جہاں چاہیں چلے جائیں اور پھر میں یہاں کا تو ڈپٹی کمشنر نہیں ہوں!‘‘مَیں نے بعد میں عرض کیا کہ’’اب اگر اس واقعہ کا جناب محمدؔ خان لغاری اور قاضی ؔفضل اللہ کو پتہ چل گیا تو وہ آپ کے اور میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔‘‘ جواب ملا کہ’’جہاں اُسے’’اعتماد کامل‘‘ تھا وہاں پہنچ گیا۔‘‘اور میرے منہ سے بے ساختہ’’الحمد

للہ'' کے کلمات نکل گئے۔

ایک اور منتخب

ایک دفعہ میر سائیں لاہور تشریف لائے اور میں کوئی پانچ بجے بعد دوپہر ملنے گیا تو انہیں قدرے ملول پایا۔ وجہ ملال پوچھی تو کہنے لگے۔'' سکندر اکیڈمی میں فرسٹ رہا۔ جنرل نالج (اور وائیوا) میں بھی فرسٹ رہا۔ اپنی اس پوزیشن کے پیش نظر اپنے دوستوں کو دعوتیں بھی کھلا بیٹھا لیکن اب جو لِسٹ آئی ہے تو اس میں اُس کا نام نہیں ہے۔ ٹھیک ہے جنرل ایوب خاں اور نواب آف کالا باغ کا مَیں سیاسی مخالف ہوں مگر یہ مخالفت ہماری آئندہ نسل پر تو اثر انداز نہیں ہونی چاہیے۔'' مجھے یہ سن کر از حد رنج ہوا میر محمد مراد خان جمالی اور خیر محمد پنہور بھی ساتھ تھے میں نے کہا'' انہوں نے'' اپنی سی'' کر لی۔ اب ہمیں بھی'' اپنی سی'' کر لینی چاہیے۔'' اور کوئی پندرہ سولہ سطری تار جنرل ایوب خاں کو نواب آف کالا باغ کو اور چیف اسٹیبلشمنٹ سیکرٹری کے نام دے دیئے تاروں کی درشت'' کرخت'' اور براہ راست زبان کو دیکھ کر پنہور صاحب نے کہا'' کیا اندر جانے کا ارادہ ہے؟۔۔۔ تو آپ کے خیال میں اب باہر پھر رہے ہیں۔ ہمارے بچے کا مستقبل سیاسی تعصب سے غارت کر دیا جائے اور ہم اس لئے ٹس سے مس نہ ہوں کہ کہیں اندر نہ کر دیئے جائیں۔'' تاروں کے آخر میں میں نے لکھا تھا کہ ہم چوبیس گھنٹے انتظار کرنے کے بعد عدالت عالیہ میں رِٹ دائر کر دیں گے ۔۔نہیں کہہ سکتا مجھے یہ کیوں یقین تھا کہ ان تاروں کا مثبت نتیجہ نکلے گا۔ رات دس بجے تک ہم فلیٹیز میں بیٹھے رہے اس کے بعد گھر لوٹتا ہوا مَیں اے پی پی کے دفتر میں جا بیٹھا۔ ہر نئی خبر جو ٹیلی پرنٹر پر آتی مجھے یوں محسوس ہوتا کہ سکندر سلمہ کے انتخاب کے بارے میں ہے۔ یہاں تک کہ کوئی 3 بجے صبح کے قریب متوقع خبر بھی آ گئی۔ مختصر سی خبر تھی۔

One More Selected (ایک اور منتخب) اور یہ نوجوان سکندر حیات جمالی تھا۔ میں نے اس خبر کی نکل اُتروائی اور گھر چلا آیا۔ آ کر بڑے بیٹے (طاہر سلمہ) کو جگایا کہ وہ اسی وقت فلیٹز

ہوٹل کے کمرہ نمبر فلاں میں جائے اور میر صاحب جو اس وقت غسل خانے میں ہوں گے یا بیڈ ٹی پی رہے ہوں گے انہیں یہ خوشخبری سُنا آئے کہ سکندرؔ کو منتخب کر لیا گیا ہے۔ جب سکندرؔ کی خبر لے کر طاہرؔ فلیٹز پہنچا تو میرؔ سائیں غسل خانے میں تھے۔ طاہرؔ نے دروازہ کھٹکھٹا کر خوشخبری سنائی۔ میر نے دروازہ کھول کر خبر لے لی اور۔۔۔۔۔ طاہرؔ کے منہ میں دوسو روپے ٹھونس دیئے۔ صبح سویرے میر محمدؔ مراد جمالی اور خیر محمد پنہور مجھ سے آنکھ ملاتے کتراتے تھے۔

مقدس تحفہ

مجلس شوریٰ ختم ہونے والی تھی مَیں بارگاہِ خلافت میں حاضری کی سعادت حاصل نہ کر سکا تھا۔ اس لئے چند منٹ پہلے ہی باہر چلا آیا کہ برآمدے میں کھڑے ہو کر ہی دُعا مانگ لوں گا۔ دعا کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصرؔ احمد خلیفۃ المسیح الثالث باہر تشریف لائے تو مجھے دیکھ کر فرمایا۔ ’’تم باہر کیا کر رہے ہو؟‘‘ ’’حضور ابھی ابھی تو دعا کر رہا تھا‘‘ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی فرمایا۔ چلو گاڑی میں بیٹھو! تمہیں ایک تحفہ دکھاؤں۔ گاڑی قصرِ خلافت کی طرف روانہ تھی۔ پہنچے، اوپر گئے تو ارشاد ہوا ’’یہ دیکھو کیا ہے؟‘‘ یہ تفسیر صغیرؔ کی نفیس ترین آرٹ پیپر کی جلد تھی۔ عرض کیا حضور ہو نہ ہو ہم میں ذوقِ اشاعت پیدا ہو گیا ہے اللّٰھم زد فزد عرض کیا ’’کتنی جلدیں آئی ہیں۔‘‘ فرمایا ’’ابھی صرف ابتدائی گیارہ آئی ہیں۔‘‘ عرض کیا ’’پانچ مجھے دے دیجئے۔‘‘ فرمایا ’’تو تم خریدو گے نہیں۔‘‘ عرض کیا ’’مَیں اپنی کاپی خریدوں گا یہ تو میرے خیال میں آیا ہے کہ پانچ کاپیاں مَیں اپنے پانچ کرم فرماؤں کو حضور کے دستخطوں کے ساتھ بھجوا کر داعی الی اللہ کا سلسلہ شروع کر دوں۔ مَیں پانچ نام حضور کی خدمت میں لکھ دیتا ہوں پسند فرمائیں تو دستخط فرما دیں۔‘‘ انہوں نے حساب لگایا ایک پھوپھیؔ جان کی، ایک میاں رفیع کی، ایک دعوت وتبلیغ والوں کی، ایک خدام کی۔ ایک میری اور ایک ایک وقف جدید والوں کی۔ ’’اچھا لکھو نام‘‘ اور مَیں نے یہ پانچ نام لکھ دیئے۔ غوث بخشؔ رئیسانی گورنر بلوچستان، میر جعفر خاںؔ جمالی، مختارؔ مسعود کمشنر لاہور اور خان آف قلات۔ حضور نے دستخط فرما دیئے

مَیں مقدس کتب لے کر لاہور آ گیا اور آتے ہی سب سے پہلے میر جعفر خاں جمالی کو تار دیا کہ ’’میرے پاس آپ کیلئے ایک ’’مقدس تحفہ‘‘ پہنچا ہے وہ منگوا لیں۔‘‘ میرا خیال تھا کسی نوکر کو ہدایت دے کر بھجوائیں گے مگر انہوں نے اپنے بڑے بیٹے سکندر حیات جمالی کو بھجوا دیا مَیں نے اُسے بتایا کہ ’’یہ قرآن کریم ہے بلکہ اس کی تفسیر پھر یہ پیش کش ہے (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصرؔ احمد خلیفۃ المسیح الثالث) کی طرف سے اپنے دستخطوں کے ساتھ میرؔ سائیں کی خدمت میں‘‘ سکندرؔ بڑا ذہین اور علم دوست بچہ ہے۔ فضائی سفر سے لے کر چلا گیا۔ چند دنوں بعد جو مَیں ربوہؔ پہنچا تو اُس وقت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ غالباً شیخوپورہ کی جماعت سے گفتگو فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا ’’آپ آ گئے ہیں! آپ کی تو مَیں نے آج خوب خبر لینی ہے۔‘‘ اور خطاب ختم کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اب آگے آگے سیڑھیوں پر حضور تھے اور پیچھے پیچھے استغفار کرتا ہوا مَیں۔ دو سیڑھیاں رہ گئیں تو دریافت کیا۔ ’’یہ بلوچ ’’بٹھی‘‘ کس کو کہتے ہیں۔‘‘ عرض کیا ’’لنگر خانے‘‘ کو۔ قدرے توقف کیا اور فرمایا ’’پھر تو معاملہ ہی صاف ہو گیا۔‘‘ ’’میرؔ سائیں کا خط آیا ہے کہ ’سنا ہے آپ نے قرآن کریم کی بٹھی کھولی ہے۔ ہم سمجھے کہ گویا ہم قرآن مجید جلا رہے ہیں۔ تُم چل کر اُوپر بیٹھو میں منصورہ بیگم کی غلط فہمی دُور کر آؤں۔‘‘ اور تلافی حالات کے طور پر پھر ایسی ایسی مدارات ہوئیں سارا غصہ فرو ہو جانے کی خوشی میں کہ لطف آ گیا۔

صحیح بلوچ میرؔ سائیں میر جعفر خاں جمالی کی وفات تک اُن سے روابط صحافت سے بڑھ کر برادری کی حد تک پہنچ گئے تھے اب ملاقاتیں رسمی نہ رہی تھیں اُن میں اپنائیت تھی اور ایک دوسرے سے سچی ہمدردی بولتی تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ دکھ سکھ میں شرکتِ جذبات کا اولین تقاضا ہو۔ آپ کی علالت کا معلوم ہوا تو عیادت کے لئے کراچی میں کرنل شاہ کے کلینک میں پہنچا میر محمد مرادؔ خاں جمالی اور میر تاجؔ محمد خاں جمالی حاضری میں تھے۔ پہنچنے کے اگلے دن کی بات ہے میر محمد مرادؔ خاں جمالی آئے اور بتایا کہ ’’فلاں وڈیرا آپ کی مزاج پُرسی کے لئے آیا ہے‘‘ کلینک

کے تین کمرے میرؔ سائیں نے لے رکھے تھے۔ ایک میں میرؔ سائیں، دوسرے میں اہل وعیال اور تیسرا ملاقات وغیرہ کے لئے میرؔ سائیں یہ سنتے ہی فوراً سمجھ گئے کہ وہ کیوں آیا ہے فرمایا ''وہ دیکھنے آیا ہوگا کہ جعفرؔ کتنے دن کا مہمان ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے۔'' تاجؔ کہیں گئے ہوئے تھے۔ میرؔ محمد مراد جمالی کو وڈیرے کے پاس بیٹھنا پڑا اس لئے میرؔ نے ہر تکلیف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مجھ سے کہا کہ میں اُن کے کپڑے نکالوں پٹکا کرتہ اور سُتھن میرؔ اپنی 4 گز کی شلوار کو بھی ''سُتھن'' ہی کہا کرتے تھے۔ مَیں نے سُتھن میں آزار بند ڈالا۔ کرتہ بدلوایا، پٹکا بندھوایا۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور جب وہ کاملاً تیار ہوگئے تو محمد مرادؔ سے کہا کہ وہ اس وڈیرے کو بلوائیں۔ دس پندرہ منٹ ملاقات میں لگے گو اس کے بعد میرؔ کی حالت مزید خراب ہوگئی مَیں حیران تھا کہ علالت کے باوجود وڈیرے کو حریف وحلیف میں پہچان کا ہوش قائم تھا اور اس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اس کا حریف یہ نہ پہچان پائے کہ میرؔ کس حال میں ہے۔ شاید یہی ایک صحیح بلوچ کی پہچان ہے مگر اب یہ احتیاطیں اور وضعداریاں کہاں؟

ایک خواب۔۔۔۔۔۔ایک یاد

خواب کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ حیران کن۔ پریشان کن۔ ماضی سے متعلق۔ مستقبل سے متعلق۔ اکثر لوگ حال ہی سے متعلق خواب دیکھتے ہیں۔ میری نیند ناکافی ہوتی ہے۔ شائد اس لئے خواب بھی بہت کم آتے ہیں۔ مگر بعض خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو وقت گزرنے کے باوجود قلب وذہن پر نقش سے ہوجاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک خواب مَیں نے عزیزم ظفر اللہ جمالی کے والد حاجی شاہنوازؔ کے بارے میں دیکھا۔ مَیں اس خواب کے کئی دن بعد تک سوچتا رہا کہ میر جعفر خاں جمالیؔ کو کہوں یا نہ لکھوں۔ ایسا ممکن ہے وہ خوابوں پر یقین نہ رکھتے ہوں۔ مگر کوشش کے باوجود مَیں اس خواب کی تفاصیل کو اپنے ذہن سے محو نہ کرسکا۔ حتیٰ کہ میر سائیں کی لاہور آمد کا تار موصول ہوا۔ اور حسب معمول مَیں انہیں ملنے آتا جاتا رہا۔ مگر اس خیال سے ان سے اس خواب کا ذکر نہ کیا مبادا بلوچ

خوابوں پر یقین ہی نہ رکھتا ہو۔ مگر یہ منظر مجھے دکھائے جانے کا مطلب؟ یقیناً اس کا کوئی نہ کوئی پہلو تعبیر طلب ہے! میر سائیں کے اس سفر کی آخری ملاقات میں مجھ سے نہ رہا گیا اور مَیں نے اس تمہید کے ساتھ کہ "مجھے نہیں معلوم آپ خوابوں پر یقین رکھتے ہیں کہ نہیں لیکن مَیں نے حاجی شاہنواز کے متعلق ایک ایسی خواب دیکھی ہے جو بھلائے نہیں بھولتی۔ اس لئے عرض کئے ہی دیتا ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو اسے میرے ذہن کی پریشانی کا باعث سمجھ کر نظرانداز کر دیجئے گا۔۔۔۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں روجھان کے چھوٹے بنگلے میں ہیں۔ آپ تشریف لائے ہیں اور مجھے بتایا ہے کہ حاجی شاہنوازؔ کو کچھ تکلیف ہوگئی تھی خوش قسمتی سے ڈاکٹر روجھان آیا ہوا تھا اس نے ٹیکہ بھی لگایا اور دوائی بھی دی اور ہم نے شکرانے کے طور پر دس بکرے ذبح کر دیئے ہیں اور ان کا گوشت غرباء و مساکین میں بانٹ دیا گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میر سائیں یہ خواب سُن کر چپ سے ہو گئے۔ نہ کوئی مثبت تبصرہ کیا نہ منفی۔ البتہ مجھے ضرور یہ اطمینان ہو گیا کہ مَیں نے بات پہنچا دی ہے۔ تین چار ماہ گزرے تو میر سائیں کا ایک لمبا چوڑا کوئی پندرہ (ٹائیپ شدہ سطروں پر محیط) تار وصول ہوا۔ پڑھا تو اس میں خواب کے عین مطابق ایک واقعہ درج تھا۔ میر سائیں نے لکھا کہ "آپ کا خواب جو آپ نے تین چار ماہ گزرے مجھے بتایا تھا حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا۔ حاجی شاہنوازؔ پر پرسوں فالج کا حملہ ہوا۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر منظورؔ روجھان میں تھے۔ انہوں نے فوراً ٹیکہ بھی لگایا اور دوائی بھی دی۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم نے دس بکرے اور ایک بیل بطور صدقہ ذبح کر دیئے ہیں اور ان کا گوشت غرباء و مساکین میں بانٹ دیا ہے۔ اب حاجی صاحب کو کافی افاقہ ہے۔ مَیں انہیں کامل صحت یابی کیلئے کراچی "کرنل شاہ کے کلینک میں لے جانا چاہتا ہوں۔ مگر حاجی صاحب اس پر تیار نہیں ہوتے اُن کا بار بار کہنا یہ ہے کہ اب ثاقب صاحب آئیں گے تو میں کراچی جاؤں گا اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ وقت نکال کر آ جایئے اور پروگرام کی بذریعہ تار اطلاع کر دیجئے تا کہ

جیکب آباد میں گاڑی بھجوائی جا سکے۔" اور مَیں اگلی ہفتے کا پرچہ تیار کرنے کے بعد روجھان پہنچ گیا۔ حاجی صاحب کو دیکھا۔اُن پر خفیف سا فالج کا اثر باقی تھا چنانچہ جیکب آباد سے ایک سیکنڈ کلاس بوگی بک کروائی گئی اور میر سائیں اور میں نے انہیں کرنل شاہ کے کلینک میں داخل کرادیا۔



مُحبّانہ ناراضگی (ثاقب زیروی)

حضرت حافظ میرزا ناصر احمد جب تک جماعت کی امامت و قیادت پر فائز رہے اس عاجز پر بلا استحقاق بڑی ہی شفقت فرماتے رہے۔ 1939ء میں ان سے شناسائی ہوئی تھی جو جلد ہی ان کی طرف سے محبانہ عاطفت میں بدل گئی جو جماعت کا امام بننے تک قائم رہی۔پھر وہ اس عاجز کے امام بن گئے روحانی باپ۔مگر ان کی شخصیتوں اور محبتوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔گو میں نے ہمیشہ فاصلہ رکھا۔(ایاز قدر خود شناس) ہر چوتھے پانچویں بلوا بھیجتے اور محبتوں سے نوازتے۔ ایک دن میں حاضر ہوا تو عرض یا۔میں تین دن لاہور سے غائب رہوں گا۔فرمایا خیر ہے؟ تو عرض کیا "جمالیوں کا اجتماع ہے"۔حیدرآباد میں چار اجلاس ہوں گے دو دنوں میں ایک کی صدارت مجھے دی گئی ہے۔فرمایا "ہاں ضرور جاؤ۔مگر ہاں یاد آیا۔اگر وقت ملے تو رسول بخش تالپور صاحب سے ضرور ملنا اور ان سے یہ بات کرنا"۔رخصت مرحمت ہوئی تو میں اگلے دن حیدرآباد کے لیے روانہ ہو گیا۔دو دن کا اجتماع تھا۔دن آنے اور جانے کے۔واپسی پر پرچے کی تدوین۔میں کوئی سات دن کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔مگر نہ جانے کیوں اپنا وہ بریف کیس جو حیدرآباد میں میرے ساتھ تھا ساتھ لیتا گیا۔حاضری میں پہلے پندرہ بیس منٹ حالات حاضرہ پر گفتگو میں گزر گئے۔پھر مجھے حضور کا ارشاد یاد آیا جو جاتے وقت رواداری میں فرمایا گیا تھا۔میں نے عرض کیا: "میں تالپور صاحب سے ملا تھا انہوں نے حضور کی بات کا یہ جواب دیا ہے۔" حضور تو یہ سن کر آگ

بگولہ ہوئے اور فرمایا ’’ثاقب! تم سے مجھے غلط بیانی کی اُمید نہ تھی‘‘ عرض کیا ’’اور ہونی بھی نہیں چاہیے حضور‘‘۔فرمایا ’’تالپور تو وہاں تھے ہی نہیں تم نے یہ جواب کیسے بنالیا؟‘‘

اب میری کیفیت یہ تھی کہ کاٹو تو لہُو نہیں بدن میں۔ اس عالم میں مجھے اپنا ’’بریف کیس‘‘ یاد آیا جس میں اجتماع کی تصویریں تھیں۔اور مجھے حکمت سمجھ میں آگئی جس کے تحت بلاارادہ میں اسے اٹھالایا تھا۔میں نے عرض کیا حضور میں نیچے سے بریف کیس اٹھالاؤں۔مسکراتے ہوئے فرمایا ’’کیا اس میں پستول ہے؟‘‘عرض کیا میں حاضری کی اجازت ملنے پر اسے کھلا ہی چھوڑ آیا تھا۔آپ نے دفتر کے کارکن سلیم کو حکم دیا کہ وہ میرا بریف کیس اٹھالائے۔ بریف کیس آیا تو میں نے اس سے اجتماع جمالیان کی تصاویر نکال کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھنی شروع کیں۔ یہ سب سے پہلا اجلاس ہے سردار یار محمد جمالی (چیف آف ٹرائب) صدارت فرما رہے ہیں اور حاضرین میں (پہلی لائن میں) محمد مراد جمالی میں اور تالپور صاحب تشریف فرما ہیں۔حضور یہ دوسرا اجلاس ہے۔میر محمد مراد جمالی صدارت فرما رہے ہیں اور سامنے میں،تالپور صاحب اور سردار یار محمد بیٹھے ہیں۔حضور یہ تیسرا اجلاس ہے میں صدارت کر رہا ہوں۔ اور سامنے کی لائن میں تالپور صاحب، میر محمد مراد خان جمالی اور سردار یار محمد خان جمالی تشریف فرما ہیں اور یہ آخری اجلاس ہے زیر صدارت رسول بخش تالپور اور ہم تینوں (میں،محمد مراد اور سردار یار محمد) سامنے بیٹھے ہیں۔ ہر تصویر پر حضور کے چہرہ مبارک پر ایک نیا رنگ ابھرتا تھا اور سردیوں کے باوجود حضور کا روئے مبارک پسینے سے تربتر ہو رہا تھا۔تصویریں دیکھ چکے تو بڑی محبت سے فرمایا: ثاقب امام وقت کو کسی پر تو اعتبار کرنا پڑتا ہے۔کیا میں اپنے ناظروں اور ناظموں پر بھی اعتبار نہ کروں۔ اب مجھے گلیوں میں پھر کر خبریں اکٹھی کرنا ہوں گی۔ مجھے تو یہ رپورٹ دی گئی تھی کہ تالپور صاحب وہاں نہیں ہیں۔اس پر میں نے آخری تصویر بھی پیش کی اس تمہید کے ساتھ کہ جب پہلے اجلاس کے بعد ہوٹل میں پہنچا تو تالپور صاحب میرا بستر اٹھوا لے گئے تھے تالپور ہاؤس میں اور یہ ہے میری اور ان کے

بچوں کی تصویر۔

عرض کیا رپورٹ کرنے والا شاید صحیح نہیں سمجھا۔ وہ سیدھا کراچی گیا ہوگا۔ تالپور ہاؤس میں فون کیا ہوگا جواب ملا ہوگا کہ تالپور صاحب لندن گئے ہیں۔ دراصل علی خان ان کے (بڑے بھائی) لندن گئے ہیں۔ رسول بخش تو حضور حیدرآباد کا بے تاج بادشاہ ہے۔ اس نے کہاں جانا ہے۔ حضور کا غصہ محبت میں تبدیل ہوگیا اور میری جان میں جان آگئی اگر خدانخواستہ بریف کیس ساتھ نہ ہوتا اور مجھے لاہور سے لاکر ثبوت پیش کرنا پڑتا تو شاید اس دوران میں میری موت واقع ہوجاتی۔

ربوہ سے واپسی پر یہ شعر زبان پر جاری رہا۔ ؎

پھر ڈھونڈتا ہے کوئی ثبوت وفا مجھے
پھر مجھ سے بدگماں ہے طبیعت حضور کی

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی محبتوں۔ مروتوں اور شفقتوں کے چند واقعات



مَیں اسے اپنے رب کا فضل سمجھتا ہوں کہ مجھے بھی مرحوم و مغفور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نور اللہ مرقدہ کو قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پنجابی کی ایک معروف ضرب المثل ہے کہ ''راہ'' پئے جانئے یا ''واہ'' پئے جانئے۔ یعنی کسی انسان کی صحیح پہچان یا تو اس کے ساتھ لمبا سفر کرنے پر ہوتی ہے یا معاملہ پڑنے پر اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ حضرت چوہدری صاحب کی شخصیت ان دونوں معیاروں پر باون تولے پوری اُترتی تھی اُن کے علم و فضل اُن کی نیکی اور نیکوکاری۔ ان کی مبسوط و دلنشیں خطابات اور ان کے دنیاوی مقام و مرتبہ سے کون انکار کرسکتا ہے۔ لیکن ان تمام روحانی، اخلاقی، دینی اور دنیوی رفعتوں کے باوجود اُن میں نہ غرورِ علم تھا نہ غرور سجدہ

تھا اور نہ غرورِ مرتبہ۔ان کی شخصیت اور ذات احمدیت کی پہچان بلکہ چلتی پھرتی احمدیت تھی۔ان کی محبتوں ۔مروتوں اور شفقتوں کے درجنوں واقعات قلب و ذہن پر نقش ہیں جن کی یاد رُوح کو انبساط ہی نہیں ایک خاص قسم کی طمانیت عطا کرتی ہے۔جن میں سے آج دو تین ہی کے بیان پر اکتفا کروں گا۔

تحدیث نعمت

یوں تو زندگی میں سینکڑوں بار مصافحہ کرنے اور خیر و عافیت دریافت کرنے کے مواقع ملتے رہے لیکن اس ناچیز کو اس عظیم انسان کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع 1970ء میں اس وقت نصیب ہوا جب موصوف عالمی عدالتِ انصاف (ہیگ) کے پریزیڈنٹ تھے اور مجھے ''انٹرنیشنل فرینڈ شپ ایسوسی ایشن'' کی دعوت پر واٹرلو ہوٹل (بلیک برن) میں منعقد ایک تقریب ''ثاقب کے ساتھ ایک شام'' میں شرکت کیلئے انگلینڈ جانا پڑا۔مَیں ستمبر 1970ء کے اوائل میں لندن پہنچا اور ابھی وہیں تھا کہ حضرت چوہدری صاحب کا بیت الفضل لنڈن کے امام بشیر احمد خاں رفیق کو فون آیا۔''مجھے حضرت امام جماعت احمدیہ کے مکتوب گرامی سے معلوم ہوا ہے کہ ثاقب زیروی صاحب لندن آئے ہیں۔مَیں نے انہیں یو۔کے کے بڑے بڑے شہر دکھانے کا پروگرام بنایا ہے ۔مَیں پرسوں صبح پہنچ جاؤں گا۔آپ اُن سے کہہ دیں سفر کیلئے تیار رہیں۔'' امام صاحب کی زبانی یہ پیغام سُن کر مَیں دم بخود سا رہ گیا۔اور اُن سے عرض کیا کہ ''مَیں ایک کم مایہ اور تر دامن انسان ہوں اللہ تعالیٰ کی ستارالعیوبی سے بھرم بنا ہوا ہے مَیں اس نیکوکار کے ساتھ مسلسل آٹھ دس دن چوبیس گھنٹے کیونکر گزار سکوں گا براہ کرم کوشش کریں کہ یہ پروگرام منسوخ ہو جائے ۔حضرت چوہدری صاحب زحمت نہ فرمائیں ۔نجانے کیوں اپنی تر دامنی کے باعث مجھے اس سفر کے بارے میں انشراحِ صدر نہیں۔'' مگر امام صاحب نے کہا وہ تو چوہدری صاحب کو نہیں روک سکتے اور پھر تیسری صبح کو حضرت چوہدری صاحب عین معین وقت پر اُس کمرے میں آ وارد ہوئے جس میں مَیں فرد کش

تھا۔ مجھے چاروناچار سفر کیلئے تیار ہونا پڑا مگر میں اب بھی کسی لطیفۂ غیبی کے انتظار میں تھا جو اس پروگرام میں تبدیلی کا موجب بن سکے۔ لنڈن سے ہڈرز فیلڈ کو روانہ ہونے سے قبل مَیں نے آپ سے عرض کیا۔ ''حضرت سُنا تھا آپ اپنی زندگی کے حالات اور یاداشتیں ترتیب دے رہے ہیں یہ ترتیب کِس مرحلہ میں ہے؟'' فرمایا ''مَیں نے اپنی طرف سے مسودہ مکمل کر کے شیخ اعجازؔ احمد چوہدری بشیر احمدؔ صاحبان کو بھجوا دیا ہے کتاب کی کتابت اور طباعت پاکستان ہی میں ہو گی۔'' کتاب کا نام کیا تجویز ہوا ہے؟ مَیں ن عرض کیا فرمایا۔ ''بے کم وکاست'' میرے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی میرے چہرے پر ایک مایوس کن حیرت بکھر گئی فرمایا۔ ''نام سُن کر آپ خاموش ہو گئے!'' بڑے تامل کے بعد عرض کیا ''اس لئے کہ اہل ادب کے ایک طبقے کے نزدیک ''بے کم وکاست'' ''گفتنی ناگفتنی'' اور ''رطب و یابس'' کا مترادف بھی ہے۔'' میرا گستاخانہ جواب سُن کر اب کے حضرت چوہدری صاحب خاموش ہو گئے۔ اور ان کی اس گہری خاموشی نے مجھے اپنی گستاخی کے کرب میں مبتلا کر دیا۔ بہرحال سفر شروع ہوا لیکن اس رنگ میں کہ کوئی ستر اسی میل تک ہم میں باہم کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ہڈرزؔ فیلڈ پہنچ گئے۔ نمازوں کے بعد حضرت چوہدری صاحب نے احباب جماعت سے کوئی ایک گھنٹہ تک تربیتی گفتگو فرمائی۔ مَیں نے تعمیل ارشاد میں دو نعتیں سُنائیں اور پھر ہم ''بریڈ فورڈ'' کیلئے روانہ ہو گئے۔ جہاں الیگزینڈراؔ ہوٹل'' میں ہمارے کمرے پہلے سے بُک تھے۔ کھانے کے بعد ہم اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب حضرت میرے کمرے میں وارد ہوئے اور فرمایا: آپ کے پاس پڑھنے کیلئے اُردو کی کوئی کتاب ہے؟ عرض کیا'' میرے پاس ''شہاب ثاقب'' کا ایک نسخہ ہے جو آپ ہی کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہے۔''

مَیں نے وہ نسخہ نکالا اور اُس پر انتساب کی چند سطور لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صبح ناشتے پر اکٹھے ہوئے تو مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کے چہرے پر ایک خاص قسم کی پُرسکون

بشاشت محسوس کی۔ ناشتے کے بعد فرمایا ''شہاب ثاقب'' میں جو ابتدائیہ، دیباچہ، یا پیش لفظ آپ نے لکھا ہے جس میں آپ نے نیاز محمدؔ خاں (این ایم خاں) عبداللہؔ خاں (بھائی جان ابوالحمید ظفر) اور عبدالمجید سالکؔ صاحب کی اپنے ساتھ مروتوں اور محبتوں کا تذکرہ کیا ہے ''مجھے اس کا عنوان بہت پسند آیا ہے۔'' ''کیا آپ کی مراد ''تحدیث نعمت'' کے عنوان سے ہے۔'' مَیں نے عرض کیا۔ فرمایا ''ہاں'' اور مَیں نے یہ سنتے ہی پہلے تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس کے فضل نے میری گستاخی میں سے بھی ایک ''خیر'' کا پہلو نکال دیا تھا۔ پھر عرض کیا ''حضرت! سچ یہ ہے کہ آپ کی زندگی جو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں افضال و اکرام کا مجموعہ ہے اُس کے تذکرے کیلئے اس سے بہتر نام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔'' فرمایا۔ ''آپ اجازت دیں تو مَیں یہ نام رکھ لوں!'' عرض کیا ''مَیں گزارش کروں گا کہ ضرور یہی نام رکھیں اور یوں آپ کی خود نوشت سوانح حیات کا نام حتمی طور پر ''تحدیث نعمت'' طے پا گیا۔ ہُن تُسیں شروع کرو۔۔۔اور اب اس سفر کا ایک اور واقعہ بھی سماعت فرمائیے۔ جس کا میرے قلب و ذہن پر کئی دنوں تک اثر رہا اور جسے ہر دفعہ دوہراتے وقت مجھے ایک خاص قسم کی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ جماعت احمدیہ پریسٹن (یو۔ کے) کے افراد مرد و خواتین حضرت شیخ محمد عمر صاحب کے ہاں بھی تھے۔ حضرت چوہدری صاحب جماعتی نظام کی اہمیت کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے کہ پچاس ایک منٹ کے بعد مَین نے لکھ کر ''غسل خانے'' جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے خطاب روک دیا اور حضرت شیخ صاحب نے اُٹھ کر مجھے غسلخانہ دکھایا۔ مَیں چند منٹوں کے بعد واپس آ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ اب سلسلہ کلام شروع ہوتا ہے۔ اب ہوتا ہے۔ آخر میں نے گزارش کی کہ رُشد و اصلاح کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو تو حضرت چوہدری صاحب نے بڑے بشاشت آفریں لہجے میں فرمایا'' ثاقب صاحب تواڈے غسل خانے جان دے بعد جیہڑی میرے نال ہوئی اے اوہ تہانوں معلوم نہیں۔ ایہہ سارے دوست تے بہناں میرے گل پئے گئیاں کہ چوہدری صاحب تسیں تاں چوتھے پنجویں مہینے فیر آ جانا ایں۔ پر

اے بندہ فیر کدوں؟ ساڈے ٹیپ ریکاڈاں تے ای کجھ ترس کھاؤ۔ ایس واسطے مَیں بس ہُن تسیں اپنا کم شروع کرو‘‘ اللہ اللہ یہ حسن اخلاق اور انداز دلجوئی۔ مجھ ناچیز کیلئے دوستوں کے کہنے پر اپنی تقریر دلپذیر وہ شخص منقطع کر رہا تھا جسے بار بار سننے اور سنتے رہنے کیلئے خود مَیں سرتاپا اشتیاق تھا۔ دینی دنیوی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے جس سے اس ناچیز کو کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ جب چھوٹے چھوٹے افسروں اور معمولی معمولی مقرروں کی رعونت وتکبر کا یہ عالم ہے کہ اک ذرا ٹوکئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

دلجوئی کا انداز



حضرت چوہدری صاحب کو اپنے سے چھوٹوں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی سے حقیقی مسرت حاصل ہوتی تھی یاد آیا میرے وہاں قیام کے آخری دنوں میں بی بی سی (لنڈن) اور برمنگھم ٹی وی والوں نے مجھے انٹرویو کیلئے بُک کیا۔ حضرت چوہدری صاحب بھی اُن دنوں میں لندن ہی میں تھے۔ بی بی سی پر میرا پروگرام کوئی ساڑھے سات منٹ کا تھا تین منٹ کی گفتگو (جو جناب اطہر علی صاحب سے ہوئی) اور ساڑھے چار منٹ کی ایک تازہ تریں غزل ہم ’’بش ہاؤس‘‘ جانے کیلئے تیار ہوئے تو حضرت چوہدری صاحب نے امام صاحب سے دریافت فرمایا ’’کس راستے سے جائیں گے‘‘ امام صاحب نے روٹ بتایا تو فرمایا۔ ’’اس روٹ سے تو آپ وقت مقررہ سے آدھ پون گھنٹے بعد پہنچیں گے کیونکہ اب دفاتر کو چھٹی ہو گئی ہے اور سڑکوں پر بیحد رش ہوگا۔‘‘ اور آپ ایک کتاب لے کر اگلی سیٹ پر تشریف فرما ہو گئے کہ مجھے ایک شارٹ کٹ معلوم ہے چلئے مَیں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں اور یوں چوہدری صاحب کی رہنمائی میں ہم وقت سے کوئی دس منٹ پہلے پہنچ گئے۔ بش ہاؤس پہنچ کر مَیں نے اُتر کر دروازہ کھولا تو فرمایا ’’آپ ہو آیئے۔ ہم دونوں نیچے ہی رہیں گے۔‘‘ بلکہ محترم امام صاحب نے اشارے سے مجھے تاکید کی کہ اوپر حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی کا ذکر نہ کیا جائے۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہاں

پاکستانی دوست مجھے روک لیں گے اور وہی ہوا گو پروگرام ساڑھے سات منٹ کا تھا لیکن مجھے وہاں کوئی 35 منٹ تک رُکنا پڑا۔ اطہرؔ صاحب کے اصرار پر وہاں چائے بھی پینا پڑی۔ جب اس سب کچھ کے بعد مَیں نیچے اُترا تو حضرت نے لپک کر مجھ سے بے ساختہ معانقہ فرمایا اور کہا ’’ ثاقب صاحب مبارک ہو۔‘‘ عرض کیا ’’خیر مبارک‘‘ مگر کس بات کی مبارک فرمایا ’’ آپ پہلے احمدی ہیں جس کا انٹرویو بی بی سی سے نشر ہوگا‘‘ عرض کیا ’’حضرت آپ کے تو نہ جانے کتنے انٹرویو نشر ہو چکے ہوں گے۔‘‘ فرمایا۔ ’’خبریں شاید نشر ہوگئی ہوں انٹرویو کبھی نہیں ہوا۔‘‘ فرطِ تشکر سے میری آنکھیں نمناک ہوگئیں کہ اللہ کے نیک بندے کِس طرح معمولی معمولی باتوں سے خیر و برکت کے پہلو نکال لیتے ہیں پھر واپسی پر نہ صرف وہ گفتگو سُنی بلکہ وہ غزل بھی سُنی جس کے تین چار شعر مجھے آج بھی یاد ہیں۔

آنکھوں سے اس خمارِ ستم کو اُتار بھی ظالم کبھی نگاہ ِ محبت شعار بھی
پھولوں سے اُٹھ رہا ہے دھواں فرطِ رنگ سے تپنے لگا ہے سایۂ ابرِ بہار بھی
پتھر کی خامشی سے بھی آواز آئے گی پہلے کسی کو دل کی زباں سے پکار بھی
اہل جنوں میں ہدیۂ تبریک بن گئے ملتے نہیں ہیں حبیب و گریباں کے تار بھی

بے بے جی کی اُداسی

اور اب آخر میں اُس دور کی بات بھی سن لیجئے جس نے انہیں اس دنیا کو چھوڑ جانے کیلئے مضطرب کر رکھا تھا۔ مَیں پاکستان کو واپسی کیلئے تیار ہوا سلام کے لئے حاضر ہوا تو اُٹھ کر از راہ کرم گستری مجھے معانقہ سے نوازا۔ میری پیشانی پر بوسہ دیا اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز کی خدمت میں بصد ادب ’’ ہدیہ سلام علیک ۔۔‘‘ نذر کرنے کیلئے کہا۔ مَیں نے معانقہ کے دوران (سرگوشی کے سے انداز میں دعائیہ رنگ میں کیا) ’’ اللہ آپکو بھی صحت والی اور برکتوں اور مسرتوں بھی زندگی عطا فرمائے آپ کی شفقتوں نے میرے اس سفر کو ایک یادگار اور ایمان افروز سفر بنا دیا

’’فرمایا۔ جزاک اللہ احسن اجزاء لیکن لمبی زندگی کی دعا نہ کیجئے۔ وہاں بے بے جی بہت اداس ہیں

روح کو آواز دے کر لے گئی رُوحِ اِرم
درد کا سیلاب جسمِ ناتواں کو لے گیا

دو لازوال نقش

سچ یہ ہے کہ حضرت چوہدری صاحب ایسی برگزیدہ شخصیتوں پر لکھنا تو دراصل اپنی ایک عزت افزائی ہے ورنہ وہ مجھ ایسے کوتاہ قلم کی تعریف وتوصیف کے محتاج نہیں یہ لکھنا تو دراصل دُنیا والوں اور احمدیت کی آئندہ نسلوں کو یہ بتانے کے لیے ہے کہ خدائے عزوجل نے شجرِ احمدیت کو کیسے کیسے نفیس ایمان وایقان کی لذت اور محبت وشفقت کی مٹھاس سے بھرپور پھل عطا فرمائے جن کی خوشبو نے ایک عالم کو مہکا دیا

میرا دین

ستمبر 1974ء میں جماعت احمدیہ کے متعلق آئین میں ترمیم کا اعلان ہو چکا تھا۔ دل از حد بوجھل تھا اور چاہتا تھا کہ معاملہ گومگو میں نہ رہے جماعت کے بنیادی عقائدِ اہلِ وطن کے سامنے جامع و مانع صورت میں آنے ضرور چاہئیں۔ مگر یہ مقالہ کون لکھے؟ اور کس کے قلم سے نکلے؟ دیر تک سوچنے کے بعد دھیان جماعت کے مقتدر اور واجب التعظیم بزرگ چوہدری ظفر اللہ خاں کی طرف گیا اور خوش قسمتی سے ان دنوں وہ پاکستان ہی میں تھے۔ مَیں نے اپنی خواہش اور تجویز کا ذکر مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب سے کیا انہوں نے میری تجویز کو پسند فرمایا اور حضرت چوہدری صاحب نے ہمارے دو ایک دفعہ کے بالواسطہ و بلاواسطہ تذکروں کے بعد حامی بھر لی اور فرمایا مگر لکھے گا کون؟ مَیں خود تو اب نہیں لکھ سکتا۔ بعض اوقات ایک لمبا خط لکھنا بھی دُوبھر ہو جاتا ہے۔ آپ مسلسل کتنی دیر تک لکھ سکتے ہیں؟ مَیں املا کرا دونگا۔ عرض کیا ’’مجھے مسلسل گیارہ گھنٹے تک لکھنے کا تجربہ تو ہے‘‘ فرمایا ’’تو کل چار بجے آجایئے۔ مَیں آپ کا انتظار کروں گا۔‘‘ اور مَیں اگلے دن

ٹھیک پونے چار بجے بنگلے پر پہنچ گیا اور میرے پہنچتے ہی حضرت کے خادم خاص اسمٰعیل نے اندر جا کر میری اطلاع کر دی۔

ایک لطیفہ بھی

اتنے میں مجھے یاد آیا کہ مَیں اپنے ساتھ پان نہیں لایا اور یہ نشست لمبی ہوگی۔ ویسے بھی لکھتے وقت پان میری کمزوری ہے۔ مَیں نے ڈیوٹی پر موجود خادم عزیزم عبدالمالک صاحب سے پان مہیا کرنے کیلئے کہا۔ جو مسکرا کر پاس سے گذر گیا اور جا کر عزیزہ محترمہ امۃ الحی سلمہا سے کہہ دیا کہ ثاقبؔ صاحب نے پان منگوائے ہیں اور انہوں نے کچھ پان لگا کر بھجوا دیئے۔ عبدالمالک صاحب کی مسکراہٹ کا راز اگلے دن کُھلا جب معلوم ہوا کہ ایک دن پہلے حضرت چوہدریؔ صاحب ڈیوٹی پر موجود خدام سے تربیتی گفتگو کے دوران انہیں نہ صرف سگریٹ نوشی سے باز رہنے کی تلقین فرما چکے تھے بلکہ پان خوری سے اجتناب کا مشورہ بھی دیا تھا۔ ٹھیک چار بجے مَیں کاغذ قلم سنبھال کر اور حضرت چوہدری صاحب شیلف سے نکال کر قرآن مجید اپنے سامنے رکھ لینے کے بعد لکھنے لکھانے کیلئے تیار ہوئے ہی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کوٹھی کا خادم کابل خاں ہاتھوں میں پانوں کی تھیلیاں لئے اندر داخل ہوا اور آتے ہی کہا۔ لیجئے ثاقبؔ صاحب پان! اس منظر نے ایک لمحے کیلئے مجھے چکرا ہی تو دیا۔ تاہم مَیں نے بات کو لطیف بنانے کے لئے کہا ’’کابلؔ خاں پہلے حضرت چوہدری صاحب کو پیش کرو نا!‘‘

حضرت یہ سُن کر متبسم ہوئے اور فرمایا ’’ثاقبؔ صاحب ایہہ تھوڑا ایہہ کہ پان میرے کمرے وچ آ گئے نیں!‘‘ مَیں نے عرض کیا کہ ’’مَیں تو خیر لڑکپن سے عادی ہوں اور لکھتے وقت مجھے پان کی کچھ زیادہ ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ویسے کبھی کبھار اس کا شوق فرما لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اس کا پتہ دل کو تقویت دیتا ہے۔ سپاری منہ کی رطوبتیں زائل کرتی ہے۔ کتھا گلے کو صاف کرتا ہے اور چونا۔۔۔‘‘ مُسکرا کر فرمایا ’’اچھا جناب مَیں سمجھ گیا آں کہ تسیں لکھدے وقت پان کھا

ن دے عادی ہو پر ہُن تبلیغ نہ فرماؤ۔ تُسیں کھاندے جاؤ مَیں ویکھدا رہواں گا۔‘‘ اور شاید اس لئے کہ وہ میری اس کمزوری کو قابلِ معافی سمجھتے تھے اور اس کے بعد آئندہ جب بھی مجھے چائے یا کھانے پر یاد فرمایا برادرم مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب سے خود ہی فرما دیتے ’’لیجئے کھانا ہم نے کھلا دیا ہے باقی آپ کے ذمہ‘‘ اس لطیفہ کے بعد کوئی چار بج کر پانچ منٹ پر چوہدری صاحب املا کیلئے لب کشا ہوئے اور فرمایا ’’اس مضمون کا عنوان ہوگا ’’میرا دین‘‘ جس کے بعد مسلسل ساڑھے چار گھنٹے تک املاء کا سلسلہ جاری رہا۔ اس برجستگی اور نستعلیق پن کے ساتھ کہ حضرت بہ دورانِ املاء نئے پیروں کے بارے میں ہدایت فرماتے رہے کہ اب نیا پیرا شروع کیجئے ۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ایسا مضمون لکھوا رہے ہیں جو اُن کے نوک برزبان ہے۔ نہ کوئی فقرہ دوبارہ لکھایا۔ نہ کسی لفظ کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ اس سارے عرصے میں ایک دفعہ بھی یہ دریافت فرمایا کہ ’’پہلے کیا لکھا‘‘ تھا۔ مضمون جس رفتار سے ابتداء میں لکھوانا شروع کیا تھا اس رفتار میں آخر تک ذرا جھول نہ آیا۔ املاء کرانے کی رفتار صرف اس وقت قدرے دھیمی ہوتی تھی ۔ جب کوئی آیت کریمہ لکھواتے تھے۔ اس املاء کے دوران صرف دو موقعے ایسے آئے کہ مَیں نے لکھتے لکھتے ’’بھویں‘‘ اُٹھا کر دیکھا جس پر آپ نے دونوں دفعہ فرمایا ’’دیدہ بائید‘‘ ’’اس وقت تو آپ یہی لفظ لکھ لیجئے۔ مضمون کو صاف کرتے وقت بیشک بدل لیجئے گا‘‘ لکھنے اور لکھوانے کا یہ سلسلہ ختم ہوا تو ہم کھانے کی میز پر آ گئے ۔ کرسی پر بیٹھتے ہی فرمایا ’’مَیں تو تین چار دن میں واپس جانے والا ہوں آپ اسے ہفتے عشرے میں صاف کر ہی لیں گے ضمنی عنوان بھی خود ہی لگا لیں۔‘‘ مَیں نے کہا۔ ’’حضرت مَیں نے زیر ترتیب شمارے کی ایک کاپی اس مضمون کیلئے رکوا رکھی ہے اور مضمون کا تب کو آپ کی آخری توثیق کے بعد ہی دیا جائے گا اس لئے انشاء اللہ العزیز اس کا مسودہ آخری شکل میں کل صبح ناشتے کے وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ،۔‘‘ میری یہ بات سُن کر ایک نا قابل یقین تاثر کے حامل تبسم سے فرمایا ’’دیدہ بائید‘‘ کھانے کے بعد کافی کا دَور چلا۔ اس

کے بعد کچھ دیر تک ''حالات حاضرہ'' پر باتیں ہوتی رہیں۔ جب محفل برخاست ہوئی اور مَیں نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا تو مصافحے سے نوازتے ہوئے فرمایا۔''اس وقت گیارہ بجے ہیں۔'' ''جی ہاں'' مَیں نے عرض کیا مگر فوری طور پر میرا دھیان اس طرف نہ گیا کہ آج خاص طور پر حضرت نے ''وقت'' کا ذکر کیوں فرمایا ہے۔ مَیں گھر پہنچتے ہی لکھنے بیٹھ گیا۔ ضمنی عنوان دیئے۔ جن الفاظ پر مَیں نے لکھتے وقت ''بھویں'' اُٹھائی تھی اُن کے نیچے لکیر کھینچ کر متبادل الفاظ بھی لکھ دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز فجر سے کوئی آدھ گھنٹہ قبل مضمون مکمل ہو گیا اور اُسی صبح کو ناشتے کے وقت حضرت چوہدری صاحب کے ہاتھوں میں تھا۔ آپ نے متبادل الفاظ کو پسند فرمایا اور لکیروں کے اوپر لکھے جانے والے الفاظ قلمزن فرما دیئے اور بغیر کسی تبدیلی کے ''او۔کے'' (O-K) لکھ کر دستخط فرما دیئے اور مضمون مجھے واپس بھجوا دیا یہ مضمون حضرت چوہدری صاحب کی پاکستان میں موجودگی ہی میں ''لاہور'' میں شائع ہو گیا۔ جس کے بعد جماعتی جرائد و رسائل نے اُسے اپنے اوراق میں دوہرایا۔ بعض جماعتوں نے اس کے خوشنما و مصور پمفلٹ بھی شائع کئے اور یوں یہ آواز پاکستان کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ حضرت چوہدری صاحب لندن کے لئے روانہ ہونے لگے تو مَیں نے مضمون کے حامل شمارے کی تیس کاپیوں کا ایک پیکٹ احباب انگلستان کے استفادہ کیلئے ساتھ کر دیا۔ جہاز پر سوار ہونے سے قبل احباب سے مصافحہ فرماتے ہوئے (جب میری باری آئی) تو اس عاجز کو معانقے سے نوازتے ہوئے فرمایا ''اب تو مَیں بھی پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ثاقبؔ صاحب بس واجبی سا ہی سوتے ہیں اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔''

دُوسری بے چین رات

اور اب جو اس کریم النفس کا ذکر چھڑ ہی گیا۔ تو اس کی عاجز پر شفقت و محبت کا ایک اور واقعہ بھی سماعت فرما لیجئے۔ لاہور میں ستمبر 1974ء تک پاکستان بھر میں جماعت احمدیہ کے ارکان پر توڑے جانے والے مظالم کا ''روز نامچہ'' شائع ہونے پر بھٹو حکومت نے پبلشر ''لاہور'' (اس

عاجز) اور لاہور کے پرنٹر کے خلاف ''ڈیفنس آف پاکستان رولز'' کے تحت تھانہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں دو مقدمات رجسٹر کرا دیئے جن میں دونوں کو 24,24 سال کی سزا دی جا سکتی تھی ہم نے پتہ لگنے پر، ہائی کورٹ میں ضمانت قبل از گرفتاری کیلئے رٹ درخواست دائر کر دی۔ جو ایک ڈویژن بینچ میں لگ گئی۔ مگر ہائیکورٹ کے پاس ''ڈی پی آر'' کے تحت قائم کئے جانے والے مقدمات میں ضمانت منظور کرنے کا اختیار باقی نہ رہا تھا۔ جج صاحبان ہر تاریخ پر ایڈووکیٹ جنرل سے ہمیں گرفتار نہ کئے جانے کی یقین دہانی حاصل کر کے ہمیں اگلی تاریخ دے دیتے۔ یہاں تک کہ ہم نے ان کی مروت کا مزید امتحان لیتے رہنے کی بجائے ایک دن اپنی درخواست واپس لے لی اور معاملہ اپنے رب پر چھوڑ دیا۔ اب مقدمات بھی قائم تھے اور گرفتاری بھی نہیں ہوئی تھی مگر اس کا خدشہ ہمہ وقت ہمرکاب رہتا تھا۔

گرفتاری کے لئے

11 فروری 1977ء کو دوپہر کے وقت تین چار پولیس افسر ایک دم دفتر میں درآئے اور بتایا کہ آج ہم ایک خصوصی بالائی حکم کے تحت آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ مَیں اُن کے ساتھ ہو لیا۔ منشی صاحب کو مَیں نے احمدی وکلاء کے چند نام لکھوا رکھے تھے کہ اگر اچانک ایسی اُفتاد آن پڑے تو ان میں سے جو بھی ملجائے اُسے مطلع کر دیں۔ راستے میں پرنٹنگ پریس سے جناب میاں محمد شفیع کو بھی ساتھ لینا تھا کیونکہ بطور پرنٹر وہ بھی میرے رفیق ملزم تھے۔ انہیں لے کر جب کم تھانے میں پہنچے تو چوہدری اعجاز نصر اللہ خاں، چوہدری ادریس نصر اللہ خاں، مرزا نصیر احمد جناب مبشر لطیف اور قریشی محمود احمد مرحوم پہلے ہی تھانہ میں پہنچ چکے تھے۔ ایس ایچ او صاحب نے بتایا کہ ''چونکہ تھانہ قلعہ گوجر سنگھ میں کوئی حوالات نہیں ہے اور آپ کو سول لائنز کے تھانے بھجوایا جائے گا۔ اس لئے گرفتاری مغرب کے بعد ڈالی جائے گی''، لیکن نہ جانے یہ اُن کی اپنی سوچ تھی یا کوئی مزید ہدایت کہ مغرب کے وقت انہوں نے ہم سے کہا کہ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ آج کی رات اپنے اپنے گھر میں

گزاریں اور کل صبح ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان خود ہی تھانے آجائیں۔ ہمارے اہلکار آپ کے گھروں پر گئے تو سو باتیں بنیں گی اور بے شک آنے سے قبل ٹربیونل میں ضمانت وغیرہ کی درخواست بھی دیتے آئیں'' تھانے سے واپسی پر راستے میں مَیں نے شاہنواز میڈیکل سٹور سے برادرم مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں کو فون کیا تا کہ اگر ممکن ہو تو وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کر دیں۔ لیکن نہ جانے فون میں کیا خرابی تھی۔ میں نے تین چار دفعہ



فون کیا۔ ہر دفعہ وہ عقبی بنگلہ میں جا ملتا تھا اور جواب میں حضرت چوہدری صاحب کی آواز سن کر مَیں چُونک کر فون رکھ دیتا تھا۔ حتیٰ کہ میں نے چار و نا چار پانچویں دفعہ معذرت کے بعد مجملاً حضرت چوہدری صاحب ہی کو ساری رام کہانی سنادی جس کے بعد مجھے یوں آواز آئی جیسے اُن کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے رسیور گر گیا ہو ساری رات لاہور کا اگلا شمارہ تیار کرنے میں گزر گئی۔ پرچے کی تکمیل کے بعد نوافل کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے طمانیت فرمادی اور نماز فجر کے بعد ایسا سویا کہ سوا آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ نو بجے کے قریب مکرم و محترم میاں محمد شفیع (م۔ش) صاحب بھی پہنچ گئے کار میں بستر اور دیگر سامان رکھ کر لیکن مَیں نے ان کے بے حد اصرار کے باوجود اپنے ساتھ ایسا کوئی سامان لے جانا اپنے رب پر بے اعتمادی کے مترادف سمجھا۔ راستہ میں انہوں نے اشارۃً دو ایک دفعہ کہا کہ ''تمہیں کوئی خواب آ گئی ہو گی اور تم اس پر جمے ہوئے ہو'' مَیں نے کہا'' بھائی جان! خوابوں کے علاوہ بھی کئی انداز ہیں مولا کریم کے اپنے بندوں کو سکون بخشنے کے۔ ہوسکتا ہے میری تفہیم صحیح نہ ہو۔ پھر بھی مجھ میں اس جلیل و قدیر پر بے اعتمادی کی جرأت نہیں۔ بھیجنا تو انہوں نے آخر سول لائنز کے تھانے ہی میں ہے نا! اگر ضرورت پڑ ہی گئی تو کسی کے ہاتھ پیغام بھجوا کر گھر سے بستر منگوا لوں گا۔'' ہمارے پریس میں پہنچنے کے پانچ منٹ بعد ہی برادران مرزا نصیر احمد صاحب اور چوہدری اعجاز نصر اللہ خاں صاحب پہنچ گئے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ ''دونوں بھائی

گئے اور جب واپس آئے تو اُن کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ایک ڈبہ اور ہونٹوں پر یہ خوشخبری تھی کہ'' گرفتاری نہیں ہوگی انسپکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ آج ساڑھے آٹھ بجے صبح بھٹو صاحب کے سیاسی مشیر (جناب محمد حیات ٹمن) کا فون آگیا ہے کہ گرفتار نہ کیا جائے فالحمدللہ'' مَیں کوئی ڈیڑھ بجے کے قریب دفتر پہنچا تو منشی صاحب نے بتایا کہ آپ کے آنے تک ''شاہنواز میڈیکل سٹور'' سے ایک پٹھان چپراسی تین دفعہ آچکا ہے وہ ہر آدھ گھنٹے کے بعد آتا ہے کئی پندرہ منٹ ہوئے تیسری دفعہ ہو کر گیا ہے۔ مَیں نے کہا ''تو مَیں'' میڈیکل سٹور'' سے ہو آؤں کہنے لگے دس پندرہ منٹ انتظار کر لیں ۔میرا خیال ہے وہ پھر آئے گا'' اور وہ واقعی عجائب خاں پندرہ ایک منٹ کے بعد پھر آگیا اور کہا کہ'' بڑے چوہدری صاحب کا ہر بیس پچیس منٹ بعد فون آتا ہے کہ جا کر دیکھو کیا ثاقبؔ صاحب دفتر میں آگئے ہیں؟'' مَیں نے کہا'' جا کر میری طرف سے عرض کرنا کہ خدا تعالیٰ ک فضل وکرم سے معاملہ ٹل گیا ہے مَیں انشاءاللہ شام کو حاضر ہو کر تمام تفصیل عرض کروں گا'' مَیں کوئی چار بجے کے قریب دفتر سے اُترا تو نیچے حضرت کا ڈرائیور کھڑا تھا اس نے کہا کہ'' بڑے چوہدری صاحب نے فرمایا ہے کہ آپ آج شام کا کھانا اُن کے ساتھ کھائیں گے۔'' مَیں نے کہا'' بہت اچھا مَیں حاضر ہو جاؤں گا'' کہنے لگا۔ ''نہیں جی۔ مَیں آپ کو سوا چھ بجے خود لینے آؤں گا یہ بھی انہی کا حکم ہے۔'' مجھے کار گھر سے اُٹھا کر جب عقبی بنگلے کے صدر دروازے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تو گاڑی کی آواز سنتے ہی وہ سراپا شفقت ومحبت انسان بنگلے سے باہر آگیا اور میرے کار سے اترتے ہی مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور کہا'' زندگی میں یہ دوسری بے چین رات تھی کہ مَیں اطمینان سے سو نہ سکا اور رات بھر اپنے رب سے یہی کہتا رہا مولا کریم! ثاقبؔ نے صرف یہی تو کیا ہے کہ تیری جماعت پر توڑے جانے والے مظالم کی تفصیل چھاپ دی ہے۔ دنیا والوں اور اگلی نسلوں کی آگہی کیلئے''۔ مَیں نے نگاہ اُپر اُٹھائی تو اس کریم النفس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں ۔عرض کیا۔'' مولا کریم نے آپ کی دعائیں تو قبول فرمالیں اب یہ آنسو کیسے؟'' فرمایا۔'' یہ تشکر کے آنسو ہیں۔'' اللہ کروٹ کروٹ

جنت نصیب کرے اپنے اس اطاعت گزار بندے کو جو اپنے سے چھوٹوں اور مجھ ایسے تر دامنوں سے بھی بلا استحقاق بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس کی باتوں میں بھی حلاوت تھی مگر اس کے ذکر خیر میں بھی کچھ کم شیرینی نہیں۔



حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب

ایک نابغۂ روزگار۔ خدا پرست وجود

عالمی شہرت کے ماہر علم لسانیات۔ وطن عزیز کے مؤقر و معزز قانون دان، مُدَرِّخ وطباع کہنہ مشق شاعر۔ جید عالم دین اور بزرگ ''لاہور'' کے کرم فرما و سرپرست، نابغۂ روزگار شیخ محمد احمد مظہر کا وجود علمی دنیا میں معروف ہے۔ موصوف نے اپنے روحانی مرشد وحبیب لبیب کی پیش خبری کے مطابق لمبی عمر (چند سال کم ایک صدی) پائی اور کرم مستزاد یہ کہ حافظہ آخر تک برقرار اور دماغ حاضر رہا۔ موصوف کی اس حاضر دماغی کا ایک حیران کُن نقش قلب وذہن پر آج تک ثبت ہے 1992ء کے آواخر میں راقم السطور عیادت کیلئے فیصل آباد حاضر خدمت ہوا تو موصوف نے بصد محبت و رافت باصرار کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک اپنے پہلو میں بٹھائے رکھا۔ شعر وسخن کی بات چلی تو اس ناچیز سے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی وفات پر کہی گئی نظم سننے کی فرمائش کی۔ اور اِدھر رُعب شیخ سے نسیان کا یہ عالم کہ دماغ پر زور دینے کے باوجود صرف ایک شعر اُس نظم کا یاد آسکا۔ جبکہ کچھ لمحے توقف کے بعد حضرت نے ٹھہر ٹھہر کر ساری نظم بالترتیب سنا دی۔ اور اس سے چند سال قبل تک تو موصوف کی اس حاضر دماغی اور یادداشت کی برجستگی کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ نے برسبیل تذکرہ اردو یا فارسی کے کسی استاد کا کوئی مشہور اور زبان زدِ عام شعر پڑھ دیا تو حضرت شیخ صاحب نے اس مفہوم و مضمون کے اساتذہ کے دسیوں اشعار سنا ڈالے۔ فلالوجی (علم لسانیات) پر کوئی درجن بھر کتب تصنیف

فرمائیں جن میں عربی کو تمام زبانوں کی ابتدا (بشمول، انگریزی، سنسکرت) یعنی اُم الالسنہ ثابت کیا 30,35 زبانوں سے متعلق یہ علمی و تحقیقی کام جاری تھا کہ صحت گرنی شروع ہوگئی روز بروز جسمانی طاقت جواب دیتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ 28 مئی 1993ء کو۔۔۔ع ضعف کا سیلاب جسم ناتواں کو بہالے گیا۔

کم گو تھے مگر ہر لفظ تول کر بولتے تھے، کم آمیز تھے مگر جس محفل میں بھی شریک ہوتے اپنے علم وفضل اور بزرگانہ تقدس کے باعث مرکزِ نگاہ ہوتے۔ایک ایسا متقی و پرہیز گار خدا پرست جس کے خواب تعبیر طلب نہ ہوتے تھے۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قائد کے حکم پر کم وبیش 200 کشمیری اسیروں کی قانونی جنگ لڑکر انہیں کشمیر کی جیلوں سے رہا کرایا اور شدھی کے محاذ پر مہینوں دینِ خداوندی کی تبلیغ کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ربِ جلیل وقدیر اُن سے رحمت، شفقت اور مغفرت کا معاملہ فرمائے۔اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔اُن کا وجود بڑوں، جوانوں اور بچوں کیلئے نیکی، راست روی اور محبت وشفقت کا چلتا پھرتا نمونہ تھا۔



حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب
(فنا فی السلسلہ تھا۔فنا فی المحمود)

ویسے تو ہر شخص جسے امام جماعت احمدیہ کی نگہِ انتخاب کسی دینی خدمت پر مامور کردیتی ہے۔انتظامی اُمور میں احمدیہ جماعت کے ہر فرد کے لئے لائق صد تقلید و تعظیم بن جاتا ہے اور بن بھی جانا چاہیئے کہ وہ امیرِ کاروں کا ہر لفظ اپنے کانوں سے سننے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔اور اسکی ہدایت کو بالمشافہ حاصل کرنے کے فخر کا وارث بن جاتا ہے اُسے براہِ راست حضوری کا شرف حاصل ہوتا ہے۔لیکن نہ جانے کیوں مجھے اپنی اس مختصر سے زندگی میں جو مَیں نے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے نظم ونسق کے تحت

گزاری اور جس میں مجھے بالواسطہ یا بلا واسطہ کم وبیش ہر ناظر ناظم یا بڑے انچارج کے ساتھ کام کرنے یا اُن سے ملنے یا اُنکے کسی کام میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا اور میری طبیعت کو خاندان حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے افراد کے بعد (کہ اُن سے تو فطرت ہی کو لگاؤ ہے) محترم حضرت مولانا عبدالرحیم دردؔ صاحب (ایم۔اے) کی زندگی طریقِ کار اور تعلقِ سلسلہ نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔

زریں صحبت

مجھے اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں ہدایات زیادہ تر حضرت دردؔ صاحب ہی سے لینی پڑتی تھیں جس میں مجھے اُنکی قربت کے قریبی مطالعہ اواُن کے تجربے اور اخلاص سے بلا واسطہ کسب فیض کا شرف حاصل ہوا اور مَیں اس حقیقت کے اعتراف میں ہرگز کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ مَیں نے اعتدالِ فکر۔ تحمل مزاجی اور توازن احساس کی بیش بہا دولت اُن کی محبتوں سے سمیٹی اُن کے ذاتی اوصاف میں سے جن سے مَیں نے ایک کیف آفریں تاثر محسوس کیا۔ اگر الفاظ کا لباس دوں تو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دردؔ صاحب سرتا پا مزاج شناس محمودؔ تھے اُن کے انداز فکر طریق استدلال او رطریق کار پر حضرت امام جماعت الثانیؓ کا گہرا اثر تھا۔ وہ مجھے کوئی حکم دیتے تو بیشتر اس کے کہ مَیں بے سوچے سمجھے مفوضہ کام کے لئے روانہ ہو پڑتا۔ طویل المیعاد نظریات سے اس حکم کے اثرات وعواقب سمجھاتے۔ اس کے مستحسن طریق سے انجام پانے کے بعد سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے اُس کے فوائد ذہن نشین کراتے۔ اس کے حسن وقبح سے خبردار کرتے۔ القصہ جب تک کامل بشاشت اور ذاتی قسم کی اُمنگ اور مستعدی دل میں بیدار نہ ہو جاتی اپنے پاس سے کھسکنے نہ دیتے۔ یہ ہدایات وتصریحات اس قدر واضح، مفصل اور براہ راست ہوتی تھیں کہ کوئی شِق بھی محتاج تصریح نہیں رہ جاتی تھی۔ اور یہ تو کئی دفعہ ہوا کہ کسی ایسی بات پر جس کیلئے دردصاحب مجھے تاکید فرما چکے ہوتے تھے کسی غیر متوقع ملاقات میں حضرت امام جماعت الاحمدیہ الثانی سے ذکر چھڑ گیا اور مَیں

نے حضرت صاحب سے قریب ہو کر قدرے لمبا کرنے کے لئے ہدایت طلب کر لیں۔تو ان ہدایات وتشریحات کے بیشتر الفاظ بھی وہی ہوتے تھے جو درد صاحب کے ہوتے تھے گویا سلسلہ کے اس خدمت گذار نے اپنے آپ میں آقا کے مزاج کا ایسا پختہ عکس تیار کر لیا تھا کہ اب اس کی اپنی گفتار،فکراور استدلال میں بھی وہی رنگ اور وہی جھلک پیدا ہوگئی تھی۔

محبت کمال

میرا یہ لکھنے سے یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ موصوف سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی یا انجمن کے نظم ونسق کے سلسلہ میں کسی لغزش پر دوسرے ناظروں اور ناظموں کی طرح امام جماعت احمدیہ اُن پر بھی ناراض نہ ہوئے یا وہ بشریت کی کمزوریوں سے پاک تھے نہیں۔ ہر گز نہیں چونکہ مَیں خوب جانتا ہوں کہ وہ محبت کمال کی اُن تمام بھٹیوں سے گزرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ قربت محبوب کی دوامی مٹھاس بھری ہوئی لذیذ قاشیں جتنی اس مزاج شناس کے حصے میں آئیں وہ شاید ہی کسی کے حصے میں آئی ہوں۔

طویل المیعاد منصوبے

موصوف کی دوسری بڑی صفت جس نے مجھے متاثر کیا یہ تھی کہ وہ انجمن یا سلسلہ کے کام کوانجام دیتے وقت کبھی کوتاہ بینی سے کام نہیں لیتے تھے۔ اور اسے کبھی کسی ایک جماعت کے امیر یا پریذیڈنٹ کے کیس کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ اُن کے پیش نظر ہر کام کوانجام دیتے وقت یہ امور رہتے تھے کہ وہ ایک ایسے امام کے نائب کے طور پر اس کام کے لئے معمور کئے گئے ہیں جس کے ارادت مند ساری دنیا میں موجود ہیں جس کے کردار پر موشگافیاں کرنے والے (ہر رنگ اور ہر مزاج کے) ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن میں سے کوئی بھی وقت ملنے پر کسر اُٹھا نہیں رکھے گا جلد یا بدیر اس کام کے نتائج کو طویل المیعاد جماعتی پالیسی پر اثر انداز ہونا ہے۔ مَیں جو رپورٹ تیار کروں گا اس پر ایک ایسی پالیسی تیار ہوگی جس کا ساری دنیا کے احمدیوں سے تعلق ہوگا

اوراس کے ثمرات یا خمیازے سارے جماعت کو کھانے یا بھگتنے ہوں گے لہٰذا مجھے اپنی ذات کو پرے نکال کر اپنے جذبات اور ذاتی وقار کو ایک طرف رکھ کر (کہ وہ سب میرے آقا ہی کے چشم کرم کے طفیل ہے) اس کا راہم کو انجام دینا چاہیئے ۔موصوف کی ایک اور عظیم صفت جس نے میری زندگی پر گہرا نقش چھوڑا وہ اُن کا ذاتی پراپیگنڈے سے مجتنب رہنا تھا۔ وہ کوئی کارا ہم انجام دے کر آتے تو اس کا کسی سے تعلّی کے انداز میں ذکر نہ کرتے بلکہ بعض اوقات تو دفتر میں یوں کسمسائے ہوئے داخل ہوتے کہ کارکنوں کوان کے ناکام لوٹنے کا خدشہ لاحق ہوجاتا۔ دفتر میں کچھ دیر بیٹھتے پھر اطمینان کے ساتھ مختصر ترین الفاظ میں عریضہ لکھ کر حضرت صاحب کی خدمت میں بھجوا دیتے اور جب تک بلاوا نہ آجاتا اپنے کمرے میں مصروف کار رہتے ۔ مَیں اس مختصر ترین عرصے کے مشاہدات کے بل پر یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ بیسیوں ایسے کام تو مجھے یاد ہیں جن میں کامرانی کا سن کر میرا دل بشاشتوں سے بھر بھر جایا کرتا تھا جن کا سلسلہ کے مستقبل سے بڑا گہرا تعلق ہوتا تھا جو درد صاحب موصوف نے اپنے پیارے امام کے اشاروں اور ہدایت کے تحت کامرانی سے انجام دیئے لیکن اُن کے ہمعصروں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور ایسا ممکن ہے آج بھی نہ ہو۔

نمود ونمائش سے اجتناب

ذاتی پراپیگنڈے اور نمود ونمائش سے احتراز اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ وہ الفضل میں اپنے نام سے بہت احتراز کرتے تھے اوراگر کوئی ایسا اعلان مجبوراً اپنی طرف سے کرنا بھی پڑتا جس میں اپنے آقا کا ذکرِ خیر کرنا کنایۃً ضروری ہوتا تو اس میں بھی توصیف و تحسین کو صرف ممدوح اور مرکز موضوع ہی تک مختص رکھتے۔ اپنی قربت اور ذاتی کوشش کا ہرگز ذکر نہ کرتے۔ دفتر میں احکام کم سے کم تحریری طور پر دیتے۔ اکثر باتیں اشاروں اور مقطعات ہی میں ہوتیں اور کیا یہ اجتناب کی حد نہیں ہے کہ بعض اوقات اپنی علالت پر درخواستِ دعا کا اعلان بھی محض اس لئے اپنے عزیزوں کو

بھیجنے سے روک دیتے کہ اُنکا نام چھپے گا۔کم بولتے اور زیادہ سنتے اور اس سے کہیں زیادہ سوچتے اور میرے خیال میں یہی اُن کی زندگی کی کامیابی اور اپنے آقا کے محبوب ہونے کا راز تھا۔

ماتحت کارکنوں س سلوک

دفتری لحاظ سے دردؔ صاحب ایک سخت افسر متصور ہوتے تھے لیکن دفتری کارکنوں کو ان کے ماتحت کام کر کے اعتماد اور طمانیت محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ جہاں وہ پوری بات سننے پوری چھان بین کرنے اور پورا کام لینے کے عادی تھے وہاں اپنی غلطیوں اور ذاتی کوتاہیوں کو اپنے ماتحتوں پر ڈالنے کے ہرگز عادی نہ تھے۔ بلکہ جب ایک دفعہ پوری پوچھ گچھ کے بعد کامل اطمینان کر لیتے تو پھر اپنے دفتر کے لئے ڈھال بن کر کھڑے ہو جاتے اگر کسی سے واقعی غلطی بھی ہوگئی ہوتی تو اس کی جائز حد تک چشم پوشی اور دلداری کرتے اور اس ذاتی حوصلہ افزائی سے اس کا حوصلہ اتنا بڑھا دیتے کہ وہ اس تعلق پر فخر محسوس کرنے لگتا کہ ’’میں درد صاحب کا کارکن ہوں‘‘

نفسیاتی تجزیہ میں مہارت

موصوف کو نفسیاتی مطالعہ میں تویدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مجھے خوب یاد ہے ایک دفعہ میں حضرت امام جماعت احمدیہ الثانیؓ سے کسی کام کے متعلق ہدایات لے کر نیچے اُترا تو نیچے دردؔ صاحب کھڑے تھے۔ پوچھا ’’کیا حکم ملا۔‘‘ میں نے سیڑھیوں سے اُترتے اُترتے ہی اس حکم کا اپنے ذہن میں کوئی مفہوم تیار کرلیا تھا۔ میں نے وہ مفہوم ملا کر بات سنا دی۔ کہنے لگے ’’یہ تو تمہارا مفہوم اور تمہارے الفاظ ہوئے نا۔ مجھے تو یہ بتاؤ حضرت صاحب نے کیا فرمایا ہے؟‘‘ میں نے پھر وہی فقرہ دہرایا۔ پھر ہنس کر فرمانے لگے مانا تم بہت عقلمند ہو میں تمہارا مفہوم تمہاری تاویل سب کچھ سنوں گا۔اس سے پہلے مجھے اصل الفاظ بتاؤ جو حضرت صاحب نے اپنی زبان مبارک سے فرمائے ہیں۔‘‘ اب کے مَیں نے وہ الفاظ بتائے تو ہنس دیئے اور بے اختیار ہنستے ہنستے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے دفتر میں لے گئے اور پھر جو اُن الفاظ کی ظاہری ہیئت میں تشریح شروع کی تو مجھے احساس ہوا کہ ’’مَیں تو بالکل ہی

اُلٹ سوچ رہا تھا۔'' اگر خدانخواستہ مجھے درد صاحب نیچے نہ ملتے اور مَیں اس کام کو اس طریق سے انجام دے آتا جس طرح کہ میں نے اسے اولین ساعت میں سمجھا تھا تو نتیجہ بالکل برعکس ہوتا۔لیکن اس سارے واقعہ کا شاندار پہلو یہ ہے کہ دوسرے تیسرے دن اسی کام میں کامرانی کے متعلق جب میں نے انہیں حضرت صاحب سے ذکر کرتے سنا تو اس میں صرف میری حوصلہ افزائی ہی کے کلمات تھے۔اپنا ذکر نام کو بھی نہیں تھا۔میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ درد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بڑی فیاضی سے نوازا تھا جسے علماء اخلاق وتربیت نے بے لوث رہنمائی کا نام دیا ہے ۔جوان جولانیوں کو اعتدال کی راہ پر لگانے کا تو انہیں بہترین ملکہ حاصل تھا اور جہاں کہیں ان کے مستقبل کا سوال پیش آجاتا تو اس میں وہ کبھی ذاتی مفادات کو آڑے نہ آنے دیتے۔

کم گو۔کم آمیز

یہ کون نہیں جانتا کہ موصوف ایک بہت بڑے سکالر، ایک اجل عالم احمدیت اور سلسلہ کے ان اولین واقفین میں سے تھے جو ریٹائر ہو کر اور دنیوی زندگی کی لذات چکھ کر نہیں بلکہ دنیا کو درخورِ اعتنا نہ جانتے ہوئے اس کی جاذبیتوں سے پہلو بچا کر زندگی کی اولین بہادری ہی میں ''لبیک اللھم لبیک'' پکارتے ہوئے سلسلہ کی خدمت کیلئے آحاضر ہوئے تھے لیکن مجھے اعتراف ہے کہ ان کی زندگی پر ان رخوں سے لکھنے والے مجھ سے بہتر وجود موجود ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اس عظیم اور انتھک خدمت گذار کی ان خدمات کو منصۂ شہود پر لانے کی ضرور کوشش فرمائیں گے جو آئندہ نسلوں کی رہنمائی کا موجب بن سکتی ہیں۔کم گوئی اور کم آمیزی آپ کی دو مخصوص عادتیں تھیں۔انہی کے سبب بعض ایسے افراد جو ان کے قریب نہ ہو سکے ان کے متعلق یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے کہ'' وہ ایک پُراسرار آدمی ہے، کسی سے بولتا نہیں،لباس سے بے پرواہ رہتا ہے۔حضرت صاحب کی محفل میں بھی میلے کپڑوں ہی سے چلا جاتا ہے۔'' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص فنافی السلسلہ تھا۔فنافی المحمود تھا اور اس کی زندگی کا ہر ثانیہ، ہر لحظہ ہر

ذوق اور ہر خواہش اللہ اور اس کے دین کے لئے وقف ہو چکی تھی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آج اُسی کم گو، کم آمیز اور میلے کپڑوں والے درد کیلئے اس کے آقا کی آنکھیں پُر نم ہیں۔کون اندازہ کرسکتا ہے اس رُوح کی مسرت کی گہرائیوں کا جو مہکتی فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے یہ دیکھ رہی ہوگی کہ اس کا محبوب اس کیلئے سوگوار ہے۔اس کا مرکز حسن وخوبی اس کے لئے اشکبار ہے لیکن نہیں شاید حقیقی محبت کی تڑپ اسے اس اضطراب اور درد و کرب کو مسرت بھری نگاہوں سے بھی نہ دیکھنے دے میرے خدا اس رُوح کو اپنے فضل سے نوازے اسے اپنے ذاتی قرب کی طمانیتوں سے فیض یاب کرے اس کے آقا کی درد و کرب بھری تمام التجاؤں کو سنے اور اسے اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور سلسلہ احمدیہ کے اس عظیم خلاء کو محض اپنے فضل سے پورا کر دے۔آمین ثم آمین

پیر اکبر علی صاحب

''مناظرہ اہل حدیث حضرات سے''مَیں سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے جماعت کا کبھی کوئی عہدیدار نہ بن سکا۔مگر ہر سال ساون مل کے سرائے میں سالانہ جلسہ کا اہتمام ضرور کرتا گومیرے امیر ضلع (حضرت پیر اکبر علی صاحب) کو ہمیشہ یہ شکوہ رہا کہ وہ جلسہ کیلئے نظارت کو لکھتے ہیں تو بمشکل ایک حد دو مبلغ بھجوائے جاتے ہیں تم کس طرح چھ چھ آٹھ آٹھ مبلغ منگوا لیتے ہو۔دراصل وہ جنگ کا زمانہ تھا۔چینی اور کپڑا راشن پر ملتا تھا۔تحصیلدار صاحب میرے دوست تھے انہوں نے مجھے دس سیر چینی کے پرمٹ جاری کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔محلہ کمبواں میں اہلحدیثوں کی مسجد تھی۔اُن سے مناظرے کی طرح پڑ گئی کہ فلاں دن ساون مَل میں جہاں ہمارا جلسہ ہر سال رہا ہے وہاں مختلف مسائل پر (جن میں صداقت مسیح موعود بھی ہو) مناظر ہوگا۔چنانچہ مَیں نے نظارت کو تو لکھا گجرات میں ملک عبدالرحمٰن خادم ایڈووکیٹ کو بھی لکھ دیا کہ اُن کی پاکٹ بک جوان طبقے میں بہت

مقبول تھی اور ساتھ ہی حضرت پیر اا کبر علی صاحب (امیر ضلع) کو مناظرے کی صدارت کیلئے بھی لکھ دیا۔سوانہوں نے قبول فرمالی اور عین وقت پر پہنچ بھی گئے۔قادیان سے مولوی عبدالغفور صاحب مولوی عبدالمالک خان صاحب مہاشہ محمد عمر صاحب۔گیانی واحد حسین صاحب، چوہدری محمد حسین صاحب اور ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن صاحب آف موگا پہنچ گئے۔خادم صاحب محترم ناظرہ کی رات کو پہنچ گئے اور حضرت پیر صاحب صبح سویرے پہنچے اور ریسٹ ہاؤس میں قیام فرمایا۔جب مناظرے کا وقت ہوا تو صدر محترم حضرت پیر اکبر علی صاحب تشریف لائے۔جماعت نے قطار میں کھڑے ہو کر اُن سے مصافحہ کیا اور اھلاً وسھلاً ومرحبا کہا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی یہ دیکھ کر کہ اہلحدیث حضرات بھی قطار باندھے حضرت پیر صاحب سے مل رہے تھے میں نے چوہدری عبدالعزیز (مینجر مسجد کمبواں) سے استفسار کیا تو انہوں نے پنجابی میں جواب دیا ''ثاقب صاحب ساڈے منڈے تاں پیر صاحب نے ہی ملازم کرائے نیں'' اہلحدیثوں کے مناظر جناب عبدالقادر صاحب روپڑی تھے اور صدر جناب محمد اسماعیل صاحب شجاع آبادی اور ہماری طرف سے خادم صاحب مناظر تھے اور حضرت پیر اکبر علی صاحب صدر مناظرہ۔کہ مناظرے کے ایک موڑ پر روپڑی صاحب نے براہین احمدیہ سے ایک حوالہ پڑھا اور دو ایک سطریں اپنی طرف سے پڑھ ڈالیں اور اعلان کیا کہ ''کوئی مرزائی بے شک آ کر کتاب دیکھ لے'' مناظرہ کی فضا بڑی گرم تھی۔مگر روپڑی صاحب کو وہ عقیدت کا اظہار معلوم نہ تھا جو اہلحدیث حضرات نے حضرت پیر صاحب کے ساتھ کیا تھا۔جب حوالہ پڑھا گیا تو ہمارے مناظر اور مبلغین نے حضرت پیر صاحب سے کہا کہ آخری عبادت روپڑی صاحب کی کتاب میں موجود نہیں اور براہین احمدیہ نکال کر انہیں دکھائی۔ حضرت پیر صاحب آرام سے سٹیج سے اُترے اور اہلحدیثوں کی سٹیج پر چڑھ گئے اور اعلان کیا کہ اب میں اصلی حوالہ پڑھتا ہوں۔جب اصل پڑھ چکے تو روپڑی صاحب سے مخاطب ہوئے ''اوئے کانیا سُورا۔آخری سطراں کولوں ہی لا دتیاں نیں'' اور مناظرے کی فضا دم بخود ہو گئی اور چوہدری

عبدلعزیز نے مناظرہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

فاختائی رنگ کی طُرے دار دستار

امیر جماعت شیخوپورہ چوہدری انور حسین صاحب سے میری سب سے پہلی ملاقات غالباً 1939ء کے خدام کے سالانہ اجتماع میں ہوئی۔ جب جماعت کے دوسرے امام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے تقریری مقابلہ سے پہلے اجلاس میں تحریک جدید کی سکیم کو نئے سال پر پھیلانے کا اعلان فرمایا تھا۔ قائد خدام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے (جو نظم پڑھے جانے سے قبل اُٹھوا کر جیب میں ڈال لیجئے) تقریری مقابلے کے دوران میں پڑھی جانے والی نظموں کے کلام اور طرز بیان کو ایسا پسند فرمایا کہ مجھے ہمیشہ کے لئے اپنی نوازشات کے لئے چُن لیا اجلاس کے بعد فرمایا کل صبح ساڑھے آٹھ اور نو کے دوران مجھے محمد نورؔ کے چائے خانے کے پاس ملنا۔ ملے تو ہزار نوازشات خُسر وانہ سے۔ سب سے پہلے مجھے حضرت اماّں جان کو مجھ سے دو ایک نظمیں سنوائیں۔ اپنے ساتھ بٹھا کر ناشتہ کروایا اور پھر بعد دوپہر اُسی چائے خانہ پر ملنے کا وعدہ لے کر خود ڈیوٹی پر چلے گئے۔ میں وقت مقررہ پر حاضر ہوا تو اُن کے ساتھ دو اور نوجوان بھی تھے جن سے میں متعارف نہ تھا۔ (اول) حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور (دوسرے) جوان رعنا چوہدری انور حسین جن کے سر پر فاختائی رنگ کی دستار عجب بہار دکھا رہی تھی۔ اچکن زیب تن، سر پر فاختائی رنگ کی ہمرنگ طُرے دار دستار جو آخر تک اُن کی پہچان رہی۔ معلوم ہوا کہ مجلس احرار کے اکابر کے عزیزوں میں سے ہیں اور ان کے قول و فعل سے بیزاری انہیں احمدیت میں لائی ہے۔ امیر قافلہ ہمیں کشاں کشاں حضرت نواب محمد علیؓ خاں صاحب کی کوٹھی پر لے گئے جہاں پہلے سے کسی پروگرام کے تحت چائے ہمارے انتظار میں تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس وقت تک میں شاذ ہی چائے پیا کرتا تھا تو دودھ اور لسی کا میرا تاثر تھا کہ چائے کڑوی ہوتی ہے بس کبھی زکام وغیرہ ہوا تو ''کاڑھا'' وغیرہ بنا دیا گیا اس لئے جب امیر قافلہ نے علیحدہ علیحدہ پیالوں میں

چائے ملا کر چینی ڈالنے کے لئے ہمارے سامنے کی تو مَیں نے تین کی بجائے بھی شاید چار ہی چمچ چینی کے ڈال لئے جو ماورائے حجاب ہماری عزیز ترین میزبان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحب دیکھتی رہیں کیونکہ جب دوسرا کپ بنانے کی باری آئی تو حکم فرمایا کہ ”ناصرؔ! ثاقبؔ کا دوسرا کپ مَیں بنا کر بھیجوں گی“ اس پر مَیں ہنس دیا تو مرحوم چوہدری صاحب نے کُہنی سے مجھے ٹھوکا دیا شاید یہ کہنا مقصود تھا کہ یہ گستاخی ہے۔ مَیں نے کہا دراصل مَیں سمجھ گیا ہوں کہ اب کے میرا کپ چینی دان میں بن کر آئیگا اور وہی ہوا میرا کپ چینی دان میں بن کر آ گیا۔ مَیں نے عرض کیا ”حضرت پھوپھی جان مَیں نے تو آج تبرک سمجھ کر زندگی میں پہلی دفعہ چائے پی ہے اسی لئے کڑوی ہونے کے خیال سے مَیں نے زیادہ چینی ڈال لی تھی“ مگر اس عالی ظرفی کی کون داد دے گا کہ اس حاضری میں اس نغزہ گو شاعرہ نے اپنا شاعرانہ مقام واحترام مجھ پر ظاہر تک نہ ہونے دیا اور صرف مجھ کو سُنا جاتا رہا اس کے بعد زندگی میں چوہدری انور حسین صاحب مرحوم سے جب بھی ملاقات ہوئی اس واقعہ نما لطیفے کا ذکر ضرور ہوتا یہ تھی میری چوہدری صاحب مرحوم ومغفور سے سب سے پہلی ملاقات، جس میں رعنائی بھی تھی تکریم بھی اور تعظیم بھی جو ہمیشہ قائم رہی۔

فیض سے پہلی ملاقات



زیرہ (ضلع فیروز پور) میں چوہدری اعظم علی سول جج تھے۔ اُن کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی فیض احمد فیض کی بہن تھیں۔ ظاہر ہے جب کوئی شخص دوسری شادی کرتا ہے تو اُس کا یہ اقدام اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی سے نا مطمئن ہے۔ اعظم علی اور ان کی پہلی بیوی میں اکثر تنازعہ رہتا تھا اور جب نوبت مار پیٹ تک پہنچ جاتی تھی تو وہ برقعہ پہن کر ہمارے گھر میں والدہ کے پاس آ جاتی تھیں۔ میں نے جب وقف کیا تو امام وقت نے

مجھے روزنامہ ''انقلاب''، میں صحافت کی عملی تربیت کے لئے بھجوادیا۔ جہاں میری پہلے ڈیوٹی (رات کو علامہ حسین میر ایڈیشن انچارج) نیابت کی بجائے یہ بھی تھی کہ میں صبح کے وقت ''انقلاب'' کے ایڈیٹر مولانا سالکؔ کے سامنے بیٹھا رہوں اور ان سے ملاقاتیوں کی باتیں سنتا رہوں اور کسی بات میں دخل نہ دوں خواہ وہ بات میری جماعت کے متعلق ہو۔ میرے امام سے متعلق ہو یا مجھ سے۔ ایک دن سالک صاحب تشریف لائے تو فرمایا کہ ''مجھے آج امرتسر مشاعرے میں شرکت کیلئے جانا تھا مگر میری طبیعت خراب ہے مَیں نے پرنسپل صاحب سے بات کر لی ہے۔تم جاؤ وہ تمہیں پچاس روپے بھی دیں گے۔'' حکم حاکم مرگ مفاجات مَیں یہ حکم سننے کے بعد گھر آیا۔ تیاری کی اور امرتسر کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کالج کے پرنسپل بڑے پڑھے لکھے انسان تھے ان سے مل کر واقعی جی خوش ہوا۔

۔رات کو کالج کی ''بزم ادب'' کا مشاعرہ تھا۔ جب بیرونی شعراء کی باری آئی اور میرا نام پکارا گیا تو مَیں نے مائیک کے سامنے جا کر ایک غزل پڑھی پھر دوسری کی فرمائش ہوئی وہ بھی سنائی اور مَیں اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک نوجوان (جو بہترین سوٹ پہنے ہوئے تھا) میرے پاس آیا اور اس کی میرے ساتھ یوں گفتگو شروع ہوئی نوجوان: ''زیروی سے مراد زیرہ ضلع فیروز پور ہے؟'' مَیں: ۔۔۔۔''ہاں'' نوجوان: ۔۔۔''مَیں فیض احمد فیض ہوں اور یہاں پروفیسر ہوں ۔'' مَیں: ۔''آپ سے مل کر مسرت ہوئی'' نوجوان: ''جناب مسرت تو مجھے ہوئی ہے۔ ہم نہ جانے کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بہن جب آتی ہیں۔ تمہارا اور والدہ محترمہ کا ذکر کرتی ہیں۔'' مَیں: ''کون بہن؟ آپ اشاروں میں کب تک بات کرتے رہیں گے۔'' نوجوان: ''جناب میں چوہدری اعظم علی سول جج صاحب کا برادرِ نسبتی ہوں ۔'' اور مجھے یاد آ گیا کہ ان کی بہن اکثر فیضؔ کا ذکر کیا کرتی تھیں کہ وہ بھی شعر ''بنایا'' کرتا ہے۔ اس کے بعد لاہور میں اور لاہور سے باہر متعدد مشاعروں میں ان کے ساتھ شرکت کا موقع ملا وہ ہمیشہ ہی محبت اور احترام سے پیش آئے۔ اور

ہمیشہ مجھ سے بھائیوں کا سا سلوک کیا۔

قُطبی شیخ

نواب نورالدین حسین مرحوم کے ہاں کراچی پہنچا تو قطبی شیخ سے ملاقات ہوئی۔ وہ اُن کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ قطبی شیخ ایک آرٹسٹ تھے۔ دھان پان سے آدمی۔ قد چھوٹا لیکن ٹیپ ٹاپ درُست۔ چند دن اس کی صحبت میں رہے اور جی بھر کر اُن کی تصویریں دیکھیں غالباً 1949ء کا مارچ کا مہینہ تھا وہ لاہور تشریف لائے اور میرے ہاں قیام کیا۔ مَیں اُن دنوں اکیلا تھا۔ والدین اور بچے سیالکوٹ میں رہتے تھے۔ میں نے ایک دن قُطبی شیخ سے کہا۔ ''میری تصویر بناؤ کہنے لگے تمہارے چہرے میں کیا ہے۔ سپاٹ سا چہرہ، نہ جھریاں نہ چھائیاں، نہ عمر رسیدگی کے آثار'' شام کو مجھے حضرت ابا جان کا خط ملا کہ وہ چند دنوں کیلئے لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ انہیں ذیابیطس نے تنگ کر رکھا تھا اور وہ پیشاب اور خون کے ٹیسٹ کیلئے آرہے تھے۔ مَیں نے اور قطب بی شیخ نے انہیں ریلوے سٹیشن پر وصول کیا۔ قطب انہیں دیکھتے ہی مجھ سے کہنے لگا۔ قُطب۔ ''یاد ہے تم نے مجھے کہا تھا کہ مَیں تمہاری تصویر بناؤں۔ اور مَیں نے تمہیں جواب دیا تھا کہ تمہارے چہرے میں کیا ہے۔ سپاٹ سا چہرہ، نہ جھریاں اور نہ عمر رسیدگی کے آثار'' مَیں۔ ''مجھے اچھی طرح تمہارا یہ جواب یاد ہے'' قُطب۔ ''مگر تمہارے والد صاحب کا چہرہ ایسا ہے کہ مَیں بنانا چاہتا ہوں'' مَیں۔ ''مگر وہ تو تصویر کے قائل نہیں ہیں اور انہیں اس کیلئے نہیں کہا جا سکتا'' قُطب۔ ''تم باتوں میں انہیں لگا لینا اور مَیں چاک سے تصویر بنا لوں گا'' ٹیسٹوں کے دوسرے دن مَیں نے اُن سے حضرت مسیح موعود اور الیگزینڈر ڈوئی کی کوئی بات چھیڑ دی۔ وہ مجھے بتاتے رہے اور قُطب چاک سے تصویر بناتا رہا۔ حتیٰ کہ تصویر مکمل ہوگئی اور ہمارا ذکر بھی ختم ہوگیا۔ بشیر علی موجد ہو یا اُن کے دوست جب کبھی اپنے فن پاروں کی نمائش کرتے ہیں تو وہ چاک سے بنی ہوئی تصویر مجھ سے لے جاتے ہیں قُطب بی شیخ کے'' تبرک'' کے طور پر۔ سنا ہے کہ وہ ان دنوں جرمنی میں ہیں۔ اس نے شادی کر لی ہے اس کے بعد

صرف ایک ہی دفعہ اس سے ملاقات ہوئی ہے لیکن اُس کی بنائی ہوئی تصویر مَیں نے 1949ء سے آویزاں کر رکھی ہے۔ جب بھی اُن کی یاد آتی ہے اسے دیکھ لیتا ہوں۔ ظالم کے نہ جانے ہاتھ میں کیا تھا۔ ہو بہو تصویر کھینچ دی۔ حضرت ابا جان کی وہ تصویر آج تک میرے پاس محفوظ ہے اور میرے ڈرائنگ روم میں (جیسے ہم بڑا کمرہ کہتے ہیں) آویزاں ہے۔

''اللہ آجم خاں'' کا بھلا کرے''

ایک دن دفتر لاہور میں ہانپتی کانپتی ایک بڑھیا (روہتک کے ضلع کی رہنے والی) آئی اور کہا ''اللہ آجم کا بھلا کرے مجھے تو ''پی ٹی یا'' گھر بیٹھے مل گیا۔'' دراصل میں نے ہی جنرل اعظم خاں سے جو صدر ایوب کی کابینہ میں بحالیات کے وزیر تھے عرض کیا تھا کہ کچھ لوگ صبح سویرے فیکٹریوں میں کام کے لئے چلے جاتے ہیں اور دن ڈھلے لوٹتے ہیں دفتر کے اوقات میں اُن کا پہنچنا از حد دشوار ہے کیا اس طرح آپ کا الاٹمنٹوں کا کام لمبا نہ ہو جائے گا۔ انہوں نے میری اس گزارش پر ہمدردانہ غور کیا اور تین پارٹیاں الاٹمنٹ کے کاغذات (جیسے وہ بڑھیا پی ٹی یا کہتی تھی) بانٹنے کیلئے مقرر فرمائیں۔ ایک آٹھ سے دس بجے صبح تک پی ٹی او بانٹتی تھی دوسری دفتر میں اور تیسری شام کے چھ بجے سے نو بجے تک۔ چنانچہ بڑھیا کو بھی پی ٹی او مل گیا اور وہ جنرل اعظم خاں کے گُن گانے لگی اپنے لہجے میں مجھے گویا اس ہفتے کے ایڈیٹوریل کا عنوان مل گیا اور مَیں نے کرہ الصدّر عنوان سے ایک ایڈیٹوریل گھسیٹ دیا۔ مقصد اس اداریئے کا یہ تھا کہ جنرل صاحب تک یہ بات پہنچ جائے کہ اب مہاجرین کو واقعی الاٹمنٹ آرڈر ملنے لگے ہیں۔ ایڈیٹوریل چھپ گیا تو ادارہ ''لاہور'' نے اسے بطور خاص جنرل صاحب کی خدمت میں بھجوایا کوئی تین چار دن گزرے تو رات کے وقت چیف سیٹلمینٹ کمشنر (سید ہاشم رضا) گھر پہنچ گئے او آتے ہی کہا ''چلو جنرل صاحب بلاتے ہیں'''' مگر اس وقت؟ مَیں انشاء اللہ کل حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔'' جواب ملا ''وہ تو اس وقت اسمبلی چیمبر میں

دفتر لگائے بیٹھے ہیں اور وہیں بلاتے ہیں۔سخت غصے میں ہیں۔'' راستے میں انہوں نے مجھے بتایا کہ مَیں نے کوئی ایڈیٹوریل لکھا تھا جس کا عنوان پڑھتے ہی وہ برہم ہو گئے مگر'' وہ اداریہ تو ان کی تعریف میں تھا'' '' ہوگا مگر انہیں متن پڑھنے کی فرصت کہاں؟ اور کسی کو برہمی کے وقت روکنے ٹوکنے کی جرأت کہاں؟''

مَیں پہنچا۔ اطلاع دی گئی۔جلد ہی بلوا لیا گیا واقعی جنرل صاحب بڑے برہم تھے وہ کوئی پانچ منٹ مجھ پر برستے رہے۔'' آپ کے ہاتھ میں جب قلم آجاتا ہے تو آپ لوگوں کے نام بگاڑنا شروع کر دیتے ہیں'' سید ہاشمؔ رضا چُپ کھڑے رہے۔پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے ان کی بیگم (جو میری شاعری کی مداح تھیں اور اس وقت غالباً پاس بیٹھی سویٹر بُن رہی تھیں) نے مجھے اشارۃً سمجھایا کہ اُن کا بایاں کان بند ہے ذرا قریب ہو کر دائیں کان میں بات انڈیلو یہ اُسے نکلنے نہیں دیں گے۔جب وہ ڈانٹ پلا چکے تو مَیں نے عرض کیا۔'' کیا اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟'' جواب ملا '' یہ کیا بات ہوئی گویا مَیں نے بکواس کی تھی۔جواب دیجیئے۔آپ نے ایسا کیوں لکھا۔آپ نے میرا نام کیوں بگاڑا؟'' مَیں نے عرض کیا'' متذکرہ اداریہ تو آپ کے طرز عمل کی تعریف میں ہے۔رہا نام کا بگاڑنا تو وہ میں نے نہیں بگاڑا۔وہ اَن پڑھ بڑھیا اسی طرح اظہار تشکر کرنے آئی تھی۔'' جنرل صاحب نے یہ سُن کر سید ہاشم رضا سے پوچھا'' رضا کیا تم نے وہ آڈیٹوریل پڑھا ہے؟ کیا وہ ہماری تعریف میں ہے؟'' سید ہاشم رضؔا صاحب نے اس اداریہ کی جب تعریف کی۔۔۔تو کہنے لگے'' مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' '' ثاقبؔ صاحب آپ تشریف رکھیئے نہ؟ کیا پیئں گے۔کافی یا چائے؟'' '' مَیں صرف اجازت چاہوں گا؟'' مُسکرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔مجھ سے مصافحہ کیا۔مجھے دروازے تک چھوڑنے آئے۔ولے بخیر گزشت!!

امن وامان کے لئے فوجی تکنیک

آپ حیران ہوں گے یہ سُن کر کہ فوجیوں کی امن وامان قائم کرنے کی تکنیک بھی اپنی ہی ہوتی

ہے۔ مارچ 1953ء میں لاہور میں مارشل لاءلگا اور جنرل محمد اعظم خاں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ اس وقت لاہور جل رہا تھا پارٹیاں پٹرول کے کنستر لئے احمدیوں کے مکان جلاتی پھرتی تھیں احمدیوں کے اموال واملاک ہی نہیں جانیں تک محفوظ نہیں تھیں۔ اس لئے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے پہلا یہ حکم جاری کیا کہ جو ننگے ہاتھوں پکڑا جائے اسے گولی سے اُڑا دیا جائے مولوی نیازیؔ اس قتل وغارت کو عین ثواب قرار دے رہے تھے مسجد وزیرؔ خاں اُن کا اڈہ تھا گو جب مارشل لاء نافذ ہوا تو داڑھی مونچھ اُڑا کر ایک دیگ میں بیٹھ کر نکل گئے اور قصورؔ پہنچ گئے۔ جہاں کے قبرستان سے محمد اصغرؔ نامی ڈی ایس پی نے انہیں گرفتار کرلیا۔ جب مارشل لاء ختم ہوا تو تعلقات عامہ والوں نے جنرل صاحب کو ایک ''ایڈیٹرز کانفرنس'' منعقد کرنے کا مشورہ دیا جو تسلیم کرلیا گیا۔ ایڈیٹر اور رپورٹر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ رپورٹر متعدد سوالات سے بات ''داعیٔ پریس کانفرنس'' سے اُگلوانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ ایڈیٹر پریس کانفرنس کرنیوالے کی بات سُن لیتا ہے پھر اُسے بلندیٔ فکر کا جامہ اوڑھا کر اُس پر اداریہ بلو لیتا ہے، نہ جانے کس سے سہو ہوئی کہ اُس ایڈیٹرز کانفرنس میں دو چار رپورٹر حضرات بھی بلا لئے گئے جن میں ایک نمایاں نام میاں محمد شفیعؒ صاحب ایم اے (عرف م۔ ش) کا تھا جو اُن دنوں روز نامہ پاکستان ٹائمز کے چیف رپورٹر تھے اور نیازیؔ مولوی کے بعد ساتویں ایڈیٹر تھے۔ ایڈیٹرز کانفرنس ہوئی۔ جنرل صاحب نے خود ہی بڑے جچے تُلے الفاظ میں فوج کے امن وامان قائم کرنے کی تعریف کی جس پر جناب شفیعؒ کھڑے ہو گئے اور کہا ''آپ تو اس طرح تعریف کر رہے ہیں جیسے کوئی بڑا معرکہ مارا ہو۔ مجھے گولی مارنے اور چار پانچ ہزار افراد کو ہلاک کر دینے کا اختیار دے دیا جائے مَیں آپ سے بہتر امن وامان قائم کر دونگا!'' یہ سُن کر جنرل صاحب مسکرائے اور کہا ''آپس سے کس نے یہ کہا کہ چار پانچ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اتار کر ہم نے امن و امان قائم کیا؟ دراصل آپ کو فوجی تکنیک کا علم نہیں ورنہ آپ ایسی بات نہ کرتے۔''' ''آپ کو یہ تو یاد ہوگا کہ مَیں نے سب سے پہلے یہ حکم جاری کیا تھا کہ جو شخص آتشزدنی یا

قتل و غارت گری کا مرتکب پایا جائے اُسے وہیں گولی ماردی جائے۔ لاہور ایسے بڑے شہر میں خصوصاً اندرون شہر میں ایسے 32 افراد پائے گئے جنہیں افواج پاکستان نے گولیوں سے اُڑادیا (تعداد کے بارے مَیں بھولتا ہوں کہ آپ نے 32 کہا یا 42) اس کے بعد تمام لاشیں ایک جگہ اکٹھی کی گئیں۔ٹرک منگوائے گئے۔اُن میں وہ لاشیں ڈالی گئیں کسی میں تین کسی میں چار اور کسی میں پانچ اور حکم دیا گیا کہ ان کھلے ٹرکوں کو اندرون شہر کی ہر گلی سے گزارا جائے۔''' چنانچہ ایسا ہی ہوا اسکے بعد جب ٹرکوں کی آمدورفت ختم ہوئی۔اور لوگ پُرانی عمارتیں اور چوکوں اور چوراہوں میں پہنچیں تو ہر ایک نے ضربیں دینی شروع کر دیں کسی نے کہا ''لاشوں سے بھرے سات ٹرک ہماری گلی سے گزرے'' کسی نے دس بتائے اور کسی نے پانچ۔ جوں جوں ضرب بڑھتی گئی تعداد زیادہ ہوتی گئی اور آخر میں یہ تعداد چار پانچ ہزار تک پہنچ گئی اور کسی نے نہ سوچا کہ چار پانچ ہزار میں تو ایک ہزار کا فرق ہوتا ہے۔ مارشل لاء اس وقت لگایا جاتا ہے جب انارکی اور لاقانونیت پھیل جائے۔ ہر کوئی قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔اس کا علاج ہے دہشت اور ہراس جوان ٹرکوں کے مختلف گلیوں اور چوکوں سے گزرنے کی وجہ سے ایسا پھیلا کہ اگلے دن صرف ایک کیس ہوا۔''' اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ آئے تو میں اُن 32 (42) افراد کی فہرست آپکو دے دیتا ہوں آپ اس میں ایک کا بھی اضافہ کر دیجئے۔''

غلام عباس کی رہائی



پچھلے دنوں آزاد کشمیر میں رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کی برسی منائی گئی تو معاً ایک بھولی بسری یاد اپنی تمام جزئیات و تفاصیل کے ساتھ سطح ذہن پر اُبھر آئی۔ راقم السطور اُن دنوں روزنامہ انقلاب لاہور میں بطور رپورٹر فرائض انجام دے رہا تھا۔اور جنگِ آزادئ کشمیر زوروں پر تھی۔کسی نجی کام سے سیالکوٹ جو گیا تو محاذِ کشمیر کی تازہ ترین خبروں کی جستجو میں ڈپٹی کمشنر صاحب (میاں مظفر احمد) کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔

جن سے دیرینہ یاد اللہ تھی۔ ملاقات کے دوران میں نے محسوس کیا کہ وہ قدرے متفکر ہیں۔ مَیں نے کہا۔ ’’خیر تو ہے آپ کسی گہری سوچ میں ہیں‘‘؟ کہنے لگے ’’ہاں بات ہی کچھ ایسی ہے ہندوستان کی حکومت نے چوہدری غلام عباس کو رہا کر دیا ہے‘‘ ’’مگر جناب یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی‘‘ کہنے لگے ’’یہ ہوائی نہیں سچی خبر ہے۔ ہندوستان کی حکومت نے نہ صرف یہ کہ انہیں رہا کر دیا ہے انہیں سرحدی چوکی سچیت گڑھ بھی پہنچا دیا گیا ہے۔ مَیں نے وزیر اعلیٰ (خان افتخار حسین آف ممدوٹ) کو بتا دیا ہے۔ وہ قائداعظم سے رابطہ کی کوشش میں ہیں‘‘ ’’چوہدری صاحب کو سچیت گڑھ سے لانے کا کیا پروگرام ہے؟‘‘۔ یہی سوچ رہا ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہوگا کہ انہیں لانے کیلئے بھیجی جانے والی گاڑی میں بحیثیت رپورٹر مَیں بھی بیٹھ جاؤں‘‘ کہنے لگے۔ ’’کوئی مضائقہ نہیں‘‘ اور پھر کچھ دیر بعد ایک کار (جسکی اگلی سیٹ پر سی آئی ڈی کے ایک انسپکٹر صاحب بیٹھے تھے ہمیں لے کر سچیت گڑھ روانہ ہوگئی مَیں راستہ بھر یہی سوچتا رہا نہیں معلوم بیچارے کس حال میں ہوں گے۔ تن پر ڈھب کا کوئی کپڑا بھی ہوگا کہ نہیں مگر جب کار سچیت گڑھ پہنچ گئی تو اس وقت چوہدری صاحب کو دیکھ کر طبیعت مطمئن ہوگئی۔ موصوف ایک خیمہ میں کُرسی پر تشریف فرما تھے چُست پاجامہ۔ ٹوپی۔ عمدہ شیروانی اور ہشاش بشاش چہرہ پہلی نظر میں یوں محسوس ہوا جیسے وہ جیل سے رہا ہو کر نہیں ہندوستان میں کسی شادی میں شرکت کر کے آئے ہیں مَیں نے اپنا تعارف کرایا اور حاضرِ خدمت ہونے کی غرض بیان کی۔ میرے ساتھی نے بھی اپنا کچھ نام بتایا اور پھر جلد ہی ہم انہیں لے کر سیالکوٹ کو روانہ ہو گئے کیونکہ دن ڈھلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ خیریت و عافیت سے متعلق رسمی باتیں ختم ہونے کے بعد دیگر گفتگو شروع ہوئی تو چوہدری صاحب نے بتایا کہ ’’شیخ عبداللہ کا اصرار تھا کہ مَیں دہلی جاؤں مگر مَیں نے صاف کہہ دیا کہ اگر جیل سے نکلوں گا تو پاکستان ہی جاؤں گا۔ جس پر مجھے سچیت گڑھ پہنچا دیا گیا۔‘‘ عرض کیا ’’ویسے ہے یہ بڑی عجیب و غریب بات! مسرت آفریں بھی ہے اور حیران کن بھی۔ مسرت آپ کی رہائی کی اور حیرت عین جنگ کے دوران آپ کی

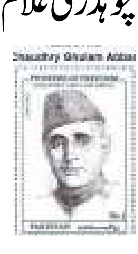
رہائی پر۔اس پر مستزاد یہ کہ آپ ایسے عظیم لیڈر کو نہ صرف رہا کیا گیا بلکہ بہ سہولت سرحد پار بھی پہنچا دیا گیا''

بارشِ لطف وکرم اوراس قدر مسلسل

اتنے میں چھینک کی آمد آمد کے آثار معلوم کرتے ہوئے چوہدری صاحب نے شیروانی کی جیب سے رومال جو کھینچا تو سَو سَو کے کرنسی نوٹوں کی ایک گٹھی باہر سیٹ پر آپڑی اور مَیں نے گستاخانہ جرأت کرتے ہوئے عرض کیا'' جناب کیا وہاں رہا کئے جانے والوں کو کچھ انعام بھی دیا جاتا ہے '' میرا سوال سن کر ہنسنے لگے۔ پھر کہا'' یہ انعام نہیں قرض واپس ملا ہے۔ شیخ عبداللہ کی بیگم نے مجھ سے کچھ قرض لے رکھا تھا۔ رہائی پر وہ مجھے ملنے آئیں اور اس کی ادائیگی کرتے ہوئے کہا۔'''' سفر میں آپ کے کام آئیں گے۔'' مگر شاید میرے اس استفسار نے چوہدری صاحب کو چونکا دیا تھا کہ انہوں نے فوراً موضوعِ گفتگو بدل دیا اور اپنی سیاسی جدوجہد کی داستان سنانے لگے۔ نیز شیخ عبداللہ عام طور پر اپنی تقریر سے پہلے جو اشعار پڑھا کرتے تھے وہ سناتے رہے حتیٰ کہ گفتگو کے ایک موڑ پر کہا کہ'' دراصل مَیں نے سیاست میرزا بشیر الدین محمود احمد سے اور مذہب مولانا آزاد سے سیکھا ہے۔'' مَیں نے مذاقاً عرض کیا کہ'' گستاخی معاف اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپکی ان دونوں شعبوں میں تربیت ادھوری رہی ۔ کیونکہ میری دانست میں مرزا بشیر الدین محمود احمد ایک مذہبی جماعت کے سربراہ ہیں اور اُن کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف مذہب ہے اس کے برعکس مولانا ابو الکلام آزاد خالصتہً سیاسی لیڈر ہیں ۔ مذہب سے رغبت اُن کا ضمنی ذوق ہے۔'' میری یہ بات بھی ایک قہقہے کی نذر ہوگئی ۔اب ہم سیالکوٹ میں داخل ہو چکے تھے۔ کار ڈپٹی کمشنر کے بنگلے میں داخل ہوئی تو وہاں کوئی سَو سَوا سَو کشمیری اور پاکستان کے سیاسی ورکر اور معززینِ شہر ہاتھوں میں ہار لئے کھڑے تھے۔ جو انہوں نے چوہدری صاحب کو کار سے اُترتے ہی'' زندہ باد'' کے گرم جوش نعروں کے ساتھ پہنانے شروع کر دیئے پھر کچھ دیر مصافحوں اور معانقوں کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ ہماری

رہنمائی استقبالیہ کی میزوں کی طرف کی گئی۔ حسن اتفاق سے مجھے اس میز پر جگہ ملی جس کے گرد چوہدری صاحب، اُن کے بھائی، ایک مقامی ایم ایل اے اور ڈپٹی کمشنر تشریف رکھتے تھے۔ چائے کے دوران میں ڈپٹی کمشنر صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ’’آپ کو معلوم ہے یہ ’’انقلاب‘‘ کے رپورٹر ہیں۔‘‘ ’’جی ہاں تعارف ہوا ہے راستہ بھر ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہوئی ہیں اُمید ہے کہ یہ رپورٹنگ میں احتیاط سے کام لیں گے‘‘ مَیں نے عرض کیا۔ ’’چوہدری صاحب محترم! آپ مطمئن رہیں۔ سچ یہ ہے کہ مَیں نہ تو پوری طرح آپ کے سیاسی مقام و مرتبہ ہی سے آگاہ ہوں اور نہ ہی جانتا ہوں کہ آپ کے سیاسی عزائم اور آئندہ کا پروگرام کیا ہے۔ مَیں آج صرف اپنے ایڈیٹر صاحب کو آپکی رہائی کی خبر بتاؤں گا۔ آگے وہ جانیں اور اُن کا کام کہ وہ یہ خبر دینا پسند بھی کرتے ہیں یا نہیں۔‘‘ چنانچہ مَیں نے تقریب سے آتے ہوئے حضرتِ سالکؔ سے فون پر رابطہ کیا اور یہ حیران کُن خبر سُنائی۔ وہ پہلے تو چونکے پھر فرمایا ’’اچھا تم ساری خبر علامہ حسین میرؔ کاشمیری کو لکھوادو۔ مَیں ہدایات دیئے دیتا ہوں‘‘ چنانچہ اگلے دن جو ’’انقلاب‘‘ شائع ہوا تو وہ چھ کالمی سرخی سے مزین تھا کہ

’’چوہدری غلام عباس رہا کر دیئے گئے‘‘



نیچے متن میں مختصراً یہ بتایا گیا تھا کہ سچیت گڑھ سے انہیں سیالکوٹ لایا گیا جہاں اُن کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم ہوا چونکہ یہ خبر صبح صرف انقلاب میں شائع ہوئی تھی اس لئے سارا دن دفتر انقلاب میں استفسارات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب آزاد کشمیر کے دوسرے صدر سردار محمد ابراہیم تک یہ خبر پہنچی (جوان دنوں لاہور میں تھے) تو وہ اس کی توثیق کیلئے خود دفترِ انقلاب میں وارد ہوئے۔ سالکؔ صاحب نے مجھے دوسرے کمرے سے بلوا کر میری زبان سے ساری رام کہانی انہیں سنوائی اس کے باوجود وہ بار بار سالکؔ صاحب سے یہ کہتے رہے ’’کیا کوئی حکومت عین جنگ کے دوران

میں ایسا اقدام کر سکتی ہے؟'' اور پھر وہیں سے سیالکوٹ کیلئے روانہ ہو گئے ۔ کچھ عرصہ بعد ایک تقریب میں خان آف ممدوٹ سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ قائداعظم کا ارشاد تھا کہ ''انہیں جس غرض سے بھی یہاں بھیجا گیا ہو آپ ان کی شایانِ شان آؤ بھگت کریں۔''

دعا نما خواہش

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب دفترِ ''لاہور'' بیڈن روڈ پر تھا کہ ایک دن نہ جانے کس ضرورت کے تحت مَیں اُٹھ کر سیڑھیوں کی طرف آیا تو دیکھا کہ ساہیوال کے ایڈووکیٹ شیخ نثار احمد صاحب کھڑے ہانپ رہے ہیں ۔ میرے زور دے کر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ''انجائنا'' کے مریض ہیں اور اڑسٹھ سیڑھیاں عبور کرنے سے اُن کی سانس اُکھڑ گئی ہے اور اب دفتر میں داخل ہونے سے قبل سانس درست کر رہے ہیں ۔ مَیں انہیں سہارا دے کر اندر تو لے آیا لیکن میرے دل میں شدت کے ساتھ دُعا نما خواہش پیدا ہوئی کہ اگر میرا دفتر نیچے ہوتا تو میرے پاس آنے والے مخلص ملاقاتیوں کو ایسی تکلیف تو نہ ہوتی ۔ شیخ نثار میں سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ اُن سے گفتگو میں بہت محتاط رہنا پڑتا تھا اس لئے کہ وہ میرے ہر مخابراتی تجزیئے کو حالات حاضرہ کے حوالے سے ''حرف آخر'' تصور کرتے تھے بلکہ آگے بھی چلاتے رہتے تھے حالانکہ ہر شخص کا تجزیہ اس کی سوچ اور حالات سے باخبری کی حد تک ہوتا ہے مگر وہ ''دعا نما خواہش'' دل و دماغ میں ایسے وقت میں اُبھرتی تھی کہ ہمیں دفترِ ''لاہور'' 32 سال کے بعد تبدیل کرنا پڑا کہ اس کے الاٹی نے عمارت فروخت کر دی اور نئے مالک نے وہ سب کچھ گِرا کر وہاں پلازہ تعمیر کرنے میں بہتری سمجھی مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ہم تو دفتر تبدیل کر کے ٹرنر روڈ پر آ گئے لیکن شیخ نثار صاحب کو لاہور کے اس نئے دفتر میں آنا نصیب نہ ہوا حالانکہ اس کی صرف 16 / 15 ہی باقاعدہ قسم کی سیڑھیاں تھی اور ''وہ جلد ہی اس مرض سے اللہ کو پیارے ہو گئے''

علاج بالمثل

ایک دن ایک احمدی نوجوان جس کا نام سعید تھا دفتر ''لاہور'' میں آئے اور کہا کہ وہ ''سب اوورسیری'' کے امتحان کے لئے جا رہا ہے دعا کریں۔ مولا کریم مجھے کامیاب کرے۔ مَیں انہیں ذاتی طور پر تو نہیں جانتا تھا مگر جاننے کی ضرورت تھی ایک احمدی نوجوان دعا کیلئے کہنے آیا تھا اور دعا تو بجائے خود عبادت ہے۔ مَیں نے وعدہ کیا کہ آج انشاء اللہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے صرف یہی دعا کروں گا۔ ابھی ہم دفتر سے اُٹھنے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ وہ فیصل آباد ٹیسٹ دے کر پھر آدھمکے مگر اس عالم میں کہ چہرہ اُترا ہوا تھا انہوں نے روتے ہوئے بتایا کہ وہ ٹیسٹ میں فرسٹ رہے ہیں اور زبانی نالج کے ٹیسٹ میں بھی مگر ممتحن (چیف انجینئر) نے مجھے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ ''تم تو ربوہؔ کے پڑھے ہوئے ہو تمہیں مَیں کیسے لے سکتا ہوں'' یہ سنتے ہی میرے تن بدن میں تو آگ لگ گئی کہ کیا اندھیر ہے ہمارے بچوں کو غیر احمدی افسر بھی اس لئے نہیں لیتے کہ ربوہؔ کے پڑھے ہوئے ہیں اور احمدی افسر بھی نہیں لیتے اس عذر لنگ پر کہ تم ربوہؔ کے پڑھے ہوئے ہو۔ مجھے فوراً ایک خیال آیا اور مَیں نے ایک رقعہ لکھ کر سعیدؔ صاحب کے حوالے کیا اور کہا ''تمہیں تکلیف تو ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ رقعہ بالواسطہ انداز میں لکھنے پر آرام کی نیند وہ افسر بھی آج نہ سو سکے گا۔ براہ کرم ایک چکر فیصل آباد کا اور کاٹ آؤ۔'' میرا یہ رقعہ امیر جماعت فیصل آباد اور فیصل آباد کے سینئر ایڈووکیٹ حضرت شیخ محمدؔ احمد صاحب مظہر (مرحوم ومغفور) کے نام تھا۔ اس رقعہ کا یہ مضمون تھا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ فیصل آباد میں اریگیشن کا چیف انجینئر کوئی متعصب غیر احمدی ہے جس نے ہمارے ایک بچے کو وائیوا کے دوران بڑے واضح لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ ''تم تو ربوہ کے پڑھے ہوئے ہو تمہیں مَیں کس طرح لے سکتا ہوں''۔ اللہ مجھے حامل رقعہ ہذا کے ہاتھوں اس آفیسر کے دیگر کوائف لکھ بھیجیں کہ مَیں اس ہفتے ایڈیٹوریل اسی ایشو پر لکھنا چاہتا ہوں۔'' سعیدؔ انہیں قدموں لوٹ گئے۔ حضرت شیخ صاحب کو بھی رنج ہوا کہ اس احمدی افسر نے ایک احمدی نوجوان سے کیسا بزدلانہ معاملہ کیا۔ انہوں نے فوراً قریشی صاحب کو

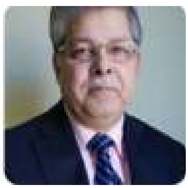
بلوایا اور رقعہ دکھا کر کہا ’’ ثاقبؔ ٹلنے والا نہیں وہ اس ہفتے ضرور لکھے گا ‘‘ سعیدؔ لوٹا تو اب کے خرم و شاد ماں تھا اس نے بتایا کہ بقول حضرت شیخ صاحب سے قریشی صاحب نے وہ رقعہ پڑھا دو تین دفعہ اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سعید کو تقرر کا خط دے دیا۔ حضرت شیخ صاحب نے کہیں یہ واقعہ میرے مربی و محسن حضرت مرزا ناصرؔ احمد صاحب کے بھی گوش گزار کر دیا کیونکہ جب میں پانچویں چھٹے دن حاضر خدمت ہوا تو فرمایا ’’ قریشی صاحب ‘‘ کا علاج بالمثل ’’ خوب رہا۔ یہ بزدلی کی انتہا ہ کہ ایک ذہین وفطین احمدی نوجوان کو غیر احمدی افسر اس لئے نوکری نہ دے کہ وہ احمدی ہے اور ربوہؔ کا پڑھا ہوا ہے۔‘‘

ایک موٹا ٹکٹ کلکٹر

بچپن بھی عجیب دور ہوتا ہے زندگی کا۔ اس میں اکثر و بیشتر بڑی ہی پاکیزہ شرارتیں سوجھا کرتی ہیں۔ مَیں جب ’’ جے ایم ڈی بی ہائی سکول زیرہؔ کا طالب علم تھا تو سکول کی خواہ کوئی بھی ٹیم ہو۔ کرکٹ، ہاکی یا والی بال کی۔ میں ہر ٹیم ’’ ویٹنگ پلیئر ‘‘ ہوتا تھا۔ اللہ بہترین جزا دے ہمارے اردو فارسی کے ٹیچر سید رضا حیدر زیدی کو کہ جب بھی کسی ٹیم کا بیرونی میچ ہوتا وہ مجھے بھی ٹیم کے ساتھ لے جاتے اور میرے سپرد عموماً راستہ میں سامان وغیرہ کی نگرانی ہوتا۔ یاد آیا ایک دفعہ کپورتھلہ میں والی بال کا میچ پڑا۔ ہمارے سکول کے سارے کھلاڑی پہلے مکھو تک تانگوں پر گئے اور پھر مکھو سے کپورتھلہ کے ٹکٹ خرید کر۔ کپورتھلہ ریلوے سٹیشن کا پلیٹ فارم بہت لمبا ہے۔ اس لئے کہ مہاراجہ کپورتھلہ کی بوگیاں وہاں کھڑی ہوتی تھیں۔ ہم کپورتھلے پہنچے تو ایک موٹے سے ٹکٹ کلکٹر سے سابقہ پڑا۔ چونکہ سارے کھلاڑی فارغ البال تھے اور بال اور پچکاری اور دیگر سامان میرے پاس تھا اور مَیں سب سے چھوٹا کھلاڑی تھا۔ اس لئے جونہی گاڑی کھڑی ہوئی وہ سب جلدی جلدی اُتر گئے اور مَیں سب سے پیچھے رہ گیا۔ زیدیؔ صاحب اور تمام کھلاڑی ایک ایک کر کے ٹکٹ دیتے اور باہر نکلتے گئے مگر جنگلے کے ساتھ ہی کھڑے ہوتے گئے ٹکٹ کلکٹر نے (گو اس کی یہ ڈیوٹی نہ تھی)

پوچھا بھی کہ ’’اب آپ کیوں کھڑے ہیں؟‘‘ تو زیدی صاحب نے جواب دیا کہ ’’ہمارا سامان والا کھلاڑی آجائے۔ بس اُسی کا انتظار ہے۔‘‘ آخر مَیں آ گیا اور جب مَیں نے بھاری بھر کم ٹکٹ کلکٹر کو دیکھا تو میرے ذہن میں ایک شرارت آئی اور مَیں نے سامان وغیرہ وہیں پھینک دیا اور اُلٹے پاؤں اس طویل پلیٹ فارم پر بھاگ نکلا اور ٹکٹ کلکٹر صاحب میرے پیچھے بھاگے بلکہ انہوں نے دو تین قلی بھی بھگوائے۔ مگر کہاں چودہ پندرہ سال کا طالب علم اور کہاں وہ ادھیڑ عمر اور موٹا ٹکٹ کلکٹر۔ مَیں پلیٹ فارم ختم کر کے پل پر بھاگ رہا تھا اور قلی ابھی پلیٹ فارم ہی پر تھے اور سب سے پیچھے وہ ٹکٹ کلکٹر تھا۔ حتیٰ کہ بھاگتا ہوا مَیں ٹکٹ کلکٹر کی جگہ پر آ کر کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد موٹا ٹکٹ کلکٹر بھی آ گیا اور ہونکتے ہوئے آتے ہی مجھ سے کہا کہ ’’ٹکٹ نکال‘‘ میں نے سویٹر اُٹھا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ٹکٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے ٹکٹ کو اَلٹا پلٹا کر دیکھا اور ’’مجھ سے کہا تم بھاگے کیوں تھے؟‘‘ ’’ہاتھ پاؤں کھلے کرنے کیلئے۔‘‘ مگر ’’سوال تو یہ ہے کہ آپ کیوں بھاگے تھے؟‘‘

رضا حیدر زیدی



جے ایم ڈی بی ہائی سکول میں اردو فارسی کے ایک ٹیچر ’’سید رضا حیدر زیدی‘‘ نام کے تھے جو اغلباً نجیب آباد کے رہنے والے تھے جس طرح بعض اساتذہ کے کچھ محبوب شاگرد ہوا کرتے ہیں وہ میرے محبوب اُستاد تھے۔ وہ شاذ ہی چھوٹا کوٹ پہنتے تھے ہمیشہ اچکن یا شیروانی زیب تن فرماتے۔ مَیں نے بھی ہمیشہ اچکن ہی پہنی ہے۔ نویں جماعت میں اُن سے سابقہ پڑا۔ پہلے دن جو ’’مضامین‘‘ کی کاپیاں اُن کے ملاحظہ کیلئے گئیں تو اگلے دن مجھے بلا کر کہا۔ ’’مضمون لکھنے سے قبل مجھ سے مشورہ کر لیا کرو۔ اور کم از کم پانچ صفحے کا مضمون ہو مجھے شعر کہنے کی عادت تھی۔ میں کوئی تازہ غزل کہتا تو بڑے اہتمام سے سنتے اور بعض اوقات کچھ مشورے بھی دیتے۔ دسویں جماعت کو الوداعی دعوت دی جا

رہی تھی مَیں نے ایک نظم کہی۔ جس میں بعض اساتذہ وتلامذہ کے نام بھی آئے تھے۔ کہنے لگے ’’میں آج شام کو تمہارے ہاں آؤں گا۔ اس نظم کی کتابت کرنے، اسے با قاعدہ فریم میں جڑوا کر ہیڈ ماسٹر صاحب کی نذر کرنا یہ اُن کے دفتر میں آویزاں رہنی چاہیے۔‘‘ چنانچہ آئے نظم لکھی گئی فریم میں جڑوائی گئی اور پھر تقریب میں پڑھ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی۔ عقائد کے اعتبار سے اہل تشیع میں سے تھے۔ مگر محرم کی تعطیلات میں زیرؔہ میں نہ رہتے بلکہ فیروز پور چلے جاتے اور وہیں ماتم کرتے۔ بہت ڈوب کر پڑھاتے تھے۔ لطف اُٹھا اُٹھا کر ہمارے اردو کے نصاب میں حضرت عباس کی شہادت سے متعلق میر انیس کا ایک مرثیہ تھا۔ جب وہ پڑھاتے پڑھاتے اس آخری بند پر آئے جو اس شعر سے شروع ہوتا تھا۔

گرزِ سِتم سے شق ہوا نہ گہ سر جناب
تھر آئے ہونٹ چھُٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب

تو اشکبار ہو گئے اور دو تین منٹ تک آنکھوں پر رومال رکھے رہے۔ مَیں ایک ایسی عمر میں سے گزر رہا تھا جب بات کرنے کے محل و بے محل کی تمیز نہیں ہوتی۔ انہوں نے آنکھوں سے رومال ہٹایا تو مَیں نے کہا۔ ’’زیدی صاحب آپ خواہ مخواہ متاثر ہوئے یہ تو شاعرانہ مبالغہ آرائی تھی کہ پروں کے پرے ڈھیر ہو رہے ہیں گو نتیجہ صرف یہ رہا کہ 72 ایک طرف سے اور 84 دوسری طرف سے موت کے گھاٹ اُترے۔‘‘ فرمایا ’’بدذوق تم یہ تبصرہ کچھ دیر کے بعد نہیں کر سکتے تھے سارا کیف ہی جاتا رہا۔‘‘ پھر تقسیم ہو گئی۔ لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے۔ میں لاہور آ گیا۔ دو ایک دفعہ زیرؔہ ہائی سکول کے ڈرائنگ ماسٹر محمد شفیعؔ صاحب سے ملاقات بھی ہوئی اُن سے یہ بھی پتہ چلا کہ ہمارے ہیڈ ماسٹر مولوی عبدالغنیؔ صاحب ساہیوال کے فلاں چک میں رہتے ہیں مگر نہ پتہ چلا تو زیدی صاحب کا کہ کہاں گئے؟ اتفاقاً ایک دن وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے لاہور آئے اور اپنے ساتھ ایک شیروانی کا کپڑا بھی لائے کہ صرف شیروانی ہی پہنتے تھے۔ اس عزیز نے اُن کی رہنمائی

بیڈن روڈ پر ''علی گڑھ ٹیلرنگ ہاؤس'' کی طرف کی۔ پہنچے، ناپ دیا۔ محنتانہ طے ہوا۔ میری ایک شیروانی وہاں لٹک رہی تھی اُسے دیکھ کر کہنے لگے۔ ''بس اس قسم کی سِلنی چاہیے میری شیروانی یہ کس کی ہے؟'' ''جواب ملا'' ثاقبؔ صاحب کی'' ''کون ثاقبؔ؟''

ماسٹر نے بتایا کہ'' ثاقب زیروی صاحب جو'' لاہور'' اخبار کے ایڈیٹر ہیں اور اسی بلڈنگ کی تیسری منزل پر اُن کا دفتر ہے'' کہنے لگے۔ ''اپنے کسی شاگرد کو میری رہ نمائی کے لئے ساتھ بھیجو۔ میں دیکھوں تو وہ کونسا ثاقبؔ ہے؟ دفتر میں پہنچے میں سر جھکائے کچھ لکھ رہا تھا۔ ایک دومنٹ توقف کیا پھر بولے ''میاں سر اُٹھا کر دیکھو تو کون آیا ہے؟'' مجھے آواز مانوس سی محسوس ہوئی میں نے قلم روک کر سر اُٹھایا تو میرے سامنے میرے محبوب اُستاد سید رضاؔ حیدر زیدی کھڑے تھے تقسیم کے بارہ سال بعد اشکبار آنکھوں کے ساتھ میں جھک کر آداب بجالایا۔ معانقہ کیا۔ کچھ دیر تک دونوں کے آنسو بہتے رہے پھر بیٹھ گئے اور حال احوال ہونے لگا۔'' آپ کے ابا جان کہاں ہیں؟' آپ کی شادی ہوگئی ہے کتنے بچے ہیں؟' کہاں رہتے ہیں؟'' میں نے بتایا کہ'' والدین میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ میری شادی ہوچکی ہے دو بچے ہیں جو چھٹی اور ساتویں جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔'' فرمایا۔'' چلو مجھے اُن کے پاس لے چلو۔'' میں نے دفتر منشی لال دین کے حوالے کیا۔ نیچے اُترے۔ تانگہ لیا اور ٹمپل روڈ کو روانہ ہوگئے۔ مال روڈ اور بیڈن روڈ کی نکڑ پر فروٹ کی کچھ دکانیں دیکھ کر تانگے سے اُتر کھڑے ہوئے۔ کچھ فروٹ خریدے۔ میں نے عرض کیا' زیدی صاحب یہ کاہے کے لئے فرمایا' میرے پوتے کیا کہیں گے کہ دادا جان خالی ہاتھ آ گئے ہیں۔''

منشی لال دین

شبِ غم کاٹنے والو سحر کا آسرا کیا ہے؟ میری زندگی کا ایک کربناک سانحہ 34 سالہ رفیق کار اور لاہور کے شعبہ کتابت کے مدارالمہام اور پاکستان کے صفِ اوّل کے خوشنویس منشی لالؔ دین کی وفاتِ حسرت آیات ہے۔ جو ادارہ ''لاہور'' کے ایک ایسے نقصان کا درجہ رکھتی ہے جو شاید کبھی پورا

نہ ہو سکے۔جب تک خدائے عزوجل کو اس خریطۂ ادب وثقافت کا منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے رہنا منظور ہے کاتب آتے رہیں گے اور آتے رہے۔لاہور لکھا جاتا رہے گا اور لکھا جاتا رہا۔لیکن منشی لال دین کہاں؟ جس نے اپنی ساری جوانی اور اپنی آنکھوں کا نور اس کے بناؤ سنگھار پر قربان کر دیا۔فروری 1952ء میں ''لاہور'' کے ڈیکلیریشن کے علاوہ مولا کریم کی دوسری عطا منشی لال دین تھی۔جنہوں نے مدیر لاہور کی طرح نامساعد سے نامساعد حالات میں ہر ہفتے لاہور کو سورج کی سی باقاعدگی کے ساتھ اور نئی سج دھج کے ساتھ منظر عام پر لانا زندگی کا ایک اہم مقصد بنالیا تھا۔دفتر کی چابی، کاغذ کا حساب کتاب آمد و یافت اور دیگر ہر اہتمام انہی کے سپرد تھا۔مالک الملک کے اس کرم بے حساب کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ ان 34 سالوں میں ہم دونوں میں کبھی کسی ایک بات پر بھی تو اختلاف نہیں پیدا ہوا۔یہاں تک کہ 1983ء کے اوائل میں اُن کی بینائی جواب دے گئی۔اور آپریشن کرانے سے جو روشنی بحال ہوئی وہ کتابت کے لئے ناکافی تھی۔اس پر مستزاد یہ کہ رفتہ رفتہ بعض اور عوارض نے اُن کی صحت پر ہلہ بول دیا اور انہیں کبھی کبھی دل کی تکلیف بھی محسوس ہونے لگی۔منشی جی کے بغیر دفتر تو ویران تھا ہی میرے ذہن پر ہر وقت یہ خدشہ مسلط رہتا تھا کہ کہیں رفیقِ وضعدار گھر میں پڑے پڑے جزو بستر نہ ہو جائے اس لئے پیغام بھجوایا کہ'' آپ سارا دن گھر میں پڑے رہنے کی بجائے دفتر آنا شروع کر دیں کتابت کے لیے نہیں ہمارے آنکھوں کے سامنے رہنے کے لئے۔'' اور منشی جی نے دفتر کے کیئر ٹیکر (Care Taker) کی ڈیوٹی قبول فرمالی اور آتے ہی دفتر کی چابی سمیت سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میرے یکسوئی و دلجمعی قدرے بحال ہو گئے۔گزرے ہوئے 33 سالوں کی طرح اب بھی اُن کی باقاعدگی مثالی تھی۔جو کام وہ اپنے ذمہ لے لیں اس کے بارے میں صرف ایک ہی رائے ممکن ہوتی تھی کہ وہ کام انشاء اللہ العزیز ہو جائے گا اور انتہائی توجہ، ذمہ داری، دیانت داری اور نستعلیق پن سے ہوگا۔

13 مارچ 1975ء حسب معمول دفتر تشریف لائے۔گیارہ بجے کے قریب اپنے بھتیجے کے ہمراہ

اس کے مکان کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے گئے اور ڈھائی بجے کے قریب لوٹ آئے۔ مَیں حسب ِمعمول ساڑھے تین بجے کے قریب دفتر سے اُٹھ گیا۔ وہ بھی کوئی پانچ بجے کے قریب گھر کو چلے گئے ۔اگلی صبح میں کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب دفتر پہنچا تو منشی عبدالرشید (کاتب) نے یہ صحیح لیکن نا قابلِ یقین اور جانگزا خبر سنائی کہ منشی جی آج صبح چار بجے اللہ کو پیارے ہو گئے ۔کوئی ساڑھے تین بجے کے قریب انہیں شدید کھانسی کا دورہ پڑا جس نے خطرناک اُچّھو کی صورت اختیار کر لی۔ کھانستے کھانستے سانس اُکھڑ گیا۔ آنکھیں اُلٹنے لگیں تو بچے انہیں لے کر میو ہسپتال کو بھاگے لیکن ابھی بڑے گیٹ تک ہی پہنچے تھے کہ اُن کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شبِ غم کا ٹنے والوں کا آسرا کیا ہے؟

اور یوں فن کتابت اپنے ایک صفِ اول کے ایسے فرزند سے محروم ہو گیا جس کے ہاتھوں کی پوروں میں ایک مصور چھپا ہوا تھا ایک ایسا حلیم الطبع شرافت ومروت کا مجسمہ انسان جو کسی کو ناراض کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔ ایک ایسا بے ضرر انسان ، دیانتدار ساتھی جس پر ہر وقت ہر معاملہ میں ہر طرح اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ ایک ایسا انسانیت دوست فن کار جو اپنا کام عبادت سمجھ کر کرتا تھا اور تعصب جس کے پاس پھٹکنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور جس کی نیک نیتی نے ہم دونوں کو ''مالک و ملازم'' کے حلقے سے نکال کر دلی ربط وضبط کے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں پہنچ کر خونی رشتے اور عزیز داریاں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں ۔ایسی دلگداز اور نا قابلِ فراموش یادیں چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور پہنچ گیا جن کا قلب ورُوح سے مٹ جانا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے میرا خدا اُسے قبول فرمائے اس سے رحمت وشفقت اور مغفرت کا معاملہ فرمائے اور میرے قلب وروح پر مسلط غم واندوہ کے بوجھ کو اپنے فضل سے کم کر کے مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں اس کے ذکرِ خیر اور اس کے لئے دعائے خیر کا حق ادا کر سکوں۔ آمین ثم آمین

پیر بخش ایک تنبولی۔ایک ہمدرد انسان

پیر بخش کرنال تحصیل کا رہنے والا تھا۔اُکھڑے اُکھڑے لب ولہجہ میں گفتگو کرنے والا۔ڈیرہ غازی خاں کو ''گامی خاں کا ڈیرہ'' وطن کو ''بطن'' اور نکلے کو لکڑے کہنے والا۔وہ مجھے بھی ثاقب کی بجائے اکثر ساقی ہی کہا کرتا جب دفتر ''لاہور'' بیڈن روڈ کی بلونت مینشن میں آیا۔سیڑھیوں کے پاس ملک میڈیکوز کی نکڑ میں اس کا پان سگریٹ کا کھوکھا تھا۔میرا معمول تھا کہ دفتر چڑھنے سے پہلے ۔اس سے ایک پان کھاتا۔پان لگاتے لگاتے وہ مجھے رات کی ڈائری سناتا۔پھر اُس سے میں سارا دن پان منگواتا رہتا اور واپسی پر پھر ایک پان کھاتا۔اگر کوئی خاص بات مجھے عام کرنا مقصود ہوتی تو میں پان کھانے سے پیشتر پیر بخش سے کہتا۔''پیر بخش !تم تو خیر اپنے آدمی ہو۔اب تم سے کیا چھپانا ویسے فلاں معاملہ یوں ہوگیا ہے۔''اور پیر بخش سارا دن ہر واقف کار کو یہ بات اسی تمہید کے ساتھ ذہن نشین کراتا چلا جاتا۔حتیٰ کہ بعض اوقات وہ بھول جاتا اُسے یہ بات سب سے پہلے کس نے سنائی تھی اور وہ دفتر سے واپسی پر پان لگاتے وقت وہی بات اسی تمہیدے ساتھ میرے بھی گوش گزار کر دیتا۔جسے میں ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس طرح سُنتا جیسے پہلے کبھی نہ سنی ہو۔اس کی ایک بیوی تھی جس کا پہلے خاوند سے ایک لڑکا بھی تھا مگر جب کبھی وہ مارکیٹ میں پان، چھالیہ، کتھا لینے جاتا تو اپنی جگہ اپنی بیوی کو بٹھا کر جاتا۔اس کے لڑکے کو نہیں اس کی بیوی کو یہ معلوم تھا کہ دفتر سے شام کو اُترتے وقت حساب ہوگا۔اس لئے وہ بھی دفتر کے کارکنوں کے ہاتھ مجھے پان لگا کر بھجواتی رہتی تھی۔دو ایک دفعہ ان دونوں میں باہم ناچاقی بھی ہوئی تو'' مجھے دونوں کے درمیان صلح کرانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی'' پیر بخش کو جانوروں سے محبت تھی۔اس نے ایک بلی پال رکھی تھی جسے بڑے اہتمام سے دودھ پلایا اور چھیچھڑے کھلایا کرتا تھا۔ایک راہگیر قسم کے دُنبے سے بھی اُسے بڑا لگاؤ تھا۔اس دُنبے کو پیر بخش نے کوکا کولا کی چاٹ لگا رکھی تھی۔وہ کھوکھے کے سامنے سے

گزرتا تو پیر بخش دانستہ اُسے نظر انداز کر دیتا اور جب ایک چوتھائی فرلانگ دور چلا جاتا تو اُسے آواز لگاتا۔ ''اوئے چپ کر کے چلا گیا۔ اِدھر آ'' اور دُنبہ بڑی سعادت سے لوٹتا اور پاس آ کر اپنا منہ کھول دیتا اور پیر بخش اس کے منہ میں کوکا کولا کی ایک بوتل ٹھونس دیتا۔ مَیں معمولاً چار بجے (بعد دوپہر) کے قریب دفتر سے اُتر جاتا تھا۔ اُترتے وقت اس سے علیک سلیک ہوتی ستمبر 1974ء میں جب بھٹو اسمبلی نے جماعت احمدیہ کو ''غیر مسلم'' قرار دیا تو وہ خبر پانچ بجے کے بعد ریڈیو سے نشر ہوئی۔ جو پیر بخش نے بھی سُنی اور جسے سُن کر اس کے دل و دماغ کھول اُٹھے۔ نہ جانے اس نے رات کیونکر گزاری کیونکہ جب میں اگلی صبح اس کے کھوکھے کے سامنے پان کیلئے رُکا تو اس نے مجھ سے سوال کیا۔ ''ارے ساقی صاحب یہ تو بتا کہ کیا تو نے پاکستان بننے کے حق میں ووٹ دیا تھا؟' ہاں دیا تھا' بحیثیت مسلمان دیا تھا'' ہاں بحیثیت مسلمان دیا تھا' جب پاکستان بنا تو تیرا گھر بار اُجڑا تو تُو ''بحیثیت مسلمان'' پاکستان میں داخل ہوا تھا؟ ہاں ''بحیثیت مسلمان'' داخل ہوا تھا۔۔۔اواس کے بعد اب تک جو انتخابات ہوئے اُن میں بحیثیت مسلمان ووٹ ڈالتا رہا؟۔۔۔ہاں بحیثیت مسلمان ہی ووٹ دالتا رہا۔۔۔تو پھر بھٹو ٹھیکیدار رہے۔ اسلام کا جو اس نے تجھ ایسے سکہ بند مسلمان کو 'غیر مسلم' قرار دیا۔'' اور مَیں نے اس کے چہرے سے محسوس کیا جیسے یہ کہہ کر اس کے دل سے بھاری بوجھ اُتر گیا ہو اس کا سارا اضطراب اُتر گیا ہو۔ اور پھر کہنے لگا ''اور سرم (شرم) کی بات یہ ہے کہ ریڈیو سے خبر سنانے کے بعد نعت بھی تمہاری سنوائی اور نعت بھی ایسی کہ دل میں کھب گئی، جواب کیا، حساب کیا، خانہ خراب کیا۔'' یہ تھے اس کے ٹیپ کے بند۔ مجھے کسی اور نے بھی بتایا تھا کہ جب نیوز بلٹن ختم ہو گیا جو قومی اسمبلی کے اس فیصلہ پر محیط تھا تو اس کے بعد اناؤنسر نے اعلان کیا ''اب ثاقبؔ زیروی صاحب سے اُن کی ایک نعت رسول ﷺ سنیئے'' اس نعت کا مطلع اور مقطع یوں تھے:

تو حبیب رب جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا
تو مقام فخر خلیل ہے تیری حرمتوں کا حساب کیا

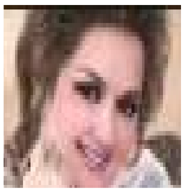
کہاں تو کہ باعث کن فکاں کہاں فکرِ ثاقبؔ نیم جاں
بھلا مدحت شہ انس و جاں کرے مجھ ساخانہ خراب کیا

پیر بخش کی عادت تھی کہ وہ میرا دفتر چڑھنے سے قبل کا پان ذرا آہستہ لگا تا اور اس دوران میں بلڈنگ پر جو گزرتی اس کی ڈائری سُنا تا۔ایک دن اس نے بتایا کہ ”رات بارہ بجے کے قریب ملک جی کی سب سے چھوٹی لڑکی فلاں دوکاندار کے ساتھ بھاگ چلی تھی مَیں نے دیکھ لیا اور موڑ پر جا کر پکڑ لیا۔لڑکا تو بھاگ گیا اور لڑکی کا بازو پکڑ کر مَیں اُسے واپس لے آیا اور کہا” آرام سے جا کر سوجا ورنہ تمہارے ابو کو بتا دوں گا“ یہ بتا کر اس کے چہرے پر آسودگی کی ایک لہر پھیل گئی۔اس پڑوس پرست کی داد دیجئے کہ اس کے بعد جو اس نے کبھی مجھ سے اس بات کا ذکر کیا ہو۔

1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں باہر سے پان آنا بند ہو گیا۔مجھے یہ خوب معلوم تھا کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے بیشتر عزیز و اقارب پان کھاتے ہیں۔مَیں نے پیر بخش سے ذکر کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تم پانچویں چھٹے دن مجھے بیس اکیس پان اکٹھے کر دیا کرو اور وہ میں ربوہؔ دے آیا کروں۔اس نے حامی بھر لی اور پھر جوں توں پان کی درآمد کھلنے تک ہر پانچویں چھٹے مجھے بیس اکیس پان اکٹھے کر دیتا جو مَیں حضرت آپا جان منصورہؔ بیگم نور اللہ ہا مرقد ہا کی خدمت میں پیش کر دیتا اور پھر وہ سارے خاندان میں بٹ جاتے۔

1976ء میں میرے بیٹے کا ولیمہ تھا۔میں نے یونہی بر سبیل تذکرہ پیر بخش سے بات کی کہ کسی ہوٹل میں یہ تقریب منائی جائے تو اس نے جواباً منہ بسورتے ہوئے کہا” ساقی! تو کیسا راجپوت ہے اب دھیوں بہنوں کو ہوٹل مَیں بلاوے گا میں تو نہ آنے کا“ عرض کیا بھئی مَیں نے تو صراحتہً بات کی تھی۔ولیمہ انشاء اللہ گلی ہی میں ہوگا۔چوہدری سر ظفر اللہؔ خاں بھی آئیں گے۔اپنے میرؔ صاحب آیا کرتے ہیں نا بلوچستان سے اُن کا صاحبزادہ ان دنوں وفاقی وزیر ہے وہ بھٹو صاحب کے منع کرنے کے باوجود آئے گا۔تم اگر نہ آئے تو تم سے ”کُٹی“ ہو جائے گی۔“ اور وہ مشرقیت کی اقدار کا رسیا پورے

قافلے کے ساتھ آیا جس میں منشی لال دینؔ مددگار کارکن محمدؔ طفیل مولوی عبدالرشیدؔ اور وہ خود تھا۔ رومی ٹوپی پہنے، دھاریدار تہبند اور پاؤں میں کھسہ! پیر بخشؔ اکثر یہ کہتا مجھے معدے میں درد رہتا ہے۔ دو ایک دفعہ مَیں نے اُسے ڈاکٹر حق سے دوائی بھی لا کر دی۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالآخر وہ کھوکھے سے غائب رہنے لگا۔ ایک دن اس کی بیوی دفتر میں آئی اور بتایا کہ شہر سے باہر جانکی داسؔ ہسپتال کے کینسر وارڈ میں ہے۔ آپ کو بہت یاد کرتا تھا اور اب پورے دو دن سے بے ہوش ہے ۔ وہ یہ بتا کر چلی گئی اور میرے دل و دماغ میں ایک کھلبلی سے مچ گئی۔ اتنی دور کیسے جانا ہوسکتا ہے؟ مجھے تو ہسپتال کا بھی کچھ پتہ نہیں اور نہ میرے پاس اپنی ٹرانسپورٹ ہے کہ کوشش کر کے تلاش کرسکوں کہ اتنے میں سردار عبدالسمیعؔ نون آ گئے۔ مَیں نے اُن سے اپنے اضطراب کا ذکر کیا۔ انہوں نے مجھے ہسپتال پہنچانے کی حامی بھر لی ہم دفتر سے نیچے اُترے۔ کچھ فروٹ خریدے اور روانہ ہو گئے۔ کینسر وارڈ میں پیر بخشؔ کا بیڈ ڈھونڈنے میں زیادہ وقت پیش نہ آئی مگر وہ تو بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ مَیں نے اس سے کہا ’’مَیں پاؤں کی سمت کھڑا ہوتا ہوں تم پیر بخشؔ کے کان میں بلند آواز سے کہو کہ ’’ثاقبؔ صاحب آئے ہیں‘‘ اس نے ایسا ہی کیا اور پیر بخشؔ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھا اور ہاتھ اُٹھا کر کہا ’’ساقی صاحب سلام علیک‘‘ اور پھر آنکھیں موند لیں۔ اگلے دن ہم تعزیت کیلئے اس کے گھر گئے تو اس کی بیوی نے بتایا کہ ’’بس وہ آخری بات تھی آپ کے چلے جانے کے کوئی دس منٹ بعد وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ۔‘‘انا للہ وانا الیہ راجعون



ظلِ ہما کی تولیت

جب (ملکہ ترنم) نورؔ جہاں کی سید شوکت حسینؔ رضوی سے علیحدگی ہوئی تو ظلِ ہما کی تولیت کا معاملہ چھڑا۔ بات عدالت تک گئی۔ اُن دنوں جج سمال کازکورٹ‘‘ تھے چوہدری حمید اللہؔ (مرحوم) جن کا میں ’’اکلوتا‘‘ دوست تھا اور چونکہ وہ سفارش کے قائل نہ تھے اس لئے اُن سے

ملنے عدالت میں بھی شاذ ہی جایا کرتا تھا مبادا کوئی سفارش کیلئے کہہ دے۔ مَیں نے بھی ساری زندگی میں اُن سے صرف ایک سفارش گوردت سنگھ کی کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ میرے اس سے اتنے گہرے مراسم ہیں مگر صاحب الغرض مجنون کے مصداق ایک دن لنڈاسؔ کے رؤوف صاحب کا خط آ گیا لکھا تھا ''لکس'' کی اشتہاری فلم میں نور جہاں کو بُک کیا تھا مگر وہ کہتی ہیں کہ مَیں ان دنوں سخت پریشان ہوں۔ آپ جج ''سمال کاز کورٹ'' کے ''اکلوتے'' دوست ہیں اگر ہو سکے تو ان محترمہ کا کام کروا دیں۔ مَیں نظام الدین ناخدا کو بھی لکھ رہا ہوں وہ آپ سے اس معاملہ میں رابطہ رکھیں گے۔'' نظام الدین ناخدا فلمی دنیا میں کیمرہ مین کی حیثیت سے مشہور تھے گو انہوں نے ہدایت کاری بھی کی تھی اور میرے اُن سے فیملی مراسم تھے۔ رؤوفؔ صاحب کا خط دوپہر کو ملا اور شام کو مہر النساء (ناخدا صاحب کی بیگم) آ گئیں اور مجھے شام کے کھانے کی دعوت دے گئیں اور کہا کہ ''جب تک آپ ہاں ''نہیں'' کریں گے مَیں آپ کے پیر نہ چھوڑوں گی۔''

مَیں نے کہا ''رؤوف صاحب نے بھی مجھے لکھا ہے۔ مَیں اُن کا ممنون ہوں۔ انہوں نے ''لاہور'' کی آڑے وقت میں مدد کی ہے مَیں ضرور بات کروں گا۔ آگے جج صاحب کی مرضی ویسے وہ سفارش مانا نہیں کرتے۔'' مگر نور جہاں کا اصرار تھا کہ ''آپ کہیں گے تو وہ مان جائیں گے'' اور میں نے یہ بات چوہدری حمید اللہ صاحب کے کانوں میں انڈیل دی۔ اور وہ اور بھی STIFF ہو گئے اس قدر کہ جس دن فیصلہ سنانا تھا گو نور جہاں کے حق میں تھا مگر نور جہاں کا وکیل سننے نہیں آیا اُسے بلایا گیا۔ یہ فیصلہ اوپر کی عدالتوں میں بھی جاری رہا۔ جج صاحب نے ازراہِ احسان بھی بتانا گوارا نہ کیا کہ فیصلہ نور جہاں کے حق میں ہی ہوا ہے۔ میں نے ہی ایک دن دریافت کیا (کیونکہ نور جہاں نجی محفلوں میں بتا چکی تھیں) ''نور جہاں کے کیس کا کیا ہوا؟'' چوہدری صاحب نے فرمایا ''نور جہاں جیت گئیں کیونکہ اس امر کی شہادت فائل پر موجود تھی کہ نور جہاں کا فلاں فلاں مرد سے معاشقہ ہے اور اس بات کی بھی کہ شوکت صاحب کا فلاں فلاں عورتوں سے معاشقہ ہے۔'' مَیں نے

فیصلے میں لکھا چونکہ دونوں ہی کریکٹر کے لحاظ سے یکساں ہیں لہذا اماں کا حق فائق ہے‘‘ اور ظلِ ہما نور جہاں کو مل گئیں۔نور جہاں نے بواسطہ ناخدا صاحب میری دعوت بھی کی۔حیلوں بہانوں سے گانا بھی سنایا لیکن جس بات کا تذکرہ مقصود ہے وہ کیس کے پندرہ بیس دن بعد ہوئی۔میں دفتر میں بیٹھا ایڈیٹوریل لکھ رہا تھا کہ ایک صاحب چوڑے چکلے جوان خوبصورت ،خوب صحت مند دفتر میں آئے اور انہوں نے آتے ہی مجھے پانچ ہزار کا ایک ڈرافٹ دیا کہ نور جہاں کہتی تھی اشتہار بھی پہنچا دیا جائیگا۔مَیں نے ڈرافٹ کے آٹھ ٹکڑے کئے اور لانے والے صاحب کو یہ کہہ کر تھما دیئے کہ ’’یہ میری قیمت نہیں ہے‘‘۔اُن دنوں پانچ ہزار کی بڑی قیمت تھی۔وہ صاحب بڑے حیران ہوئے مَیں نے اُن کی حیرت دیکھتے ہوئے کہا کہ چوہدری حمیداللہ رشوت لیتے نہیں۔اور میری سفارش کی یہ قیمت نہیں۔مَیں نے تو رؤف صاحب اور ناخدا صاحب کے تعلقات کو نبھایا ہے اور بس۔

داستانِ غم

اعلان مصلح موعود کے سلسلہ میں عظیم الشان جلسہ منعقدہ دہلی 1944ء(بمقام جہانگیر پارک دہلی کی منظور،جس میں شاعر کو زخمی ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔(مرتب) ثاقب صاحب اس نظم کے بارے میں فرماتے ہیں:۔’’میں ان دنوں سرکاری ملازم تھا ایک دن کی سٹیشن چھوڑنے کی رُخصت لیکر دہلی گیا۔ جہاں حریفان احمدیت نے جلسہ گاہ پر ہلہ بول دیا۔ بالآخر قائد خدام الاحمدیہ میرزا ناصر احمد صاحب کے ارشاد پر خدام نے ان ہزاروں ہلڑ بازوں کو پسپا کیا۔ وہ جب مستورات کی لاریوں پر حملہ آور ہوئے اس وقت بھی تصادم ہوا۔ پولیس دونوں طرف کے افراد کو تھانے لے گئی۔ ایک دن کی بجائے چار دن لگ گئے۔ میرے دوست چوہدری اسلام الدین تحصیلدار زیرہ ضلع فیروز پور نے اپنے ایک سکھ مجسٹریٹ کو تار دیا کہ وہ میرا پتہ کرے کہ کیا ہوا۔جس پر دہلی سے زیرہ کو واپسی پر میں نے چوہدری اسلام الدین تحصیلدار زیرہ کو مخاطب کر کے یہ نظم کہی۔ جو مجھے اس لئے بھی پسند ہے کہ حضرت اماں جان یہی نظم سننے کیلئے بطور خاص خدام کے اجتماع میں

تشریف لائیں اور مجھے دعاؤں سے نوازا۔ (مرتب)

لے سُن اسلام دلی کے سفر کی داستانِ غم
بڑا پُر ہول تھا ہنگامۂ بے تاب کا عالم

ان آنکھوں سے بڑے دلدوز منظر دیکھ آیا ہوں
حقیقت کے سمجھنے کو بڑا سامان لایا ہوں

سکوں یُوں روند ڈالا نونہالانِ تعصب نے
مکدر کی فضا یوں خوش خصالانِ تعصب نے

فلک پر وہ روح بھی گھبرا گئی ہو گی
وہ صورت چاند سی یہ دیکھ کر شرما گئی ہو گی

تلاوت ہو رہی تھی بزم پر تھا وجد سا طاری
جبینیں خم تھیں اور آنکھوں سے اشکِ خوں تھے جاری

کلام اللہ سے دل کی شقاوت دُھلتی جاتی تھی
محبت بھرتی جاتی تھی کدورت دُھلتی جاتی تھی

کہ اسلام اور اسلامی وفا سے دور احراری
ہے جن کی موجزن ہر ایک رگ میں خونِ غداری

یہ جن کی ''خاکساری'' سے تکبر شرم سی کھائے
''اخوت'' دیکھ کر جن کی حیا پہلو بدل جائے

نظر گستاخ و بے دید اور زباں میں اوپری تیزی
چلن شاہد کہ سب ہیں ماہرینِ فتنہ انگیزی

بھرے اجلاس میں بے باک غراتے ہوئے آئے
جنون انگیز تپتے راگ برساتے ہوئے آئے

معاً غوغا سا برپا ہو گیا بزم شرافت میں
عجب اک ہاتھا پائی چھڑ گئی کذب و صداقت میں

اسی پر بس نہیں یہ زخم خوردہ ذہنیت والے
یہاں سے ہو کے مستورات کے پنڈال پر جھپٹے

وہاں خدام کو زخمی کیا ، ہاں اُن جوانوں کو
جو بے بس زخم کھا کر تک رہے تھے آسمانوں کو

جنہیں یہ حکم تھا بس زخم کھاؤ اور دعائیں دو
خوشی سے وار جھیلو مسکراؤ اور دعائیں دو

وہ بھوکے شیر دل میں سَو سَو پیچ و تاب کھاتے تھے
وفورِ غیظ سے چہروں پہ رنگ آتے جاتے تھے

وہ تھے مجبور ورنہ یہ جوانانِ حسیں کیا تھے
شجاعت بھول کر پھٹکی نہیں جن کے قریں کیا تھے

یہ سارا دن اسی شور و شغب کے دور میں گزرا
یہاں تک اُٹھ گیا ہر چیز سے خورشید کا پہرا

دریچے توڑ کر تنویر کے یوں شام در آئی
دھند لکا چھا گیا چاروں طرف ہر شکل گہنائی

دعاؤں پر ہوا اجلاس ختم اور یوں ہوا ارشاد
جواں جو مسکرا کر جھیلیں ہر اک قسم کی بے داد

وہ جاں پر کھیلنے کے واسطے میدان میں آئیں
حفاظت سے گھروں میں قوم کی ماؤں کو پہنچائیں

اور بتلا دیں ہمیں احمدؐ کے دیں پر مرنا آتا ہے
ہمیں ناموس کی اپنے حفاظت کرنا آتا ہے

یہ سن کر بزمِ اِعدا میں معاً اک شور سا اُٹھا
شجاعت کے دکھانے کا نیا اک داؤں یاد آیا

وہ جھپٹے عورتوں کی لاریوں پر شان و شوکت سے
بدل کر پینترے کرتب دکھائے خوب طاقت کے

مگر ایمان والوں سے تصادم ہو نہیں سکتا
وہ آئے غیظ میں بپھرے ہوئے لیکن ہوئے پسپا

پچھاڑا سینکڑوں کو اس طرح اُن نوجوانوں نے
زمیں تو اک طرف دی داد ساتوں آسمانوں نے

یہ منظر دیکھ کر دوڑی شجاعت منہ چھپانے کو
کہ اب مردانگی راس آ نہیں سکتی زمانے کو

اگر اسلام کہتے ہیں صداقت کے مٹانے کو
اگر اسلام کہتے ہیں نہتوں کے ستانے کو

اگر اسلام یہ ہے مرد و مستورات پر جھپٹیں
جواں کہلا کے ملک و قوم کی ناموس پر لپکیں

اگر اسلام قرآں سے تکدر پیدا کرتا ہے
مناجاتِ محمدؐ سے تنفر پیدا کرتا ہے

اگر اسلام یہ ہے حق سے دل کو ضد سی ہو جائے
جہاں روشن فضائیں ہوں وہاں سے آنکھ کترائے

تو پھر اس مظہرِ خُلقِ برائے نام سے توبہ
مجھے یہ کفر بہتر ہے ترے اسلام سے توبہ



پیارا دوست۔ پیاری یادیں (ثاقب زیروی)

اپریل کیا آیا قلب و ذہن میں اُس یارِ گرجدار کی یادیں کروٹیں لینے لگیں۔

☆جس نے سندھ میں ''مسلم لیگ'' کی نیو رکھی۔☆جس نے بلوچستان میں انگریز ایجنٹ گورنر جنرل سے ٹکر لے کر ''مسلم لیگ'' کا پرچم بلند کیا۔☆جس نے ''مسلم لیگ'' کے فروغ کے لیے قید و بند تک کی آزمائشوں کی پروانہ کی۔☆جس نے ''مسلم لیگ'' کے پودے کو اپنے خون سے آبیاری کی۔☆ جو آخر تک ''بانیٔ پاکستان'' کے اصولوں

کے لیے لڑتا رہا۔☆ اُس جاں نثارِ بانئ پاکستان کی یادیں جو قائداعظم پر (ایک خاکسار کی طرف سے قاتلانہ حملہ کے بعد) ہفتوں خودرضا کارانہ طور پر اُن کے پہرے پر متعین رہا۔☆ قائداعظم جس کی دلداری اور خدماتِ مِلّی کو خراجِ تحسین ادا کرنے کے لیے بہ نفسِ نفیس ''روجھان جمالی'' تشریف لائے۔☆ سابق صدر ایوب خان کے (صدارتی انتخاب میں) مقابلہ کے لیے جب چودھری محمد علی اور میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، محترمہ فاطمہ جناح کو مقابلے پر لانے میں ناکام رہے۔ تو خواجہ ناظم الدین (ہر طرف سے مایوس ہو کر) اُسے ساتھ لے کر محترمہ کے حضور پہنچے تھے۔ اور وہ اپنے بھائی کے جاں نثار دوست اور ممتاز بلوچ جمالی قبیلے کے سپاہی سربراہ (میر جعفر خاں جمالی) کی گزارش کو ٹال نہ سکی تھیں۔☆ وہ میر جعفر جمالی جو پاکستان کے ساتھ بلوچستان کے الحاق کا ہیرو تھا۔ اور☆ جسے اُس کے نصب العین اور محورِ فکر سے ہٹانے کے لیے اقتدار کے باتوں نے دسیوں دفعہ تشدد آمیز کوششیں بھی کیں۔ لیکن اُس کے پائے استقامت میں ذرا لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اُس کے اٹل ارادوں کی چٹان سے ٹکرا کر ہر جارحانہ منصوبہ پاش پاش ہو گیا۔

جنگِ ستمبر 1965ء

یاد آیا 9 ستمبر 1965ء کو جب پاک و ہند جنگ زوروں پر تھی۔ دشمن کے بمبار طیاروں کی آمد کا سائرن بج چکا تھا۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور دفتر ''لاہور'' میں آیا اور کہنے لگا ''نیچے آپ کو ایک ''بلوچی میر'' یاد فرما رہے ہیں۔ میرا ذہن فوراً میر سائیں کی طرف گیا۔ مگر دماغ نے یاد دلایا کہ اُن کو تو ابھی دو ہفتے ہوئے دل کا دورہ پڑا تھا اور اُن کے آخری مکتوب نے بھی یہی بتایا تھا کہ ''ڈاکٹر نے کم از کم ایک ماہ تک مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے''۔ وہ اس حالت میں ریل کا اتنا طویل سفر کر کے کس طرح لاہور پہنچ گئے۔ فوراً اُٹھا برآمدے میں کھڑے ہو کر نیچے جھانکا وہاں تو واقعی ''میر سائیں'' ہی کھڑے تھے۔ نیچے پہنچ کر معانقہ کرتے ہوئے پوچھا؛ آپ؟......اس حالت میں؟......خیر تو ہے؟ اِدھر چھت کے نیچے تو ہو جائیے! یہ سنتے ہی اپنے مخصوص انداز میں ایک بھرپور قہقہہ اُچھالتے ہوئے

بولے ’’وہ گولہ ابھی نہیں بنا جو جعفر جمالی کے لیے ہے‘‘۔ اور وہ دیکھو وہ چھوکرے تو چوک میں کھڑے ہوکر جہازوں کی لڑائی دیکھ رہے ہیں۔ اور تم مجھے سائے میں کھینچے لئے جا رہے ہو۔ اگر میں کسی گولے کی زد میں آ بھی گیا تو کیا ہوگا؟ بانئ پاکستان کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے اُن کے پاس پہنچ جاؤں گا کہ ’’جب میں اُس دنیا سے روانہ ہوا تھا مملکتِ پاک کے شاہین فضا میں دشمنِ وطن کے بمباروں کے پرخچے اُڑا رہے تھے اور اقبال کے شاہین بچے زمین سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کر کے اُن کے دل بڑھا رہے تھے۔‘‘ ’’مگر آپ کو ڈاکٹر نے اجازت کس طرح دے دی؟ اللہ! اپنی صحت کا بھی کچھ خیال رکھا کریں۔ وطنِ عزیز کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔‘‘ بڑی محبت سے میری گردن پر بوسہ دیتے ہوئے بولے ’’ثاقب بھائی! یہ وقت آرام کرنے یا کسی پاکستانی کے اپنی صحت کے لیے فکرمند ہونے کا نہیں۔ وطن کی آن پر بنی ہوئی ہے۔ اللہ اسے زندہ پائندہ اور سلامت رکھے۔ اس کے بغیر کیسی صحتیں اور کیسے آرام؟‘‘ ’’تو اب میر سائیں کا پروگرام کیا ہے؟‘‘

’’پروگرام یہ ہے کہ ’’کالے باغ‘‘ سے ملوں گا‘‘۔ (میر سائیں اکثر ’’نواب امیر محمد خاں‘‘ کو ’’کالے باغ‘‘ کے خطاب ہی سے یاد فرمایا کرتے تھے) اور پھر تم مجھے رات کو گاڑی سے روانہ کر دینا۔ ایوب خاں بہت گھبرایا ہوا ہوگا۔ ہمارے اُس سے سیاسی اختلافات ہیں اور رہیں گے۔ مگر آج ایوب خاں کا نہیں پاکستان کی عزت و بقا کا سوال ہے پاکستان کے تحفظ کی ذمہ داری صرف ایوب خاں ہی پر نہیں ثاقب اور جعفر جمالی پر بھی اُتنی ہی ہے۔ اس لیے ان ایام میں جعفر ایوب کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا ہوگا۔ اور ہم یکجاں ہوکر دشمن سے نمٹیں گے۔ جب بیرونی جنگ ختم ہو جائے گی۔ پھر ہم اپنی داخلی سیاسی جنگ دوبارہ شروع کر دیں گے جمالی رضا کار بٹالین محاذ پر بھجوا کر آیا ہوں۔ اچھا خدا حافظ! باقی گورنر ہاؤس سے واپسی پر۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد گورنر ہاؤس سے لوٹے تو ہم شیزان میں کھانے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ میز کے گرد بیٹھتے ہی بولے ’’تمہارا نواب سخت گیر ہے متشدد ہے۔ کچھ بھی ہے ’’مگر ہے مرد‘‘۔ میری گاڑی گورنر ہاؤس میں داخل ہوئی تو

وہ گاڑی سے اُتر ہی رہا تھا۔ سرحد سے ہو کر آیا تھا۔ میں ملا تو مونچھوں کو تاؤ دے کر کہنے لگا:

''میر صاحب! آپ دو گھنٹے پہلے آ جاتے تو آپ کو دکھاتا۔ پاکستان کے شیر دل مجاہد کروڑوں (چیونٹیوں) کا کس کس طرح بھُرکس نکال رہے ہیں۔ میں تو جب بھی اُن کی جرأتوں کو دیکھ کر لوٹتا ہوں میرے قلب و روح پر تہجد کے نوافل کا سا کیف، سرور طاری ہو جاتا ہے۔ میں نے ان کی پنڈی کے لیے سیٹ بک کرا کے صدرِ پاکستان کے ملٹری سیکرٹری کو اُن کی آمد کا تار دے دیا تھا۔ رات کی گاڑی ہی سے روانہ ہو گئے۔ تیسرے دن لوٹے اور واپسی پر دیر تک مزے لے لے کر اپنے دامجاہدانہ سفر کی باتیں سنائیں۔ ان میں ایک یہ تھی:

بھٹو سیکرٹری کیا جناب اُس کے دماغ پر ''کنوینشن لیگ'' سوار ہو گئی ہے۔ جانے یوں رات مجھ سے اپنی جماعت میں شامل ہونے کا قصہ چھیڑ بیٹھا میں نے کہا ذوالفقار تم مجھ سے اشاروں کنائیوں میں ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ بلوچ ہر نئے سورج کو دیکھ کر نصب العین بدلنے کا قائل نہیں۔'' آج میں ایوب خاں سے ملنے خود اس لیے چلا آیا ہوں کہ وہ اُس فوج کا سپریم کمانڈر رہے جو ''میرے پاکستان'' کے دشمنوں سے لڑ رہی ہے۔ آج میں اُس کی ہر اطاعت اور اعانت کروں گا کہ وہ اُس پاکستان کے دشمنوں سے نبرد آزما ہے جس کی نیک خواہی میں میرے بال سفید ہوئے ہیں۔ جنگ ختم ہوتے ہی ہم دونوں علیحدہ علیحدہ پھر اپنی اپنی سیاسی فوجوں کے کمانڈر رہوں گے۔

پنجاب کو سلام

میں نے اصرار کر کے انہیں ایک دن کے لیے لاہور میں روک لیا۔ اگلی دوپہر کو تیز گام سے روانہ ہونے لگے تو معانقہ کے بعد فرمایا ''ثاقب! آج میرا دل اہلِ پنجاب کی جیداریوں پر محبت و تحسین سے بھرا ہوا ہے۔ آج اکیلا پنجاب پورے ہندوستان سے نبرد آزما ہے۔ سارے پاکستان کی طرف سے پنجاب پاکستان کا دل ہے۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ اُسے صرف پنجاب ہوا نے کا احساس ہو جائے۔ وہ دن ہمارے قومی انحطاط کا دن ہو گا میں پنجاب اور اہل پنجاب کو سلام کرتا

ہوں۔''اور پھر جب جنگ ختم ہو گئی ہم اپنے وطن عزیز کے دشمن پچھاڑنے اور اُسے اُس کی سرحدوں میں دور تک دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔تو اگلے ہی دن اُن کا ایک نوسطری تار ملا۔جس میں پاکستان،افواجِ پاکستان اور اہلِ پنجاب کے لیے ڈھیروں دعائیں تھیں۔''قضاوقدر کا کوئی فعل بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔اچھا ہی ہوا وہ 16 دسمبر 1971ء کا المیہ دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے۔مجھے یقین ہے وہ یہ ''انہونی''سن کر کہ ایک لاکھ کے قریب مسلمان مجاہدوں نے مُشرک بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔پاگل ہو جاتے۔اپنے کپڑے پھاڑ کر اپنے بال نوچ کر ویرانوں میں بکھر جاتے۔اس خوفناک تصور ہی سے کہ اب جا کر میں اپنے قائد کو کیا بتاؤں گا۔یہ کہ موحدوں کو مُشرکوں کے سامنے گھٹنے ٹیکتے اور مشرقی پاکستان کے بالادست طبقے کو خدائے ذوالجلال کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے کی بجائے اندرا دیوی کے گُن گانے میں مصروف چھوڑ آیا ہوں۔بے شک اُس قادر و توانا کی نہاں در نہاں مصلحتیں صرف وہی جانتا ہے۔



مردِ قلندر کی دوستی

چونکہ اس مردِ قلندر کی پُرخلوص دوستی کا سلسلہ اُس کی محبت کے تقدس اور اُس کے جانشینوں کے بلند اخلاق کے باعث اب تک چل رہا ہے۔اس لیے اُس کی زندگی کی طرح آج بھی مجھے سربراہ جمالی خاندان اور جمالی قوم کی ہر گھریلو اور معاشرتی تقریب میں شامل ہونا پڑتا ہے۔میں جب بھی جاتا ہوں (اب تو خاص کر) دو چار فرد یہ پوچھنے والے ہر دفعہ نکل آتے ہیں۔کہ ثاقب و جعفر کے روابطِ محبت کا پس منظر کیا ہے؟یہاں تک کہ پچھلے دنوں مرحوم و منصور کی برسی سے متعلق ایک تقریب میں مجھے اس سوال کا جواب اسٹیج پر دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔سوال یہ تھا:''آپ نہ بلوچ،نہ بلوچستانی،نہ میر سائیں سے کوئی رشتہ،نہ یہاں کی سیاست سے آپ کا کوئی تعلق۔آپ شاعر اور ادیب اور وہ ایک تعلیم و تدریس سے بیگانہ

دبنگ سیاسی لیڈر۔ پھر آپ دونوں میں ایسا گہرا رشتہ مودت کیونکر استوار ہو گیا؟'' اور میں نے بتایا کہ آپ کی تمام باتیں صد فی صد صحیح ہیں۔ میرے نزدیک آپ کا یہ استعجاب بھی حیران کن نہیں مگر میرے اُس بلوچ دوست کی کچھ ادائیں ایسی ہی تھیں۔ کہ میرے قلب و روح اُس کی طرف کھینچتے ہی چلے گئے۔

اوّل: سب سے پہلی بات یہ کہ وہ ایک سادہ، سیدھا، صادق الوعد، بات کا دھنی اور دلی مسلمان تھا۔ جسے کسی کلمہ گو سے نفرت نہ تھی۔ اور چونکہ اُس کا مذہبی خرخشوں پر گزارہ اور اُس کی سیاسی مقبولیت اُس کی گراں مایہ خدماتِ ملی کے باعث تھی۔ اس لیے وہ وارفتگانِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں تمیز و امتیاز کا قائل نہ تھا۔

دوم: وہ اول و آخر، ظاہر و باہر پاکستانی تھا۔ اور اس کی محبت وطن صوبائی حدود کے تعصب و امتیاز سے بلند تھی۔

سوم: وہ محبتِ وطن میں لسانی و علاقائی ترجیحات کا بھی قائل نہ تھا۔ اُس کے محبت بھرے دل کے پٹ ہمہ وقت ہر صوبے اور ہر علاقے کے پاکستانی سے دلداری و غمگساری کے لیے کھلے رہتے تھے۔ چہارم: وہ ایک ایسا عظیم اور وسیع الظرف انسان تھا۔ دلداری و غمگساری جس کی کنیزیں تھیں ۔انسانیت دوستی جس کا مذہب تھا۔ جو ہر وقت ہر ایک کی خیر کا طالب رہتا تھا۔ اور پنجم وہ ایک ایسا سیاسی رہنما تھا۔ جس کے قول و فعل میں سر مو فرق نہ تھا۔ زیادہ نہیں۔ آپ یہی چار پانچ باتیں اپنے اندر پیدا کر لیجئے ایک ثاقب کیا ہزاروں ثاقب پروانوں کی طرح آپ کے گرد طواف کرنے لگیں گے۔



ثاقب زیروی صاحب کا ایک یادگار انٹرویو

محترم ناظرین ایم ٹی اے لاہور آج آپ کی ملاقات سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک مقتدر شخصیت سے کرانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔شخصیت ہیں حضرت حکیم مولوی اللہ بخش صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے محمد صدیق صاحب المعروف حضرت ثاقب زیروی شاعر احمدیت۔

محترم ثاقب صاحب آپ ہمارے ناظرین کو کچھ اپنے بچپن کے حالات اور خاندان کے بارہ میں ضروری کوائف سے آگاہ فرمائیں۔خصوصی طور پر اپنے والد محترم حضرت حکیم مولوی اللہ بخش صاحب رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمائیں۔

شکریہ صاحب۔میں خدتعالیٰ کے فضل سے ان خوش نصیب فرزندوں میں سے ہوں جو احمدیت کے حصار میں پیدا ہوئے۔میرے والد محترم اللہ بخش صاحب نے سن 1905ء میں بیعت کی۔ ہمارے دادا جان کو اہل علم ہونے کی وجہ سے سارا شہر یعنی قصبہ زیرہ ضلع فیروز پور شاہ جی کہا کرتے تھے۔حالانکہ وہ راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ابا جان کو انہوں نے ــــــ ــ والی مسجد میں حضرت مولوی علی محمد صاحب ان کے پاس جو بہت بڑے عالم تھے، حدیث پڑھنے کے لئے بھیجا۔وہاں دو چار مہینے کے بعد ایک دن جمعہ کے وقت ایک صاحب آئے جو چوڑیاں فروخت کیا کرتے تھے۔اور انہوں نے جب جمعہ کی نماز ختم ہوئی تو اونچی آواز میں کہنا شروع کیا کہ ’’اوئے مولوی! مسیح آ گیا ہے انو من لو‘‘۔اور جب آواز مولوی صاحب کو بتائی گئی کہ یار یہ اس قسم کا ایک پاگل آ گیا ہے۔تو انہوں نے کہا کہ دھکے مار کر نکال دو۔ان کو دھکے مارے گئے اور ان کی چوڑیاں ٹوٹ گئیں اور وہ چلے گئے۔اگلے جمعہ میں وہ پھر آئے۔اور انہوں نے پھر

یہی نعرے لگائے اور ان کے ساتھ پھر وہی سلوک کیا گیا۔حتی کہ وہ تیسرے جمعہ، جمعہ کی بجائے جمعرات کو آئے۔اس وقت ابا جان بتایا کرتے تھے کہ میں اور مولوی صاحب مسجد کے صحن میں بیٹھے پڑھ رہے تھے۔اور وہ آئے جو کہ بوڑھے آدمی تھے ٹوکرے سے کتاب نکالی اور کہا کہ مولوی صاحب میں تو آپ کو پڑھا لکھا آدمی سمجھتا تھا۔آپ تو دوسرے مولویوں جیسے ہی ہیں۔اچھا بہرحال یہ کتاب لو اور یہ پڑھ کر دیکھو۔میں تو چلا۔ میں روز روز چوڑیاں نہیں تڑوا سکتا۔ یہ میرا روزگار ہے۔تو مولوی صاحب اُٹھے اور وہ کتاب جو کہ زمین پر گر گئی تھی اس کو اُٹھایا ار اس کو جھاڑا پھونکا۔پھر بیٹھ گئے۔اور ریل پر رکھ کر انہوں نے پڑھنا شروع کر دیا۔جب گیارہ بارہ صفحے پڑھ چکے۔تو مجھے کہا کہ اللہ بخش مسجد کے مینیجر کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اپنے امام کا کوئی اور انتظام کر لے۔تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ پر کیا اثر کیا ہے اس کتاب نے؟ وہ آئینہ کمالات اسلام کتاب کا نام تھا۔مولوی صاحب نے کہا کہ دیکھو یہ شخص اس کتاب کا مصنف جو ہے وہ سچی باتیں کر رہا ہے۔تو اگر انہوں نے مجھے کوئی الزام لگا کر نکال دیا یہاں سے تو پھر کیا کرو گے؟ تم یوں کرو کہ یہاں سے جاؤ اور وہ گجروں کی ایک مسجد ہے ہندوؤں کے محلہ میں ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو نمبردار اللہ دتہ ان کے ہیں۔کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم نماز پڑھ لیا کریں تو انہوں نے کہا جی کہ ست بسم اللہ ہم تو حقہ ہی پیتے ہیں وہاں نماز تو پڑھتے نہیں۔تو آپ آئیں۔ میں اور مولوی صاحب گئے اور ہم نے کھرپوں سے وہ مسجد کا صحن صاف کیا۔اور اس پر دو صفیں بچھائیں اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔مولوی صاحب اب مجھے تبلیغ کیا کرتے تھے۔اور میں مولوی صاحب کی مخالفت کیا کرتا تھا۔لیکن اپنے چند بزرگ دوستوں سے ان میں سے ایک حاجی الٰہی بخش تھے، ایک حاجی محمد بخش تھے۔ایک مولوی کوکے خان تھے۔ان تینوں کو میں دلائل بتا دیا کرتا تھا کہ یہ مولوی صاحب نے دلائل دیئے ہیں۔لیکن مولوی صاحب کے سامنے میں پوری مخالفت کرتا تھا۔ ایک دن تنگ آ کر میں نے حضرت صاحب کے خلاف کچھ سخت الفاظ کہے تو انہوں نے کہا کہ دیکھو

یہ کفیں اُٹھا کر۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔اور اگر تم نے اس کے بعد ایک لفظ بھی مرزا صاحب کے خلاف کہا تو میں تجھے اسی طرح چھوڑ دوں گا جیسے بیوی کو طلاق دی جاتی ہے۔تو تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔اہل علم خاندان سے ہوتو تم دعا کرو اللہ تعالیٰ سے تو وہ تمہیں بتا دے گا۔چنانچہ میں نے دعائیں شروع کیں۔اور تیسرے دن مجھے ایک خواب میں نظر آیا۔ہمارا گھر جو تھا وہ دو سڑکوں کے سنگم پر تھا تو میں چوک میں کھڑا ہوں اور ایک گھوڑے والا شخص آیا اور وہ باوردی ہے۔اور اس پر بڑے تمغے وغیرہ لگے ہوئے ہیں۔اور آکر پوچھا مجھ سے کہ مولوی علی محمد صاحب کہاں ہیں؟

میں نے کہا کہ جی وہ تو بھینس کو پانی پلانے گئے ہوئے ہیں۔تالاب پر۔انہوں نے مجھے کہا کہ ان کو بلاؤ میں معاذ بن جبل ہوں۔آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں۔وہ وہاں پڑاؤ میں بیعت لیں گے اور چوک میں لیکچر دیں گے۔اب میری کیفیت یہ تھی کہ میں کبھی بھاگ کر جاتا تھا اور مولوی صاحب کو آواز دیتا تھا۔اور پھر بھاگ آتا تھا کہ وہ دو گھوڑے نہ نکل جائیں۔حتیٰ کہ وہ دونوں گھوڑے آگئے ایک جیسے گھوڑے تھے ایک ہی جیسی شکلیں تھیں نورانی۔تو میں نے دونوں گھوڑوں کے عیال کو بوسہ دیا۔اس کے بعد وہ دونوں گھوڑے چل دیئے اور میں ان کے پیچھے پیچھے بھاگ کر پڑاؤ پہنچا۔پھر ہم چوک میں پہنچے۔بازار تین چار اکٹھے ہوتے تھے بڑا چوک کہلاتا تھا۔وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے تھے۔اور آنحضور ﷺ نے صداقت مسیح موعودؑ پر لیکچر دیا۔صبح جب میں اُٹھا تو میرا دل بھی صاف تھا اور ذہن بھی صاف تھا۔میں نے کہا مولوی صاحب بات یہ ہے کہ میں تو کل قادیان جا رہا ہوں۔میری تو طبیعت بالکل صاف ہوگئی ہے۔ذہن بھی صاف ہوگیا ہے اور دل بھی صاف ہوگیا ہے۔میں نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ میں تو قادیان جا رہا ہوں۔تو انہوں نے کہا کہ پھر اکیلے کیوں جا رہے ہو ہم بھی چلیں گے۔تو ہم چاروں، ان دنوں پیدل سفر ہوتا تھا گاڑی واڑی تو ہوتی نہیں تھی۔پٹی تک ہم

پیدل گئے۔ ہری (گاؤں۔ناقل) عبور کر کے۔تو جب ہم پہنچے تو قادیان ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ سن 1905ء کا ذکر ہے یہ۔ جو شخص اچھے کپڑوں والا ملتا تھا۔سفید لباس والا۔تو منشی کو کے خان صاحب ہم سب میں سب سے بوڑھے تھے۔تو وہ پوچھتے تھے کہ کیا آپ حضرت صاحب ہیں۔تو وہ کہتا تھا کہ نہیں بھائی میں کہاں حضرت صاحب ہوں؟ میں تو ان کے غلاموں کا غلام بھی نہیں ہوں۔آخر پھرتے پھرتے ہم چوک میں پہنچے، احمدیہ چوک میں۔تو کسی نے بتایا کہ وہ جو سامنے مسجد ہے اس میں آپ چلے جائیں۔حضور علیہ السلام اس طرف سے آئیں گے نماز پڑھانے کے لئے۔نماز پڑھانے کے بعد آپ ان کی زیارت کر لینا۔تو ہم چلے گئے۔

ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عام معمول یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بیعت کے لئے کہا کرتا تھا کہ حضور میری بیعت لے لیں تو حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے آپ کچھ توقف مزید کر لیں اور کچھ مطالعہ اور کر لیں۔لیکن ہم چاروں جہاں سے حضور علیہ السلام نے آنا تھا وہاں دروازے پر لائن لگا کر بیٹھ گئے۔ حالانکہ دوسری صفیں دوسری طرف لگی ہوئیں تھیں۔حتّٰی کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے۔تو منشی کو کے خان صاحب نے اپنی شلوار تھوڑی سی اوپر اُٹھا کر کہا کہ حضور دیکھیں ہمارے تو بال بھی گرد آلود ہو گئے ہیں اور ہم بڑا پیدل چل کر آئے ہیں تو آپ ہماری بیعت ابھی لے لیں۔ہم چاروں کی بیعت لے لی۔جب بیعت ہو گئی تو اس کے بعد نماز ہوئی نماز کے بعد لوگ جانے شروع ہوئے تو مجھے خیال آیا کہ مولوی علی محمد صاحب نے مجھے خط دیا تھا کہ یہ حضور کے ہاتھ میں دینا ہے۔اور ہم نے اپنی تو بیعت کر لی ہے اور مولوی صاحب کا خط نہیں دیا۔تو اب ہم انتظار میں تھے کہ سارے چلے جائیں تو پھر میں دروازہ کھٹکھٹاؤں۔اس وقت اتنے آداب کا بھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ابھی وہ مقام اور تقدیس بھی ذہن میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔تو جب دوست چلے گئے تو میں نے دروازہ کھٹکھٹا دیا۔تو ایک نوکرانی آئی اور اس نے کہا کہ کیا بات ہے۔میں نے کہا کہ حضرت صاحب کو ذرا باہر بھیجیں جی۔تو انہوں نے کہا کہ جی حضور تو اپنے تحریر کے کام میں مصروف

ہیں۔میں نے کہا کہ نہیں جی میں نے تو خط ان کے ہاتھ میں ہی دینا ہے۔ پھرحضور تشریف لے آئے۔اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت صاحب، ابا جان نے جتنی بار بھی زندگی میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہےتو ان کی آنکھیں نم ہو جایا کرتی تھیں۔فرمانے لگے کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا تو حضور ننگے پاؤں تھے۔اور ننگے سر تھے۔تو حضور نے فرمایا کہ کیا بات ہے تو میں نے کہا کہ جس شخص نے ہمیں یہ انجیکشن دیا تھا اس کا خط ہے۔تو وہ خط حضور نے پڑھا تو اس میں ایک فقرہ تھا کہ میں غزنوی باغ کی بلبل تھا۔حضور نے فرمایا کہ آپ مولوی صاحب کو کہیں اب آپ احمدی باغ کی بلبل ہیں۔اللہ تعالیٰ زیرہ میں آپ کو بہت مؤثر جماعت دے گا۔میں دعا کروں گا۔ہم چلے گئے۔جب ہم واپس آئے تو، موثر جماعت کا تو عالم یہ ہے کہ ہمارے وہاں پنتالیس یا پچاس گھر تھے۔اور مسلمانوں کی اکثریت تھی۔تین ان کی میونسپلٹی میں ممبر ہوا کرتے تھے۔لیکن اکثر ہی یہ ہوا کہ ایک تو ہمارا بہر حال ہوا تھا۔دو بھی ممبر ہمارے ہو جاتے تھے۔بعض دفعہ پریزیڈنٹ ہمارا ہوتا تھا۔ہماری اپنی وہاں لائبریری تھی۔مسجد تھی عیدگاہ تھی تو یہ تو تاثیر کا عالم رہا۔جب میں واپس آیا۔تو اباجی سے کسی نے بتایا یعنی میرے داداجان سے کہ یہ مسیح ہو گیا ہے۔تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ تم اللہ بخش مسیح ہو گئے ہو؟ میں نے کہا جی نہیں مسیح تو نہیں ہوا۔مسیح موعود ہوا ہوں۔انہوں نے کہا کہ نہیں نہیں یہ سب غلط ہے مجھ سے کون بہتر جانتا ہے؟ اباجی نے کہا کہ جی غلط نہیں ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس شخص کو۔وہ کہنے لگے کہ میں تمہیں عاق کر دوں گا۔کہتے ہیں کہ میں نے کہا جی آپ کی مرضی اگر آپ یہی پسند کرتے ہیں۔میں اب اس شخص کو چھوڑ نہیں سکتا۔تو انہوں نے قصبہ زیرہ میں اور آس پاس گاؤں میں جہاں کوئی زمینیں تھیں وہاں دف بجا کر اعلان کیا کہ ہم اس کو آک کرتے ہیں۔میرے اباجی نے اس دن بستر باندھا اور قادیان چلے گئے۔

قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔تو حضور نے فرمایا کہ آپ مولوی نورالدین کے ساتھ رہا کریں اور ان کے ساتھ رہا۔میری پیدائش گنڈا سنگھ والے کے

پاس ایک گاؤں ہے ماہی والا وہاں ہوئی تھی۔جب میں دو سال کا تھا تو ہماری فیملی کا سارا کنبہ بہاول پور سے ہوتا ہوا۔وہاں بھی سال ایک رہے۔پھر زیرہ آ گیا۔وہاں اس وقت دادا جان کی جائیداد میں سے صرف ایک مویشی خانہ بچ چکا تھا۔اس مویشی خانہ کو ابا جان نے خود درست کیا خود اس کی چار دیواری بھی بنائی اور اس میں ہم دسویں جماعت تک رہے۔نہایت غربت کا دور تھا۔ایک زمیندار، بڑے زمیندار کا بیٹا وہ کیا کر سکتا تھا۔پھر یہ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کا ان کے اوپر اثر بھی تھا۔وہ ایسے تھے کہ ایک صندوقچہ دوائیوں کا بنا لیتے تھے اور تبلیغ کے لئے نکل جاتے تھے۔دو دو مہینے تین تین مہینے یہاں تک شاید آپ نے پڑھا ہو۔میں نے الفضل میں ان کی وفات پر ایک مضمون لکھا تھا۔اور اس میں یہ ایک فقرہ تھا۔کہ ہم اپنے والد کی حکمت کے نذرانوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔کیونکہ فیس تو لیتے نہیں تھے کسی سے۔کبھی کسی نے کچھ دے دیا تو انہوں نے بھیج دیا۔توسن چونتیس میں، میں اور میرا بھائی اقبال مرحوم۔تینتیس میں ہم میٹرک میں دسویں جماعت میں تھے۔اور ابا جان کو یہ خیال تھا کہ میرے دو بیٹے 1933 میں میٹرک میں ہو جائیں گے تو گھر بار کی کیا کیفیت ہو جائے گی۔لیکن یہ کہ دو مہینے ابھی امتحان میں رہتے تھے کہ اقبال فوت ہو گئے۔محمد اقبال۔وہ اچھے خاصے پلیئر تھے۔بڑے intelligent سٹوڈنٹ تھے۔تو مجھے یاد ہے کہ سارا سکول ان کی تدفین پر آیا۔وہاں ایک خانقاہ تھی۔تو ابا جان ایک نیم کے درخت کے ساتھ چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے۔میری عمر غالباً ساڑھے پندرہ سال کی ہوگی۔تو مجھے انہوں نے اشارہ سے بلایا۔اور فرمایا کہ دیکھو میں نے زندگی میں ایک شرک کیا تھا۔کہ میرے دو بچے میٹرکیولیٹ ہو جائیں گے بس ٹھیک ہے۔اور کیا چاہیے۔اور میرے شرک کی وہ سزا پڑی ہے۔انہوں نے جنازہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔لیکن کیا تم اب گھر سنبھال لو گے؟ تو میرا بچپن تھا اتنا تو شعور نہیں تھا۔کہ گھر بار کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟ کیسے ذمہ داریاں ہونگی؟ اور کیسے نبھائیں گے؟ میں نے کہا جی کہ سنبھال لیں گے۔کہنے لگے کہ یہ سب کچھ جو سمجھ میں آتا ہے یہ شرک

ہے اوراس کی سزا ہے۔ کہنے لگے کہ بیٹے میری اب کمر ٹوٹ گئی ہے۔اس کے بعدانہوں نے زندگی کے کاروبارہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ میں نے ہی اپنے گھر، جب میں نے میٹرک کیا تو اس کے بعد پھر ملازمتیں کیں۔ گھر بنایا۔اور بہن کی شادی کی اور بھائی کی شادی کی تو یہ سارے معاملات چلے۔ ابا جی نے گھر کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دیا۔

میٹرک کا چونتیس میں رزلٹ آیا تھا۔اس کے بعد پینتیس اور چھتیس میں نے فیروز پور میں کاٹا۔ٹائپ سیکھی اور شارٹ ہینڈ سیکھا۔ اس کے بعد میں سیشن کورٹ میں لیو ریز روسٹ ہوگیا۔ لیکن وہ ملازمت کچھ میرے ذہن کوراس نہیں آئی۔سینتیس میں میں نے وہ چھوڑ دی۔ چھوڑی کیسی، چلا گیا بس۔کوئی ریزائن وغیرہ نہیں کیا۔لاہور آ گیا، لاہور یہاں جے ڈی،قریشی صاحب، ریٹن روڈ والے تھے۔ انہوں نے ایک پرچہ ادبی نکالا۔ گنجینہ اردو۔اس میں احسان دانش صاحب ایڈیٹر تھے اور میں نائب ایڈیٹر تھا۔ ہوا یہ کہ تیسرے پرچہ میں انہوں نے اپنی ایک نظم باغی کا خواب چھاپ دی۔ وہ گورنمنٹ کو نہ پسند ہوئی۔اور ہم دونوں پرچہ بند کر کے بھاگ گئے۔ پرچہ بھی بند ہوگیا اور ہم چلے آئے۔ پھر میں نے انتالیس میں۔ کارپوریٹر میں ملازمت کی۔اور کلاس اٹینڈ کی اورسب انسپکٹر رہا اوراس کے بعد پنتالیس کے آخر میں میں ایک دفعہ قادیان آیا۔قادیان میرا معمول تھا کہ جب کوئی چھٹی ہوتی تھی تو میں قادیان آجاتا تھا۔بہشتی مقبرہ میں دعائیں کرنی۔مسجد مبارک میں نماز پڑھنی۔مجلس عرفان اٹینڈ کرنی۔ اور چلے آنا بس۔کسی سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔تو پنتالیس میں میں نے حضرت صاحب کا ایک خطبہ مسجد اقصیٰ میں وقف کے عنوان پر خطبہ سنا۔واپسی میں میرے دل میں کیفیت پیدا ہوئی۔تو میں نے والدین سے بھی نہیں پوچھا۔نہ ان سے کوئی مشورہ کیا۔کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا اور خط لکھ دیا وقف کر دیا۔

جی ہاں اور چھیالیس میں شروع ہی میں مجھے خط آ گیا کہ تمہارا وقف منظور ہوتا ہے تم ملازمت سے فارغ ہو کر آجاؤ۔ میں نے ملازمت سے فراغت کی درخواست دی۔خیر چھ مہینے انہوں نے لگا

دیئے۔ تو میں جب مئی میں پہنچا۔ مئی ہی تھی غالباً جب وہاں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ ان دنوں مولوی عبد الرحمن انور صاحب ہی ساری تحریک جدید اور مجاہدین کے کاروبار کرتے تھے۔ یعنی ان کو وظیفے دینے سے لے کر ان کے بیعت لگانے تک۔ مولوی صاحب نے (سب کچھ سنبھالا ہوا تھا۔) مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ آپ دار المجاہدین میں چلے جائیں۔ حضور کہیں تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ تو پھر جب تشریف لائیں گے تو میں آپ کو انٹرویو کے لئے وقت دوں گا۔ میں نے کہا کہ میری بہن کی شادی ہوئی ہے۔ کوئی ایک مہینہ پہلے، قادیان میں تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اس وقت تک جب تک حضور مسجد میں ہیں اس کے ہاں چلا جاؤں۔ پھر جب آپ بلائیں گے تو میں آجاؤں گا اور پھر آپ جہاں کہیں گے میں وہاں چلا جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ جی ٹھیک ہے۔ تین دن ہوئے تھے ابھی کہ چوتھے دن انہوں نے مجھے شام کو پیغام بھیجا کہ آپ آجائیں اور صبح ساڑھے آٹھ بجے قصرِ خلافت پہنچے آپ کا حضور سے انٹرویو ہے۔ اس وقت تک میں نے چالیس میں عربی فاضل کیا۔ یا منشی فاضل کیا۔ جب انٹرویو ہوا تو وہ بڑا دلچسپ تھا۔ حضور نے ایک یا دو رسمی سوال کیئے۔ استعفیٰ کیسے منظور ہوا۔ کون ہے آپ کا رجسٹرار۔ ایسے باتیں کرتے رہے۔ پھر فرمانے لگے کہ کیا آپ کو صحافت سے دلچسپی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں بالکل نہیں۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ قطعاً۔ کہنے لگے کہ کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے کبھی روزنامہ اخبار پڑھا ہی نہیں۔ ہمارے زیرہ میں لالوں کے پاس پانچ چار ویر بھارت اور ملاپ وغیرہ کے پرچے آتے ہیں اور وہ ہمیں ملتے ہی نہیں۔ تو فرمانے لگے کہ کیا پڑھتے ہیں آپ؟ میں نے کہا کہ ادبی رسالے پڑھتا ہوں میں لیکن اس میں افسانہ نہیں پڑھتا۔ نظم پڑھتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ کیا آپ عبدالمجید سالک کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا جی میں جانتا ہوں۔ فرمایا کہ کیسے جانتے ہیں؟ میں نے کہا جی کہ جب کوئی غزل وغیرہ میں لکھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ چھپ سکتی ہے تو میں ان کو بھیج دیتا ہوں تو پھر وہ چھاپ دیتے ہیں۔ اور وہ پرچہ دو دو تین تین مہینے

میری جیب میں رہتا ہے۔میں لوگوں کو بھی دکھاتا رہتا ہوں۔ کہ میں انقلاب میں چھپا ہوں۔حضور فرمانے لگے کہ ان سے ملاقات ہے آپ کی یا کب ہوئی۔آخری ملاقات کب ہوئی؟ میں نے کہا جی کہ ملاقات تو ہوئی ہی نہیں ابھی تک بس غائبانہ ہی سلسلہ ہے۔کہنے لگے کہ ان کو کیسے پتا چلا کہ آپ نے وقف کر دیا ہے۔ میں نے کہا جی کہ جب میرا استعفیٰ منظور ہوا تو میں نے اپنے چار پانچ ادبی بزرگوں کو خطوط لکھے تھے کہ میں نے وقف کر دیا ہے اب مجھے حضور جہاں بھیجیں گے وہاں سے اب آپ سے خط و کتابت ہوگی۔ان میں علامہ تاجور تھے۔مولانا صلاح الدین احمد تھے۔مولانا غلام رسول مہر صاحب تھے اور عبدالمجید سالک صاحب تھے۔فرمانے لگے کہ اچھا ایسی بات ہے تو یہ ان کا خط ہے یہ پڑھ لیں۔خط میں پہنچاتا تھا۔طرزِ تحریر ان کا بہت خوبصورت تھا۔ اس خط میں اب سارا تو مفہوم مجھے یاد نہیں۔لیکن اس کا پورا جونٹ شیل ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ آپ نے چند سال پہلے کچھ نوجوان میرے پاس بھیجے تھے عملی تربیت کے لئے۔لیکن ان میں صحافت کے جراثیم نہیں تھے۔جراثیم کا لفظ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔اس لئے میں نے ان کو واپس بھیج دیا۔لیکن اب حضور کے پاس ایک آدمی آرہا ہے۔مجھے نہیں پتا کہ وہ کیا پڑھا ہوا ہے۔میں نے فوراً کہا کہ میٹرک ،تو حضور فرمانے لگے کہ پہلے خط پورا پڑھ لو۔تو مجھے نہیں پتا کہ وہ کیا پڑھا ہوا ہے لیکن اگر آپ اس کو میرے پاس بھیج دیں۔تو دو سال یا سوا دو سال کے بعد ہم آپ کو سالک کا مثنیٰ بھیج دیں گے۔یہ لفظ تھے۔میں نے حضور سے عرض کیا کہ حضور یہ بہت بڑی خوش فہمی ہے۔میں اکاؤنٹ کا آدمی ہوں۔بین آڈٹ کرتا آیا ہوں۔اور مجھے صحافت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔حضور کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں سالک صاحب سے اتفاق کرتا ہوں۔آپ عبدالرحمن انور سے آج خط لے لیں۔کل ہی جا کر انقلاب join کریں۔وہاں سے مجھے تار بھیج دیں کہ join کر لیا ہے۔میں نے لاہور کا وہ حصہ دیکھا ہی نہیں ہوا تھا۔خالصہ سٹریٹ میں ان کا دفتر تھا۔اگلے دن میں چلا آیا انور صاحب سے خط لیا۔تو خالصہ سٹریٹ میں جب آئے تو پتا چل گیا کہ انقلاب کا دفتر وہاں ہے۔اس

وقت تو ہندو سکھ عام تھے۔ تقسیم ابھی نہیں ہوئی تھی۔ تو میں نے چٹ پر نام لکھ کر اندر بھیج دیا کہ میں ملنا چاہتا ہوں۔ تو سالک صاحب کی اندر سے آواز آئی کہ یہ درویشوں کے ڈیرے ہیں یہاں چٹوں پر ملاقاتیں نہیں ہوتیں۔ آجائیں بھئی۔ تو جب میں اندر گیا تو کہنے لگے کہ ثاقب زیروی ہو تم؟ یار تم تو بڑے شریف آدمی ہو میں نے تو بڑا مولوی بنایا ہوا تھا تمہیں۔ تو ہم بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا جس کی سر سید احمد خان صاحب جیسی داڑھی تھی۔ ٹوپی بڑی سخت میلی تھی۔ یوں یوں ہاتھ مارتا آرہا تھا آ کر وہ بیٹھ گیا۔ یہ علامہ حسین میر ہیں ہمارے لاہور انقلاب کے ایڈیشنل انچارج ہیں۔ رات کو آٹھ بجے ان کی ڈیوٹی شروع ہوتی ہے ان کے ساتھ دو اسسٹنٹ ہیں۔ یوسف العزیز اور معتب علی طاہر ایم۔ اے۔ لیکن آٹھ بجے سے مراد سات بج کر انسٹھ منٹ ہیں۔ آٹھ بج کر ایک منٹ نہیں ہیں۔ آج ہی آپ کام شروع کر دیں۔ پھر کہنے لگے کہ علامہ صاحب آپ تیار ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہم بالکل تیار ہیں۔ ہمیں ایک اور آدمی مل گیا۔ میں تو رات کو ساڑھے سات بجے پہنچ گیا مجھے تو کوئی اور کام نہیں تھا۔ تو علامہ صاحب آئے آ کر بیٹھ گئے۔ جب انہوں نے کام شروع کر دیا تو کہنے لگے کہ آپ مجھے کام کرتے دیکھتے رہیں اور پرنٹر کو کام کرتے دیکھتے رہیں۔ یہ جس طرح ہم ترجمہ کرتے ہیں اور ڈیڈ لائن دیتے ہیں اس کو دیکھتے رہیں۔ دیکھتا رہا میں آدھ گھنٹہ۔ جو بھی مجھے خبر دیتے تھے میں پڑھ لیتا تھا۔ آدھ گھنٹے کے بعد انہوں نے ایک ٹیلی پرنٹر سے خبر اتاری اور وہ خبر کوئی دو لائن کی تھی۔ کہ چلئے صاحب اس خبر کا ترجمہ کریں آپ۔ اگر اس میں سے کوئی لفظ مشکل ہو تو یہ پڑی ہے ڈکشنری نمبر ایک۔ اور اگر اس میں سے بھی نہ نکلے تو یہ ڈکشنری نمبر دو پڑی ہے۔ اس میں سے دیکھیں۔ اور اگر اسمیں سے بھی نہ نکلے تو یہ تیسری ڈکشنری علامہ حسین میر ہے۔ مجھ سے پوچھیں۔ خیر میں نے ترجمہ کیا تو وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ٹھیک ہو گیا۔ ڈیڈ لائن بھی میں نے دے دی۔ کہنے لگے کہ سرخی لگائیں۔ میں نے سرخی لگائی وہ بھی ٹھیک لگ گئی۔ تو انہوں نے کاتب کے ہیڈ کو آواز دی منشی لال دین تھے جو لاہور کے کاتب رہے ہیں بڑی دیر

تک ۔تو وہ کہنے لگے کہ لال دین کوٹھا خالی ہے۔کوٹھا وہ کہتے تھے جہاں اخبار کا نام لکھا جاتا تھا۔اس کے دائیں اور بائیں کی جگہوں کو۔انہوں نے جواب دیا جی کہ خالی ہے۔ کہنے لگے کہ دائیں طرف ان کی خبر لگادو جو یہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (صاحب) کی طرف سے آیا ہے۔اور جایئے جی آپ مرزا صاحب کو تار دے دیں۔ فصل لربك وانحر ۔اس طرح میرا لاہور میں سٹارٹ ہوا۔اور لاہور میں انقلاب میں سٹارٹ ہوا۔ لاہور انقلاب کی ایک دلگداز بات مجھے یاد ہے کہ یہ سالک صاحب کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔کمیونسٹ بھی ، احراری بھی یہ شورش ان کا شاگرد تھا۔عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمن لدھیانوی یہ سب آجاتے تھے۔وہ جب بھی میرے متعلق پوچھتے تھے تو سالک صاحب نے یہ کبھی بھی نہیں کہا کہ یہ قادیان سے آیا ہے بلکہ وہ یہ کہتے تھے کہ انہیں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے صحافت کی عملی تربیت کی غرض سے یہاں بھیجا ہے۔ ہوسٹ: آپ کی صحافتی زندگی کے بارہ میں پھر رجوع کریں گے۔ پہلے میں یہ چاہ رہا تھا کہ آپ سے اس معاملہ میں بھی بات ہو جائے کہ آپ کا شاعری میں شغف اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علم الکلام اور پھر آپ کی جماعتی شاعری کی ابتداء کے تاثرات ذرہ سامعین کے سامنے پیش فرمادیں۔

ثاقب زیروی: وہ راجہ بھائی بات یہ ہے کہ میں نے ساتویں جماعت میں تخلص رکھا تھا۔تو یہ سکول سے میں واپس آیا۔تو پتا چلا کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ہمارے ہاں آئے ہوئے ہیں، ابا جان کے دوست تھے۔اور اکثر پندرہ پندرہ بیس بیس دن تک ٹھہرا کرتے تھے۔تو ہم انہیں تایا جی کہا کرتے تھے تو انہوں نے ایک کپڑا اوپر لیا ہوا تھا۔تو اس میں مجھے بٹھا لیا۔اور کہنے لگے کہ سناؤ جی کہ کیا پڑھا ہے؟ میں نے انہیں بتایا جی کہ میں نے تخلص رکھ لیا ہے۔تو کہنے لگے کہ جی کیا تخلص رکھ لیا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ میں نے تخلص رکھا ہے ''ثاقب'' کہنے لگے کہ بڑا اچھا تخلص ہے۔ثاقب کے معنی چمکدار کے بھی ہیں۔ثاقب کے معنی تعاقب کرنے والے کے بھی

ہیں ۔مثقب ورمے کو کہتے ہیں۔اور ثقبہ اس پردہ کو کہتے ہیں جس میں سے پھاڑ کر روشنی نکلتی ہے ۔میں گھبرا گیااور میں نے کہا صاحب میں رکھ لوں یا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں نہیں ضرور رکھو۔تو یہ پہلی بات تھی کہ احمدیت کے بہت بڑے عالم سے میں نے تخلص سے بات کی ۔اس کے بعد، ہمارے ابا جان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ زیرہ آجاتے تھے تو لائبریری کے سامنے وہ میز اور دو کرسیاں لگا کر سامنے ایک دری بچھا دیتے تھے سڑک جارہی ہوتی تھی اور لوگ آ اور جا رہے ہوتے تھے ۔بڑے بھائی سے تلاوت کرواتے تھے مجھ سے نظم پڑھواتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ درثمین سے پڑھی جاتی تھی ۔یا کلام محمود سے پڑھی جاتی تھی ۔تو ایک تعلق پیدا ہوتا چلا گیا ذہنی طور پر اور وہ اکثر و معمول یہ تھا کہ ہم اسی طرح جلسہ میں، ان کی تبلیغ کا انداز ہی یہی تھا۔ جب میں ملازم ہوا تو ریسیشن کورٹ میں بھی میرا یہ عالم تھا کہ میں قادیان آتا تھا۔اور وہی کہ بس بہشتی مقبرہ میں چلا جانا اور آرام سے مسجد مبارک میں نماز پڑھنی مغرب کی اور چلے جانا۔ پینیتس میں جب میں آیا تو مولوی محمد سلیم صاحب کے پاس میں ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے کہا کہ میں اگلی صبح چلا جاؤں گا تو وہ کہنے گا کہ تم نوکری تو چھوڑ آئے ہو اب یہ ٹائپ کی چھٹی لے کر آئے ہوئے ہو تو کل کی بجائے پرسوں چلے جانا۔کل کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ کل خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں حضرت صاحب نے تحریک جدید کی توسیع کا اعلان ایک سال کے لئے کرنا ہے تو وہ جلسہ اٹینڈ کرلو۔میں نے کہا جی ٹھیک ہے کرلیں گے۔تو انہوں نے تحریک جدید کی جو بات کی تو میں وہاں سے نکل گیا باہر سٹیشن کی طرف اور میں نے کچھ شعر کہے۔تقریباً آٹھ شعر کہے اور واپس آکر میں نے انہیں کہا کہ مولانا میں نے ایک نظم کہی ہے۔اور ان کو دکھائی۔ انہوں نے کہا کہ نظم تو بہت اچھی ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر اچھی ہے تو پڑھوا دیں۔ بڑا شوق تھا کہ میری نظم حضرت صاحب کے سامنے پڑھی جائے ۔اور قادیان میں پڑھی جائے تو وہ کہنے لگے کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔اور اگلے دن صبح جلسہ سے پہلے میں کوئی ایک گھنٹہ پہلے پہنچ گیا تو حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب باہر ہی

بیٹھے ہوئے تھے۔ایک کنویں کے پاس۔وہ مسجد اقصیٰ کے پاس جو کنواں ہے۔سٹیج سے بہت دور۔تو میں ان کے پاس چلا گیا تو انہوں نے مجھے حسب معمول اپنے آغوش میں لے لیا۔میں نے کہا تایا جی بات یہ ہے کہ میں نے ایک نظم کہی ہے۔انہوں نے کہا کہ ہاں سناؤ میں نے سنائی تو کہنے لگے جی کہ یہ بہت اچھی نظم ہے۔ میں نے کہا جی کہ پھر پڑھوا دیں۔کہنے لگے کہ یار یہ کام بہت مشکل ہے۔ پڑھوانے والی بات بہت مشکل ہے۔اچھا تم یوں کرو کہ وہ شخص جو کونے میں کھڑا ہے نہ دور مسجد میں اس کے پاس جاؤ اور اس کو کہو کہ میں نے پڑھنی ہے۔تو ان دنوں مولانا ابوالکلام آزاد زیادہ سوار تھے۔تو میں اچکن اور کھدر کا پاجامہ پہنتا تھا۔اچکن تو خیر دوسری تھی۔

ہوسٹ: مجھے یاد ہے میں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے بچپن میں اس لباس میں۔

ثاقب صاحب: میں میاں صاحب کے پاس گیا تو اور کہا کہ میں نظم اچھی کہتا ہوں آپ دیکھ لیں، پڑھتا بھی اچھا ہوں۔آپ سن لیں بے شک۔تو انہوں نے نظم دیکھی تو کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے کہ تمہاری دوسری بات بھی ٹھیک ہو۔ کہنے لگے کہ میں تمہیں نظم پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں۔لیکن میری ایک شرط ہے۔ میں نے کہا جی ٹھیک ہے منظور ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا شرط تو سن لو۔کہنے لگے کہ وہ جو مسجد اقصیٰ کی سیڑھیاں ہیں تو ان کی دو برجیاں ہیں۔ میں دائیں طرف والی برجی پر کھڑا ہو جاؤں گا جب تم نظم پڑھنے لگو گے۔اور میری طرف دیکھتے رہنا اگر میں ہاتھ سے اشارہ کر دوں تو بند کر دینا۔کیونکہ اگر ذرہ سا تلفظ بھی بگڑ جائے تو حضور کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔تو میں یہ وہاں سب کچھ کہہ کر تایا جی کے پاس پھر آ گیا۔ وہ بہت دور بیٹھے ہوئے تھے۔ قادیان میں جلسوں کا معمول یہ تھا کہ نظم پڑھنے والا اور تلاوت کرنے والا حضور کے پاس ہی بیٹھتا تھا تا کہ ایک تو وقت ضائع نہ ہو اور دوسرا اس کو سانس نہ چڑھے اب میں وہاں بیٹھا تھا۔اب حضور تشریف لائے اور حضور نے پروگرام دیکھا اور فرمایا کہ مولوی غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس تلاوت کلام پاک کریں گے اور ثاقب زیروی توقف کے ساتھ نظم پڑھیں گے اب لوگوں نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنا

شروع کیا کہ ثاقب زیروی کون ہے۔تو میں تو وہاں تھا نہیں۔خیر جب حضور نے پھر دوبارہ تلاوت کے بعد اعلان فرمایا تو میں وہاں سے چلا اب لوگ سارے دیکھتے رہے کہ یہ کون ہے اب میرے جو اشعار تھے ان میں کچھ اصطلاحیں ایسی تھیں جو قادیان میں کبھی چلی نہیں تھیں۔ جب میں حضور کے پاس آ کر کھڑا ہوا تو مجھے حضور نے دو دفعہ یوں نیچے سے اوپر پورا دیکھا۔اوراس کا مجھے اس لئے بھی احساس ہے کہ جب حضور کا وصال ہوا اور خلیفہ ثالث کے پہلے جلسہ پر میں نے نظم پڑھی تو وہ اسی تاثر کا حامل تھا کہ

''مجھ کو بھولے گی کہاں وہ تیری بھرپور نگاہ
جگمگا اُٹھتا تھا جب فکر کا ایواں پیارے''

تو جب حضور نے دو دفعہ دیکھ لیا تو مجھے فرمایا کہ زیروی سے مراد زیرہ ضلع فیروز پور ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ وہاں میرے حدیث کے ایک کلاس فیلو رہتے ہیں مولوی اللہ بخش خان۔تو ان کو آپ جانتے ہیں؟ میں نے کہا جی میں ان کا بڑا لڑکا ہوں۔ کہنے لگے کہ اچھا پڑھو۔تو میں نے وہ نظم پڑھنی شروع کی۔تو اس کا جب پہلا شعر پڑھا۔کہ

ساغر بادا عرفاں پلا دے ساقی میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی
مجھ سے غم دیدہ پہ ہوجائے وہ چشم الطاف جگمگا اُٹھے میرے سارے ارادے ساقی

تو میں نے دیکھا کہ میاں صاحب وہاں سے غائب ہو گئے۔

مجھ سے غم دیدہ پہ ہوجائے وہ چشم الطاف
جگمگا اُٹھے میرےسارے ارادے ساقی

یہ شعر حضور نے مجھ سے دو دفعہ پڑھوایا۔

تجھ کو مولیٰ نے کیا اطہر رضا سے منصوب
یہ مہک گلشن عالم میں برسا دے ساقی

حضور نے اسے بھی دو دفعہ پڑھوایا۔

تجھ سے اقوام زمانہ کی ہے برکت منسوب　　میری بگڑی ہوئی قسمت بھی بنا دے ساقی
اور تو نے جاری کیا خم خانہ تحریک جدید　　اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی

حضور نے یہ شعر تین چار دفعہ پڑھوایا۔

اور اپنے ثاقب کو جو احساس کی دولت بخشی
تجھ کو اس لطف کی اللہ جزا دے ساقی

ہوسٹ: محترم میں کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ بچپن میں آپکی یہ نظم ہمارے لئے ایک قسم کا قومی ترانہ بن گیا تھا۔

ثاقب زیروی: وہاں سے جب میں نکلا تو جلسہ جب ختم ہو گیا تھا۔ دوست کھڑے تھے اور وہ مجھ سے ہاتھ ملا رہے تھے گویا میں انٹرنیشنل پوئٹ ہو گیا تھا۔ بازار میں آیا تو ہر شخص یہ پڑھ رہا تھا۔ مولانا فرمانے لگے مولوی صاحب کہ اب آپ ہم سے تو گئے۔ تو میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ کیسے گئے؟ تو کہتے کہ وہ بس میں سمجھتا ہوں۔ اتنے میں ملک عطاء الرحمان صاحب بھاگے بھاگے آئے۔ میں محمد نور صاحب کا جو چھوٹا سا ریسٹورانٹ تھا اس کے پاس ابھی پہنچا تھا۔ انہوں نے کہا جی کہ آپ کو میاں صاحب بلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ جی کہاں ہیں میاں صاحب۔ تو وہ کہنے لگے کہ میاں صاحب یہاں آجائیں گے آپ کھڑے رہیں۔ کچھ دیر بعد میاں صاحب آئے اور کہنے لگے کہ کل صبح 9 بجے آپ سے یہاں ملاقات ہو گی۔ میں نے کہا جی ٹھیک ہے ہو جائے گی لیکن رات کو جب میں وہاں پہنچا مولوی سلیم صاحب کے پاس تو ہم کھانا کھا کر لیٹ گئے۔ تو لیٹنے کے بعد ان کے دروازے پر دستک ہوئی تو مولوی صاحب باہر گئے اور انہوں نے کہا کہ آپ کو تین نوجوان بلانے آئے ہیں۔ جیپ پر ہیں۔ تو وہ تھے چوہدری غلام یٰسین صاحب اور حافظ قدرت اللہ صاحب اور ایک ان کے ساتھ نوجوان لڑکا تھا بچہ بارہ تیرہ سال کا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ صاحب!

میاں صاحب فرماتے ہیں کہ آپ ابھی اپنا کلام لے کر مسجد اقصیٰ میں پہنچ جائیں تقریری مقابلہ کا اجلاس شروع ہے۔تو میں نے کہا جی کہ بات یہ ہے کہ میرے سر میں درد ہو رہی ہے میں تو اب لیٹوں گا انشاء اللہ صبح ملاقات ہوگی۔تو انہوں نے کہا جی کہ وہ میاں صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر شاعر کچھ نخرے کرے تو اسے اُٹھا کر جیپ میں ڈال لینا۔تو اس بچہ نے کہا جی دیکھیں امی نے کہا ہے کہ ناشتہ کل آپ ہمارے پاس کریں۔میں نے کہا صاحب ناشتہ تو بہر حال کرنا ہے تو آپ کے پاس کریں گے لیکن آپ سے تعارف ہونا چاہیے۔تو حافظ قدرت اللہ صاحب نے کہا کہ آپ انہیں نہیں جانتے؟ یہ میاں طاری ہیں تو اس دن گویا خلیفہ رابعؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔اگلے دن وہاں جب میں مسجد اقصیٰ میں پہنچا تو وہاں غالباً ایک شاعر تھے پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب تو وہ تقریر کر رہے تھے۔ان کی تقریر رکوا کر میاں صاحب نے اعلان فرمایا کہ اس کے بعد ثاقب صاحب نظم پڑھیں گے اس کے بعد آٹھ یا نو نظمیں انہوں نے سنیں۔اگلے دن انہوں نے مجھے حضرت اماں جان سے ملوایا اس کے بعد پھوپھی جان سے ملوایا نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے اور میں تقریباً خاندان میں سب سے، میر محمد اسحٰق صاحب، گویا سب سے ملاقات ہوگئی۔اس کے بعد جماعتی محبت کی چاٹ تو لگ گئی تھی۔ابتداء میں میں نے خدام الاحمدیہ کے لئے نغمے لکھے۔

ہوسٹ: خدام الاحمدیہ نے بھی کتاب چھاپی ہے۔تقریباً اڑتالیس صفحے کی کتاب تھی۔

ثاقب صاحب: اور اس میں صرف جماعتی نظمیں تھیں میں نے خدام الاحمدیہ سے کہا تھا کہ آپ چھاپیں، آپ بیچیں آپ اس کی آمدنی وصول کریں۔میرا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ہمارے نغمے، ماہ کامل ایک نغمے۔میں نے کہا کہ مجھے اس کی صرف دس کاپیاں دے دیں۔تو ہمارے نغمہ کے بعد ماہ کامل چھپی۔اس کے بعد میں جب کارپوریٹر افسر تھا۔ایک دن واپس دورے سے آیا تو میری والدہ مسجد میں غالباً عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔اور نماز پڑھنے کے بعد وہ حقیقۃ الوحی پڑھ رہی تھیں۔تو مجھے کہنے لگیں کہ بیٹے تم شاعر بھی ہو اور اب تم جماعتی نظمیں بھی کہنے لگے ہو۔ یہ حقیقۃ

الوحی میں تو اتنے حقائق ہیں تو ان کو کیوں نظم نہیں کرتے؟ ان کو نظم کرو۔ تو میں نے کہا جی اچھا نظم کر لیں گے تو وعدہ تو میں نے کر لیا۔ لیکن مجھے کچھ سمجھ نہیں تھی۔ پھر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب جتنی بھی اردو میں تھیں وہ سب پڑھیں اور پھر عالم میرا یہ ہوتا تھا کہ میں باہر تالا لگوا لیتا تھا اور اندر بیٹھ کر نظم کہتا تھا۔ وہ کتاب پھر پنتالیس میں دورِ خسروی کے نام سے چھپی۔

ہوسٹ: بہت ہی معرکۃ الاراء کتاب ہے۔

ثاقب صاحب: پھر تقسیم ہوگئی تو یہاں جب میں آیا تو ہمارا علم کلام سرچشمہ حیات ابدی وہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ شعر کہ ''اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے'' لیکن یہاں آ کر اُصول کچھ عجیب تھا۔ یہاں شاعری کچھ اور ڈھب کی تھی۔ میں جب انقلاب سے فارغ ہو گیا اور حضرت صاحب بھی وہاں سے تشریف لے آئے۔ تو حضرت صاحب نے مجھے، جب سالک صاحب نے فارغ کیا مجھے جس دن۔ کہ سالک صاحب نے میئر صاحب سے کہا کہ میئر صاحب! ''منڈا تے اج جا ریا اے تے ایدی کوئی دعوت شاوت کریئے'' تو انہوں نے کہا کہ او نظیر تین چائے کے کپ لاؤ اور تین بسکٹ بھی لے آنا۔ یہ ہماری دعوت تھی۔ خیر میں آ گیا حضرت صاحب کے پاس اور ایک دن تو میں نے ریسٹ کی۔ اور اس سے اگلے دن میں حضور کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ بڑی آہ کھینچ کر کے کہ اب تو یہاں ہمارے پاس پورے بستر بھی نہیں ہیں۔ رتن باغ میں تھے ان دنوں حضور۔ کھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہوتا اچھی طرح۔ میں نے جو آپ کو صحافت سکھلائی تھی تو پروگرام یہ تھا کہ امرتسر سے یا گورداس پور سے ہم اپنا پرچہ نکالیں گے۔ اس پر اپنا بندہ بیٹھا ہوگا اور وہ چیک کرے گا اس کو۔ لیکن اب آپ میرے ساتھ پریس اٹیچی کے طور پر کام کریں اور پھر حضور نے فرمایا کہ یہ آپ کے استاد ایک خط دے گئے ہیں۔ تو خط میں نے کھولا ڈرتے ڈرتے کہ پتا نہیں کیا لکھا ہے انہوں نے، تاثر لکھا ہوگا۔ تو اس میں صرف دو فقرے تھے۔ کہ حضرت صاحب لیجئے سالک کا مثنیٰ حاضر ہے گویا انہیں اپنا وہ فقرہ یاد تھا۔ ابھی تک۔ حضور

نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ پریس اٹیچی کے طور پر کام کریں۔اب پریس اٹیچی کے طور پر کام کرنے کا مطلب تھا کہ چوبیس گھنٹے رہنا ہے وہاں۔جب چاہیں حضور بلالیں۔تو ایک دن وہاں پہلی دفعہ خواجہ ناظم الدین صاحب انجمن حمایت اسلام کے جلسہ سالانہ میں صدارت کے لئے تشریف لائے۔تو وہاں مشاعرہ ہوتا تھا اور انہوں نے مشاعرہ کی صدرات کرنی تھی۔ میں تو مدعونہیں تھا۔اوراس کی کچھ وجوہ تھیں۔ظفرعلی خان صاحب اور یہ تاثیر صاحب کچھ خفا ہو گئے تھے مجھ سے۔بہرحال میں نے حضور سے عرض کیا کہ حضور اگر اجازت دیں تو میں مشاعرہ سناؤں؟ میں نے کہا بعد میں حضور ملاحظہ فرمالیں۔تو انہوں نے کہا ہاں اجازت ہے۔تو میں وہاں چلا گیا۔چونکہ میں invited نہیں تھا۔کوئی نظم وغیرہ ساتھ نہیں لی اور وہاں جب پہنچے تو پریس گیلری میں بیٹھا میں۔پریس representative تو تھا میں۔پریس گیلری کے ایک کونے پر میں بیٹھا ہوا تھا اور دوسرے کونے پر م۔ش بیٹھے ہوئے تھے۔یہ ان دنوں ہمارے جنرل سیکرٹری تھے۔مشاعرہ چل رہا تھا اور مشاعرہ میں اکثر شعراء ہوٹ ہو رہے تھے۔جب صِبا برآبادی بھی ہوٹ ہو گئے تو اس کے بعد صرف رہ گیا تھا اسد ملتانی۔ وہ پڑھنے کے لئے بلوا لیئے گئے تھے۔اور پھر حفیظ جالندھری صاحب تھے۔تو م۔ش صاحب نے کہیں رُقعہ لکھ کر بھیج دیا۔اب سٹیج پر خواجہ ناظم الدین کے ایک طرف اے۔ڈی اظہر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک طرف یہ تاثیر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ان دنوں اسلامیہ کالج کے پرنسپل تھے۔

ہوسٹ: خواجہ ناظم الدین اس وقت وزیر اعظم تھے؟

ثاقب صاحب: وہ گورنر جنرل تھے۔تو انہوں نے رقعے میں لکھا کہ ہمارے پریس گیلری کے شاعر ثاقب زیروی کو بھی بلوایا جائے۔اے۔ڈی اظہر نے جو جواب دیا، وہ جواب جس نے لے کر م۔ش کو دینا تھا وہ (غلطی سے) مجھے دے گیا۔اس میں لکھا تھا کہ ابھی اساتذہ پڑھ رہے ہیں ،کیا آپ کا مقتدی دوست یہاں پڑھ سکے گا؟ تو میں نے م۔ش سے کہا کہ یہ تم نے کیا ظلم کیا ہے

بابا؟ اتنے بڑے جلسہ میں میں کیسے پڑھ سکتا ہوں؟ م۔ش نے کہا کہ اب تو پڑھنا پڑے گا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ نے ثاقب زیروی سے نہ پڑھوایا تو ہم آپ کی نیوز کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ اب اے۔ڈی اظہر اور تاثیر بیٹھے ہوئے ہیں اور گورنر جنرل کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں کل کو نہ کوئی تصویر چھپے اور نہ کوئی خبر چھپے تو ان کو تو مصیبت پڑ گئی۔ تو انہوں نے جناب اسد ملتانی کے بعد میرا نام پکار دیا کہ ثاقب زیروی صاحب کلام پڑھیں گے۔ اب انہوں نے مجھے کھینچ کر اور دھکے دے کر سٹیج پر بھیجا۔ میں ننگے سر تھا، حالانکہ میں ننگے سر کبھی بھی نہیں رہا۔ اچکن پہنی ہوئی تھی اور پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ وہاں جا کر میں نے اپنی نظم ایک پڑھی، جو پنتالیس میں مَیں نے حضور کی، یہاں بتیس ڈیوس روڈ لاہور پر اسلام کے اقتصادی نظام کی تقریری پر بھی پڑھی تھی۔

میں نے جب پڑھی اور اس کے درمیان میں جب دو بند پڑھ لیے تو ایک دھما کہ سا ہوا تو معلوم ہوا کہ عورتوں نے تنابیں توڑ دی ہیں اور وہ مردوں کے پیچھے آ کر بیٹھی ہیں۔ خیر میں نے وہ نظم ساری پڑھ دی۔ وہ بہت مقبول ہوئی۔ جب میں جانے لگا تو گورنر جنرل صاحب نے میری اچکن پکڑ لی۔ اور کہنے لگے کہ اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ ایک اور نظم سنائیں۔ میں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں تو invited نہیں تھا۔ یہ مجھے زبانی یاد تھی۔ تو میں نے پڑھ دی۔ تو کہنے لگے کہ نہیں نہیں ایک نظم تو بہر حال سنیں گے۔ تاثیر صاحب نے فوراً کہا کہ میں نے invitation تو ان کو بھیجی تھی پتا نہیں ملی کیوں نہیں۔ ایسے شاعر کو کیسے اگنور کیا جا سکتا ہے؟ خیر میں نے وہ دوسری نظم پڑھی وہ ہماری فرقان فورس باکسر کے قلعہ پر تھے ان دنوں اور میں اور مرزا ناصر احمد صاحب جب وہ خلیفہ نہیں تھے۔ جنگ جاری تھی اور ہم دو چار دوست وہاں گئے تھے۔ وہاں واپسی پر میں نے وہ نظم لکھی تھی ''پربت کے نظارے'' اور وہ پی۔ایم۔اے کے کورس میں شامل ہے۔ تو میں نے وہ نظم پڑھ دی تو اس پر پھر بڑی نعرہ بازی ہوئی کیونکہ وہ burning topic تھا ان دنوں۔ تو جب پھر جانے لگا تو خواجہ صاحب نے پھر روک لیا کہ ثاقب صاحب آپ تو جا ہی نہیں سکتے۔ میں نے

عرض کیا کہ اب تو کوئی اور مجھے یاد ہی نہیں زبانی۔تو کہنے لگے کہ پہلی نظم دوبارہ سنا دیں۔تو میں نے پہلی نظم پھر دوبارہ سنا دی۔

ہوسٹ: ثاقب صاحب اگر آپ مناسب فرمائیں تو اس مشاعرہ کی یہ یادگار نظم ''میرا جواب'' اس کے کچھ جو بھی ہمارے سامعین اور ناظرین کے لئے پڑھ کر سنا دیں۔اسی ترنم میں اور اسی فضا میں۔

ثاقب صاحب: تعمیل ارشاد تو میں کرتا ہوں۔لیکن ترنم وہ اس زمانہ کی بات کہاں۔نظم کا عنوان ہے ''میرا جواب'' ایک شاعر کے آداب محفل کا واسطہ دے کر جام شراب پیش کرنے پر

''میری نظر ستارہ گیر سکوں پسند و دلپذیر — جنوں نواز وغم شناس نیاز کے شپرز پاس
میں آشنا ہوں درد سے جہاں کے گرم وسرد سے — نشیب سے فراز سے ہر ایک سوز و ساز سے
زمیں کے دل کے راز سے فلک کی ساز باز سے — زمیں کے دل کے راز سے فلک کی ساز باز سے
سماں یہ خوشگوار سا یہ وقت پر بہار سا — گلوں پے یہ نکھار سا چمن پہ یہ اُبھار سا
یہ شوخ و چنگ محفلیں یہ نور پاس مشعلیں — یہ مست ناگ کاکلیں حسیں کھنکتی چھاگلیں
یہ رنگ و روپ یہ شباب یہ شوق کا حسین خواب — یہ حسن اتنا بے نقاب یہ آنکھ اتنی بے حجاب
یہ وقت کے ہیں شعبدے نہیں گر آج کل مٹے — سکوں سرخ سرخ سی خمار قیف کی پری
جنون میں بھری بھری اگر نظر میں جچ گئی — تو سب متاع ہوش گم یہ جوش گم خروش گم
تو رعب مغفرت مٹا خیال عاقبت گیا — خودی میں غرق ہوگیا سزا جزاء کا غم اُڑا
فلک سے خاک پر گرا نہ جاں رہی نہ تن رہا — مجھے ہے غم سے کھیلنا فلک کے وار جھیلنا
مٹانا اس شعور کو خمار زا سرور کو — خدا کے نام پر ہنسی خدا کے خوف کی کمی
یہ اہتمام عارضی یہ شعبدے ہما ہمیں — یہ میری ضد میں آئیں گے یہ مجھ سے منہ کی کھائیں گے
خدا کے نام پر ہنسی خدا کے خوف کی کمی — یہ اہتمام عارضی یہ شعبدے ہما ہمیں
یہ میری ضد میں آئیں گے یہ مجھ سے منہ کی کھائیں گے — اُٹھا زرا یا نہ اُٹھا یہ جنگ اور رباب اُٹھا

ہے اس کی لے میں دہریت ہے اس میں جذب شیطنت یہ رنگ چھوڑ چھاڑ کر یہ جام توڑ تاڑ کر
یہ نقش سب بگاڑ کر یہ میکدے اجاڑ کر نئی زمیں بناؤں گا نیا جہاں بساؤں گا
کہ جس کی پا کے اک جھلک ہمیشہ سلطنت فلک جہاں ملک بھی سر جھکائیں پورے آ کر گیت گائیں
جہاں ملے گی ہر گھڑی ہجاز کی کھنچی ہوئی میری نظر ستارہ گیر سکوں پسند و دل پزیر

ہوسٹ: یہ نظم اور اس کے بعد پھر۔

ثاقب صاحب: یہ باتیں ہیں تب کی جب آتش جوان تھا۔

ہوسٹ: لیکن اس کے بعد پھر میر صاحب کا تو مسئلہ بن گیا ہوگا۔

ثاقب صاحب: یہ تین نظمیں میں پڑھ کر اترا تو اے۔ڈی اظہر صاحب نے یہ announce کیا کہ اب مکرم حفیظ جالندھری صاحب اپنا کلام سنائیں گے۔تو کوئی بھاگا بھاگا سٹیج پر گیا اور ان کو بتایا کہ حفیظ صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اور وہ تشریف لے گئے ہیں۔اب میں بیٹھا تو مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ہوا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل اور بارش لطف و کرم اس قدر مسلسل تو دو تین ساڑھے تین بجے تک میں دستخط دیتا رہا۔پھر وہاں ایک دوست تھے برف خانے کے چوک پر رہتے تھے اظہر صاحب کونسلر بھی تھے شاید۔انہوں نے کہا کہ صاحب میری ڈیوٹی لگی ہے تو میں آپ کو گھر پہنچاؤں گا۔تو وہ مجھے گھر چھوڑ گئے۔گھر آ کر میں نے نماز پڑھی اور سو گیا۔اب حضور کی تو پریس ٹیچی کی 24 گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔9 بجے کے قریب میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب تشریف لائے۔تو فرمانے لگے، انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں اُٹھا تو فرمانے لگے کہ بھئی 9 بج گئے ہیں حضرت صاحب نے ناشتہ نہیں کیا۔میں گھر میں بھاگا جلدی جلدی کپڑے بدلے میں نے۔وہاں پہنچا تو حضور نے وہ سارے اخبار جو اس روز کے تھے اپنے سامنے پھیلائے ہوئے تھے۔خبروں پر سرخ نشان لگے ہوئے تھے اور جب میں نے دستک دی تو کہنے لگے کہ آ جاؤ اور فرمانے لگے کہ کیا تم ایک ہی مشاعرہ میں ہم سے روٹھ گئے؟ میں نے کہا

کہ حضور مجھے تو پتا ہی نہیں کہ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ تو شاید حضور کی دعاؤں کا طفیل ہے ورنہ میں تو وہاں ہی نہیں invited تھا۔ فرمانے لگے کہ یہ پڑھو کہ زمیندار نے کیا لکھا ہے، انقلاب نے کیا لکھا ہے، احسان نے کیا لکھا ہے۔ تو وہ فرماتے رہے۔ پھر ناشتہ ہم نے کیا۔

اس کے بعد جب اگلے دن ناظر صاحبان کی اور وکلاء صاحبان کی میٹنگ ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ ہمیں اس میدان میں ایک آدمی چاہیے تھا اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے دیا ہے۔ میں پرسنلی تیس روپے الاؤنس اپنی جیب سے انہیں دیا کروں گا۔ اور تم کوئی بڑا مشاعرہ نہ چھوڑنا۔

ہوسٹ: یہ آپ کو ایک قسم کا حکم ہو گیا۔

ثاقب صاحب: تو وہ کچھ دنوں کے بعد میں عرض کر دوں کہ لاہور سے باہر بھی جانا پڑا۔ وہ خواجہ صاحب تو مانوس ہو ہی گئے تھے۔ خواجہ صاحب نے دورہ کرنا تھا چٹا گانگ اور ڈھاکہ کا اور وہ جو ہلز تھیں ان کا وہاں انہوں نے انڈسٹریل نمائش بھی ایک کی ہوئی تھی اور اس میں مشاعرہ رکھا ہوا تھا۔ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ میرے والد صاحب تشریف لائے ہوئے تھے تو ان کو میں نے چیک اپ کروانی تھی۔ اور عجیب بات ہے پتا نہیں ان کی دعاؤں کے طفیل ہی تھا کہ میں تین سے چار بجے کے قریب آیا گھر تو وہ سیڑھیوں میں کھڑے مجھے کہنے لگے کہ ایک ڈاکیا تین چار دفعہ بیٹے آیا ہے۔ تو میں نے کہا کہ ڈاکیا تین چار دفعہ آیا ہے؟ کیا مطلب؟ کہنے لگے کہ وہ کہہ کر گیا ہے کہ میں پھر آؤں گا۔ تو میں وہاں کھڑا رہا اتنے میں وہ آ گیا۔ تو وہ TMO تھا پانچ سو روپے کا یا چار سو روپے کا مجھے یاد نہیں۔ اس میں لکھا ہوا تھا begin with this you are attending a mushayera at Chittagang, charter plane reaching tomorrow تو میں نے پیسے ابا جی کو پکڑا دیے تو فوراً حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور یہ ایک تار آیا ہے، ٹی۔ ایم۔ او۔ اور اے۔ ڈی اظہر صاحب نے وہاں سے، وہ ریلوے کے غالباً چیف اکاؤنٹنٹ تھے۔ تو حضور نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جاؤ اور جتنے

دن وہ وہاں کہیں ٹھہروو ہاں این ایم خان ہیں وہ آپ کا خیال رکھیں گے سعدی بھی وہاں ہیں۔تو اگلے دن شام کو چارٹر پلین آ گیا۔اطلاع آئی کہ چارٹر پلین میں، آیا تو میرے لئے تھا لیکن حفیظ جالندھری بھی اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔وہ اگلی سیٹ پر تھے اور میں پچھلی سیٹ پر تھا۔درمیان میں راستہ میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ان دنوں دہلی سے ہوکر جاتا تھا۔وہاں سے پھر اور رینٹ جاتا تھا۔ اور رینٹ ایئر ویز تھا۔چٹا گانگ پہنچ کر انہیں ڈر تو تھا کہ جونیئر شاعر ہے۔اور اس کے لئے چارٹر پلین آیا ہے اور میں تو سرکاری ملازم ہوں۔وہ ان دنوں سرکاری ملازم تھے۔وہاں وہ کسٹم والوں نے جب وہ بنگالی تھا تو اس نے پوچھا کہ صاحب دو نام تھے صرف۔ثاقب ''زیراوی'' اس طرح اس نے (غلط) پڑھا۔تو حفیظ صاحب نے بڑے contempt کے ساتھ کہا اے پوئٹ، اس کے بعد انہوں نے کہا حافظ جالندھری انہوں نے کہا کہ director moral Pakistan army's تو میرے منہ سے نکل گیا but not a poet اب حفیظ صاحب نے بڑے قہر سے دیکھا تو میں نے کہا جب چاہو، جہاں چاہو جس موضوع پہ چاہو کہہ لینا۔تو یہ چلے گئے وہاں، برگیڈ سے کوئی لینے آیا ہوا تھا انہیں۔مجھے نورالامین کے ہاں ٹھہرنا تھا۔چار گھنٹے آرام کیا پھر ہم اُٹھ کر وہاں چلے گئے۔چٹا گانگ میں رات کو مشاعرہ تھا۔اب عجیب بات ہے کہ خواجہ صاحب کی صدارت تھی۔اس میں انہوں نے اہتمام یہ کیا تھا کہ پینتیس منٹ کا مشاعرہ relay ہوگا یعنی ڈھاکہ والے بھی سن لیں۔تو انہوں نے خاص طور پر جو ڈائریکٹر آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ صاحب آپ یوں کریں کہ ایک ایک غزل سنا دیں اس relay کے پروگرام میں باقی مشاعرہ تو پھر چلتا رہے گا ہم نے بھی غزل سیلکٹ کی۔انڈیا سے فنا کان پوری اور جگر مراد آبادی آئے ہوئے تھے۔یہاں سے احسان دانش تھے، میں تھا اور حفیظ تھے اور کلیم ان کے ساتھ تھا شاگرد کے طور پر

ہوسٹ: کلیم عثمانی

ثاقب صاحب: تو جب میری باری آئی تو وہ جگر سے پہلے آئی، تو میں نے کہا کہ صاحب غزل

سنیئے تو خواجہ صاحب کہنے لگے کہ نہیں غزل نہیں سنیں گے۔ وہ نظم سنیں گے جو آپ نے ہمیں کراچی میں سنائی تھی۔ میں نے کہا حضور بات یہ ہے کہ یہ relay کا پروگرام پنتیس منٹ کا ہے۔ تو اس میں انہوں نے آس پاس request کی تھی۔ ٹھیک ہے ہم نظم سنیں گے۔ تو میں نے وہ نظم پڑھنی شروع کی۔ ''یاد دہانی'' تو جب وہ یاد دہانی کی نظم میں پڑھ رہا تھا تو صف اوّل سے ایک شخص اُٹھا اس نے سر پیٹنا شروع کیا اور باہر بھاگا اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔ تو اس کو اُٹھا کر لائے دیر کے بعد تو بعد میں پتا چلا کہ اس کی تین لڑکیاں وہاں غائب ہوئی ہیں۔ اور اسے وہ منظر سارا یاد آیا۔ خواجہ صاحب نے مجھے روک دیا اور کہا کہ پھر سے پڑھو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ حفیظ کو نہ فنا کانپوری کو نہ جگر کو سنا ہی نہیں گیا relay میں۔ وہ relay کے پروگرام کا سارا ٹائم میں لے گیا۔ چنانچہ مشاعرہ ختم ہوا۔ اگلے دن جب صبح اُٹھے تو پرچہ آیا ''آزاد'' تھا شاید اس کا نام غالباً تو اس میں ایک سرخی تھی کہ شاعر مرزائیت کا بنگال میں ورود۔ میں نے این۔ ایم خان کو وہ پرچہ بھیج دیا۔ میں نے کہا کہ یہ مہمان نوازی کے طور پر تمہیں بھیج رہا ہوں اور میں آج جا رہا ہوں سعدی کے پاس۔ تو میں پھر سعدی کے پاس چلا گیا۔ این۔ ایم خان صاحب اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ مجھے تو اس کا پتا نہیں یہ کسی نے بدمعاشی کی ہے۔ اور کس نے کی ہے میں نورالامین سے بات کرتا ہوں۔ این۔ ایم خان بڑے صاحب اختیار بھی تھے اور نورالامین پر غالب تھے۔ انہوں نے اس سے بات کی اور ''آزاد'' کے ایڈیٹر کو بلایا اور اس سے پوچھا۔ تو ایڈیٹر نے بتایا کہ یہ حفیظ جالندھری صاحب لکھوا گئے ہیں۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں ہے ہم تو ثاقب زیروی کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ اور یہاں ثاقب زیروی کو سنا گیا ہے۔ میں تو انہیں پسند کرتا ہوں۔ تو فیصلہ یہ ہوا کہ نورالامین نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ مشاعرہ سے پہلے ایڈیٹر صاحب معذرت کریں گے کہ ہم نے یہ غلط خبر چھاپی ہے۔ تعصب سے بھری ہوئی۔ حفیظ صاحب ڈھاکہ میں موجود ہوں گے لیکن مشاعرہ میں مدعو نہیں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً انتقام لے لیا۔ ورنہ ہماری تو کیا ہستی ہے؟

ہوسٹ: اچھا ثاقب صاحب میں کچھ عرض کرر ہا ہوں کہ یہ کچھ آپ کی بہت تاریخی نظمیں ہیں۔ مثلاً یہ والی اور یاددہانی اور پربت کے نظارے بھی۔ایک تو آپ نے سنائی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے سامعین کے لئے۔تو ان دونظموں سے بھی کچھ شعر تھوڑے سے سنا دیجئے۔ترنم کے ساتھ ہی اگر ممکن ہو سکے۔ثاقب صاحب: پربت کے میں ایک دو بند سنا دیتا ہوں۔لیکن ''یاددہانی'' تو پھر جب ذکر آئے گا تو پھر چلے گی۔یہ اصل میں پہلے تین چار بند تو ہیں وہاں کے مناظر کے، پہاڑی رستے، چھوٹے چھوٹے جتنے بھی ہیں۔ہوسٹ: یہ فرقان فورس میں بھی تھا۔جس زمانہ کا یہ ذکر ہے ۔میں اس وقت بارڈر پر تھا۔ثاقب صاحب:

پربت کے نظارے اُف توبہ افسوس کے ان سے دور ہوں میں
پربت کے نظارے اُف توبہ افسوس کے ان سے دور ہوں میں
شبنم کے دھلے گلزاروں میں چھن چھن کے ہواؤں کا آنا
پربت کے دمکتے سینے پر برکھا کا وہ موتی برسانا
جھرنوں کے حسیں فواروں کی جھلمل میں جنوں کا افسانہ
جھرنوں کے حسیں فواروں کی جھلمل میں جنوں کا افسانہ
پربت کے نظارے اف توبہ افسوس کے ان سے دور ہوں میں
جب سانولے کھیتوں کو چھو کر رنگین ہوائیں گونجتیں ہیں
جب سانولے کھیتوں کو چھو کر رنگین ہوائیں گونجتیں ہیں
تاریک خاموشی میں یک دم توپوں کی صدائیں گونجتیں ہیں
بے باک مجاہد جھومتے ہیں بے باک ندائیں گونجتیں ہیں
بے باک مجاہد جھومتے ہیں بے باک ندائیں گونجتیں ہیں
پربت کے نظارے اُف توبہ

آزاد مجاہد وادی میں جب شب کو ترارے بھرتے ہیں
آزاد مجاہد وادی میں جب شب کو ترارے بھرتے ہیں
اور چرخ کے پختہ کار ستارے آنکھ ملاتے ڈرتے ہیں
تکبیر کے نعرے سن سن کر بے موت ہی دشمن مرتے ہیں
تکبیر کے نعرے سن سن کر بے موت ہی دشمن مرتے ہیں

پربت کے نظارے اُف توبہ

کچھ پوچھ نہ ان دیوانوں کی یلغار پہ جب آجاتے ہیں
گردوں پہ غلیلیں کرتے ہیں کوہسار سے ٹکر کھاتے ہیں
باطل کو حزیمت ہوتی ہے دولت کے دھوئیں اُڑ جاتے ہیں
پربت کے نظارے اُف توبہ افسوس کے ان سے دور ہوں میں

آپ نے یہ ظلم کیا ہے۔

ہوسٹ: بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہے اور سامعین جو اس دور میں یہ چیزیں نہیں سن سکے تو کچھ تھوڑا بہت ان تک پہنچ جانا چاہیے۔ تبرک ہے۔ یہ تو آپ کے چٹا گانگ کے مشاعرے کی بات تھی۔

ثاقب صاحب: اس کے بعد Dawn Pakistan کے تحت مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ مجید لاہوریوں عظیم الشان مشاعرہ لکھا کرواتے تھے۔ تو سن اڑتالیس کی بات ہے کہ حفیظ نے وہاں کچھ حرکتیں کیں۔ تو اس کے بعد انہوں نے سوچا کہ اس کا توڑ یہ ہے کہ انڈیا سے شاعر بلائے جائیں اور ان کی publicity خوب کی جائے۔ چنانچہ فراق گورکھپوری کی اور جگر مراد آباد ی کی خوب خوب publicity ہوئی۔ انہوں نے دعوت قبول کر لی ہے انہوں نے فلاں دن آنا ہے، انہوں نے فلاں جہاز پر آنا ہے۔ یہ علیحدہ علیحدہ خبریں چھپتی رہیں۔ اچھے شعراء کو انہوں نے

اکابر کے ہاں ٹھہرایا ہوا تھا۔ میں نواب نورالدین حسین کے ہاں تھا۔تو میں پڑھتا تھا تو سوچتا تھا کہ یار شاعر تو ہم بھی ہیں اور خبر ان کی چھپتی ہے۔ بہرحال وہ کراچی میں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔خواجہ صاحب کے منہ پر انہوں نے مجھے مدعو کیا۔یعنی جو بعد میں بہت بے تکلف دوست ہو گئے۔محمد جعفری صاحب ادیب سہارنپوری یہ لوگ اس وقت تو مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ میں اور احسان اکٹھے سٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔نشتر صاحب کی صدارت تھی۔خواجہ ناظم الدین پہلے اور شعراء وغیرہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔

ہوسٹ: یہ جو پنجاب میں گورنر بھی رہے ہیں اس وقت وزیر ہونگے۔

ثاقب صاحب: جی ہاں اس وقت وزیر تھے۔انہوں نے جناب وہ اس وقت ساٹھ یا پینسٹھ شاعر تھے۔سندھ مدرسہ گراؤنڈ میں مشاعرہ تھا۔کم ازکم ساٹھ ستر ہزار کی public ہوگی۔بڑا ان دنوں میں شوق بھی تھا۔تو پچیسویں یا چھبیسویں نمبر پر انہوں نے میرا نام بول دیا۔ان کو خیال تھا کہ یہ شخص ہے تو صحیح کچھ۔لیکن اگر 25ویں نمبر پر پڑھ بھی جائے گا تو کون یاد رکھے گا ساٹھ تک؟ احسان صاحب نے مجھے بتا دیا۔میں نے کہا نہیں میں نہیں اُٹھتا۔انہوں نے دو ایک دفعہ نام بلایا پھر چپ رہے۔پھر اگلا بلا لیا۔پھر انہوں نے پنتالیسویں کے قریب مجھے بلایا۔تو میں پھر نہیں اُٹھا۔تو پھر جب تین چار شاعر رہ گئے، ایک جگر صاحب رہ گئے، حفیظ رہ گئے اور احسان رہ گئے تو مجھے بلایا گیا۔تو احسان نے کہا کہ نہیں میں پہلے جاؤں گا۔انہوں نے پتا نہیں کیا۔تو اس کے بعد پھر انہوں نے کہا کہ ثاقب زیروی صاحب سنائیں تو خواجہ صاحب بار بار انہیں کہہ رہے تھے کہ ثاقب زیروی کو بلاؤ، ثاقب زیروی کو بلاؤ تو میں اُٹھا تو انہوں نے کہا کہ بھئی ثاقب زیروی صاحب کو بلایا ہے۔محمد جعفری صاحب نے۔میں نے کہا جی مجھے جانے دیجئے میں پڑھتا ہوں۔اب جب میں نے وہ نظم پڑھنی شروع کی تو اسکا تاثر بہت گہرا ہوا۔اور زیڈ۔اے بخاری صاحب نے، میں دیکھ رہا تھا ان کو، نظر پڑی میری ان پر تو ان کو بہت تکلیف ہوئی اس بات پر غالباً، انہوں نے اُٹھ کر لائٹ

آف کردی۔ پنڈال میں، ساٹھ ستر ہزار کے پنڈال میں لائٹ آف ہو جائے۔ میں نے مائک پر تھوڑا سا knock کیا تو میں نے کہا کہ مائک چل رہا ہے۔نظم مجھے یاد ہے، آپ سنیں۔تو لوگ کھڑے ہو گئے سننے کے لئے۔اب جب وہ تاثر گہرا ہوا۔تو انہوں نے لائٹ آن کر دی تو میں بیٹھ گیا۔ میں نے نہیں پڑھی۔ میں بھائی عبد اللہ خان صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔تو زیڈ ۔اے بخاری بجائے اس کے کہ کوئی سرزنش کرتے وہ آ کر میرے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔وہ یونہی ہاتھ جا پڑا بس۔تو میں نے پھر دوبارہ وہ نظم پڑھی۔اس کے بعد جگر صاحب تھے، جگر صاحب بیچارے کی غزل نہیں سنی گئی۔ مجھے بڑا افسوس بھی ہوا۔وہاں بھائی عبداللہ خان صاحب ، بھائی صاحب میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ساڑے چار بجے تک تقریباً ہم autograph دیتے رہے۔

ہوسٹ: جناب یہ تو مشاعروں کی بات ہو رہی ہے۔

ثاقب صاحب: ہاں اس کے بعد پینسٹھ میں مجھے، مشاعرے تو زندگی میں چھوٹی موٹی نشستوں میں ہزاروں پڑھ ڈالے۔پینسٹھ میں آخری مشاعرہ دہلی میں پڑھا۔اس میں روش صدیقی تھے، فراق عرف پوری تھے، غلام محیی الدین تھے، علی سردار جعفری تھے۔یہ جوش ملیح آبادی اور جوش ملسیانی، عرش ملسیانی، شاہد عارفی اور سارے معروف یہاں لاہور سے، کراچی سے ماہر القادری گئے تھے میں تھا، احسان دانش تھے۔قتیل شفائی تھے۔شکیل تھے۔

ہوسٹ: فیض اور قاسمی کو بعد میں بلایا تھا۔

ثاقب صاحب: فیض اور قاسمی بعد میں آئے تھے تو وہاں مشاعرے تھے۔تین public مشاعرے اور چار نشستیں ہوئیں۔ایک تو public مشاعرہ تھا جو پہلے دن ہوا۔پھر Chelmsford Club میں ایک مشاعرہ ہوا۔ مجھے جاتے ہوئے یہاں ایئر پورٹ پر حکیم سعید مل گئے تھے۔تو انہوں نے ایک رکقعہ مجھے یونہی دے دیا کہ یہ میرے بھائی کو دے

دینا۔میں نے وہ رکاّ پڑھا تو نہیں ویسے ہی پہنچا دیا۔تو پھر ایک ہمدرد دواخانہ والوں نے ہمارے پاکستان کے شعراء کے اعزاز میں ایک مشاعرہ کیا۔وہ بڑا اچھا public تھا۔کھانا وغیرہ بھی کیا وہاں پر۔تو اس طرح وہاں محمد مالک رام سے ملاقات ہوئی۔ Chelmsford Club کے مشاعرے میں۔انہوں نے مجھے خود ہی تعارف کروایا کہ میں ''مالک'' ہوں میں نے کہا کہ محمد مالک رام ہیں نا؟ کہنے لگے ہاں۔وہاں جی جو بات ہوئی وہ یہ کہ آخری نشست ہوئی اس میں جو سجاد ظہیر جو تھے انہیں وہ بنے میاں کہتے تھے وہ لوگ وہاں۔وہ ڈیڑھ بجے نشست ختم ہوئی اور اس کے بعد کھانا شروع ہوا۔ڈیڑھ بجے تک لوگ پیتے رہے ہیں اور شعر بھی سناتے رہے ہیں۔عالم یہ تھا کہ میں اپنا گلاس اپنے قبضے میں کیا ہوا تھا کہ یہ اگر کسی شرابی کے پاس چلا جائے گا تو وہ پھر بو آئے گی۔جب نکلے تو کھانا ہوا،کھانے کے بعد سجاد ظہیر صاحب بڑے لڑھکتے لڑھکتے آئے۔ان کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا جو اپنے قابو میں نہیں تھا اور اس کا ایک کان کٹا ہوا تھا۔سوٹ وغیرہ اس نے پہنا ہوا تھا۔سجاد نے آکر مجھے کہا کہ ثاقب صاحب کل آپ دوپہر کا کھانا میری طرف آکر کھائیں۔میں نے کہا بنے میاں بات یہ ہے کہ آپ یہاں انڈیا کو represent کرتے ہیں۔میں یہاں پاکستان کو represent کرنے آیا ہوں۔آپ کے ہاں نہیں آسکتے۔میں اس تلخ جواب کی معذرت چاہتا ہوں۔میں نے کہا کہ سنا ہے کہ سارے ہاں کر دیتے ہیں لیکن آتا کوئی بھی نہیں ہے۔لیکن آپ کو بتانا چاہیے کہ آپ تو یہاں anti Pakistani ہیں باقاعدہ۔ورنہ ہم نے روی کے ہاں کھانا کھایا ہے Chelmsford Club والوں کے باوجود۔کوئی ایسا حرج نہیں تھا۔چنانچہ وہ بیچار، وہ اور اس کی بیوی ہٹ گئے تو وہ جو پیچھے آدمی کھڑا تھا وہ آگے آیا۔اس نے کہا کہ I'm High Commissioner of Pakistan here غالباً آصف اقبال یا عالم اقبال نام تھا اس کا۔اس نے کہا اسی خوشی میں کل سارے پاکستانی شعراء کا کھانا میرے پاس ہوگا۔تو اسطرح بس (ہوتا تھا۔)

پینسٹھ کے بعد میں جنگ ہوگئی اور تلخیاں پیدا ہوگئیں۔میرے ایک دوست تھے جو زیرے میں اسلام الدین سے پہلے تحصیل دار ہوتے تھے۔ ہرگردیال سنگھ۔اس نے مجھے وہیں دہلی میں اطلاع دی کہ میری بچی کی شادی ہے جو تمہاری بھی بچی ہے۔ بلکہ کلیم نے وہاں پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ یہ سکھ ہے ہرگردیال سنگھ راجہ صاحب سردار صاحب سردار حکم سنگ رئیس اعظم امرتسر تھے ان کا داماد تھا وہ۔ڈبل ایم۔اے تھا بیوی بھی ایم۔اے تھی۔ہم دورے پر اکثر جایا کرتے تھے تو دونوں اکٹھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم دورے پر گئے ہوئے تھے اور اس کی بیوی کو درد زہ شروع ہوگئی اس نے بہر حال پیغام بھیجا اور اسکی امی نے (ڈاکٹر) گھر منگوالیا اور وہ بچی پیدا ہوئی تو وہ وہاں اکیس دن رہے۔تو ہم جب امرتسر پہنچے تو واپسی پر آتے ہوئے تو اس نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں آج قادیان لے چلتا ہوں۔میں نے کہا نہیں اس طرح نہیں دیکھنا۔

ہوسٹ:اچھا ثاقب صاحب ہمیں آپ کی ایک اور بچپن میں یاد پڑتی ہے ایک اور بھی ادبی مشاغل کی ایک جہت تھی سب سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ کا کلام آپ نے جلسہ سالانہ پہ کچھ یاد ہے کہ پڑھنا شروع کیا تو حضور نے آپ کو اپنی نظم جو جلسہ سالانہ پر لکھتے تھے اس کے لئے آپ کو باقاعدہ دعوت ہوتی تھی اس کے متعلق کچھ بتاسکیں۔حضور کا عجیب انداز جو تھا وہ بہت ہی systematic تھا۔انتالیس میں میں نے عرض کیا تھا نہ کہ میں نے خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں نظم پڑھی تھی اس وقت حضور نے سمجھ لیا کہ یہ بچہ نظم پڑھ سکتا ہے۔تو ہم پچیس کو آئے زیرے کی جماعت کی ملاقات تھی۔میں نے جب مصافحہ کیا تو حضور نے فرمایا کہ آپ سے ایک کام بھی ہے۔

ہوسٹ:25 دسمبر یعنی جلسہ سے ایک دن پہلے۔

ثاقب صاحب:میں نے کہا جی حکم کریں۔فرمانے لگے کہ کیا آپ میری نظم پڑھ دیں گے کل؟ میں نے کہا جی زہے نصیب پرسوں پڑھنی ہے تو کل پھر لے جائیں۔لیکن معمول ان کا یہ رہا کہ اگر

انہوں نے نومبر میں نظم کہہ لی ہے تو مجھے خط جاتا تھا کہ میں نے یہ نظم کہی ہے یا دو نظمیں کہی ہیں۔ وہ فلاں تاریخ کو پڑھی جائیں گی کیا آپ پڑھ سکتے ہیں؟ پڑھ دیں گے؟ تو ظاہر ہے کہ ایک احمدی کیا لکھتا ہوگا کہ زہ نصیب اس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے۔ تو یہ ہر سال ہوتا تھا۔ با قاعدہ رجسٹری لفافہ آتا تھا۔ ہمارے بلکہ ایک دفعہ ہوا یہ کہ میں اپنے دیوان خانہ میں سویا ہوا تھا۔ اور ایک ہی ڈاکیا ہوتا تھا زیرہ کے قصبہ میں۔ تو اس نے دروازے کی درج میں سے خط پھینک دیا۔ اندر وہ زمین پر پڑا رہا۔ تو جب میں اُٹھا تو میں نے دیکھا کہ خط پڑا ہوا ہے اور اس کو میں نے کھولا وہ خط حضرت صاحب کا تھا۔

ہوسٹ: یہاں آپ نے ایک قطعہ بھی سنانا ہے۔

ثاقب صاحب: ہاں وہ آپ نے یاد دلوا دیا۔ وہ میں نے جواب ظاہر ہے کہ لکھا کہ حضور میرے لئے اس سے زیادہ سعادت کیا ہوسکتی ہے کہ میں حضور کا کلام پڑھوں وہ بلکہ مجھے یاد ہے کہ میں نے کلام الامام اور امام الکلام کی اصطلاح وہیں میں نے ہی شروع کی تھی۔ میں نے پھر لکھا کہ یہ خط کے ساتھ حشر ہوا ہے۔ میرے ساتھ ہوا ہے خط کے ساتھ تو نہیں ہوا۔ لیکن اس پر یہ قطعہ ہوا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے۔

ڈاکیا فرش زمیں پر پھینک کر خط چل دیا ڈاکیا فرش زمیں پر پھینک کر خط چل دیا
غیرت و توقیر کی شکنیں جبیں پر آگئیں سرپٹایا قلب تحقیر خط محمود پر
غیرت و توقیر کی شکنیں جبیں پر آگئیں کپکپائی روح، کانپا تن بدن بکھری نظر
جوہری بن کون جانے قیمت و قدر گوہر۔ اِک صدا آئی میرے پہلو سے اے شیریں سخن

ثاقب صاحب: جب میں پھر نظم لینے گیا تو حضور نے پھر اس کی بہت تعریف فرمائی۔

ہوسٹ: تھوڑا سا صحافتی دور کی طرف اگر آپ اجازت دیں تو ہم آئیں۔ تو آپ کا صحافتی دور تو مولانا سالک، مولانا غلام رسول مہر صاحب جیسے اساتذہ کے ساتھ شروع ہوا، چراغ حسن حسرت

وغیرہ، لیکن یہ جو ویکلیز کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا پارٹیشن کے بعد۔ پھر آپ کو بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ لاہور کا جو اجراء ہے اور لاہور کی جو ابتدا ہے اور پھر اس کی ارتقاء اور پھر اس میں جو بڑے بڑے سنگین ابتلاء بھی آتے رہے تو اس کا کچھ تھوڑا سا ذکر ہو جائے۔ ہمارے سامعین و ناظرین کے لئے۔ کیونکہ یہ بہت بڑا تاریخی حوالہ ہے۔

ثاقب صاحب: بات یہ ہوئی کہ میں جب انقلاب سے فارغ ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو جو حضور نے تبصرہ اس وقت فرمایا تھا کہ بڑی آہ کے ساتھ کے ہمارا تو پروگرام کچھ اور تھا لیکن حالات نے مجبور کر دیا ہے۔ اب آپ میرے ساتھ پریس ٹیچی کے طور پر کام کریں۔ تو اس سے میں نے سوچا کہ یہ صحافت جو میں نے سیکھی ہے وہ اضافی سا علم ہو گیا۔ لیکن وہ میں تھوڑا سا ہو گیا، انہوں نے کہا کہ تم الفضل میں خبریں بنا دیا کرو ایک صفحہ کی۔ تو وہاں بھی میں رات کو چلا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ''احسان'' میں بھی میں مضامین لکھتا رہا۔ پھر نوائے وقت میں بھی ایک مکتوب لندن لکھتا رہا وہ مجید صاحب کے دور میں۔ مجید نظامی غالباً وہاں تھے ان دنوں لندن میں تو یہ تراشے بھیج دیتے تھے تو میں مراتب۔ ایک دن پاک ٹی ہاؤس میں ہم بیٹھے تھے۔ میں، احسان دانش اور مولانا چراغ حسن حسرت۔ مولانا چراغ حسن حسرت ''امروز'' سے فارغ ہوئے تھے ان دنوں۔ چھوڑ دیا تھا انہوں نے۔ تو مجھے کہنے لگے کہ مولانا ہم کیوں نہ ایک شیرازے جیسا پرچہ نکالیں۔ میں پیسے اکٹھے کرلوں گا آپ ڈیسک پر بیٹھیں۔ اور یہ ہو جائے گا اور یوں کریں گے۔ یہ مولانا کے پروگرام تھے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے جی آپ تجویز کریں نام۔ تو نام تجویز کرتے کرتے پھر لاہور پر بات آ کر رکی۔ کہ لاہور نام ہونا چاہیے۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ ڈیکلریشن کے لئے نام دے دیں۔ تو میں نے درخواست دے دی اور اس کے بعد حضور نے مجھے ربوہ بلوا لیا۔ دو مہینے کے بعد وہ ڈیکلریشن تو ہمیں مل گیا۔ اور یہ مولانا کراچی ریڈیو اسٹیشن پر ملازم ہو کر چلے گئے۔ میں نے انہیں خط لکھا تو مجھے کہنے لگے کہ نہیں بھئی میں نے ملازمت کر لی ہے اور میری دعائیں آپ

کے ساتھ ہیں۔آپ نکالیں۔ میں نے کہا میں کیسے نکال سکتا ہوں؟ تو ہم ڈمی چھاپتے تھے اور میں وہاں وکالت تبشیر میں تھا۔حضرت صاحب کو کسی صورت پتا چل گیا کہ اس کے پاس ڈیکلیریشن ہے۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو۔ وہ ایک لمبی کہانی ہے۔اس کا ذکر یہاں موضوع نہیں۔تو حضور نے مجھے فرمایا کہ سنا ہے کہ تمہارے پاس ایک ڈیکلیریشن ہے۔تمہارے یہاں تو کسی سے بنتی نہیں۔ میں نے کہا کہ جی ڈیکلیریشن تو ہے لیکن حضور وہ لاہور کا ہے۔ ربوہ میں نہیں نکل سکتا۔ کہنے لگے نہیں نہیں ٹھیک ہے لاہور سے نکالو میں تمہیں ایک سال کی چھٹی دیتا ہوں۔ایک سال کی مجھے انہوں نے چھٹی دے دی۔ یہ وکیل التبشیر چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب کو تیسرے دن پتا چلا کہ وہ چھٹی پر چلا گیا ہے۔اب حضور فرمانے لگے کہ تمہیں پیسے کتنے چاہیں میں نے کہا کہ پیسے نہیں چاہیے بس دعا کریں۔ میں اس کو on my own کروں گا۔یہاں بیٹھتے تھے GPO کے سامنے bank square میں وہاں ایک ایڈوکیٹ تھے شکر اللہ خان نامی غالباً وہ مجھے کہنے لگے کہ ثاقب صاحب اچھے خاصے تمہارے مضامین پرچوں میں آرہے ہیں اور آفاق میں بھی چھپے ہیں دو چار ویکلی میں تو تم پرچہ کیوں نہیں نکالتے؟ میں نے کہا کہ ڈیکلریشن تو ہے پیسے نہیں ہیں۔ میں تو واقف زندگی ہوں اور 100 روپیہ مجھے ملتا ہے۔اس میں میرے بچے، لٹ کھٹ کے ہم آئے ہوئے ہیں ان کو وہی دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا پرچہ نکلال کر دیکھو۔تو انہوں نے مجھے دوسو روپے دیئے۔ کہ یہ میرا اشتہار چھاپ دینا۔ان دنوں میں پانچ روپے کا news print آتا تھا۔ چوبیس صفحے کا وہ پرچہ فل نکالا۔اس وقت دو مہینے کا مارجن ہوتا تھا۔اب تو پندرہ دن کا ہے۔ پرچہ جب نکلا تو میں وہ لے کر کراچی چلا گیا۔ بھائی جان کو دکھایا۔ بھائی عبداللہ خان کو۔تو وہ کہنے لگے کہ یار ثاقب اگر اس جیسا پرچہ نکل آئے جماعت کا تو اور کیا چاہیے؟ اچھا تم بتاؤ حساب لگا کر کہ کتنے پیسے اکٹھے کر لیں تو پرچہ چلتا رہے گا؟ میں نے یونہی اس وقت کہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں اور خیال یہ تھا کہ ساری عمر ایسے ہی چلے گا۔ میں نے کہا کہ تین مہینے کا خرچہ تین ہزار روپے اکٹھا کر

دیں تو پھر میں پرچہ بند نہیں ہونے دوں گا۔ کہنے لگے کہ اب کیا پروگرام ہے؟ تو میں نے کہا کہ اب میں خواجہ صاحب سے ملنے جارہا ہوں کیونکہ ان کا حکم تھا کہ ایک رات میرے پاس ٹھہرو۔ میں وہاں گیا۔ تو میں نے وہ خواجہ صاحب کو پرچہ دکھایا۔ اس کے پہلے صفحہ پر قائداعظم کی تصویر تھی اور آخری صفحہ پر خواجہ ناظم الدین کی تصویر تھی تو وہ جب میز پر بیٹھتے تھے تو صرف چہرہ نظر آتا تھا چھوٹے قد کے تھے فائلیں اتنی اونچی ہوتی تھیں کہ بعض دفعہ وہ پورے ہی نظر نہیں آتے تھے تو وہ ہنسے اور اُٹھ کر وہ پرچہ لے کر اندر چلے گئے اور اندر کوئی پانچ منٹ رہے اور پھر واپس آئے تو کہنے لگے کہ شاہ بانو کو وہ پرچہ بہت پسند آیا ہے۔ شاہ بانو ان کی بیگم کا نام تھا۔ اور ایک توقف کے بعد کہنے لگے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ہماری طرف سے ثاقب صاحب کو پانچ سو روپیہ پیش کرو۔

ہوسٹ: یہ ان کے گورنر جنرل کا پیریڈ ہے۔

ثاقب صاحب: جی یہ ان کے گورنر جنرل کا پیریڈ ہے۔ تو انہوں نے مجھے پانچ سو روپیہ دے دیا۔ پھر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہنسے وہ بڑے اونچے سے۔ اور جب وہ ہنستے تھے تو بڑی عجیب وغریب سی آواز نکلتی تھی۔ اور کہنے لگے کہ لیکن ہم شاہ بانو کے میاں ہیں۔ ہم ایک ہزار روپیہ دیں گے۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار روپیہ دے دیا۔ میں نے کہا کہ چلو 50% تو ہو گیا۔ صبح میں آیا بھائی جان کے پاس تو میں نے کہا کہ بھائی جان میں تو 50% ر آیا ہوں۔ آپ نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تیرہ سو روپے کے ایڈوٹزمنٹ کے ڈرافٹ ایڈوانس میں لے لئے ہیں۔ اب رہ گیا ہے دوسو روپیہ۔ انہوں نے اپنی اچکن کی جیبیں دیکھیں اور دوسو روپیہ کر کے مجھے دے دیا۔ اور کہا کہ دیکھو اس میں سے تم نے خرچ نہیں کرنا۔ یہ لاہور پے لگے گا۔ ٹکٹ تمہاری میں لوں گا یوں صاحب وہ ''لاہور'' ہم نے جاری کیا۔ اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر چلا تھا کہ 53ء آ گیا۔ 53ء میں پرچے بند ہو گئے اور ''لاہور'' بھی بند ہو گیا۔ تو اس میں انہوں نے حمید نظامی صاحب نے مجھے بتایا کہ بھئی تمہارا پرچہ بھی بند ہو گیا ہے۔ خیر جب گھر پہنچا تو انہوں نے بتایا کہ

وہ دفتر والوں کے بھی رجسٹر وغیرہ اُٹھا کر لے گئے ہیں تو ایک تھانے دار صاحب آئے تھے وہ تین دفعہ کل آیا ہے۔ اور اس نے کہا ہے کہ جناب کہ مجھے دھوپ میں کھڑا کرتا ہے وہ تو خدا کے لئے انہیں بدلو۔ میں پنڈی سے آیا اور میں نے اسے کہا وہ میرا واقف تھا نولکھا تھانے میں غالباً وہ اس وقت محرر ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ جب میں آیا ہوں 1946ء میں اب وہ اے۔ ایس۔ آئی تھا۔ تو اس نے کہ اب ناشتہ واشتہ نہ کریں خدا کے لئے میرے ساتھ چلیں مجھے اس نے کل دو گھنٹے دھوپ میں کھڑا رکھا ہے۔ تو ہم دونوں سائیکلوں پر چلے یہ جان کی داس سیکٹر تھا وہ نیچے اُٹھتا ہے وہ ایبٹ روڈ سے نیچے نیچے سڑک پر تو جب ہم نیچے اترنے لگے تو ایک جیپ آرہی تھی اور اس پر تین پھول لگے ہوئے تھے ایک شخص کے ایجوٹینٹ تھا غالباً تو اس نے کہا کہ ثاقب صاحب آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو میں نے کہا صاحب یہ صوبے دار صاحب لے جارہے ہیں پتا نہیں کہاں لے جارہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صوبے دار صاحب یہ ان کی سائیکل لے جاؤ ہم ناشتہ کر کے آتے ہیں۔ ہم وہاں پیراماؤنٹ میں بیٹھے اور ناشتہ واشتہ کیا۔ پھر چلے گئے اور اب جا کر اس کے ٹینٹ میں بیٹھ گئے اور میرا منہ تو اس کی طرف تھا اور اس کا منہ دروازے کی طرف تھا جو دروازہ بنایا ہوا تھا ٹینٹ کا آخر اس نے وہ تھانے دار کو بلوایا کسی طریقہ سے اور اسے کہا کہ تم وہ مدیر، ایڈیٹر لاہور کو پھر نہیں لائے۔ تو اس نے کہا کہ صاحب یہ بیٹھے ہیں آپ کے پاس۔ تو وہ مجھے کہنے لگا کہ ثاقب صاحب آپ لاہور بھی نکالتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ تو کہنے لگا کہ ہمیں تو آرڈر ملا ہے کہ آپ کو محفوظ کر لیا جائے۔ میں نے کہا کہ کر لیں پھر۔ کہنے لگا کہ ہمارے پاس تو محفوظ کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جیل میں بھیج دیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ وہ تو میرا بھائی بھی جا چکا ہے۔ مرزا ناصر احمد صاحب بھی گئے ہوئے ہیں اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب بھی گئے ہوئے ہیں۔ تو اب کیا ارادے ہیں؟ تو کہنے لگا کہ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ چلے جائیں لاہور سے باہر۔ تو میں کراچی چلا گیا وہیں ٹھہرا بھائی جان کے پاس۔ پھر ایک دن خواجہ صاحب سے ملنے گیا غالباً پانچ مارچ کو۔ تو انہوں نے آپس میں بات کی

شاہ بانو کے ساتھ کہ ثاقب صاحب کل چلے جائیں گے جی۔تو اس سے مجھے معلوم ہوا کہ مارشل لاء اُٹھ رہا ہے۔تو میں واپس آ گیا۔تو پرچہ چونکہ میرے پرچے پر لکھا ہوا تھا کہ within martial law areaاس لئے میں نے فوراً وہی نکال کر رکھ دیا مارکیٹ میں۔اصل اس کی بندش کی وجہ بعد میں پتا چلی ایک تو مداخلت تھی اور دوسری اس میں میں نے ایک ایڈیٹوریل لکھا تھا۔خاک اورخون کی ہولی کا آغاز اس میں اشارہ کیا تھا کہ یہ سرکار دولت بازار گرا رہی ہے۔تو دولتانہ صاحب نے آخری آرڈر جو کیا وہ لاہور کے بین کرنے کا تھا جس پر مارشل لا جب ایشو کیا تو within martial law لکھ دیا۔تو پھر مجھے ڈیکلیریشن نہیں لینا پڑا۔اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس کے بعد اس سے پہلی کچھ highlights تو بہت زیادہ ہیں۔چند ایک میں عرض کر دیتا ہوں۔مثلاً ایک دفعہ یہ ہوا کہ میں ربوہ گیا تو میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے پاس ٹھہرا کرتا تھا۔میں گیا تو آپا جان نے بتایا کہ وہ تو وہ کھڑے ہیں چھت پر۔میں وہاں گیا تو وہ کھدر کی شلوار اور کرتا پہنے ہوئے چھتری لے کر کھڑے تھے۔میں نے کہا میاں صاحب یہ کیا ظلم ہے؟ کہنے لگے کہ میں گاؤں گاؤں پھر کے پیسے اکٹھے کر کے لایا ہوں اب میں ٹھیکیداروں کو دے دوں تو یہ کالج کی عمارت تو خراب ہو جائے گی اور تمہارے نشتر صاحب نے تو ہماری گرانٹ بھی بند کر دی ہے۔میں نے کہا جی ہمارا نشتر دار سے کیا مطلب؟ میرا کوئی رشتہ دار ہے وہ؟ جتنا آپ کا رشتہ دار ہے اتنا ہی میرا ہے۔کہنے لگا کہ وہ تمہارا شاعر دوست تو ہے تو میں نے کہا کہ اگر آپ کو گرانٹ مل جائے تو پھر؟ تو کہنے لگے ایہہ مل جائے گی۔انہوں نے بند کر دی ہے۔خیر میں نے ان سے بات تو نہیں کی میں گیا اور میں نے ایڈیٹوریل لکھا۔نہیں ایڈیٹوریل نہیں۔مقالہ اس میں چھاپا

”کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد“

اور اس میں ضمناً ذکر کیا کہ یہ بہترین کالج تھا سارے برصغیر میں قادیان کا اور وہاں سے وہ اکھڑے اور ایف سی کالج کے اصطبل میں جگہ دی گئی ہے۔وہاں سے جب وہ نکلے تو ڈی۔اے

۔وی کالجز کی کوئی کھڑکی نہیں تھی، کوئی دروازہ نہیں تھا اور کوئی روشن دان نہیں تھا۔ وہاں ملی۔ جب انہوں نے وہ بنالیا تو کہنے لگے کہ یہ اسلامیہ کالج والوں کو دینا ہے تو پھر وہ ربوہ میں آئے۔ اور اب ربوہ میں نشتر صاحب نے گرانٹ بھی بند کر دی ہے۔ پرچہ ان دنوں پتا نہیں کیسے نشتر صاحب کو اگلے دن پہنچ گیا۔ اور شام کو انہوں نے مجھے بلا لیا۔ اور انہوں نے بڑے آرام سے کہا کہ دیکھو ثاقب یہ تم نے بڑی زیادتی کی ہے تم مجھے لکھتے، مجھے تو پتا نہیں تھا کہ گرانٹ بند ہوئی ہے۔ لکھ دیتے۔ تم نے تو مقالہ ہی لکھ دیا۔ میں نے کہا کہ جناب میں کیسے گستاخی کر سکتا ہوں آپ سے ملنے کی۔ کہنے لگے کہ اچھا ایک بات سن لو گرانٹ چلی گئی ہے۔ رسید آ گئی ہے۔ خیر جب وہ پہنچے، تو لاہور کو دو سال ہو گئے تھے۔ میں نے حضرت صاحب کو پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم آ جاؤ صبح کیونکہ حضرت صاحب مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ مضمون کس نے لکھا ہے؟ مجھے تو پتا نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ پتا تو مجھے بھی نہیں ہے۔ میں نے تو قلمی نام لکھا ہے اور فرضی نام لکھا ہے۔ کہنے لگے کہ تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ حضور فرمانے لگے کہ مبارک نے یہ خط لکھا ہے کہ لاہور نے تو حد کر دی ہے۔ اور ناصر نے کہا ہے کہ ہمیں گرانٹ مل گئی ہے۔ یہ تو بہت اچھا ہو گیا ہے اور یہ تو الفضل سے بھی بہتر کام ہوا ہے۔ تو حضور نے اسی دن مجھے وقف سے فارغ کیا۔ لکھا کہ ہم ثاقب صاحب کو وقف سے باعزاز فارغ کرتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو وقف سمجھیں۔ تو وہی چیز پیش نظر ہے اب تک۔

اس کے بعد پھر ایک کتاب آئی۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب۔ نواب کالا باغ ان دنوں گورنر تھے۔ ضبط ہوئی۔ وہ ذاتی طور پر مجھ پر بڑے مہربان تھے۔ میں نے بھی ایڈیٹوریل لکھا۔ اور وہ ''مرحوم دلآزاری کی آڑ لے کر'' یہ عنوان تھا اس کا۔ واجد عباسی ان دنوں یہاں چیف سیکرٹری ہوتے تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا اور کہنے لگے کہ یار یہ تم نے کیا ظلم کیا ہے؟ پرچہ ویسے تو میں پسند کرتا ہوں لیکن یہ تو ضبط کرنا پڑے گا۔ آؤ جواب دو۔ پھر انہوں نے خط لکھا اور

اس پر گیارہ دن کی میعاد ابھی باقی تھی تو میں نے ایک نظم لکھ دی۔ ''تقدیس کی لو ضبط، ارادت کی جلا ضبط'' ضبط اس کی ردیف تھی۔ فرنٹ پیج پر چھاپ دی۔ میں نے کہا کہ اب پرچہ تو ہونا ہی ہے کیوں نہ کھل کر ہی چھاپ دیں۔ کہنے لگے کہ یار یہ تم نے کیا کیا۔ اب میں ان کو دلائل دے رہا ہوں۔ تو وہ مان نہیں رہے کہ ضبط نہیں ہونی چاہیے کتاب۔ آخر میں نے انہیں کہا۔ دیکھیئے ایک بات۔ ایک لمحہ کے لئے اگر اتفاق کر بھی لوں میں آپ کی بات پر کہ حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں کوئی صداقت نہیں ہے تو اگلے لمحہ میں آپ سے مطالبہ کروں گا کہ ان کو ضبط نہ کرنا ورنہ لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھا کریں گے کہنے لگے کہ یہ معقول چیز ہے۔ یا پتا نہیں اس نے کیوں پسند کی۔ میں آیا اور میں نے کوثر نیازی کو دفتر میں بلایا کہ مچھلی کا یہ بہت رسیا ہے۔ مچھلی کھانے کا۔ تو بہت زیادہ کھلا دی۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ یار تم بڑے عجیب بے غیرت لوگ ہو۔ کتاب جو انگریز کے خلاف ہے۔ ستر سال سے انگریز برداشت کر رہا ہے۔ تم لوگوں نے اس لئے ضبط کر لی ہے کہ مرزا غلام احمد کی کتاب ہے اور تم لکھ نہیں سکتے ہو اس کے اوپر۔ کہنے لگا کہ لکھ تو میں نہیں سکتا۔ تو میں نے کہا کہ پرسوں ایڈیٹر کانفرس ہے اس میں کہہ دو۔ میں نے کہا کہ تم کہہ دینا۔ میں نے کہا کہ میں تو کل مل کر آیا ہوں۔ عباسی کو۔ اس کے بعد میں نے شورش سے بھی حساب رکھا۔ کہ اس کو بھی confidence میں لینا چاہیے۔ وہ تصویر بھی اس کی چھپی تھی۔ پریس کانفرنس شروع ہوئی تو میرے ایک طرف شورش بیٹھے ہوئے تھے اور ایک طرف کوثر نیازی بیٹھا ہوا تھا۔ تو کوثر نیازی نے اتنا کہا ضرور کہ جناب وہ مرزا غلام احمد صاحب کی ایک کتاب ہے ''سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب'' اتنے میں احمد بشیر اے۔ پی۔ پی کے تھے انہوں نے کہا کہ حضور ڈھیر لگ گیا ہے ہمارے پاس خطوط کا۔ مجید نظامی نے بھی یہی کہا۔ کہ جی ہمارے پاس بھی آ گئے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ محمد علی شاہ کو بلاؤ۔ محمد علی شاہ غالباً سراج الدین کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ تو وہ یہ ہوم سیکرٹری تھے۔ اس کو بلایا کتاب کا notification کر دو اور وہ باگزار کر دو۔ تو مجھے یاد ہے

جب ہم باہر آئے تو میرا چہرہ دیکھ کر میاں رفیع ان دنوں خدام کے صدر تھے۔ تو یہ جلدی سے بھاگ کے کار میں بیٹھ کر انہوں نے کہا دوڑو جی۔ اس کے بعد پھر ایک اور کتاب ضبط ہوئی۔

ہوسٹ: بڑی زبردست achievement تھی یہ۔

ثاقب صاحب: ایک غلطی کا ازالہ۔ وہ ضبط ہوئی۔ نواب صاحب حالانکہ قدم اُٹھا کر واپس جانے کا قائل نہیں تھا۔ لیکن اس نے کیا۔ پھر سب سے بڑی qualification جو میں سمجھتا ہوں وہ 74 کے بعد ہوئی۔ 74ء میں جب amendment ہوئی۔ جماعت کے خلاف۔ تو میں مقامی کثیر الاشاعت پرچوں کے ایڈیٹروں سے ملا۔ انہوں نے کہا تمہارا عقیدہ اپنی جگہ۔ ہمارا اپنی جگہ۔ لیکن ہمیں غلط طور پر پیش نہ کرو۔ حکومت کے کہنے پر مجھے پتا ہے کہ فلاں پرچے نے اتنا لیا۔ اور فلان پرچے نہ اتنا لیا۔ نیوز پرنٹ لیا۔ جو بھی کچھ ہے۔ ٹھیک ہے تمہارا business ہے تم کرتے رہو۔ لیکن عقائد سے نہ کھیلو۔ تو انہوں نے کہا کہ میاں بات یہ ہے جو ماحصل تھا اس گفتگو کا کہ یہ ہمارے ایمان کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں آپ سے تعاون نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ میرا آج سے آپ کی مدیران جرائد کی کسی انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رات کو پھر میں سوچتا رہا کہ پھر ہم ادبی پرچہ کیوں نکالتے ہیں؟ ہمارے بھی تو ایمان کا معاملہ ہے۔ تو اس دن سے اگلے دن ''لاہور'' نے اپنی پالیسی بدل لی۔ تو ہوا یہ اس وقت کہ amendment سے پندرہ دن پہلے بھٹو صاحب نے ''لاہور'' پر بندش لگا دی تھی۔ پھر ہم نے رٹ کی اور رٹ سے بحال ہوگئی۔ تو پھر جو پہلا پرچہ نکلا تو اس میں باقاعدہ ہم نے مبارزت شروع کر دی۔ پھر انہوں نے ریڈیو پر بندش کی۔ ٹی۔ وی پر بندش کی اور وہ سب چلتے رہے۔

ہوسٹ: وہ تو ایک لمبا دور ہے۔ لاہور کا پھر ایک سفر ہے۔ جو طویل ہے تو اس کی طرف بعد میں آئیں گے۔ میرے ذہن میں آیا تھا کہ ایک لینڈ مارک آپ کی صحافتی زندگی کا وہ بھی ہے جب اس سے بھی پہلے ایک پیریڈ ایک واقعہ ہے جو میں چاہ رہا تھا کہ highlight ہو جائے حضرت مصلح

موعودؓ کے جو جلسے ہوئے، جو دہلی کا جلسہ تھا وہاں آپ کی ایک معرکۃ الآراء نظم اسی وجہ سے ہوئی۔ اس کا واقعہ پیش فرما دیں۔

ثاقب صاحب: اس نظم کا شانِ نزول بڑا عجیب ہے اس نظم کا۔ بات یہ ہے کہ حضرت مصلح موعود ؓ ہونے کا رؤیا حضور کو لاہور میں ہوا۔ اس کے بعد جو جلسے ہوئے چار، ہوشیار پور میں، لدھیانہ میں، لاہور میں اور دہلی میں۔ ہوشیار پور کا تو مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ جلسہ کب ہے۔ اس لئے نہیں جا سکے، لیکن باقی تینوں میں نے اٹینڈ کیئے۔ تینوں میں حاضر بھی ہوئے۔ بعض جگہ چھٹی لے کر اور بعض جگہ بغیر چھٹی کے چلے گئے۔ تو دہلی کے جلسہ میں بھی ہم بغیر چھٹی کے ہی چلے گئے تھے۔ خیال یہ تھا کہ رات کو جلسہ ہوگا۔ رات کو ہی گاڑی میں بیٹھیں گے اور صبح تک حاضر ہو جائیں گے۔ لیکن وہ جلسہ اپنی نوعیت کا عجیب جلسہ تھا۔ جہانگیر پارک میں غالباً تھا۔ تو کوئی دو سے اڑھائی ہزار کے قریب افراد نے ہلہ بول دیا اس جلسہ میں۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ابھی تلاوت کر رہے تھے۔ کہ انہوں نے اندر سے شور مچانا شروع کیا لیکن بڑے گرم جوش نوجوان بیٹھے تھے وہاں تو انہوں نے ان (شور مچانے والوں) کو اُٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اب انہوں نے جو فساد شروع کیا تو کوئی گھنٹہ ڈیڑھ کے بعد ابھی حضور کی تقریر جاری تھی تو وہ جمع غفیر آ گیا جی۔ انہوں نے پہلے چھوٹا سا پتھروں سے حملہ کیا ادھر میاں احمد تھے اور چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب تھے۔ ان کو زخمی کیا۔ عورتوں کے پنڈال میں نگران تھے وہ۔ ہمارے تو وہ پتھر لگا ہی رہے تھے پتھر وغیرہ پھینک رہے تھے۔ ہم نے اس دوران ایک کوشش کی، ایک دوست آیا اور وہ کہنے لگا کہ میاں منیر احمد کا فرنیچر ہاؤس قریب ہی ہے وہاں گینتیں پڑی ہوئی ہیں تو وہ ہم اُٹھا لائے۔ کوئی ساٹھ ستر تھیں۔ اور اتنے ہی ہم آدمی تھے۔ چوہدری ظفر اللہ خان ان دنوں وہیں دہلی تھے۔ انہوں نے پولیس کو فون کیا۔ تو پولیس والوں نے غالباً ڈپٹی کمشنر کو فون کیا۔ تو انہوں نے نتھو رام مجسٹریٹ کو بھیج دیا۔ نتھو رام مجسٹریٹ آیا تو اس نے دیکھا کہ اتنا بڑا مجمع یہ تو ڈسپرس نہیں ہو سکتا۔ تو مرزا ناصر احمد صاحب اس

وقت پاس کھڑے تھے اور وہ خدام الاحمدیہ کے صدر بھی تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ سے نہیں ہوسکتا تو ہم کر لیتے ہیں۔ میں آپ کو پانچ منٹ دیتا ہوں اور اگر آپ نہیں کرسکیں گے تو ہم کرلیں گے تو ہم نے پینتیس نوجوانوں کی دو لائنیں لگوا لیں۔ اور جب دو منٹ گزر گئے تو کہا کہ تین قدم اور آگے آجائیں۔ اب نتھو رام بڑا مضطرب ہوا۔ وہ ذرا پریشان ہوا۔ اس دن لاؤڈ سپیکر بار بار خراب ہوجاتا رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضور نے اس دن فرمایا تھا کہ اگر آج لاؤڈ سپیکر میرا ساتھ دیتا تو میں دہلی کو ہلا دیتا۔ اچھا اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ خبر آئی کہ وہ لائبریری کے چوک میں کوئی جمع غفیر غیر احمدیوں کا کھڑا ہے۔ اور وہ اب عورتیں جب جائیں گی تو ان پر حملہ کریں گے۔ تو حضور نے اعلان کیا کہ وہ نوجوان جو مرنا جانتے ہوں وہ آئیں اور اپنی ماؤں کو اپنے گھروں میں پہنچائیں۔ تو مجھے یاد ہے کہ پہلی بس جو تیار ہوئی تو اس میں ہم چار آدمی تھے جس میں میں، میرا چھوٹا بھائی، ملک عطا الرحمن چھت کے اوپر اور ناصر الدین محمود پیچھے آڈیٹر جو تحریک جدید کے۔ تو ہارڈنگ لائبریری کے چوک میں جب ہم گئے تو ہم مڈ گارڈوں پر کھڑے تھے اور ملک عطا الرحمن صاحب اوپر تھے تو وہ اپنے تھڑوں کے اوپر کھڑے تھے تو ان میں سے ایک نے میرے یہاں لاٹھی لگائی زور سے تو وہ چار پانچ ٹانکے کا زخم بھی ہوا۔ میں نے اسے تھوڑا ہلایا اور اندر جب گیا تو ایک خاتون نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر میرے زخم پر باندھ دیا۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ ملک صاحب انہوں نے آغاز کر دیا ہے تو ملک صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ بھی شروع کر دیں۔ اور وہ بھاگ گئے جیسے بھیڑیں بھاگتی ہیں۔ تو یہ اس پر دو دن گزر گئے جب تو گلدیپ سنگھ چتر تھے ایک زیرہ کے سلام الدین تحصیلدار صاحب کے دوست تھے انہوں نے اس کو فون کیا یا تار دیا جو بھی، اور یہ کہا کہ بھئی وہ ثاقب گیا تھا، اور اس کا پتا نہیں ہے کیونکہ بغیر چھٹی کے گیا ہوا ہے۔ میں نے A.R کو کہہ تو دیا ہے لیکن کب تک پتا نہیں اس کا، پتا تو چلنا چاہیے۔ ہم وہاں جب شام تک تھے تو پولیس نے ہمیں پکڑ لیا۔ 107۔ 151 میں۔ کوئی انیس یا اکیس ہم تھے اور اسی سے زیادہ وہ

تھے۔تو قاضی ہاؤس کے تھانے میں ہمیں لے گئے۔اگلے دن مجھے اس کا پتا چلا۔تیسرے دن اس دن میں نے حضور سے اجازت لی اور واپس آ گیا۔تو پھر میں نے اسلام کے نام پر ایک نظم لکھی۔وہ نظم جماعت میں بھی مقبول تھی مگر مجھے بشاشت جو ہوئی ہے وہ ہمیشہ اس احساس سے ہوتی رہی ہے۔اور اب بھی ہے۔کہ حضرت اماں جان دو دفعہ اس کو خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں سننے کے لئے خود آئیں۔اور کہا کہ وہ ثاقب سے کہو کہ وہ سنا دے۔لیکن اتنی لمبی ہے کہ میں شاید ترنم سے نہ پڑھ سکوں میں تحت الفظ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

مجھے یہ کفر بہتر ہے تیرے اسلام سے توبہ

ہوسٹ: ثاقب صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مصلح موعود کے ساتھ آپ کے اور بہت سے واقعات اور یادیں وابستہ ہیں۔لیکن ایک تاریخی یاد ہے جس کا حوالہ میرے ذہن میں ہے وہ ہے قیام مرکز کے سلسلہ میں ربوہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی پہلی کانفرنس جو آپ ہی نے organize کی تھی۔وہ میں چاہتا ہوں کے آپ۔

ثاقب صاحب: وہ ہوا کچھ یوں کہ حضور نے مجھے ایک دن بلایا، وہ پریس کانفرنس تو ہم رتن باغ میں کیا کرتے تھے۔فرمایا کہ میں پریس کانفرنس کرنا چاہتا ہوں۔میں نے کہا جی کب میں رپورٹروں کو اطلاع دے دوں؟ کہنے لگے کہ ربوہ میں پریس کانفرنس ہوگی۔میں نے کہا حضور ربوہ میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔کہنے لگے کہ رولدی محمد دین کو آرڈر دو لوربینگز والوں سے ناشتہ لو صبح اور ان کو کہو کہ وہاں کھانے کا انتظام کریں اور یہ وہیں پریس کانفرنس ہوگی۔اور مجھے اپنا حساب کتاب بنا کر دو۔تو میں نے کوئی تین ہزار کا ایسٹی میٹ دیا۔صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا پھر واپسی، پٹرول اور سارا۔میں نے حضور سے عرض کی یہ گیارہ گاڑیاں ہونگی اور یہ یہ ہوگا۔حضور نے فرمایا نہیں پانچ ہزار کا میں نے حساب لگایا ہے۔تو وہ خیر ہم چلے گئے وہاں اس پریس کانفرنس میں مولانا عبدالمجید سالک، فیض احمد فیض، جمیل الزماں سول ملٹری گزٹ کے چیف رپورٹر، م۔ش پاکستان ٹائم کے

رپورٹر، صالح محمد صدیق مغربی پاکستان کے تھے عبداللہ بٹ برٹش انفورمیشن سروس کے تھے۔ باری الیگ جو کمپنی کی لیگ کے مصنف تھے اور دوسرے جتنے بھی لیڈنگ یہاں رپورٹر تھے وہ سب تشریف لے گئے۔

ہوسٹ: کچھ انٹرنیشنل پریس کے بھی ایک آدھ کوئی۔

ثاقب صاحب: ہاں دو سٹیٹس مین کے بھی تھے۔ایک دو قاہرہ کے پرچے کے تھے۔تو وہاں حضور نے مجھے یاد ہے کہ اقبال ہمارے ساتھ فوٹوگرافر تھے۔تو وہاں جب حضور نے نقشہ سمجھایا تو باہر نکل کر وہ مجھے کہنے لگا کہ حضور آگے آگے جا رہے تھے کہ یہ ربوہ آپ نے کیا نام رکھا ہے تو مجھے حضور فرمانے لگے خبر چھپنے دو ربوہ ان کے منہ سے اترے گا نہیں۔ چار بجے کے قریب کہنے لگے ہم تو نمازیں پڑھتے ہیں دیکھو ہمارا تو یہ ٹیلہ ہے ربوہ ٹیلہ کو کہتے ہیں ایک بال ناتھ نے ٹیلہ بنایا تھا وہ چالیس میل آگے ہے ان کو ذرا لے جاؤ وہ ٹیلہ بھی دکھاؤ۔ خیر میں ان کو لے گیا۔اور پھر شام کا کھانا بھی ہم نے ان کو واپسی پہ دیا۔ پھر وہ کانفرنس الفضل میں باری باری چھپتی چلی گئی۔ وہ ایک بہت بڑا ریکارڈ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت دی اور اس میں بڑی بات یہ کہ آفاق میں ان دنوں پنجاب کی ڈائری لکھا کرتے تھے مجھے عنوان یاد نہیں سہی، تاثیر صاحب تو انہوں نے لکھا کہ اس ہفتہ ربوہ کا افتتاح مرزا محمود نے کیا ہے۔اور جوہر آباد کا موڈی نے کیا ہے۔دیکھیں کونسا شہر آباد ہوتا ہے۔حضرت صاحب نے صبح پڑھا تو مجھے کہنے لگے کہ فوراً تاثیر صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کے ربوہ پہلے آباد ہوگا۔اور ربوہ واقعی پہلے آباد ہوا۔

ہوسٹ: جوہر آباد سے بھی اور بعد میں اسلام آباد سے۔

ثاقب صاحب: حالانکہ اس وقت زمین کا حال یہ تھا کہ وہ آدمی بیٹھ کر کپڑے جھاڑتا تھا تو دوسرا آدمی نظر نہیں آتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑے فضل کئے وہاں سے پانی بھی نکلا۔اب تو درخت ہیں اور پھل لگتے ہیں۔

ہوسٹ: اسی طرح حضور کے ساتھ آپ کا کشمیر کا دورہ بھی ہے۔ اگر اس کا بھی آپ کچھ۔۔۔

ثاقب صاحب: جی ہاں ہے۔ فرقان فورس ہماری تھی پاک سر کے قلعے کے پاس۔ ان کی جو پہاڑی تھی اس کا نام پربت تھا اور سامنے جو دشمن کی پہاڑی تھی اس کا نام rich تھا۔ تو جب جنگ جاری تھی ابھی تو اس وقت میں مرزا ناصر احمد صاحب کے ساتھ وہاں گیا مارف ہیڈکوارٹر میں ہم سے پانچ پانچ فائر بھی کروائے۔ م۔ش بھی ساتھ تھے۔ دو چار اور دوست تھے۔ ایک چوہدری صلاح الدین صاحب کے والد صاحب تھے۔

ہوسٹ: عالم کباب۔ ثاقب صاحب: تو وہاں ان دنوں حیات صاحب کرنل تھے۔ میجر حمید کلیم اور مجھے یاد ہے کہ ہمیں جو دمدمہ ملا۔ مجھے اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو وہ میجر حمید کلیم نے خالی کیا تھا۔ تو رات کو تقریباً گیارہ بجے پٹرول پارٹی شروع ہوئی اور تڑ تڑ شروع ہوئی تو مرزا صاحب نے فوراً جوتا پہنا اور کہنے لگے کہ بھاگ آؤ۔ چلے گئے اوپر سکائی لائن پر خیر جلدی واپس آ گئے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے ہینڈ گرنیڈ ہیں وہ پرانے تھے شاید۔ وہ چل گیا کوئی۔ دشمن نے یہ سمجھا کہ انہوں نے شروع کر دیا ہے انہوں نے بھی کر دیا لیکن غلط فہمی دور ہو گئی لیکن اس کے کوئی دو تین گھنٹے کے بعد پھر شروع ہوئی تڑ تڑ، تو پھر جوتا بھی نہیں پہنا اور کہنے لگے کہ آ جاؤ میں نے کہا کہ مرزا صاحب ''کن ہلان ہلان کھیڈ لو'' تو جب وہ واپس آئے تو پاؤں زخمی ہو گئے ہوئے تھے تو کہنے لگے کہ وہ تم نے کیا کہا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ پنجابی میں ایک ضرب المثل ہے ''کن ہلان ہلان کھیڈ لو'' میں نے کہا کہ وہ کٹا کٹی ایک جگہ بیٹھے سن تے او وان بڑا کھلا سی میدان۔ ہلکی سی بارش ہونے لگی، ہوا چلی تو اس کٹی نے کہا اس کٹے سے کہ چلو ذرا کلہاڑے ماریں، چھلانگیں لگائیں۔ تو اس نے کہا کہ نہیں بھائی یہ نہیں ہو سکتا۔ بیٹھ کر کان ہلانے ہلانے کھیل لو۔ خیر ہم تو شاعر لوگ ہیں۔ خیر وہ بڑا اچھا ٹوئر تھا خدا کے فضل سے جب واپس آئے تو، پھر سیز فائر ہو گیا۔ تو حضرت صاحب نے خواہش کا اظہار فرمایا کہ جو ہمارے شہید ہوئے ہیں بچے وہاں تین تھے شاید۔ تو میں ان پر فاتحہ

پڑھنا چاہتا ہوں تو پھر تم اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لے لو۔تو میں نے مجھے یاد ہے کہ ہمارے ساتھ، م۔ش اور سردار فضلی احسان کے اور پروفیسر سرور آفاق کے یہ تینوں ہمارے ساتھ گئے تو وہاں اچھا مجھے فرمایا، کہ تم ان کے لئے ناشتہ، کھانا وغیرہ کا بندوبست کر کے چلنا۔تو وہاں خدام نے اپنا ناشتہ پیش کیا، وہ لال سی دال تھی۔تو م۔ش کہنے لگے کہ ہم تو وہ کھائیں گے دال وہی کھائیں گے۔جب حضرت صاحب کھا سکتے ہیں تو ہم بھی کھا سکتے ہیں۔تو واپسی پر حضرت صاحب کی dodge میں یہ تھے م۔ش اور آگے ایک جیپ تھی اس میں مَیں اور فضلی احسان اور پروفیسر سرور آفاق تھے۔وہ جب ''سکا تلا' سے ورے ہی مڑی تو پہاڑی سے ٹکرائی۔تو میں سمجھا کہ اب گئے ہم نیچے کھاڈی ہے پانچ چھ ہزار فٹ کی۔تو میں نے اونچی سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا۔لیکن ہم سڑک پر گرے اور ایک پتھر لڑھکتا لڑھکتا سر کے ساتھ ٹک سے لگا۔اتنے میں فضلی مجھ آ کر گرا۔پھر پروفیسر آ گرا۔میں نے کہا کہ اُٹھو ہمیں خراشیں آئی ہیں جلدی جلدی اُٹھو۔کہنے لگے کہ کیوں۔میں نے کہا کہ کہیں وہ dodge جیپ سے نہ ٹکرا جائے۔تو میں نے یاد ہے مجھے، چیسٹر اُتارا اور ہلانا شروع کیا تو حضرت صاحب نے dodge روک لی۔کہنے لگے کہ کیا بات ہے تو میں نے کہا کہ وہ جیپ لڑھک گئی ہے۔خیر وہ پیدل آئے وہاں اتنے میں miners بھی آ گئے۔انہوں نے وہ ٹنکچر وغیرہ بھی ہمیں لگائے۔لیکن اب مصیبت یہ تھی کہ میں اچکن وغیرہ جھاڑ رہا تھا تو حضرت صاحب نے بھی میری اچکن جھاڑنی شروع کر دی تو میں نے وہ اتار کر پھینک دی۔تو حضور فرمانے لگے کہ میں تو اب شکرانے کے نوافل پڑھوں گا۔بات یہ ہے کہ اگر تم صرف تم ہوتے ساتھ اور یہ جیپ کھائی میں گر بھی جاتی تو تمہارے والدین نے مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔لیکن اگر خدانخواستہ یہ جیپ آج گر جاتی تو زمیندار کی پہلی سرخی ہوتی کہ محمود نے جا کر ان کو گرا دیا۔لیکن اب مصیبت یہ تھی کہ ہم ایسے accident stricken ہو گئے تھے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس جیپ میں بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔جیپ بالکل ٹھیک تھی وہ ڈھیٹ سواری ہوتی ہے وہ ٹھیک تھی۔تو حضرت صاحب اس بات کو

بھانپ گئے۔فرمایا کہ آپ ہماری dodge میں بیٹھیں ہم جیپ میں بیٹھیں گے۔تو چلے آئے تو بھنبر میں پاک آرمی نے حضور کی خدمت میں چائے کا انتظام کیا تھا۔تو وہ اس وقت شام ہوگئی تھی کیونکہ ہمیں وہاں گھنٹہ دو گھنٹہ دیر ہوگئی تھی۔تو کیکر کے چھوٹے چھوٹے درخت تھے اور مجھے یاد ہے کہ ایک حضور کے یہاں بانہوں کے نیچے لگا۔تو تھوڑا سا خون نکلا۔تو حضرت صاحب نے ان کو شملہ سے صاف کیا تو خون شملہ پر بھی گرا۔تو فرمانے لگے کہ اب تم لوگوں کو مجھ پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ میرے بھی ہوگیا ہے۔پھر گجرات میں آئے تو پھر خادم صاحب نے انتظام کیا ہوا تھا۔

ہوسٹ: مجھے بھی یاد ہے میں بچپن میں دعوت میں شریک تھا۔

ثاقب صاحب: لیکن وہ ان بچوں کے جو والدین تھے۔ان کو جو شکریہ کے خط آئے ہیں۔کہ حضور وہاں تشریف لے گئے ہیں۔ٹھیک ہے بچوں نے تو شہید ہو ہی جانا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان سے کام لیا اور جماعت پر قربان ہو گئے وہ۔

ہوسٹ: حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے انتخاب کے بعد جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔آپ نے ایک نظم جلسہ سالانہ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا پہلا جلسہ سالانہ تھا اس پر ایک نظم پڑھی تھی۔ اس کا اگر کوئی حوالہ دے سکیں آپ۔

ثاقب صاحب: جی ہاں۔اس نظم کا عنوان تھا۔''پیمانِ شاعر''اور عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ستائیس دسمبر کو میں نے وہ نظم پڑھی۔اور اٹھائیس دسمبر جب میں صبح آیا تو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا پیغام پہنچا کہ آپ آئیں اور خواتین کے جلسہ میں بھی وہ نظم پڑھیں۔تو میں نے چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب تھے ان دنوں غالباً تو میں نے انہیں کہا کہ دیکھیئے کہ مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا عورتوں کے جلسہ میں شریک ہونے کا تو آپ ٹیپ ریکارڈر لے جائیں اور وہاں سنوا دیں۔وہ گئے تو پھوپھی جان کا پیغام آیا کہ جب ثاقب زندہ ہے تو ہم ٹیپ ریکارڈر پر کیوں انحصار کریں۔پھر مجھے جانا پڑا اور وہ نظم میں نے وہاں بھی پڑھی۔وہ میں عرض کیئے دیتا ہوں۔عنوان ہے

پیمانِ شاعر

تو نے کی مشعل احساس فروزاں پیارے — دل بھلا کیسے بھلا دے تیرا احساں پیارے
روح پیچ مردہ کو ایماں کی جلائیں بخششیں — اور انوار سے دھو ڈالے دل و جاں پیارے
ولولوں نے تیرے ڈالی مہہ انجم پے کمند — تو نے کی سطوت اسلام درخشاں پیارے
اب وہی دین محمد کی قسم کھاتے ہیں — تھے جو مشہور کبھی دشمن ایماں پیارے
پہلے بخشا میرے بہکے ہوئے نغموں کو گداز — پھر میری روح پہ کی درد کی افشاں پیارے
مجھ کو بھولے گی کہاں وہ تیری بھرپور نگاہ — جگمگا اُٹھا تھا جب فکر کا ایواں پیارے
اب نگاہیں تجھے ڈھونڈیں بھی تو کس جا پائیں — جانے کب پائے سکوں یہ دل ویراں پیارے
کون افلاک پہ لے جائے یہ روداد الم — تیرا متوالہ ابھی تک ہے پریشاں پیارے
روح پھرتی ہے بھٹکتی ہوئی ویرانوں میں — دل ہے نارنگیٔ افلاک پہ حیران پیارے
شکر ایزد تیر ے آغوش کا پالا آیا — اپنے دامن میں لئے دولت عرفاں پیارے
فکر میں جس کے سرایت تیری تخیل کی زو — گفتگو میں بھی وہی حسن نمایاں پیارے
جس کی ہر اک ادا نافلۃ لک کی دلیل — جس کی ہر اک نوا درد کا عنواں پیارے
دیکھ کر اس کو لگی دل کی بجھا لیتا ہوں — آنے والے پنوں پے جاں ہو قرباں پیارے
تیرے ثاقب کا ہے اب تجھ سے یہ پیماں پیارے — دل بھلا کیسے بھلا دے تیرے احساں پیارے

ہوسٹ: اور اسی سلسلہ میں لاہور کی کچھ روئیداد ذرا بیان ہو جائے۔

ثاقب صاحب: لاہور کا اصل رول شروع ہوتا ہے 74 میں۔ کیونکہ اس سے پہلے تو ہم خالص علمی و ادبی پرچہ نکالتے تھے۔ اور جب یہ تمام مدیران جرائد نے بڑے بڑے مدیران جرائد نے یہ کہا کہ یہ ہمارے ایمان کا معاملہ ہے۔ ہم آپ کی کوئی تردید بھی نہیں چھاپ سکتے۔ تو پھر میں نے ارادہ کیا کہ ہم اپنا کام خود کریں اور اسکے انعامات بھی بہت ملے۔ ریڈیو اور ٹی وی کی بندش ہوئی۔

پبلک مشاعرے چونکہ تمام انڈسٹریل کنسرن گورنمنٹ کی تحویل میں آچکے تھے۔ وہاں بھی بندش ہوگئی۔ پبلک مشاعروں کی بھی۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ 75ء کے آخر میں یہ بندشیں ہوتی ہیں۔ ریڈیو پر بھی اور ٹی وی پر بھی۔ ایک contract تھا جو میرے پاس آیا ہوا تھا جس کو avoid نہیں کر سکتے تھے۔ دنگے فساد بھی ہو رہے ہمارے خلاف۔ تو میں نے دوستوں سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ مشاعرہ ضرور پڑھا جائے۔ تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے دو خادم آپ ساتھ لے جائیں اور چلیں پڑھتے ہیں۔ شعراء کو توقع نہیں تھی کہ وہ آئے گا ابوالعصر حفیظ جالندھری بھی تھے اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم بھی تھے۔ احسان دانش بھی تھے۔ یہ تین بڑے شاعر بھی تھے۔ میں جب ٹی وی روم میں داخل ہوا تو حفیظ صاحب نے مجھے دیکھا اور صوفی صاحب کو باقاعدہ ایسے اشارہ کر کے کہا کہ وہ مرزائی آ گیا ہے میں نے سنا لیکن میں چپ رہا۔ جب میں قریب آیا تو انہوں نے ایک دفعہ پھر کہا۔ میں نے کہا بھائی میں تو مرزائی ہوں تم تو مرزائی بھی نہیں ہو سکتے۔ کہنے لگے کہ میں اوّل و آخر پختہ مسلمان ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا اس کی یہ تعریف ہے؟ کہ وہ پہلے تحصیل ضلع کھرڑ انبالہ میں بپتسمہ لے؟ ڈیڑھ دو سال عیسائی رہے اور پھر مسلمانوں کی طرف رجوع کرے؟ وہ اول و آخر مسلمان ہوتا ہے؟

ہوسٹ: ان کی تعریف یہ ہے۔

ثاقب صاحب: چپ ہوگئے۔ میں نے کہا کہ صوفی صاحب اگر یہ مکریں تو وہ جس پادری نے انہیں بپتسمہ دلایا تھا وہ یہاں آج کل موجود ہے۔ اور ان کا نام طارق کشمیری ہے۔ خیر وہ بولے نہیں اور مشاعرہ بھی بدمزہ سا ہوا۔ وہ پڑھ ہی نہیں سکے۔ آئینی ترمیم کی بات یہ ہے کہ آئینی ترمیم سے پندرہ دن پہلے لاہور بند کر دیا گیا۔ ہم سمجھے کہ کوئی سخت چیز آنے والی ہے۔ کوئی اکیسویں دن ہم نے رِٹ کی اور رِٹ سے وہ بحال ہوگیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ آئینی ترمیم کا نشریہ تھا وہ اردو میں جو خبریں نشر ہوتی تھیں وہ پورے بلٹین پر حاوی ہوتی تھیں۔ اور جب وہ بلٹین ختم ہوا

تو announcer نے یہ اعلان کیا کہ اب آپ ثاقب زیروی صاحب سے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنیں۔

ہوسٹ: یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے۔

ثاقب صاحب: اور وہ پوری تاریخی نعت میں نے اس دفعہ لندن کے سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی۔ جس کا مطلع تھا کہ

تو حبیب رب جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا
تو مقام فخر خلیل ہے تیری رحمتوں کا حساب کیا
تیرا کیف جس نے سمو لیا تیرے میکدہ سے جو پی گیا
اسے فکر عرصہ دھر کیوں اسے خوف روز حساب کیا
یہ میری نظر کا قصور ہے کہ تو پاس رہ کر بھی دور ہے
یہ میرا ہی شوق ہے درمیاں تجھے احتیاط نقاب کیا
غمِ بے قراں سے اُلجھ سکے گی حکیل جوئے کماد کیا
وہ رہین سود و زیاں ہوکیوں کہ عذاب کیا ہے ثواب کیا
کہاں تو کہ باعث کن فکاں کہاں فکر ثاقب نیم جاں
بھلا مدحت شاہین کرے مجھ سے خانہ خراب کیا
تو حبیب رب جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا

پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ بھٹو صاحب ناراض ہوتے گئے ہم نے روزنامچہ، لاہور میں روزنامچہ چھاپنا شروع کر دیا اس سے پہلے ہمیں تہال سے ایک خط آیا غالباً ضلع گجرات میں ہے۔ ایک خط آیا کہ فلاں تاریخ کو کیا ہوا تھا۔ ہم نے لاہور چھاؤنی میں war office ایک کھولا ہوا تھا۔

وہاں اس کا ریکارڈ دیکھا تو اس میں تو بہت مختصر سی بات تھی۔ میں ربوہ گیا تو مجھے یاد آیا تو میں

نے انہیں کہا کہ تہاں کی فلاں تاریخ نکالو۔عجیب بات ہے کہ دو صاحب جو بڑے بزرگ تھے اور ان کے انچارج تھے۔ایک فائل نہیں مل رہی تھی۔پندرہ یا بیس منٹ کے بعد انہوں نے فائل ڈھونڈی اور میں نے کہا کہ اگر چھ مہینے اور گزر جائیں تو یہ بات ختم ہو جائے گی جھاڑی پھونکی اور اس کو باندھ کر بغل میں دبایا میں نے اور کہا کہ السلام علیکم چلتا ہوں میں۔تو وہ کہنے لگے کہ حضور سے اجازت؟ میں نے کہا کہ حضور کو بتا دیں کہ ثاقب لے گیا ہے۔وہ سمجھے کہ حضور نے اجازت دی ہے اس لئے یہ لے جا رہا ہے۔میں لے گیا اور گھر میں آ کر میں نے اسے پڑھا تو آپ راجہ بھائی یقین کریں کے مَیں تین دن اور تین راتیں سو نہیں سکا۔پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اس کو چھاپا جائے۔کس طرح چھاپا جائے۔گورنمنٹ تو اس کو چھاپنے نہیں دے گی۔پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ 30 جون کو، 29 کو یہ واقعہ ہوا۔ 30 مئی کو گوجرانوالہ میں کیا ہوا۔ لاہور میں کیا ہوا۔سرگودھا میں کیا ہوا۔ 30 جون۔خیر میں نے اس کی کوئی 16 قسطیں بنائیں اور اس کے بعد اپنے بیٹے کے ہاتھ فائل بھجوا دی واپس۔اب سوچتے تھے کہ ان کو ڈیلی ڈائری لکھیں، گزرتی ہے کیا لکھیں گزشت لکھیں؟ میں تیار کر کے فائلیں سو گیا۔تو خواب میں مجھے میاں بشیر احمد صاحب ملے۔اور فرمایا کہ وہ روزنامچہ مکمل ہو گیا ہے تو میری آنکھ کھلی تو میں نے کہا کہ ''روزنامچہ'' سے بہتر کوئی نام تو ہو ہی نہیں سکتا۔16 قسطیں اس کی چھپیں۔اور ہمارا خیال تھا کہ پہلی قسط کے بعد شاید دوسری نہ چھپ سکے۔پانچ صفحے کی میں نے چھاپی۔تاکہ یہ تو چلی جائے نہ بیرون مشنوں کو اور بیرون مشنوں کے لئے ہم نے دو چار سو صفحہ زیادہ چھاپا۔سب کو پانچ پانچ پرچے بھجوا دیئے۔جواب طلبی ہوتی رہیں تو انہوں نے ان دنوں people party راؤ رشید یہاں انسپکٹر جنرل پولیس تھے ان کا بھائی یا بھانجہ، مجھے رشتہ یاد نہیں، لیکن بہت قریبی تھے۔راؤ عبد المنان، مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرگودھا کے صدر تھے۔ان سے ہم پر ہتک انگیزی کا کیس کروا دیا گیا۔ان کی ان سے ہارڈ لائن پر گفتگو ہوتی تھی۔ اب وہ عجیب بات یہ ہے کہ جو راجا صاحب ہی تھے۔راجا محمد اقبال صاحب تھے۔ان کے پاس

کیس لگا۔ان کا سنا ہے کہ ان کا احمدیت سے بڑا قریبی تعلق تھا۔اوران کی بیوی احمدی تھی۔لیکن وہ 74ء میں ایسے پھرے کہ وہ بیوی کو بھی تنگ کرتے تھے اوراپنے نمبر بڑھانے کے لئے جا بجا غلط کاروایاں بھی کرتے تھے۔تو میرے پاس ضمانت طلبی کے نوٹس آیا کرتے تھے کبھی پانچ ہزار کا کبھی تین ہزار کا،کبھی دس ہزار کا۔تو وہ کل تین لاکھ ساٹھ ہزار کے بنتے تھے۔کیونکہ ایک لاکھ اسی ہزار تو م۔ش کے تھے۔ پرنٹڈ تھے وہ۔اور ایک لاکھ اسی ہزار پبلشر کے۔تو بھگتنے تو خیر مجھے ہی پڑتے تھے۔لیکن ہر پندرویں دن ایک پیشی ہوتی تھی اور چلتی تھی۔اس سلسلہ میں تھانے دار صاحب قلعہ گجر سنگھ کے ہمارے دفتر میں آیا کرتے تھے۔نوٹس آیا۔دستخط کیے اور لے لیا۔اور چلے گئے۔ یا کوئی پرچہ انہوں نے ضبط کیا تو پولیس لے آئے کہ جتنے پرچے ان کے ہاتھ آتے تھے تو وہ لے جائیں۔ٹھیک ہے لے جائیں۔تو ایک دن وہ تشریف لائے۔تو وہ کچھ پریشان سے تھے۔ کوئی نوٹس انہوں نے اس دن نہیں رکھا۔تو میں نے کہا کہ مجھے نہیں پتا کہ آپکو چوہدری صاحب کہنا چاہیے یا خان صاحب یا ملک صاحب،لیکن آپ کچھ پریشان سے محسوس ہوتے ہیں۔کہنے لگے کہ یہ پریشانی آپ کی وجہ سے ہے میں نے کہا کہ کیا ہوا۔تو کہنے لگے کہ آپ کو کوئی سرگودھا سے summon آیا ہے؟ میں نے کہا کہ ہمارا summon سے کیا تعلق؟ کہنے لگے کوئی وارنٹ آیا تھا۔میں نے کہا کہ کوئی بھی نہیں آیا۔تو میں نے کہا کہ اگر کوئی ایسا وارنٹ آتا تو قلع گجر سنگھ تھانے والے ہی اس پر عمل کرواتے نا۔تو کہنے لگے کہ ہاں یہی میں سوچ رہا ہوں۔لیکن وارنٹ گرفتاری بلا نوٹس آگیا ہے۔تو میں نے پوچھا کس کیس کا؟ کوئی تھوڑی سی تشویش تو ہوئی۔انہوں نے کہا کہ حوالدار ایک اور دو کانسٹیبل نیچے کھڑے ہیں۔وہ وہاں سے آپ کی گرفتاری کے لئے آئے ہیں میں ان کو نیچے کھڑا کر کے تو اوپر آگیا ہوں۔تو یوں کریں کہ آپ کی جیب کچھ پیسے ہیں؟ میں نے کہا جی ہیں کتنے چاہیں۔کہنے لگا کہ 40روپے دے دیں۔میں ان کو بھیج دیتا ہوں واپس کے جاؤ یہ کرایہ لو۔تو ابھی چار دن باقی ہیں تو ہم انہیں گرفتار کر کے تاریخ پر پیش کر دیں گے۔م۔ش کو بھی لے آئیں

گے اور ان کو بھی لے آئیں گے۔تو وہ نیچے گئے بیچارے۔ 68 سیڑھیاں تھیں وہاں اور پھر وہ پھلانگتے ہوئے آئے۔ پھر آ کر کہنے لگے کہ اب اطمینان سے بیٹھ کر چائے پیتے ہیں اور میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔ میں نے کہا جی فرمائیں۔تو کہنے لگے کہ آپ رِٹ کر دیں۔اگر ضرورت پڑی تو ہم آپ کو support کریں گے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے ہمیں آپ کا مشورہ قبول ہے۔ اگلے دن ہم نے رِٹ کر دی تو رِٹ میں عجیب بات یہ ہے کہ جس مجسٹریٹ نے ایک bavailable offence میں non-available وارنٹ جاری کیا تھا۔اس کا نام راجا محمد اقبال تھا۔تو یہاں جب وہ چیف جسٹس صاحب کے ہاتھ لگی تو ان کا نام سردار محمد اقبال تھا۔تو انہوں نے کہا کہ یہ کس idiot مجسٹریٹ نے یہ جاری کیا ہے آپ چل کر وہاں لکھوا دیں۔وارنٹ سسپینڈ ہیں۔اور ہم چلے گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب حضرت صاحب کو اطلاع ہوئی تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب آپ نے جانا ہے تو رات یہاں ربوہ میں رہیں اور صبح جائیں۔ رات میں اور م۔ش وہاں پہنچ گئے اور دو وکیل تھے ہمارے ایک مرزا نصیر احمد صاحب اور ایک شیخ محمد لطیف صاحب۔ وہ فوت ہو گئے ہیں بزرگ۔انہوں نے میر صاحب سے خاص طور پر درخواست کر کے اپنا نام لکھوایا تھا کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ رات ہم ٹھہرے اور صبح ناشتہ پر حضرت صاحب سے ملے۔تو حضور نے فرمایا ثاقب تمہیں کوئی خواب آئی ہے۔کبھی ایسا سوال نہیں کیا تھا حضور نے۔ میں نے کہا کہ حضور کم سوتا ہوں اور خواب کم ہی آتی ہے۔لیکن رات جو آئی ہے۔اس کا تعلق میرے اس معاملے سے ظاہر نہیں ہوتا۔ کہنے لگے کہ بتاؤ کیا آئی ہے؟ میں نے کہا میرا ایک دوست ہے علامہ ارشد وہ ویسٹ پاکستان اسمبلی میں لیڈر بھی تھا اور اب بھی ہے۔اور احمدیت کے مخالف ہے لیکن میرے اس سے ثقافتی اور صحافتی تعلقات ہیں اور بڑے اچھے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ رات کو ربوہ میں پھر رہا ہے اور میں اس کو کہتا ہوں کہ علامیا! تیرا ربوہ میں کیا کام بھائی؟ تو اس نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے یاد فرمایا تھا اور میں آ گیا ہوں اور میں

نے کہا کہ حضور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔حضور نے فرمایا کہ جائیے پھر اطمینان سے۔آپ کو اپوزیشن کی طرف سے امداد آئے گی۔لیکن یہ ہے کہ ہم حضور کو بتانا بھول گئے کہ ہم نے وارنٹ سسپینڈ کروالیا ہے۔کہنے لگے کہ مرزا صاحب سے کہنا کہ مرزا عبدالحق صاحب نے مجسٹریٹ سے بات کی ہے۔اوراس نے کہا ہے کہ non-Ahmadi آدمی ہے۔اگر صبح صبح آجائے تو میں ان سے ضمانت لے لوں گا۔تو خیر مرزا صاحب فوراً چل دیئے ساتھ۔وہاں پہنچے تو جا کر مرزا صاحب نے بتایا کہ وہ دونوں آگئے ہیں تو وہ کہنے لگا کہ مرزا صاحب بات یہ ہے کہ اس دن تو غلط فہمی ہوگئی اور یہ تو بڑا important کیس ہے اور بھٹو صاحب پرسنلی انٹرسٹڈ ہیں اس کیس میں۔میں یوں کرتا ہوں کہ آپ ضمانت کے لئے دے دیں میں دوسری پارٹی کو نوٹس جاری کر دیتا ہوں۔پرسوں یا اس سے اگلے دن آکر ضمانت لے لیں گے۔وہ پروگرام تھا کہ تین دن رکھیں اور کاروائی ڈالیں۔مرزا صاحب سے نہ رہا گیا اور کہنے لگے کہ اتنی تکلیف راجہ صاحب شاید آپ کو نہ کرنی پڑے یہ دیکھیں ذرا چیف جسٹس نے کیا لکھا ہے۔اس پر وہ پشیمان ہوئے،گھبرائے بڑے۔تو بلکہ مجھے کہنے لگے کہ ثاقب صاحب بات یہ ہے کہ وہ غلطی سے جاری ہوگیا ہے۔مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ وہ mistake کا لفظ انہوں نے بولا۔اور مجھے یہ یاد ہی نہیں تھا کہ میں عدالت میں کھڑا ہوں۔میں نے کہا کہ صاحب یہ mistake ہمیں ساڑھے تین ہزار روپے میں پڑی ہے۔آپ نے کتنے میں یہ mistake کی تھی؟ تو مرزا صاحب نے میری اچکن کھینچی کہ یہ contempt of court ہے۔میں نے کہا کہ دیکھیں گے تو اتنے میں مرزا صاحب نے اونچے سے کہہ دیا کہ پولیس نے یہ رپورٹ summon تو کی تھی۔کہ ہم محرم ڈیوٹی میں مصروف تھے اس لئے اس وارنٹ کی تعمیل نہیں کر سکے۔آپ نے ان کی ضمانت جاری کروادی۔میں نے پھر فوراً کہا کہ نہیں نہیں صاحب آپ چائے وہاں پی لیں۔اور وہیں سے چل کر بھیج دیں۔وہ اتنا گھبرایا ہوا تھا مجسٹریٹ کہ اس نے رقم بھی نہیں لکھی اور دستخط کر دیئے۔وہ پھر بعد میں ہم نے لکھی۔لیکن اگلی تاریخ

جو اس نے دی وہ ہمارے ساتھ planned تھی۔29 مئی۔اگلے دن پھر رات کو ہم ٹھہرے۔تو میں مختصراً بیان کر دیتا ہوں۔رات کو ہم جب بیٹھے تو حضرت صاحب نے کھانے پر بلایا۔تو حضرت صاحب اپنے مخصوص انداز میں م۔ش سے تبلیغی باتیں کرتے رہے۔رات کا ڈیڑھ بج گیا۔تو باہر نکلے۔اب ہم گلی میں آئے۔پہلے والے قصرِ خلافت کی بات ہے۔ حضور اس وقت جالی کی چٹخنی چڑھا رہے تھے اور مجھے آواز دی کہ ثاقب بات سنو۔فرمانے لگے کہ تم گھبرا تو نہیں گئے؟ تم بہت جلد بری ہو جاؤ گے۔ہم نے کہا کہ حضور گھبراہٹ کیسی۔ہم نے کونسا کوئی قصور کیا ہے۔تو ایسی چیزیں تو آتی رہتی ہیں اور جاتی رہتی ہیں۔م۔ش اس بات پر کچھ متردد سا تھا۔راستے میں اس نے کوئی بات نہیں کی اور رات کو جب ہم سونے لگے کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ بری تو ہم ہو جائیں گے لیکن ساڑھے تین سال کے بعد ہونگے۔

ہوسٹ: بھٹو کا دور۔۔

ثاقب صاحب: کہنے لگا کہ ڈیڑھ سو گواہ اس نے دیا ہے۔اس میں وزیر اعلیٰ،انسپکٹر جنرل، پھر ان کی تو تعمیل ہی دو دو سال تک نہیں ہوگی۔پھر ہمارے گواہ جائیں گے اور پھر بحث ہوگی پھر فیصلہ ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کو جوڈیشنل پروسیڈنگ سے واقفیت نہیں ہے۔میں نے کہا کہ اس بات سے میں اتفاق نہیں کرتا۔کیونکہ ہمارا یہ خلیفہ تو قید بھی رہا ہے بھائی۔تو م۔ش صاحب چپ ہو گئے بالکل اور بولے ہی نہیں ساری رات اور صبح ہمارے سرگودھا پہنچنے تک انہوں نے کوئی بات ہم سے نہیں کی اس موضوع پر۔وہاں ہم گئے تو میں نے کہا کہ میں تو کھڑا ہوتا ہوں میاں صاحب آپ ذرا بار روم کا چکر لگا آئیں۔تو دوستوں کو پتا تو چلے کیونکہ انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی ہے پچھلی دفعہ۔تو اتنے میں وہاں کے کوئی چودہ پندرہ وکیل وہاں ہمارے پاس آ گئے جن میں سے میں کسی کو نہیں جانتا تھا کیونکہ میں سرگودھا مشاعرے کے لئے جاتا تھا اور صبح جاتا تھا اور مشاعرہ پڑھ کر واپس شام کو آجاتا تھا کیونکہ اگر رات کو ٹھہریں تو اگلا دن ضائع جاتا ہے۔تو انہوں

نے آ کر مجسٹریٹ سے کہا کہ جناب ہم ثاقب صاحب کی اور م۔ش صاحب کی دعوت کرنا چاہتے ہیں چائے وغیرہ کی۔آپ 12 بجے کے بعد سنیں۔ وہاں بار روم میں پہنچے تو وہاں آہستہ آہستہ کوئی چالیس کے قریب ایڈووکیٹ ہو گئے۔ملک محمد اقبال صاحب ان کی ایسوسی ایشن کے چیئر مین تھے۔انہوں نے کسی کو آواز دی کہ وہ راؤ عبدالمنان اور اس کے وکلاء کو بھی بلا لو۔تو انہیں بھی بلا لائیں راؤ عبدالمنان کے ساتھ،تو دو چار اس کے لونچڑے سے بھی تھے۔تو مجھے وہ کہنے لگے ثاقب صاحب! راؤ کو پتا ہی نہیں کہ مسلمان کیا ہوتا ہے۔آپ خدا کے لئے ایک نعت پڑھ دیں ہم ٹیپ بھی کر لیں گے۔ذرا انہیں بھی پتہ چل جائے کہ مسلمان کیا ہوتا ہے۔میں نے خیر نعت پڑھی اور انہوں نے ٹیپ بھی کر لی۔انہوں نے راؤ صاحب سے کہا کہ راؤ صاحب آپ کو نہیں پتا کہ آپ کیا ہیں انہوں نے کیا لکھا ہے آپ کے متعلق؟ بھئی آپ کا کردار کیا ہے،آپ کا ماضی کیا ہے،آپ کا حال کیا ہے۔یہ تو ہم جانتے ہیں۔بھئی یاد رکھیں کہ آپ اپنی بات پر اڑے رہیں ہم یہ چالیس کے چالیس وکیل آپ کے خلاف بھگتیں گے اور بتائیں گے عدالت کو کہ آپ کا کردار کیا ہے۔کوئی دو چار تیز تیز فقرے مزید انہوں نے کہے تو وہ صاحب کہنے لگے کہ ملک صاحب میں تو آپ سے باہر نہیں ہوں اور جو حکم بھی آپ دیں گے میں آپ کے حکم کی تعمیل کیا کرتا ہوں۔تو انہوں نے کہا کہ جاؤ پھر جا کر مقدمہ واپس لو۔اب وہ کھڑے ہو گے جناب آگے آگے وہ، ان کے دو ساتھی، دو وکیل چالیس ہمارے وکیل، دو ملزم ہم، ہمارے دو تین وکیل، ایک ڈرائیور اور یہ ایک جلوس جا رہا ہے۔ وہاں گئے تو اس نے یہ بیان دیا صاحب میں اپنا مقدمہ واپس لیتا ہوں مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔تو ہم پیچھے کھڑے تھے اور راجہ محمد اقبال صاحب نے کہا کہ where are the accused تو ہم آگے گئے۔م۔ش آگے تھے بالکل پاس ان کے کھڑے تھے تو انہوں کہا کہ your case has been withdrawn, you both are honorably acquitted تو م۔ش کہنے لگے کہ وہ تو حضرت صاحب نے رات کو ہی کہہ دیا تھا۔اس کے بھی

لاشعور میں رہی وہ خواب ساری رات اور پھر ہم خیر باہر نکلے۔خیر بہت سی باتیں ہوئیں اور ہماری خواہش تھی کہ ہم فوراً حضرت صاحب کے پاس پہنچیں۔لیکن ان کی خواہش تھی کہ صاحب کھانا کھا کرجائیں۔ستر آدمیوں کا ہم نے کھانا بنایا ہوا ہے۔اس میں جوایک لطیف بات ہوئی اللہ تعالیٰ اس بزرگ کوجزاءدے۔اس نے بتایا کہ احمدیہ جماعت ہے کیا۔ہم جب وہاں جا کر بیٹھے بارروم میں تو ایک بزرگ ہمیں دروازے میں نظر آئے ان کی داڑھی تھی اور پتلون پہنی ہوئی تھی قمیض اوپر رکھی ہوئی تھی۔جرابیں نہیں تھیں اور بوٹ پہنے ہوئے تھے۔پگڑی باندھی ہوئی تھی۔میں نے محسوس کیا کہ ان کی بینائی کچھ کمزور ہے۔مرزا صاحب نے فرمایا کہ دونوں ایک صوفہ پر بیٹھے ہوئے تھے مرزا صاحب اُٹھے تو وہ لے آئے۔ وہ صدر حلقہ تھے باہر کے کسی۔تو وہ ہمارے درمیان میں آ کر بیٹھ گئے۔دوایک منٹ تو وہ سانس درست کرتے رہے اور پھر انہوں نے کہا کہ مرزا صاحب وہ ثاقب کے کیس کا کیا بنا۔تو مرزا صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ تو واپس ہوگیا ہے۔بری ہوگئے ہیں۔تو انہوں نے اپنی جیب سے کوئی سات،آٹھ ہزار روپے کے نوٹ نکالے اور کہنے لگے کہ میں ان کا کیا کروں اب؟ یہ مجھے جماعت نے دیئے تھے اور کہا تھا کہ ثاقب صاحب کوسزا نہیں ہونی چاہیے آپ جس طرح مرضی استعمال کرلیں۔ہم نے کہا جی کہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمادیا ہے اب آپ دوستوں کو واپس کردیں شکریہ کے ساتھ۔یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوئی۔تو پھر ایک منٹ کے بعد انہوں نے ان سے پوچھا کہ صاحب وہ ثاقب صاحب کہاں بیٹھے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ صاحب یہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔تو اس بزرگ نے چیخ کر میرے ساتھ معانقہ کیا کہ سامنے جو غیر احمدی وکیل تھے وہ بے ساختہ رو پڑے۔اور ملک محمد اقبال نے وہاں بے ساختہ ہوکر کہا کہ یہ جماعت ہے۔اسے جماعت کہتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کونہیں جانتے اور دونوں ایک دوسرے پر قربان ہیں۔خیر اب واپس ان لوگوں سے اجازت لی۔اور ہم نے کاریں دوڑائیں اور 29 مئی کوسوادو بجے کے قریب ہم ربوہ پہنچے تو اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ 29 مئی

کو رات سوا دو بجے ربوہ میں کیا کیفیت ہوتی ہے۔ جب وہ کاریں جا کر دلان میں کھڑی کیں تو دیکھا کہ حضرت صاحب کا سر ننگا تھا اور سلیپر پہنا ہوا تھا۔ اور پرائیوٹ سیکرٹری کے لان میں ادھر ادھر آ جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے میاں خورشید اور میاں غلام احمد صاحب تھے تو جب ہم نے کار کھڑی کی تو He rushed to the car اور حضرت صاحب نے پہلے آ کر، جیسے ان کی عادت تھی بلکہ معمول تھا یا قاعدہ کہ جیسے وہ چہرے سے اندازہ لگاتے تھے کہ کوئی خوشی کی خبر ہے کہ کیا ہے۔ تو مجھے فرمانے لگے کہ آپ کے چہرے سے پتا چلتا ہے کہ آپ کھانا کھا آئے ہیں۔ اور میں نے اور منصورہ بیگم نے ابھی تک نہیں کھایا اور ضعف ہو رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ حضور آپ کے ساتھ بھی کھائیں گے تو حضور فرمانے لگے کہ کھا آئے ہیں نا؟ تو میں نے کہا کہ حضور انہوں نے بہت اصرار کیا تھا اور بہت تنگ کیا پھر مرزا صاحب نے اجازت دی تو پھر ہم نے کھا لیا۔ کیونکہ انہوں نے ستر بندوں کا کھانا تیار کیا ہوا تھا۔ اور انہیں پتا تھا کہ پینتیس خدام پہرہ دیتے ہیں اس عدالت کا۔ جس میں ہم پیش ہوتے ہیں۔

ہوسٹ: یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو حضور نے آپ کو کہا کہ اپوزیشن سے مدد آئے گی۔ یہ سارے سرگودھا میں مسلم لیگی تھے۔

ثاقب صاحب: بلکہ انہوں نے کہا کہ راؤ منان سے کہا تھا اس وقت جب غور سے باتیں کیں اس نے کہا کہ یہ دو شخص ہیں۔ ثاقب صاحب کی نظمیں 43، 42ء تک پڑھ پڑھ کر نوائے مسلم میں شامل ہوا تھا۔ آج بھی مسلم لیگ ہوں۔ اور م۔ش تو پاکستان کے لئے دو دفعہ قید ہوا ہے۔ بھئی تحریک پاکستان کے اتنے عظیم کارکنوں کے خلاف جھوٹا کیس بننے کی لعنت ہمارے حصہ میں آئی تھی؟ تو میں عرض کر رہا تھا جب کار میں سے اترے تو حضور نے فرمایا کہ ہمیں ضعف ہو رہا ہے تو ہم نے کہا کہ حضور آپ کے ساتھ بھی کھائیں گے تو حضور نے فرمایا کہ آپ تو کھا آئے میں نے کہا جی کہ انہوں نے اصرار کیا مرزا صاحب نے حکم دیا اور اجازت دی تو ہم نے کھا لیا۔ کیس کا کیا بنا؟ یعنی

اس کے بعد حضور نے پوچھا کہ کیس کا کیا بنا۔ تو میں نے کہا کہ جی بری ہو گئے ہیں۔ تو حضور نے فرمایا کہ آج ہی بری ہو گئے؟ تو میں نے کہا جی حضور آپ ہی نے تو رات کو فرمایا تھا۔ تو انہوں نے آواز دی۔ سلیم! وہ ایک خادم لڑکا تھا۔ سلیم انہیں اور مرزا صاحب کو ڈائنگ ٹیبل پر جا کر بٹھاؤ میں نفل پڑھ کر آتا ہوں۔ تو جب ہم گلی میں سے گزر رہے تھے تو میاں صاحب دیوار کے ساتھ سر مار کر دھاڑیں مار کر رو پڑے اور کہنے لگے کہ مجھے تو آج معلوم ہوا ہے کہ تم اس پر کیوں مرتے ہو۔ یار یہ تو جسمانی باپ کی طرح تم پر مرتا ہے اور اتنی قربانی، اتنی قربانی تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ لیکن بھٹو صاحب کی تسلی نہ ہوئی اس سے تو انہوں نے پھر روز نامچہ کو سامنے رکھا اور ڈیفنس آف پاکستان رولز لگا دیا۔ ان دونوں میں ایک میں پندرہ سال سزا تھی اور دوسرے میں دس سال کی سزا تھی۔

ہوسٹ: اچھا یہ (قطع کلامی ہو رہی ہے) اس کے قریب قریب کاروں وغیرہ کے پرمٹ کا واقعہ پہلے کا ہے یا اس کے بعد کا ہے؟ سنا ہے اس میں بھی آپ کو کچھ سلسلہ جرمانہ ہوا تھا۔

ثاقب صاحب: یہ سرگودھا کا کیس غالباً بعد میں بنا ہے۔ پہلے ایک کار کا پرمٹ آیا اور ہم نے رکھ لیا۔ پھر ایک اور کار کا آیا تو وہ بھی ہم نے رکھ لیا۔ تو ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے پاس جو پرمٹ بھیج رہے ہیں آپ وہ بیچ کر یہ کار لے لیں میں نے کہا کہ صاحب بھیجیں یا نہ بھیجیں یہ پڑے ہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ اس کے کوئی دس دن بعد۔ ڈیٹ ان کی نکل گئی تھی۔ میں نے رکھ چھوڑے اور اب بھی شاید کوئی ایک آدھ پڑا ہوگا۔ تو ایک ڈی۔ ایس۔ پی صاحب آئے اور کہنے لگے کہ میں ڈی۔ ایس۔ پی سی آئی ڈی ہوں تو میرے منہ سے نکلا کہ بہر حال آپ فرمائیں کیا حکم ہے۔ (جعلی بھی بن جاتے ہیں لوگ) تو انہوں نے identity کارڈ اپنا نکالا اور کہا کہ میں ہی ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ بھی جعلی بن جاتے ہیں آپ فرمائیں کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ صاحب آپ نے کار کے پرمٹ لئے تھے میں نے کہا کہ میں نے کوئی نہیں پرمٹ لیا۔ کہنے لگے کہ صاحب اگر نہیں لیا تو یہ میری فائل میں کیسے آ گیا۔ میں نے کہا یار عجیب آدمی ہے

تمہارا وزیر اعظم کہ چور کو کہتا ہے کہ لگ جاؤ اور مالک کو کہتا ہے کہ لگ گئے۔ پرمٹ آئے ہیں اور یہ اور ڈیٹ ہو گئے ہیں۔ آپ لے جانا چاہیں تو میں ان کی فوٹو سٹیٹ کروا کر آپ کو دے دیتا ہوں۔ میں نے تو مانگا ہی نہیں۔ بھیجے ہیں انہوں نے۔ تو مجھے اچھی طرح یاد ہے مجھے انہوں نے کہا کہ الحمد اللہ۔ آپ کا چپڑاسی کہاں ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہم سارے ہی چپڑاسی ہیں آپس میں تو یہ ایک شریف بابا بیٹھا ہے۔ تو اس نے اس کو کہا کہ دس روپے لو اور جاؤ چائے لاؤ۔ تو میں نے کہا کہ نہیں یہ دس روپے ہم خرچ کر سکتے ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ کہنے لگے کہ نہیں نہیں میں خوشی میں کھلا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ کس خوشی میں۔ اور میں نے کہا کہ مجھے کیا پتا ہے کہ آپ کی آمدنی کیسی ہے حلال ہے بھی یا نہیں۔ تو کہنے لگا کہ یہ بالکل حلال ہے۔ میں نے کہا نہیں ہم کھلا سکتے ہیں۔ چائے ہم نے پلائی۔ تو کہنے لگا کہ کل اسمبلی میں یہ لسٹ سنائی جائے گی۔ اور سنائی گئی جس میں ثاقب کا نام نہیں تھا۔

ہوسٹ: وہ بس ایک ٹریپ کرنا چاہتے تھے۔

ثاقب صاحب: وہ روزنامچہ کے جناب دو کیسز ہوئے۔ اور ہمیں پتا چل گیا وہ تھانے دار صاحب بتا دیتے تھے بیچارے۔ ہم نے اس کے لئے رِٹ کی کہ قبل از گرفتاری ضمانت ہو جائے۔ چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ اور مرزا نصیر احمد صاحب بھی ان کے ساتھ تھے، عبد اللہ باجوہ وغیرہ وہ بیچارے کنڈکٹ کر رہے تھے۔ تو یہ لگا، ڈویژنل بینچ میں جسٹس نسیم حسن شاہ اور ایم۔ ایس۔ ایچ قریشی۔ اچھا عجیب بات یہ ہے کہ ان دنوں یہ سارے معتوب ہو گئے تھے، رامے صاحب بھی آتے تھے ہتھکڑی کے ساتھ آتے تھے، راجہ منور احمد صاحب بھی آتے تھے۔ ایک الطاف حسین ہے ہمارا ٹیکنیکل ایڈیٹر ہے ایک۔ وہ بھی آتا تھا۔ ہم اچکنیں پہن کر چلے جاتے تھے اور یہ ہمیں گرفتار نہیں کروانا چاہتے تھے۔ محسوس ہوا، مطلب محسوس ان کی باتوں سے ہوا۔ کہ پہلے دن جب ہم گئے تو پیشی ہوئی تو کوئی ڈی۔ ایم۔ اعوان صاحب نے ہم پر بڑے احسان کئے تو ان کا

آپ کو معلوم ہی ہے کہ نسیم حسن صاحب کی آواز بڑی زنانہ سی ہے۔ تو انہوں نے کہا accused کہاں ہے؟ تو میں نے اُٹھ کر کہا کہ my lord I'm Saqib Zirvi تو کہنے لگا'' او ثاقب زیروی اس قوم کے ترانے گا تا رہا، نغمے سنا تا رہا ان کو، اس سے بہتر آدمی مسٹر دوست محمد عوان، اس سے بہت آدمی ڈیفنس کو کہاں مل سکتا ہے؟ اس کے بعد انہوں نے کہا next۔ تو بتایا گیا کہ م۔ش۔ تو (جج صاحب کہنے لگے) م۔ش یہ تو دو دفعہ قید ہوا ہے۔ کس لئے قید ہوا۔ کہ دو دفعہ ڈیفنس آف پاکستان رولز لگے۔ مسٹر دوست محمد عوان! ہم آج تو سننے کے قابل نہیں ہیں۔ تھک گئے ہیں۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد سنیں گے۔ آپ ان کو arrest نہیں کریں گے۔ چھ مہینے تو اس نے اس طرح چلائے اور ایک دفعہ تو بڑی عجیب بات کی۔ اور اس دن چوہدری عزیز احمد باجوہ حیران ہوئے کہ یار نسیم حسن نے تو حد کر دی۔ میں نے کہا کہ دوستی تو ان کے والد صاحب سے تھی۔ ہم حضرت صاحب کا پیغام لے کر جایا کرتے تھے محسن شاہ کے پاس لیکن اس نے نبھا دی۔ تو اس دن مجھے کہنے لگے کہ ثاقب صاحب یہ مجھے بتائیں کہ یہ جو روز نامچہ میں آپ نے تفاصیل لکھی ہیں یہ کہیں کوئی واقعہ ہوا بھی ہے یا صرف شعر ہی کہہ دیئے ہیں؟ تو میں نے کہا مائی لارڈ بات یہ ہے کہ یہ تمام جتنے بھی واقعات میں نے لکھے ہیں ان کی ایف۔ آئی۔ آر میرے پاس ہیں۔ یہ فیکٹس ہیں اور حلفیہ بیان بھی میرے پاس ہیں۔ کہنے لگے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ you are discussing the facts, how simple you are! You are discussing the facts and in this redeem اتنی سختی سے انہوں نے کہا۔ پھر کہا دوست محمد عوان کو کہ بھئی گرفتار نہیں کرنا ان کو۔ چھ مہینے جی انہوں نے اس طرح ہی گزار دیئے۔ چھ مہینے کے بعد ایک دن چوہدری عزیز احمد باجوہ صاحب کو بلایا اور کہا کہ دیکھیں ہمارے پاس تو ضمانت کا اختیار ہی نہیں ہے۔ میں ان دونوں کو پکڑنا نہیں چاہتا دل چاہتا نہیں ہے کہ گرفتار کراؤں۔ آپ چپکے سے واپس لے لیں۔ میں اڈووکیٹ ضلع سے جنٹلمین پرامز لیتا ہوں کہ وہ

گرفتاری نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا جی ٹھیک ہے جج کہہ رہا ہے۔ انہوں نے واپس لے لیا۔ دوست محمد عوان نے جنٹلمین اگریمنٹ دے دیا۔لیکن جب انتخاب کا وقت آیا تو جناب بھٹو صاحب کوخیال آیا کہ گرفتاری ہونی چاہیے۔ چنانچہ ہماری گرفتاری ہوئی۔ عجیب بات ہے کہ میں دفتر میں بیٹھا تھا اور صرف کاتب موجود تھے۔ اور وہ کاتب میرا ایسا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے غریق نعمت عطا کرے بہت ہی شریف آدمی تھا۔ کہ وہ صبح ناشتہ بازار سے کر کے بیٹھ جاتا تھا۔ اور شام کو جا کر کھانا کھا کر سو جاتا تھا۔ بہت شریف آدمی تھا۔ پتا ہی نہیں تھا کہ کورٹ کیا ہے اور ہائی کورٹ کہاں ہے۔ میں نے اس کو ایک لسٹ دی ہوئی تھی کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے اور وہ وقت آ سکتا ہے۔ اگر گرفتاری وغیرہ ہو جائے توتم ان وکیلوں میں سے کسی کو بھی اطلاع کر دینا۔

تو میں بیٹھا تھا تو پولیس آ گئی ان میں ایک انسپکٹر صاحب اور دو سب انسپکٹر اور پانچ چار حوالدار۔ میں نے کہا بھئی اتنی نفری کی کیا ضرورت تھی؟ ہم تو اکیلے آدمی کے ساتھ بھی جا سکتے ہیں۔تو وہ تھانے دار کہنے لگا کہ کوئی حرج نہیں۔تو کہنے لگا کہ چلیں پھر۔ میں نے کہا کہ چائے وغیرہ تو پی لیں۔تو کہنے لگے کہ چائے تو پی لیتے ہیں۔ پھر چائے انہوں نے پی اور جب نیچے اترے تو فٹ پاتھ دائیں پر چل رہے تھے اور آگے بھی پولیس تھی اور پیچھے بھی پولیس تھی اور درمیان میں میں تھا۔تو دوسری طرف فٹ پاتھ پر ربوہ کا ایک لڑکا نعیم جا رہا تھا۔ وہ پریشان ہوا دیکھ کر اور اس نے آنکھوں کے اشاروں سے مجھ سے پوچھا کہ کیا گرفتاری ہو رہی ہے؟ تو میں نے کہا جی ہاں ہو رہی ہے۔تو وہ انتظار کرتا رہا کہ جیسے ہی ہم موڑ مڑیں تو وہ فوراً دفتر چڑھے۔ اور دفتر پر چڑھا تو منشی نے کہا کہ یار نعیم مجھے تو کسی بھی ہائی کورٹ کا پتا نہیں ہے۔ ان کی گرفتاری ہو گئی ہے۔تو جا کر ان میں سے کسی نام کو اطلاع دے دے۔تو مرزا نصیر احمد صاحب بتایا کرتے تھے کہ ہم ساڑھے گیارہ بجے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور میں نے کہا کہ یار چائے اچھی نہیں تھی اُٹھ کر اچھی چائے پیئیں۔ پھر بیٹھ گئے اور اتنے میں نعیم پہنچ گیا اور اس نے کہا جی کہ یہ صورت ہے۔ وہاں نصر اللہ خان بھی تھے مرزا

نصیر احمد صاحب بھی تھے۔مبشر لطیف بھی تھے سارے بزرگ بیٹھے تھے۔کوئی کہیں چلا گیا اور کوئی ہوم سیکرٹری کی طرف چلا گیا۔اب مجھے وہ لے کر پریس میں آ گئے اور پریس سے م۔ش کو ساتھ لیا۔ اور ہم تھانے میں آ گئے قلعہ گجر سنگھ کی۔وہ وہاں کا جو ایس۔ایچ۔او تھا انسپکٹر پولیس۔اس نے ہمارے لئے ٹینٹ لگوایا اور اس میں میز کرسی اور دو تین کرسیاں رکھیں ایک پلنگ رکھا۔اور فروٹ وغیرہ رکھے اور کہنے لگا کہ جرم تو جو آپ کا ہے وہ ہمیں پتا ہے بہر حال آپ آرام کریں۔اتنے میں چوہدری حمید نصر اللہ خان اور یہ سارے آ گئے اور کہنے لگے کہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی آپ گھبرائیں نہیں۔ہمارے پاس حوالات نہیں ہے۔ہمیں سات کو ان کو بھیجنا ہے سول لائن کے تھانے میں۔تو رات کو بھیجیں گے۔تو آپ صبح ضمانت کے لئے ضرور درخواست دے دیں۔ان کو نہیں پتا تھا کہ بات کیا ہے۔تو جب رات پڑی۔تو وہ پھر آئے ہمارے ٹینٹ میں تو کہنے لگے کہ ثاقب صاحب گرفتاری ہم صبح نہ ڈالیں؟ تو میں نے کہا جناب بات یہ ہے کہ آپ ہمیں اپنی مرضی کے مطابق لائے تھے یا ہماری مرضی کے مطابق؟ تو جو چاہیں کر لیں۔انہوں نے کہا جی نہیں صبح ہی ڈال لیں گے۔آپ رات کو آرام کریں تو میں نے ان سے پوچھا کہ جی صبح آپ کا آدمی آئے گا یا ہم آجائیں۔تو اس نے کہا جی آپ آجائیں ہمارا آدمی آئے گا اسے کچھ پتا تو ہوگا نہیں اور پتا نہیں وہ کیا بتا دے گا اور وہاں سارا محلہ پریشان ہوگا۔اور باتیں بنتی رہیں گی۔میں نے کہا جی کس وقت آجائیں؟ تو انہوں نے کہا جی آپ ساڑھے نو تک آجائیں اور باہر نکلے تو م۔ش نے مجھے کہا کہ بھئی بات یہ ہے کہ ضمانت ہماری نہیں ہوگی۔بھٹو صاحب کا پرسنل آرڈر ہے۔اب کسی انسپکٹر میں حوصلہ نہیں ہے۔کہ وہ ضمانت لے لے۔چھ سات دن تو بالکل نہیں ہوگی۔اور اس کا یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا اور میں یہ سوچتا رہا کہ پھر اگلا پرچہ تو تیار کرنا چاہیے۔تو گھر والوں کو میں نے نہیں بتایا صرف میرے بڑے لڑکے کو علم تھا۔میں نے اسے کہا ہوا تھا کہ نہ اپنی ماں کو بتانا اور نہ میری ماں کو بتانا۔تو میں بیٹھ گیا رات کو پرچہ لکھنے، پرچہ پورا تیار کیا۔نظمیں،غزلیں، انٹرویو وغیرہ سب۔اور

ہدایات سرورق کے متعلق کاتب کو۔ تیار کرتے کرتے اڑھائی بج گئے۔ مجھے خیال ہے کہ ستمبر کا آخر تھا تو سردی تھوڑی تھوڑی تھی۔ ہماری مستورات اوپر رہتی ہیں اور نیچے ڈرائنگ روم میں جا کر میں نے نفل وغیرہ پڑھنے شروع کیا۔ تو مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ ایک خلش تھی ذہن میں۔ اور ان نفلوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا کہ گرفتاری نہیں ہوگی۔ تو بڑے سکوں سے پھر میں سو گیا۔ نماز پڑھ کے۔ اتنا سویا کہ ساڑھے آٹھ بجے اُٹھا۔ اتنے میں م۔ش صاحب کار لے کر آ گئے انہوں نے گاڑی میں مصلیٰ اور لوٹا اور بستر وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ تو کہنے لگے بھئی سامان رکھو اور چلو۔ میں نے کہا نہیں سامان وغیرہ نہیں۔ بس چلتے ہیں۔ بڑی ضد کی انہوں نے لیکن میں نے کہا کہ نہیں چلتے ہیں۔ اب وہ سوچنے لگے کہ عجیب آدمی ہے یہ اس کو پتا ہے کہ تھانے میں جا رہے ہیں اور گرفتاری ہونی ہے اور ضمانت کی بھی امید نہیں ہے۔ اب وہاں سے چلے ہیں ہم اسمبلی کی طرف سے، اسمبلی کے مغرب کی طرف ایک قبر ہے وہاں آ کر انہوں نے کار کھڑی کر دی اور مجھے کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ تم احمدی ہو اور تمہیں کوئی خواب آ گئی اور تم اس پر قائم ہو گئے ہو میں نے کہا جی نہیں خواب نہیں آئی بلکہ ڈائرکٹ ڈائلنگ ہوئی ہے۔ باقی دوسری بات یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ میری خوش فہمی ہو۔ کیونکہ wishful thinking بھی ہوسکتی ہے۔ میں اس کو غلط سمجھتا ہوں۔ لیکن جب تک وہ خوش فہمی غلط ثابت نہیں ہو جاتی میں اپنے خدا پر بے اعتمادی نہیں کرسکتا۔ تو چلو تم اب دیکھی جائے گی۔ تو کہنے لگے کہ تھانے چلیں؟ تو میں نے کہا کہ اتنی جلدی کیا ہے تم پہلے پریس چلو۔ وہاں چائے وغیرہ پلاؤ۔ پھر چلیں گے۔ تو مجھے یاد ہے کہ جب ہم پریس میں داخل ہوئے تو ان کا بڑا لڑکا مرحوم جو ایکسیڈنٹ میں مارا گیا تھا وہ کہنے لگا کہ ابا یہ کیا بات ہے کہ یہ اچھے بھلے ہیں جو ملزم ہیں اور رنگ آپ کا اُڑا ہوا ہے۔ میں نے کہا بیٹے یہ تو خواہ مخواہ ہی دوستی میں مارا جا رہا ہے۔ خیر ہم بیٹھ گئے اور چائے پینے لگے۔ ٹائم ہم نے رکھا تھا ساڑھے نو بجے اور مرزا نصیر احمد صاحب اور ریاض نصر اللہ خان یہ ان دنوں بیرسٹر کی پریکٹس کرتے تھے یہ دونوں آ گئے اور ہم نے ان سے کہا کہ جاؤ تھانے والوں سے

پوچھ آؤ کہ اور واپسی پر چائے پی لو یا چائے پی کر چلے جاؤ۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم پوچھ آتے ہیں جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک ڈبہ تھا اور ہم نے کہا کہ یہ ڈبہ کس کا ہے تو کہنے لگا کہ یہ مٹھائی ہے ۔کھاؤ۔ ایس ۔ ایچ ۔ او صاحب نے کہا ہے کہ ہمیں آٹھ بجے فون آ گیا ہے محمد حیات خان کا غالباً پرسنل سیکرٹری تھے کہ گرفتاری نہیں ڈالنی ۔ میں نے کہا م ۔ش ہمیں ساڑھے تین بجے آیا تھا تو وہ واقعی میں رو پڑا اور lodge بک لایا وہ ایک چھوٹا سا رجسٹر تھا۔ اور کہنے لگا کہ یار اس میں لکھ دو کہ لاہور چھپتا رہا ہے میرے پرس میں میں نے کہا کہ اس پر روز پرنٹ لائن چھپتی ہے۔ کہنے لگے کہ لکھ دو کہ میری اولاد اگر آپ کے عہد حکومت میں کچھ لے لے گی تو کیا حرج ہے؟ اس قسم کی باتیں ۔ بعد میں پتا چلا کہ دوست محمد اعوان نے بھی ان کو فون کر کے بتایا کہ میں نے تو ہائی کورٹ میں کھڑے ہو کر جینٹل مین اگریمنٹ دیا ہے اور تم نے ایسے دو آدمیوں کو پکڑا ہے جو م ۔ش اور ثاقب زیروی ہے ۔ جس بھی احمدی کو پتا چلے گا کہ ثاقب زیروی کی گرفتاری ہوگئی ہے تو وہ تمہیں ووٹ نہیں دے گا خواہ کچھ کرو ۔ اس طرح م ۔ش کے اوپر تو یہی موقع تھا۔ پھر 76ء کے بعد یہ ڈیفنس آف پاکستان رول ختم ہوگیا۔ اور ضیاء الحق کا دور آ گیا۔ اور وہ اس نے جتنی بھی بھٹو صاحب سڑکیں بنا گئے تھے اس نے چوڑی کیں۔ فراخی اس میں پیدا کی۔ کیسز پر کیسز بنتے رہے جتنی ضمانتیں اس نے طلب کی تھیں وہ ڈیڑھ لاکھ تھیں اور اس نے اور بڑھا دیں۔ پھر یہ چلتا رہا۔ پھر یہ نواز شریف صاحب ان کے وزیر اعلیٰ تھے ۔ ان کے دور میں بڑی بات یہ ہوئی کہ پہلے یہ پولیس کیس بنایا کرتی تھی اور پولیس والوں کے ایس ۔ ایچ ۔ او وغیرہ سے بندہ کہلوا بھی لیتا تھا۔ انہوں نے یہ کیا کہ ہوم سیکرٹری اوپر سے لکھتا تھا اور ایس ۔ ایچ ۔ او بیچارہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تو اس طرح جناب وہ شاید پتا نہیں میں نے آپ کو بتایا ہے کہ نہیں کہ ۔ وہ میں نظم تو خیر اس وقت میرے پاس نہیں ہے پھر سناؤں گا۔ مارشل لاء جب لگا۔

ہوسٹ: تو وہ انجام ، وہ مشہور نظم ہے جو آپ نے پڑھی تھی وہ آپ نے جلسہ میں بھی پڑھی

تھی۔ 77ء میں پڑھی تھی۔ لیکن یہ ذرا بتایئے لاہور کے سلسلہ میں بات ہو رہی ہے تو یہ جو پرچوں کے اُٹھانے کا سلسلہ ہے یہ دراصل کب شروع ہوا؟ یہ ضیاء الحق کے پیریڈ میں ہی نہیں ہوا؟

ثاقب صاحب: ہوا یوں کہ 27 یا 23 اکتوبر 84 میں جب اس کا آرڈیننس آ چکا۔ تو انہوں نے پرچے اُٹھانے نہیں شروع کیے پہلے، پہلے انہوں نے بندشیں زیادہ ہی کر دیں۔ وہاں بھٹو صاحب کے دور میں ٹی۔ وی اور ریڈیو تک تھیں۔ پھر انہوں نے مشاعرہ کی بھی بندش کر دی۔ کہ مشاعروں میں بھی نہیں جا سکتے۔ پھر انہوں نے پرچے ضبط کئے پہلے کچھ کہ فلاں پرچہ ضبط ہے۔ پولیس آتی تھی اور وہ پرچہ لے جاتی تھی۔ اور جتنے ان کے ہاتھ میں آ جاتے تھے وہ بھی لے جاتی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے، روزنامچہ سے تو بھٹو صاحب بھی بہت تنگ تھے۔ یہ بھی تنگ تھے۔ کیونکہ انکے روزنامچہ کی جو برکت تھی اللہ تعالیٰ نے برکت اس میں پیدا کی۔ وہ یہ تھی کہ میری اطلاعات کے مطابق اڑھائی ہزار سے زیادہ نوجوانوں کو تو صرف جرمنی میں asylum ملا۔ اور وہ خدا کے فضل سے established ہیں۔ تو وہ وہاں سفرا لکھتے تھے ان کو کہ یہ صورت حال ہے، پرچہ بند کرو جی یہ کر دو۔ پرچہ اُٹھا لو، فلاں پرچہ ضبط ہے آخر انہوں نے یہ کیا کہ جس دن حضرت چوہدری صاحب کا وصال ہوا ہے تو اگلے دن اگلا پرچہ جو آنا تھا اسے بند کر دیا انہوں نے۔ 85ء سے 92ء کے آخر تک پرچے اُٹھاتے رہے۔ اور وہ اس میں بے نظیر کا دور بھی آتا ہے اور ان کا نواز شریف کا بھی آتا ہے۔

ہوسٹ: ثاقب صاحب آپ کی ایک نظم یاددہانی، اس کا اس طرح بھی ذکر ہوا کہ کچھ دن پہلے ہم ٹی وی دیکھ رہے تھے تو پاکستان آرکائیو کے ڈائریکٹر جنرل زبار حسین زیدی صاحب نے باوجود اس کے کہ ٹی وی پر آپ کی ایک سطر بھی سنائی نہیں جاتی نہ ریڈیو پر نہ کسی سرکاری یا نیم سرکاری اداروں پہ لیکن انہوں نے دو تین بند اسکے پڑھے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ناظرین اس نظم سے محروم نہ رہیں تو اگر آپ وہ نظم ترنم سے ہی پڑھ سکیں۔

ثاقب زیروی: ارشاد عرض کرتا ہوں۔

یاد دہانی یوم آزادی کی شب ایک محفل رکس وسرور دیکھ کر

مسرتوں کے ساتھیو، تمازتوں کے دوستو
ہجوم درد چھٹ گیا الم کا رنگ کٹ گیا

ہے کائنات نغمہ زن، ہوا ہوئے غموں میں ہم
بکھر گئی نئی پھونگ جبل جبل دمنگ دمگنگ

ہے اک نرالہ بان روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جان لو اعلان زیست تھام لو

مسرتوں کے ساتھیو ،تمازتوں کے دوستو
ہجوم درد چھٹ گیا۔الم کا رنگ کٹ گیا

ہے کائنات نغمہ زن، ہوا ہوئے ہوامیں
شفق کا رنگ چھا گیا ، پیام شام آ گیا

سنبھل رہی ہے تیرگی مچل رہی ہے چاندنی
یہ حسن سے ہے دل بریں بہک چلی ہے زندگی

یہ شب فسون بے خطا یہ نکہتوں کا سلسلہ
جوان دودھیا فضا یہ دمدموں کا رتجگا

انہیں جو دیکھ پائے گا نہ کیوں پئے پلائے گا
شفق کا رنگ چھا گیا ، پیام شام آ گیا

سنبھل رہی ہے تیرگی مچل رہی ہے چاندنی
یہ حسن سے ہے دل بریں بہک چلی ہے زندگی

یہ شب فسون بے خطا یہ نکہتوں کا سلسلہ
جوان دودھیا فضا یہ دمدموں کا رتجگا

انہیں جو دیکھ پائے گا نہ کیوں پئے پلائے گا
روئے بجام آ گئی وہ لالا فام آ گئی

جنوں پیام آ گئی برائے عام آ گئی
ابھی تو عام ہے پیو خرد غلام ہے پیو

وہ بے حساب عصمتیں وہ بے مثال برکتیں
جو دن دہاڑ لٹ گئیں تمہیں تو یاد تک نہیں

یہ ان کا خون ہے پیو، پیو پلاؤ اور جیو
روئے بجام آ گئی وہ لالا فام آ گئی

جنوں پیام آ گئی برائے عام آ گئی
ابھی تو عام ہے پیو خرد غلام ہے پیو

وہ بے حساب عصمتیں وہ بے مثال برکتیں
جو دن دہاڑ لٹ گئیں تمہیں تو یاد تک نہیں

یہ ان کا خون ہے پیو، پیو پلاؤ اور جیو
خدا نہ دے بے ضمیر کہ جن سے قوم ہو حقیر

فقط امیر بن امیر سرود و رقص کے اسیر مگر یہ تابق چلن رہو گے کب تلک مگن
ہمیں وہ شیر چاہیے جو دور سے جھپٹ سکیں ہجوم غم میں مسکرائیں عجل پہ قہقہے لگائیں
یہ فاقہ مست وخستہ حال نہیں فبرق کی مثال نہ ان کے فکر کو جھنجھوڑ نہ یوں کلائیاں مروڑ
اُمڈ پڑیں جو آندھیاں کڑک اُٹھیں جو بجلیاں اگر یہ آگ اُبل پڑی اگر یہ بھوک جاگ اُٹھی
تو زلزلہ سا آئے گا تو عرش کانپ جائے گا تو پھر یہ جنگ زرگری یہ مکروفن کی رہبری
یہ اہتمام مے کشی یہ تاجرانہ دوستی یہ سب بنیں گی ساقیا نہنگے وقت کی غذا
مسرتوں کے ساتھیو، تمازتوں کے دوستو

ہوسٹ: اچھا ایک بات میں نے پوچھنی تھی کہ آپ تواتر کے ساتھ قومی دنوں اور تہواروں کے سلسلہ میں آپ ایڈیشن نکالتے رہے ہیں دو خصوصی ایڈیشن آپ نے نکالے ہیں تقریباً ہر سال ہو جاتے ہیں ایک سالک ایڈیشن اور دوسرا جمالی ایڈیشن۔ سالک ایڈیشن کی تو سمجھ آجاتی ہے جو آپ کی عملی تربیت ہے صحافت کی اور اس سلسلہ میں سالک صاحب کا ایک خاص مقام ہے اور ویسے بھی سالک صاحب کا صحافت میں بہت بڑا مقام ہے۔ جمالی صاحب کے ساتھ یا جمالی قوم کے ساتھ خاص طور پر جمالی صاحب کے ساتھ لاہور کا کیا رشتہ بنتا ہے؟

ثاقب صاحب : راجہ صاحب آپ نے بڑا دلچسپ سوال کیا ہے میر جعفر خان جمالی اپنے علاقہ کے بہت بڑے لیڈر تھے۔ میں جب بہت بڑے لیڈر کہتا ہوں تو پاکستان کے نقطہ نظر سے کہتا ہوں۔ انہوں نے بلوچستان میں مسلم لیگ کی ترویج کی جھالہ وان اور سالا وان دو علاقے جو ہیں بلوچستان کے جو خان قلات کے تحت تھے۔ ان میں مسلم لیگ پھیلائی۔ قائد اعظم کے مخلص ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کونسل مسلم لیگ ایوب خان کے مقابلہ میں محترمہ فاطمہ جناح کھڑی ہوئیں تو وہ نہ تو محمد علی جناح کے کہنے پر آئی تھیں۔ یہ سب لوگ ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ جب میر جعفر صاحب گئے تو انہوں نے کہا کہ ہاں اگر یہ شخص

میرے ساتھ ہے تو میں اس کے ساتھ کھڑے ہونے کو تیار ہوں۔ ہمیں ان کا تو کوئی پتا نہیں تھا۔ ہم نے بلوچستان دیکھا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ نہ بلوچ دیکھا تھا۔ بلکہ جب میں وہاں پہنچا پہلی دفعہ تو میں ان کو سکھ سمجھتا تھا۔ وہ ایسے ہی بال رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ اصل بات یہ ہوئی ہوئی ہے کہ 54ء میں ان کے ساتھ تعلق قائم ہوا۔ ان کے دو عزیز یہاں محمد مراد جمالی جو بعد میں بیرسٹر بھی ہوئے اور فضل محمد جمالی یہ دونوں ایف۔سی کالج میں پڑھا کرتے تھے اور یہ دونوں میری شاعری کے fans تھے۔ یہ 54ء میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ صاحب ہمارا ایک جمالی اجتماع ہوتا ہے۔ وہاں اخبارنویس بھی آتے ہیں کوئٹہ سے کراچی سے سب۔ تو آپ بھی وہاں جائیں۔ میں اب ان دنوں ادھر اُدھر کھپت کے حلقے لاہور میں ڈھونڈ رہا تھا۔ کہ کچھ بنے یہ 500 یا 1000 چھاپنے سے تو بات نہیں بنتی۔ تو میں نے ان سے طے کیا اور سیٹ میری بک کروا دی اور چلے گئے لیکن وہ دونوں نہ جا سکے۔ انہوں نے تار دے دیا میر صاحب کو۔ میر صاحب نے خود مجھے رسیو کیا۔ وہ صبح چار بجے وہاں گاڑی پہنچتی تھی مصطفیٰ آباد میں وہاں دو تین دن رہے۔ پھر جب ختم ہو گیا اجتماع اور میر صاحب کھڑے ہو گئے اور ان کا ایک نوجوان فیملی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ جسے میں ان کا اس وقت پرائیویٹ سیکرٹری سمجھتا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ ان کا داماد ہے۔ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ بھئی وہ فلاں گاڑی لاؤ اور اس میں نسیم اعجازی کو اور کانی کو بھجوا دو۔ جا کہ وہاں چھوڑ آئے اور دوسری سے کہو کہ فلاں کو فلاں جگہ چھوڑ آئے۔ اب میں نے سوچا کہ میں شاید ٹینٹ میں بیٹھا ہوں اور باہر نہیں نکلا مجھے بھی جانا ہے باہر۔ تو میں نے کسی کے ہاتھ میر صاحب کو پیغام بھیجا کہ میر صاحب کو کہیں کہ مجھے بھی جانا ہے اور میں آج ہی جانا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو میر صاحب فرما رہے ہیں کہ ہمارے مہمان ٹھہریں تو آپ کو کل روہڑی ہم پہنچا دیں گے اور وہاں سے آگے آپ جہاں مرضی چلے جائیں۔ وہ کوئی دس پندرہ ہزار کا مجمع تھا وہاں اور وہ ختم ہو گیا تو ہم رجھان آ گئے ان کا جو آبائی گاؤں ہے۔ رجھان میں دو تین بنگلے ہیں ان کے اور دو لنگر خانے ہیں

بڑے جنہیں وہ بھٹی کہتے ہیں۔تو ہم چھوٹے بنگلے میں بیٹھے تھے اور ہم کھانا کھانے لگے تو انہوں نے کہا کہ وہ جو اخبار نویس ہمارے کوئٹہ کے ہیں ان کو علیحدہ کھانا دو اور ہم دونوں علیحدہ کھانا کھائیں گے۔تو جب دستر خواں بچھ گیا، زمین پر بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ثاقب صاحب بات یہ ہے کہ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے۔ میں نے کہا جی فرمائیے۔ کہنے لگے کہ اجتماع کے پہلے دن کھانے پر جب ہم بیٹھے تھے تو قیصر صاحب اور میرے بھائی اور انکے بچے آگئے تو آپ یک دم اُٹھ کر چلے گئے۔ میں نے کہا جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ کہنے لگے کہ اس کے بعد ہمارا اگلے دن بڑا کھانا ہوتا ہے اور تمام بلوچ باقاعدہ اکٹھے مل کر کھاتے ہیں اور اس میں سے بھی آپ چلے گئے۔ کہنے لگے کہ ہمارے ہاں تو اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارے ہاں بھی معیوب ہی سمجھا جاتا ہے۔ مجھے احساس ہے اس بات کا لیکن میر صاحب بات یہ ہے کہ مجھے دیکھیے آپ سے نہ کوئی قوم کا تعلق ہے اور نہ ہی کوئی زبان کا تعلق ہے۔ نہ علاقہ کا تعلق ہے۔ مجھے کچھ چیزیں پسند بھی آئی ہیں۔ لیکن میری ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ میں ایک بار 47ء میں گھر سے اکیس افراد لے کر چلا تھا۔اور جب سرحد پر پہنچے تو سوا پانچ تھے۔ میرے سامنے وہ کٹے۔تو میری اب تک یہ کیفیت ہے کہ میں اتنے زیادہ افراد دیکھ ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے بھائی کی شادی کی تو میں بارات میں بھی شامل نہیں ہوا۔ابا جان کو کہا کہ آپ اس کو لے جائیں اور لے آئیں۔تو میں یہ باتیں کر رہا تھا تو میر صاحب نے چہرہ اُٹھایا۔اب لقمے دونوں کے ہاتھ میں تھے۔ جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے کہا جی دیکھیں کہ مجھے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔خدا کے فضل سے۔آپ سے تو بہتر بڑے بڑے لیڈر پنجاب میں پڑے ہیں۔ اگر سیاست ہی میں نے کرنی ہوتی تو میں کب کا کر چکا ہوتا۔انہوں نے وہ آنسو پونچھے اور مجھے کہنے لگے کہ اچھا بات سنو اور قیصر کو اور شاہ نواز کو بلاؤ تو وہ دونوں آگئے کاروں پر تو وہ کھڑے ہو گئے ہاں سائیں۔جب میر صاحب کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہو گیا۔تو وہ کہنے گے کہ ثاقب صاحب یہ دیکھو یہ قیصر ہے مجھ سے

چھوٹے ہیں۔ اور یہ شاہ نواز ہیں قیصر سے چھوٹے اور میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ یہ ثاقب زیروی ہیں۔ مجھ سے چھوٹے۔ہم اب چار ہیں۔

ہوسٹ: بھائی بنالیا۔

ثاقب صاحب: چلو معانقہ کرو۔ کام والے سے کہا کہ تم یہ دستر خواں ہٹالو ہم اب قلعہ میں جا کر کھانا کھائیں گے۔تو کورٹ میں چلے گئے اور مجھے بتانے لگے کہ یہ تمہاری بھتیجی ہے یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے۔ میں تو اوپر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک تعلق پیدا ہو گیا۔ پھر دو تین سال ہم جاتے رہے۔ اتنے میں وہ 58ء میں، لیکن یہ تعلق semi political سا تھا۔اس میں بوٹی کے بھی تعلقات رہے، امبری سے بھی ملتے رہے، بلکہ ایک فیچر بھی لکھا، دھجیاں ہی دھجیاں یا کاریں۔ یہ لاہور میں چھپا، اور مینگل سے بھی تعلقات تھے۔لیکن جو بات میر میں بھی تھی۔ میر میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو دل میں ہوتا تھا وہی زباں میں ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ لیڈر کی صفت نہیں ہے۔بعض دفعہ سی، آئی، ڈی والے آکر پوچھ لیا کرتے تھے کہ سائیں میں تو کل چھٹی پر تھا بتائیں کل کیا کیا مصرفیت تھی؟ اور بتا دیتا تھا۔ وہ ایک دفعہ یہاں آئے اور جب یہاں آتے تھے تو ان سے طے تھا کہ وہ میرے گھر میں نہیں ٹھہریں گے کیونکہ دسیوں سیاسی آدمی ان کو ملنے آئیں گے شاید ان کو انقباض ہو۔تو اگر وہ دن کے وقت آتے تھے تو دفتر کے باہر کھڑے ہو جاتے تھے۔ بھاری بھر کم تھے اور سیڑھیاں اتنی نہیں چڑھ سکتے تھے اور نوکر کو بھجواتے تھے۔ کہ بھئی میں آ گیا ہوں اور فلاں ہوٹل میں جا رہا ہوں اور میں اب شام کو آؤں گا اور اگر شام کو آئے تو گھر بتا گئے اور پھر چلے گئے۔تو ایک دفعہ آئے تو ان پر ایبڈو، ایبڈو بعد میں لگتا ہے تو کہنے لگے کہ وہ خان قلات تو ایوب خان نے بند کر دیا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں تو کہنے لگے کہ اس کی مدد کرنی ہے تو میں نے کہا جی آپ کریں مدد اس کی۔ کہنے لگے کہ نہیں نہیں اس کی میرے ساتھ تو سیاسی رشتہ داری ہے۔تمہارے ساتھ مذہبی رشتہ داری ہے۔ میں نے کہاں صاحب میرے ساتھ مذہبی رشتہ داری ہے؟ میں تو کبھی انہیں ملا ہی نہیں، میں تو

جانتا بھی نہیں ۔کہنے لگے کہ ان کے دادا احمدی تھے میری خدا بخش نے بیعت کی تھی جب انگریزوں نے اسے بیلپٹ سے گاڑی چلا کر صوبت رائے سبی میں انہیں نظر بند کر دیا تھا۔وہاں ان کے پاس ایک خیاط درزی تھا جو ان کو نوکر ملا تھا وہ بھی احمدی تھا اور وہ انہیں کتابیں پڑھاتا رہا اور پھر انہوں نے بیعت کا خط لکھا بیعت ہوئی اور میرے دادا کے ساتھ سخی ۔ کے ساتھ ان کے بڑے تعلقات تھے۔تو اس لئے مجھ پر بھی واجب ہے اور تم پر بھی واجب ہے۔ہم نے ان کا بیڑا اُٹھایا کہ خان قلات کے حق میں لکھا اس وقت جب اس کا نام لینا بھی کوئٹہ والوں نے چھوڑ دیا تھا یعنی یہاں تک کہ میں نے ایک نوٹ لکھا اور وہاں کے ایک اخبار نویس نے دو مہینے کے انکار کے بعد قتل کر دیا اور ان کو انہوں نے پکڑ لیا تو اس نے جواب دیا کہ جی میں نے تو اس لئے لکھا تھا کہ میں بتاؤں کہ اگر وہ غدار ہے تو ایک اور غدار ملا ہے لاہور میں بیٹھا ہوا ہے۔تو ملٹری والوں نے کہا بھئی اس غدار نے تو جس کو تم غدار کہتے ہو خالد محمود جنرل نے بیان دیا ہوم منسٹر نے ، اس پر انہوں نے تبصرہ کیا، تبصرہ کی اجازت ہے کرے آدمی ۔تم نے دو مہینے میں کونسی situation پیدا ہو گئی، دوبارہ کاپی کیا ہے؟ تم تو چھ مہینے کے لئے جاؤ اندر۔تو یہ کیفیت تھی ۔ پھر ہم نے اس کے لئے بہت کوشش کی اور ایوب خان صاحب بہت گرم ہو گئے ۔انہوں نے لاہور کا داخلہ بلوچستان میں بند کر دیا۔میرا داخلہ لاہور اور بلوچستان میں بند کر دیا۔پھر انہیں جب پتا چلا کہ اس دوست میں وفا ہے تو پھر وہ برادری کا سا تعلق ہو گیا۔اب بھی جب ان کے فیملی فیوڈ لزل ہوتے ہیں اور جب وہ جرگہ کرتے ہیں تو اس میں مجھے بٹھاتے ہیں ۔کہ آپ جو کہیں گے وہی کریں گے۔اور ان کی عادات اور انکی بعض مراسم اور بعض روایات تو مجھے واقعی میں پسند ہیں سب سے بڑی بات یہ کہ ان کا مجھے جرگا پسند ہے یعنی قتل کا کیس اگر دو گھنٹے میں ہو جائے اور دونوں فریق تسلیم کر لیں تو جھک مارنے کی ، یہاں تو سالوں گزر جاتے ہیں۔ پھر اس طرح ان سے تعلق بنا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ اس وقت وہاں پچیس یا ستائیس پرچے وہاں جاتے ہیں اور ان کا لفظ پڑھا جاتا ہے کہ شاید ہمارے میر کا ذکر

ہو۔ہم میر کا ذکر کرتے ہیں۔بھٹو صاحب نے جب 74ء میں ہمارے خلاف سازش کی جماعت کے خلاف فسادات کی تو سب سے پہلے انہوں نے فورٹ سنڈے مان سے شروع کروایا تھا جمعیت علماء اسلام والوں سے انہوں نے فائرنگ کی اور وہ ایک احمدی کو لگنے کی بجائے ایک ایرانی کو لگ گئی۔اور اس کی انگلیاں کٹ گئیں۔ایران کے سفیر نے اس پر پروٹیسٹ کیا۔تو وہاں سے یہ ہٹ گئے۔بھٹو صاحب کی ہدایت تھی کہ ہٹ جاؤ۔میں نے اس دن مجھے یاد ہے کہ خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مجھے بھیجا کہ جاؤ جا کر بگٹی سے بات کرو۔بگٹی ان دنوں گورنر تھے۔تو میں نے ان سے کراچی سے بات کی۔کراچی پہنچا اور ان سے بات کی تو وہ کہنے لگے کہ بھئی یہ بڑا کھیل ہے میں تو صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ وہاں پانچ گھر ہیں احمدیوں کے تو میں نے ٹرک بھیج دیا ہے کہ وہ اپنا سامان وغیرہ لے کر کوئٹہ آجائیں اور جب تک یہ فسادات وغیرہ رہیں گے تو میں ان کو یہاں کوارٹر دوں گا۔پھر انہوں نے اُستہ محمد میں شروع کیا۔اُستہ محمد جو جمالیوں کا دس پندرہ میل کا علاقہ ہے۔اس کی تحصیل ہے اور بڑا اچھا قصبہ ہے۔تو وہاں دو احمدی رہتے تھے ایک پٹواری اور ایک دوسرے احمدی۔مجھے حضرت خلیفہ ثالثؒ نے ایک دفعہ یاد فرمایا اور فرمانے لگے کہ تمہاری محنت ضائع تو نہیں گئی۔میں نے کہا جی کونسی محنت؟ فرمانے لگے کہ بلوچستان والوں سے جو تم جمالیوں کے لئے کرتے ہو یہ خط پڑھو۔تو وہ خط میں لکھا تھا کہ یہ مولوی آئے اور انہوں نے دس بجے جلسوس نکالا اور کہا کہ اگر چار بجے تک تم یہاں رہے تو تمہارا کوئی بال نظر نہیں آئے گا اور کوئی ہڈی نظر نہیں آئے گی تو ہم تو بھاگے وہاں سے رجحان گئے، رجحان میں ظفر اللہ جمالی کو دیکھا وہ نہیں تھے۔تاج محمد جمالی کو دیکھا تو وہ بھی نہیں تھے عبدالغفار کو دیکھا تو وہ بھی باہر گئے ہوئے تھے تو پھر ہم واپس آ کر علی آباد گئے علی آباد میں فقیر بخش جمالی کے لڑکے عبدالنوید جمالی جو سینیٹر تھے وہ ہمیں مل گئے تو ہم نے ان سے کہا کہ سائیں! یہ بات ہے تو انہوں نے کہا کہ بالکل گھبرانے کی بات نہیں ہے اگر وہ چار بجے جلسہ کریں گے تو ہم ساڑھے تین بجے اس جلسہ کو کنٹرول کریں گے تو وہ اپنے ٹرکوں پر اور جیپوں پر

بلوچ لادکر اور کوئی پچاس ساٹھ مسلح آ گئے اور انہوں نے جلسہ کو کٹ کر لیا اور خود شروع کر دیا اور انہوں نے کہا کہ میں مولویوں کو انتباہ کرتا ہوں۔ ابھی دو گھنٹے دیتا ہوں۔ دو گھنٹے کے اندر اندر رُستہ محمد خالی کر دیں۔ اور یہ فلاں فلاں جگہ ہے جہاں تین تین بلوچ میں نے پہرے پر بٹھا دیئے ہیں۔ جاؤ اگر کسی کے اندر حوصلہ ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک دفعہ شاہ نواز نے ربوہ آنا چاہا وہ فوت ہو گئے قیصر نے آنا چاہا اور وہ بھی فوت ہو گئے میر صاحب کا بھی پروگرام تھا بلکہ میر صاحب کو جب حضرت صاحب نے اپنے دستخطوں سے تفسیر صغیر بھجوائی تو انہوں نے خط لکھا ایک اور خط یہ کہ ان پڑھ آدمی تھے بہت اور پنجابی، سرائیکی اور بلوچی سب کچھ ملا جلا کر لکھتے تھے تو اس میں لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے قرآن کی بھٹی کھولی ہوئی ہے اور لفافے میں سے خط حضور نے نکال لیا لیکن دوسری ایک اور چیز پڑی رہی اندر تو وہ حضرت صاحب بڑے گرم ہوئے کہ ہم نے قرآن کی بھٹی کھولی ہوئی ہے؟ اتفاق سے میں وہاں چلا گیا تو حضرت صاحب شیخوپورہ کی جماعت سے ملاقات فرما رہے تھے تو مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ اچھا تم آ گئے ہو۔ میں تمہاری خبر لوں گا آج۔ تو وہ چھوڑ دیا سارا پروگرام۔ حضور آگے آگے تھے اور میں پیچھے پیچھے تھا۔ اور استغفار کر رہا تھا کہ پتا نہیں کیا غلطی ہو گئی ہے تو اوپر کی سیڑھی پر جا کر ایک کمرہ کی تو کھڑے ہو گئے اور مجھے کہنے لگے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ بلوچ بھٹی کس کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا جی لنگر کو کہتے ہیں فرمانے لگے ''ہیں! یہ تو بات صاف ہو گئی ہے'' لنگر کھولا ہوا ہے ہم نے قرآن کا۔ میں نے اور منصورہ بیگم نے رات کو تمہیں کوسا ہے بھٹی کے لفظ سے تو یہ خط تھا ان کا۔ وہ خط میں نے پڑھا تو لفافے میں سے وہ نکالا اور عرض کی کہ حضور یہ ایک اور خط بھی ہے اس میں۔ میں نے کہا کہ حضور یہ پانچ ہزار روپے کا ڈرافٹ بھی ہے۔ یہ بھٹی میں جلنے کے لئے تو نہیں بھیجا نہ انہوں نے تو یہ اس طرح ان کے ساتھ خدا کے فضل سے مثلاً یہ تاج محمود جمالی ہیں چیف منسٹر بھی رہے ہیں ان کا سب سے بڑا لڑکا میر صاحب کا چیف سیکرٹری ہے آج کل بلوچستان میں، سکندر حیات۔ اور یہ سب جتنے بھی بچے ہیں یہ سب

Aitchison College کے پڑھے ہوئے ہیں۔یعنی کوئی ایسا نہیں کہ جسے آپ جاہل کہہ سکیں۔پھر یہ ہے کہ ان کی آنکھ میں شرم ہے۔مثلاً سارے خاندان میں سے مجھے یاد ہے کہ دو بچے سگریٹ پیتے ہیں۔یعنی یہ نشہ ہے عبدالنبی سگریٹ پیتے ہیں اور خیر محمد جمالی پیتے ہیں۔لیکن چونکہ وہ میرے سامنے نہیں پی سکتے اس لئے اگر وہ میرے سامنے پانچ گھنٹے بیٹھے رہیں تو وہ نہیں پی سکیں گے۔

یعنی اب یہ ظفر اللہ آتے ہیں،تاج آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چچا یہ کھائیں گے اور یہ پیئیں گے اور بیٹھے ہیں یعنی ایک برادری کا سا تعلق پیدا ہوگیا ہے یعنی اس پندرہ میل کے علاقہ میں کوئی احمدیت کے خلاف بات نہیں کرسکتا۔میرے تعلقات مینگل سے بھی ہیں اور بگٹی سے بھی ہیں۔ چنانچہ جب بھٹو صاحب نے ان کو قید کیا تو میں نے ان کے حق میں لکھا اور ایک دن بڑا لطیفہ ہوا کہ ایک میرا لڑکا جو کینیڈا میں ہے وہ بھاگا بھاگا میرے دفتر میں آیا اور کہنے لگا کہ وہ تین سکھ آئے ہیں اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور ان کی اتنی اتنی داڑھیاں ہیں۔میں نے کہا کہ اب وہ کیا کررہے ہیں؟ تو کہنے لگا کہ وہ اب داڑھیاں کتر رہے ہیں ہم نے شیشہ رکھ دیا ہے۔تو میں گیا تو وہ تینوں بگٹی تھے،مینگل تھے۔تو وہ کہنے لگے کہ بھائی آپ نے ہمارے حق میں لکھا تھا۔ہم جیل سے سیدھے یہاں آئے ہیں شکریہ ادا کرنے۔اور اب ہم جائیں گے۔اور پھر یہ کہ بلوچستان کے علاقہ میں جو revenue ہے وہ سارا رئیسانی اور جمالی علاقہ میں سے ہے کیونکہ یہ میدانی علاقہ ہیں۔گندم،جو اور جو بھی فصلیں ہوتی ہیں باقی تو پہاڑی لوگ ہیں اور وہ بھیڑیں پالتے ہیں اور بکریاں وغیرہ۔

ہوسٹ:میں نے یہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ آپ کے پیچھے کوئی ادارے لگے رہتے ہیں نا اور ان کو یہ بیک گراؤنڈ تو پتا نہیں ہے۔

ثاقب صاحب:ہاں جی وہ آپ نے تو دیکھا ہی ہے کہ وہ ہمارے بچے کی شادی کے ولیمہ پر

پیچھے CID والے آ گئے تھے۔ سردار صاحب جواب گورنر ہیں اچیسن کالج کے جو ہیں وہ بھی چیف کالج کے پڑھے ہوئے ہیں۔

ہوسٹ: اچھا ثاقب صاحب ایک بات اور بھی ہے یوں تو 1974ء کی آئینی ترمیم آنے سے پندرہ دن پہلے بھٹو صاحب نے آپ کا لاہور بند کر دیا۔ حفظ ما تقدم کے طور پر انہوں نے سوچ سمجھ کے کیا اور پھر ٹی وی پر اور ریڈیو پر اور ان کے پروگرامز میں آپ پر بندش رہی اور اس میں naturally جب جنرل ضیاالحق آئے تو انہوں نے اس میں کوئی تخفیف کی یا کیا سلسلہ رکھا؟

ثاقب صاحب: انہوں نے جو جماعت کے خلاف سڑکیں چوڑی کیں اسی طرح لاہور کے خلاف بھی کیں۔ پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے اشتہار فوراً بند کر دیئے بھٹو صاحب کبھی کبھی دیتے تھے۔ پھر کاغذ کا ان دنوں کوٹا ہوتا تھا۔ لاہور کے لئے کوٹا بند تھا۔ یعنی عجیب بات یہ ہے کہ جماعتی پرچوں کو کاغذ ملتا تھا۔ لیکن لاہور کو نہیں دیتے تھے ایک میرے دوست ہیں وہ آج کل سندھ گورنمنٹ employee society کے اور گلشن مہران کے امام ہیں۔ مسرت ڈائجسٹ بھی نکالتے ہیں یو۔ زیڈ تاثیر صاحب۔ ان سے کراچی میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ ثاقب صاحب نہیں! آپ اتنا مین سٹریم سے پیچھے نہ جائیں۔ کوشش کریں نا۔ کاغذ مل جائے گا۔ میرا نیوز پرنٹ کنٹرولر واقف ہے۔ میں اس سے بات کرتا ہوں کاغذ مل جائے گا۔ میں نے کہا کہ تم بھی کوشش کر دیکھو۔ میں اپنی عزت نفس کے خلاف بات نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ جناب کراچی سے اسلام آباد گئے صرف اس غرض کے لئے اور انہوں نے ہمیں پانچ ٹن کا ایک پرمٹ بھجوایا۔ مجھے وصول ہوا۔ تو میں نے م۔ ش صاحب کا لڑکا مینجر ہوتا ہے پریس کا محمد شجیع تو اس کو بلایا میں نے کہ بھئی یہ ڈیلر سے کاغذ لے آؤ اور جتنے پیسے پوچھیں مجھ سے لے جاؤ۔ تو وہ میرے پاس واپس آیا اور ہنستا تھا اور کہنے لگا کہ چچا انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ اسی دن ہمیں فون آ گیا تھا کہ صرف پرمٹ ہے۔ اس پر کاغذ نہیں دینا۔ پھر انہوں نے ڈیکلریشن کینسل کر دیا۔ اب وہ ڈی سی کے پاس آرڈر پڑا ہوا ہے۔ لیکن اس کا طریق

یہ ہوتا ہے کہ ڈی۔سی نے بلایا اور فیصلہ کیا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے بات یہ پرچہ بند ہونا چاہیے۔ and then he decided to do this تو وہ ڈی سی سارے کام تو بیچارہ خود نہیں کرتا۔ تو وہ ڈیکلریشن کی cancelation کا آرڈر انہوں نے بھیج دیا اور مجھے اس کا نوٹس آ گیا۔ میں نے آ کر چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب سے بات کی کہ یہ ایک نئی صورت پیدا ہوئی ہے۔ وہاں ایک ہمارے بڑے مستند نوجوان محمد علی درد صاحب بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا جی وہ سردار احمد شیر صاحب سے میں لے آؤں گا تاریخ آپ گھبرائیں نہیں تو وہ اس وقت یہ تھا کہ تاریخیں دیکھتے ہیں کہ پتا نہیں کیا بنے۔ تو وہ تاریخ لے آئے اور ساڑھے چار سال تک لاتے رہے، کبھی میڈیکل دے رہے ہیں مجھے نہیں پتا کہ کہاں سے دیتے تھے وہ۔ بہرحال انہوں نے، خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ ان دنوں جتنے لوگ بھی اے۔ڈی۔سی آئے تین چار بدلے۔ وہ سارے غیر متعصب تھے۔ حتی کے انہوں نے ڈی۔سی کو کہا کہ صاحب آپ کیوں نہیں، اس دوران میں انہوں نے کہا کہ یہ پرچا تو ضیا الحق نے کہا ہے کہ چھپ رہا ہے۔ اب پرچہ ایوان صدر میں تو بھیجتے تھے۔ تو violation of the press rules لگاؤ ان پر۔ چنانچہ انہوں نے violation of the press rules کے تحت سیکرٹری انفورمیشن نے جو غالباً ڈاکٹر صفدر محمود تھے ان دنوں ہم پر کیس کر دیا۔ یہ ناصر صاحب جو آج کل سپیشل اسسٹنٹ ہیں ان کی عدالت میں پونے دو سال چلتا رہا کیس۔ بری ہو گئے ہم۔ بہرحال ضیا الحق صاحب نے کمی حتی الوسع کوئی نہیں کی۔ وہ بات کو آگے بڑھاتے رہے۔ حتی کہ ان سے زندگی میں پہلی دفعہ ایک ملاقات ہوئی۔ وہ پانچ جولائی 77 کو آئے تھے اور یہاں چھبیس یا ستائیس کو لاہور میں آئے اور انہوں نے ایڈیٹرز کو بلایا تو ایڈیٹرز میں ان دنوں ویو پوائنٹ، چٹان اور لاہور dailies کے ساتھ at park ہوتے تھے۔ ہمیں بھی بلایا گیا اب ظاہر ہے کہ ایک آدمی رائیفل کے زور پر آیا ہے اور اس صورت حال میں آیا ہے تو اخبار نویس سمجھتے تھے کہ یہ تو رہے گا اب تو بڑے ٹپ ٹاپ اور سوٹ وغیرہ پہن کر لوگ پہنچے اور وہ

جب سوال کرتے تھے تو اس طرح کے، ہم تو مطمئن ہیں ویسے تو لیکن یونہی سوال کیا ہے۔ میں اور مظہر علی خان صاحب سب سے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے ویو پوائنٹ والے۔ میں نے کہا مظہر تم بھی سوال کرو کوئی ورنہ ہم پر بات آجائے گی۔ تو انہوں نے کہا کہ دیکھو بات یہ ہے، اُٹھ کھڑے ہوئے اور یونہی انہوں نے سوال کیا۔ جس کا جواب انہوں نے معقولیت سے دیا۔ اور جب وہ ختم ہو گیا تو باقاعدہ انہوں نے میرا نام لے کر کہا کہ جناب آپ نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے کہا صاحب سوال تو کوئی رہ ہی نہیں گیا میں کیا پوچھ سکتا ہوں؟ نہیں نہیں اگر آپ کو کوئی شکایت ہو، ذہن میں کوئی خلش ہو تو آپ فرمائیں اور میں انشاء اللہ آپ کو مطمئن کروں گا۔ میں پہلے تو حیران ہوا کہ یہ آیا ہے تو اس کو میرے نام کیسے پتا۔ خیر میں کھڑا ہو گیا اور کہا کہ صاحب وہ جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہنے لگے کہ نہیں نہیں آپ فرمائیں بالکل۔ میں نے کہا کہ آپ نے جو 05 جولائی 1977ء کو جو تقریر فرمائی تھی اس میں ایک فقرہ تھا کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے اپنے اسلام کے لئے کسی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے یہ آپ نے فرمایا تھا نا؟ کہتے ہاں ہاں یہ میں نے کہا تھا۔ بھئی وہ روئیداد خان ان کو وہ پمفلٹ نہیں بھیجا؟ ہم نے تو پمفلٹ بھی چھاپا ہے۔ روئیداد خان ان دنوں انفورمیشن منسٹر تھے۔ میں نے کہا صاحب وہ پمفلٹ بھی مجھے ملا اور تقریر بھی آپ کی میں نے سنی تھی۔ میں آپ کے منہ سے ذرا، وہ کہتے ہیں کہ مقرر کے منہ سے سننے کا لطف ہی اور ہوتا ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں ہاں میں نے کہا تھا میں نے کہا اس کے بعد 23 تاریخ کو کیہان انٹرنیشنل کو آپ نے ایک انٹرویو دیا۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ مجھے پی۔این۔اے کے سرٹیفکیٹ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب پی۔این۔اے تو عرف عام میں یہ بات مشہور ہے۔ کہنے لگے کہ پی۔این۔اے کیا چیز ہے؟ یہ میرے عقائد کا میرے خدا تعالیٰ سے معاملہ ہے۔ اس میں پی۔این۔اے کیسے دخل دے سکتی ہے؟ تو میں نے کہا کہ صاحب اب میں کچھ گزارش کروں؟ کہنے لگے کہ آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں؟ میں تو آپ کو بڑا موسٹ سینئر جرنلسٹ سمجھتا تھا۔ میں نے کہا صاحب بس

ایسے ہی ہے اگر آپ سمجھتے ہیں تو آپ کی حسن ظنی ہے۔ میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اپنے اسلام کے لئے آپ کے سرٹیفکیٹ کی کیوں ضرورت پڑتی ہے؟ وہ شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ثاقب صاحب یہ بڑا دلچسپ سوال ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کو ایوان صدر میں دعوت دوں گا اور دو تین گھنٹے اس پر بات ہوگی۔ روئیداد خان ان کو ذرا زحمت دو کہ یہ ہمارے پاس آئیں۔ پریس کانفرنس ختم ہوگئی تو روئیداد خان سے میرے اچھے تعلقات تھے۔تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب کب پھر دعوت دو گے تو اس نے کہا انشاء اللہ کبھی نہیں۔ اور جب تک وہ رہے ہمیں کسی نے پریس کانفرنس میں نہیں بلایا۔ جب وہ اس سے بہت ہی زیادہ تنگ آ گئے تو انہوں نے پرچہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ پرچہ اُٹھانا بھی اس طرح کا حساب رکھا ہوا تھا کہ مہینے میں چار سے پانچ اُٹھا لیتے تھے اور ایک پرچہ دے بھی دیتے تھے۔ہم سمجھتے تھے کہ شاید اگلی دفعہ دے دیں۔ساڑھے سات سال پرچہ اُٹھایا۔ستائیس سو چون، لاہور کے خریدار بھی کم کر دیئے وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سرکولیشن ایسی تھی کہ پرچہ چلتا رہا یہ ناراض بھی ہوئے اور سب کچھ۔لیکن یہ کہ اتنا نقصان پہنچایا انہوں نے، پھر انہوں نے انکوائری کروائی کہ جماعت کو تو نہیں کچھ دیتے؟ پھر جماعت کی کروائی کہ لاہور کو تو نہیں کچھ دیتے؟ پھر یہاں کی جماعت کی کاروائی پھر بے نظیر نے ڈی۔ڈی۔پی۔آئی نے بتایا کہ صاحب۔ یار تم کیسے چلاتے ہو پھر۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں تو وہاں سے کچھ بھی نہیں ملا۔تو جنرل صاحب بڑی مہربانی فرماتے رہے۔اب کیا کریں۔

ہوسٹ: اچھا جنرل صاحب کے بعد نواز شریف صاحب کا بھی تو ایک دور ہے۔نواز شریف کا دور تو انہی کے واسطے سے تھا۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ پیپلز پارٹی والے اور یہ دونوں مارشل لاء کی پیداوار ہیں کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب 57ء میں آ کر شہریت لیتے ہیں۔اس سے پہلے تو یہ پاکستانی ہی نہیں تھے۔ مارشل لاء آ گیا اور انہوں نے ان کو وزیر لے لیا۔انہیں مارشل لاء اتنا پسند تھا کہ جب انہیں اقتدار ملا تو یہ تین سال سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہے اب ان کی لڑکی حکمران ہے۔

یہ شخص فاؤنڈری پر بیٹھتا تھا۔جس کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنے ڈھب کا سمجھا اس کو اُٹھالیا اور کہا کہ چمڑے کی چلاؤ اور چلو۔ یہ چمڑے کی چلاتا رہا۔یعنی اس کے دور میں ہمیں فرق یہ پڑا کہ پہلے یہ تھا کہ اوپر سے کوئی انسٹرکشن آتی آدھی زبانی، ہوم سیکرٹری صاحب سے ایس۔ ایچ۔ او کیس تیار کرتا تھا اور اس سے آدمی مل بھی لیتا تھا۔لیکن انہوں نے یہ طریقہ کیا کہ ہوم سیکرٹری صاحب ایس ۔ایچ۔ او کو لکھتے تھے کہ under such and such سیکشن کیس رجسٹر کرلو۔ اور انہوں نے 1991 میں، میری مصیبت یہ تھی کہ میرا گھر مزنگ تھانے میں ہے اور میرا دفتر جو ہے وہ مزنگ تھانے میں ہے اور پریس ہمارا لوئر مال میں تھا۔تو وہ کیس وہاں بھی جاتا تھا تو انہوں نے دو کیس کئے باقاعدہ تو انہوں نے دو کیس بھگتے باقاعدہ اور وہاں اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا۔ کہ ایک کیس جس میں 295-A بھی لگی ہوئی تھی۔ ایک کیس تو 298-C کا تھا۔ اچھا اس میں بڑی لطیف بات ہوئی۔ وہ میں ضرور اس کا عرض کرنا چاہتا ہوں اے۔سی صاحب تھے کوئی صدر کے۔ نام میں بھول رہا ہوں اس وقت۔ ہمارے کوئی دوست تھے طاہر ملک صاحب وہ کہنے لگے کہ یار وہ ہمارا اے۔ سی جو ماڈل ٹاؤن کا ہے اس سے کہلواتا ہوں کہ یہ کیا کیس ہے؟ بات تو کوئی بھی نہیں ہے 298-C تھی تو انہوں نے مجھے بتایا پھر آ کر کہ انہوں نے جواب یہ دیا ہے کہ کیس میں تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن وہ اتنا known Ahmadi ہے کہ میں احمدی کے ساتھ ڈائریکٹ نہیں ہونا چاہتا۔تو میں نے کہا کہ بھئی اس کو کہو کہ کہیں ٹرانسفر کر دے کیس۔ کہنے لگے کہ وہ شاید یہی کرے، لیکن عجیب بات ہے کہ جس دن انہوں نے مجھے پیغام دیا وہ تیسرے دن قبضہ گروپ میں گرفتار ہوا۔ اور 28 دن اس کی ضمانت نہیں ہوئی۔ ہمارا کیس انہوں نے ٹرانسفر کر دیا۔تو ان دنوں جاوید اقبال مجسٹریٹ تھے۔ان کے ہاں گئے تو وہ ساڑھے دس بجے آتے تھے ہمیں بلاتے تھے ساڑھے سات بجے۔ میں اتنا کھڑا نہیں ہوسکتا۔ ایک دن جس دن بحث تھی ہمارے حمید اسلم صاحب اور مرزا نصیر احمد صاحب میرے ساتھ جاتے تھے تو حمید اسلم صاحب نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے کہا کہ آپ

بیٹھ جائیں کرسی تو ہے ہمارے پاس۔ تو جب بحث شروع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ where are the accused تو میں کھڑا ہوا۔ آپ بیٹھ گئے ہیں، آپ کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ ملزم ہیں۔ تو اتنا وہ تلخ تھا کہ مرزا نصیر احمد صاحب ان سے اُلجھ گئے کہ یہ ملزم ہے۔ مجرم نہیں ہے۔ یہ بیٹھ سکتے ہیں کون کہتا ہے کہ نہیں بیٹھ سکتے۔ خیر وہ معاملہ ٹھنڈا ہوا۔ اس کے بعد اس نے تین دن کی تاریخ ڈالی اور ہم سمجھے کہ یہ سزا دے گا۔ کیونکہ اس کا انداز معاملہ ہی غلط تھا۔ لیکن صاحب اس نے ہمیں بری کیا۔ اور وہ بری کر کے ریڈر کو حکم دے کر چلا گیا کہ بھئی اس کو سنا دینا میں جا رہا ہوں، وہ شیعوں کی کانفرنس ہے۔

اس کے بعد دوسرا کیس انہوں نے کیا لوئر مال کا تھا۔ وہ آٹھ کیس بھیجے انہوں نے۔ وہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ وہ ایک ہمارے احمدی ہیں میاں مبارک علی صاحب وہ سلطان پورے کے ہیں۔ وہ ایک دن کہنے لگا کہ میرے پاس ایک تھانے دار میرے گاؤں کا آیا۔ اور وہ پوچھتا تھا کہ ثاقب زیروی کون ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ بتاؤ کیا بات ہے؟ تو تھانے دار کہنے لگا کہ یار سات سے آٹھ کیس ہیں ان پر جو میرے پاس ہیں۔ تو وہ کسی دن آئیں تھانے میں تو میں کچھ بھیجوں، کچھ ختم کروں اور کچھ اعلان کر دوں۔ تو میں نے مرزا نصیر صاحب سے بات کی اور میر صاحب سے بھی بات کی تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اور مرزا نصیر احمد صاحب اور میں چلے گئے۔ مرزا نصیر احمد صاحب کو بھیجا میں نے پہلے۔ پانچ کیس تو انہوں نے جواب دیا۔ کچھ ایس۔ ایچ۔ او صاحب سے بھی سفارش وغیرہ ڈلوائی گئی۔ لیکن ایک کیس جو تھا وہ بڑا دلچسپ تھا۔ تو وہ مجھے بھی بتایا مرزا صاحب نے تو مرزا صاحب نے ان کو کہا کہ اس کیس میں ہمارا چالان کر دیں آپ۔ اس نے کہا بھئی اس میں پانچ سال (قید) ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے کر دیں دیکھیں گے کس کو ہوتے ہیں۔ اس وقت ایک اور آدمی بیٹھا ہوا تھا بڑا سوٹ وغیرہ پہن کر۔ تو اس نے کہا کہ اچھا میں اس کیس کو پہلے ہوم سیکرٹری صاحب سے ڈسکس کر لوں۔ تو تیسرے یا چوتھے دن مجھے وہاں بلایا گیا۔ تو

میں نے ان سے کہا ہوم سیکرٹری صاحب سے کہ دیکھیں آپ کو اسلام کا بھی کچھ پتا نہیں ہے آپ کو احمدیت کا کیا پتا ہوگا؟ آپ کو کوئی دشمنی نہیں ہے جماعت سے آپ کو اوپر سے آرڈر آتا ہے اور آپ بھیج دیتے ہیں۔لیکن ایسے آدمیوں سے کہا کریں کیس تیار کرنے کا جن کا خون صاف ہو۔ کہنے لگے کہ کیا مطلب ہے؟ بڑے گرم ہو گئے تو مَیں نے کیس سامنے رکھ دیا۔اور بتایا کہ یہ دیکھیں اس میں مجھ پر الزام لگایا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ کہنے لگے کہ جی ہاں لگایا ہے۔میں نے کہا کس نے تیار کیا ہے یہ کیس اسکو بھی بلا لیں۔ یہ تو قرآن مجید کی آیت ہی نہیں ہے۔ لائیے قرآن مجید کوئی نکال دے۔ میں نے کہا کہ صاحب یہ متنبی کا شعر ہے۔شراب پر ہے، میں اس کا زم زم ترجمہ کرتا ہوں۔ وہ بڑا گھبرایا میں نے پھر اس کو ایک لطیفہ سنایا کہ ہمارے گاؤں سے ایک دفعہ ایک دیہاتن حج پر چلی گئی تھی۔تو ایک شیخ بھی وہاں دوکان پر کام کرتا تھا وہ بھی گیا تو واپس آکر شیخ نے تو بڑا بتایا کہ وہاں یہ برکتیں ہیں اور یہ معجزے ہیں۔ وہاں یہ کرامتیں ہیں۔اس نے تو اُودھم مچادیا لیکن وہ دیہاتن بوڑھی عورت وہ کیا کہے۔اس سے لوگوں نے پوچھا کہ بھئی تُو بھی کچھ بتا۔اس نے تو شور مچایا ہوا ہے سارے گاؤں میں تو اس نے کہا کہ بیٹا میں کیا بتاؤں وہ تو گالیاں بھی قرآن شریف میں دیتے ہیں تو میں نے کہا کہ وہی حال تمہارے سیکشن افسر کا ہے۔عربی لکھی دیکھی تو اس نے کہا کہ قرآن مجید کی آیت ہے۔

ہوسٹ: ثاقب صاحب ایک ذہن میں یہ مقدمات کا جو سلسلہ رہا یہ بہت لمبا رہا لیکن اس میں آپ کے ساتھ جو پبلشر تھے م۔ش انہوں نے بہت استقامت دکھائی اور آپ کی دوستی بھی بہت اچھی تھی جو آپ نے بتائی لیکن اس کے علاوہ بھی آپ چاہیں گے کہ ہمیں کچھ بتائیں؟ اپنے تاثرات کا اظہار کریں۔

ثاقب صاحب: م۔ش صاحب سے تعارف کا سلسلہ تو اس وقت ہوا تھا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ان دنوں رتن باغ میں رہتے تھے۔ میں ان کے ساتھ پریس اٹیچی تھا۔

الفضل میں بھی کام کرتا تھا۔ مسعود احمد دہلوی اور ہم، دو ووٹر بھی تھے ان کے بلکہ منیر احمد وینس بھی تھے تین ووٹر تھے۔تو پریس گیلری میں انتخاب ہوتا تھا۔کبھی جمیل الزماں سول ملٹری گزٹ کے آجاتے تھے اور کبھی م۔ش آجاتے تھے جب بھی پریس کانفرنس کرنی تو انکو سب سے پہلے بلانا تو تعلق ایک چھوٹا سا پیدا ہوگیا۔ پھر میں نے پرچہ اردو پریس میں چھپوانا شروع کر دیا۔تو اردو پریس کی اور انکی جب آپس میں علیحدگی ہوگئی تو چٹان پریس بن گیا تو پھر ہم نے سولہ، سترہ سال چھپوایا۔ اس کے بعد پھر ہم واپس آگئے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں جب انہوں نے آف سیٹ پر کر لیا۔ بلکہ مجھے یاد ہے کہ شورش صاحب تشریف لائے دفتر میں اور مجھے کہنے لگے کہ یار تو بڑا اچھاپے ماسٹر ہے۔ میں لکھوں دے پیسے لاں گا تے آف سیٹ چھاپیا کراں گا۔ میں نے کہا نہیں بھائی یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ میرے استاد نے مجھے ایک سبق دیا ہے کہ ادنے کا کھاؤ بدنے کا نہ کھاؤ۔ حالانکہ شورش میں ایک بات عجیب تھی کہ وہ پرچہ کو مولیسٹ نہیں کرتا تھا۔ ہماری چار چار مہینے بھی بحث چلی۔ اس دفعہ میں نے اس کے خلاف لکھا ہے تو اگلی دفعہ اسنے میرے خلاف لکھا ہے ایک پرچہ اس کے پریس میں چھپ رہا ہے تو کرسکتا تھا لیکن نہیں کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ہم نے دس سالہ نمبر جب نکالا تو حیران ہوتے ہیں لوگ کہ وہ صبح صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یار بہتر صفحے کا تم پرچہ چھاپ رہے ہو اور مجھے سے کہا ہی کچھ نہیں کہ لکھو تو میں نے کہا آغا مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ تم لکھتے لاہور کے لئے یا نہیں لکھتے۔ کہنے لگا کہ میں نظم کہہ رہا ہوں صبح سے میں نے کہا کہ جی اب تو صرف ایڈیٹوریل کا صفحہ رہتا ہے اور وہ بھی میں منشی جی کو دے چکا ہوں۔ کہنے لگے اے منشی جی یہ صفحہ مجھے دو میں اس کو چھوٹا کرتا ہوں۔ ایک کالم نکالو اور اس کالم میں میری نظم چھپے گی اور وہ دس سالہ نمبر پر ایڈیٹوریل کے صفحہ پر اس کی نظم چھپی ہوئی لاہور کی تاریخ میں تو جب ہم پاکستان پرنٹنگ ورکس میں لے آئے تو 74ء کی amendment ہوگئی تو وہاں جو ممتاز صاحب کا اور جو انکے ساتھی تھے ان کا بھانجا یا بھتیجا جو مینجر تھا وہ تعصب سے بھرا ہوا تھا اور وہ پرچہ کو تھوڑا تھوڑا، ایک تو لیٹ چھاپتا تھا اور پھر یہ کہ کچھ

خراب بھی کر دیتا تھا۔تو میں نے اس سے، اتنے میں ایک واقعہ ہوگیا ہمارے ایک احمدی کی لاش اکھڑوائی گئی اور اس پر ایک ایڈیٹوریل لکھا۔وہ پرچہ تو انہوں نے ضبط کرلیا لیکن وہ پاکستان پرنٹنگ ورکس والے کچھ گھبرائے، ممتاز بھی گھبرایا اور ہم وہاں سے اُٹھا کر فنون پریس میں پرچہ لے آئے۔ فنون پریس میں پرچہ چھپتا رہا۔سال کے بعد انہوں نے ڈی۔ پی۔آر صاحب نے ان کو بلایا بشیر علی موجد کو اور کہا کہ یہ پرچہ اگر تم چھاپو گے تو تمہارا پریس ضبط کرلیں گے۔وہ بھی گھبرائے۔تو اس نے ہمیں لکھ کر بھیج دیا کہ میں نہیں چھاپوں گا اور سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ کو بھی اس کی نقل بھیج دی۔تو میں اور م۔ش جا کر ڈی۔پی۔آر کو ملے تو اس نے کہا کہ صاحب آپ درخواست دے دیں تو پھر میں بھجوادوں گا تو یہ باہر آ کر کہنے لگے کہ اس کی نیت خراب ہے میں پرچہ چھاپوں گا جو ہوسو ہو۔تو وہ صاحب پرچہ چھپتا رہا اور ڈیکلریشن کی منظوری نہیں ہوئی تھی۔اور یہ ایک بڑی بات تھی۔ پھر انہوں نے تعلق، حالانکہ یہ جنرل ضیا اور وہ دو دن کے دیہات میں ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے جالندھر میں۔ پھر یہ آرائیں تھے، ان کو انہوں نے شوریٰ کا ممبر بھی بنایا۔لیکن یہ کہ یہ کلمہ حق کہہ دیتے تھے احمدیوں کے حق میں یہاں سے بگاڑ شروع ہوا پھر انہوں نے ہمارے مقدمات میں سچی بات ہے کہ ہر جگہ گئے۔اور جب بیمار بھی ہوتے تھے تو حمید اسلم صاحب ان کو کار میں لے آتے تھے اور یہ بیچارا عدالت میں حاضر ہوتا تھا لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ جنرل ضیا سے جب وہ بدگمان ہوئے تو یہ پچھلے الیکشن میں کھڑے ہو گئے رینالہ خورد سے۔تو میرے پاس آئے۔دو آدمی ان کے ساتھ اور تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ بھئی میں کھڑا ہو رہا ہوں اور میں نے کاغذات دے دیئے ہیں۔ میں نے کہا کہ بھی تم کیوں کھڑے ہو گئے ہو۔تم نے ہونا تو ہے نہیں تو فائدہ کیا ہوگا۔ میں نے کہا کہ تم اسلئے کھڑے ہو رہے ہو کیونکہ وہاں آرائیوں کے ووٹ زیادہ ہیں۔ چاروں جو کھڑے ہو رہے ہیں چاروں آرائیں ہیں۔اور کروڑ پتی ہیں وہ دو اور ایک حضرت کرمہ والے کا لڑکا ہے۔تمہیں کون پوچھے گا؟ تو اس نے اُٹھ کر کہا کہ اچھا میری بات سنو۔ باہر لے جا کر کہنے لگا کہ مجھے جنرل صاحب نے پیغام

بھیجا ہے۔ کہ تمہیں ضرور ہونا ہے اور تمہیں میں کرواؤں گا۔ میں نے کہا کہ خدا کے لئے نہ کھڑے ہونا۔ وہ شخص صرف جھوٹ بولتا ہے تو خیر اس نے اس بات کو تسلیم نہ کیا۔ اور میں نے کہا جی باقی نہ تو ہمارے ووٹ ہیں۔ پھر جماعتی طور پر ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم کسی پارٹی کی مدد نہیں کریں گے۔ میرے ساتھ تمہارا ذاتی تعلق ہے تم جو کہو گے میں کروں گا میں اس کی خود explanation دے دوں گا۔ تمہیں اگر پیسوں کی ضرورت ہوگی تو چوبیس گھنٹے پہلے مجھے بتا دیا کرنا جہاں سے میں لاہور کے لئے لیتا ہوں۔ تمہارے لئے بھی لے لیا کروں گا۔ تو خیر یہ الیکشن لڑا اور یہ ہار گئے جب ہار گئے تو ایک دن گھر آئے اور مجھے کہنے لگے کہ مجھے ہار جانے کا صدمہ نہیں ہے۔ سب سے بڑا صدمہ اس بات کا ہے کہ جنرل نے ایک برگیڈیئر بھیجا ہوا تھا جو میرے خلاف پروپگنڈہ کرتا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو تمہیں کہا تھا دیکھو بھائی ہمارے ساتھ کیا دشمنی تھی اور اس نے ہماری دشمنی اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیکھ اللہ اکبر بھی نہ کہو۔ اشھد ان لا الہ بھی نہ کہو۔ تو تمہارے ساتھ وفا کیسے کرسکتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ عملاً تو احمدی تھے اور اس وقت لاہور کو بلکہ آج بھی میں کہوں گا کہ کوئی نہیں چھاپتا تھا انہوں نے چھاپا اور انہوں نے مقدمے ساتھ بھگتے۔ ایک دفعہ ان کو چیف سیکرٹری صاحب نے کہا کہ میاں صاحب یہ آپ پرچہ چھوڑ دیں۔ آپ کیوں تکلیف میں ہیں؟ انہوں نے کہا صاحب مجھے تکلیف وغیرہ کوئی نہیں ہے۔ مقدمہ ہوتا ہے۔ قبل از گرفتاری ضمانت وہ کرواتا ہے وکیل وہ کرتا ہے۔ ضامن وہ لاتا ہے۔ اگر باہر کہیں جانا ہو تو وہ Toyota پر بٹھا کر مجھے لے جاتا ہے اور وہاں ہم بڑے مرغ وغیرہ کھلاتا ہے اور پھر مجھے گھر واپس بھی چھوڑتا ہے اور میرے پاس پانچ پرچے اور بھی چھپتے ہیں اور ایک پرچہ میں مردان میں کسی نے ہتک انگیزی کا کیس کیا اور انہوں نے مجھے یہاں سے گرفتار کیا اور رات کو مجھے سول لائن کے تھانے میں رکھا اور صبح ہتھکڑی لگا کر مجھے مردان لے گئے اور وہ قدرتی بات ہے کہ مردان کا مجسٹریٹ میرا واقف تھا۔ ورنہ میری ضمانت ہی نہ ہوتی۔ مجھے تکلیف اس معاملے میں کوئی نہیں ہے۔ اس نے

بڑی وفا کی اور حضور نے ، پتا نہیں وہ واقعہ اگر نہ پسند ہو تو نکال دیں۔ پچھلے دنوں وفات سے پہلے ایک بات ہوئی بڑی عجیب وغریب کہ ایک دوست ہیں کوئی محمد اسحاق صاحب ہیں اور صدر ہیں کسی حلقہ کے انہوں نے انہیں خط لکھا ایک مضمون کے متعلق جو جمعہ ایڈیشن میں نوائے وقت میں چھپا تھا اور اس میں انہوں نے چوہدری فتح محمد سیال صاحب کی خدمات کا ذکر کیا تھا کہ وہ ایم۔ایل۔اے ہوئے تھے لیکن مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔تو خط میں انہوں نے لکھا کہ بس تمہیں فتح محمد سیال ہی نظر آئے اور ڈاکٹر سلام صاحب نظر نہیں آئے؟ چوہدری ظفر اللہ خان نظر نہیں آئے؟ تو اس نے مجھے دکھایا تو اس نے کہا کہ ڈاکٹر سلام صاحب کہاں تھے؟ چوہدری ظفر اللہ خان کا ذکر میں کیسے کروں وہ تو فیڈرل کورٹ کے جج تھے۔تو یہ کیا اس نے مجھے خط لکھ دیا ہے؟ انہوں نے اسے جواباً خط لکھ دیا کہ صاحب آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میں نے تو یار جماعت کے لئے اینٹیں بھی کھائیں ہیں۔گالیاں بھی کھائیں ہیں یہ تم نے کیا کیا ہے۔اگر نہیں یقین تو تم ثاقب زیروی سے پوچھ لو۔کہ میں ان کے ساتھ کہاں کہاں تک گیا ہوں ان صاحب نے م۔ش کو جو خط لکھا تھا وہ خط اور م۔ش کا جواب دونوں مجھے بھیج دیئے فوٹو سٹیٹ کروا کے۔اور مجھے لکھا کہ آپ کا کیا خیال ہے۔تو میں نے انہیں لکھا کہ مجھے تمہارا خط پڑھ کر شرم آئی ہے بھئی کہ اول تو اس وقت وہ دونوں تھے کہاں؟ اس وقت ان دونوں کا ذکر کیسے آ سکتا تھا؟ پھر یہ تلخ زبان۔اس کے ساتھ میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا نہیں اس کو چھوڑو۔حضرت صاحب کا کوئی خط مجھے نہیں آتا جس میں م۔ش کو سلام نہیں لکھا ہوتا۔تو تم اس سے اندازا لگا لو۔اس شخص نے وہ میرا جواب بھی اور وہ دونوں خط حضرت صاحب کو بھیج دیئے۔حضرت صاحب نے دو صفحے کا خط لکھا ہے کہ تم بس نمبر بڑھانے کے لئے یہ سب کر رہے ہو۔اور مجھے ایک اور خط لکھا کہ تم میری طرف سے جا کر م۔ش سے معذرت کرو۔مطلب یہ کہ ان کا جماعت کے ساتھ بڑا پیار کا تعلق تھا۔اور اچھا تعلق تھا۔اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرے۔ ہوسٹ: ثاقب صاحب یہ آپ کی صحافتی زندگی کے تقریباً

44 سال ہوجاتے ہیں اور ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ روزناموں میں اب الفضل اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب سے پُرانا روزنامہ الفضل کا اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہفتہ وار رسالوں کی تاریخ کو اگر دیکھا جائے تو لاہور جب سے شائع ہونا شروع ہوا ہے تو کوئی ایسا ہفتہ وار ہوگا جو اب بھی شائع ہوتا ہو۔ثاقب صاحب: نہیں وہ بات یہ ہے کہ اس وقت لاہور کو راجہ بھائی باقاعدہ رکھنے کے لئے میری زندگی کا ہر شعبہ بے قاعدہ ہوگیا ہے۔یعنی یہ exact وقت پر آتا تھا دو دفعہ بندشیں ہوئیں اور یہ بند کر دیا گیا اور ایک دفعہ بھٹو صاحب نے بند کیا ورنہ عین exact تاریخ پر پرچہ وقت پر نکلتا رہا اس وقت آفاق، اقدام، قندیل، چٹان یہ اچھے معروف پرچے تھے اور آج کوئی بھی نہیں ہے۔ چٹان ڈمی چھپتا ہے بلکہ اس سے ہم کاغذ خریدتے ہیں بعض دفعہ مطلب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے لیکن یہ صورت حال ایسی ہے کہ جو پہلے دن تھی اقتصادی طور پر۔ جہاں تھے وہاں ہی کھڑے ہیں۔اس لئے گزارہ ہورہا ہے۔ہم بات بھی کرتے ہیں اور ہر ہفتے کرتے ہیں یہ بھی نہیں کہ بات ہی نہ کریں۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ پندرہ سال کاٹ کہ 84ء کے بعد گیارہ بارہ سال ہمیں لکھنا سمجھ میں آ گئی کہ کس طرح بات کی جاسکتی ہے۔ ورنہ پہلے تو ہمیشہ کیس ہی بن جاتا تھا۔

ہوسٹ: چلیں پھر تھوڑا سا شاعری کی طرف آئیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاعری کا بہت وسیع canvas آپ کو دیا ہے۔اور اس میں جماعتی شاعری بھی ہے اور نعتیہ بھی ہے اور حمد یہ بھی ہے اور تاریخی بھی ہے اور موضوعاتی بھی ہے۔لیکن آپ کی ایک نظم ''انجام'' ستائیس دسمبر کو جلسہ سالانہ میں بھی پڑھی اور لندن کے جلسہ سالانہ میں جو نعتیہ مشاعرہ ہے اس میں بھی یہ اصرار ہوا کہ وہ نظم پڑھی جائے۔تو کیا ہمارے سامعین اور ناظرین کو اس نظم سے نوازدیں گے ثاقب صاحب: بھئی اتنے زور سے ہم نے باتیں کیں ہیں کہ شاید اب وہ میں ترنم سے نہ پڑھ سکوں۔

یہ نظم سننے سے زیادہ دیکھنے کی تھی۔لوگوں کا جوش وخروش دیکھ کر مجھے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ میں پڑھ بھی سکوں گا۔ بلکہ اس سے پہلے ایک عجیب بات ہوئی تو میں وہ بھی عرض کردوں۔حضرت

چوہدری فتح محمد صاحب مجھے جلسہ پر لے جایا کرتے تھے اور واپسی پر میں شور صاحب کے ساتھ آتا تھا تو میں نے انہیں کہا کہ رات خواب میں تین دفعہ مجھے کہا گیا ہے کہ مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو۔ تو جب یہ نظم پڑھ کر میں اُترا تو چوہدری صاحب بھاگے بھاگے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مبارک ہو۔

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خواب طرب سب خواب ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
تاریخ کے سینے میں اب تک ہیں دفن وہ سارے ہنگامے
انسانوں کے ہاتھوں دنیا میں کیا حال ہوا انسانوں کا
طاقت کے نشے میں چُور تھے جو توفیق نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا
پستے ہیں بالآخر وہ اپنے ہی ستم کی چکی میں
انجام یہی ہوتا ہے آیا فرعونوں کا ہامانوں کا
کم آیا ہے پر قدرت نے ہمیں احساس کی دولت بخشی ہے
ہر آنکھ سے آنسو پوچھیں گے دکھ بانٹیں گے سب انسانوں کا
جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرضانوں کا اتنا ظرف کہاں یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا
اے صبر و رضا کے متوالو اُٹھو تو سہی دیکھو تو سہی
طوفانوں کے مالک نے آخر رخ پھیر دیا طوفانوں کا
جھنکار پہ سونے چاندی کی ہوتا ہے ضمیروں کا سودا
اس دور خرابی میں یارو خطرہ ہے بہت ایمانوں کا

اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کر ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سو پہرہ ہے کم فہموں کا نادانوں کا
ہم دین خدا کے پرچم کو اونچا ہی اُڑاتے جائیں گے
ہم دین خدا کے پرچم کو اونچا ہی اُڑاتے جائیں گے
جو طوفانوں کے پالے ہوں کیا خوف انہیں طوفانوں کا
آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے اب گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقب انجام بلند ایوانوں کا

ہوسٹ: ثاقب صاحب یہ لاہور کے سلسلہ میں ہی ایک بات سامنے آرہی ہے۔ کہ اس کے 44 سالہ صحافتی دور میں اکثر مقدمات تو آپ کے اوپر جو بنائے گئے یا لاہور وہ جماعتی یا آئینی جو ترامیم تھیں ان پر بنائے گئے تھے کیا اس سے پہلے بھی کوئی کیس یا راؤ عبدالمنان کے کیس سے پہلے بھی کوئی کیس بنا؟ ثاقب صاحب: جی ہاں ایک کیس بنا تھا غالباً 55ء میں، مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ میں علی پور ضلع مظفر گڑھ میں مشاعرہ تھا تو وہاں گیا ہوا تھا۔ وہاں فیض احمد فیض اور جگر صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ تو وہاں سے ہم چلے گئے ڈیرہ نوابصاحب سے کراچی، جوش صاحب تشریف لائے ہوئے تھے اور سکندر مرزا نے انکے اعزاز میں ایک شعری نشست بھی ترتیب دی تھی۔ وہ پڑھی تھی۔ جب میں واپس آیا تو سٹیشن پر محمد جعفری مجھے ملے وہ ان دنوں غالباً انفورمیشن منسٹر تھے۔ تو کہنے لگے کہ ادھر سے آؤ دوسرے دروازے سے تو میں نے کہا کہ بات کیا ہے۔ تو کہنے لگے کہ تم آؤ تو سہی۔ جب گیا تو کہنے لگے کہ تمہارا وارنٹ بلا ضمانت گرفتاری جاری ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کس سلسلہ میں تو کہنے لگے کہ پہلے تم چلو یہاں سے۔ میں نے کہا کہ ضمانت کا کیا سلسلہ ہے؟ کہنے لگے کہ ہم رحمٰن صاحب کے ہاں چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم چیف جسٹس ایس، اے رحمان صاحب کے پاس ہم گئے اور ان سے ضمانت ہم نے لے لی۔ تو بعد میں پتا چلا کہ ان دنوں سیلاب

زدگان کے لئے کیمپ کھلے ہوئے تھے لاہور میں۔ تو وہ ان کے مجسٹریٹ انچارج تھے۔ مودودی صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے ہم پر مقدمہ کیا ہوا تھا۔ تو وہ جب میں کراچی میں تھا تو وارنٹ جاری کر دیا اور پھر وارنٹ بلا ضمانت گرفتاری جاری ہو گیا۔ خیر جہاں میرا دفتر تھا بیڈن روڈ پر اس کے ساتھ والے کمرے میں راجہ لہراسب خان صاحب رہتے تھے اور راجہ ظہور احمد کوئی فلم ایکٹر تھا اس کے بھائی تھے۔ تو میں نے کہا کہ چلو ضمانت دو میری آج تو چلے گئے راجہ حامن مختار کے ساتھ کیس ہے۔ تو جب پیش ہوئے تو جناب راجہ صاحب تو چڑھ گئے ان پر کہ تمہارے ہاتھ میں قلم آجاتا ہے تو لوگوں کی پگڑیاں اُچھالتے ہو اور یہ کرتے ہو، وہ کرتے ہو، میں سنتا رہا۔ تو پھر میں نے کہا کہ اب میں جاؤں تو کہنے لگے کہ آپ کیسے جا سکتے ہیں آپ پر کیس ہے مقدمہ ہے۔ تو میں نے کہا صاحب بات یہ ہے کہ مجھے نہیں پتا کہ ان کی ہتک عزت ہوئی ہے یا نہیں ہوئی میری تو ہو گئی ہے۔ میں نے کہا میں یہ پرچہ لایا ہوں میں فلاں تاریخ کو علی پور میں تھا۔ آپ ڈی۔ سی کی بات تو مان ہی لیں گے۔ ڈپٹی کمشنر وہاں صدر تھا۔ اور دوسری یہ سکندر مرزا جو صدر مملکت ہیں ان کی تو بات مان لیں گے میں وہاں تھا۔ میرا پرچہ نکلتا ہے۔ میں کہاں جا سکتا ہوں؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں ذمہ دار ہوں اس بات کا کہ راہگیر نے جہاں میں ہوں وہاں یہ لکھا ہے کہ فلاں شخص اس قسم کا اس کا حلیہ ہے اس نے ایک گھی کا پیپا اور ایک دال کی بوری اُڑا لی وہاں سے اور وہ پکڑا گیا۔ یہ میں نے کہا کہ آپ تحقیق کریں کہ آپ کو کس نے آکر چھڑوایا۔ میں نے تو نام نہیں لکھا ان کا اور اگر یہ واقعہ درست ہے تو پھر یہ مجرم ہے میں یہ ثابت کر دوں گا کہ وہاں سے ایک پیپا گھی کا اور ایک دال کی بوری اُڑی۔ کہنے لگے کہ ثاقب صاحب کیسے ثابت کریں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ان کیمپوں کے انچارج مجسٹریٹ ہوتے تھے۔ طیما سب صاحب میرے مخبر ہیں اس معاملہ میں انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ یہ ہوا اور ایک بڑا لیڈر مذہبی اور انہوں نے کہا کہ آپ سمجھ ہی گئے ہیں کیونکہ آپکا بھی مودودی سے رجحان ہے آج کل تو ذرا چونکے اس بات پر۔ تو انہوں نے یہ سب

کچھ دیکھ کر کیس کر دیا مجھ پر۔راجہ صاحب آرام سے اُٹھے اور میں سمجھا کہ پیشاب وغیرہ کرنے گئے ہیں تو وہ ریٹائرنگ روم میں جا کر انہوں نے طیما سب صاحب کو فون کیا۔انہوں نے دس بارہ گالیاں دیں جو وہ معمول کے مطابق دیا کرتے تھے اور مودودی صاحب کو اور ان کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو یہ کیا وہ کیا۔کیس کر دیا ہے۔اس کو تو میں نے بتایا تھا۔تو باہر آ کر پھر راجہ صاحب اس پر برس پڑے۔ مدعی پر اور بہت برسے کہ ڈسمس کر دیں کیس۔ جب جانے لگے تو کہنے لگے کہ ثاقب صاحب آپ کا چندہ کیا ہے میں نے کہا کہ صاحب شرفاء سے تو دس روپے ہے اور آپ سے سو روپے ہے۔ کہنے لگے کیا مطلب ہم شرفاء میں شامل نہیں ہیں؟ میں نے کہا کہ آپ نے رات کو میری عزت میرے ہاتھ میں دے دی تھی۔تو وہ جب تک زندہ رہے بہت شرافت کے ساتھ پیش آتے رہے۔ ہمیشہ جو بھی کام ان سے کہا وہ انہوں نے کیا بعد میں۔اور چندہ ضرور دیتے رہے۔

ہوسٹ: اچھا اس سے مجھے ایک اور بات ذہن میں آئی کہ آپ کا پرچہ 52 سے نکل رہا ہے اور وہ تو بہت پاکستان کا ایک بہت ابتدائی دور تھا صحافت کا اور بڑے بڑے صحافی تھے۔

ثاقب صاحب: میں عرض کرتا ہوں اس دور میں جتنے لوگ تھے آج ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے سوائے میرے۔ چوہدری چراغ حسن حسرت تھے، ابوسعید بزمی تھے مولانا غلام رسول مہر تھے مولانا عبدالمجید سالک تھے اور آخری دور میں پھر حمید نظامی تھے۔حمید نظامی سے میرے اتنے مراسم تھے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو میں ان دنوں کراچی میں تھا۔اور ان کی بیوی نے مجھے وہاں فون کیا اتنا اچھا وہ لکھنے والا تھا کہ میں نے جب 72ء کو دس سالہ نمبر نکالا تو انہیں لکھا تو انہوں نے بتایا کہ بھئی میں نے تو آج تک کبھی کسی اور پرچے میں مضمون نہیں لکھا اور میں نے انہیں کہا کہ آپ لاہور میں لکھو۔تو ان کا مضمون لاہور میں چھپا ہے۔اور انہوں نے جو ان کے مضامین کی کتاب چھاپی تو اس میں یہ نوٹ دیا ہے کہ انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں لکھا سوائے لاہور کے۔

ہوسٹ: غلام مصطفیٰ تبسم، فیض۔ثاقب صاحب: شاعروں میں فیض تھے۔احسان دانش تھے۔ یہ سب چلے گئے۔م۔ش آخری یادگار تھے اور جو ایک دوسرے کو ہم سمجھتے تھے کہ ایک دوسرے کا مقام ومرتبہ بھی۔جمیل الزمان پہلے فوت ہو گئے تھے اور پھر یہ م۔ش بھی چلے گئے۔اب ڈویژن آف لیبر ہے۔یعنی یہ سند بن گئی ہے کہ جو شخص ٹرانسلیشن کرسکتا ہے وہ سرخی نہیں لگا سکتا جو سرخی لگاتا ہے وہ ٹرانسلیشن نہیں کرسکتا۔ایڈیٹوریل رائٹنگ بہت کم پرچوں کے پڑھے جاتے ہیں ایڈیٹوریل وہ ایک نیوز ڈیسک کے انچارج کو تین چار سو روپے زائد دے دیں کہ بھئی ایڈیٹوریل لکھ دیا کرو تو آپ حیران ہوں گے کہ ایک دو کثیر الاشاعت پرچے جو چھاپے جاتے ہیں اور میں نے ان کے آج تک ایڈیٹوریل نہیں پڑھے۔اس لئے بھی کہ میری اپنی ایک رائے ہے۔میں نے ہفتہ وار رائے دینی ہے اور یہ سارے رخ کھنگال چکے ہوتے ہیں اب وہ بات نہیں ہے۔ہماری تو ویسے بھی پہلے تو گورنمنٹ نے بائیکاٹ کیا پھر ہم نے بائیکاٹ کر دیا۔وہ پی۔این ۔اے۔سی جتنے مدیران جرائد ہیں ان میں سے آدھے سے زیادہ جعلی ہیں۔یعنی وہ دو دو سو یا تین تین سو پرچہ چھاپتے ہیں۔چار چار جگہوں سے وہی تین تین سو دکھاتے ہیں وہ ایڈورٹیزمنٹ سیکشن اور گورنمنٹ میں چلا جاتا ہے پرچہ وہاں سے جو اشتہار لیتے ہیں وہاں جو advertisement کے انچارج ہوتے ہیں ان سے 50 پرسنٹ پر طے کیا ہوتا ہے اور اب ان کے پلازے بنے ہوئے ہیں۔لیکن پرچہ مارکیٹ میں کہیں نہیں ہوتا۔آپ کبھی آفاق نہیں دیکھیں گے آپ کبھی مغربی پاکستان نہیں دیکھیں گے آپ کبھی تجارت نہیں دیکھیں گے لیکن وہ ہیں اور وہ سکریٹری جنرل بھی ہیں اور صدر بھی بن جاتے ہیں۔ایک تو صحافی، انہی خدمات کی بنا پر جنرل ضیا نے اسے رابطے کا وزیر بنالیا تھا۔

ہوسٹ: اچھا اس سلسلہ میں مجھے ایک خیال آیا یا شاید آپ کے ذہن میں وہ بات نہیں ہے یا آپ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔آپ کے رسالہ ہفتہ وار لاہور کی سلور جوبلی بھی تو منائی گئی تھی۔اس کی کوئی یاد۔کیونکہ جس شخصیت نے وہ سلور جوبلی کا انتظام کیا وہ۔

ثاقب صاحب: جی ہاں وہ۔ 76ء میں جب سلور جوبلی آئی تو میں یہی سمجھتا تھا کہ گورنمنٹ نے تو، اب نہ ٹی۔ وی پر بات ہوسکتی ہے اور نہ ہی ریڈیو پر بات ہوسکتی ہے۔ اخبار بھی ہمارے ساتھ کوئی cooperate نہیں کر رہے تو ایک دن ہمارے امیر صاحب گھر پر تشریف لائے ان کے ہمارے ساتھ عبد اللہ خان صاحب مرحوم کی وجہ سے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ اور پھر وہ ہمارے امیر ہیں۔ تو اس دن کچھ ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ پریشان ہیں کچھ مایوس ہیں اور کچھ غمگین ہیں۔ تو میں نے کہا چوہدری صاحب پریشان کیوں ہیں؟ کہنے لگے کہ آج بابا جی نے جو میرے ساتھ کی ہے کبھی میں توقع نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے کوئی ناراضگی ہوگئی ہے۔ بات کیا ہے؟ کہنے لگے کہ بات تو آپ کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ سلور جوبلی ہو رہی لاہور کی۔ اگر لاہور پر یہ قدغنیں نہ ہوتیں اور ریڈیو اور ٹی۔ وی پر ثاقب جارہا ہوتا تو آج ٹی۔ وی بھی جوبلی مناتا اور ریڈیو بھی مناتا اور تم لوگوں کو سانپ سونگھ گیا ہے اور تم لوگ چھپ کر بیٹھے ہو۔ اچھا جاؤ اور ان کو میری طرف سے ریسپشن کی دعوت دو اور جتنے بھی لوگوں کو وہ بلانا چاہیں بلا لیں۔ فوٹو گرافروں کو بلاؤ اور یہاں سب کچھ ہوگا۔ بڑی انہوں نے شفقت فرمائی اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرے۔ سب کی ان کے ساتھ تصویریں ہوئیں اور سب انہوں نے کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے غریق رحمت کرے۔

ہوسٹ: اسی طرح مجھے یاد آیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی شفقت کے سلسلہ میں

ثاقب صاحب: جی ہاں وہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے تو ایک عجیب قسم کا تعلق خاطر بھی ہے۔ کہ حضرت ام طاہر مجھے اپنا بیٹا کہتی تھیں۔ بلکہ جب میری وہ کتاب ہمارے نغمے چھپی تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹے یہ پیسے لے لو کیونکہ میں نے آج جلسہ گاہ میں چل پھر کر یہ کتاب بیچی ہے اتنی شفقت فرماتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو روحانی باپ بنا دیا۔ ہم نے بیعت کرلی۔ بیعت کا بھی عجیب سلسلہ ہے۔ کہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب جو ہمارے نائب امیر بھی تھے وہ

مجھے ربوہ لے جایا کرتے تھے۔تو یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات ہوئی تو انہوں نے دو ستوں نے میاں منصور احمد صاحب نے حضرت صاحب نے بھی تاکید کی کہ ان کا خیال رکھو۔ کیونکہ حضرت صاحب سے ایک تعلق تو تھا ایک بڑا خاص۔تو انہوں نے مجھے ڈیوٹی دے دی کہ تم فون پر بیٹھو۔اب فون پر لوگ مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں کہ ربوہ چلے جاؤ چوہدری فتح محمد صاحب آٹھ بجے تشریف لے آئے۔اور مجھے کہنے لگے کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں ہر ایک سے تو وہ تو انتخاب خلافت تو بھئی، پہلے انتخاب خلافت ہونا ہے اور پھر جنازہ ہونا ہے یہ لوگ پہلے چلے جائیں۔میں نے کہا جی ربوہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو باہر سے ان دیوانوں کو جانے دیجئے اور جب یہ گروہ ربوہ کی گلیوں میں پھریں گے تو بالکل ہوا بدل جائے گی۔خیر کہنے لگے کہ ہم کس وقت چلیں؟ میں نے کہا کہ چار بجے چلیں گے۔تو ہم دونوں چار بجے چلے گئے اور جب رات کو ہم دونوں ایک کمرے میں تھے۔ ناظر صاحب اعلیٰ کی طرف سے ایک ڈیوٹی لگ گئی اور دو بجے تک ہم وہ کرتے رہے۔مولوی ظہور سیالکوٹ والے میرے ساتھ تھے خواجہ سرفراز تھے تو اس کے بعد جب ہم فارغ ہوئے تو ہم نے کہا کہ نیند تو نہیں آتی تو نفل پڑھتے ہیں۔تو نفلوں میں مجھے آواز آئی کہ ابن مریم آرہا ہے۔اور اتنی اونچی آئی کہ چوہدری صاحب نیم غنودگی میں اُٹھ کر بیٹھ گئے۔اور انہوں نے باہر جا کر دیکھا تو باہر کوئی بھی نہیں تھا۔میں نے کہا کہ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مثیل ابن مریم ہیں۔تو یہ ابن مریم کہاں سے آجائے گا بھئی۔خیر ہم نے نمازیں پڑھیں اور اس کے بعد طے کیا کہ بی بی جمیل کے ہاں ناشتہ کریں گے۔وہاں ناشتہ پر آپ بھی تھے اور مرزا طاہر احمد صاحب بھی تھے۔اور وہاں بات ہوئی تو میں نے کہا کہ ہمارا تو ایمان یہ ہے کہ جس شخص کو بھی ادارہ انتخاب چن لے گا۔اللہ میاں اس کے کرنٹ ملا دے گا اور وہ مرزا ناصر احمد بن جائے گا۔تو مرزا طاہر احمد صاحب نے مجھے یاد ہے کہ فرمایا کہ بھئی کل میں نے فلاں دفتر میں، دفتر کا نام تو مجھے یاد نہیں آرہا، یہی دلیل دی ہے کہ تم کیوں فکر مند ہو رہے ہو؟ یہ تو خدا تعالیٰ کا معاملہ ہے۔تو ان سے

ایک یہ تو ربط خاص تھا۔ بلکہ میرا بھائی ان سے پہلے مل کر آیا۔ ہاں جب ادارہ اجلاس کا انتخاب ہو رہا تھا تو ہم کسی نہ کسی طریقہ سے پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں جا بیٹھے۔ اور جب اعلان ہوا تو میں نے کہا کہ بھاگ کر چلیں اور اب پہلی بیعت میں شامل ہوتے ہیں۔ تو مجھے یاد ہے کہ ایک طرف میرے چوہدری فتح محمد صاحب بیٹھے تھے اور دوسری طرف چوہدری ظہور احمد صاحب تھے۔ ناظر دیوان تھے۔ ناظر دیوان نے مجھ سے پوچھا کہ بھئی اب آپ کے چہرے پر سکون کیوں آ گیا ہے؟ میں نے کہا جی اس لئے کہ رات کو جو مجھے خواب آیا تھا اسکی تعبیر ہو گئی ہے۔ میرے سمجھ میں آ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ابن مریم ہی تو ہے حضرت ام طاہر کا نام مریم ہی تو تھا تو وہ ایک تسلی ہو گئی پھر دوسرے دن وہ ادھر واپس آئے تو بھائی چلا گیا تو میں نے کہا کہیں حضرت صاحب کے ذہن میں وہ آیا ہی نہیں تو تیسرے دن میں بھی پہنچا تو وہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے عہد خلافت میں شفقت کا معمول یہ تھا کہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے یا حضور کے باڈی گارڈ نے دیکھا تو اطلاع دے دی اور حضرت صاحب نے کہا کہ اس کو بلا لو۔ تو ہم پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں چلے گئے تو میں نے کہا بھئی میرا بھی نام لکھ لو۔ میجر حمید کلیم پرائیویٹ سیکرٹری تھے تو انہوں نے ابھی رجسٹر گیا نہیں تھا تو اس نے کلرک جو تھا اس کو بلایا کہ ثاقب صاحب کا نام سب سے اوپر لکھ دو۔ ابھی وہ لکھ رہا تھا کہ باڈی گارڈ آیا اور اس نے کہا کہ حضرت صاحب نے بلایا ہے۔ میں نے کہا چلو یہ روایت تو پوری ہو گئی ہے۔ پہنچے تو ہم کوئی ڈیڑھ منٹ یا دو منٹ تک دونوں کھڑے سسکتے رہے۔ تو حضور نے ایک فقرہ فرمایا کہ ”بھائی یہ احساس ہے بلکہ مجھے اعتراف ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے جو آپ کے ساتھ تعلقات تھے وہ نا تو جماعت کے کسی فرد کے ساتھ تھے اور نہ تو خاندان میں سے کسی فرد کے ساتھ تھے“ میں نے کہا حضور وہ بھی بلا استحقاق تھے تو آپ جو شفقت فرمائیں گے وہ بھی بلا استحقاق ہونگی ہماری تو کوئی حیثیت نہیں ہے ہم نے تو ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ تو پھر وہ 84ء آ گیا اور پھر حضور کو جانا پڑا۔ وہ اس میں عجیب بات ہے کہ جو منی شوریٰ بلائی گئی

اس میں میں پہلے ہی چلا گیا ہوا تھا اور وہاں سے کوئی رپورٹ وغیرہ بھی دینی تھی۔تو غالباً یہ 86 یا 87ء میں والدہ ایک دن بہت سخت بیمار ہوگئیں میرا لڑکا جو آج کل باہر ہے۔وہ بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا کہ آپا جی کہتے ہیں کہ آپ فوراً گھر آجائیں امی کی حالت تشویش ناک ہے۔تو واقعی ان کی restlessness بہت زیادہ تھی۔اور بڑی تکلیف میں تھیں۔تو میں نے کہا،تو ہماری وہ ملاں کی دوڑ مسجد تک والی بات ہے۔میں نیچے آیا اور نیچے میں نے حضور کے نام کیبل ڈرافٹ کی۔ اور ایک لڑکے کو آواز دی وہ بھی نہیں تھا اور دوسرے کو آواز دی وہ بھی نہیں تھا۔لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ وہ شخص تو غریب الوطن ہے اور ہم تو گھر بیٹھے ہیں۔اس کو اور کیوں پریشان کیا جائے؟اگر یہ تقدیر الٰہی ہے تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوگا۔ میں نے وہ کیبل پھاڑ دی۔ رات کو غالباً چوہدری احمد مختار صاحب کراچی کے امیر جو تھے وہ میرے ہاں ٹھہرنے کی نوازش فرماتے تھے۔تو ان کے ساتھ ایک ہومیوپیتھی کا ڈاکٹر تھا۔تو انہوں نے تعارف کروایا تو میں نے کہا کہ یار پہلے امی کو دیکھو۔تو انہوں نے دیکھا اور امی کو دوائی دی اپنی طرف سے۔امی کی رات بڑی اچھی گزر گئی۔اور ہم نے سمجھا ٹھیک ہو گئے ہیں۔اگلے دن پھر لڑکا بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا کہ وہ پہلے والی کیفیت دوبارہ ہوگئی ہے۔میں پھر آیا اور میں نے پھر کیبل ڈرافٹ کی اور پھر نہیں بھیجی۔صرف اسی خیال سے حضرت صاحب کو پریشان نہیں کرنا چاہیے وہ کونسا وہاں سکون سے بیٹھے ہیں؟ تو اگر تقدیر ہے یہی تو پھر جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا برداشت کریں گے۔ہم راضی برضا ہیں۔لیکن پھر اگلے دن انکی طبیعت ٹھیک ہونے لگ گئی اور پانچویں چھٹے دن وہ ٹھیک تھے۔ہم انہیں ٹھیک اس طرح سمجھتے تھے کہ وہ تہجد کے وقت اُٹھ کر غسل خانہ چلی جائیں اور وضو کرلیں اور نماز پڑھ لیں تو ٹھیک ہے۔تو ساتویں یا آٹھویں دن مجھے حضرت صاحب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ ’’فلاں دن جس دن پہلے دن میں نے کیبل ڈرافٹ کی کہ اس دن آپ خواب میں آئے اور آپ نے کہا کہ امی کی طبیعت بہت خراب ہے اور امی کے لئے دعا کریں تو اس وقت تہجد کا وقت تھا اور میں نے دعائیں کیں

اور حضور نے جو دعائیں کیں وہ بھی لکھی ہوئیں تھیں تو اب مجھے بتاؤ کہ ان کا کیا حال ہے۔'' تو میں نے لکھا کہ حضور یہ تو سنا تھا کہ خط ڈال دیا ہے ابھی پہنچا نہیں اور دعا ہوگئی ہے لیکن یہ نہیں سنا تھا کہ خط ڈالا ہی نہیں ہے۔ اور دعا ہوگئی ہے۔

'' کہنے گے کہ اس ٹیلی پیتھی کا تعلق تو خدا تعالیٰ سے ہی ہے۔ تو اب میں آپ کو اپنی تصویر بھیج رہا ہوں اس کو جڑوا کر ان کے سامنے لگاؤ اور اب وہ میرے لئے دعا کرتی رہیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا اور ایک شفقت ہے ہماری حیثیت تو کوئی نہیں بنتی ان کے سامنے۔

ہوسٹ: اچھا جناب اب چونکہ اختتام کے نزدیک آ رہے ہیں تو لامحالہ ایک سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتنا لمبا دور ہے جماعت کی خدمات کا اور توفیق بھی ملی۔ کوئی نئی پود کے لئے پیغام۔

ثاقب صاحب: میں اس سے پہلے ایک بات کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا جو علم کلام ہے وہ تو وہی ایک سرچشمہ ہے حیات ابدی ہے وہیں سے ہم کسب فیض کرتے ہیں تو میں نے کئی دفعہ اس بات کا لوگوں کو بتایا بھی ہے کہ ایک جلسہ سالانہ پر میں نے ایک دفعہ تمہیداً عرض بھی کیا تھا۔ تو میں ایک دفعہ ٹی۔ وی پر نعتیہ مشاعرہ تھا احسان دانش ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور ایک طرف صوفی تبسم بیٹھے ہوئے تھے تو جب میں پڑھنے لگا تو مشاعرہ تو نعتیہ تھا۔ تو جب اس کا پہلا مصرعہ میں نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ''یہ بات مجھ سے فلک نے کہی اشاروں سے'' تو صوفی صاحب نے سمجھا کہ کہیں یہ غزل پڑھنے لگا ہے تو انہوں نے میری اچکن کھینچی کہ یہ نعتیہ مشاعرہ ہے۔ پھر میں نے دوسری دفعہ پہلا مصرعہ پڑھا اور جب دوسرا مصرعہ پڑھا جو یہ تھا ''ظاہر روح محمد ہے چاند تاروں میں''

تو وہ سمجھ گئے۔ تو جب باہر نکلے تو مجھے کہنے لگے کہ مجھے تو شک گزرا کہ یہ غزل پڑھ رہا ہے۔ میں نے کہا نہیں بات یہ ہے کہ ہم جس سرچشمہ سے سیراب ہوتے ہیں انہی کے شعر کا میں نے چربہ اُڑایا ہے وہ شعر اور ہے۔ وہ یہ ہے کہ

’’چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا	کیونکہ تھا اس میں نشاں کچھ کچھ جمالِ یار کا‘‘

تو جہاں تک رہی بات پیغام کی تو بھائی پیغام یہ ہے کہ ہر نوجوان اور نئی پود کو میں یہ کہوں گا کہ خدا سے بے وفائی نہ کریں کیونکہ وہ اتنا رحیم و کریم ہے اور اتنا ستار العیوب ہے کہ آپ کی کمزوریاں بالکل اگنور کرتا چلا جاتا ہے اور اپنے فضل زیادہ کرتا چلا جاتا ہے ہم جب 47ء میں وہاں سے چلے تو ایک دن پہلے کی بات ہے کہ اس دن زیرے پر حملہ ہونا تھا۔تو وہ محلہ کے کونے میں ہمارا مکان تھا۔تو محلہ کموا میں حملہ چار بجے شروع ہو گیا تھا۔حملہ کا یہ طریق تھا کہ وہ سیٹیاں بجاتے تھے اور گھوڑے دوڑاتے تھے اور رائیفلوں وغیرہ کی آواز آتی تھی۔آوازیں آرہی تھیں ہمیں تو ہم گھر سے نکل کر اُٹھ کر بیعت الدعا میں آ گئے ہم نے ایک برآمدہ بنایا ہوا تھا وہاں ہی نمازیں وغیرہ پڑھتے تھے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اباجی نے مجھے وہاں لے جا کر کہا کہ اگر خدانخواستہ ایسا وقت آ گیا تو میں تو تمہاری امی کو کر سکوں گا ذبح کیا تم کر سکو گے تو میں نے کہا جی ہاں کر دیں گے۔دشمن کے پاس عزت نہیں جانی چاہیے تو وہاں بیٹھے ہوئے تھے تو مجھے نیم غنودگی سی میں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی قرآن مجید کی آیت پڑھ رہا ہے۔ خیر لك من الاولیٰ دو دفعہ اس نے پڑھا تو میں نے اباجی سے پوچھا کہ اباجان اس کا کیا مطلب ہے۔تو انہوں نے کہا کہ بیٹے بات یہ ہے کہ اگر ہم یہاں مارے گئے تو شہید ہونگے اور اللہ تعالیٰ ہمیں قبول کرے گا اور اگر ہم یہاں سے بچ نکلے تو اگلی زندگی ہماری اس زندگی سے بہت بہتر ہوگی اور میں اس کا زندہ گواہ ہوں۔میں ایک بینکر تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جس شخص کے متعلق میرا یہ ایمان ہے کہ وہ ایسا مومن تھا کہ ’’نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں‘‘ اس شخص نے مجھے صحافت سکھائی جب کہ مجھے صحافت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اس نے پھر عزت بھی دی اور محبت بھی دی تربیت بھی کی۔تو یہی میرا پیغام ہے کہ احمدیت سے جتنی وابستگی تم کرو گے اتنے ہی تم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات وافر ہونگے۔انشاءاللہ

ہوسٹ: صد سالہ جوبلی جماعت احمدیہ کا اپنا ایک مقام ہے خاص۔لیکن اتفاق سے آپ کی

شاعری کا پچاس سالہ دور بھی تھا تو اس سلسلہ میں آپ نے شعر بھی کہے اور نظم بھی کہی۔ اور اس کے سلسلہ میں گزارش ہے۔

ثاقب صاحب: یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں نے احمدیہ سٹیج سے نظمیں پڑھنے کا سلسلہ 39ء میں شروع کیا تھا۔ تو میں نے اپنی گولڈن جوبلی میں دو تین نظمیں کہیں تھیں جن میں سے ایک ہے میرے پاس ''تعبیر خواب'' اس کا عنوان ہے۔

تاریکی شب سے پھول رہیں یوں خواب سحر کی تعبیریں
ظلمت کا ازالہ کرنے کو ہر سمت سے لپکی تنویریں
خوشبوئے تبسم چھین سکیں نہ موت بھی جن کے ہونٹوں سے
ان دیوانوں کو تکتی ہیں حیرت سے ستم کی زنجیریں
ہر جبر پہ خندہ پیشانی ہر دور پہ کیف حیرانی
گرتی ہیں خدا کے بندوں پر پھولوں کی طرح سے شمشیریں
مرعوب نہ ہوں گے دل ان سے سب اپنی دیکھی بھالی ہیں
یہ زہر میں ڈوبی تحریریں انگارے اگلتی تقریریں
مرعوب نہ ہونگے دل ان سے سب اپنی دیکھی بھالی ہیں
یہ زہر میں ڈوبی تحریریں انگارے اگلتی تقریریں
ہم راہ وفا کے راہی ہیں دیں کے بے خوف سپاہی ہیں
ہے دل میں شہادت کے ارماں رقصاں ہیں لہو میں تکبیریں
اس طرح ہوئی درّانہ طے تسلیم و رضا کی ایک صدی
ہم ہنستے رہے تقدیروں پر ہنستی رہی ہم پر تقدیریں
کب ظلم کی آندھی روک سکی رستہ بے باک اُجالوں کا

کب ظلم کی آندھی روک سکی رستہ بے باک اُجالوں کا
گرتی ہی رہی ہے برق تپاں اُٹھتی ہی رہی ہیں تعمیریں
آئے تو تھے خالی دامن دل، اُٹھے تو لئے سو مے خانے
بس ایک نگاہ ساقی نے بدلی یوں دلوں کی تقدیریں
جو ان کی نظر میں لے آئیں جو انکے کرم کا موجب ہوں
جو انکی نظر میں لے آئیں جو انکے کرم کا موجب ہوں
ان بابرکت تحقیروں پر سو جان سے قرباں توقیریں
اے دشمن دیں اس مالک کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں
کیوں تجھ کو دکھائی دے نہ سکیں دیوار پہ لکھی تحریریں
جو کل تھا منظر آج نہیں جو آج ہے کل دھندلائے گا
دیکھی ہے بہت ثاقب ہم نے یہ رنگ برنگی تصویریں
تاریکی شب سے پھول رہیں یوں خواب سحر کی تعبیریں

ہوسٹ: سبحان اللہ

باب دوئم

محترم ثاقب زیروی احباب کی نظر میں

مکاتیبِ گرامی حضرت امام جماعت احمدیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم　خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

مکرم ثاقب صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے یہ معلوم کر کے مسرّت ہوئی کہ ہفت روزہ ''لاہور'' اپنی عمر کے پچیس 25 سال (خدا کے فضل سے) پورے کر چکا ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسے قوم، ملک اور انسانیت کی سچّی اور حقیقی خدمت کی توفیق دے۔ آمین۔۔۔ خلیفۃ المسیح الثالث ربوہ



3 فروری 77ء چوہدری محمد ظفر اللہ خاں

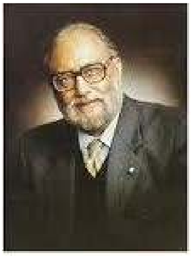
مکرم ومحترم ثاقب صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ فروری 77ء میں ہفت نامہ ''لاہور'' اپنی زندگی کے پچیس 25 سال پورے کرے گا۔............ اس کے باوجود ''لاہور'' کا اب تک چلے جانا آپ کی محنت بانی کا ثبوت ہے۔ اُمید ہے آئیندہ بھی ''لاہور'' اپنے صحافتی وقار کو قائم رکھتے ہوئے ملک وقوم کی بے لوث خدمت بجالاتا رہے گا اور اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھے گا کہ

خدمتِ قوم کو اک فضلِ الٰہی جانو

اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو۔۔۔۔۔ظفر اللہ خان

ڈاکٹر پروفیسر عبدالسّلام



گرامی قدر محترمی برادرم ثاقبؔ صاحب مدظلہٗ

''لاہور'' کی 25 سالہ سالگرہ کے موقع پر دلی مبارکباد عرض کرتا ہوں۔''لاہور'' نے صحافت میں حق گوئی کا جو معیار قائم رکھا ہے اُس کی نظیر یہاں کے چند جریدوں یا امریکہؔ کے بعض اخباروں میں تو مل سکتی ہے لیکن پاکستان کی صحافت میں اُس کا کُلیّ فقدان ہے۔آج سے چند سال پیشتر یہ حالت نہ تھی۔لیکن اس وقت''لاہور''تنِ تنہا اس معیار کو قائم رکھے ہوئے ہے۔مجھے گمان ہے کہ آپ خود ذاتی طور پر اس کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کر رہے ہیں۔خداوند تعالیٰ کی پاک ذات آپ کو اس کا اجر بخشے اور آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔ایک وقت آئے گا جب ساری قوم آپ کی اس خدمت کو سراہے گی۔انشاء اللہ العزیز۔نیازمند عبدالسلام 8۔کیم پئین روڈ۔لندن

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد



مکرم ومحترم ثاقب زیروی صاحب مدیر ہفت روزہ''لاہور''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! کس قدر مسرت آفریں خبر ہے یہ کہ ''لاہور'' اپنی زندگی کی پچیس 2 بہاریں پوری کر چکا ہے۔مَیں اس کا اکثر مطالعہ کرتا ہوں اور مجھے اس کی یہ خصوصیت دل سے پسند ہے کہ اس نے ہمیشہ تعمیری اندازِ فکر کو اپنایا ہے اور معاشرہ کے عیوب ونقائص کی طرف ہمیشہ بڑے احسن رنگ میں توجہ دی ہے اور مجھے امید ہے یہ مفید اور اہم امر آئندہ پہلے سے زیادہ پیشِ نظر رہے گا۔ہمارے سیّد ومولا آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ایک صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ یارسولؐ اللہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں کہ میں اس سے فائدہ حاصل کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مسلمانوں کی راہ سے تکلیف اور ٹھوکر کی چیزیں ہٹا دیا کرو۔'' مَیں بھی آپ کو اس موقع پر حضور پُرنور کے اس فرمان کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے مسلمان بھائیوں کی تکلیف دور کرنے اور انہیں فائدہ پہنچانے میں کوشاں رہیں اور ہر اس طریقِ عمل سے جس سے کسی مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچے یا ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہو۔ اُسے اُس سے آگاہ کر کے اس تکلیف سے بچاتے رہیں۔ شیخ سعدیؒ نے اسی بات کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے اگر

بینم کہ نابینا و چاہ است ۔۔۔ اگر خاموش بنشینم گناہ است

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ''لاہور'' کو ہر جہت سے ترقی دے اور اس کا وجود ملک و ملت کے لیے مفید اور بابرکت ثابت ہو۔ آمین۔ خاکسار مرزا مبارک احمد (ربوہ)



رئیس امروہی

برادرِ عزیز و محترم جناب ثاقب زیروی! سلام مسنون!

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ آخرکار ہفت روزہ ''لاہور'' نے اپنی صحافتی زندگی کے پچیس سال پورے کر لئے۔ یہ آپ کی عزیمت و استقامت کا بے مثال کارنامہ ہے۔ امید ہے کہ آپ ہی کی ادارت میں ''لاہور'' کی پنجاہ سالہ جوبلی منائی جائے گی۔ آپ کے الطافِ بیکراں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ مخلص رئیس امروہی (کراچی)



احسانؔ دانش

جنابِ ثاقبؔ سلمہ الرحمان! کل جیسی بات معلوم ہو رہی ہے کہ ہم تم

دونوں بیٹھے اس کا نام تجویز کر رہے تھے اور بادلِ نخواستہ آپ نے اسے قبول کیا تھا۔ آج اس کے طلوع کو پچیس سال ہو گئے۔ دن کس قدر جلدی گزر جاتے ہیں۔ ایک دن موت کا وقت بھی آ جائے گا اور معلوم ہو گا کہ کل پیدا ہوئے تھے آج مر رہے ہیں۔ تاہم اتنے دنوں ایک اخبار کو لے کر چلنا اور پھر کامیابی سے لے کر چلنا ہر کس و ناکس کے بَس کی بات نہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں مولانا عبدالمجید سالکؔ کی ٹریننگ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ اس نمبر میں آپ انہیں بھی نظر انداز نہ کریں۔ اس میں آپ کی سعی بھی قابلِ تعریف ہے۔ جب مسجد شہید گنج کے نزدیک کوٹھے پر دفتر میں ہم تم جاتے تھے اور تمہارے دل میں جانے کیا کیا منصوبے کروٹیں لیتے تھے۔ اِس اثناء میں تم چاہتے تو ایک پریس قائم ہو سکتا تھا اور اس ملک میں ایک ''نولکشور پریس'' کی جگہ اب تک کسی نے نہیں لی۔ حالانکہ سینکڑوں پریس قائم ہیں مگر واہ واہ نولکشور۔ علم نہیں۔ علوم کو زندگی اور تجدید دے گیا۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ احسان دانش (لاہور)



میجر سید ضمیر جعفری

جنابِ ثاقبؔ۔ شاد باد! برادرم منصور قیصر (جو سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں رکھتے ہیں) سے معلوم ہوا۔ آپ ''لاہور'' کا ''سلور جوبلی نمبر'' شائع کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے (بلکہ ہمارے سب جاننے والے جانتے ہیں کہ عقائد کے اختلاف کے باوجود) ہماری ذاتی دوستی بھی ''سلور جوبلی'' منانے والی ہے۔ مجھے آج یاد آ رہا ہے کہ آپ سے میری اولین ملاقاتیں مولانا عبدالمجید سالکؔ اور مولانا چراغ حسن حسرتؔ کے آستانوں پر ہوئی تھیں۔ پھر آپ نے ''لاہور'' کے عنوان سے ایک ادبی و تہذیبی رسالے کی بنیاد رکھی جو آج پچیس 25 سال کا ہو چکا ہے۔............



راغب مرادآبادی

ہو گئے لاہور کو جاری ہوئے پچیس سال	کم ملے گی ایسی تاریخِ صحافت میں مثال
سعیِ پیہم ثاقبؔ خوش گو کی بار آور ہوئی	دِیدنی ہے لطف واحسانِ خُدائے ذوالجلال
حق شناسی حق نگاری ہی رہا ان کا شعار	فیضِ سرکارؐ دو عالم ہے یہ معیارِ کمال
مشکلیں کیا کیا نہ اِن کی راہ میں آئیں مگر	دامنِ دل کے نہ پاس آئی کبھی گردِ ملال
منزلِ مقصود خود آواز دیتی ہے اُسے	جس کے دل میں ہوادائے فرض کا راغبؔ خیال

راغب مرادآبادی (کراچی)



ڈاکٹر عبدالسلام خورشیدؔ

ثاقبؔ بھائی۔آداب! خط ملا۔''لاہور'' کی سلور جوبلی مبارک ہو۔آپ نے نہایت نامساعد حالات میں اخبار نکالا اور کامیابی سے چلالیا۔یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔میں لاہور کو''تنہا نگارصحافت''(SOLO JOURNALISM) کا ایک اہم نمونہ تصور کرتا ہوں۔کیونکہ اس کے ہر صفحے ہر تحریر میں آپ کا عکس نظر آتا ہے۔اور کیوں نہ ہو۔آپ شاعر ہیں۔ادیب ہیں۔...... ہیں۔صحافی ہیں۔اور اسی ضمن میں اداریہ نگار بھی ہیں اور کالم نگار بھی۔مَیں کیا میرے والدمحترم بھی آپ کی شاعری اور نثر نگاری کے قائل تھے۔مَیں آپ کی زندگی اور لاہور کی زندگی بلکہ بھرپور مفید زندگی کی دعا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص ڈاکٹر عبدالسلام خورشیدؔ مسلم ٹاؤن۔لاہور



کلیم عُثمانیؔ

برادرِ محترم۔سلام ورحمت! آپ کا ہفت روزہ ''لاہور'' کہنے کو تو ایک ہفت روزہ اخبار ہے۔مگر سچ پوچھئے تو وہ ایک مسلسل جدو جہد اور انسانی عزم کی ایک ایسی داستان ہے جو گزشتہ پچیس 2 برس سے دوہرائی جارہی ہے۔مگر پھر بھی نئ معلوم ہوتی ہے۔

گزشتہ رُبع صدی میں آپ کے اس مؤقر ہفت روزہ نے جو جو ہفت خواں طے کئے ہیں۔اگر اُن کی تفصیل بیان کی جائے تو بلاشبہ وطنِ عزیز پاکستان کے گزشتہ پچیس 2 برس کی سیاسیؔ۔تہذیبیؔ۔دینیؔ اوراخلاقی داستان تاریخ بن کرسامنے آجائے گی۔

مجھے حیرت ہے اس رُو بہ زوال معاشرے میں جبکہ ہماری تمام تہذیبیؔ۔تمدنیؔ۔اخلاقیؔ۔دینیؔ اورسیاسیؔ اقدار پائمال ہوکررہ گئی ہیں۔آپ اپنی دانشمندی کس طرح نبھار ہے ہیں۔آج کے دور میں جہاں ہرطرف غلاظت کے ڈھیر۔صحافتی بددیانتی کے گھناؤنے نمونے۔خوش رنگ روزناموںؔ اور ہفت روزوںؔ کی شکل میں بکھرے پڑے ہیں۔''لاہور'' کا زندہ رہنا حقیقتاً ایک معجزہ ہے۔آپ کہیں گے کہ یہ دَور معجزوں کا نہیں سائنسی ارتقاء کا دَور ہے۔تو بھائی میرے! اس کا جواب میں صرف اس قدرعرض کروں گا کہ سائنس بھی تو حضور کسی نہ کسی معجزہ ہی کی پیداوار ہے۔بہرحال آپ اسے کچھ بھی کہہ لیں۔مَیں تو یہی کہوں گا کہ آپ ہیں بڑے سخت کوش اورسخت جان! آپ نے اگر ہرحال میں زندہ رہنے کی قَسم کھائی ہے تو خدا آپ کے ارادوں کو استقامت بخشے۔آپ زندہ رہیں۔اورآپ کا ''لاہور'' تابندہ رہے۔نیازمند کلیم عُثمانیؔ (18 فروری 77ء)

قیس مینائی

ہر گردنِ تخریب پہ تلوار ہے لاہور لاہور میں ثاقبؔ کا جو اخبار ہے ''لاہور''

بیلاگ ہوا کرتا ہے ہر تبصرہ اِس کا
لاہور کی عظمت کا نگہدار ہے ''لاہور''

اسلام کی نصرت کے لیے سینہ سپر ہے
ہر حق کو صداقت کا طرفدار ہے ''لاہور''

ہر داغ سے محفوظ ہے و امانِ صحافت
بے خوف ہے بے باک ہے بیدار ہے ''لاہور''

ثاقبؔ تری عظمت کا امیں ہے یہ صحیفہ
میدان صحافت کا وہ مینار ہے ''لاہور''

پوشیدہ نہیں راز کوئی جس کی نظر سے
اے شیخ صحافت تیری دستار ہے ''لاہور''

ہم سوز ہے، ہم ساز ہے، ہمرنگ و ہم آہنگ
اس دور میں وہ دیدہِ بیدار ہے ''لاہور''

اخلاق کی بنیاد پہ تعمیر ہے جس کی
ہمدرد ہے۔ ہمراز ہے۔ غم خوار ہے ''لاہور''

صادق کے ہر اک صدق و صداقت کا منادی
وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے ''لاہور''

ہر قلعہ اخلاق کی تعمیر کا حامی
دجال کے ہر دجل سے بیزار ہے ''لاہور''

ہر نوعِ بغاوت کا ہے یہ دُشمنِ جانی
ہر گردنِ تخریب پہ تلوار ہے ''لاہور''

توحید پرستانِ جہاں سے ہے بغلگیر
آئینِ حکومت کا وفادار ہے ''لاہور''

ہر چند کہ اِک آئینہ خانہ ہے اَدب کا
تثلیث سے آمادہ پیکار ہے ''لاہور''

وسعت میں بھی اک وادی سینائے اَدب سے
ہر گاہ کہ آئینہِ ابصار ہے ''لاہور''

اِک دائرہ ہے حلقہِ اربابِ سخن کا
رفعت میں اگر قلعہ کہسار ہے ''لاہور''

چھینٹا سا ہے اِک خامہ سلطانِ قلم کا
اس دائرہ کا نقطہِ ء پُرکار ہے ''لاہور''

ہے جہل و جہالت سے اسے سخت عداوت
شہزادہِ تحریر کا شہکار ہے ''لاہور''

گل چین ہے گویا چمنستانِ ادب کا
ہر روشنی عِلم کا مینار ہے ''لاہور''

ہر نوعِ بشر کے لئے ہر دَرد کا دَرماں
حاسد کی مگر آنکھ میں اِک خار ہے ''لاہور''

سچ ہے نگہِ قیسؔ میں اسے حضرتِ ثاقبؔ
وہ صاحبِ دل صاحبِ کردار ہے ''لاہور''



ثاقب زیروی کے ساتھ ایک دن

عبدالسمیع نون ایڈووکیٹ (سرگودھا)

3 جون 2000ء کے ''لاہور'' میں بہاول نگر کے رانا محمد خاں صاحب کا مضمون بعنوان ''ثاقب زیروی کے ساتھ ایک اور شام'' پڑھا اور دل سے دعا نکلی ع

تجھ کو اس لطف کی اللہ جزا دے ساقی

اس مضمون سے مجھے حوصلہ ہوا کہ زندہ سلامت شخص کے بارے میں بھی لکھا جا سکتا ہے۔ محترم رانا صاحب نے اپنے مضمون کی ابتدا 1939ء سے کی ہے۔ مجھے اُن سے 1944ء میں حافظ مرزا ناصر الدینؒ کے ذریعہ تعارف حاصل ہوا۔ جب کالج کے سامنے کھلے میدان میں گھاس پر بیٹھ کر ثاقب صاحب کا کلام جوانی کی گھن گرج کے ساتھ اُن کے مخصوص انداز میں کئی بار سنا ؎

فردوس کو تیری بہاروں میں بسایا جائے گا	چنگاریوں کو دے کے لَو شعلے بنایا جائے گا
اقصائے عالم میں ترا ہی گیت گایا جائے گا	وہ دن نہیں ہیں دور کچھ از فضل رب دو جہاں

اے قادیاں دارالاماں۔ اُونچا رہے تیرا نشاں

حضرت حافظ صاحب کے ارشاد پر ان کے یہ اشعار کئی دفعہ پڑھا۔ اب تک یاد ہے جب سامعین میں سے ہر ایک پر ایک ایسا کیف طاری ہو جایا کرتا تھا گویا وہ دور بہت دور سماوی فضاؤں میں رہے ہوں......اللہ نے عمدہ نغمگی کے ساتھ جو گھن گرج عطا فرمائی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شیر دھاڑ رہا ہو۔ اس میں مردانگی بھی ہے رعب بھی ہے اور اس کے ساتھ شیرینی اور جذب و کشش بھی۔

تعارف نہ تھا

اُن کے اپنے مضمون کے مطابق جب 1939ء میں انہوں نے بیت اقصیٰ میں ''ساقی نامہ'' پڑھا جس کا مطلع تھا ؎

ساغر بادہ عرفان پلادے ساقی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی

اُس وقت اُن کا حضرت فاتح الدین سے تعارف نہ تھا۔ بس اس نظم کا پڑھنا تھا کہ اس مردم شناس حرف آشنا (ہاں وہی جو ہمت کا پہاڑ حوصلے کا دریا اور محبت کا سمندر تھا) کے قلب مطہر میں اس خوش بخت کو گوشہ نصیب ہو گیا اور پھر اس عالی نسب اور بلند مقام شخص نے محبت اور الفت کی وہ گھٹائیں برسائیں جسے ثاقب ہی بیان کریں تو کریں......غرض ادھر اس گوہر نایاب کا اس گوہر شناس سے ایسا ملاپ ہوا کہ بڑھتا ہی چلا گیا جبکہ جب 1965ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب منصب خلافت پر فائز ہوئے تو ادھر محبوبیت میں اضافہ ہوا ادھر یہ محب (بڑھ کر) عاشق صادق بن گیا ؎

چپکے چپکے شباب اُن پہ آہی گیا رفتہ رفتہ زمیں آسماں ہو گئی
اُس طرف حسن میں اِک اضافہ ہوا اس طرف اِک تمنا جواں ہو گئی

مصائب کا ذکر

رانا صاحب محترم نے اس مرد قلندر کو 1974ء میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے جو دردناک سے بڑھ کر خونچکاں ہو گئی۔ مجھے تو صرف ''سرگودھے'' سے متعلقہ اُن کا ایک واقعہ یاد ہے جس میں مجھے براہ راست دلچسپی لینے اور پھر قادر کریم کی قدرت نمائی کا مشاہدہ کرنا نصیب ہوا......موصوف ان دنوں ''لاہور میں روزنامچہ'' لکھا کرتے تھے جس میں تاریخوں اور شہروار اُن مظالم کی مختصراً تفصیل ہوتی تھی جن کے اُن دنوں احمدی نشانہ بنائے جاتے تھے کہ سرگودھا کے ایک شخص آتش زیر پا ہو گئے اور انہوں نے ایڈیٹر ''لاہور'' اور

اس کے طابع م۔ش صاحب کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ اور نہ یہاں نہ لاہور میں کسی کو کانوں کان خبر ہونے دی اور سمنوں پر غیر حاضریاں ڈلوا کر دونوں کے ''وارنٹ بلا ضمانت'' جاری کروا لیے۔ جب علم ہوا تو ہم نے ضمانت کروانے کی کوشش کی۔ مگر مجسٹریٹ صاحب نے انکار'' کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ ''مجھے اپنے آپ کو'' کافر'' کہلانے کا شوق بھی نہیں اور نہ ہمت ہے۔

اُدھر دونوں ملزم شام کو ربوہ پہنچے اور حضرت مرزا ناصر احمد سے اس پریشان کن صورت حالات کا ذکر کیا۔ حکم ہوا صبح سرگودھا جانے سے پہلے مجھے مل کر جانا۔ حاضری ہوئی تو فرمایا...... ''بے خطر اور بے فکر ہو جائیں کچھ نہ ہوگا''...... ادھر ہم ضمانتوں کی درخواستیں تیار کر کے پٹواری سے تمام فردات لے کر (اور اپنی نمبرداری کی سند بھی لے کر) تیار۔ تاکہ کوئی اعتراض باقی نہ رہے اور کوئی اڑچن حائل نہ ہونے پائے۔ یہ دونوں بزرگ جب لاہور سے روانہ ہوئے ہوں گے تو لازماً پریشان تو ہوں گے کیونکہ جس طریق سے ''وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت'' جاری کروائے گئے اُس سے مخالفین کے اِرادے تو ظاہر تھے...... مگر رب الاسباب نے کچھ اور ہی سامان کر رکھے تھے۔ جونہی دوسری پیشی پر یہ بزرگ کچہری میں پہنچے۔ ہمارے واجب الاحترام بار ایسوسی ایشن کے صدر ملک محمد اقبال نے دریافت کیا۔ کیا معاملہ کیا ہے؟ ملزموں نے انہیں تفصیل سنائی۔ ادھر سے مستغیث بار رُوم میں اپنے وکلاء سمیت پہنچ گئے۔ ملک محمد اقبال جو پرانے مسلم لیگی تھے۔ ایک قابل تریں وکیل جو ہر جگہ ہر طبقہ میں قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے نے مستغیث سے کہا...... ''یہ کیا جانیں آپ کو تو ہم جانتے ہیں مجھے تو اب معلوم ہوا ہے اور میں حیران ہوں کہ ''تحریک پاکستان'' کے ان جید کارکنوں کے خلاف استغاثہ دائر ہونے کی لعنت سرگودھے کے حصے ہی میں آئی تھی۔ م۔ش صاحب دو دفعہ پاکستان کے لیے قید ہوئے ہیں اور ثاقب صاحب کی نظمیں ''نوائے وقت'' میں پڑھ کر میں ''مسلم لیگ'' میں شامل ہوا تھا اور اب تک مسلم لیگی

ہوں۔ چلو چل کر استغاثہ واپس لو اور مستغیث جو ملک صاحب کے احترام اور مقبولیت کو جانتا تھا کچھ نہ کہہ سکا اور اس نے عدالت میں پیش ہو کر بیان دے دیا۔ استغاثہ خارج ہو گیا۔ اور کوئی دس منٹ میں ہم آسمانی نوید کے وارث بن گئے۔

عنوان میں دن

میں عنوان میں جس ''دن'' کو موضوع گفتگو بنایا ہے وہ ابھی طلوع نہیں ہوا۔ لیکن جناب ثاقب کے ساتھ ''شاموں'' کا ذکر پڑھنے کے بعد یہ احساس قوی ہو جاتا ہے کہ وہ دن بھی ضرور طلوع ہو گا جس دن کے لیے میں نے اپنے گاؤں ''حلال پور نوناں'' میں ایک رہائشی مکان ''ایک مہمان خانہ'' ایک بارہ دری اور ایک سجدہ گاہ تعمیر کرا رکھی ہے۔ ایک چھوٹی سی ''بیت الذکر'' جو اپنے رقبے میں تعمیر کی گئی ہے نہ کسی غیر کے قبضے کا جھگڑا۔ نہ ملکیت کا تنازعہ......مگر حضرت ابراہیم کی اولاد اگر قیامت تک خدا کے گھر تعمیر کرتی رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کی اولاد کے ایک طبقہ کو کدالیں بھی دے رکھی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کدالوں والے تعمیر کرنے والوں کے مقابلے میں ہمیشہ نامراد ہی رہتے ہیں۔ اب جسم آگے نکلتا جا رہا ہے اور دل چند قدم میں رہتا ہوا محسوس ہو رہا۔ مگر وہ دن ضرور طلوع ہو گا۔ وہ دن جو میں حضرت ثاقب کے ساتھ منانا چاہتا ہوں۔ میرزا غالب نے ناکردہ گناہوں کی جزا سزا کا فلسفہ بیان کیا تھا مگر میں تو اپنی اس زیر تکمیل آرزو کا اجر بھی رب کریم سے پانے کی قوی امید رکھتا ہوں کاش میری زندگی میں وہ دن آئے اور میں ثاقب صاحب ہی کے الفاظ میں کہوں۔ ع

کتنی امیدوں کے صدقے میں بہار آئی ہے

(ہفت روزہ لاہور 2 ستمبر 2000ء صفحہ 4)



حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ثاقب کی محبتوں کا ذکر

مکرم جناب ثاقب زیروی صاحب نے اس مضمون میں حضورؓ سے اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا ذکر کیا۔

مشکل بہت ہے مل کے بچھڑنے کا مرحلہ	اللہ نہ دے کسی کو سزائے غمِ فراق

پھر یہ قربت و رفاقتِ حسنہ بھی اس مقدس وجود سے جس کی شیریں زبان سے سب سے پہلی دفعہ ''اپنے رب سے راز و نیاز'' کی گفتگو سننے کا 1942ء میں شرف حاصل ہوا۔ اس ''ہدایت'' کے ساتھ کہ ''ثاقب! اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا''۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ روح ان پاکیزہ و پر انوار مکالمات سے اکثر سیراب ہوتی رہی لیکن اس ''ہدایتِ اولین'' کے باعث لبوں پر ہمیشہ مہر سکوت لگی رہی۔ بلکہ حضورؓ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی بچوں، دوستوں اور اربابِ جماعت سے صرف وہی باتیں کرنے یا دہرانے کی جرأت کی جن کے آگے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی گئی۔ وہ شخص...... جو اکثر خدا کے عطا کردہ علم سے گفتگو فرماتا تھا۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ اور ایک ایسے رواروی کے انداز میں کہ وہ بات اکثر ضمنی اور متفرق سی ہی معلوم ہوتی اس وقت تک جب تک رضائے الٰہی سے چند دنوں، چند گھنٹوں اور بعض اوقات چند لمحوں کے بعد لفظاً لفظاً پوری ہو کر سامنے نہ آجاتی۔ 1974ء سے 1977ء تک تو ایسے ایمان افروز لمحے بارہا آئے۔ ان ایامِ ابتلاء میں جب حکومت کی طرف سے ''لاہور'' سے ہر دسویں پندرھویں دن دس ہزار، پندرہ ہزار روپے کی ضمانت طلبی کے سلسلہ نے معمول کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ جب ''روزنامچہ'' کی اشاعت کی پاداش میں اس عاجز کے خلاف حکومت کی طرف سے ''ڈی پی آر'' کے تحت دو ایسی دفعات کے تحت مقدمات درج ہوئے جن میں سے ایک میں سزا چودہ سال تھی تو دوسرے میں دس

سال اور جب ایک اشارۂ خاص پر ایک معاند سلسلہ نے ناچیز کے خلاف ’’ہتک عزت‘‘ کا ایک استغاثہ سرگودھا میں دائر کیا تھا ارباب اختیار کی ایسی اشیر باد اور پشت پناہی کے ساتھ کہ بوکھلائے ہوئے مجسٹریٹ کی عدالت سے ہمیں سمن اور اس کے بعد وارنٹ کی بجائے پہلی ہی دفعہ ’’وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت‘‘ وصول ہوا۔ ہتھکڑی کی کھنکتی ہوئی زنجیروں کے ساتھ۔ جسے ہائی کورٹ نے ’’غیر قانونی‘‘ قرار دے کر معطل کیا۔ ہاں ان ایام میں جب بالآخر اس ناچیز کو 11 فروری 1977ء کو گرفتار بھی کیا گیا تو میرے سید و محبوب کی دعائیں مجھ پر اس طرح تنی رہیں کہ سارا دن تھانے میں بیٹھا کر بالآخر یہ کہہ دیا گیا کہ چونکہ کاغذات میں گرفتاری صبح ڈالی جائے گی۔ آپ کل 9:30 اور 10 بجے کے درمیان آجائیں اور جب وہاں اگلے دن پہنچا تو تھانے کے انچارج نے ہنس کر کہا:۔ ’’یا تو وہ شوراشوری تھی یا یہ بے نمکی ہے! پہلے ایک تابڑ توڑ حکم کے تحت گرفتار کرنے کو کہا گیا۔ جب گرفتار کر لائے تو چند گھنٹوں کے بعد حکم آ گیا۔ گرفتاری صبح ڈالنا۔ اور صبح ہوئی تو حکم آ گیا ۔فی الحال گرفتاری نہ ڈالو۔‘‘ فرمانے لگے ’’ثاقب صاحب! معلوم ہوتا ہے آپ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں ورنہ پی پی پی کے دور میں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔‘‘ عرض کیا۔ ’’واقعی بہت لمبے ہیں جو آسمان تک پہنچتے ہیں۔ میرا ہاتھ ایک ایسے برگزیدہ اور راستباز انسان کے ہاتھ میں ہے جو میرے ربّ کو محبوب ہے۔‘‘ مجھے تو حاضری کی سعادت ساتویں یا دسویں دن ملی ہوئی تھی۔ پھر اس حاضری کے لئے کسی دن اور وقت کی قید بھی نہ تھی ان ایمان بھرے نظاروں سے صبح و شام لطف اندوز تو ہوتی ہو گی وہ نیک اولاد جو ہر وقت اس وجود باجود کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہتی تھی یا پھر آپ کی محبوب رفیقۂ حیات حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا۔ جو

قصرِ خلافت میں اجالے کی طرح تھی	تھی چاند مگر چاند کے ہالے کی طرح تھی

حضورؒ کے خدائی اشارے کے تحت گفتگو فرمانے کا ایک واقعہ حضرت سیدہ محترمہ ہی کی زبانی سماعت فرمالیجئے۔ اس واقعہ کی تمہید کے طور پر عرض کروں کہ حضرت سیدہ محترمہ کو پان کھانے کا شوق

تھا۔حضورؒ بھی پان کا شوق فرماتے تھے۔خلافت کے خلعت پہننے سے قبل۔مگر سیدہ محترمہ سے کم اور چونکہ مجھے بھی یہ عادت ابتدائی سکول کے ایام سے ہے۔اس لئے مجھے بھی ہمیشہ اس خوانِ نعمت سے مائدہ عطا ہوتا رہا۔1965 کی جنگ میں پان باہر سے آنا بند ہو گئے۔میں جو ربوہ آیا تو حضرت آپا جان نے جس پتّہ پر چُونا کتھّا لگا کر مجھے بھجوایا وہ غالباً چنبیلی کا پتّہ تھا۔بہر حال پان کا نہ تھا۔یہی صورت پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے پاندان کی تھی۔اس دن کے بعد میں نے اپنا معمول بنالیا کہ جب بھی ربوہ آیا۔بیس،اکیس پان کے پتّے ساتھ لیتا آتا۔لاہور کے دفتر کے نیچے ایک تنبولی کا کھوکھا تھا۔اس کی باقاعدہ ڈیوٹی لگادی گئی۔میں اسے اپنی اگلی حاضری کی تاریخ بتا دیتا اور وہ ان درمیانی دنوں میں جُوں تُوں بیس اکیس پان اکٹھے کر لیتا۔جو حضرت آپا جان کی خدمت میں پہنچتے ہی دو دو چار چار کر کے خاندان کے مختلف گھروں میں بٹ جاتے۔1965ء کے بعد 1971ء میں بھی کامیابی کی یہی صورت ہوئی۔میں نے 1965ء میں جو ارادہ کیا تھا۔اس نے پہلے معمول پھر عادت کی شکل.....اور''پانوں'' نے خاندان حضرتِ اقدس میں میرے ربوہ میں پہنچ جانے کے اعلان اور دربارِ خلافت میں میرے''ملاقاتی کارڈ'' کی صورت اختیار کر لی۔حضورؒ نے خلافت کے بعد یہ شوق پہلے کم کیا پھر بالکل ہی چھوڑ دیا۔لیکن جب تک میں''حضوری'' میں رہتا میرے لیے''تھلیا'' میں پان لگ کر اندر سے آتے رہتے اور اگر کبھی تاخیر ہو جاتی تو حضورؒ خود اندر تشریف لے جا کر لگوا کر لے آتے۔اللہ رے غلام نوازی!اسی سلسلہ کا 1971ء کی جنگ کے دنوں کا ایک واقعہ ہے ایک دن میں صبح سویرے ریل کار سے ربوہ پہنچا۔ریل کار سردیوں میں سات بجے کے قریب ہی ربوہ پہنچ جاتی تھی۔اسٹیشن سے سیدھا قصرِ خلافت پہنچا''برگِ سفر'' کا تحفہ اندر بھجوایا اندر سے ارشاد ہوا۔''ناشتہ بھجوایا جارہا ہے دفتر ہی میں بیٹھیں''۔مگر جب ناشتہ آیا تو خادمہ اس کے ساتھ ہی ایک بند لفافہ بھی لائی جس پر کوئی نام درج نہ تھا۔اس لیے جب میں اس خیال سے اسے جیب میں ڈالنے لگا کہ ملاقات کے دوران میں حضورؒ سے دریافت کرلوں گا کہ یہ کس کے نام

ہے تو خادمہ نے بتایا کہ: ’’وہ خط میرے نام ہے اور حضرت آپا جان نے بھجوایا ہے۔‘‘ ناشتہ سے فراغت کے بعد مَیں نے اس ملفوف کو کھولا تو اس کا مضمون یہ تھا۔ ’’آپ کا پان لانا تو اب ایک خوشگوار معمول بن چکا ہے اور رسمی شکریئے سے بات بہت آگے نکل چکی ہے مگر آج ایک ایسی بات ہوئی ہے کہ میں اس کے روحانی لطف وسرور میں آپ کو بھی شامل کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی چند منٹ گزرے حضورؒ میرے کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا منصورہ آج پان کو جی چاہتا ہے۔ آپ کے پاس کوئی ٹکڑا ہے؟ میں نے پاندان کھولا اسے اچھی طرح دیکھا بھالا۔ بلکہ کھنگالا اور عرض کیا حضورؒ صرف پون انچ چوڑا اور کوئی سوا انچ لمبا ایک ٹکڑا ہے۔ فرمایا ’’یہ مجھے لگا دیں۔ آپ کے پان اللہ تعالیٰ بھجوا دے گا‘‘ میں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ حضورؒ نے وہ ٹکڑا دہن مبارک میں رکھا اور اپنے کمرے میں تشریف لے گئے کہ دو منٹ کے بعد دفتر کے ایک کارکن نے باہر سے آواز دی ثاقب صاحب نے سلام عرض کیا ہے اور یہ پان بھجوائے ہیں۔‘‘



محترم ثاقب زیروی صاحب کی علمی، ادبی اور دینی شخصیت

(مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب)

آپ کی شخصیت ادب وصحافت کے ساتھ ساتھ خدا سے محبت اور جماعت سے گہری وابستگی کا مرکب تھی۔ زمانہ طالب علمی میں ثاقب زیروی صاحب کے ساتھ غائبانہ تعارف ہفت روز ’’لاہور‘‘ کے ذریعہ ہوا تھا۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی لائبریری میں ’’لاہور‘‘ رسالہ ہر ہفتہ پڑھنے کا موقع مل جاتا تھا۔ اس کے اداریوں اور مضامین کے مطالعہ سے محترم ثاقب صاحب کی بااصول شخصیت اور زورِ قلم سے واقفیت ہوتی گئی جو رفتہ رفتہ ارادتمندی کی شکل اختیار کرگئی۔ جلسہ سالانہ

کے موقع پر ان کی پرسوز اور دلکش آواز میں نظم سننے کا موقع بھی مل جاتا تھا۔لندن میں خاکسار نے ''لاہور'' بذریعہ ہوائی ڈاک منگوانے کا بندوبست کرلیا۔انہی دنوں الجزائر کی جنگ آزادی سے متعلق ایک نہایت ہی رقت آمیز اور اثر انگیز کتاب کا اردو ترجمہ کر کے محترم ثاقب صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ ''لاہور'' کو بھجوادیا جو انہوں نے ایک عمدہ نوٹ کے ساتھ شائع کردیا۔اس طرح سالہا سال کا جو عرصہ بیرون ملک گزارا اس میں وقتاً فوقتاً ''لاہور'' کے لیے لکھنے کی توفیق ملتی رہی اور اس میں ''لاہور'' کی علمی ادبی خدمت بجالانے کا جذبہ بھی شامل تھا۔

غالباً 1980ء کی بات ہے کہ خاکسار موسم گرما کی تعطیلات کے سلسلہ میں مڈل ایسٹ سے پاکستان آیا اور لاہور میں مقیم رہا محترم ثاقب صاحب سے بالمشافہ ملاقات کے لیے خاکسار اپنے ایک عزیز کے ساتھ ان دنوں بیڈن روڈ پر واقع دفتر ''لاہور'' پہنچا۔محترم ثاقب صاحب کو اپنا نام بتایا تو بہت تپاک سے ملے۔اس ملاقات میں ان سے بے شمار باتیں کیں اور سنیں۔اس کے بعد تو خاکسار جب بھی تعطیلات گرما میں پاکستان آتا۔ثاقب صاحب سے ملاقات اپنے لاہور کے پروگرام کا ایک ضروری حصہ ہوتی۔ان ملاقاتوں اور باتوں کے ذریعہ ایک تو محترم ثاقب زیروی صاحب سے بفضلہٖ تعالیٰ دلی تعلق بڑھتا گیا اور دوسرے ان کی باکمال شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے خاکسار کو آگاہی ہوتی گئی۔

احمدیت کی تربیت کا اثر

محترم ثاقب صاحب نے ایک ملاقات میں بتایا کہ ان کی شاعرانہ صلاحیت کو احمدیت کی محبت اور خدمت میں لگانے کا باعث ان کی والدہ محترمہ کی نصیحت بنی۔انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا ایک روز ان کی والدہ محترمہ نے فرمایا کہ تم شاعرانہ استعداد کو حضرت مسیح موعود کی زندگی کے ایمان افروز واقعات اور تعلیمات کو منظوم کرنے میں لگاؤ۔اس کا نتیجہ ثاقب صاحب کے پر اثر منظوم کلام کی صورت میں نکلا جو برصغیر کی تقسیم سے پہلے ''دورِ خسروی'' کے عنوان سے

قادیان دارالامان سے شائع ہوا۔محترم ثاقب صاحب نے بتایا کہ انہوں نے اس مرقع کا نام ''شاہنامہ احمدیت'' رکھا تھا لیکن جب حضرت مصلح موعودکو اس مجموعے کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نام ''دورخسروی'' ہونا چاہیے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد ہوئی۔ محترم ثاقب صاحب کی دینی اور نیک تربیت وخصلت کا تذکرہ برصغیر کے معروف اور جید صحافی اور میدان صحافت میں ثاقب صاحب کے استاد عبدالمجید سالک صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے:''ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی، ان کی طبیعت میں شرافت وسعادت، شرم حضوری اور دیانت فکر وعمل کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نوجوانی اور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی نفسی بے راہ روی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا اور وہ ہمیشہ ایک بندھے ٹکے اسلوب زندگی پر کاربند رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی شاعری کو دیکھئے فکر میں جدت تو ہے ابتذال نہیں۔ دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں۔ عشق تو ہے لیکن فس کا شائبہ تک نہیں۔غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں، موجودہ نظام عدم مساوات کے خلاف طیش ہے لیکن کمیونزم نہیں۔ یہی اعتدال کا راستہ اور یہی صراط مستقیم ہے اور مجھے ہرگز اندیشہ نہیں کہ اب ثاقب اپنی ادبی زندگی کے کسی موڑ پر بھی اس صراط مستقیم سے گمراہ ہوں گے''۔(''ثاقب کا تعارف'' تحریر عبدالمجید سالک از''شہاب ثاقب'' ص8 مطبوعہ 1959ء)

محترم ثاقب صاحب بفضلہٖ تعالیٰ شب زندہ دار اور عبادت گزار شخصیت تھے۔آپ نے 19-6-1992 کو خاکسار کو جو مکتوب لکھا اس کے یہ الفاظ میرے لیے وجد آفرین ہیں''رات آپ سے خواب میں ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ آپ رکوع وسجود میں تین دفعہ کی بجائے''سبحان ربی العظیم'' اور''سبحان ربی الاعلیٰ'' پانچ دفعہ پڑھا کریں۔نہیں معلوم اس بات کا کیا محل تھا؟ شائد اس لیے کہہ دیا کہ یہ میرا معمول ہے''۔اسّی کی دھائی کی ایک ملاقات میں محترم ثاقب صاحب نے ہفت روزہ''لاہور'' کے سلسلہ میں محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ رات کے دس بجے تک کا وقت اپنے گھر میں مختلف احباب کے ساتھ تبادلہ خیال اور گفت وشنید میں

گزارتے ہیں کیونکہ باخبر رہنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے۔فرمایا کہ اس کے بعد میں ''لاہور'' کے لکھنے کا کام کرتا ہون جو عموماً فجر تک جاری رہتا ہے اور پھر نماز فجر پڑھ کر سوتا ہوں'' خاکسار ثاقب صاحب کی اس قدر محنت اور جفاکشی پر حیران رہ گیا۔ان کا رات بھر کام کرنے اور نماز فجر ادا کر کے سونے کا واقعہ میں آج کل نوجوانوں کو سناتا ہوں تاکہ ان کے اندر بھی نماز کا اہتمام اور ذوق وشوق زندہ رہے۔''کام،کام اور کام'' کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے گیارہ گھنٹے تک مسلسل لکھنے کا تجربہ تو ہے۔اس پر خود انہی کا یہ شعر یاد آرہا ہے ؎

نئی راہیں نئی دشواریاں ہیں پھر بھی چلنا ہے
جنہیں اکسیر بننا ہے انہیں بھٹی میں جلنا ہے

خواجہ ناظم الدین کا قدردانی کرنا



گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین جو قائداعظم کے ساتھی نوابزادہ لیاقت علی خان کے بعد پاکستان کے دوسرے وزیراعظم بنے، ثاقب صاحب سے بہت التفات سے پیش آتے تھے۔لاہور میں ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔جس میں خواجہ ناظم الدین صاحب مہمان خصوصی تھے۔ثاقب صاحب نے اس موقع پر اپنی نظم ''میرا جواب'' جو انہوں نے ایک شاعر دوست کے جام مے پیش کرنے کے جواب میں کہی تھی، اپنے منفرد اور درد ترنم میں پڑھی۔خواجہ صاحب اس نظم سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ثاقب صاحب سے فرمائش کر کے تین بار یہ نظم اسی مشاعرہ میں سنی اس نظم کا ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔اپنے جواب میں فرماتے ہیں: ؎

یہ رنگ چھوڑ چھاڑ کر	یہ جام توڑ تاڑ کر
یہ نقش سب بگاڑ کر	یہ میکدے اجاڑ کر

نئی	زمین	بناؤں	گا	نیا	جہاں	بساؤں	گا

ثاقب صاحب نے فرمایا:

''خواجہ صاحب مجھ پر بہت مہربان تھے۔ میں جب بھی کراچی جاتا تھا خواجہ صاحب کا ارشاد ہوتا کہ میں ان کے ہاں قیام کروں۔ ایک دفعہ خواجہ ناظم الدین صاحب نے ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان مشاعرہ کا اہتمام کرایا۔ میں خواجہ صاحب کا مہمان تھا۔ مشاعرے کے بعد انہوں نے مجھے گرانقدر مشاہرہ دیا جو میں نے بہت پس وپیش کے بعد قبول کیا۔ پھر میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ یہاں سے روانگی سے پہلے یہاں کی بنی ہوئی کچھ خاص چیزیں خریدنا چاہتا ہوں، خواجہ صاحب نے اپنے ایک خاص آدمی کو میرے ساتھ روانہ کیا اور اسے تاکیدی ہدایت کی کہ جو چیز ثاقب صاحب اپنے لئے خریدیں بالکل وہی چیز میری طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کے لیے خریدی جائے۔ محترم ثاقب صاحب نے بتایا کہ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے ساری چیزیں حضور کو پیش کر دیں اور عرض کیا کہ یہ خواجہ صاحب کی طرف سے حضور کے لیے تحائف ہیں۔ حضرت نے حیرت سے فرمایا ''لیکن میری تو خواجہ صاحب سے ایسی کوئی واقفیت نہیں''۔ ثاقب صاحب کہنے لگے میں نے حضور سے عرض کیا ''خواجہ صاحب کو تو آپ سے واقفیت ہے''۔

دینی غیرت و جرأت

جنرل ضیاء الحق کا دور کس قدر بھیانک اور ظاہر داری پر مبنی تھا یہ بات ملک کے انصاف پسند اور باخبر حلقے خوب جانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم نموناً انگریزی اخبار ''دی نیوز'' میں صاحب علم وقلم طلعت حسین کے مضمون کا ایک حصہ درج کرتے ہیں: ''درحقیقت ضیاء کا سارا دور حکومت مذہب کو سیاسی مقاصد کے لیے ہنگامہ خیز اور شرمناک طور پر استعمال کرنے کا دور تھا۔ اس نے اتنی سیاسی زیادتیاں کی ہیں کہ کسی اور ملک میں جہاں سیاست میں مذہب کے مقام کی نسبت ہمارے ہاں کے مقابل پر کم ابہام (Confusion) ہوتا اور جہاں پر قانون بکاؤ مال نہ ہوتا وہاں وہ اور اس کا

جتھہ ساری عمر جیل میں بندھے رہتے تب بھی ایسے جرم کا کفارہ نہ کر پاتے ۔اسلامی عدل کی منطق کو سر کے بل اوندھا کر دیا گیا۔غریب مصیبت میں گرفتار ہوئے اور چور خوب پھلے پھولے ۔ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہوا‘‘ ۔(روز نامہ ’’دی نیوز‘‘ 4 جنوری 1998ء صفحہ 7) ہاں تو ثاقب صاحب نے 1984ء کی ایک ملاقات پر بتایا (جب جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان تھے) ’’پچھلے دنوں ایوان؟ صدر میں بعض شعراء کے ناموں کی لسٹ تیار کی گئی جنہیں صدر صاحب نے ان کے امتیازی کام اور مقام کی وجہ سے تمغوں اور مراعات سے نوازنا تھا۔ان کے سیکرٹری نے مجھے پیغام بھیجا کہ آپ کا نام بھی اس لسٹ میں شامل ہے۔آپ ضرور شمولیت اختیار کریں ۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔اس پر سیکرٹری صاحب نے زور دے کر کہا کہ آپ کا نام لسٹ میں چھٹے نمبر پر ہے جو کہ امتیازی بات ہے لیکن میں نے پھر جواب دیا کہ مجھے اس تقریب میں آنے کی ضرورت نہیں‘‘ ۔ایک دفعہ یہ بھی سنایا کہ ’’مجھے ضیاء الحق نے تین بار دعوت دی ہے کہ میرے پاس آؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے جواب بھجوایا کہ میں جماعت کا کوئی عہدیدار یا نمائندہ نہیں ہوں ۔اس لیے میرے ساتھ کوئی مصلحت آمیز بات نہیں ہوسکتی ۔ باقی رہی جماعت تو وہ کبھی تمہارے در پر نہیں آئے گی ۔‘‘

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان کی شفقت



حضرت چودھری صاحب سے محترم ثاقب صاحب کو اور حضرت چودھری ظفر اللہ خان کو ثاقب صاحب سے دلی انس تھا۔ایک ملاقات پر حضرت چودھری صاحب کے ذکر پر ثاقب صاحب نے کہا ’’وہ شخص روحانیت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔ ہم تو ان سے استفادہ کرتے ہیں‘‘ ۔ حضرت چودھری صاحب کی شدید علالت کے دنوں میں ایک موقع پر ثاقب صاحب نے بتایا ’’میں ان چند لوگوں میں سے ہوں جن کے متعلق چودھری صاحب فرماتے ہیں کہ ملاقات وعیادت کے لیے آپ کے آنے کی وجہ سے میری

بیماری کم ہو جاتی ہے۔'' محترم حمید اللہ ظفر صاحب نے ثاقب زیروی صاحب سے متعلق اپنے مضمون (مطبوعہ الفضل مورخہ 2 مئی 2002ء) میں وہ واقعہ کافی حد تک تفصیل سے تحریر کر دیا ہے جو ذوالفقار علی بھٹو کے ظالمانہ حکم پر پولیس کی جانب سے محترم ثاقب صاحب اور جناب م،ش کے ساتھ پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے دونوں دوستوں کی باقاعدہ گرفتاری کی نوبت ٹل گئی۔ اس واقعہ کا اگلا حصہ بھی ہے اور یہ سارا واقعہ محترم ثاقب صاحب نے خاکسار کو سنایا تھا۔ ثاقب صاحب اور م،ش صاحب گرفتاری کے آرڈر اور گرفتاری کے واقعہ کا باعث ثاقب صاحب کے مرتب کردہ ''روزنامچہ'' کی ''لاہور'' میں قسط وار اشاعت بنا۔ یہ حقائق اور اعداد و شمار بھٹو حکومت کو ہضم نہ ہو سکے۔ اگلا حصہ یہ کہ جب متعلقہ S.H.O نے محترم ثاقب صاحب اور جناب م،ش کو بتایا کہ اسے فون پر ہدایت ملی ہے کہ دونوں صاحبوں کو گرفتار نہ کیا جائے تو ثاقب صاحب واپس اپنے دفتر لوٹ گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی ہدایت پر کارڈرائیور کئی مرتبہ دفتر کا چکر لگا گیا ہے۔ ثاقب صاحب نے فرمایا ''دفتر میں مجھے بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ وہ ڈرائیور پھر آ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ الحمدللہ گرفتاری نہیں ہوئی بعد میں ڈرائیور نے پیغام دیا کہ حضرت چودھری صاحب نے آپ کو پیغام بھیجا ہے کہ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں اور یہ کہ وہ کارڈرائیور خود ان کو لینے شام کے وقت پہنچ جائے گا'' ثاقب صاحب کہنے لگے ''جب میں کارڈرائیور کے ساتھ شام کو حضرت چودھری صاحب کی کوٹھی پر پہنچا تو میں حیران رہ گیا کہ حضرت چودھری صاحب بالکل خلاف معمول کمرے سے باہر سخت بے چینی کی حالت میں ٹہل رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی گلے لگا لیا اور فرمایا ''میں رات بھر سو نہیں سکا اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کرتا رہا کہ الٰہی ثاقب نے صرف یہی تو کیا تھا کہ جو مظالم تیری جماعت کے لوگوں پر ہوئے ہیں ان کو بیان کر دیا'' ثاقب صاحب کہنے لگے ''جب میں نے چودھری صاحب کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے''۔

''روزنامچہ'' کیا تھا؟

اب ''روزنامچہ'' کی کچھ تفصیل سنیئے۔ثاقب نے بتایا۔''1974ء میں بھٹو حکومت کی ملی بھگت سے مخالفین احمدیت نے پاکستان کے طول وعرض میں احمدیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔قیمتی املاک جلائی گئیں اور بہت سے بے گناہ احمدیوں کو گرفتار کرلیا گیا اور جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا گیا۔ایسے جھوٹے مقدمات کی FIR کی کاپیاں حاصل کر کے ریکارڈ تیار ہوتا گیا۔ثاقب صاحب فرمانے لگے ''میں نے اس سارے ریکارڈ کو بغور پڑھ کر اور کھنگال کر بے شمار خونچکاں اور بے رحم واقعات کی تفصیل معلوم کیں جس سے دل ودماغ پر بہت بوجھ پڑا۔آخر میں نے اس سب دلدوز واقعات کو تاریخ وار ترتیب دینے کا فیصلہ کیا اور بڑی محنت اور چھان پھٹک سے یہ کام مکمل کر ڈالا۔اور کئی قسطیں تیار کر لیں۔محترم ثاقب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''لاہور'' کے لیے قسطوں کی تیاری کے بعد میں نے سوچنا شروع کیا کہ عنوان کیا دیا جائے۔بہت سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اب بقیہ رات آرام میں گزاری جائے۔عنوان کے متعلق پھر سوچیں گے۔رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب تشریف لائے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں ''کیا وہ روزنامچہ مکمل ہو گیا؟'' ثاقب صاحب کہنے لگے میں بیدار ہوا تو اس مبارک شخصیت سے عنوان مل چکا تھا۔سو میں نے ''روزنامچہ'' کے عنوان سے وہ قسطیں ''لاہور'' میں شائع کرنی شروع کردیں۔

بلبل خوشنوا۔ثاقبؔ زیروی



(مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی سابق ایڈیٹر الفضل ربوہ)

’’ثاقب زیروی‘‘۔نام ہے ایک بلند پایا شاعر کا۔ یہ نام ہے لحن داؤدی رکھنے والے انسان کے روپ میں ایک بلبل خوشنوا کا۔ یہ نام ہے صحافت کے ہر شعبہ میں قلم کے جوہر دکھانے والے۔ایک نڈر، بیباک اور جری صحافی کا۔ یہ نام ہے حلقہ یاراں میں ہنسنے ہنسانے اور محفل کو کشت زعفران بنانے والے ایک بزلہ سنج لطیفہ گو کا۔ یہ نام ہے غیر مانوس ماحول میں بھی اچھے اچھوں اور بڑے بڑوں کو شیشے میں اُتار کر اپنا گرویدہ بنانے والے ایک مشاق ماہر تعلقات کا۔ یہ نام ہے ہمت و استقلال اور پامردی سے نا مساعد حالات کا مقابلہ کرنے، اپنا راستہ بنانے اور اس پر مردانہ وار آگے سے آگے بڑھنے والے ایک نبرد آزما جوانمرد کا۔اور اس سے بھی بڑھ کر یہ نام ہے مشاعروں میں سر آنکھوں پر بٹھانے والوں کی واہ واہ اور غایت درجہ پزیرائی کو بالآخر تیاگ کر دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی خاطر گمنامی اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے اور اس پر فخر کرنے والے ایک ایثار پیشہ مرد غیور کا۔ یہ فکر عمیق کا غواص یہ مقبول عوام وخواص عامیوں میں عامی اور تامیوں میں تامی گرامی 13 جنوری 2002ء بروز اتوار 84 سال کی عمر پا کر اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا اس طرح وہ اپنے خالق و مالک کی طرف لوٹ گیا اور اسی کی طرف ہم سب نے اپنی اپنی باری پر لوٹ جانا ہے۔ایک زمانہ میں جناب ثاقب زیروی سے مجھ ایسے مجلسوں اور ہنگاموں سے دور دور رہنے والے بے شعور کی بہت گاڑھی چھنی۔ یہ بات ہے پچاس سال سے بھی پہلے کے زمانہ کی جب وہ روز نامہ الفضل میں میرے ایک ہم منصب ساتھی کی حیثیت سے بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔اس زمانہ میں الفضل لاہور سے شائع ہوا کرتا تھا۔گاڑھی دوستی کے اس زمانہ میں میں ان کی وساطت سے لاہور کے بعض صحافیوں چیدہ چیدہ شاعروں اور ادیبوں سے متعارف ہوا اور اس طرح ان کے حلقوں تک مجھے بھی رسائی حاصل ہوئی۔ یہ تعلقات بہر طور میرے لئے مفید ثابت ہوئے۔لیکن ثاقب کے ساتھ باہمی رفاقت وقربت کا یہ سلسلہ چند سال سے زیادہ نہ چل سکا ۔اور وہ خدمت دین کی نیت سے ایک نئے عزم، نئے ولولے اور نئے جوش کے ساتھ میدان

صحافت میں پھر اُترے لیکن یکسر ایک نئے رنگ میں اور نئے انداز سے۔ ہوا یوں کہ 1954ء میں دفتر الفضل لاہور سے ربوہ منتقل ہو گیا۔ ثاقب صاحب مرکز سے اجازت حاصل کر کے لاہور میں ہی رہے اور پھر لاہور ہی کے ہو کر رہے۔ لاہور سے مرکز سے اجازت لے کر ہفت روزہ ''لاہور'' نامی رسالہ نکلا اور اللہ کا نام لے کر اسے تن تنہا اپنی منشاء کے مطابق بڑے سلیقے سے مرتب کر کے نکالنا شروع کیا۔ عجیب بے سروسامانی کا عالم تھا۔ نہ سرمایہ نہ سٹاف میدان بالکل سپاٹ۔ بعض مخلص دوستوں کی اعانت اور ہمت بازو سے کیا کچھ نہیں فراہم کیا۔ اور کچھ نہ ہونے کے باوجود کیا کچھ نہیں کر دکھایا۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت میں رسالہ نکالنے کا عزم جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا ہمت مرداں مدد خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے بیڑہ اُٹھایا اور بیڑا پار لگا دکھایا۔ جوں توں کر کے رسالہ نکالتے رہے اور پھر نکالتے ہی چلے گئے۔ رسالہ نکالتے پچاس سال بیت گئے حتیٰ کہ اسی تگ ودو، جہد مسلسل اور انتھک محنت شاقہ میں عمر بیت گئی۔ اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن ہفتہ روزہ لاہور کی شکل میں اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

1974ء سے ان کے لئے مصائب کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ شعر و ادب کے سنگی ساتھی سب نے منہ موڑ لئے۔ ہر کسی نے دیدے پھیر لئے۔ سر آنکھوں پر بٹھانے والے سر بالوں پر آنے لگے۔ شعر و ادب کی محفلوں کو گرمانے والے ثاقب کو مشاعروں میں مدعو کرنا تو کجا تعظیم کرنے اور تسلیمات بجالانے والے آنکھیں ملانے سے کترانے لگے۔ مگر ثاقب کے پائے استقلال میں ذرا برابر بھی فرق نہ آیا۔ یہ مستقیم الحال پوری استقامت سے جادہ ہدایت پر گامزن رہا اور زبان حال سے کہتا رہا کہ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے۔ سر جاتا ہے تو جائے یہ کبھی نہ ہو گا کہ راہ حق سے سرمو انحراف کی تابت آئے۔ مرتے دم تک دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کا عہد نبھانا اور بڑی شان اور آن بان سے نبھانا۔ ثاقب جانباز نے رسالہ نکالا تو تھا لاہور کی ادبی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے ترجمان کے طور پر لیکن جب زمانہ اور اہل زمانہ کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو اسے جماعت کی

حمایت کے لئے وقف کر دیا اس طرح قلمی خدمت کا خوب خوب حق ادا کرنے کی توفیق پائی۔اس دوران ان کے خلاف مقدمات دائر ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔مقدمے بنتے رہے وہ مقدموں کا بے جگری سے سامنا کرتے رہے اور بہت با قاعدگی کے ساتھ رسالہ بھی نکالتے رہے۔بڑھاپے کے باوجود دونوں محاذوں پر جوانوں کی طرح ڈٹے رہے اور اسی حالت میں سرخرو ہو کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔رسالہ لاہور ان کی یاد دلاتا رہے گا۔اور جلسہ ہائے سالانہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود کی تازہ کہی ہوئی نظمیں اپنی گونجدار سریلی آواز اور وجد آفرین لہجے میں سنانے کے ان کے مخصوص انداز کا غنائیت سے بھرپور امعمور تاثر بیتے ہی کانوں میں رس گھولتا رہے گا۔

جوانی کے ابتدائی دور کے بعد لہولت اور بڑھاپے کی نقاہت میں بھی کام اور مسلسل کام سے ان کی لگن اور خدمت دین میں ہمہ وقت مگن رہ کر زندگی بسر کرنے کے چلن کا جب تصور کرتا ہوں تو ان کی وفات پر غم واندوہ کی حالت میں بھی بے ساختہ زبان پر آئے بغیر نہیں رہتا کہ ثاقب زیروی زندہ باد۔

دیوانے بھلا کب رکتے ہیں رستے میں کھڑی دیواروں سے	ہم ہنستے کھیلتے گزریں گے طوفانوں سے منجدھاروں سے
صحراؤں کے تپتے سینے پر ہیں ثبت ہمارے نقشِ قدم	گلزار بنا کر کھیلتے ہیں ہم جلتے ہوئے انگاروں سے
اُٹھے ہیں جو منزل کی جانب بڑھتے ہی چلے جائیں گے قدم	مرعوب نہ ہوں گے دل والے حالات کی ان یلغاروں سے

(ثاقب زیروی)

ثاقب زیروی کے ساتھ ساتھ

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)



''لاہور'' کے پچھلے چند شماروں میں ثاقب زیروی کے ساتھ آواری ہوٹل میں منائی جانے والی ''ایک شام'' کی روداد چھپ

رہی ہے۔کشور ناہید کا مضمون چھپا تو میں نے یہی جانا کسی پرانی شام کا ذکر ہوگا۔مگر تواتر کے ساتھ کرمانی صاحب، پروفیسر بشیر صاحب، منو بھائی، غالب احمد، شریف جنجوعہ اوراحمد فراز کے خطاب کا متن چھپا تو اندازہ ہوا کہ اہل وطن میں سے کچھ محبان کو وطن اس وطن دوست شاعر کے ساتھ وابستگی کے اظہار کا خیال تو آیا ہے ورنہ اس دور نا پرساں میں اوراس شہر ناپرساں (لاہور) میں ایسی بات کا ہونا ناممکن نہیں تو انہونی بات ضرور لگتی تھی۔اب ایسا ہوا ہے تو دیر آید درست آید کے مصداق اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔اگرچہ میں (ثاقب زیروی) کو اتنا تو نہیں جانتا۔جتنا غالب احمد، منو بھائی اور شریف جنجوعہ جانتے ہیں۔مگر ہم نے عمر بھر اس رسیلے، نوکیلے اور اکیلے شاعر کا کلام سنا ہے اور اس کے ساتھ شاموں کا اہتمام بھی کیا ہے۔شاید ہمارے پاس بھی کچھ کہنے کو ہو تو اس ناطے سے کہ ’’غریب شہر سخن ہائے گفتنی وارد‘‘ ثاقب زیروی کے بارے میں کچھ کہہ کر اس محفل میں شریک ہورہا ہے۔‘‘محمد صدیق ثاقب زیروی کی پہلی یاد تو قادیان کی ہے کہ جماعت کے جلسہ سالانہ پر ان کا کلام سنا۔ایک اجلاس میں ثاقب زیروی اپنا کلام سناتے اور ایک اجلاس میں اپنے امام کا کلام سناتے تھے’’کلام الامام امام الکلام!‘‘ کانوں میں اب تک وہی رس گھولتی ہوئی آواز گونج رہی ہے غالباً ’’دورِ خسروی‘‘ کا کوئی حصہ تھا اب یاد نہیں اور وہ عمر بھی کوئی ایسی باتیں یاد رکھنے کی عمر نہیں ہوتی مگر جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ثاقب زیروی کی آواز نے دلوں میں گھر کرلیا۔

عشق کی حد تک پیار



ثاقب زیروی کو تعلیم الاسکام کالج کے پرنسپل حضرت میرزا ناصر احمد سے (جو بعد جماعت احمدیہ کے تیسرے امام ہوئے) عشق کی حد تک پیار تھا اور حد سے زیادہ عقیدت تھی۔اس ناطہ سے ہم لوگ تعلیم الاسلام کالج کے طلاب علم نے تو گویا ثاقب زیروی کے ساتھ دوستی کی ابتداء ہوئی یہ 1954ء کی بات ہے مگر اس سے پہلے ایک موقعہ ثاقب زیروی سے تعارف ہو چکا تھا۔حضرت بانی

سلسلہ احمدیہ کی زوجہ محترمہ سیدہ نصرت جہاں بیگم کا ربوہ میں انتقال ہوا تو ثاقب زیروی لاہور سے صحافیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ مقامی خدام میں سے ہماری ڈیوٹی پریس والوں کی دیکھ بھال پر تھی۔ ریڈیو پر سیدہ محترمہ کے وصال کی خبر نشر ہوئی کہ ”مرزا غلام احمد قادیانی کی بیوہ اور جماعت کے موجودہ امام مرزا بشیر الدین محمود احمد کی والدہ محترمہ آج ربوے میں انتقال کر گئیں“ ہمیں ریڈیو والوں کا ”ربوے“ کہنا اجنبی لگا۔ ہم نے ثاقب صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ ریڈیو والوں نے کیسی عجیب بات کی ہے۔ کہنے لگے ”نہیں بھائی یہ امالہ کا مسئلہ ہے جو تمہیں ابھی سمجھ میں نہیں آئے گا“ یہ بھائی کا تخاطب بھی ہمیں اجنبی لگا۔ مگر اب تک ثاقب زیروی کی یہی وضعداری چلی آتی ہے کہ ہر شخص کو ”بھائی“ کہہ کر ہی بلاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا ان سے عمروں کا اتنا تفاوت ہے کہ بیٹا کہہ کر بھی جواب دے سکتے تھے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ ”بھائی“ کہنے کی عادت انہوں نے اپنے استاد مولانا عبدالمجید سالک صاحب سے ورثہ میں پائی ہے۔ سالک صاحب نے مولانا غلام رسول مہر کے ”بھائی“ کہہ کر کیا پکارا یہ ان کا تکیہ کلام بن کر رہ گیا۔ حالانکہ وہ زمانہ آ لگا ہے کہ دنیا میں بھائی کم رہ گئے ہیں اور برادران یوسف زیادہ ہو گئے ہیں...... یہاں ایک جملہ معترضہ ہمارا دل کا آپریشن ہوا تو ہمارے دوست یوسف ایاز سے کینیڈا سے ہمیں عیادت کا خط لکھا آخر میں ازراہ برادر پروری لکھا آپ کا بھائی یوسف!...... ہمارے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ہم نے فوراً جواب دیا کہ ”عیادت اپنی جگہ مگر ہم ہرگز ہرگز آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ کیا آپ نے ہمیں برادر یوسف سمجھ رکھا ہے۔

”تعلیم الاسلام کالج“ کے ساتھ ثاقب زیروی کا ناطہ اس قدر استوار تھا کہ ہم نے مشاعرہ کرنا ہوتا تو ثاقب صاحب کو لکھ دیتے۔ وہ ہمیں اپنی اور اپنے ساتھی شعراء کی سہولت کے مطابق مناسب تاریخ کا بتا دیتے اور پھر کالج کی گاڑی شعراء کو لے آتی۔ نہ کبھی ثاقب صاحب نے معاوضہ مانگا نہ کسی اور شاعر کو کبھی کالج کے مشاعروں میں معاوضہ دیا گیا۔ سب لوگ خلوص اور محبت سے

آتے۔کالج میں مشاعرہ پڑھتے۔اس کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ہاں نجی نشست ہوتی۔وہ تمام نشستیں ریکارڈ ہوتی تھیں مگر صد حیف کہ کالج کی نیشنیلائزیشن نے وہ سب ''نادر ٹیپیں'' جو کالج یونین یا بزم اُردو کا سرمایہ تھیں یوں ضائع کردیں کہ اب ان کا نشان تک باقی نہیں۔ ایسے مشاعروں میں ثاقب صاحب ایسے شعراء کو ہمراہ لاتے جو عام ڈگر سے ہٹ کر شعر کہنے والے شعراء تھے۔ہم نے سالک صاحب کو، احسان دانش کو، نازش رضوی کو، علامہ لطیف انور کو، کلیم عثمانی کو، طفیل ہوشیار پوری کو، شرقی بن شائق کو، ہوش ترمذی، گلزار ہاشمی کو، قتیل شفائی کو، ثاقب صاحب کے طفیل ہی سنا اور ان کی مہربانیوں کے مورد ہوئے۔ثاقب صاحب کی وضع داری یہ رہی کہ جس شاعر کی ثقاہت کے بارے میں انہیں وثوق نہ ہوتا کبھی ہمراہ نہ لاتے ایک دو شعراء کے بارے میں ہم نے انہیں کہا تو جواب ملا''نہ بھائی میں انہیں جانتا نہیں انہیں کیسے حضرت مرزا ناصر احمد کی محفل میں لے آؤں''۔اسی لیے میں نے کہا نا کہ ثاقب زیروی کو ان سے عشق کی حد تک پیار تھا۔عشق بن یہ ادب نہیں آتا۔پھر کشور ناہید نے بیڈن روڈ پر''لاہور'' کے دفتر کی سیڑھیاں چڑھنے کا ذکر کیا ہے ہم نے بھی کئی بار وہ سیڑھیاں چڑھیں مگر ایک موقعہ یادگار ہو گیا۔ثاقب زیروی کی غزل چھپی زمین تھی''گریزاں ہے نہ جانے کیا ہو''۔''شہیداں ہے نہ جانے کیا ہو''۔شعر ہوا ؎

کافر عشق کدھر جائیں کھڑے سوچتے ہیں
شہر کا شہر مسلماں ہے نہ جانے کیا ہو

ہم شاید اسی غزل کی مبارکباد کہنے کے لیے حاضر تھے کہ اتنے میں بزرگ شاعر رئیس امروہوی ہانپتے کانپتے وہ بے شمار سیڑھیاں چڑھ کر آئے۔سانس پھولی ہوئی، دم لینا دشوار، سب لوگ ان کے قدم لینے کو لپکے۔فرمانے لگے شعر ایسا تھا کہ ہفت خواں طے کر کے آیا ہوں ورنہ میں لاہور میں ہی تھا فون کر کے بھی داد دے سکتا تھا اس کے بعد بڑے وجد کی کیفیت میں یہی شعر دوبارہ پڑھا۔ع

شہر کا شہر مسلماں ہے نہ جانے کیا ہو

پر تو جیسے بے قابو ہو جاتے تھے اس روز اس بات کی بھی سمجھ میں آئی کہ وضع داری اور شرافت کسے کہتے ہیں اور اپنے ہمعصر شعراء کی قدر افزائی کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم نے مشاعروں میں اکثر دیکھا کہ جوش صاحب کسی کو داد دینا تو کجا مشاعرہ میں سر ہلانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ حفیظ جالندھری کو بھی یہی مرض تھا مگر احسان دانش کو ہم نے بعض نو مشق شعراء کو بھی داد دیتے دیکھا۔ سالک صاحب کی بھی یہ سنت تھی اور آگے ان کے شاگردوں میں بھی یہی سنت جاری و ساری ہے بہت سے ہمعصر شعراء اگر ثاقب زیروی کے پکھرے سے لگے رہتے تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ثاقب زیروی داد دینے میں بخل نہیں کرتے داد کے معاملہ میں ''کثیر الرماد'' آدمی ہیں اور کشور ناہید کی اس بات کی صداقت کے تو ہم گواہ ہیں کہ لیے دیئے رہنے کے باوجود ثاقب زیروی ضرورت مند شعراء کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔

پہلا پبلک مشاعرہ

ثاقب زیروی کا پہلا پبلک مشاعرہ ہم نے ''کالونی ملز'' والوں کے ہاں مظفر آباد میں سنا۔ ضمیر جعفری، قتیل شفائی، ساغر صدیقی، وغیرہ سب تھے۔ ساغر صدیقی کی غزل کے بعد مشاعرہ اکھڑنے لگا تو صاحب صدر نے ضمیر جعفری کو پکارا۔ جعفری صاحب نے اپنے مزاح اور ترنم کے سہارے مشاعرے کو سنبھالا دیا مگر ذرا دیر بعد ہی لوگ پہلو بدلنے لگے۔ ثاقب زیروی کے نعرے لگانے لگے، ثاقب صاحب کا نام پکارا گیا۔ لڑکھڑاتے بہکتے شعراء کے درمیان سے ایک ہوشمند شاعر اٹھا۔ ثاقب زیروی اپنے مخصوص لباس میں تھے۔ شیروانی، شلوار، سالک صاحب کے تتبع میں گلے میں مفلر، سر پر ٹوپی، اور جلد ہی ایک سر آفریں ترنم نے سامعین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مشاعرہ کسی حال میں نہیں تھا۔ ایک شامیانہ لگا ہوا تھا۔ بس یوں ہی محسوس ہوا کہ اس شامیانے کے نیچے صرف ثاقب زیروی ہی ثاقب زیروی ہے۔ ہم نے جگر صاحب کا ترنم بھی سنا ہے۔ حفیظ جالندھری تو خیر گویوں والی گائیکی گاتے تھے۔ شکیل بدایوانی کو صرف ایک بار سنا کہ وہ باقاعدہ

راگ کا نام لے کر اور بتا کر گاتے تھے۔ایک بزرگ صورت شاعر فنا کانپوری کو بھی صرف ایک بار ہی سنا وہ بھی بے پناہ گاتے تھے۔مگر ثاقب زیروی کا رنگ ان سب سے علیحدہ اور منفرد ہے۔گاتے نہیں ترنم سے پڑھتے ہیں ان کے گلے میں وہ لحن ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔نور پھوٹتا ہے، ایک ایک مشاعرہ میں کئی کئی نظمیں لوگ ان سے سنتے تھے مگر ان کا جی نہیں بھرتا۔یہ سب حکایتیں خواب و خیال ہوگئیں مگر ہم لوگوں نے اس شخص کا کلام اس کی زبان سے سنا ہے ان باتوں کو خواب خیال کیسے جان لیں؟ متعصب لوگوں نے مشاعروں کے باذوق سامعین کو ایک البیلی آواز سے محروم کر دیا حالانکہ وہ آواز سوتوں کو جگاتی اور غافلوں کو جھنجھوڑتی تھی۔اس محفل میں جس کے ذکر سے ہم سے مضمون شروع کیا ہے سب نے ہی ثاقب زیروی کی اس قوم کو جھنجھوڑنے والی نظم کا ہی حوالہ دیا ہے۔یاددہانی۔مگر یاددہانی کروانے والے کی آواز پر تو وہی لوگ آواز دیا کرتے ہیں جو زندہ ہو۔ہم تو جیتے جاگتے مردے بنے ہوئے ہیں۔سوئے ہوؤں کو تو کوئی جگائے تو جگائے، جاگتے مردوں کو کون جگائے۔ ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

1965ء میں جماعت احمدیہ پر ایک عجیب حادثہ گزرا جماعت کے دوسرے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد جنہوں نے تقریباً نصف صدی تک جماعت احمدیہ کی رہنمائی کی تھی انتقال کر گئے۔ ان کے جنازہ کا موقعہ تھا۔کوئی پچاس ساٹھ ہزار لوگ ربوہ جیسے چھوٹے شہر میں جمع تھے۔جنازہ اٹھا تو جیسے پچاس برس کی تاریخ کاندھوں پر سوار تھی۔اس موقع پر ثاقب زیروی کا قطعہ چھپا۔میں آج بھی اس قطعہ کو ثاقب زیروی کا بہترین قطعہ سمجھتا ہوں ؎

ہونٹوں پہ آہ سرد سینوں پہ غم کی دھول
آنکھون میں سیل اشک چھپائے ہوئے چلا

دن ڈھل چلا تو درد نصیبوں کا قافلہ
کاندھوں پہ آفتاب اٹھائے ہوئے چلا

پچھلے پہر کے اس دردنصیب قافلہ کی اس سے بہتر تشبیہ کسی اور سے نہ ہوسکی۔اس قافلہ کے آگے آگے وہ امام ہمام تھا جس کے ساتھ ثاقب زیروی کے عشق کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

نئے خلیفہ کا انتخاب

ایک شام پہلے کی بات ہے نماز عشاء کے بعد نئے خلیفہ کے انتخاب کی کارروائی مسجد مبارک میں ہورہی تھی۔میں ثاقب زیروی کے ہمراہ مسجد مبارک کے مین گیٹ کے باہر کے دورویہ باغیچے میں موجود تھا۔لاؤڈ اسپیکر کھلا تو اندازہ ہوا کہ کارروائی مکمل ہوئی خلیفہ کا انتخاب ہو چکا مگر کون چنا گیا؟ کسی کو پتہ نہیں تھا۔ہم لوگ بھی لوگوں کے ہمراہ ''بیت المبارک'' کے اندر کی طرف لپکے گیٹ کے اندر جگہ گیلی تھی،کیچڑ سا ہورہا تھا۔یہ مجھے یاد نہیں کہ ترشح ہوا تھا یا وضو کرنے والوں کی بے احتیاطی سے پانی سڑک پر بہہ نکلا تھا۔اتنے میں لاؤڈ اسپیکر پر آواز بلند ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا ارشاد ہے کہ بیٹھ جائیں۔ہم کیچڑ میں سے گزر رہے تھے۔مگر فوراً وہیں بیٹھ گئے کپڑے خراب ہو گئے تو بلا سے امام کے حکم کی عدولی تو نہ ہوئی۔اس یادگار موقعہ پر جو ثاقب زیروی کا اپنے امام کے ساتھ محبت کا اظہار کا موقع ہے ہم ان کے ساتھ تھے اور ثاقب زیروی کے خلوص واطاعت کے عینی گواہ ہیں۔ اطاعت امام ثاقب زیروی کا وصف تھا اور ہے اور جو مثال میں نے درج کی ہے اس وقت اس کی ہے جب انہیں اس بات کا بالکل علم نہیں تھا کہ امام کون منتخب ہوا ہے۔

ثاقب زیروی کی ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا بھی بہت چرچا ہوا ہے۔ ہمارے ملک میں کسی ہفتہ وار پرچے کا کم وبیش نصف صدی تک تواتر کے ساتھ چھپنا بجائے خود ایک تاریخی واقعہ ہے۔ حالانکہ ہفتہ وار پرچے کو صحافی ہمیشہ ہی زیاں کا سودا سمجھتے رہے ہیں۔''لاہور کو اپنی زندگی میں بڑے بڑے حراف حریفوں کا سامنا ہوا۔مگر وہ اکیلے ہی چومکھی لڑتے رہے اور اب بھی سینہ تان کر

کہہ سکتے ہیں ع

ہر داغ ہے اس دل پہ بجز داغ ندامت

اپنے مسلک پر ثابت قدمی خواہ وہ مسلک سیاسی ہو یا مذہبی ثاقب زیروی جیسے اولوالعزم مدبر کو ہی سزاوار ہے جس کے آگے ''لاہور'' کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ ہے۔

ایک ذاتی بات

دو تین برس پہلے میرا بھجوایا ہوا ''لاہور کا چندہ ختم ہوا تو ''لاہور'' کے مینیجر صاحب کا خط آیا کہ چندہ ختم ہو رہا ہے، اس لیے ادائیگی کا کوئی انتظام کریں۔ ابھی اس خط کو آئے دوسرا ہی دن تھا کہ مینیجر صاحب کا ایک خط اور آ گیا جس میں ثاقب زیروی کا ایک خط لف تھا جو انہوں نے اپنے مینیجر کے نام لکھا تھا کہ جو شخص یورپ میں بیٹھ کر ''لاہور'' میں باقاعدگی سے مفید مطلب مضامین لکھتا رہتا ہے اس سے چندہ مانگنا اچھی بات نہیں اس لیے فوراً معذرت کا خط لکھیں۔ ہم نے وہ خط پڑھا تو حیران رہ گئے ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے

پاکستان میں بھی کوئی ایسا ہی مائی کا لال مدیر ہو سکتا ہے۔ جو اپنے لکھنے والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے۔ میں نے پہلے لکھا تھا کہ ثاقب زیروی بڑے ''کثیر الرماد'' آدمی ہیں۔ بخیلوں کے اس دور میں اگر کوئی سخی ہے بھی تو وہ ''الشاذ کالمعدوم'' کے حکم میں ہے، ہمیں از حد مسرت ہے کہ ہمارے وطن کے کچھ اہل ذوق نے ہماری اپنی قوم کی بدمذاقی کے ہاتھوں ناقدری کا شکار ہونے والے ایک نابغہ کی قدر افزائی کی طرح ڈالی ہے۔ وہی غالب احمد کی بات کہ ے

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اور

اللہ کرے زور کرم اور زیادہ

شریف جنجوعہ اور پروفیسر بشیر ایسی حرکتیں پہلے بھی کرتے رہتے تھے۔ خدا کرے آئندہ بھی کرتے رہیں۔



شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی

جب عزیزی نسیم مہدی نے فون کر کے بتایا ابھی اطلاع آئی ہے کہ ثاقب زیروی فوت ہو گئے۔ میں شادی کی ایک تقریب میں میزبان کے طور پر شریک تھا۔ جی چاہتا تھا تنہا بیٹھ جاؤں اور اس بزرگ دوست، بے خوف، راست گو اور وضعدار صحافی اور نغز گو شاعر کو یاد کروں مگر تقریب کا تقاضا تھا کہ چہرے پر ملال یا حزن پیدا نہ ہو۔ بارے اس تقریب سے فراغت ہوئی تو میں اپنی یادوں کے دریچے کھول کر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے تو دیکھا کہ قادیان میں سیرۃ النبیؐ کا جلسہ ہے ایک جشن کا سماں ہے کیونکہ ہمارے ہاں سیرۃ النبیؐ کے جلسوں پر ایسی ہی گہما گہمی ہوتی تھی لوگ باگ بچے بالے صاف ستھرے کپڑے پہنے جوق در جوق جلسہ گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جلسہ شروع ہوتا ہے تو سب احترام اور خاموشی کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر جلسہ کی کارروائی سنتے ہیں تلاوت کے بعد ایک صاحب کو پکارا گیا کہ اب ثاقب زیردی بارگاہ رسالت میں اپنی نعت پیش کریں گے۔ ایک نوجوان سر پر ٹوپی اوڑھے گلے میں مفلر لپیٹے سٹیج پر آئے۔ ذرا سا گنگنائے اور پھر اپنے بے مثل من میں نعت پڑھنا شروع کی۔ ان کے گلے میں نور تھا۔ جی چاہتا تھا کہ وہ پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ اس عمر میں شعروں کی گہرائی یا گیرائی کا تو اتنا شعور نہیں تھا مگر اتنا یاد ہے کہ اس نوجوان کی اس نعت خوانی نے سامعین کو بے خود کر دیا۔ اس کے بعد جہاں جس جلسہ میں ان کی شرکت کی اطلاع ملتی اس میں ہم ایک دو دوست ضرور شریک ہوتے۔ ان کے ترنم کا سحر اب تک یاد ہے۔ جماعت کے سالانہ

جلسوں میں ان کی نظم ضرور پڑھی جاتی تھی۔ پہلے اجلاس میں وہ اپنی نظم سناتے اور بعد کے اجلاسوں میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا کلام۔ سبحان اللہ کلام الامام امام الکلام اور ثاقب زیروی کی آواز۔ ان کا ترنم جماعت کے جلسوں کا جزو بن گیا۔ اور مدتوں لوگ اس ترنم کو اپنانے اور اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی! اصل ترنم کا سحر اپنا لوہا منواتا رہا۔ ہمارے لئے اس زمانہ میں ثاقب زیروی دور کا جلوہ رہے۔ دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا۔

تقسیم ملک کے بعد ربوہ کی نئی بستی میں پہلی بار ان سے ملاقات ہوئی۔ ہم اس وقت غالباً میٹرک کا امتحان دے چکے تھے یا دینے والے تھے۔ ربوہ میں حضرت اماں جان کا انتقال ہوا۔ ادب سے ہمارے تعلق کے پیش نظر ہماری ڈیوٹی ان مہمانوں کی دیکھ بھال اور خدمت کی تھی جو لاہور سے صحافیوں کے ساتھ آئے تھے۔ اس وقت ریڈیو والے ابھی اس تعصب اور تنگ نظری کا شکار نہیں ہوئے تھے جس میں اب ملوث ہیں اس لئے ریڈیو نے حضرت اماں جان کی وفات کی خبر پورے احترام اور سوگواری سے نشر کی کہ بڑے افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کی اہلیہ اور موجودہ امام جماعت احمدیہ کی والدہ سیدہ نصرت جہاں بیگم آج ربوے میں انتقال کر گئیں۔ ہم ربوے کا لفظ سن کر چونکے ثاقب زیروی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا آپ نے بتایا کہ امالہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ جو لفظ ''ہ'' پر ختم ہوتے ہیں اگر ان کے بعد میں سے، کو، تک، تلک آ جائیں تو پڑھنے میں انہیں ''ے'' سے پڑھا جاتا ہے اس لئے ربوہ میں کی بجائے ربوے میں کے الفاظ آئے ہیں۔ ہم نے اس حکمت کی بات کو پلے باندھ لیا۔ زبان و بیان کی اس باریکی نے ہمیں بعد کی زندگی میں بہت فائدہ دیا۔ سکول کی زندگی کے بعد عملی زندگی میں ہم نے امالہ کا سبق ثاقب زیروی سے پڑھا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ہمیں یاد ہے صاحبزادہ میرزا بشیر احمد کی خدمت کرتے ہوئے ایسا ہوا کہ آپ نے ہمیں کوئی تحریر لکھوائی جب لکھوا چکے تو فرمایا میاں اب پڑھ کر سنا

دو کیا لکھا ہے۔ہم نے امالہ کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ عبارت پڑی تو حضرت میاں صاحب بہت خوش ہوئے فرمانے لگے میں نے اس غرض سے پڑھوایا تھا کہ جانچوں کہ تمہیں امالہ کا مسئلہ معلوم ہے یا نہیں؟ ثاقب زیروی کی سکھائی ہوئی بات بتادی اور بزرگوں کے سامنے ہماری عزت رہ گئی۔ پھر تو ان سے رابطہ رہنے لگا مگر وہی جو بزرگوں اور خوردوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ اب تک ہم انہیں خط لکھتے تھے تو بزرگوارم کہہ کر انہیں مخاطب کرتے تھے۔ایک دوشاگردوں نے حیرت سے ہمیں پوچھا کہ ہیں آپ انہیں بزرگوارم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں کیونکہ وہ عمر میں ہم سے کافی بڑے ہیں۔ بعد میں کالج کے مشاعروں میں شرکت کے لئے باقاعدگی سے وہ تشریف لاتے رہے ہماری بے تکلف دوستی بھی ہوگئی مگر ہم نے ہمیشہ اس فرق کوملحوظ رکھا۔عجیب بات ہے ہمارے شاعر دوستوں میں سب ہی بزرگ تھے۔تنویر صاحب، نسیم سیفی صاحب، حکیم عبدالہادی صاحب، ثاقب زیروی صاحب ان سب سے ہمارا باپ بیٹے کی عمروں کا تفاوت تھا مگر بے تکلفی کی دوستی تھی۔عبدالسلام اختر اور پروفیسر نصیر احمد خاں بھی عمر میں ہم سے بڑے اور مرتبے میں تو خیر بہت بڑے تھے مگر ہم نے اپنے بزرگ دوستوں سے بے تکلفی میں بھی ان کی بزرگی کے احترام کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔یہی حال ثاقب زیردی سے دوستی کا تھا۔اس میں ہماری کوئی خوبی نہیں ان بزرگوں کی خوبی تھی کہ وہ ہم جیسے خوردکواپنی دوستی سے سرفراز کرتے تھے ورنہ من آنم۔دراصل ادب میں عمروں یا مرتبوں کا تفاوت کوئی نہیں رکھتا۔

ثاقب زیروی نے صحافت مولانا عبدالمجید سالکؔ سے سیکھی اور انقلاب کے دفتر میں باقاعدہ زانوئے تلمذ طے کر کے سیکھی۔ہم نے کسی استاد کو اپنے شاگرد پر اتنا نازاں ہوتے کبھی نہیں دیکھا جتنا سالکؔ صاحب کی زبان سے ہم نے ثاقبؔ زیروی کے بارہ میں بہت توصیفی کلمات سنے ہیں۔ سالکؔ صاحب کے ساتھ ثاقبؔ زیروی بھی ہمیشہ پورے ادب و احترام کا سلوک روا رکھتے۔ان کی وفات کے بعد یوم سالک پر ہر سال اپنے پرچہ کا سالک نمبر شائع کرنے کی روایت انہوں نے

ہمیشہ قائم رکھی۔ اسی طرح ان کی وضع داری تھی کہ اپنے بزرگ دوست جعفر خاں جمالی (میر سائیں) کی برسی پر ان کا ذکر خیر ضرور کرتے۔ ایسی وضع داریاں اب کہاں رہ گئی ہیں؟ دوستوں سے وفا کرنے اور وضع داری نبھانے کی روایتیں خواب خیال ہوگئی ہیں۔ پھر پاکستان کے کتنے پرچے ہیں جو قائد اعظم کی برسی پر، لیاقت علی خاں کی برسی پر انہیں یاد کرنے کے لئے خصوصی شمارے شائع کرتے ہیں اور کوئی کرے نہ کرے لاہور تو کرتا تھا۔ پھر لاہور کی پالیسی کہ پہلے دن سے جو حق گوئی و بیبا کی کی روش اختیار کی وہ چلی آتی ہے۔ جو ڈیزائن پہلے دن سے چلا آتا ہے وہی لگے بندھے عناوین وہی سادہ صاف ستھری زبان ہے۔ راہ گیرا بھی راہ گیر ہی چلا آتا ہے منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔ منزل تک تو تب پہنچے کہ معاشرہ کی ناہمواریاں ختم ہوجائیں۔ نہ یہ ختم ہوتی ہیں نہ راہ گیر کی مسافت طے ہوتی ہے۔ لکھنے والا مرتب کرنے والا زندگی سے گزر گیا مگر مسافت باقی ہے! ثاقب زیروی نے سیاسی میدان میں اپنی پالیسی پر جو استقامت دکھائی وہ بھی اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ۔ سیاسی ناہمواریوں پر دوٹوک اور بے لاگ رائے زنی ہمارے ہاں اب کہاں رہ گئی ہے؟ وہ لوگ جو ''جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کو جہاد قرار دیا کرتے تھے'' اس جہاں سے اُٹھ گئے ان کے جانشین تو یہاں تک آ گئے کہ اپنے مفاد کی خاطر کلمہ حق کی بجائے کلمہ ''ضیاء الحق'' کہتے اور پڑھتے رہے۔ اخبار کی پیشانی پر وہی کلمہ حق کہنے کا ماٹو چھپتا رہا۔ یہ لوگ ''حق'' بھی کہتے رہے اور مفادات بھی سمیٹتے رہے۔ اخبار کے بانی نے جن کو ملک دشمن قرار دیا تھا اس کی آل اولاد انہیں ملک دشمنوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنی ساکھ بڑھانے میں لگ گئی۔ نتیجہ کہ اخبار تو بہت بکا مگر ساتھ ہی اخبار والے بھی بک گئے۔ ثاقب زیروی نے اس زمانہ میں جب کوئی چوں چراں نہیں کرسکتا تھا جماعت احمدیہ پر ہونے والی زیادتیوں کا برملا چرچا کیا بلکہ ان زیادتیوں کے خلاف جہاد کرنے کا بیڑا اُٹھایا اس کے پرچے پولیس والے سٹالوں سے خود اُٹھا اُٹھا کر تلف کرتے رہے ڈاک کے ذریعے بھیجے جانے والے پرچوں کو ضائع کرنے کا تسلسل جاری

رہا مگر اس حوصلہ مند ایڈیٹر کی صاف گوئی کم نہ ہوئی۔اشتہار ویسے بھی اس پرچہ میں کم ہوتے ہیں۔ سرکاری اشتہاروں کا تو سوال ہی نہیں دوسرے مشتہرین پر دباؤ جاری رہا کہ اس پرچہ اشتہار نہ دیا جائے۔جس پریس میں پرچہ چھپتا تھا اس کے مالک پر دباؤ کہ پرچہ مت چھاپو۔ یہ سارے دباؤ ایسے ہوتے ہیں کہ انکے ہوتے کسی پرچہ کا جاری رہنا ناممکن ہوتا ہے۔اس ایڈیٹر کا یہ پرچہ جاری رہا اور پچاس برس تک رہا۔اس کی وجہ اللہ کا فضل اور ایڈیٹر کا اخلاص ہی ہوسکتا ہے۔ان سب مصائب پر مستزاد جھوٹے مقدمے! اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھا۔اب عجیب ستم ظریفی یہ ہوئی کہ فروری 2002ء میں آپ لاہور کا پچاس سالہ انتخاب نمبر چھپانے کا اعلان کر رہے تھے مگر فروری سے پہلے ہی دست اجل نے آپ کا انتخاب کرلیا۔سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں!

ثاقبؔ زیروی کی ذات لاہور کے شاعروں کا مرجع تھی۔اس لئے جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا لوگ انہیں لکھتے کہ مشاعرہ میں نہ صرف شرکت کریں بلکہ اپنے ساتھ ممتاز شعرا کو بھی لائیں تا کہ مشاعرہ کی رونق دوبالا ہوجائے۔ چنانچہ لاہور کے ممتاز شعرا کشور ناہید کے قول کے مطابق ان کے دفتر کی سیڑھیاں چڑھتے دکھائی دیتے۔ہم خود اپنے کالج کے مشاعرہ کے لئے صرف ثاقب صاحب سے درخواست کردیتے اور پھر نچنت ہوجاتے کہ ہمارا مشاعرہ کامیاب ہوجائے گا اور اللہ کے فضل سے ہر سال ہوتا رہا اور لوگ ہمارے ہاں آنا اپنے لئے باعث فخر گردانتے رہے۔ہاں ایک دو بار ان کی اور دوسرے شعراء کی معیت میں سفر کرنے کا موقع ملا۔ان کی صحبت میں لوگ پھکڑ نہیں تولتے تھے حالانکہ بڑے بڑے نامور شعراء اپنی نجی صحبتوں میں پھکڑ تولنے میں بدنام ہیں۔پاکیزہ مزاح کے چھینٹے ضرور اُڑائے جاتے اور تہذیب کے دائرہ میں رہتے ہوئے جگت بازی بھی ضرور ہوتی کہ اس کے بغیر سفر نہیں کٹتا مگر کہیں کوئی شخص تہذیب کا دامن نہ چھوڑتا۔ثاقب صاحب کو پان کھانے کی عادت تھی اس لئے ان کے ہاتھ میں پان کی ڈبیا اور گلے میں گلوری ہر وقت موجود رہتی۔ بھائی ان کا تکیہ کلام تھا۔چھوٹے بڑے سب ان کے بھائی تھے (الحمد للہ کہ ان کا نام یوسف نہیں تھا) ورنہ اس

دورِنا پرساں میں برادرانِ یوسف بہت ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ برصغیر کے مشاعرے ان کی شرکت کے بغیر نامکمل سمجھے جاتے تھے۔کہیں کسی مشاعرہ کا اعلان ہوتا تو پوسٹروں میں ثاقب زیروی کا نام سب سے نمایاں طور پر شائع کیا جاتا کہ لوگ ان کو سننے کے لئے جوق در جوق آتے تھے۔ثاقب زیروی کے ترنم کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ محض ترنم تھا۔گائیکی نہیں تھی۔بعض دوسرے شاعروں کی طرح ان کے ہاں مرکیاں تھیں نہ تان پلٹے۔سیدھا سادہ آواز کا جادو تھا جو سر چڑھ کر بولتا تھا۔لوگ مسحور ہو کر سنتے اور داد دیتے تھے۔کلام کی سنجیدگی سامعین کو محو رکھتی تھی۔ہم نے انہیں کبھی ہوٹ ہوتے بھی نہیں دیکھا بلکہ مشاعرہ اُلٹنے لگتا تو صاحبِ صدر انہی کو کلام عطا کرنے کو کہتے اور مشاعرہ جم جاتا۔ثاقب صاحب کے تعلقات ایک زمانہ میں بڑے بڑے افسروں سے تھے کیونکہ وہ لوگ ان کے نیاز مند تھے۔گورنر جنرل ہاؤس کے مشاعروں میں انہیں بلایا جاتا تھا، گورنر ہاؤس کے مکین چل کر ان کے پاس آجایا کرتے تھے۔وزیر وزراء تو اب تک ان کی نیاز مندی کا دم بھرتے ہیں مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ثاقب زیروی نے ان سے کوئی مفاد اُٹھایا ہو۔بیچ میں ایک دورِ ''زیاں'' ایسا بھی آیا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے مشاعروں میں ان کی شرکت پر پابندی لگادی گئی اور اب تک ہے مگر نقصان ریڈیو اور ٹی وی کو ہی پہنچا کہ لوگوں نے ان کے مشاعرے سننا چھوڑ دیئے۔ثاقب زیروی کی ساکھ مرتے دم تک اسی طرح قائم رہی۔ادب دوست حلقوں میں ان کا نام اب بھی اسی احترام سے لیا جاتا ہے۔بھلا قبول عام کے چراغ پھونکوں سے بجھائے جاسکتے ہیں؟ ثاقب زیروی کی موت ایک بے لوث، بے باک، مخلص، ثابت قدم اور حق گو صحافی کی موت ہے ان کے ساتھ اردو صحافت کی ایک تابندہ روایت بھی ماضی کا حصہ بن کر دفن ہوگئی۔لوگ ان کی شاعری اور ان کے ترنم، ان کی مرنجاں مرنج شخصیت ان کی ہمدردی، خلائق کی عادت کو مدتوں یاد رکھیں گے۔رفتید ولے نہ از دلِ ما!

(''لاہور'' 18 جنوری 2003ء صفحہ 8۔9)



تجربات جو ہیں امانت حیات کی

تبصرہ ڈاکٹر پروفیسر ناصر احمد پرویز پروازی

مشہور شاعر اور صحافی ثاقب زیروی کی رودادِ حیات ''تجربات جو ہیں امانت حیات کی'' کے ساقط الوزن مصرعہ کے عنوان سے ان کے ٹورنٹو میں بسنے والے صاحبزادے نے لاہور سے شائع کروائی ہے۔ اگر اصل اور صحیح مصرعہ کو عنوان کے طور پر اختیار کرلیا جاتا کہ ''وہ تجربات جو ہیں امانت حیات کی'' تو ایک بے پناہ مترنم اور صاحبِ ذوق شاعر کی رودادِ حیات پر کسی کو انگشت نمائی کا موقعہ نہ ملتا۔ ثاقب زیروی ایک بلند پایہ شاعر، مؤقر صحافی، شستہ نویس ادیب، علمِ مجلسی کے شناور، محفل آرائی میں فرد، سیاسیات کے تجربہ کار تجزیہ نگار، مردم شناس، بذلہ سنج، صاحبِ ذوق، صاحبِ اصول اور صاحبِ علم انسان تھے۔ تاریخِ اسلام اور تاریخِ ادبیات اردو پر ان کا مطالعہ ایسا تھا کہ بڑے بڑے ان کے سامنے زبان کھولنے سے گھبراتے تھے۔ تاریخِ اسلام سے ان کا شغف ایسا تھا کہ ان کے قلمی ناموں سے لکھے ہوئے مضامین پڑھ کر حیرت ہوتی تھی اور اسلامی تاریخ کے شناوروں کو ان کے تبحر پر غبطہ پیدا ہوتا تھا۔ ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کو کبھی کسی پیوست خشکی کا احساس پیدا نہیں ہوتا تھا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کی صحافتی تربیت عبدالمجید سالک جیسے صحافی اور اخبار نویس کی نگرانی میں ہوئی تھی اس لئے ان کی بذلہ سنجی کبھی ابتذال کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتی تھی۔ جماعت احمدیہ کی خدمت کے لئے زندگی وقف کرنے کے بعد امام جماعت احمدیہ نے ثاقب زیروی کو سالک صاحب کے پاس تربیت کی غرض سے بھیج دیا ان کی صحافتی تربیت مکمل ہوئی تو سالک صاحب نے یہ کہہ کر انہیں امام جماعت احمدیہ کے سپرد کیا کہ ''حضور! لیجئے سالک کا مثنیٰ حاضر ہے'' (تجربات جو ہیں امانت حیات کی۔ صفحہ 18)۔ ثاقب زیروی نے 1952ء میں لاہور

سے ہفت روزہ لاہور نکالنا شروع کیا جو آج تک ان کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے باقاعدگی سے چھپ رہا ہے۔ روودادِ حیات میں اس پرچہ کو پیش آنے والی گوناگوں اور متنوع مشکلات کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے اور ان مقدمات کا بھی جو اس پرچہ کے ایڈیٹر اور پرنٹر کو بھگتنا پڑے۔ جمہوری دور ہو یا مارشل لاء کی حکومت ثاقب زیروی اور ان کا پرچہ زیرِ عتاب ہی رہے کیونکہ یہ پرچہ جماعت احمدیہ پر ہونے والے ظلم کی تشہیر کرنے والا واحد پرچہ تھا دوسرے نام نہاد حق گو پرچے جماعت احمدیہ کا ذکر آتے ہی چپ سادھ لیتے تھے۔

اس حق گوئی کا ایک نقصان ثاقب زیروی کو یہ ہؤا کہ ان کو ریڈیو ٹی وی پر ہونے والے مشاعروں میں شرکت کرنے سے روک دیا گیا بلکہ عام عوام بھی انہیں مشاعروں میں بلانے سے اعراض کرنے لگے۔ حالانکہ ثاقب زیروی تقسیم ملک سے قبل بھی مشاعروں کے مقبول شاعر تھے مگر پاکستان کے قیام کے بعد تو ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ انجمن حمایت اسلام کے مشاعروں میں لوگ ان کے کلام کے منتظر رہتے تھے۔ خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان تو ان کے ایسے شائق تھے کہ انہیں کسی مشاعرہ میں شرکت کی دعوت دی جاتی تو ان کا پہلا سوال یہ ہوتا کیا ثاقب زیروی آرہے ہیں؟ لاہور کراچی چاٹگام ہر جگہ انہیں بلایا جاتا تھا اور اہلِ ذوق انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ ان کی اس پذیرائی سے حفیظ جالندھری بڑے نالاں تھے۔ مشرقی پاکستان کے ایک مشاعرہ میں دونوں بلائے گئے۔ اگلے روز ایک اخبار نے سرخی جمائی ''شاعر مرزائیت کا بنگال میں ورود''۔ اس مشاعرہ کے منتظم این ایم خان کمشنر چاٹگام اور اے ڈی اظہر فنانشل ایڈوائزر ریلوے تھے صدارت خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان کی تھی۔ اس سرخی سے سرکاری حلقوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ ایڈیٹر سے باز پرس ہوئی تو اس نے جواب دیا یہ خبر ''حفیظ جالندھری نے انہی لفظوں میں بجھوائی تھی'' (صفحہ 17) حفیظ صاحب کے بارہ میں تازہ ترین روایت تو کشور ناہید کی آئی ہے۔ صوفی تبسم والے مضمون میں لکھتی ہیں کہ ''حفیظ کا نام سن کر صوفی صاحب کے منہ کا ذائقہ خراب ہو

جاتا تھا'' (شناسائیاں رُسوائیاں۔صفحہ 31) کیونکہ انہوں نے تاشقند سے واپسی پر فیض کے خلاف بہت باتیں کی تھیں۔فیض صاحب نے حسبِ روایت کوئی جواب نہ دیا (جوابِ جاہلاں باشدخموشی) مگرصوفی صاحب نے پھر حفیظ سے کبھی بات تک نہیں کی۔اب دونوں وہاں ہیں جہاں ہماری زجروتوبیخ یاتعریف وتحسین انہیں کوئی گزند پہنچاسکتی ہے نہ فائدہ دے سکتی ہے۔اس لئے اس موضوع سے گریز ہی مناسب ہے۔

احمدیت کے بارہ میں انہیں کس قدرغیرت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے''1974ء کے آواخر میں ایک دن میں نے اپنے اساتذہ (یعنی مولانا عبدالمجید سالک اورمولانا غلام رسول مہر) کوامیرشریعت احرارسیدعطاء اللہ شاہ بخاری کی دعوت چائے میں شریک ہونے کا پروگرام بناتے دیکھا۔جب بات طے ہوگئی کہ یہ دونوں حضرات دفتر انقلاب سے نکل کرتانگہ پر دہلی دروازہ سے باہرمجلس احرار کے مرکزی دفتر میں جانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں؟ وعدہ کرتا ہوں کہ وہاں بھی اسی طرح گم سم بیٹھارہوں گا جس طرح روزانہ یہاں ڈیوٹی دیتا ہوں۔مولانا مہرنے اس پرتشویش بھری نگاہوں سے سالک صاحب کی طرف دیکھاتوانہوں نے کہا''ہم وہاں پہنچتے ہی کہہ دیں گے کہ اسے غیرحاضر سمجھیں یہ صرف ہماری باتیں سنے گا دخل کسی بات میں نہیں دے گا۔۔۔ میں نے چائے کے دوران میں بھی اور بعد میں بھی محسوس کیا کہ شاہ صاحب مجھے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔شایدانہیں میرے چہرے مہرے سے کچھ شک گذررہاتھاحتیٰ کہ انہوں نے سالک صاحب سے میرے بارے میں دریافت کرہی لیاکہ یہ کون ہیں؟ جواب دیا گیا''یہ نوجوان انقلاب میں صحافت کی عملی تربیت لے رہاہے آپ یہی سمجھیں یہ یہاں موجودنہیں ہےہم اسے اسی شرط پر یہاں لائے ہیں یہ ہماری کسی گفتگومیں دخل اندازنہیں ہوگابس اسے اپنایا ہمارا''سامع''سمجھیں۔''خوش گپیاں ہی نہیں پھکڑ تلتے رہے سیاست دانوں کے لطیفے، اخبار والوں کے لطیفے، مقرروں کے لطیفے ایک سے ایک بڑھ کر۔مگرشاہ

صاحب ہر نئی بات شروع کرنے سے پہلے میری طرف ضرور دیکھتے یہاں تک کہ اپنی ایک تقریر کے اثرات بیان کرنے سے قبل انہوں نے براہ راست مجھ سے دریافت کیا ''صاحبزادے کیا تم نے میری کوئی تقریر سنی ہے''؟ میں جواب میں خاموش رہا جب دوبارہ سوال کیا تو میں نے سالک صاحب کی طرف مستفسرانہ انداز میں دیکھا ''اگر سنی ہے تو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں انہیں بتا دو'' انہوں نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا ہاں ایک دفعہ ایک ثانیہ کے لئے سنی تھی اس کے بعد زندگی میں کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی''۔شاہ صاحب یہ جواب سن کر قدرے پریشان ہوئے میرے بزرگ استاد بھی خاموش ہو گئے۔ چند کروٹیں لینے کے بعد شاہ صاحب نے دوسرا سوال داغ دیا ''وہ تقریر آپ نے کہاں سنی تھی اور میں نے کیا کہا تھا جو آپ اس کے بعد میری تقریروں سے ہمیشہ کے لئے بیزار ہو گئے''؟ سالک صاحب نے جواب دینے کی اجازت دی تو میں نے کہا ''ایک دفعہ میں فیروز پور سے قصور آ رہا تھا اور قصور کے چیف ایگزیکٹو افسر چوہدری عبداللہ خاں کے بنگلے کی چھت پر سویا ہؤا تھا پاس کی منڈی میں مجلس احرار کے زیر اہتمام آپ کی تقریر ہو رہی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ''مینوں تاں ہے جے اللہ میاں آپ آ کے آکھے کہ عطاء اللہ مرزا غلام احمد سچا اے تے میں آکھاں گا اللہ میاں توں جھوٹا ایں اوہ سچا نہیں ہو سکدا'' (نقل کفر کفر نباشد) اس پنجابی فقرہ کا ترجمہ یوں ہے کہ ''اگر اللہ میاں خود مجھ سے آ کر کہے کہ عطاء اللہ مرزا غلام احمد سچا ہے تو میں کہوں گا اللہ میاں تم جھوٹے ہو مرزا غلام احمد سچا نہیں ہو سکتا۔'' میں نے لاحول پڑھی اور کروٹ بدل کر سو گیا کہ جو شخص اپنے آپ کو خدا سے افضل سمجھتا ہے آئندہ اس کی تقریر نہیں سنوں گا'' (صفحہ 34۔44) تمام ادب آداب اور رکھ رکھاؤ سے کوئی اور یہ بات کہہ سکتا تھا؟ اور اپنے ان اساتذہ کی موجودگی میں جن کے سامنے بڑے بڑوں کے زہرے آب ہوتے تھے۔

ان کی رسائی سرکار دربار تک تھی مگر انہوں نے کبھی اپنے لئے یا اپنے اخلاف کے لئے کسی کا احسان نہیں اُٹھایا۔ سرکاری افسران سے بے تکلفانہ ملتے تھے مگر کوئی سرکاری افسران سے کوئی سبک

بات نہ کرسکتا تھا۔ثاقب صاحب نے اپنے تمامتر اوصاف کو احمدیت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ہم نے بڑے بڑے ججوں وکیلوں وزیروں سفیروں کو ثاقب صاحب کی محفل میں شامل اور ان کا کلام سنتے اور سر دُھنتے دیکھا ہے۔ججوں میں جسٹس سید نسیم حسن شاہ کی مہربانی کا ذکر تو ثاقب صاحب نے خود کیا ہے۔ان کے خلاف حکومت نے ڈی پی آر کے تحت مقدمہ قائم کر رکھا تھا۔یہ ضمانت کے لئے ہائی کورٹ میں جسٹس سید نسیم حسن شاہ کی عدالت میں ....''جج صاحب نے پوچھا ملزم کہاں ہے؟''میں نے کھڑے ہوکر عرض کیا''مائی لارڈ میں ہوں ثاقب زیروی''فرمایا''وہ ثاقب زیروی جو تحریک پاکستان میں ملک اور قوم کے ترانے گاتا رہا جس کی قومی نظموں کی بڑی دھوم رہی''۔اور شریک ملزم؟اس پر میاں محمد شفیع کھڑے ہوئے اور عرض کیا''مائی لارڈ۔م۔ش''فرمایا''وہ م ش (علامہ اقبال کا سکرٹری) جو اس ملک اور قوم کیلئے دو دفعہ قید ہوئے''پھر ایڈووکیٹ جنرل سے مخاطب ہوکر کہا مسٹر ایڈووکیٹ جنرل آپ کو تحریک پاکستان کے ان دو جید کارکنوں سے بہتر لوگ ڈیفنس آف پاکستان رولز کے لئے کہاں سے مل سکتے تھے۔بہرحال ہم ابھی سماعت نہیں کر رہے انہیں گرفتار نہ کیا جائے''(صفحہ 431) یہ تو ان کی گرفتاری کو بلطائف الحیل ٹالنے کا ایک وسیلہ تھا ورنہ جج صاحب ڈی پی آر کے تحت دائر شدہ مقدمات میں ضمانت نہیں لے سکتے تھے۔اس تاخیر کا یہ فائدہ ہوا کہ ان کے خلاف مقدمات واپس لے لئے گئے۔

ثاقب زیروی نے جماعت احمدیہ کی منظوم تاریخ ''دورِ خسروی'' کے عنوان سے لکھی ہے اس لئے احمدی لوگ انہیں فردوسیء احمدیت بھی کہتے ہیں مگر اس خودنوشت میں اس دورِ خسروی کا کوئی ذکر اذکار نہیں۔شاید ثاقب صاحب نے اس لئے اس ذکر کا اخفا روا رکھا کہ یہ بات بزمرودتعلّی و تفاخر نہ گنی جائے حالانکہ حفیظ جالندھری کو دوسرے فردوسیء اسلام نہیں کہتے تھے حفیظ صاحب ڈاکٹر کے پاس گئے کہ مجھے کچھ اعصابی کمزوری کی شکایت ہے اس کا کیا تدارک ہو؟ ڈاکٹر نے کہا ''ذہنی اور علمی کام سے اجتناب کریں''حفیظ صاحب نے فوراً فرمایا''جناب میں شاہنامہ اسلام لکھ

رہا ہوں میں ذہنی کام سے مجتنب کیسے رہ سکتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا ''شاہنامہ آپ بے شک لکھتے رہیں میں نے صرف ذہنی کام کرنے سے منع کیا ہے''۔ وہ لڑکا جو کہ لیٹا ہے وہ لڑکی جو کہ لیٹی ہے وہ پیغمبر کا بیٹا ہے وہ پیغمبر کی بیٹی ہے پر کون سی ذہنی توانائی صرف ہوتی ہوگی؟ ثاقب زیروی نے ازرہِ کسرِ نفسی اپنے شاہنامہ کا ذکر تک اپنی خودنوشت میں نہیں کیا۔ اس خودنوشت سے مجھے ایک نئی بات کا علم ہوُا۔ سرظفراللہ خان کی خودنوشت تحدیث نعمت کے عنوان سے چھپی ہے۔ اب آ کے معلوم ہوُا ہے کہ چوہدری صاحب اس خودنوشت کا ''بے کم وکاست'' رکھنا چاہتے تھے مگر ثاقب زیروی کو یہ عنوان پسند نہ آیا کیونکہ ان کے نزدیک کم وکاست گفتنی ناگفتنی اور رطب ویابس کا مترادف بھی سمجھا جاتا ہے۔ چوہدری صاحب اس بات پر صاد کیا اور ثاقب زیروی کے مجموعہ کلام شہابِ ثاقب کے دیباچہ کا عنوان تحدیث نعمت ان سے مانگ لیا۔ (صفحہ 492) چوہدری صاحب کی خودنوشت کا اس سے بہتر عنوان ممکن نہ ہوتا اور ثاقب زیروی کے لئے بجا طور پر یہ قابلِ فخر بات ہے مگر ثاقب صاحب بات کا ذکر سرسری طور سے کیا ہے۔ یہ بڑے اعلیٰ ظرف لوگوں کا حوصلہ ہوتا ہے۔ انہی کا کام جن کے حوصلہ ہیں زیاد۔ غرض یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر پڑھنے والا مصنف کو اپنے ثابت قدمی دکھانے اور ہر اونچ کو جھیل جانے پر داد دے۔ اور آخر میں ثاقب زیروی کا پروانہ بھی شہید گل وغنچہ بھی شہید۔ کس کس جگہ سے خاکِ شہیداں اُٹھائیے۔ (پس نوشت (سوم) صفحہ 64 تا 69)



ثاقب کی ایک جھلک۔ عبدالسلام خورشید

ثاقب سے میری مدت سے آشنائی ہے۔ آپ نے اسے ضرور دیکھا ہوگا۔ سر پر جناح کیپ، اچکن اور شلوار میں ملبوس، چہرے مہرے کا اچھا، ٹھوڑی پر برائے وزنِ بیت کچھ بال، جنہیں وہ ڈاڑھی بتاتا ہے۔ تو حیرانی ہوئی کہ

اتنے نیک اور پاکیزہ نوجوان کے جی میں کیا آئی ہے کہ اس نے یہ روپ دھار لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ دینی وجوہ کی بنا پر وہ اسے ضروری سمجھتا ہے۔ اس لیے میں نے اس کے بعد اس کی نام نہاد داڑھی سے کوئی تعرض نہ کیا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ شاعر ہے۔ میں تو اتنا جانتا تھا کہ وہ ایک مشاق صحافی ہے اور ترجمے کی ایک چلتی پھرتی مشین۔ جس میں سے کبھی کبھی عنوان بھی نکل آتے ہیں اور بڑے شوخ اور تیکھے اتنے میں انجمن حمائت اسلام کی گولڈن جوبلی کا مشاعرہ ہوا۔ ثاقب ہمارے ساتھ اخبار نویسوں کی صف میں بیٹھا تھا۔ مشاعرہ خوب گرم تھا کہ اچانک آواز آئی ثاقب زیروی، ثاقب اُٹھا اور میں نے سوچا سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے لگا ہے۔ خدا خیر ہی کرے۔ خواجہ ناظم الدین کی صدارت بڑے بڑے شعراء کا اجتماع۔ ہزار ہا لوگوں کا ایک جم غفیر، دور تک پھیلے ہوئے شامیانے میں قمقموں کی جگمگاہٹ وہ جو انگریزی میں کہتے کریم آف دی جینٹری CREAM OF THE GENTRY یعنی اشراف کی ملائی یا شرفاء کا عطر، تو وہ سب یہاں موجود تھا۔ لبوں نے حرکت کی اور اس بھرے نغمے فضا میں گونجنے لگے۔ تالیاں پر تالیاں بجنے لگیں۔ داد پر داد ملنے گئی۔ مجھے اردو ذرا کم آتی ہے۔ اس لیے یہ محاورہ استعمال نہیں کروں گا کہ واہ واہ کے ڈونگرے برسنے لگے۔

کیوں کہ مجھے اس کا مطلب نہیں آتا بڑے بڑے شعراء کے دل بیٹھنے لگے۔ پریشان بالوں والے فنکار ماتھے پر تیوریاں لائے۔ پیچ و تاب کھاتے، لیکن جھنجھلا کر رہ جاتے اور ثاقب تھا کہ عوام کا ڈارلنگ بنا جا رہا تھا۔ اتنے میں ثاقب کی نظم ختم ہوئی۔ لیکن شور ہوا کہ ایک اور سنیں گے۔ خواجہ ناظم الدین نے اپنے بھاری بھر کم جسم کو جنبش دیتے ہوئے ثاقب سے فرمائش کی کہ ایک اور چیز سنا دیجئے۔ ثاقب کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور ایک اور سحر طراز نغمہ مجمع پر چھا گیا۔ پریس فوٹو گرافروں نے تصویریں لیں۔ نیوز ریل والوں نے فلم لی اور چند لمحوں کے اندر اندر ایک ایسے نوجوان شاعر کا ستارہ عروج پر تھا۔ جو آج سے پہلے لاہور کے کسی مشاعرے میں شامل نہ ہوا تھا۔

اسے لاہور کے کسی اجتماع میں کچھ سنانے کی جرأت ہی نہیں پڑی تھی۔ اور اب یہ حالت ہے کہ پشاور سے چاٹگام تک اس کے نام کا غلغلہ بلند ہے۔ پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی اور بنگالی سبھی اس کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ اس کے ترنم پر جان دیتے ہیں۔ وہ ایک عوامی شاعر بن گیا ہے۔ صحیح معنوں میں عوامی شاعر۔

کمیونسٹ بریڈ کے ترقی پسند شائد اس بات پر ناک بھوں چڑھائیں لیکن مطمئن رہیں کہ یہاں وہ حسن و عشق کے گہرے نفسیاتی مطالعہ شکوہ احباب اور عشق کی برتری کے احساس کو شعر کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ وہاں اپنے ماحول کے ''پرولتاری'' پہلوؤں کو بھی فراموش نہیں کرتا۔ سرمایہ و محنت کی آویزش بھی اس کا موضوع شاعری ہے اور چونکہ مشرقی پنجاب سے سوائے اپنی شاعری اور لحن داؤدی کے اور کچھ بچا کر نہیں لا سکا۔ اس لیے اس کے کلام میں فسادات کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی شعر میں ماونٹ بیٹن پلان کو بچھانے میں ناکام رہا ہے۔ اس کے عشق پر اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عشق سوویٹ یونین میں بھی ہوتا ہے۔ یقین نہ آئے۔ تو ترسوم زادہ کی کوئی فارسی غزل پڑھ لیجئے۔ لیکن ہوالشافی کہہ کر۔ ثاقب صحیح معنوں میں ایک محنت کش شاعر ہے۔ کیونکہ دن بھر محنت مزدوری کرتا ہے اور رات کو جب بیوی بچے سو جاتے ہیں تو شعر کہہ لیتا ہے۔

ثاقب کا نمونہ کلام پیش کرتے ہوئے گھبراتا ہوں کیونکہ مدت ہوئی۔ والد صاحب (مولانا سالک) نے بڑے افسوس سے کہا تھا کہ سلام میں نہ شعر کی حس موجود ہے نہ مزاح کی۔ سچ پوچھئے تو اس کے بعد جب کسی مشاعرے میں شریک ہوا شاعروں کو داد دینے سے ہچکچاتا رہا اور اس میں کئی شاعر دوستوں کی ناراضگی مول لے بیٹھا۔ آخر مجھے ایک ترکیب سوجھی میں ہمیشہ شاعروں کے پاس جا بیٹھتا۔ وہ جس وقت کسی کو داد دیتے۔ میں بھی داد دے دیتا۔ لیکن وقت یہ آن پڑی کہ شاعروں کے بھی دھڑے ہوتے ہیں۔ اور شاعر ہمیشہ اپنے دھڑے کے شاعروں کو داد دیتے ہیں۔ (اہل زبان حضرات معاف فرمائیں۔ یہاں محاورہ کچھ غلط ہو گیا ہے) اب میں نے مشاعروں میں جانا

کم کر دیا ہے۔ صرف اس دن جاتا ہوں جب ثاقب کی توقع ہوتی ہے۔ شعر کی حِس تو موجود نہیں ترنم ہی سے لذت اندوز ہو جاتا ہوں۔

اگرچہ آپ ثاقب کا کلام مشاعرے میں سن لیں گے یا سن چکے ہوں گے۔ لیکن سنا ہے۔ کسی شاعر کے بارے میں کوئی مضمون اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتا جب تک اس میں نمونہ کلام درج نہ ہو۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ حلقہ ارباب ذوق والے پوچھیں گے کہ ثاقب کے تحت الشعور اور لاشعور میں کیا کچھ ہے۔ بھائی یہ ثاقب جانے یا آپ، مجھے تو تحت الشعور اور لاشعور کی گھمبیر وادیوں میں تلاش کا شعور ہی نہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین والے دریافت فرمائیں گے کہ مارشل پلان اور مشرقی جرمنی کے عوامی حکومت کے متعلق ثاقب کا خیال ہے اور آیا وہ چین کی عوامی حکومت کو تسلیم کرتا ہے یا مارشل چیانگ کائی شیک کی حکومت کو۔ لیکن معاف کیجئے مجھے ان سوالات کا جواب دینے کی فرصت نہیں اور نہ میں نے ثاقب سے یہ باتیں پوچھی ہیں۔ اور یہ رہا نمونہ کلام۔ اگر آپ اسے پسند کریں تو ثاقب کو داد دیجئے اور اگر نہ پسند ہو تو سمجھ لیجئے کہ میں نے انتخاب غلط کیا ہے۔ ثاقب کی نظموں اور غزلوں میں چنداں فرق نہیں۔ وہ جو چیز کہتا ہے جلد زبان زدِ عام ہو جاتی ہے۔ میں نے آج تک اس کی کوئی ایسی نظم نہیں سنی جس نے سامعین پر سحر نہ کر دیا ہو اور اس نے کوئی ایسی غزل نہیں پڑھی جس کے دو ایک شعر از بر نہ ہو گئے ہوں۔ رنگ تغزل کے ساتھ ساتھ ملاحظہ فرمایئے کتنے مکمل شعر کہتا ہے

یہی ہے زمزمہ شوق قلب کی دھڑکن	یہ کس کے پاؤں کی آہٹ ہوئی چلمن
نگاہِ شوق ہے اور ان کا عارض روشن	لرز رہی ہے دم صبح آئینے پر کرن
وہ جلوؤں کی جھلک دیتے رہے	مگر میں غش پہ غش کھاتا رہا ہوں
وہ آتے ہیں وہ آئے آ گئے وہ	دل ناداں کو سمجھاتا رہا ہوں

اور یہ شعر دیکھئے کس خوبی سے حسین مذاق وعشق دونوں کی عزت کی لاج رکھ لی ہے۔

زمانے سے تیری رو دادِ اُلفت کہتے ڈرتا ہوں
کہ تیرا آستانہ مرکز دنیا نہ ہو جائے

ثاقب مصائب زمانہ کو ایک کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ ان سے کھیلتا ہے عزم صمیم کے پاؤں پر غالب آنے کا نعرہ لگاتا ہے اور تقسیم کے بعد کے کلام میں تو یہ رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔

عشق کی کشتی کا ساحل سے بھلا کیا واسطہ	کھاتا جاتا ہے تھپیڑے ڈوبتا جاتا ہے دل
زندگی کا بار جب ہنس کر اُٹھا سکتا ہوں میں	موت کی تلخی کو کیا خاطر میں لاسکتا ہوں میں
کس کو طوفانوں سے بچنے کو کنارا چاہیے	کب مری ایذا پسندی کو سہارا چاہیے

ثاقب کی زندگی سرتا پا ایک داستان درِدالم ہے جس کا سراغ اس کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسے ہمیشہ دوست ایسے ہی نصیب آتے رہے ہیں جن کے ہونے سے اس کو دشمنوں کی کمی کا احساس نہیں ہوا۔ اس رنگ کے دو چار شعر ملاحظہ فرمایئے

بنا ہوا ہے مغنّی کے لب پہ فریاد	جو زمزمہء لب جوئے رواں سے کھیل چکا
دُہائی ہے دو عالم کے بصیرت بخشنے والے	قریب زندگی کو زندگی محسوس کرتا ہوں
مجھے کہاں دشمنوں سے شکوہ میں کشتہ جو دوستاں ہوں	جفا کو توفیق وہ کہاں ہے جو گہرے جبر کے دیئے وفا نے

اس کی نظموں کا ہر بند ذی رُوح ہوتا ہے۔ اس میں زندگی ہوتی ہے۔ وہ دیکھنے والی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ سنتا ہے محسوس کرتا ہے اور پھر چپکے سے کبھی طنز کے رنگ اور کبھی استعارہ وتشبیہ کے لباس میں وہ کچھ کہہ دیتا ہے۔ کہ معاشرے کی رُوح بلبلا اُٹھتی ہے۔

مثال کے طور پر یوم آزادی کی ایک شب کو وہ ایک محفلِ رقص وسرور دیکھتا ہے۔ اکابر کو مست مئے پیکار دیکھ کر تقسیم کے وقت کی خونریزی کا بھیانک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے اور بےخودی کے عالم میں یوں خطاب کرتا ہے۔

ابھی تو عام ہے پیو۔۔۔۔خرد غلام ہے پیو

س خرد غلام ہے پیو کے ٹکرے میں دیکھئے کتنی داستانیں نہاں ہیں۔ وہ مکمل نظمیں کہتا ہے جن میں اکثر تصویر کے دونوں رُخ ہوتے ہیں۔ تاکہ قاری اور سامع کسی معقول فیصلے پر پہنچ سکے۔ اب آخر میں چند شعر ملاحظہ فرمایئے جو اس کی شاعرانہ عظمت کا ثبوت ہیں

صبح تک شائد نہ میں ہوں اور نہ یہ سازِ حیات	ڈوبتے جاتے ہیں تارے بیٹھتا جاتا ہے دل
خدارا اپنے گیسوئے پریشاں کو یہ سمجھا دو	پریشان کرنے والوں کو پریشاں ہم نے دیکھا ہے
نظر کو شوق نظارہ ہے دل میں خود داری	دل نگاہ کے رشتے میں پڑ گئی الجھن

میں اے ثاقبؔ ہمیشہ دشمنوں سے
فریب دوستی کھاتا رہا ہوں

(''لاہور'' 8! جنوری 2003ء صفحہ 28-29)

ثاقب زیروی کے متعلق تاثرات

جناب احسان دانش



جناب احسان دانشؔ (1914ء-1982ء) ایک شہرت یافتہ شاعر اور بلند پایہ سوانح نگار تھے۔ ان کی نگارشات کا ایک مستند مجموعہ جس کے تراجم روس کی متعدد زبانوں میں ہوئے ان کی نظم و نثر کے قریباً چالیس مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے اردو کے ممتحن تھے۔ 23 مارچ 1978ء کو حکومت پاکستان نے انہیں ستارہ امتیاز سے نوازا اور خود نوشت سوانح جہان دانش پر پانچ ہزار روپے کا آدم جی ایوارڈ ملا اور اتنی ہی رقم دینے کا حکومت پاکستان نے اعلان کیا۔ (اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول ص 69 ناشر غلام علی اینڈ سنز اشاعت اول 1987ء)

جہان دانش کا دوسرا حصہ حال ہی میں ''جہان دگر'' کے نام سے منظر عام پر آیا ہے جو ''خزینہ علم و

ادب‘‘ اردو بازار لاہور کے نفیس علمی ذوق کا بھی آئینہ دار ہے۔

کم و بیش نو سو صفحات کی اس کتاب میں فاضل اور کہنہ مشق مولف نے کمال جامعیت سے 871 شخصیات پر اپنے ذاتی تاثرات قلمبند کئے ہیں اور اردو کے سوانحی لٹریچر میں گراں بہا اضافہ کیا ہے۔ دو ایک مقام کے سوا جہاں انہوں نے محض سنی سنائی باتوں پر انحصار کیا ہے اور بعض برگزیدہ رہنماؤں پر بے رحمی سے تنقید کرنے کی افسوسناک جسارت کی ہے اکثر و بیشتر ان کا قلم جادہ اعتدال پر قائم رہا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے ایک مخصوص مسلک سے جا بجا اور واضح طور پر اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے لیکن انہوں نے دوسرے ممالک کے رہنماؤں اور مشاہیر و اکابر کو بھی احترام بھرے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ جو ان کی مرنجاں مرنج طبع، بے تعصبی اور بلندی کردار کا ثبوت ہے۔ اسی طرح ان کے معلومات افروز تبصرے ان کی فولادی قوت تحریر کا پتہ دیتے ہیں اور ان کے اس شعر کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

فسون شعر سے ہم اس مہ گریزاں کو
خلاؤں سے سرِ کاغذ اتار لائے ہیں

ذیل کے چند اقتباسات جن میں پاکستان کی بعض مقدس ہستیوں اور اقلیم شعر و ادب کے بعض مایہ ناز

سخنوروں کا قلمی فوٹو پیش کیا گیا ہے مع ان کے عنوانات کے ’’جہان دگر‘‘ ہی سے ماخوذ ہیں۔

ثاقب زیروی

محمد صدیق ثاقب زیروی سے پہلی ملاقات تقسیم ملک سے پہلے فیروز پور میں ہوئی تھی اور ان سے قریب ہو کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ شخص ترقی کرے گا حالانکہ اس وقت ثاقب کی عمر بھی ایسی نہیں تھی مگر مشاعروں میں جو میں نے ان کی غزلیں سنیں تو شاعر اور غزل کے فاصلے میں نغمگی اور آواز کا جادو سامعین کو داد پر مجبور کر دیتا تھا اور ارباب نظر حضرات سکوت حیرت میں گم ہو جاتے

تھے۔اب وہ ایک زمانہ سے اپنا ایک ہفتہ وار اخبار نکالتے ہیں لیکن مشاعروں میں اب بھی ان کا وہی دشنہ خونریز کام کرتا ہے''۔ (ص524,525)

ثاقب زیروی صاحب کے ساتھ ایک شام (کشور ناہید)



ادارہ ''تعمیر نو'' کے زیر اہتمام خورشید محل اواری ہوٹل (لاہور) میں تین بجے بعد از دوپہر ثاقب زیروی کے ساتھ ایک شام کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت اردو کے ممتاز اور نامور شاعر احمد فراز نے فرمائی پہلے پروفیسر بشیر احمد صاحب ''کنونیر'' نے ''ادارہ تعمیر نو'' کی 16 سالہ سرگرمیوں پر مختصراً روشنی ڈالی اس کے بعد ادارہ کے سیکرٹری جنرل شریف جنجوعہ صاحب نے سید احمد سعید کرمانی (سابق وزیر وسفیر) کا تعارف کرایا،جنہوں نے ثاقب کی شاعری اور صحافت پر ایک بھرپور تقریر کی۔جس کے بعد جنجوعہ صاحب نے محترمہ کشور ناہید صاحبہ کو اظہار خیال کے لیے دعوت دی اور محترمہ نے ''دھیان کی سیڑھیاں'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا۔

دھیان کی سیڑھیاں

ہمارا بلندشہر والا گھر دو صحنوں پر محیط تھا۔مردان خانے اور زنان خانے دونوں حصوں کا صحن الگ الگ تھا۔گھر کے بیرونی حصے کو دباری کہا جاتا تھا۔جہاں ڈولی لاکر رکھی جاتی تھی۔جس میں اماں بیٹھتی تھیں اور نانی اماں کے گھر جاتی تھیں۔میں نے دباری کا کوئی اور مصرف نہیں دیکھا تھا۔بچپن میں سیڑھیوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا تھا۔چھت پر جانے کی اجازت ہی نہیں تھی۔البتہ (تقسیم کے بعد پاکستان آنے کے بعد) سیڑھیوں کے توسط سے ہی سارے شعور اور علم کی طلب کے راستے سمجھ میں آنے لگے۔ہم لوگ انارکلی کے ایک گھر میں بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے تھے۔یہ تھا پاکستان

سے پہلا تعارف۔سکول کے زمانے تک دوشخصیات کے گھروں تک سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچے اوردل کی مراد پائی۔منٹوصاحب کا گھر لکھشمی مینشن تھا۔برقعہ اوڑھے ان کے گھر پہنچی توصفیہ بھابھی کے کہنے پر بڑی بددلی سے منٹوصاحب نے اس برقعہ زدہ لڑکی کوآٹوگراف دیئے۔اسی زمانہ میں ایبٹ روڈ پر واقع بیگم حجاب امتیازعلی کے گھر جانا ہوا۔پھر وہی آٹوگراف لینے۔انہوں نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کہا''پردے برابر کردو، آسمان کی نیلاہٹ بہہ بہہ کر کمرے میں آرہی ہے'' اور میری آٹو گراف بُک پر اپنا نام اور پیغام لکھ دیا۔اب کالج کا زمانہ آگیا اور ہم سنت نگر میں آگئے۔یہاں گھر پہنچنے کے لیے بھی سیڑھیاں تھیں اور ہمسائے میں صوفی صاحب کے کمرے میں پہنچنے کے لیے بھی سیڑھیاں ہی استعمال ہوتی تھیں۔صوفی صاحب کے گھر میں ادیبوں سے اب ذرا باعزت طریقے پر ملاقاتیں ہونے لگیں۔کالجوں کے علاوہ شہر میں ہونے والے دوسرے مشاعروں میں بھی بلوایا جانے لگا۔اور یہیں بہت سے سینیئر ادیب (جنہیں ریڈیو پرتو بہت مرتبہ سنا تھا) ان سے ملاقات اور مقابل شعر سنانے کی جرأت ہوئی۔سیڑھیاں علم اور عشق دونوں کو بڑھانے میں ہر جگہ لازم رہیں۔اسی برقعہ میں سکول کے زمانے میں مولانا ظفرعلی خاں اور حاجی لق لق سے ملاقات کرنے کے لیے میکلوڈ روڈ کی سیڑھیاں بھی طے کی تھیں۔شملہ پہاڑی کے پاس فیض صاحب کے گھر بھی سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوا تھا۔نقی بلڈنگ کے پیچھے ترقی پسند مصنفین کے دفتر اور سبط حسن سے ملاقات بھی سیڑھیوں کے توسط ہوئی اور ہر غیر مرد سے ملاقات پہ گھر پر مار بھی بہت پڑی۔

برٹش کونسل اور کافی ہاؤس کی سیڑھیاں ہیں۔میں اور یوسف اکٹھے چڑھتے اور معلوم نہیں کہ کتنا پڑھتے اور کتنا وقت رومان میں گزرتا البتہ عبداللہ بٹ سے لے کر شورش کاشمیری اور عبداللہ ملک ان سارے بزرگوں سے یہیں ملاقات ہوئی۔ان سیڑھیوں سے واسطہ اس وقت تک رہا جب تک کافی ہاؤس سلامت رہا۔کالج کے زمانے میں جو شاعرات بنا کرتی تھیں وہ دو استادوں کے شاگردوں کے پاس غزل لکھوانے بہت جاتی تھیں۔ایک سیڑھیاں انارکلی میں احسان دانش کے گھر چڑھتی

تھیں اور دوسرے ثاقب زیروی کے دفتر ہفت روزہ ''لاہور'' کی بہت ساری سیڑھیاں تھیں۔ ان دونوں اساتذہ کے شاگرد مصرعہ طرح پر لمبی ساری غزل لکھ رکھتے۔ مانگنے والے سے دس روپے لے کر شعروں کی غزل عطا کرتے اور وہ بنے ہوئے شاعر مشاعرے میں کبھی کبھی انعام بھی لے آیا کرتے تھے۔ میں بھی ابتدائی طور پر بہت کلاسیکل غزل لکھ کر انعام کا حق دار ٹھہرتی تھی۔ اسی زمانے میں یونیورسٹی پہنچتے ہی شادی کی زنجیر میرے پاؤں میں پڑ گئی اور اب یونیورسٹی کے علاوہ گھر کا خرچ چلانے کے لیے مشاعرے پڑھنے میری ضرورت بن گئی۔ مشاعرہ کرنے والے گلی گلی شاعروں کے یہاں نہیں جاتے تھے وہ گرو کو پکڑ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے کچھ شاگرد، کچھ نامی گرامی شاعروں کو لے کر آجائیں۔ کل رقم دس ہزار روپے ملیں گے۔ آپ جو چاہیں اور جتنا چاہیں رکھ لیں باقی شاعروں میں تقسیم کر دیجیے گا۔ میں کئی دفعہ احسان دانش صاحب کے گھر کی سیڑھیاں۔ کئی دفعہ فنون کے دفتر کی انارکلی میں سیڑھیاں اور کئی دفعہ بیڈن روڈ پر ثاقب زیروی صاحب کے دفتر کی سیڑھیاں چڑھ کر گئی اور کہا کہ مجھے مشاعرے پر لے چلیں کہ اس طرح کالج کی فیس اور گھر کے خرچ میں مدد مل جائے گی۔

احسان دانش اور قاسمی صاحب کے شاگردوں کی تو خاصی طویل فہرست تھی۔ اس لیے ایک مشاعرہ کیا دس مشاعرے بھگتانے میں اور یہ طے کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی کہ کون کون مشاعرہ پڑھے گا۔ البتہ ثاقب زیروی لیے دیئے رہتے تھے۔ زبردست ترنم کے باعث ہر مشاعرے میں ان کی موجودگی لازمی ہوتی تھی۔ وہ ان شاعروں میں شمار ہوتے تھے جن سے ایک نشست میں کئی غزلیں سنی جاتیں۔ غزلوں کے بعد پورا مجمع ان سے نظم ''یاددہانی'' سنانے کی فرمائش ضرور کرتا اور جب ثاقب زیروی صاحب ترنم کے طمطراق کے ساتھ اس مقام پر پہنچتے کہ

ہے کائنات نغمہ زن	ہوا ہوئے غم و محن
پبھر گئی نئی پھبن	جبل جبل دمن دمن

ہے اک عجیب باچپن	روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جام لو	عنان زیست تھام لو

اس وقت مشاعرہ ہجوم سے ایک سوال، ایک احتجاج، ایک نعرہ بن جاتا۔ چند سال مشاعرے پڑھنے کے بعد مجھ سے گھر، بچے، نوکری، شاعری، ذوجیت اور مشاعرے اکٹھے نہ نبھ سکے۔ میرے لیے اب زندگی کی نئی سیڑھیاں درپیش تھیں۔ ادھر ثاقب زیروی صاحب وہی شاعر جس نے اپنی نعتوں کا الگ مجموعہ بعنوان ''نوید منزل'' شائع کیا۔ وہ ''غیر مسلم'' قرار دیئے جانے کے باعث اسی طرح مشاعروں میں بلائے جانے سے ممنوع قرار پائے جس طرح ''حبیب جالب'' مارشل لاء میں کسی بھی مشاعرے میں نہیں بلائے جاتے تھے۔ شاعری کو ویسے بھی مشاعرہ پڑھنے کی روایت کوئی راس نہیں آتی ہے بہت سے مشاعرے کے شاعر تو محض مشاعروں تک محدود رہتے ہیں۔ ان کی کتاب شائع ہونے کی نوبت نہیں آتی ہے۔ مگر ثاقب زیروی کے دونوں مجموعے پڑھتے ہوئے مجھے اختر شیرانی سے لے کر حفیظ جالندھری کی نظم کی بنت اور غزل میں جگر مرادآبادی کا آہنگ اور ترنم ساتھ ساتھ یاد آتا رہا ہے۔ ثاقب زیروی کے اندر بھی عجب درویش ہے۔ نہ انہوں نے اپنا گروپ بنایا۔ نہ مداحین کا حلقہ بنایا نہ اپنی سالگرہیں کروائیں۔ نہ لاکھوں انعام دینے والے دبئی اور مسقط میں بیٹھے۔ دیالولوگوں سے رسم وراہ رکھی۔ مارشل لاء لگنے کے بعد جیسے انہوں چُپ سی لگ گئی انہوں نے درویشی کا شعار اپنایا اور حرف کی تکریم کو قائم رکھا۔ بقول ایلس واکر ''جب شاعری میرے نزدیک آتی ہے تو میرے اندر ایک وقار، ایک تشکر کا جذبہ ہم آمیز ہو جاتا ہے۔ مجھے شاعری ہمیشہ ایک خواب کی طرح ایمان دار اور وفادار دوست کی طرح اپنا وجود محسوس کراتی رہی ہے۔'' کاش ثاقب زیروی صاحب میں اتنے صبر کا مادہ نہ ہوتا تو ہم ان کے کم از کم دو اور شعری مجموعے پڑھ رہے ہوتے۔

کچھ یادیں کچھ باتیں (معین نجمی، میلسی)

16 اکتوبر 1972ء کی دوپہر کو ''فنون'' کے دفتر کی طرف آ رہا تھا کہ انارکلی کے شروع میں احمد ندیم قاسمی سے ملاقات ہوگئی۔ اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پوچھا ''نجمی کہاں سے آئے ہو؟'' میں نے کہا آج 16 اکتوبر ہے میرے والد کے ماموں عالی جناب شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کا یوم وفات؟ فاتحہ پڑھ کر آیا ہوں۔ سنتے ہی شفاء الملک قبلہ کی باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگے میں اُن کے پاس ''پانی والا تالاب'' شفا منزل گیا ہوں قبلہ سالک صاحب کا خط لے کر۔ ساتھ ہی کہنے لگے ''چراغ حسن حسرت'' صاحب سے اُن کی باتیں اتنی بار سنی ہیں کہ اُن پر مضمون لکھ سکتا ہوں۔ ساتھ ہی کہا سالک صاحب اُن کی اتنی تعریف کرتے تھے کہ بعض اوقات کہتے کہ حکیم صاحب کی زندگی ہمارے لیے طبی اور ادبی دونوں حیثیتوں میں حصار عافیت کی تھی۔ ''محاورات دلی'' پر ان کی بڑی نگاہ تھی۔ لاہور کی علم ادبی بحثوں میں اُن کی رائے فاضلانہ سمجھی جاتی تھی۔ خطاطی میں ''پروین رقم'' کے اُستاد تھے۔ علامہ اقبال کی کتاب ''اسرار خودی'' 1915ء میں حکیم صاحب نے ہی شائع کی۔ ''فنون'' کا دفتر آ گیا وہاں علی عباس جلالپوری موجود تھے۔ سلام و دُعا کے بعد ندیم صاحب نے دوبارہ کہا نجمی صاحب ''نیرنگ خیال'' کا نام بھی انہوں نے ہی تجویز کیا تھا۔ سالک صاحب کی ''سرگذشت'' میں قلیم فقیر محمد چشتی نظامی کا خوب ذکر خیر ہے اور بات سالک صاحب کی ہمہ جہتی شخصیت کی ہونے لگی۔ علی عباس جلالپوری نے فرمایا سالک صاحب نے دو شاگرد ہمارے درمیان چھوڑے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی اور ثاقب زیروی۔ اُن کی ذات کا مکمل ہونا سالک صاحب ہی کی صحبت کا فیضان ہے۔ خالد احمد نے کہا ندیم بھائی ثاقب صاحب کی شخصیت میں تو سالک صاحب کی شخصیت کا مکمل پرتو ہے۔ ندیم صاحب نے کہا ہماری دونوں کی زندگی کے اچھے کام مل کر بھی

سالک صاحب کی کسی اچھی بات کی برابری نہیں کر سکتے غرضیکہ ہماری ہر اچھی عادت سالک صاحب کی قربت کی وجہ سے ہے۔ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔جو یقیناً سالک صاحب کی عظمتوں کے اعتراف میں تھی۔میرے دل میں ثاقب زیروی صاحب سے ملنے کی امنگ جاگی اور پھر جلد ہی ''نیشنل سنٹر'' میں ہونے والے ایک مشاعرے میں ثاقب صاحب کو دیکھا اور جب انہوں نے یہ مصرع پڑھا ع

پھولوں سے اُٹھ رہا ہے دھواں فط رنگ سے

تو پھر داد وتحسین کا وہ شور اٹھا کہ تمام پہلے لمحات اس کے سامنے گرد ہو گئے۔مشاعرے کے بعد میں نے ثاقب صاحب سے ہاتھ ملایا۔تو انہوں نے میری غزل کو سراہا ''خوب شعر نکالے'' میں نے کہا آپ کا وہ مصرعہ بہت سی غزلوں پر بھاری ہے مگر وہ اَن سنی کر کے بولے۔بیڈن روڈ پر ہفت روزہ ''لاہور'' کا دفتر ہے۔وقت ملے تو آیئے۔اتنے میں ریگل چوک کی طرف مڑ گئے اور میں لکشمی چوک براستہ بیڈن روڈ پہنچا ''کنگ سرکل'' میں احمد راہی، شہزاد احمد، نجیب احمد اور فلم سٹار گوتم بیٹھے تھے۔نجیب احمد نے مجھے اشارہ کیا اور میں بھی احمد راہی کی گفتگو پر سر دھننے لگا۔جملے پر جملہ، خوب محفل رہی۔اگلے دن دس بجے دفتر ''لاہور'' پہنچا۔منشی جی پر تپاک انداز میں ملے۔انتظار کا حکم دیا۔کوئی پانچ منٹ بعد ثاقب صاحب تشریف لائے۔والہانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا۔سلام و نیاز کے بعد چائے کے دوران علمی، ادبی اور سیاسی گفتگو کا وہ رنگ بندھا کہ آج ستائیس اٹھائیس سال بعد بھی یہ لمحات پوری طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ ''ابھی تو بے روزگار ہوں'' میں نے جواب دیا وہ فضاؤں میں گھورنے لگے جیسے میرے لیے روزگار کی سبیل نکال رہے ہوں۔میں نے اپنی وکالت کی ''چاہتا ہوں کہ شاعری میں کچھ کر کے ہی دم لوں۔'' فلمی لائن میں کہانی لکھنے شوق بھی ہے۔ثاقب صاحب نے کہ ''اب آپ کا گھر سے بھاگ کر لاہور آنا سمجھ میں آ گیا فلم کا شوق ہی ایسا ہے کوئی ہیرو بننے کے لیے بھاگتا ہے تو کوئی......'' مگر میں تو گیت اور کہانی

لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں'' ...... کہنے لگے فلم لائن ایک بند گلی ہے۔ اس میں جو گیا وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ ساحر لدھیانوی بے مثال شاعر تھے مگر فلم کے بعد ''تلخیاں'' نہ لکھ سکے۔ میں نے کہا ساحر میرے سوتیلے ماموں ہیں تو جیسے سمجھ گئے کہ یہ آگ گھر سے چلی ہے۔ اسے بجھانا ضروری ہے پھر اپنی نظم کا قصہ سنایا جو ''رُوحی'' فلم میں ثاقب صاحب قبلہ ہی کی زبان میں ریکارڈ ہوئی تھی غالباً ڈبلیو زیڈ احمد کی فلم تھی۔ رخصت کے وقت میرے ہاتھ میں تین خطوط تھے جو ثاقب صاحب نے فلم لائن کے لوگوں کے لیے مجھے لکھ کر دیئے تھے۔

اس کے بعد ہفت روزہ ''لاہور'' کی سیڑھیاں تو جیسے مجھے زبانی یاد ہو گئیں۔ ہفتے میں دہ ایک بار حاضری میرا معمول بن گئی۔ ......ایک دن کہنے لگے میں ریڈیو کے ایوب رومانی صاحب سے بات کی ہے آپ ان کے پاس چلے جائیں وہ آپ کو اناؤنسروں میں بھرتی کر لیں گے اور میں ریڈیو پاکستان لاہور میں ''راج وی اپنا کاج وی اپنا'' میں ''پنجابی اناؤنسر'' ہو گیا۔ یہ سب ثاقب صاحب کی سفارش پر ہوا اور نہ میری آواز کسی طور بھی اناؤنسر کے لیے موزوں نہ تھی۔ میں نے شکریہ ادا کیا تو بولے میں نے اس میں کچھ نہیں کیا اللہ تعالیٰ انسان کو جہاں سے رزق دینا ہوتا ہے وہاں راستہ خود بنا دیتا ہے۔ اناؤنسمنٹ کا یہ سلسلہ دو تین سال چلا۔ اس دوران ریڈیو، ٹی وی کے اہم لوگوں سے رابطہ ہو گیا۔ مشاعرے، مذاکرے، فیچر اور گانے سب کام ملنے لگا۔ خود ہی ''اناؤنسمنٹ'' سے غائب ہو گیا۔ اس دوران چودھری بشیر احمد سٹیشن ڈائریکٹر نے اعتراض کیا کہ کمرشل سروس میں پندرہ منٹ کے اس پروگرام ''راج وی اپنا کاج وی اپنا'' کے لیے علیحدہ اناؤنسر رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ثاقب صاحب نے فوراً ہفت روزہ ''لاہور'' میں اداریہ لکھا اور دوبارہ کسی نے کبھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ میری اناؤنسری چلتی رہی۔

اُن سے پہلے روز ملا تو ''لاہور'' کا پرچہ ملا اور اس کے بعد مسلسل دس سال تک مجھے یہ اعزاز حاصل رہا۔ لاہور، جڑانوالہ اور پھر میلسی مستقل ہو گیا۔ ''لاہور'' مجھے باقاعدہ ملتا رہا۔ ان کے حکم کی

تعمیل پر غیر مطبوعہ غزل ہمیشہ پہلے ان کی نذر کرتا اس کے بعد ''فنون''''اوراق'' یا کسی دوسرے پرچے میں چھپتیں۔ ان دس سالوں میں انہوں نے خودساختہ استادوں کی طرح کبھی نہ تو میرے کسی شعر پر لکیر لگائی اور نہ ہی اصلاح کی کوشش کی۔ ہمیشہ اچھے شعر پر داد دی اور اس کو سراہا۔ عوامی میلے کا مشاعرہ شروع ہوا تو دوسرے ''عوامی میلے'' کے خصوصی مشاعرے کے لیے ''آج کے دور کے کامیاب سیاستدان'' (خواجہ افتخار) جناب جنجوعہ صاحب کے حکم پر ہفت روزہ ''لاہور'' کے دفتر آئے اور ثاقب صاحب کے مشورے ہی پر شعراء کی فہرست بنائی اور اس میں معروف شعراء کے علاوہ جدید غزل گو کے جو نام شامل ہوئے وہ خالد احمد، نجیب احمد اور معین نجمی تھے۔ ہم اکثر ثاقب صاحب کے پاس تینوں مل کر جاتے تھے۔ انہوں نے تینوں نام شامل کروا کر اپنی محبت کا ایک جیسا برتاؤ کیا۔ جو اُن کی انصاف پسند طبیعت کا وطیرہ تھا۔ مشاعرے سے کچھ دیر پہلے ہمیں جناح باغ کے سٹیج پر پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ ناصر زیدی ہم تینوں کا نام کٹوانے کے لیے سارا دن سرگرم رہے۔ کبھی میرا نام نیا بتاتے کبھی نجیب اور کبھی خالد کا۔ مگر جنجوعہ صاحب نے انہیں دوٹوک الفاظ میں کہا کہ یہ تینوں نام تو پتھر پر لکیر ہیں البتہ قتیل شفائی صاحب نے تمہاری سفارش کی ہے تو تم ان تینوں سے پہلے عوامی مشاعرے کے پہلے شاعر کے طور پر مشاعرہ پڑھ سکتے ہو۔ مدعا حاصل ہوتے ہی وہ لفافے پر راضی ہو گیا۔ اسی مشاعرے کے سلسلہ میں انہوں نے اقبال ساجد کو ''شعراء کا رابطہ افسر'' ''برائے سٹیٹ لائف'' بھرتی کروا دیا۔ جہاں وہ اس مشاعرے کے دو ماہ بعد تک تعینات رہا۔ پھر وہ اپنے عہدے کے حوالے سے علیحدہ کمرہ چپڑاسی اور فون کا مطالبہ کرنے لگا اور خود ہی احتجاجاً ملازمت چھوڑ آیا۔ ثاقب صاحب کو علم ہوا تو انہوں نے اقبال ساجد کو نوکری نہ چھوڑنے کو کہا۔ مگر وہ نہ مانا تو جنجوعہ صاحب کو کہہ کر اُسے ایک ماہ کی اضافی تنخواہ دلوائی۔ اقبال ساجد شکریہ تک ادا کرنے نہ آیا میں نے بات چھیڑی تو کہنے لگے ''شاعر ہے اور خوددار بھی اس لیے اس نے اچھا کیا کہ میرے پاس نہیں آیا''۔

دفتر ''لاہور'' کے انٹری دروازے پر پیر بخش پان والے کی دوکان تھی۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کی بلڈنگ کے ایک کرایہ دار کے ساتھ اس کی بڑی نیکی کا مجھ سے ذکر کیا اور کہنے لگے میں جب بھی پان خریدتا ہوں تو دل ہی دل میں اس کے لیے دعا کرتا ہوں اور پھر میرے ساتھ اس کے گھر گئے اور چلتے وقت ایک لفافہ اس کی بیگم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولے ''کوئی کام یا مسئلہ ہو تو بھائی سمجھ کر چلی آنا'' آبدیدہ آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے دروازے سے نکل کر کوئی پانچ منٹ تک خاموش رہے۔ اسی طرح شرقی بن شائق کہ بے مثال شاعر تھے۔ بہت سے نوجوان اور بزرگ شعراء کے اَن داتا یعنی انہیں شعر بانٹنے والے ان کی وفات کے بعد شرقی کے لیے مکان اور بچی کی شادی کے لیے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سے خصوصی امداد حاصل کی اور ان کے گھر گئے میں ہمراہ تھا۔ راستے میں آتے جاتے ان کے ادبی معرکوں کا ذکر چلتا رہا خاص طور پر ان کی ادبی فیاضی کو سراہتے رہے۔ فیصل آباد کے معروف آرٹسٹ حمید صاحب ،حمید ملک کے سسر میرے بے تکلف بزرگ اور انتہائی مہربان تھے۔ مجھے ان کے ساتھ فلمی دنیا کے ممتاز آرٹسٹ ''شہاب الدین'' کے ساتھ کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ موجد صاحب سے ملنا بھی اُن کے پروگرام کا حصہ ہوتا تھا ان سے ملنے کے بعد کہتے ثاقب صاحب کو بھی سلام کر لیں اور پھر کم از کم ایک گھنٹے کے لیے ہم ثاقب صاحب کے دفتر میں اُن سے 1947ء سے پہلے واقعات سن کر محظوظ ہوتے۔ واپسی پر ثاقب صاحب ہمیشہ انہیں سیڑھیوں تک چھوڑنے آتے اور پھر مجھے اپنا نمائندہ بنا کر ان کے ساتھ بھیجتے اور میں شام تک ان کا لاہور میں ساتھ دیتا اور اکثر ان کے ساتھ فیصل آباد پہنچ جاتا۔ حمید (آرٹسٹ) اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ انہوں نے ''تھیٹر کہانی'' کے نام سے ایک خوبصورت کتاب لکھی۔ اے حمید کے کالم (نوائے وقت سنڈے میگزین) ''بارش سماوار خوشبو'' کے لیے سینکڑوں واقعات خطوط میں لکھ کر انہوں نے بھجوائے جنہیں اے حمید نے سینکڑوں کالموں میں درج کیا۔

ایک بار ثاقب صاحب نے ماجد صاحب سا ے بھی میرے فلم کیریئر کے لیے سفارش کی ۔انہوں نے وارث لدھیانوی سے میرا رابطہ کرایا۔ میں نے ان کے ساتھ سات آٹھ فلموں کے گیت اور دو فلموں کے مکالمے لکھے۔کلیم عثمانی سے کہا نجمی کو شباب کیرانوی کے پاس ملازم کرادو۔ وہ کہانی سیکشن میں بآسانی ''ایڈجسٹ'' کر لے گا۔ پھر احمد ندیم قاسمی صاحب نے میرے لیے شباب کیرانوی کو مجبور کیا اور میں ان کی پانچ پنجابی فلم کے لیے کچھ عرصہ کام کرتا رہا۔ ریاض الرحمن قتیل شفائی کی سفارش پر شباب کی کار میں بیٹھ گئے اور دروازہ کھلنے سے لے کر گیت لکھنے تک سب کام اسی خوبی سے انجام دینے لگے کہ یہ دونوں کام نہ کرنے والا اسسٹنٹ انہیں اچھا نہ لگتا تھا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں نوکری چھوڑ دی ثاقب صاحب کو علم ہوا تو کہنے لگے دو کام ہیں۔ دونوں کے لیے درخواست دے دو طاہر محمد خاں وزیر اطلاعات ونشریات بن گئے ہیں۔ ملاقات سے دو روز قبل وہ لاہور آئے خصوصی ملاقات میں قاسمی صاحب اور ثاقب صاحب نے مشترکہ سفارش کی اور میں اسلام آباد پہنچ گیا۔محمد طفیل (نقوش والے) بھی اس دن ان سے ملنے والے تھے۔ فوری ملاقات ہوگئی ۔ درخواست لے کر انہوں نے مسعود نبی نور کو خاص طور پر میرا نام وغیرہ درج کرایا۔ مگر دو دن بعد ملک میں ضیاء الحق والا مارشل لاء لگ گیا۔ ثاقب صاحب کہنے لگے آپ ''لاہور'' کے دفتر آجائیں یہاں کام کریں ساتھ ہی ساتھ ملازمت ڈھونڈیں گے۔ دو ماہ تک باقاعدگی سے دفتر ''لاہور'' میں ثاقب صاحب کا اسسٹنٹ رہا۔ اس دوران ایک دن بھی میں دفتر مقررہ وقت پر نہیں پہنچا۔ مگر وہ کبھی اس پر گرفت نہ کرتے ۔ خالد احمد نے کہا کہ یہ دفتر کتنے بجے پہنچتا ہے؟ میری طرف داری کرتے ہوئے کہنے لگے ''جب رات کو تمہارے ساتھ دو بجے تک جاگے گا تو پھر صبح نو بجے کیسے دفتر آئے گا؟ ثاقب صاحب کی قربت کے دنوں میں اُن کی زندگی کی کھلی کتاب کا ہر ورق پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ مہربان بزرگ تو تھے ہی انتہائی شفیق باپ، عظیم شوہر اور دوسرے کے لیے ہمدرد ،جماعت کے لیے نڈر اور بے باک مجاہد۔ ان تمام حیثیتوں کے علاوہ ان سب سے بڑھ کر اپنی

والدہ محترمہ کے انتہائی اطاعت گزار بیٹے۔ جب بھی کوئی مشکل ہوتی تو کہتے والدہ سے دعا کے لیے کہوں گا۔

شادی کے بعد حاضری کے لمحات میں میری بیوی ''مبینہ شہناز نجمی'' میرے ساتھ تھیں۔ وہ دہلی کے ممتاز بزرگ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ ثاقب صاحب کو علم ہوا تو کہنے لگے یہ نجمی کی کسی نیکی کا صلہ ہے۔ انہی دنوں میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ضیاء الحق سے مل کر آئے تھے۔ وہ گفتگو جو ''لاہور'' میں اسی ماہ شائع ہوئی ہے۔ ثاقب صاحب کی زبانی ہم نے سنی چلتے ہوئے والدہ صاحبہ کی طرف سے دو لفافے عطا فرمائے ایک مجھے دے کر کہنے لگے یہ بیٹے کا اور دوسرا بیگم کو دیتے ہوئے بولے کہ یہ بہو کا۔ میرا بیٹا ایک سال کی عمر میں پولیو کا شکار ہوا۔ میرے عرض کرنے پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی ہومیو پیتھک طریقہ علاج سے محبت، تجربہ اور دعا کا ذکر کیا اور مرزا لقمان احمد صاحب (مدارالمہام دارالضیافت) کے نام خط دیا۔ ہمیں ربوہ کے دارالضیافت میں خصوصی مہمان کے طور پر ٹھہرایا گیا۔ اور ''کیوریٹو میڈیسن'' کے ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفر کے نام بھی وزٹنگ کارڈ دیا دونوں جگہوں پر ہمارے ساتھ ''وی آئی پی'' سلوک ہوا۔ اَن گنت واقعات حافظے میں محفوظ ہیں مگر اُن میں اُن کی سخاوت کے تذکرے ہیں جنہیں وہ ہمیشہ چھپا کر کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں اُن کا ذکر کر کے اُن کی طبیعت کو منغض نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے کبھی انہیں کسی کا گلہ کرتے نہیں سنا بلکہ دوسروں کی نیکیاں دوہرا کر انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے خوشی سے سرشار دیکھا ہے۔

آخر میں عرض کروں گا میں ثاقب زیروی صاحب کی محبتوں کے لیے ہمیشہ مقروض ہوں اور ان احسانوں کو اتارنے کا کبھی نہیں سوچتا کہ اس چادر نے تو میرے سر کے لیے ابر رحمت کی کمی پوری کی ہے۔ مگر پھر بھی اُن کے ایک قرض کا ذکر کروں گا۔ انہوں نے مجھے مجاہد الحسینی کی کتاب ''اسرائیل اور جماعت اسلامی'' کے لیے چھہتر (76) یا ستتر (77) میں دس روپے دیئے۔ کتاب کی قیمت

چھ سات روپے تھی۔ وہ کتاب ''آوٹ آف پرنٹ'' ہونے کے باعث بہت کوشش کے باوجود نہ ملی۔ جب کہ میں اس کے لیے فیصل آباد کچہری بازار والی مسجد میں مجاہدالحسینی صاحب سے بھی ملا مگر انہوں نے معذرت کی کہ اُن کے پاس یہ کاپی ریکارڈ میں بھی ہوتی تو وہ دے دیتے۔ اس بات کو آج پورے 22 سال ہو گئے ہیں۔ مگر یہ رقم میرے سر پر قرض ہے اور میں اسے کبھی واپس کرنے کا نہیں سوچوں گا۔ اس معاملہ میں اپنے آپ کو بہت ہی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں زندگی میں ثاقب صاحب جیسے عظیم انسان کا مقروض ہوں کبھی کبھی اپنے خدا سے عرض کرتا ہوں ''اُس نے اب ایسے انسان پیدا کرنے بند کر دیئے ہیں؟ جو لوگ میری طرح غریبی میں خوش نہیں رہتے۔ میرا دعویٰ ہے اور یقیناً سچا دعویٰ ہے کہ اگر ثاقب زیروی ہر جنم میں پیدا ہوں گے تو یہ دنیا کبھی بدصورت نہ ہوگی کہ دنیا کی خوبصورتی ان جیسے عظیم انسان سے عبادت ہے۔ یار زندہ۔ صحبت باقی!

ثاقب زیروی صاحب کے ساتھ ایک شام



(منو بھائی)

ادارہ تعمیر نو کے زیر اہتمام خورشید محل آواری ہوٹل میں پروفیسر بشیر احمد (کنونیر) محمد شریف جنجوعہ (سیکرٹری جنرل) سید حمد سعید کرمانی اور کشور ناہید کے بعد روزنامہ ''جنگ'' کے معروف کالم نگار ''منو بھائی'' یوں گویا ہوئے: ''جناب ثاقب زیروی، جناب صدر، موضوعِ محفل! خواتین وحضرات میرا مضمون عام طور پر میرے گریبان'' کے ناپ کا یعنی ''چار گرہ'' سے زیادہ نہیں ہوتا لیکن آج، تھوڑا سا طویل ہو جائے تو معاف فرمائیں کیونکہ جب کسی کے پاس کہنے یا لکھنے کو کچھ نہیں ہوتا تو مضمون لمبا ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر سے کسی نے پوچھا کہ آپ ''کامریڈ'' کے اداریئے اتنے طویل کیوں لکھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ''مختصر لکھنے کا وقت ہی کہاں ہے؟'' سب سے پہلے یہ بتاؤں کہ آپ نے

مجھے اس تقریب میں اظہارِ خیال کے لیے منتخب کر کے بہت اچھا کیا کیونکہ ثاقب زیروی صاحب کی شاعری، اُن کی شخصیت اور صحافت پر بات کرنے کے لیے میں انتہائی ناموزوں شخص ہوں۔ اگرچہ میں نے انہیں بہت پڑھا ہے انہیں بڑے بڑے ''پاک و ہند'' اور ''کل پاکستان'' مشاعرے لُوٹتے دیکھا ہے۔ بلکہ ان مشاعروں میں جو سامعین اور حاضرین لوٹے جاتے تھے۔ ان میں بھی شامل ہوا ہوں کیونکہ یہ ایک عجیب قسم کی لُوٹ ہوتی تھی کہ ثاقب زیروی صاحب کے لحن اور سخن سے جو لوگ لوٹے جاتے تھے وہ خیال وفکر کے اظہار کی دولت سے مالا مال ہو جاتے تھے اور لکھتے بولتے وقت اُن کے شعروں کے حوالے دے کر معتبر ٹھہراتے تھے۔ دولت سخن اُن کے سامعین لوٹتے تھے اور مشاعرے لوٹنے والے ثاقب زیروی کے ہاتھ صرف شہرت آتی تھی۔ اُس زمانے میں شہرت کی کمائی ہی شرفا کے لیے سب سے بڑی کمائی ہوتی تھی۔ اگرچہ دوسری ''نیک کمائیوں'' کے سلسلے بھی شروع ہو چکے تھے۔ مگر ان نیک کمائیوں کو وہ عزت و آبرو ابھی نہیں ملی تھی جو بعد میں اس ملک کا مقدر اور ''گلشن کا کاروبار'' بنی۔

ثاقب زیروی صاحب کی شہرت کی بلندیوں کے زمانے میں لوگ ''ڈالڈا'' گھی کا ڈبہ بھی چھپا کر گھر لاتے تھے جب کہ آج حساس ایجنسیوں کے بے حس ایجنٹوں نے بڑے فخر سے اپنی ایجنسیوں کے نام اپنے ماتھے پر چسپاں کر رکھے ہیں اور خفیہ والوں کی ٹوپی پر ''خفیہ'' لکھا ہے۔ ثاقب زیروی صاحب کی شخصیت میں سوائے پیار، محبت، خلوص اور جذبے کے میں نے کچھ نہیں پایا۔ اور ایسی شخصیتیں بہت بور اور سپاٹ ہوتی ہیں جن میں کوئی خامی ہلکی سی بے وفائی۔ تھوڑا ساٹیڑھا پن، دلچسپ قسم کی لغزش، قابل قدر برائی اور کوئی ایسا سکینڈل نہ ہو جس کے خلاف احتجاج کیا جا سکے یا جس کے حق میں توجیہات پیش کی جا سکیں۔ میں نے ثاقب زیروی صاحب کی بھر پور جوانی نہیں دیکھی لیکن کھنڈرات عمارت کے بہت حسین و جمیل ہونے کی شہادت دیتے ہیں مگر سننے میں آیا ہے کہ جوانی میں بھی پاک دامن تھے۔ گویا اُن کی جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق

نہیں۔ جو پتھر آج نہیں اُٹھا سکتے وہ جوانی میں بھی اُن سے نہیں اٹھایا جا سکتا تھا ایسے نوجوانوں کی جوانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ’’Youth what a west on the young people‘‘ بطور صحافی بھی مجھے ثاقب زیروی صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ چنانچہ ان کی صحافت میں مولانا ظفر علی خاں، چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، حمید نظامی، مظہر علی خاں، سبطِ حسن، احمد ندیم قاسمی، ظہیر بابر، الطاف حسین اور احمد علی خاں جیسی خوبیاں بھی نہیں گنوا سکتا۔ مگر ثاقب زیروی صاحب کیا ایک نظم کے ایک مصرعہ ع

سلام تم پہ شہیدانِ ’’عرصۂ تقسیم‘‘

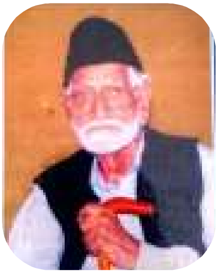
میں ’’عرصۂ تقسیم‘‘ کی اصطلاح یا ترکیب نے میری توجہ کا دامن پکڑ رکھا ہے۔ آپ کی یہ نظم ’’وطن‘‘ 14 اگست 1947ء کی یاد میں ہے مگر 1947ء پر ہی نہیں ٹھہر جاتی کیونکہ یہ ’’عرصۂ تقسیم‘‘ قیامِ پاکستان کے وقت سے اب تک جاری ہے۔ معلوم نہیں مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان کا کیا رنگ تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ ’’ہندوستان تقسیم نہیں ہوا۔ ہندوستان کے مسلمان تقسیم ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے‘‘۔ ہم نے مولانا آزاد کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت کر دکھائی اور مسلسل اور متواتر ’’تقسیم در تقسیم‘‘ ہوتے چلے گئے اور آج ہم مذہبوں، فرقوں، زبانوں، قومیتوں، ثقافتوں، پیشوں اور نظریوں میں ہی نہیں، گھروں، ازدواجی، بھائیوں، بہنوں اور بچوں میں بھی تقسیم ہو چکے ہیں اور یہ ’’عرصۂ تقسیم‘‘ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ اور اگر یہ ’’عرصۂ تقسیم‘‘ ختم ہونے میں نہ آیا تو انور کارٹونسٹ کی ایک کہانی کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ماں اپنے بچے کی تلاش میں ہو اور وہ بچہ ساتھ والے محلے میں کسی ’’ہانڈی میں پک رہا ہو‘‘۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ثاقب زیروی جیسے ذہنوں کی سوچ آگے نہیں بڑھ رہی اور ثاقب زیروی جیسے دلوں کی آرٹریز (شریانیں) سکڑ رہی ہیں۔ معاشرے کی رگوں میں اندھیرا اُتر رہا ہے روشنی مدہم ہو رہی ہے اور ہم

بیمار ہوئے جس کے سبب اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ان غیر ملکی عطاروں اور اُن کے لونڈوں کی کوشش ہے کہ ہمارے جسم زندہ رہیں۔ کم از کم معدے اور ہاضمے کا نظام قائم رہے کیونکہ ''سرطان'' مُردہ جسموں میں پرورش نہیں پا سکتے۔ جن چوہوں پر طبی تجربے ہوتے ہیں اُن کا زندہ رہنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ''عوامی جمہوریہ چین'' اور تیسری دنیا کی ''چیپ لیبر'' بھی بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ کا سارا قصور ہم ''صیہونی کنٹرول'' کے سرمایہ داری نظام پر بھی ڈال سکتے ہیں۔ ''آئی ایم ایف'' اور ''ورلڈ بنک'' پر بھی ڈال سکتے ہیں کہ عالمی سرمایہ داری نظام کو اشتراکیت کے بعد سب سے زیادہ خطرہ اسامہ بن لادن، ایمل کالسی اور ریاض بسرا سے نہیں ثاقب زیروی جیسی سوچ سے ہے اور اس سوچ کا تدارک ''تقسیم در تقسیم در تقسیم'' کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے مگر یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ

''کجھ سانوں مرن دا شوق وی سی''

جن کو مرنے کا شوق نہیں ہوتا، شہادت کی آرزو ہوتی ہے ظالم اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ شکریہ



جناب محمد صدیق صاحب ثاقبؔ زیروی

سلیم شاہجہانپوری (از شعرائے احمدیت)

محمد صدیق نام، ثاقب تخلص، آبائی وطن ضلع فیروز پور، تعلیم بی اے، ادیب فاضل، ذریعہ معاش، صحافت۔

ثاقبؔ صاحب اکتوبر 1919ء میں اپنے آبائی وطن زیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حکیم اللہ بخش خاں صاحب حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ایک فدائی اور درویش رفیق تھے۔ اُردو، پنجابی، فارسی چاروں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مگر نمائش یا اشاعت اور تشہیر سے بیزاری کی حد تک گریزاں۔ ثاقبؔ صاحب نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ زہد و اتقاء، نماز، روزہ تہجد تسبیح و تمجید سے معمور و مملو تھا۔ حضرت مسیح موعود کا درد گھر میں اس قدر تھا کہ ساتویں جماعت تک

ثاقب صاحب کو ''درثمین'' اردو اور ''کلام محمود'' دونوں مجموعے زبانی یاد ہو گئے تھے۔ آٹھویں جماعت یعنی 1831ء میں اسکول کی ایک تقریب سے متعلق پہلی بھرپور نظم کہی۔ ثاقب صاحب کی والدہ ماجدہ نے ثاقب تخلص تجویز فرمایا جو تھوڑے ہی عرصہ میں یہ نام عوام وخواص حتّٰی کہ اعزّہ و اقارب کے ذہنوں سے بھی غائب ہوگیا۔ آپ نے 1935 سے 1946ء کے وسط تک مختلف سرکاری محکموں میں ملازمت کی۔ 1946 میں ''انقلاب'' لاہور کے مدیر شہیر مولانا عبدالمجید سالک مرحوم ومغفور کے پاس پہنچے اور ڈیڑھ سال تک ''انقلاب'' کے ادارہ تحریر سے منسلک رہے۔ بعد ازاں ملک کے مختلف روزنامہ جرائد میں کالم نویسی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 1952 کے اوائل میں ہفت روزہ ''لاہور'' جاری کرنے میں کامیاب ہوگئے جو اپنے مزاج واُفتاد کا واحد قومی ہفت نامہ ہے اور جس کی پالیسی ثاقبؔ صاحب کے مزاج وفکر کا دوسرا رُخ تصور ہوتی ہے۔ شاعری میں آپ کو تمام اصناف سخن پر کامل عبور حاصل ہے۔ نظم ہو یا غزل، نعت ہو یا حمد باری تعالیٰ عزاسمہٗ ہر جگہ آپ کو منفرد انداز میں نظر آتا ہے۔ آپ نے قطعات بھی لکھے اور رباعیات بھی اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے صنف سخن میں بھی طبع آزمائی کی۔ قبل از تقسیم ملک آپ کے تین مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ 1۔ ہمارے نغمے، 2۔ ماہ کامل، 3۔ دور خسروی۔ 1947 کے بعد پاکستان میں آپ کا کلام جو نعتوں، غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے ''شہابِ ثاقب'' کے نام سے زیورِطبع سے آراستہ ہو کر قبول عام کا مشرف حاصل کر چکا ہے۔ علاوہ ازیں ادبی وتہذیبی مکاتیب کا مجموعہ ''اس بازار میں'' کے عنوان سے شائع ہو کر داد فصاحت وصول کر چکا ہے۔ آپ کو قدرت نے لحن داؤدی عطا کیا ہے جو ایک خداداد نعمت ہے اور جس کے بل بوتے پر یہ ہر مشاعرے میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لیتے تھے۔ آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں سلسلہ کی خدمات کے لئے اعزازی اور طوعی رنگ میں وقف کر رکھی تھیں اور اس سلسلہ میں آپ اپنوں اور بیگانوں کی سلسلہ کے خلاف پھیلائی ہوئی

بدگمانیوں، افتراؤں اور کذب بیانیوں کا بروقت محاسبہ کرتے اور عقلی ونقلی دلائل وشواہد سے ان کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیتے تھے۔اس سلسلہ میں آپ کو ذہنی اور مالی لحاظ سے ابتلاؤں کے ایک طویل دور سے گزرنا پڑا۔لیکن آپ نے حق گوئی کا دامن کسی حال میں بھی نہ چھوڑا اور ایک مجاہد کی طرح اس قلمی جہاد میں آخر تک مصروف رہے۔

ثاقب کی شاعری کے متعلق ہمارا بیان تشنہ رہ جائے گا اگر ہم یہاں ''ثاقب کا تعارف'' از مولانا عبدالمجید سالک کے چند اقتباسات یہاں نقل نہ کر دیں۔سالکؔ صاحب فرماتے ہیں۔''شعر و موسیقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ثاقبؔ کو ان دونوں سے بہرہ وافر ملا ہے۔اُن کے شعر میں ایسا درد وسوز اور ان کے نغمے میں ایسی کھٹک موجود ہے کہ جب وہ مشاعروں کی اسٹیج پر آتے ہیں تو حاضرین نقش بدیوار ہو جاتے ہیں اور داد وتحسین کے غلغلہ انداز وقفوں کے سوا آخر تک نقش بدیوار ہی رہتے ہیں .... ان کی شاعری کو دیکھئے فکر میں جدّت تو ہے ابتذال نہیں۔دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں۔عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں۔غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں۔موجودہ نظام عدم مساوات کے خلاف طیش ہے لیکن کمیونزم نہیں .... ثاقب کی نعت میں پرانے نعت گویوں کی توصیف رخ وگیسوئے محمدؐ نہیں۔نہ نئے مداحوں کا انقلابی لہجہ ہے بلکہ کچھ ایسا سمویا ہوا انداز ہے جس میں حضورؐ کی تعلیمات کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ حضورؐ کے ساتھ عشق و شیفتگی کی وہ کسک بھی موجود ہے جو ہر مسلماں کے گوشۂ دل کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔مسلمانوں کے قلوب میں عشق رسول کو زندہ رکھنے کا بہترین تبلیغی نسخہ یہی ہے کہ اس قسم کی نعتوں کو رواج دیا جائے ....غزل میں ثاقبؔ شدتِ اظہار کا قائل نہیں صرف شدتِ احساس کا قائل ہے۔وہ واردات کو دل کی گہرائیوں تک محسوس کرتا ہے لیکن اظہار کے وقت احتیاطاً دائیں بائیں نگاہ ڈال لیتا ہے کہ

کوئی ان واردات کو عریاں نہ دیکھ لے۔ ایک غمناک تامّل ایک محتاط رکاوٹ ایک شریفانہ عشق ثاقبؔ کی غزل کی خصوصیت ہے .... ثاقبؔ کی نظموں میں معاشرتی مسائل کی طرف اشارے بھی ہیں محبت کے اُن معاملات کا تذکرہ بھی ہے جس کے لئے ’’ظرف تنگنائے غزل‘‘ کافی نہ تھا۔ حب وطن کے نہایت مخلصانہ اور سچے جذبات بھی ہیں۔‘‘ ثاقبؔ صاحب کے کلام کا یہ ایک مختصر لیکن نہایت جامع و مانع تعارف ہے جس کی روشنی میں اگر قارئین کرام ’’شہابِ ثاقب‘‘ کا مطالعہ کریں گے تو شاعر کے کلام محاسن کو جانچنے اور پرکھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ثاقبؔ صاحب کی مندرجہ ذیل نظموں کا مطالعہ ضرور کریں۔

’’ کیف سحر‘‘، ’’وقت التجاء‘‘، ’’وطن‘‘، ’’جہاں میں ہوں‘‘، ’’میں کہاں آ نکلا‘‘، ’’مزار نور جہاں‘‘، ’’اس موڑ کے آگے منزل ہے‘‘، ’’نادرِ مجاہد‘‘

’’شہابِ ثاقب‘ کے چیدہ چیدہ منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

اب تو کلیوں کو بھی چومو گے تو آنچ آئے گی	ہم نے دہکا دیا داغوں سے گلستان غزل
پھولوں کی مہک کم نہیں کانٹوں کی چبھن سے	کس کس سے کوئی دامن احساس بچائے
ہنس ہنس کے بڑھاتا ہوں میں یوں حوصلہ دل	رو رو کے کوئی جیسے بجھی شمع جلائے
سفینوں کے بھروسہ پر خدا کو بھولنے والو	سفینوں کو تو ہوتے نذر طوفاں ہم نے دکھا ہے
جو میں کہوں ترک آرزو کو تو کون مانے گا میری بات	جو تم کرو گے وفا کی باتیں کسے اعتبار ہو گا
تمہاری یاد بھی پہروں کے بعد آئی ہے	نوازشاتِ غم روزگار کیا کہنا
انہیں کے دم سے قائم ہے وقار بیخودی ثاقبؔ	وہ دیوانے میسر جن کو جام جم نہیں ہوتے
صراحیاں بے نصیب بادہ نہ رنگ محفل نہ کچھ ارادہ	اگر یہی تیرا میکدہ ہے تو میکدے کو سلام ساقی
جب غم میں ہو لطف عیش نہاں پھر غم کا مداوا کون کرے	بے زار ہو دل جب جینے سے جینے کی تمنا کون کرے

ہم ان کو اپنا جانتے ہیں وہ غیر کو کہتے ہیں اپنا	بس اتنی سی لغزش میں پر ثاقبؔ اپنے کو پرایا کون کرے
زندگی کا بار جب ہنس کر اٹھا سکتا ہوں میں	موت کی تلخی کو کب خاطر میں لاسکتا ہوں میں
نظر ملا نہ سکتیں گردشیں زمانے کی	ہجوم غم میں ادا سیکھ مسکرانے کی
بجا کہ برق کا خطرہ نہ خوفِ باد مگر	قفس میں بات کہاں پھر بھی آشیانے کی
بہار آئی ہے ہر اک غنچے نے رنگین پیرہن بدلا	جنوں پھر ناپنے آیا ہے میرے جیب و داماں کو

حمد

اے مرے ہادی ازل	راز بقائے زندگی کیا ہے مجھے بتا بھی دے
جینے کا دلولہ بھی دے، مرنے کا حوصلہ بھی دے	عرصہ روزگار میں الجھا ہوں میں ذات سے
اے مرے ہادی ازل مجھ کو مرا پتا بھی دے	محفل ہست و بود ہے کس کے لئے سجی ہوئی
محفل ہست و بود کا سرِ نہاں بتا بھی دے	تیری نوازشات سے قلب ہے مطمئن مگر
مجھ کو تو اپنے عشق کی دولت بے بہا بھی دے	طور بھی ایک امتحاں، دار بھی ایک امتحاں
ختم بھی کر یہ سلسلہ جلوہ رخ دکھا بھی دے	سنا رہا تھا کوئی قصہ اداس لوگوں کا
پھیلتا جا رہا ہے فتنہ اداس لوگوں کا	سسک سسک کے رو کر کہہ رہا تھا وہ
کبھی نا ختم ہو گا فرقہ اداس لوگوں کا	چھوڑو دل دکھانا دل میں رہنا سیکھو
حسن والوں کو ہے مشورہ اداس لوگوں کا	یہ جو شاعری پر کرتے ہیں واہ واہ لوگ
یہ داد بھی تو ہے صدقہ اداس لوگوں کا	ہنسی خوشی مسکان چین وسکوں قرار سب
ملتا ہے تمہیں یہ حصّہ اداس لوگوں کا	آنسو غم آہیں چیخ و پکار درد
سب سے الگ تھلگ ہے قصبہ اداس لوگوں کا	آؤ انہیں اپنا لو یا پھر زہر دے دو،

ہو جائے تمام قصہ اداس لوگوں کا



ادارہ تعمیر نو کی ایک قابل تشکر کاوش۔ لاہور میں جناب ثاقب زیروی صاحب کے ساتھ ایک یادگار شام

(یوسف سہیل شوق نائب مدیر روزنامہ الفضل ربوہ)

احمد فراز نے صدارت کی۔ منو بھائی، کشور ناہید، راجہ غالب اور احمد سعید کرمانی نے مضامین پڑھے۔ لاہور: 20 نومبر 1999ء ادارہ تعمیر نو لاہور کے زیر اہتمام ایک مقام ہوٹل میں محترم ثاقب زیروی صاحب کے ساتھ ایک شام کا انعقاد کیا گیا جس میں لاہور کے اہل ادب کی بڑی تعداد ن شرکت کی۔ پردہ کی رعایت سے خواتین نے بھی شرکت کی تقریب کی صدارت ممتاز شاعر جناب احمد فراز نے کی جب کہ جناب احمد سعید کرمانی صاحب، محترمہ کشور ناہید صاحبہ، محترم منو بھائی اور راجہ غالب احمد صاحب نے مضامین پڑھے۔ آخر میں صدر محترم کے خطاب سے پہلے محترم ثاقب صاحب نے ایک نعت ایک غزل اور اپنی مشہور نظم ''یاددہانی'' اپنے مخصوص، مسحور کن ترنم میں سنائی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض تقریب کے روح رواں مکرم شریف جنجوعہ صاحب نے ادا کئے۔ تقریب کا آغاز آواری ہوٹل کے خورشید محل میں پونے چار بجے مکرم منیر احمد جاوید صاحب کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا اس کے بعد مکرم پروفیسر بشیر احمد صاحب کنویز ''ادارہ تعمیر نو'' نے اپنے ادارے کا تعارف پیش کیا۔

ادارہ تعمیر نو

مکرم پروفیسر صاحب نے کہا اس ادارے کی بنیاد 1983ء میں رکھی گئی اس لحاظ سے اس ادارہ کی عمر 16 سال ہو چکی ہے۔ اس وقت ملک میں جمہوریت کے حوالے سے گھٹن کی فضا تھی۔

جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ اس ادارہ کے قیام کا مقصد یہ تھا جمہوریت کی بحالی میں حصہ لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سیمینار منعقد کئے گئے۔ مجلس دلائل و براہین منعقد ہوئیں۔ گزشتہ قریب ڈیڑھ سال سے یہ ادارہ خوابیدہ تھا۔ اب اس تقریب کے ذریعے اس کا احیاء کیا جا رہا ہے۔ اب یہ خیال ہے کہ اس کے مقاصد میں تبدیلی کی جائے اور سیاست کے میدان سے نکل کر ''ادب و ثقافت'' اور ''سوشل ایشوز'' کی بات کی جائے۔ ماحولیاتی آلودگی اور شہروں کے بڑھتے ہوئے مسائل پر گفتگو کی جائے۔ آج کی تقریب جس شخصیت کے ادبی سفر کے حوالے سے ہے انہوں نے تمام عمر وطن کی خدمت میں گزاری ہے۔ شاعر ادیب اور صحابی ہیں۔ اور نصف صدی کے لگ بھگ تن تنہا ہمت و استقامت سے ایک ہفت روزہ نکال رہے ہیں۔ یہ ہیں جناب ثاقب زیروی صاحب۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ آتش خاموش ہیں یا ان کی زندگی میں کبھی آتشیں دور آیا ہی نہیں ان کا ایک شعر پیش کرتا ہوں ؎

آ بھر آغاز محبت کا فسانہ چھیڑیں
آ پھر آغاز تباہی کی کوئی بات کریں

مکرم پروفیسر بشیر احمد صاحب نے مقررین کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ محترم ثاقب زیروی صاحب کے بائیں طرف جو نسائی پیکر ہے وہ ذہنی، جمہوری اور فکری حوالے سے بہت معروف شخصیت ہیں۔ شعر کہتی ہیں۔ غزل، نظم، آزاد نظم میں عنائیت پیدا کرنا ان کا خاص وصف ہے۔ اسلام آباد سے تشریف لائی ہیں یہ ہیں محترمہ کشور ناہید صاحبہ۔

محترم ثاقب زیروی صاحب کے دائیں طرف ایک نابغہ شخصیت تشریف فرما ہے۔ ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ اُردو پنجابی میں شعر کہتے ہیں۔ کالم لکھتے ہیں۔ بے شمار ڈرامے لکھے ہیں جو بہت مقبول ہوئے ہیں۔ ملک کے ہزاروں لوگ ان کے کالموں سے بصیرت حاسل کرتے ہیں یہ ہیں جناب منو بھائی۔

محترم منو بھائی کے ساتھ غالب احمد تشریف فرما ہیں۔ گہرے علم آدمی ہیں۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین رہے ہیں۔ چند سال قبل ان کی ایک کتاب ''تشدد تاریخی تناظر میں'' سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب ہر پڑھے لکھے کو پڑھنی چاہیے۔

محترم پروفیسر بشیر احمد صاحب نے جناب شریف جنجوعہ صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا یہ ادارہ تعمیر نو کی دامے درمے وسخنے مدد واعانت کرنے والے ہیں۔ ہر ادارے کے پیچھے کوئی متحرک شخصیت ہوتی ہے۔ اس ادارے کے پس منظر میں یہی شخصیت ہے۔

جناب احمد سعید کرمانی کا خطاب

اس کے بعد جناب احمد سعید کرمانی صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی زحمت دی گئی۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا، شروع کرتا ہوں اللہ کے پاک نام سے جو سب کا پالنے والا ہے۔ ثاقب صاحب نامور ادیب اور صحافی ہیں۔ ایک ایڈیٹر نے ایک بار کہا تھا کہ میں طویل اداریئے اس لیے لکھتا ہوں کہ میرے پاس وقت کم ہے۔ کرمانی صاحب نے کہا کہ میرے پاس بھی وقت کم ہے۔ اس لیے اگر میں طویل تقریر کروں تو مجھے معاف فرمائیں۔ کرمانی صاحب نے کہا کہ ثاقب صاحب میرے ہمسائے رہے ہیں۔ آج بڑی مدت کے بعد ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اور بڑھاپے کے درمیان بڑی کشمکش رہی ہے اور اس جنگ میں یہ جیت گئے ہیں اور بڑھاپا ہار گیا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں صحیح رائے لینی ہو تو تین اشخاص سے حاصل ہوسکتی ہے۔ بیوی سے۔ وہ سب کچھ بتا دے گی کہ اگر بتانا چاہے تو۔ پھر ذاتی ملازم سے اور پھر ہمسائے سے۔ کرمانی صاحب نے کہا میں ثاقب صاحب کا ہمسایہ رہا ہوں۔ میں بلا خلاف تردید کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے بڑی خاموشی سے صحافت کی بے پناہ خدمات انجام دی ہیں۔ سچ پوچھئے تو اُردو ادب سے لگاؤ میں جن چند شخصیات کا مجھ پر اثر ہے ان میں نمایاں شخصیت ثاقب صاحب کی ہے۔ کرمانی صاحب نے کہا کہ اگر میں ان کے مقام کو متعین کرنے بیٹھوں تو یہ کام

میرے لیے بے حد مشکل ہے۔ یہ سوال منو بھائی، راجہ غالب یا کشور ناہید کے لیے آسان ہوگا۔ میرے لیے مشکل ہے۔ اُردو ادب کے جو چند نام میرے ذہن میں آرہے ہیں وہ یہ ہیں۔ مرحوم سید سجاد حیدر یلدرم ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ''۔ ڈپٹی نذیر احمد، چراغ حسن حسرت، غلام رسول مہر، مولانا صلاح الدین ''ادبی دنیا والے'' اور ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی۔ آپ ثاقب صاحب کو بھی اسی صف میں شمار کر سکتے ہیں۔ صحافت کے لحاظ سے جو لوگ ذہن میں ابھرتے ہیں وہ ہیں جناب حمید نظامی اور غلام رسول مہر۔ غلام رسول مہر نے منطق کو بالا دستی عطا کی اور زبان کو اس کے تابع کر دیا۔ نظامی بھی حتی المقدور اسی راہ پر چلے۔ ثاقب صاحب نے زبان کو اور ادب کو ساتھ ساتھ چلایا۔

کرمانی صاحب نے کہا کہ میں ادیب تو نہیں ہوں۔ ادیبوں کا خادم ہوں۔ اب لاہور ادبی لحاظ سے بانجھ ہو رہا ہے۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آج کے بانجھ پن کے دور میں زندگی کے آثار اس تقریب کے ذریعے نمایاں کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ غلام بھیک نیرنگ جیسے لوگوں کا یہاں آ کر دلوں کو گرمانا۔ پطرس بخاری، صوفی تبسم، مولانا عبدالمجید سالک، ان کے بعد کافی عرصہ اندھیرا رہا۔ اس صف میں اب ثاقب صاحب کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ کرمانی صاحب نے کہا کہ میں نے اپنے آپ پر احسان کیا ہے کہ میں آج ثاقب صاحب کی عظمت کو نمایاں کر رہا ہوں۔ اقبال نے کہا تھا کہ اُردو وہ صحیح لکھے گا جس کو فارسی اور عربی پر عبور ہوگا۔ جناب ثاقب صاحب اس لیے اچھی اُردو لکھتے ہیں کہ فارسی اور عربی بھی جانتے ہیں۔ ع

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

محترمہ کشور ناہید صاحبہ کا خراج تحسین



محترمہ کشور ناہید صاحبہ نے جو ملک کی ممتاز ادیبہ، شاعرہ کالم نویس اور دانشور ہیں، کہا کہ جب ایک حکم اور ایک درخواست ہم آمیز ہو جائیں تو

''شریف جنجوعہ'' بنتا ہے۔لہٰذا ثاقب صاحب کی تقریب اور جنجوعہ صاحب کی تحریک دونوں ہی اس قابل تھے کہ انہیں ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔انہوں نے کہا کہ ثاقب زیروی صاحب کے ذکر کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی ادبی زندگی کا پورا سفر یاد آ گیا۔اس سفر کے کچھ نکات رقم کرنے کے ساتھ پورا عہد یاد آ گیا۔اور تمام ادبی شخصیات یاد آ گئیں۔انہوں نے اس موقعے پر جو مضمون پڑھا اس کا نام تھا ''خیال کی سیڑھیاں''۔محترم ثاقب زیروی صاحب کے حوالے سے لکھے گئے اس تخیلاتی اور ادبی شہ پارہ میں موصوفہ نے اپنی شاعری کے ابتدائی اور یادگار ایام بھی رقم کر دیئے۔اور ''سیڑھیاں'' کے حوالے سے جن جن اہم ادباء اور شعراء سے ان کا تعارف رہا اور جن کے گھروں کی سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا تھا ان سب کا موصوفہ نے تذکرہ کیا۔اس میں محترم ثاقب زیروی صاحب کے بیڈن روڈ والے دفتر کی ''بہت ساری سیڑھیاں'' بھی شامل تھیں جہاں موصوفہ کو جانے کا موقع ملتا رہتا تھا۔

محترمہ کشور ناہید صاحبہ نے بتایا کہ وہ دور مشاعروں کا دور تھا،اس میں دو شعراء بہت مشہور تھے ایک احسان دانش اور دوسرے ثاقب زیروی۔جب مشاعرے ہوتے تو نوآموز شعراء ان کے پاس غزلیں لینے پہنچ جایا کرتے تھے اور بعض اوقات تو ستر ستر اشعار پر مشتمل طویل غزلیں ان کو حاصل ہو جایا کرتی تھیں۔اور 1960ء لگ بھگ کے زمانے کو یاد کرتے ہوئے محترمہ نے کہا کہ طریق یہ ہوتا تھا کہ کسی مشاعرے کے منتظم ایک بڑے شاعر کو جس کے بعد سے شاگرد ہوں، ایک رقم مثلاً دس ہزار روپے دے دیتے تھے۔کہ فلاں تاریخ کو مشاعرہ ہے۔آپ اتنے شعراء ساتھ لے کر آئیں اور اس رقم میں سے جس کو جتنا چاہیں دے دیں اور باقی آپ رکھ لیں۔موصوفہ نے اپنی یونیورسٹی کی تعلیم کے دور کی غربت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس طرح سے کچھ کالج کی فیس اور گھر کے خرچ کو بھی سہارا مل جاتا تھا۔محترمہ نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ محترم ثاقب زیروی صاحب اپنے زبردست ترنم کے باعث ہر مشاعرے میں چھائے رہتے تھے۔اور اکثر مشاعروں

مین ان کی نظم یا غزل کے بعد ان کی مشہور نظم ’’یاد دہانی‘‘ سنائے جانے کی فرمائش ہوتی تھی اور جب وہ اپنی اس مشہور نظم کا یہ بند سناتے ہے

ہے کائنات نغمہ زن	ہوا ہوئے غم و محسن
بکھر گئی نئی پھبن	جبل جبل دمن دمن
ہے اک عجیب بانکھپن	روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جام لو	عنانِ زیست تھام لو

تو ہجوم ایک سوال سے ایک احتجاج اور ایک نعرہ بن جاتا۔ چند سال مشاعرے پڑھنے کے بعد ان کی زندگی کا نیا دور اس وقت شروع ہوا جب ان کی جماعت کو’’غیر مسلم‘‘ قرار دیئے جانے کے باعث وہ مشاعروں میں نہ بلائے جاتے۔اس کے بعد وہ صحافت کے لیے وقف ہو گئے۔محترمہ نے کہا کہ شاعر کے طور پر ان کے اشعار سنتے ہوئے جگر مراد آبادی کا آہنگ اور ترنم محسوس ہوتا ہے ثاقب صاحب ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے مداحین کا کوئی حلقہ نہ بنایا۔موصوفہ نے ایک انگریز شاعر’’ایلس واکر‘‘ کی یہ بات سنائی کہ’’جب شاعری میرے نزدیک آتی ہے تو ایک وقار، تشکر، ایک خواب اور ایمان کا احساس ہوتا ہے۔‘‘ محترمہ کشور ناہید نے کہا کہ اس میں ثاقب صاحب کے صبر کا بھی بہت حصہ شامل ہے۔کاش ثاقب صاحب میں اتنے صبر کا مادہ نہ ہوتا تو ہمارے پاس ان کے ایک دو مجموعے اور ہوتے۔

محترم منو بھائی کے تیر ونشتر



گریباں کے شہرت یافتہ کالم نگار مشہور شاعر، ادیب، صحافی، دانشور جناب منو بھائی نے بڑے لطیف اور خوبصورت انداز میں اپنا مضمون سنایا۔انہوں نے کہا کہ اگرچہ میرا مضمون عام طور پر میرے (کالم)’’گریبان‘‘ کے ناپ کا یعنی چارہ گرہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔لیکن آج میرا مضمون طویل ہو جائے تو مجھے

معاف رکھا جائے۔انہوں نے کہا کہ شریف جنجوعہ نے مجھے اظہار خیال کے لیے منتخب کر کے بہت اچھا کیا کیونکہ بات کرنے کے لیے میں ایک انتہائی ناموزوں شخص ہوں۔جناب منو بھائی نے کہا کہ میں نے ثاقب کو بہت پڑھا ہے اور کل پاکستان اور کل ہند قسم کے مشاعرے لوٹتے دیکھا ہے۔اس میں لٹنے والے سامعین ہوتے تھے۔لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لٹنے والے خیال و فکر کی دولت سے مالا مال ہوکر واپس جاتے تھے۔مشاعرے لوٹنے والے ثاقب زیروی اس درور کی نشانی ہیں جب شہرت کی کمائی ہر شرفاء کے لیے سب سے بڑی کائی ہوکرتی تھی۔لیکن آج وہ صورت حال نہیں۔ثاقب صاحب کی شہرت کی بلندیوں کے زمانہ میں ''ڈالڈا گھی'' کا ڈبہ چھپا کر گھر لایا جاتا تھا۔آج حساس ایجنسیوں کے لوگ فخریہ اپنا پتہ بتاتے ہیں۔اوار خفیہ والوں کی ٹوپی پر ''خفیہ'' لکھا ہوتا ہے۔محترم منو بھائی نے کہا ثاقب زیروی اس دور کی ایسی شخصیت ہیں جن میں سوائے پیار، محبت،خلوص اور جذبے کے کچھ نہیں ہوتا انہوں نے کہا کہ میں نے ثاقب صاحب کی بھرپور جوانی تو نہیں دیکھی اگرچہ کھنڈرات عمارت کے حسین ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔اور یہ نظر آتا ہے کہ جناب ثاقب صاحب جوانی میں بھی پاک دامن تھے۔جو پتھر یہ آج نہیں اٹھا سکتے وہ جوانی میں بھی نہیں اٹھایا۔اگر شاعر جوان اور خوبصورت ہو اور پھر اچھا شاعر ہو تو وہ اسرار الحق مجاز نہیں تو احمد فراز تو بن ہی سکتا ہے۔جناب منو بھائی نے کہا تقسیم ملک پر بہت لوگوں نے لکھا مگر ثاقب زیروی صاحب کی نظم کا ایک مصرعہ ہے۔ ع

سلام تم پہ شہیدان عرصۂ تقسیم

یہ ''عرصہ تقسیم'' کی تقریب ہمیشہ مجھے بہت اچھی لگتی رہی ہے۔یہ ان کی نظم بعنوان ''وقت'' کا مصرع ہے جو 1947ء کے دور کی یاد ہے۔مگر یہ وقت ٹھہر نہیں جاتا۔یہ ابھی تک جاری ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ ''ملک تقسیم نہیں ہوا مسلمان تقسیم ہو گئے ہیں۔'' آج یہ تقسیم در تقسیم نظر آرہی ہے۔مذہبوں، زبانوں، فرقوں اور نظریوں میں تقسیم ہے۔اور یہ ''عرصۂ تقسیم'' ختم ہونے

میں ہی نہیں آ رہا اور اگر یہ ختم ہوا تو وہ دور بھی آنے والا ہے کہ ایک ماں اپنے بچے کو سڑک پر ڈھونڈ رہی ہوگی اور اس کا بچہ پچھلی گلی میں پک رہا ہوگا۔ منو بھائی نے یہ لفظ ایسے درد سے ادا کیے کہ ہال پر سناٹا چھا گیا۔ منو بھائی نے کہا کہ جب دلوں کی آرٹریز سکڑ رہی ہیں اور معاشرے کی رگوں میں اندھیرا اتر رہا ہے ایسے دور میں ثاقب زیروی جیسے لوگ روشنی کی کرن ہیں۔ ہم ان گیر ملکی عطاروں کے لونڈے بنے ہوئے ہیں جن کو ہماری اس وقت تک ضرورت ہے جب تک ان لونڈوں کے جسم زندہ ہیں۔ کیونکہ سرطان مردہ جسم میں پرورش نہیں پا سکتا اور جن چوہوں پر طبی تجربے کرنے ہوتے ہیں ان کا زندہ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اس نظام کو اس دور کو سرمایا داری یا کمیونزم یا کسی اسامہ بن لادن یا ریاض بسرا سے خطرہ نہیں بلکہ اس نظام کو صرف ثاقب زیروی سے خطرہ ہے۔ ان پر تو یہی مصرعہ صادق آتا ہے۔ ؎

کچھ سانوں مرن دا شوق وی سی

اور جب انسان کو شہادت کی آرزو ہو تو ایسے ہی انسان جنم لیا کرتے ہیں۔

راجہ غالب احمد صاحب کی گفتگو



جناب منو بھائی کے بعد معروف دانشور، ادیب اور شاعر راجہ غالب احمد تشریف لائے جو اچھی میدان میں غالب احمد کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ جب ان کا نام پکارا گیا تو صدر محفل احمد فراز نے حیرانی سے کہا کہ آج پتہ چلا ہے کہ غالب احمد ''راجہ'' بھی ہیں۔ جناب راجہ غالب احمد صاحب نے کہا کہ ارادہ تو میرا یہی تھا کہ جو مضمون لکھا ہوا ہے میں وہی پڑھوں گا۔ لیکن جس کھلے ماحول میں باتیں ہو رہی ہیں اور بولنے والوں نے جس کھلے دل سے ثاقب زیروی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس دور سے گزرتے ہوئے اب میں اپنا لکھا ہوا مقالہ نہیں پڑھوں گا۔ بلکہ کچھ اور باتیں آپ سے کروں گا۔ غالب صاحب نے کہا کہ منو

بھائی نے ہمیں بہت ڈرلیا ہے۔ وہ رجائی بھی ہیں۔ میں بھی رجائی ہوں۔ ہم جیسے لوگ تو گریباں چاک بھی کرلیا کرتے ہیں۔جس دور سے ہم اب گزر رہے ہیں اس دور میں یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ثاقب زیروی ہمارے ساتھ ہیں۔ یہ محض حسن اتفاق نہیں بلکہ دورس نگاہوں سے بھانپنے والی بات ہے۔راجہ صاحب نے کہا کہ یہ فقرہ بھی کہا گیا کہ اب Last chance (آخری موقع) ہے اور Do and die والی بات ہے۔ یہ ملک یہ وطن اور یہ ملت، ایک قوم اس لیے بنی تھی کہ بنی رہے۔ثاقب زیروی جیسے لوگ جنہوں نے اس کے لیے قربانیاں دیں اور جو 19 اکتوبر کو 80 سال کے ہو چکے ہیں اور آج 80 سال ایک ماہ اور ایک دن کے ہو گئے ہیں۔ان کی زندگی قریب قریب صدی پر محیط ہے۔ان کا دور وہ دور تھا جو مشاعرے اور سنجیدہ مشاعرے کا دور تھا۔ یہ احمد فراز سے بھی پہلے کا دور تھا۔ یہ ثاقب، جگر، احسان دانش، سیف الدین سیف، ساغر اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دور تھا جو ادب کی خدمت کرتے۔ ادب کے ساتھ اپنی زندگی لٹاتے اور مناتے تھے۔لیکن ان لوگوں نے عصری تہذیب سے کبھی بے اعتنائی نہیں برتی۔

راجہ صاحب نے کہا کہ ثاقب کا کلام سنجیدہ ادبی روایت کا کلام ہے۔ یہ اس سنجیدہ ترنم کی یاد گار ہے، جس کا اب رواج ہی نہیں رہا۔ وہ لہجہ استادوں کے پاس تھا۔ اور یہ استادوں ہی کی بات تھی۔ثاقب صاحب کا آنا کسی بھی مجلس کو حسن بخشتا تھا۔مکرم راجہ صاحب نے بتایا کہ ثاقب صاحب کے ایک استاد جن کی یہ بہت عزت کرتے ہیں مولانا عبدالمجید سالک نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ثاقب کی تربیت ایک ایسے مذہبی ماحول میں ہوئی ہے جہاں شرافت اور شرم، فکر وعمل کی بنیاد ہوتے ہیں۔ یہ کبھی نفسی بے راہ ردی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہوتے۔ان کی شاعری میں جدت ہے مگر ''اہتذال'' نہیں، دین ہے ''ملائیت'' نہیں، غریبوں اور کمزوروں کے حق میں اٹھائی جانے والی آواز ہے مگر ''کمیونزم'' نہیں۔ مجھے کبھی خطرہ نہیں ہوا کہ ثاقب اس مسلک سے کبھی بھی پیچھے ہٹیں گے۔راجہ صاحب نے کہا کہ ثاقب صاحب شش جہت شخصیت ہیں۔ اللہ ان کی عمر میں

برکت ڈالے۔صحافت میں برکت ڈالے۔ یہ چیلنج ہے کہ اردو ویکلی کی تاریخ میں ہندوستان و پاکستان میں (السٹریٹڈ ویکلی کو چھوڑ کر) ہفت روزہ ''لاہور'' جیسا طویل المدت، تواتر کے ساتھ شائع ہونے والا کوئی اور ہفت روزہ نہیں۔جس کی زندگی میں کوئی خزاں کا دور نہ ہو۔

شریف جنجوعہ صاحب کی باتیں

بعدازاں اس تقریب کے روح رواں جناب شریف جنجوعہ صاحب نے کہا کہ میں ذاتی حیثیت میں بھی جناب ثاقب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل شعر سے میری واقفیت اور شناسائی اس وقت سے ہے جب مجھے بچپن میں پڑھنا لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ثاقب صاحب سے تعارف بچپن ہی میں ان کے نعتیہ اشعار سن کر ہوا۔جب میں میٹرک میں کراچی میں تھا تو ایک بہت بڑا ''آل پاکستان مشاعرہ'' ہوا جس کی صدارت جناب خواجہ ناظم الدین نے کی جو اس وقت ملک کے گورنر جنرل تھے۔ ہندو پاک سے تمام بڑے بڑے اور بزرگ شعراء اس میں تشریف لائے تھے۔اس میں جناب ثاقب زیروی نے اپنی مشہور نظم ''یاددہانی'' سنائی۔خواجہ صاحب نے مشاعرے کے اختتام پر آپ کو سٹیج پر بلایا اور دوبارہ نظم پڑھوائی اور مشاعرہ ختم ہونے کے بعد آپ کو اپنے ساتھ گورنر جنرل ہاؤس لے گئے اور ایک ہفتے تک آپ خواجہ صاحب کے مہمان رہے۔ خواجہ صاحب نے رسالہ ''لاہور'' کے اجراء میں بھی آپ کی ہمت افزائی اور مدد کی۔ جناب جنجوعہ صاحب نے کہا کہ میرے لیے ثاقب زیروی صاحب کا نام ایک معتبر دوست کا نام ہی نہیں بلکہ ایک دعا گو بزرگ کا نام ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دعا پر یقین رکھتے ہیں۔ جب بھی مجھے کوئی تکلیف ہوتی ہے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ ثاقب صاحب نے ہمیشہ مجھ پر شفقت کی ہے اور میرے لیے دعائیں کی ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان کا احترام کرتا ہوں۔ بہت دنوں سے خواہش تھی کہ ثاقب صاحب کے ساتھ ایک شام منعقد کی

جائے۔آج خدا کے فضل سے یہ خواہش پوری ہوئی ہے میں کشور ناہید، منو بھائی (جو مجھے بہت عزیز ہیں) اور راجہ غالب صاحب کا مشکور ہوں۔میری سب سے بڑی خوشی قسمتی یہ بھی ہے کہ آج ہم میں احمد فراز موجود ہیں۔ یہ بہت ہی مبارک موقع ہے ان سے بڑی اور کوئی شخصیت اس تقریب کی صدارت کے لیے موزوں نہیں تھی۔

جناب ثاقب زیروی صاحب کا کلام

اس کے بعد آج کی تقریب اور آج کی شام کے نقطہ مرکزی، قابل صد احترام بزرگ، عظیم شاعر، صحافی، ساحرانہ لحن کے مالک، تاریخ ساز خدمت کے امین بزرگ محترم جناب ثاقب زیروی صاحب کو دعوت کلام دی گئی۔محترم ثاقب صاحب نے فرمایا کہ وہ ایک نعت ایک غزل اور ایک نظم سنائیں گے۔اس سے زیادہ کچھ نہ سنا سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے اپنی نعت سنائی۔ایک ایک شعر پر حاضرین کی طرف سے داد وتحسین کا شور بلند ہوتا اور جملہ حاضرین وقت کے عظیم شاعر کو اپنے سامنے پا کر اپنی سعادت پر مسرور وشاداں تھے۔محترم ثاقب صاحب نے جو نعت سنائی اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

ہر عزم کی روشن پیشانی پر نام تمہارا دیکھا ہے
ہر وقت کے بہتے دھارے پر پیغام تمہارا دیکھا ہے
نصرت نے تمہاری عظمت کے بے باک ترانے لگائے ہیں
رحمت کے دمکتے ہونٹوں پر الہام تمہارا دیکھا ہے
اے رحمت عالم دونوں جہاں حلقے ہیں تمہاری زلفوں کے
از صبح ازل تا شام ابد اک دام تمہارا دیکھا ہے

اس کے بعد آپ نے ایک غزل سنائی ؎

یہ تو نہیں کہ آپ کی عادت کرم نہیں اتنا ضروری ہے کہ نگاہوں میں ہم نہیں

بے مائیگیٔ عشق تو دیکھو کہ ان دنوں جلوے تو روبرو ہیں نگاہیں بہم نہیں
''ثبت است برجریدہ عالم دوام ما'' ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
اک ہم بھی ہیں کہ اشکِ رواں کی زبان سے ہر اک سے کہہ رہے ہیں ہمیں کوئی غم نہیں

آخر میں آپ نے اپنی مشہور عالم نظم ''یاد دہانی'' سنائی جس کا ایک بند یہ ہے ؎

وہ بے حساب عصمتیں وہ بے مثال برکتیں
جو دن دہاڑے لٹ گئیں تمہیں جو یاد تک نہیں

حسین یادیں اپنے محسن کی!

(ابن خلیل)

ثاقب زیروی صاحب سولو صحافت کا نادر نمونہ تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی صحافت کی جب تاریخ لکھی جائے گی تو کوئی مورخ آپ کے نام ذکر کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ تن تنہا پچاس سال تک ہفت روزہ ''لاہور'' سورج کی سی باقاعدگی سے نکالتے رہے۔ ثاقب زیروی صاحب نہ جانے کیا شے تھا۔ وہ مقدمے بھی بھگتا رہا۔ مبارک بادیں بھی سمیٹتا رہا، گالیاں بھی سنتا رہا۔ دعائیں بھی لیتا رہا۔ وہ مشاعروں کی جان تھا۔ بڑے بڑے مشاعروں میں شائقین کی آنکھوں کا تارہ تھا۔ اور دلوں کی دھڑکن وہ جہاں صاحبان اقتدار کا دوست تھا اسی طرح غریبوں کا مونس و غمخوار بھی۔ وہ کبھی بڑے بڑے شاعروں کی موجودگی میں شاعروں کو الٹ دیا کرتا تھا۔ اور کبھی پٹے ہوئے مشاعروں کو جما دیا کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں کئی نشیب و فراز بھی آئے۔ مگر وہ ویسا کا ویسا ہی رہا۔ اس کی باتوں سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ تہہ بہ تہہ کھلتا تھا۔ مگر کم کم احباب پر اور جن پر کھلتا تھا۔ ان کو اپنی محبتوں اور شفقتوں میں سمیٹ لیا کرتا تھا۔ اور ان محبتوں شفقتوں کا محور دیکھتا رہ جاتا کہ ایسا کس وجہ سے اور کیوں؟ ثاقب صاحب کو ''مرحوم'' اور ''تھا'' لکھتے ہوئے اب بھی میرا دل کانپتا

ہے۔اور ہاتھ لرزتا ہے۔مگر تقدیر کے لکھے کو کون روک سکتا ہے۔حضرت سے تعلقات کا آغاز ایک مضمون بھجوانے کے بعد شروع ہوا۔چھوٹے چھوٹے مضمون چھپ رہے تھے کہ اُن کی طرف سے برادرم یوسف سہیل شوق کے ذریعہ پیغام ملا کہ ''میرزا خلیل احمد صاحب قمر کو پیغام دینا کہ لاہور آمد ہوتو دفتر ''لاہور'' میں بھی تشریف لاویں۔

سہیل شوق نے ہنستے ہنستے یہ پیغام پہنچایا تو ساتھ ہی فلک شگاف قہقہہ کی آواز گونجی ''تشریف لاویں اور قدم رنجہ فرماویں'' میں اکثر لاہور جایا کرتا تھا۔کچھ کام کے سلسلہ میں اور کچھ اپنے شوق سے پاکستان کے معروف ماہر تعلیم قاضی اسلم صاحب سے ملنے جو گلبرگ لاہور میں رہائش رکھتے تھے۔قاضی اسلم صاحب کے ہاں ''علم آگہی'' کی ایک مجلس لگی رہتی تھی چار پانچ آگئے دو چار چلے گئے۔سارا دن یہی سلسلہ چلتا رہتا۔سہیل شوق کا پیغام پا کر جناب ثاقب زیروی صاحب کی خدمت حاضر ہونے کی ٹھانی۔ بیڈن روڈ پر بلونت منیشن کی طویل سیڑھیاں چڑھ کر حاضر ہوا۔ ثاقب صاحب فرماتھے۔چند منٹ انتظار کیا ادھر سے کوئی جلد جواب نہ پا کر الٹے پاؤں سیڑھیاں اترتا ہوا اور سہیل شوق کو مذاق کی سزا دینے کا سوچتا ہوا ربوہ آیا۔تو شرمندگی کے احساس سے چپ رہا۔سہیل شوق سے ذکر تک نہ کیا چونکہ ہم دونوں ایک ہی محلّہ دارالنصر غربی میں رہتے تھے۔اس لئے نمازوں میں اکثر ملاقات رہتی تھی۔سہیل شوق صاحب پوچھنے لگے میرزا صاحب آپ تو لاہور گئے کیا ثاقب صاحب سے ملاقات ہوئی؟ دوسارا غصہ جو میں دبا چکا تھا اُبلنے کو تھا سہیل شوق نے میرے تیور بھانپے ہوئے کہا میرزا صاحب آپ نے میری بات کو مذاق سمجھا تھا۔میں نے کہا مذاق ہی نہیں اور بھی بہت کچھ۔ثاقب صاحب نے بات تک نہیں کی۔سہیل شوق کا معذرت خواہانہ انداز سارے غصے کو دور کر گیا۔کہنے لگے کیا آپ نے اپنا نام و پتہ بتایا تھا؟ کہ مابدولت ہی میرزا خلیل احمد قمر صاحب ہیں۔میں نے کہا یہ تو نہیں بتایا تھا۔سہیل شوق بولے! ثاقب صاحب کو الہام ہوتا تھا کہ یہ میرزا صاحب ہیں ان کے استقبال کے لئے دروازے پر جا کر کھڑا ہو جاؤں وغیرہ

وغیرہ۔اچھا میں کل لاہور جا رہا ہوں میرے ساتھ چلو۔ میں نے انکار کر دیا۔ جب یوسف سہیل شوق دفتر لاہور میں ثاقب صاحب سے ملے۔ پیغام کا ذکر بھی ہوا۔سہیل شوق نے کہا پیغام تو دے دیا تھا۔میرزا خلیل آپ کے پاس آئے بھی تھے۔آپ سے متوقع رسپانس نہ پا کر چل اُلٹے پاؤں چلے گئے۔ثاقب صاحب ذہن پر زور دیکر کہا کہ ہاں ہاں ایک نوجوان آیا تو تھا سہیل شوق نے کہا جی ہاں وہی میرزا صاحب تھے۔ثاقب صاحب مسکرائے اچھا وہ میرزا صاحب تھے۔مضمون تو پری پارٹیشن کے حالات و واقعات پر لکھتے ہیں۔اور لگتا تھا کہ یہ واقعات ان کے سامنے گزر رے ہیں۔ میرے خیال میں پچاس ساٹھ سال کے قریب کے ہوں گے مگر وہ لڑکا ہے۔سہیل شوق واپس آئے تو ساری بات مسکرا کر لطف لے لے کر سنائی۔اور دوبارہ ملنے کا پیغام دیا۔اب کی بار جب حاضر خدمت ہوا سلام عرض کیا تو ثاقب صاحب نے بڑی محبت سے جواب دیتے ہوئے ہاتھ ملاتے ہوئے ’’مولانا‘‘ کہہ کر مخاطب فرمایا۔ میں خاموش رہا۔ثاقب صاحب نے خود ہی بات چھیڑی کہ مولانا میں تو ٹھہرا بوڑھا آدمی۔ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ہانپنے لگتا ہوں۔ کرسی پر بیٹھ کر سانس درست کرتا ہوں اور پانی کا گلاس پی کر پھر دفتر والوں سے بات کرتا ہوں۔آپ ٹھہرے نوجوان۔

میں نے تو اپنی حالت پر قیاس کر کے آپ کو آرام کرنے کا وقت دیا اور آپ فوراً چلے گئے۔ میں نے معذرت کی اور یوں ہمارے درمیاں پہلی گفتگو کا آغاز ہوا۔اور یہ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا۔کئی نشستوں کے بعد ایک دفعہ جب ثاقب صاحب نے مولانا کہہ کر مخاطب کیا تو عرض کیا جناب میں مولوی تو ہوں نہیں کہ آپ نے مولانا فرمایا۔بس مجھے تو اس سے معاف ہی رکھیں۔اس کے بعد کبھی کبھی چھیڑنے کے انداز سے مولانا کہہ کر مخاطب فرماتے اور کنکھیوں سے دیکھتے بھی رہتے۔ میں ان کی محبت دیکھ کر خاموش رہتا اور ہنس دیا آپ بھی مسکرا دیتے۔

ثاقب صاحب کی پہلو دار شخصیت کی کئی تہیں ایک ایک کر کے کھلنی شروع ہوئیں۔اور محبت و مسرت شفقت،خلوص کا تعلق پختہ تر ہوتا چلا گیا۔باتوں باتوں میں ایک نئے مضمون لکھنے کی ترغیب

دیتے ساتھ ہی ہدایت دیتے فلاں جگہ سے حوالے لے سکتے ہیں اس کتاب کو پڑھ ڈالیں۔ مضمون کا دوسرا پہلو بھی آپ کے سامنے آجائے گا۔ حالانکہ میں ماہ میں دو چکر لگالیا کرتا تھا۔ نگران کی طرف سے ہفتہ میں ایک خط ضرور ملا جاتا تھا۔ آپ جب بھی ربوہ آنے کا پروگرام بناتے تو آنے سے قبل ضرور آگاہ کرتے ساتھ اپنے اور چاہنے والوں کو اطلاع کر دینے کی ہدایت کرتے عبدالمالک صاحب، راجہ نصر اللہ خاں، یوسف سہیل شوق، مکرم عبدالرفیع صاحب ناصر دواخانہ اور دیگر کئی احباب بارے میں۔

ایک دفعہ والدہ صاحبہ کی وجہ سے پورا مہینہ ''لاہور'' نہ جا سکا۔ جب دفتر ''لاہور'' میں حاضر ہوا تو گلے سے لگا کر ملے اور دیر تک لگائے رکھا اور آنکھوں سے آنسو جھلک رہے تھے۔ فرمایا اتنی دیر نہ لگایا کریں۔............ وجہ بتائی تو گلہ کرنے لگے کہ بتایا کیوں نہیں اور کچھ نہیں تو میں دُعا تو کرسکتا ہوں............ اُس دن مجھے احساس ہوا میں تو صرف ایڈیٹر ''لاہور'' کے ناطے ملتا رہا ہوں اس تعلق نے اُن کے دل میں تو میرے لئے بے پناہ محبت ہے۔ اس دن وعدہ کیا کہ آئندہ اب ایسا نہ ہوگا۔ اور ان کی وفات تک اس وعدے کا پاس رکھا۔

ثاقب صاحب ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے دفتر میں تو آنے والوں سے ملتے ملاتے رہتے تھے۔ لوگوں کے خطوط کا فوراً جواب بھی دیتے بعض اپنے کاموں کے سلسلہ میں تشریف لاتے ان کی جس حد تک مدد اور راہنمائی کر سکتے تھے کرتے۔ کاتبوں کے لکھے پروف ریڈنگ کرتے لکھنے کا کام گھر پر ہی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ پوچھ بیٹھا کہ یہ ڈھیر سارے کام آپ کیسے کر پاتے ہیں تو مسکرا کر فرمایا کہ یہ سب میرے اللہ کا فضل ہے۔ گھر پر تو یہ حال ہے کہ سحری کے وقت اٹھتا ہوں نماز تہجد ادا کرتا ہوں اپنے اللہ کے حضور جھک کر اس کی مدد کا طالبگار رہوتا ہوں۔ نماز فجر کے بعد کرسی پر ہی ایک کچھ اونگ آجاتی ہے۔ ناشتہ وغیرہ کر کے 8 بجے تک دفتر میں حاضر ہوجاتا ہوں تو پھر چل سو چل دو بجے گھر کو جاتا ہوں کھانا کھا کر ایک گھنٹہ آرام کے بعد دفتر سے لائے تازہ مضامین کو دیکھتا رہا ہوں

ان کو دوبارہ لکھتا ہوں یعنی اپنی طرز تحریر دیتا ہوں۔اس دوران بعض احباب کو گھر آنے کی راہ دکھائی ہوئی ہے۔وہ بھی آجاتے ہیں۔شام ہلکا سا کھانا کھا کر کچھ مطالعہ کرتا ہوا اور بعض تحریری کام بھی۔

30 سالہ کی طویل قرب میں یہ بھی انکشاف ہوا کہ آپ بہت سے احباب کی با قاعدہ امداد بھی کرتے تھے۔لوگ ان کو اپنے حالات سے آگاہ رکھتے تھے۔جس سے ثاقب کے اندر کا دوسرا ثاقب اُبھر کر سامنے آیا۔آپ کا ظرف دیکھیئے کے ملنے والوں کہ ملنے والوں کی دلجوئی کا کوئی موقعہ میں ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ایک دفعہ سید ادریس عاجز عظیم آبادی کے بارے خط لکھا کہ پتہ کر کے جلد بتائیں کہ وہ صاحب آجکل کہاں ہیں۔اگر ہفتہ دوسرا خط آگیا وہی اصرار جلد معلوم کریں ادریس صاحب کہاں ہیں۔............معلوم کرتے لوگوں سے پوچھتے ہوئے تقریباً دس دن میں پتہ معلوم کر کے ثاقب صاحب کو اطلاع کی۔آپ خود موسم برسات میں کیچڑ اور پانی میں گزرتے ہوئے کوٹ عبدالمالک میں ان کے گھر تشریف لے گئے۔وہ ان دنوں سخت بیمار تھے۔جب حاضر خدمت ہوا تو شرارتاً سوال کیا جناب ادریس عاجز کی یاد بہت ستانے لگی تھی۔تو خاموش ہو گئے۔پھر کچھ دیر بعد بتایا کہ اُن کی کوئی آمد نہیں ہے۔مجھ سے جو کچھ ہوسکتا تھا کر دیا کرتا ہوں۔پچھلے تین چار ماہ سے نہ وہ خود آئے نہ کوئی خط ملا تو میں فکر مند تھا کہ ان کا گزارہ کیسے ہوگا۔بہت وضع دار قسم کے انسان ہیں۔اسی طرح بعض طلباء اور سفید پوش کی امداد کے سامان خاموشی سے کر دیا کرتے تھے۔بعض اوقات صاحب ثروت لوگوں کو بھی امداد کی تحریک کر کے ضرورت مندوں کے لئے آسانیاں پیدا کر دیا کرتے تھے۔ہمیشہ انسانی خوبی کو مدنظر رکھتے تھے۔ان سے کسی کے بارے میں کوئی نامناسب بات بھی آجاتی تو اس شخص کی اچھی عادت اور اچھا ذکر کرکے اس تاثر کو دور کرتے۔آپ سے بے شمار واقعات پاک و ہند کے سنے اپنے ہم عصروں کے ذکر بھی سنا۔کبھی فراق گورکھپوری،جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی،فیض احمد فیض بابا کمل پوش۔کلیم عثمانی خلیل ہوشیار پوری۔مولانا اصلاح الدین حکیم سعید احسان دانش۔ساغر صدیقی،سیف الدین سیف۔مصطفیٰ

زیدی، عدم، تاثیر، تبسم اسد ملتانی، کوثر نیازی، عبدالمجید سالک مولانا غلام رسول مہر، تلوک چند۔ رام لعل مولانا تاجور نجیب آبادی، جگر مراد آبادی، علامہ نیاز فتح پوری۔ سردار دیوان سنگھ مفتون م۔ش۔ مجید نظامی۔ ن۔م راشد۔ نذیر شیخ۔ دوست جالندھری۔ مجید لاہوری۔ مولانا ظفر علی خان۔ سردار راجندر سنگھ بیدی اور بہت سوں کے ذکر خیر۔ علامہ اقبال سے اپنی ملاقات یوں ذکر کیا کہ

1937ء میں ''دیہات سدھار'' کے نام سے فیروز پور میں ایک مشاعرہ ڈپٹی کمشنر اختر حسین جو بعد میں گورنر سٹیٹ بینک بھی ہوئے ان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ثاقب صاحب کو سفیر مشاعرہ بنا کر شعراء حضرات کے پاس بھجوایا گیا۔ جب علامہ اقبال کے پاس لاہور آیا تو علامہ اقبال صاحب کی آواز اس وقت بیٹھی ہوئی تھی۔ علامہ صاحب سرگوشی کے انداز میں بات کرتے تھے۔ علامہ صاحب فرمانے لگے کہ ڈاکٹروں نے میری خوراک میں تبدیلی کر دی ہے۔ کچھ بیماری کا اثر اس لئے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے مشاعرے میں شامل ہونے سے معذوری ظاہر کر دی۔ آپ کی غزل مولانا عبدالمجید سالک صاحب نے مشاعرہ میں پڑھی۔ ثاقب صاحب کی گفتگو بڑی صاف ستھری اور تہذیب کے اندر ہوتی اس میں لطیف نکات بھی ہوتے اور مزاحیہ لطائف بھی۔ آپ کے استاد محترم نے آپ کے بارے میں صحیح لکھا تھا عملاً ویسا پایا............شہاب ثاقب کے پیش لفظ میں ذکر کیا اور منو بھائی نے بھی اپنے انداز میں ثاقب صاحب کی دیانت داری اور شرافت کی گواہی دی ہے کہ جسے ثاقب صاحب نے اپنی خاص وضع قطع اور تہذیب کا دامن سنبھالے ہوئے ہیں۔ جوانی میں بھی ایسے ہی تھے۔ جب آپ نے ''درد دل کی داستان'' لاہور میں شائع کی جسے پڑھ کر محترم حکیم سعید صاحب نے آپ کے محبت میں آپ کے لئے ایک قہوہ تجویز کیا۔ پودینہ۔ 60 گرام............ادرک تازہ............ 3 گرام............ پان ایک پتا ایک 1 عدد............ اُبال کر صبح و شام استعمال کریں۔ قہوے کے استعمال سے آپ کو کافی افاقہ ہوا۔ تو دوست احباب بھی پوچھنے لگے کہ قہوہ کی تفصیل بتائیں۔ چنانچہ آپ نے باقاعدہ حکیم صاحب سے

اجازت حاصل کر کے لاہور میں شائع کر دی۔ پھر جب 1996ء میں آپ کو برین ہمیرج ہوا۔ تو صورت حال کافی تشویشناک تھی آپریشن کرنے والے ڈاکٹر نے برملاً کہا اب تک 13 آپریشن کر چکے ہیں۔ ایک بھی کامیاب نہیں ہوا۔ نہ جانے آپ کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ ثاقب صاحب فرمانے لگے کرنل صاحب ''وہ ہاتھ تو آسمان تک پہنچتا ہے۔''

انہی ایام میں قادیان میں جماعت احمدیہ جلسہ سالانہ ہو رہا تھا۔ امام جماعت احمدیہ نے خصوصی طور ثاقب صاحب کی ایک مشہور نظم جو دورِ خسروری میں ہے (اشاعت 1924ء) ''اے قادیان دار الامان اونچی تیری شان'' خصوصی طور پر پڑھوا کر ثاقب صاحب کی صحت کے لئے خصوصی دُعا کی تحریک فرمائی تھی۔ جب ثاقب صاحب ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو عاصم جمالی، راجہ نصر اللہ خان، یوسف سہیل شوق کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے گفتگو کے دوران پوچھا کہ ذہن پر بوجھ تو نہیں پڑتا کہنے لگے چار شعر ہوئے ہیں۔ سن لو۔ شعر سننے کے بعد عرض کی کہ یہ شعر لکھ دیں آپ نے بیٹھے بیٹھے شعر تحریر کر دیے۔ فرمانے لگے میں سمجھ گیا تھا کہ میرزا صاحب میرا امتحان لے رہے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ لکھتے وقت رعشہ وغیرہ کی کیفیت تو نہیں۔ ثاقب زیروی صاحب کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ یوں سمجھ لیجیئے ایک چلتی پھرتی تاریخ۔ ریڈیو پاکستان اور ٹیلی ویژن کے مشاعروں میں 1974ء تک باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے۔ ریڈیو پاکستان پر آپ کی تقاریر اور نعتیں آپ کی آواز میں بھی نشر کی جاتی رہی۔ آپ نے جس لوح وقلم کی جس صداقت کا علم 1974ء میں بلند کیا اور اُس وقت کے حکمران بھٹو صاحب کے عزائم کی نقاب کشائی کی پاداش میں جہاں آپ کے ادارے کا قافیہ تنگ کیا گیا وہاں آپ پر ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت مقدمات بھی قائم کئے۔ اور تنگ کرنے مختلف حکومت نسخے بھی آزمائے۔ آپ کو پرکشش حکومتی مراعات بھی پیش کی گئی۔ مگر اس

مرد قلندر نے اپنے فرض کو مقدم جانتے ہوئے کسی آمر مطلق کے سامنے جھکنے کی بجائے اپنے خالق و مالک کے ور ہی کی طرف دیکھا۔ بلکہ اس کے ظالمانہ اقدامات اور احکامات کے خلاف مسلسل اور بڑی جرات سے لکھا۔ ضیاء الحق کے دور میں ''لاہور'' کے بنڈل اٹھا کر ضائع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا جو بعد میں محترمہ بینظیر صاحبہ کے دور میں بھی جاری رہا بلکہ نواز شریف کے دور میں بھی۔ جب چودھری شجاعت حسین وزیر داخلہ بنے اور ثاقب صاحب اور م۔ش کسی تقریب میں چودھری شجاعت حسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ چونکہ دونوں صحافیوں کے چودھری ظہور الٰہی صاحب سے بھی مراسم رہے تھے۔ اسی ناطے چودھری شجاعت حسین صاحب نے پوچھا کہ سر کوئی خدمت میرے لائق ہو تو بتائیں۔ ثاقب زیروی کہ خدمت آپ کو کیا کہوں اگر آپ کا محکمہ میرے رسالہ کے بنڈل ضائع کرنے بند کر دے تو مہربانی ہوگی۔ اس کی تائید م ش صاحب نے بھی کی اور کہا جو کچھ چھپتا ہے وہ میرے پریس میں شائع ہوتا ہے۔ یوں چودھری شجاعت حسین نے دو بزرگ صحافیوں کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے ''لاہور'' کی اس تکلیف کو دور کیا۔ ایک دن گھر پہنچا تو مجھے میری بیٹی نے بتایا کہ کوئی ثاقب صاحب تشریف لائے تھے۔ یہ سن کر سوچنے لگا............ ثاقب زیروی تو وہ شخص ہے جو جماعت احمدیہ کے لاکھوں کی تعداد میں بڑے جلسوں کے پنڈال میں نظم پڑھتا تو اگلے جلسے تک لوگ اس نظم کو دوہراتے رہتے تھے۔ جلسہ سالانہ بند ہونے کی وجہ سے آج یہ صورت حال پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس دن ایک فیصلہ کیا اُن سے کلام شائع کرنے کی درخواست کرنا تواتر کے شروع کر دی اور اپنے ہر ممکن تعاون کی بار بار پیش کش کی۔ آخر خدا خدا کر کے کوشش بار آور ہوئیں اور مجموعہ کلام ''نوید منزل'' میرے سپرد کیا۔ جب تمام کتابت مکمل ہو چکی اور کاپیاں پریس میں بھجوائی جا رہی تھیں پیش لفظ کے لئے عرض کیا تو کہنے لگے یہ پیش لفظ آپ نے ہی لکھنا ہے۔ چنانچہ اُن کے اصرار پر

جو بن پڑا لکھ دیا۔اسی طرح نعتوں کا مجموعہ ’’آہنگ حجاز‘‘ بھی ان کی مرضی کے مطابق شائع کرنے کی توفیق ملی۔ پھر میرے اور چاہنے والوں کی اصرار پر اپنی یادداشتیں تحریر کیں۔دسمبر 2001ء میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے بس مولانا آپ لوگوں کی خواہش کی تعمیل ہوگئی ہے۔اس مسودہ کی فوٹو کاپی آپ لیجیئے مسودہ یاسر کو دے دیا ہے۔ جو آگے پیچھے کرنا ہے یا کسی تاریخ اور نام کی غلطی ہو تو آپ لوگوں کو ہی ٹھیک کرنا مجھے دکھانے کی ضرورت نہیں۔5 جنوری 2002ء کو ہماری آخری نشست ہوئی۔فرمانے گئے ’’لاہور‘‘ کے پچاس سالہ انتخاب نمبر‘‘ کے سلسلہ میں جنوری کے آخری عشرہ میں مجھے آپ کی ضرورت ہوگی۔فرمایا ایک دو دن تو داؤ لگا کر بھی آیا جا سکتا ہے۔ ہفتہ عشرہ کی رخصت میں دقت تو نہیں ہوگی۔عرض کیا! اللہ نے ایسا مہربان افسر عطا فرمایا ہے جو جائز چھٹی کرنے میں کبھی روک نہیں بنتا۔وعدہ کر کے آ گیا قدرت کو کیا منظور تھا۔ 31 جنوری کو دفتر ہی میں تھا کہ لاہور سے یاسر کی طرف سے اطلاع ملی کہ ثاقب صاحب کی حالت تشویشناک ہے۔فوراً لاہور پہنچ جاؤ۔ بھاگم بھاگ لاہور پہنچا یاسؔر سے رابطہ کیا پوچھا کیا حال ہے۔ یاسؔر نے بتایا کہ حالت تشویشناک ہے۔ بے ہوشی کی سی کیفیت ہے۔صبح فجر کے قریب ہوش آئی تھی۔آپ کا پوچھا تھا۔اس لئے آپ کو فون کیا تھا۔

31 جنوری 2002ء کی شام تقریباً 8 بجے کے قریب محبتوں شفقتوں بھرا وجود جس کی نشست میں بیٹھ کر اپنے ذہن جلا دے سکتے تھے۔جو ذہنی راہنمائی کرنے میں کبھی کسی زاویئے سے بخل کام نہیں لیا کرتا تھا اپنے نقش چھوڑ کر اپنے خالق ومولیٰ حقیقی کے حضور حاضر ہوگیا۔30 سال سے زیادہ کی رفاقت کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے ایک ناقص سی سعی ہے جو سمجھا تو لکھ دیا۔

(’’لاہور‘‘ 18 جنوری 2003ء صفحہ 11 تا 13)



آسمان صحافت کا درخشندہ ستارہ

صوفی محمد اسحٰق۔ربوہ

مکرم ثاقب صاحب ایک بے باک، نڈر اور نہایت ہی آزمودہ کار صحافی تھے۔اردو زبان پر آپ کو کامل عبور حاصل تھا جس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ لاہور جیسے اردو ادب وصحافت کے گڑھ میں پنجاب کے ایک سابق گورنر ملک امیر محمد خاں نواب آف کالا باغ کو اپنی تقاریر لکھنے کیلئے اگر کوئی شخص ان کی نگاہ میں جچا تو وہ صرف ہمارے ثاقب صاحب مرحوم تھے۔پچاس سال تک بے شمار رکاوٹوں کے باوجود کسی ہفتہ وار کا مسلسل شائع ہوتے رہنا ایک ایسا منفرد اعزاز ہے جو صرف مکرم ثاقب صاحب کو ہی حاصل ہوگا۔اس عرصہ میں کس قدر ہفتہ وار اور ماہوار بڑے بڑے وقیع رسالے تھے جو آپ کے سامنے طلوع ہوئے اور آپ کے سامنے ہی غروب ہو گئے حالانکہ نہ ان کو سرمائے کی کوئی کمی تھی اور نہ ہی قلمی معاونین کی۔اور ایک منفرد اعزاز آپ کو یہ بھی حاصل تھا کہ صحافت کی وادیٔ پرخار میں آپ وہ واحد شخص تھے جو اس وادی سے اپنا دامن دریدہ کئے بغیر حق بات کے کہنے کے باوجود ہر بار صحیح سلامت باہر آتے رہے اور کبھی جیل بھی نہ گئے۔آپ پر بے شمار مقدمات محض از راہ عداوت قائم کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب میں آپ کو سرفرازی عطا فرمائی اور آپ ہر بار باعزت بری ہوتے رہے۔اس ملک کے آمر جنرل ضیاء نے آپ کو تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن جب آپ کے قدم ثبات واستقامت میں کوئی لغزش نہ آئی تو اس نے اپنے کارندوں کے ذریعہ ڈاکخانہ سے ہر ہفتہ بلا مبالغہ ''لاہور'' کے سینکڑوں پرچے اٹھوا کر تلف کروانے شروع کر دیئے لیکن واہ! کیا حوصلہ اور عزیمت تھی اس قلمکار میں کہ نہ پرچہ بھجوانا بند کیا اور نہ ہی اشاعت کو روکا۔میدان صحافت میں آپ کئی منفرد اعزازات کے حامل تھے اور آپ وہ واحد صحافی تھے جو تنِ تنہا اپنے ہفتہ وار کو چلاتے

تھے کوئی نائب مدیر آپ کے ساتھ نہ تھا دوم آپ وہ واحد قلمکار تھے جنہیں نہ کوئی جھکا سکا اور نہ آپ کے قلم کو کوئی خرید سکا اس ملک میں ایک بڑا پھنے خاں قسم کا احراری ٹائپ صحافی تھا جو آپکی طرح شاعر بھی تھا لیکن ایک حاکم نے اس کے قلم کی قیمت 3 لاکھ نقد اور چار مربعے زمین دی جو اس نے نقد وصول کی اور اس حاکم کا پورا پورا ہمنوا ہوکر رہ گیا۔ اسی حاکم نے مکرم ثاقب صاحب کے قلم کی قیمت ایک مفت نئی کار کا پرمٹ ڈالی لیکن آپ نے اپنی قلم کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی اور پوری شان استغناء کے ساتھ یہ پرمٹ اس حاکم وقت کو واپس کر دیا۔ یہ مثال ہے آپ کے بلند پایہ صحافتی کردار کی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہی	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگر چہ ہفت روزہ لاہور آپ کا ذاتی پرچہ تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اسے کبھی اپنی ذات کیلئے استعمال نہ کیا اس کے علاوہ دوسری خوبی یہ تھی کہ اگر چہ آپ کا یہ رسالہ ایک ادبی رسالہ تھا جس کے اداریئے نہایت ہی پر مغز صحیح معاشرتی اصلاح اور ملی یک جہتی کے حامل ہوا کرتے تھے لیکن بہ حیثیت ایک صحافی ہونے کے آپ اس میں ہر غیر معقول قومی مسئلہ کے ہر اعتراض کا نہایت ہی معقول مدلل دندان شکن جواب دینے سے بھی نہ کتراتے تھے خواہ یہ دینی مسئلہ ہو یا قومی۔

آپ پاکستان کے مسلمہ چوٹی کے شعراء میں سے ایک ایسے شاعر تھے جنہیں قدرت نے لحن داؤدی عطا کر رکھا تھا۔ ملکی مشاعروں میں آپ کے مترنم کلام کو جس ہمہ تن انہماک، توجہ اور یکسوئی سے سنا جاتا تھا اسکی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ آپ کے منظوم کلام کی ایک خوبی یہ تھی کہ یہ ہر قسم کی لغویات اور فضولیات سے مبرا اور معرا ہوتا تھا اور اس طرح حشو و زوائد سے بھی۔ میری آپ سے پہلی شناسائی اغلباً 1940ء کے لگ بھگ قادیان دارالامان میں ہوئی جبکہ میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں ابھی تک زیر تعلیم ہی تھا کہ میرے نہایت ہی محترم اور شفیق استاد حضرت مولانا ابو العطاء صاحب مرحوم آپ کو مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہاؤس میں لائے اور آپ نے ایک نظم نہایت

ہی خوش آئندہ الفاظ میں سنائی۔ یہ آپ کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔آپکے ان اشعار کی معنویت اور ترنم مسحور کن تھا اس نظم کا ایک شعر مجھے آج تک یاد ہے جو یہ تھا: نہ جا ان خاک سے لتھڑے ہوئے چہروں پراے ہمدم

یہ چہرے نورِ لم یزلی کے حامل ہم نے دیکھے ہیں

یہ شعران درویشان جماعت احمدیہ کے متعلق جواپنا سب کچھ بیچ کر دیار یار میں دھونی کور چائے بیٹھے تھے۔اسکے بعدہمیں انکا شیریں کلام سننے کے کئی اور مواقع میسر آئے اورآپ کی خوش آئند آواز اورآپ کے اشعار کی معنویت نے ہمیں ہمیشہ ہی متاثر کیا۔ 1974ء میں جب بھٹو جیسے انسان نے اپنے ڈولتے اقتدار کوتحفظ بخشنے کی غرض سے جماعت احمدیہ کے خلاف ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک مذہبی مہم چلائی یوں اس نے تین ماہ تک مشق ظلم وستم بنانے کے بعد اپنی ایک خودساختہ کمیٹی کے ذریعہ غیر مسلم قرار دلوا دیا تو اس سال مکرم ثاقب صاحب نے جوتاریخی نظم جماعت کے اس سال کے جلسہ سالانہ میں امام جماعت احمدیہ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی صدارت میں پڑھی وہ ایک نہ مٹنے والی یاد ہے۔آپ کی اس نظم نے احباب جماعت کے ایمانوں کونئی جلا بخشی۔ملاحظہ فرمائیں اس نظم کا یہ شعر۔

جھنکار پہ سونے چاندی کی ہوتے ہیں ضمیروں کے سودے

اس دورِ خرابی میں یارو خطرہ ہے بہت ایمانوں کا

میرا آپ سے مستقل رابطہ اس وقت ہوا جب میں نے آپ کومؤقر ہفتہ وار میں ’’عربی ادب کے شہ پارے‘‘ کے عنوان سے ایک مستقل سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا یہ اغلباً 1973ء کی بات ہے ان مضامین میں میں اگرچہ عربی عبارات کا ترجمہ نہایت محنت اورعرق ریزی سے کیا کرتا تھا لیکن آپ میری متعدد عبارات کی جس محنت اور توجہ سے نوک پلک سنوارتے اسکے نتیجے میں میری تحریرحسین سے حسین تر ہوکرآپ کے رسالہ کی زیب وزینت بن جاتی۔ میں نے ان سب مضامین

کواب کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے اور کتاب کے پیش لفظ میں پوری فراخدلی سے آپ کے اس احسان کوریکارڈ کر دیا ہے۔

(''لاہور'' 18 جنوری 2003ء صفحہ 18)

ثاقب زیروی کی شاعری

مولوی تمیز الدین سابق سپیکر قومی اسمبلی



خوش گل، خوش گلو، سروقامت، مقطع ڈاڑھی، شیروانی پوش ثاقب زیروی دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ اعلیٰ مشاعروں میں جہاں چیدہ لوگوں کا اجتماع ہو۔ ثاقب زیروی اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں۔ وہ زندگی کے کسی معاملہ میں انتہا پسند نہیں۔ وہ ہر اعتبار سے میانہ رو، سلامتی پسند اور غیر حاسد قسم کے آدمی ہیں۔ اور ان کی یہی وہ خصوصیت ہے جو انہیں حلقہ احباب میں مقبول بنائے ہوئے ہے۔ ثاقب زیروی کا شاعر ہونا اور اس حد تک دھانسو شاعر ہونا تاریخ ادب کا ایک عجیب وغریب واقع ہے۔ عنفوان شباب میں ثاقب زیروی سب انسپکٹر تھے لیکن کون جانتا تھا۔ یہی سب انسپکٹر شاعری کی دنیا میں اپنا نام اور مقام پیدا کر کے مقبول خاص و عام ہو جائے گا۔ میاں محمد شفیع کہتے ہیں کہ ثاقب زیروی انجمن حمایت اسلام کے ایک جلسہ میں موجود تھے جب ان سے بھی شعر سنانے کی فرمائش کی گئی تو وہ اپنے اچھے شعروں اور گداز ترنم کے بل پر پورے پنڈال پر چھا گئے اور اس دن سے ثاقب زیردی کے سامنے ایک اعلیٰ ادبی مستقبل اجاگر ہو گیا۔ خلوص اظہار، سوز وگداز اور خیال واسلوب کی ہم آہنگی ثاقب کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ خاص طور پر ان کی نعتیں حضوری قلب کا بہترین اظہار ہوتی ہیں اور اس مرحلہ پر اردو کے بہت شعراء ان کی برابری کرتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ثاقب زیروی طبیعت اور فکر کے اعتبار سے مذہب پرست ہیں اور وہ نعتیں

خانہ پُری کے لیے نہیں لکھتے بلکہ احتیاج طبیعت اور طبی رجحان کے ماتحت لکھتے ہیں اور یوں ان میں صداقت، خلوص اور جذبہ کار چاؤ بھر پور انداز میں موجزن ہوتا ہے

تو حبیب رب جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا
کہاں تو کہ باعث کن مکاں کہاں فکر ثاقب خستہ جاں
بھلا مدحتِ شہ انس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

اس ایک نعت سے ہی ثاقب کے وفور جذبات اور عشق رسول کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ثاقب کے ہاں اسی قدر ونوعیت کی اور بھی کئی نعتیں بھی ملتی ہیں جنہیں واقعی اسلوب نعت میں خاصہ اضافہ سمجھا جا سکتا ہے۔ثاقب نعت میں روایتی افکار سے ہٹ کر بھی بات کر جاتے ہیں اور بعض اوقات نعت کے ڈانڈے موجودہ جدید افکار وحوادث سے ملا دیتے ہیں اور اس طرح اسلوب نعت میں تجدیات کا رنگ بھر دیتے ہیں۔مثلاً

پھر زلفِ حیات آج پریشان ہے مولا اس کو تیرے شانے کے سوا کون سنوارے ثاقب

غزل گوئی اور نظم نویسی پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔غزل ان کا موضوع بھی دوسرے شعراء کی طرح اگرچہ عشق وحسن ہجر و وصال اور امید وبیم محبت ہے، لیکن وہ ان تمام موضوعات کو حالی کی نصیحت کے مطابق اعتدال اور شائستگی کا پابند بنا دیتے ہیں۔وہ معاملات عشق کو ننگا،عریاں اور غیر شائستہ بنا کر پیش نہیں کرتے۔اور اظہار غزل حسیاتی لذت کا شکار نہیں ہوتے وہ عشق ومحبت کے سارے عمل کے فن کی باریک اور منقش پردے میں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں۔جس سے ان کی غزلیں اسلوب کے حسن سے مالا مال ہو جاتی ہیں۔نمونہ ملاحظہ ہو۔تصور کی یہ تیرے کارفرمائی ارے توبہ(''لاہور''18 جنوری 2003ء صفحہ 33)



نابغہ روزگار احمدیت کا ایک روشن ستارہ

جناب ثاقب زیروی۔ انجینئر محمود مجیب اصغر

جناب ثاقب زیروی صاحب ایک نابغہ روزگار ہستی، احمدیت کا ایک روشن ستارہ اور خلافت کا پروانہ تھا۔ جلسہ سالانہ پر ان کی نظمیں ان کی سریلی آواز اور لحن میں مسحور کن ہوا کرتی تھیں۔

حضرت مصلح موعود کے وصال پر آپ کے آخری سفر کی جو منظر کشی انہوں نے کی تھی اس نظم کا ایک شعر اب بھی میرے ذہن میں گھوم رہا ہے

دن ڈھل گیا تو درد نصیبوں کا قافلہ
کاندھوں پہ آفتاب اٹھائے ہوئے چلا

خلافت ثانیہ میں ان کی شعر و شاعری کا فن حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ذریعے منظر عام پر آیا جب صاحب زادہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان تھے۔ اس تعارف کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے جو جلد ہی للہی محبت اور دوستی میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ جب عنفوان شباب میں آپ کو پہلا الہام ہوا تو صاحب زادہ صاحب نے صرف ان کو اس وعدہ کے ساتھ سنایا کہ صیغہ راز میں رہے۔ مجھے یاد ہے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی سیرت و سوانح میں لکھ رہا تھا تو میری نگران کمیٹی نے مجھے ان کے پاس بھجوایا اور کہا کہ ان سے وہ الہام پوچھ کر آئیں۔ چنانچہ میں لاہور رسالے کے دفتر ان کے پاس گیا۔ تعارف تو پہلے سے تھا فوراً اپنا مدعا بیان کر دیا۔ بولے وہ تو حضور اور میرے درمیان راز تھا اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس لئے نہیں بتا سکتا۔ میں نے عرض کیا کہ وفات کے بعد صدقہ دے کر ایسے راز بتائے جا سکتے ہیں۔ اس پر وہ مسکرائے اور

فرمایا کہ وہ الہام تو یاد ہی نہیں رہا۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سے ثاقب زیروی صاحب کے تعارف کا واقعہ

''جب میں شعر کہنے کی سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود محض ایک کندہ ناترش دیہاتی تھا (نہ اظہار و بیان نہ سلیقہ) اور نہ ہی آداب محفل کا کامل شعور۔۔۔۔دوسرے یا تیسرے سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ کی بات ہے۔جس کا افتتاح حضرت مصلح موعود نے مسجد اقصیٰ میں فرمایا تھا۔۔

میرے دل میں اس اجلاس کے لئے ایک تازہ نظم کہنے کی تحریک پیدا ہوئی اور میں اسٹیشن کی طرف نکل گیا۔مغرب کے بعد واپس آیا اور نظم مولوی محمد سلیم صاحب کو سنائی جسے انہوں نے پسند کیا ۔میں نے خواہش کا اظہار کیا کہ اجلاس میں آپ میری نظم پڑھوا دیں۔انہوں نے کہا یہ میرے بس کا روگ نہیں۔حضور کی تقریر سے پہلے عموماً صرف انہی اشخاص کو نظم پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے جن کے ناموں کی حضور اجازت دیں۔

بہر حال ہم اگلے روز اجلاس کے وقت سے کچھ پہلے ہی مسجد اقصیٰ میں پہنچ گئے اور شمالی کنویں کے پاس جا کے حضرت مولانا راجیکی صاحب رحمہ اللہ کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔میں نے ان سے بھی اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔

مسجد کی جنوبی جانب کھڑے ہوئے ایک خوبرو جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ان سے جا کر کہو ۔وہ شاید مدد کر سکیں۔میں یہ سنتے ہی اٹھا اور اس خوش پوش و خوبرو کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔کہا فرمایئے۔کچھ مجھ سے کہنا ہے؟ عرض کیا جناب میں اس اجلاس میں نظم پڑھنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا ۔نہیں اس جلسے میں آپ نظم نہیں پڑھ سکتے۔میں نے اپنے مخصوص دیہاتی لا ابالی پن سے کہا جناب کیا قادیان کے جلسوں میں باہر والوں کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ کیا آپ پسند کریں گے کہ میں جلسہ میں جہاں بیٹھا ہوں وہیں کھڑا ہو کر نظم پڑھنا شروع کر دوں؟ مسکراتے ہوئے لیکن تحکمانہ

لہجے میں جواب ملا۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم آپ کو مسجد سے باہر پھینک دیں گے۔

میں واپس جا بیٹھا۔ حضرت تایا جان نے فرمایا۔ کیوں سوہنیا کچھ بنیا؟ عرض کیا نئیں تایا جی اوس نوجوان نیں تاں ایس طراں ٹکے ورگا جواب دے دتا اے۔ جس طراں اوہ حضرت صاحب دا پتر اے۔ فرمایا سوہنیا اوہ حضرت صاحب دا پتر ای تاں اے بھئی اوہ حضرت مرزا ناصر احمد نیں۔ اٹھ کر معذرت خواہی کے لئے پھر پاس پہنچ گیا۔ پہلے مسکرائے ۔ پھر فرمایا آپ پھر آ گئے۔ اب کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا معذرت کرنے آیا ہوں۔ فرمایا اچھا معاف کیا۔

آپ میری نظم تو سن لیں

اب عرض ہے کہ آپ میری نظم دیکھ لیں۔ میں محفل کو ہرگز بدمزہ نہ ہونے دوں گا۔ فرمایا کہاں ہے وہ نظم؟ مطالعہ کے بعد فرمایا۔ نظم تو اچھی ہے، ممکن ہے آپ کی دوسری بات بھی ٹھیک ہو۔ بعض لوگ اشعار ایسی بھونڈی لے میں اور ایسے غلط تلفظ کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں کہ مقرر کی طبیعت منغض ہو جاتی ہے اور حضور تو اس معاملہ میں از حد حساس ہیں۔ اچھا نظم تو میں پروگرام میں شامل کئے لیتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔ وہ جو مسجد کی سیڑھیاں ہیں آپ جس وقت نظم پڑھیں میں ان کی دائیں برجی کے پاس کھڑا ہوں گا۔ نظم کے دوران میں ہاتھ ہلا کر آپ کو روکنے کا اشارہ کروں تو آپ فوراً نظم پڑھنا بند کر دیں ۔ کیا آپ کو یہ شرط منظور ہے؟ عرض کیا بہ دل و جان منظور ہے۔

تو نے جاری کیا خمخانہ تحریک جدید

تلاوت کے بعد حضور نے اس عاجز کا نام پکارا۔ نظم پڑھنی شروع کر دی

تو نے جاری کیا خمخانہ تحریکِ جدید
اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی

پڑھتے وقت میں نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا حضرت صاحب زادہ مرزا ناصر احمد صاحب

شمالی برجی کے پاس کھڑے تھے۔

تجھ کو مالک نے کیا عطر رضا سے ممسوح
یہ مہک گلشن عالم میں بسا دے ساقی

حضور نے فرمایا اس شعر کو دوبارہ پڑھیں۔محفل میں سبحان اللہ اور جزاکم اللہ کی گونج قدرے بلند ہوگئی اور حضرت میں صاحب برجی کے پاس سے ہٹ گئے۔

اگر شاعر کچھ نخرے کرے تو اٹھا کر لے آئیں

جلسہ ختم ہونے کے بعد شرکاء اجلاس نے جس ذوق وشوق سے اس عاجز کی بلائیں لیں اور مصافحے اور معانقے کئے وہ سرتاسر گواہی تھے اس بین حقیقت کے کہ

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس غیر متوقع اور غیر معمولی تحسین وآفرین میں اختتام جلسہ پر حضرت میاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا۔گھر پہنچے۔کھانا کھایا۔نماز عشاء پڑھی اور لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔" باہر خدام آپ کو لینے آگئے ہیں" باہر گیا۔کہا صاحب زادہ صاحب نے فرمایا ہے کہ آپ مسجد اقصیٰ میں پہنچ جائیں۔عرض کیا۔اس وقت میرے سر میں قدرے درد ہے ۔میں صبح حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا۔بولے حضرت میاں صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر شاعر کچھ نخرے وغیرہ کرے تو اسے اٹھا کر لے آئیں۔

کلام ثاقب ایک مستقل فیچر بن گیا

اللہ اللہ چند ہی گھنٹوں میں زمین وآسمان کیسے تبدیل ہوگئے۔اجلاس سے قبل جسے مسجد کے صحن سے اٹھا کر باہر پھینک دینے کی نوید سنائی گئی تھی اب اپنے اس نیاز کیش کو اپنائیت، بے ساختہ، محبانہ تمکنت اور اعتماد آفرین اشتیاق سے یاد فرمایا گیا تھا۔جس وقت ہم نے مسجد میں قدم رکھا۔خدام کا

تقریری مقابلہ شروع تھا اور حضرت میاں صاحب کرسی صدارت پر متمکن تھے۔ اعلان کیا اس تقریر کے بعد ثاقب زیروی صاحب نظم پڑھیں گے۔ دوسری تقریر کے بعد نظم پڑھوانے کا سلسلہ شروع ہوا تو رات تک جاری رہا۔

اسی سال سے جلسہ سالانہ پر کلام ثاقب ایک مستقل فیچر بن گیا۔

(حیات ناصر جلد اول صفحہ 295 تا 298)

لاہور رسالہ کی ownership

ایک بار اتفاقاً ربوہ سے لاہور ٹرین پر مجھے ان کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا۔ فرمانے لگے لاہور رسالہ میں بڑا مالی نقصان ہو رہا تھا۔ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پاس مشورہ کے لئے گیا۔ حضور نے فرمایا کہ ابھی نہ بیچیں۔ اس کے جلد ہی بعد 1974ء کے واقعات شروع ہو گئے اور میرا رسالہ روز مرہ کے احمدیوں پر مظالم کی ڈائری شائع کرنے کے کام آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 1974ء کے ابتلاء میں لاہور رسالہ کے ذریعے انہوں نے ظالموں کی خوب پردہ دری کی ہے۔ حتیٰ کہ حکومت نے بند کروا دیا۔

ایک شادی میں شرکت

ثاقب زیروی صاحب کے ایک بھانجے کی شادی میرے بڑے بھائی پروفیسر ایم اے لطیف شاہد صاحب کی بیٹی سے ہوئی۔ بھائی کی رہائش اسلام آباد میں تھی اور برات ثاقب زیروی صاحب کی سرپرستی میں لاہور سے آئی تھی میں نے بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس شادی میں شرکت کی تھی۔ ثاقب زیروی صاحب سے میرا تعارف پہلے سے تھا اور اس شادی پر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ پروفیسر لطیف شاہد میرے بھائی ہیں۔

لاہور رسالے میں ایڈیٹر کے نام خطوط

ایک زمانے میں مَیں لاہور رسالے میں ایڈیٹر کے نام خطوط بھجواتا تھا جنہیں وہ ضرور شائع کرتے تھے۔اس رسالے میں بڑے علمی قسم کے مضامین ہوتے تھے۔ 1974ء کے حالات میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے اہم انٹرویو بھی لاہور رسالہ میں ہی شائع ہوئے۔ثاقب زیروی صاحب کی وفات کے بعد لاہور رسالے کی ساری رونق ختم ہوگئی۔اب ایک رسالہ لاہور انٹرنیشنل لندن سے آن لائن محی الدین عباسی نکالتے ہیں۔خدا بہتر جانتا ہے کہ اس کا ثاقب زیروی صاحب کے رسالہ لاہور سے کوئی تعلق ہے کہ نہیں؟

ثاقب زیروی صاحب کی نماز جنازہ

میں اس وقت ربوہ میں تھا جب ان کی وفات کے بعد ان کا جنازہ مسجد مبارک ربوہ لایا گیا۔ مجھے بھی ان کا چہرہ دیکھنے اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرب میں ان کے درجات بلند کرے آمین ۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمتہا ببار داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

عشق الٰہی منہ پروسے ولیاں ایہہ نشانی

ابن خلیل

ثاقب زیروی صاحب کی شخصیت اگرچہ نمایاں طور پر تبلیغِ دین، شاعری، صحافت کی متمثل تھی۔اس کے آگے دو پہلو تخصیص کے حامل یہ تھے کہ انہوں نے مشکلات کے باوجود اپنا مشنری ذوقِ ابلاغ عمر بھر جاری رکھا اور صحافت میں انہوں نے اردو صحافت کا مشکل پہلو ''یک رُکنی'' صحافت کا اختیار کیا تھا۔ دنیا کی کسی زبان میں بھی ایسی ترین ہی ہوتی ہے۔لیکن اس طرح کی صحافت اردو میں اس لیے خاص اہمیت ...... جاتی ہے کہ مدیر کو باوصف نظریاتی اخلاص کے زندگی کے سبھی پہلوؤں پر یکساں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔جس کے لیے مشاہدلے اور مطالعے کا ہمہ وقت

مجاہد بنتا ہے۔ اس روایت میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' مولانا محمد علی جوہر کا رسالہ مولانا حسرت موہانی کا ''اردوئے معلیٰ'' اتنی بڑی مثالیں ہیں کہ بعض دفعہ یہ حیرت ہوتی ہے کہ ثاقب زیروی صاحب نے مگر اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ ثاقب صاحب سے ملنے والے تمام لوگ شاہد ہوں گے کہ وہ شرع محمدیہ پر پورے طور پر تمام عمر کاربند رہے اور ساری عمر صاحب...... کے طور پر گزاری۔ میری ذاتی رائے میں وہ ایک ''سالک صوفی'' تھے اور مشنری کا کام کرتے تھے۔ اگرچہ یہ کوئی موضوع ایسا نہیں ہوتا جس پر دلائل سے کسی کو قائل کیا جائے۔ ممدوح کی ''ولایت'' ثابت کی جائے یا ایسے حوالے ڈھونڈے جائیں کہ ممدوح سالک تھا۔ اس طور سے تمام بیان۔ تضیع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا سلوک ایک ذوقی راستہ ہے۔ ''سالک'' ماموریت کے علاوہ ولایت کا دعویٰ نہیں کرتا اس لیے اس مضمون کا تمام تر دائرہ ''ذوق'' سے بنتا ہے۔ اور اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے شخصیت کوئی بھی ہو۔ ثاقب صاحب کے لئے میری ان کے بارے میں معلومات اس طرح مل سکی کہ ان کے آخری دیدار کے لئے میرا بیٹا عمران (جو صرف ایک بار ان کی زندگی میں مل سکا اور ان کے بارے میں مختصر معلومات رکھتا تھا) میرے پاس واپس آ کر اس نے اپنی والدہ اور بہنوں کو جنازے کی کیفیت بلاتردد اس طرح بیان کی کہ ''ثاقب صاحب تو لیٹے ہوئے ہنس رہے تھے'' وہ تو لگتا تھا بہت خوش ہونگے یہ تاثرات ایک ایسے بچے کے ہیں جسے زندگی کی اونچ نیچ کا ابھی تک تجربہ نہیں ہے اور ان کے بارے میں تفصیلاً ابھی اسے معلوم نہیں ہے۔ اس بات پر اگر انحصار کیا جائے تو بعد از مرگ طمانیت کا فلسفہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں۔ اس ساری بحث کو میں اس لئے وزن دینا چاہتا ہوں کہ اس پر آشوب دور کے حالات جو صحافت کے گرد رپیش ہیں میں رہ کر ثاقب صاحب نے دامن آلودہ نہیں کیا اور ایک کامیاب و کامران زندگی وقار کے ساتھ گزار کر اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اس معقولی بات کے ضمن میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ بھی ثاقب آشنا ہیں وہ ضرور جانتے ہیں کہ وہ ہمدرد مخلوق اور ہر وقت ذکر الٰہی کرنے والے صاحب

الرؤیا تھے۔ جیسا کہ 1974ء والے مقدمے کے دوران م۔ش صاحب مرحوم کے ساتھ جیل جانے کی تیاری والا مرحلہ۔ وہ خود ''لاہور'' میں درج کر چکے ہیں۔ اس ذوقی پسند رکھنے والے احباب کی تسکینِ طبع کے لئے چند نمونے پیشِ خدمت کرتا ہوں: ا۔ ''ثاقب زیروی شعراء کے اس دوسرے گروہ میں آ کر کھڑے ہوئے ہیں جن کا ذکر الا الذین آمنو (سورہ شعراء آیات 226 تا 228) میں ہے۔ آپ کا پورا کلام اس بات کی گواہی ہے۔ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد، بطور صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ 19-12-1924 دیباچہ ''دورِ خسروی''۔ ۲۔ ''اس سب پر میرے کامران نصیبے کی کشش کہ بارگاہِ خلافت سے بھی مجھے اپنے الہامی پیغامات و ہدایات اور دعاؤں سے نوازا جاتا رہا۔'' کسی غیر صالح کو ایسی پذیرائی مل سکتی ہے؟ پیش لفظ ''دورِ خسروی''۔ 1924ء ۳۔ کہاں تو کہ باعثِ کن نکال کہاں فکرِ ثاقب نیم جاں۔۔۔ بھلا مدحت شہ اِنس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا'' آہنگِ حجاز در شہاب ثاقب'' 10 اکتوبر 1959ء۔ ایسا نعتیہ شعر کسی گلا مار شاعر سے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لازمی ہے کہ ایسے شعر کے لئے شاعر کو جلوہ مرتبت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوا ہو۔ ۴۔ مزید نعتیہ اشعار دیکھئے اور ذوقِ آداب آگئی بعد از حضرت جائی محسوس فرمایئے۔

تیرے میکدے سے جو پی گیا تیرا کیف جس نے سمولیا
اسے فکر عرصہ دہر کیوں اسے خوفِ روز حساب کیا
اے رُوحِ تقدس تیری رفعت کے سہارے
ہم عظمت و ناموس بشر ڈھونڈ رہے ہیں
ہر عزم کی روشن پیشانی پر نام تمہارا دیکھا ہے
ہر وقت کے بہتے دھارے پر پیغام تمہارا دیکھا ہے
اے رحمتِ عالم دونوں جہاں حلقے ہیں تمہاری زلفوں کے

از صبحِ ازل تا شام ابد اک دام تمہارا دیکھا ہے
کرتا ہے ثاقبؔ حزیں تجھ سے ہی کسبِ فیض نور
تیری لگن نے دیں اسے علم و ادب کی نعمتیں

بقول راغب مرادآبادی

مدح خوانِ سرورِ بطحا ہیں ثاقب زیرویؔ
مستحقِ جنتِ الماویٰ ہیں ثاقب زیروی
جانتے ہیں مُرسِل و مُرسَل کا فرق و امتیاز
نعت کو اس وصف میں یکتا ہیں ثاقب زیروی



آج شب عالمِ خواب میں آپ کو دیکھا اور آپ کی زبان مبارک سے ایک نعت سنی۔ مگر ترنم سے نہیں۔ چونکہ سحر خیزی کی عادت ہے۔لہٰذا نمازِ فجر سے کچھ قبل آپ کی نعتیہ شاعری پر دس شعر ہو گئے۔ جو آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ طالبِ دعا۔ راغب مرادآبادی، نیوجرسی۔ امریکہ۔ 22 نومبر 1994۔ مطبوعہ درآہنگِ حجاز آخری مجموعہ کلام۔ کسی ہم عصر کی اس سے بڑھ کر کوئی اور گواہی ہو سکتی ہے۔

یہی دعا ہے الٰہی کہ تیرے ثاقبؔ کا
نہ پیشِ غیر کبھی ہو در از دستِ سوال
کاسہء شوق لے کے تو آیا ہے ان کے رُوبرو
آنکھوں سے التجا بھی کہ دل سے انہیں صدا بھی دے
دنیا کو نہ محبوب نہ مطلوب ہوا ہوں
میں آپؐ کا ہوں آپؐ سے منسوب ہوا ہوں

افکار میں رچ جائیں جو انوارِ محمدؐ
جو کام بھی ہو گا۔ کبھی نا خوب نہ ہو گا
بصیرتوں کا مرقع رہا وہ اُمی لقبؐ
کھلی کتاب ہے وہ اب بھی آدمی کے لئے

آخر پہ ایک اور اقتباس کہ وہ اپنی ذات میں موقر از خوباں ہے۔''ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی ہے ان کی طبیعت میں شرافت، سعادت، شرم حضوری اور دیانتِ فکر و عمل کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں جوانی اور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی نفسی بے راہ روی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ اور وہ ہمیشہ ایک بندھے ٹکے اسلوبِ زندگی پر کاربند رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی شاعری کو دیکھئے۔ فکر میں جدت تو ہے ابتذال نہیں۔ دین اور حمیتِ دین تو ہے۔ ملائیت نہیں۔ عشق تو ہے لیکن فِسق کا شائبہ تک نہیں۔ غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں۔ موجودہ نظامِ عدمِ مساوات کے خلاف طیش ہے۔ لیکن کمیونزم نہیں۔ یہی اعتدال کا رستہ اور یہی صراطِ مستقیم ہے اور مجھے ہرگز اندیشہ نہیں کہ اب ثاقب اپنی ادبی زندگی کے کسی موڑ پر بھی اس صراطِ مستقیم سے گمراہ ہوں گے۔ ثاقب کی نعت میں پرانے نعت گویوں کی طرح ''توصیفِ رُخ و گیسوئے محمدؐ'' نہیں۔ نہ نئے مداحوں کا انقلابی لہجہ ہے۔ بلکہ کچھ ایسا سمویا ہوا انداز ہے جس میں حضورؐ کی تعلیمات کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ حضورؐ کے ساتھ عشق و شیفتگی کی وہ کسک بھی موجود ہے جو ہر مسلمان کے گوشۂ دل کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔' مولانا عبدالمجید سالک ''ثاقب کا تعارف'' در ''شہابِ ثاقب'' 11 جون 1959ء اب تو صرف یہی موقع ہے کہ اس ذکرِ الٰہی میں محو رہنے والی مطہر زندگی گزارنے والی صاحبِ حال اور سحر خیز شخصیت کو اعلیٰ علین میں سید المرسلینؐ کا سایہ عاطفت نصیب ہو اور خدائے بزرگ و برتر ان کے آشناؤں کو بھی ذوقِ عبادت و سلوک ان کی طرح عطا فرمائے۔ آمین۔ (''لاہور'' ۱۸ جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ 31-32)

ثاقب پر نظمیں

غزل

ستارا کوئی مری چشم تر میں رہتا ہے
چراغ خون تمنا بھنور میں رہتا ہے
غرور نفس کا سودا جو سر میں رہتا ہے
کوئی بشر نہ حدود بشر میں رہتا ہے
اڑا کے جڑ سے نہ لے جائے ان درختوں کو
وہ اک بگولہ جو اندھے سفر میں رہتا ہے
یہ خوف ہے کہ کہیں کھو نہ جائے منزل شوق
کہ گمراہی کا بھی دھڑکا سفر میں رہتا ہے
یہ کیسا سایہ لرزتا ہے دل کے آنگن میں
یہ کون ساتھ مرے دشت و در میں رہتا ہے
کبھی تو جاگتی آنکھوں میں چاند اُترے گا
یہ اعتبار دل معتبر میں رہتا ہے
وہی تو ایک ہے اپنا مزاج داں رزی
جو مثل جاں مرے قلب و جگر میں رہتا ہے

(مظفر حسین رزی)

غزل

یہ گروہ بے نوایاں ترا حسن کس ندیدہ
تری بار گہہ تک آئے تھے جو لوگ چیدہ چیدہ
یہ طریق بندگی ہے کہ یہ بندہ پروری ہے
کبھی تجھ سے میں گریزاں کبھی مجھ سے تو کشیدہ
مرے آفتاب تجھ کو جو میں دیکھتا تو کیسے
کہ رہا مثال انجم میں سدا سحر گزیدہ
بڑے پیار سے جھکا ہے فلک کہن زمیں پر
یا پھر کمر ہے بار مہ وسال سے خمیدہ
تجھے چھوڑ کر ملی ہے مجھے لامکاں کی وسعت
یہ پیام دے رہا ہے مجھے ہر دم رمیدہ
ترے جا بجا لگی ہیں یہ خرد کی دھجیاں کیا
''نہیں کچھ دلیل وحشت ترا دامن دریدہ''
کوئی آفت آسماں سے نہ کوئی زمیں سے آتی
مرے شہر میں جو ہوتا کوئی شخص برگزیدہ
جسے اہل کارواں نے گم گشتہ راہ جانا
کوئی کارواں میں تھا تو وہی تھا خدا رسیدہ
جسے خشک کہہ رہے ہو وہ شجر ہرا بھرا ہے
کہ ہے شاہد اس پہ اس کی ہر شاخ نو دمیدہ

ثاقب زیروی

کیا دل کا دھڑکنا ہے، یہ کیا رشتہ جاں ہے
شائد یہ جہاں کارگہِ شیشہ گراں ہے
میں نے تو یہ سمجھا تھا ہے تُو ایک حقیقت
کیا زندگی اک سلسلہ وہم و گماں ہے
یہ مرحلہٴ شوق بھی اب طے ہو تو کیسے
دل دیکھ رہا ہے جسے آنکھوں سے نہاں ہے
اک درد کی لہر ایسی اٹھی بزم سخن میں
دلگیر بہت قافلہٴ ہم سخناں ہے
اب کون جگائے تری آواز کا جادو
افسردہ بہت محفلِ آشفتہ سراں ہے
گا گیت کوئی طوطیٔ بستانِ وطن! گا
چپ رہنا سدا کیا کوئی دستورِ جناں ہے
تو روٹھنے والا تو نہ تھا پھر یہ ہوا کیا
میں ڈھونڈ رہاں ہوں تجھے ثاقبؔ تو کہاں ہے

(عبدالمنان ناہید)

بیادثاقب۔۔۔۔۔قریشی خلیل احمد خلیل (کراچی)

وہ جو دل میں اُٹھتے تھے ولولے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ جنونِ شعر کے غلغلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
تیرے بعد ثاقب فکر و فن وہ شہاب شعر کی انجمن

تھے جو شعر گوئی کے سلسلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ جو کاروانِ خلوص تھا وہ جو چاہتوں کا جلوس تھا
وہ جو زندگی کے تھے قافلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
کبھی چاند کاندھوں پر ڈالنا کبھی شمس سر پر سنبھالنا
وہ تصورات وہ حوصلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ جوخواہشوں کے چراغ تھے وہ جوآرزوؤں کے داغ تھے
وہ جو روشنی کے تھے سلسلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
جو صداقتوں کا سراج تھا جو محبتوں کا مزاج تھا
وہ تھے جراتوں کے جو طنطنے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ جو گلستان کا جمال تھا جو بہار فن کا کمال تھا
وہ جو شاعری کے تھے گل کھلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ تیرے کلام کی عظمتیں وہ تیرے سخن کی نزاکتیں
ترے ساتھ دل جو دھڑکتے تھے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ جو دوستوں کے تھے جمگھٹے وہ جو دشمنوں کے تھے قافلے
وہ جو درمیان تھے کچھ دیئے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے
وہ جو تتلیوں کی قطار تھی تیرے شعر تھے کہ بہار تھی
وہ حسین غزلوں کے قافلے سبھی بجھ گئے سبھی مر گئے

(''لاہور'' 18جنوری 2003ءصفحہ32)



بابِ سوئم

روزنامچہ

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔۔۔۔''اللہ تعالیٰ ابتلاء میں ڈال کر اپنے مخلص بندوں کا امتحان لیا کرتا ہے۔اُن کی آزمائش کے لئے''خوف'' کے سامان پیدا کرتا ہے۔''بھوک اور پیاس'' کے حالات پیدا کرتا ہے۔''اموال''لوٹے جاتے ہیں ۔''جانی''''قربانی'' دینی پڑتی ہے''تدبیر اور کوشش'' کے ثمرات سے محروم کیا جاتا ہے۔''

پستے ہیں بالآخر وہ اِک دن اپنے ہی ستم کی چکّی میں

انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا ہامانوں کا

1974ء میں پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے اقتدار کو طُول دینے کی غرض سے (اوراحمدیوں کو''تحریک پاکستان''میں مسل لیگ کی عملی تائید کرنے کی سزا دینے کے لئے اپنی قومی اسمبلی سے (جس کی اکثریت شرابیوں ،زانیوں اور فریب کاروں پر مشتمل تھی) پاکستان میں جماعت احمدیہ کو''ناٹ مسلم'' قرار دلوایا تھا۔جس کے بعد موصوف چند دن''محافظ ختم نبوت'' بنے رہے مگر رب عزوجل کو اُن کی لکھو کہا کلمہ گوؤں اور عاشقانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرار دینے کی یہ ادا پسند نہ آئی اور وہ 1979ء میں تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے۔''ناٹ مسلم'' قرار دینے سے قبل انہوں نے''ربوہ'' ریلوے اسٹیشن پر (حکومتی انجنیئرڈ) حادثہ کی آڑ لے کر (جس کے لئے وزیراعظم نے طلبہ کی ایک ٹیم ملتان سے منگوائی تھی) ملک بھر میں (خصوصاً پنجاب میں) مساجد کو (مساجد ضرار قرار دے کر) ڈھانے ،جلانے اور اُن پر قبضہ کرنے ،احمدیوں کی قتل وغارت گری ،ماردھاڑ،لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرایا اور اپنے زرخرید مسلح افراد سے انہیں خوب خوب ہی لٹوایا مار

دھاڑ قتل و غارت گری اور ڈھانے جلا نے کی مختصر تفصیل تایخوار ،شہرواراور دیہہ وار ہفتہ وار ''لاہور''(لاہور) نے شائع کی ۔جس پر''لاہور'' کے ایڈیٹر(ثاقب زیروی)اور پرنٹر(م۔ش) کے خلاف ڈیفینس آف پاکستان رولز کے تحت دومقدمے رجسٹر کرائے گئے جن میں 25 سال قید کی سزا تھی۔''لاہور کے ایڈیٹر(ثاقب زیروی)نے مجھے بتایا اس پر ہم نے ہائی کورٹ میں ضمانت قبل از گرفتاری کے لئے رٹ دائر کی ۔جوڈویژن بینچ (مشتمل مسٹر جسٹس سید نسیم حسن شاہ اور مسٹر جسٹس ایم ۔ایس ۔ایچ قریشی)کے ہاں لگی ۔ایک پیشی پر مسٹر جسٹس سید نسیم حسن شاہ نے ایڈیٹر ''لاہور'' سے سوال کیا۔''ثاقب صاحب یہ جو آپ نے 16 قسطیں''روزنامچہ'' کی شائع کی ہیں یہ کہیں واقعات ہوئے بھی ہیں یا آپ نے محض شعر ہی کہہ دیئے ہیں؟ جواب دیا گیا۔مائی لارڈ! یہ سب کے سب FACTS ہیں اوران تمام واقعات کی''ایف آئی آرز کی نقول میرے پاس ہیں ۔اس پر مسٹر جسٹس سید نسیم حسن شاہ صاحب نے کہا کہ

AND YOU ARE DISCISSING THE FACTS IN THIS REGEIME.MR.ADVOCATE GENERAL HOW SIMPLE THE MAN HE IS.

اسی روزنامچے کو اب کتابی شکل دی جارہی ہے۔تا کہ سند رہے۔۔۔حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ۔ع

کیسے کیسے جانشین قائداعظم ہوئے

افضال ربانی (گجرات)

''لاہور'' کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے

روزنامچہ قسط نمبر 1

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

4 سے 30 مئی 1975ء تک کے روزنامچے کی قسط وار مکمل کے بعد تاریخ صبر وثبات کے ان اوراق زریں کو (اپنے تمام سوز و گداز سمیت محفوظ کرنے کے لئے) انشاءاللہ اِن عنوانات کے مکمل دل سوز و دل روز متن بھی پیش کیے جائیں گے خدائے عظیم و برتر سے عاجزانہ التجا ہے کہ ہم سب کو معاف کردے۔ دلوں اور روحوں کی تمام بدظنیاں، کبیدگیاں، کدورتیں اور رنجیدگیاں دھو دے۔ان حقیر قربانیوں کو قبول کرے۔ اپنے فضل سے ان زخموں کو مندمل فرمائے اور اپنے کرم خاص سے وطن عزیز بلکہ اقصائے دہر میں حقیقی اسلام سے محبت والٰہیت کی وہ رُوح آفرین ہوا چلا دے جس کا ہر جھونکا دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ واستحکام کا پیغامبر ہو۔آمین! سال 1975۔1974ء میں سید ولدِ آدم، وجہ تخلیق کائنات، سرور دو عالم، خاتم النبیین نبی کریم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی فرزند جلیل مسیح موعود مہدی معہودؑ کی جماعت جن صبر آزما مراحل سے گزری۔اس نے جس صبر، ہمت اور استقامت کے ساتھ اپنے ہموطنوں کے ہاتھوں مظالم ومصائب برداشت کئے اور شمع دین محمد کی لو تیز کرنے کے لیے جس بشاشت سے اپنی جانوں ،عزتوں ،اولادوں ،مالوں اور جائیدادوں کی قربانیاں پیش کیں۔ یہ روزنامچہ ان قربانیوں اور جان سپاریوں کی تفاصیل پر نہیں محض عنوانات پر مشتمل ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ جماعت احمدیہ کے خلاف چلائی یا چلوائی گئی تحریک کے پہلے سات دنوں کی کارکردگی کا ایسا اچٹتا سا خاکہ ہے جسے پورے وثوق کے ساتھ ہر لحاظ سے مکمل بھی قرار نہیں دیا جاسکتا اللہ تعالیٰ نے مہلت دی اور حالات سازگار رہے تو۔ 30 مئی

1974 (ایڈیٹر)

30 مئی 1974ء

چنیوٹ ۔۔۔۔احمدیوں کی 22 دُکانیں اور 5 مکان لوٹ لیے گئے ۔توڑ پھوڑ اور لوٹ کھسوٹ کے بعد عمارتوں اور بچے کھچے سامان کو آگ لگا دی گئی ۔اُمور عامہ ربوہ کے ایک کارکن رشید احمد کو (جسے پولیس گرفتار کر کے چنیوٹ لے جارہی تھی) پرانا اڈہ لاریاں کے چوک میں ہجوم نے (اُس پر) حملہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔مقامی انتظامیہ نے کسی قسم کا تحفظ دینے کی بجائے دو جیپوں اور ایک ٹرک میں لاد کر 11 احمدی مردوں 24 عورتوں اور 16 بچوں کو ربوہ پہنچا دیا۔دو مسجدوں پر غیر از جماعت لوگوں نے قبضہ کر لیا اور لائبریری کو آگ لگا کر تمام کتب جلا کر راکھ کر دیں ۔چک جھمرہ ۔۔۔احمدیوں کے چھ مکانون کو لُوٹ کر آگ لگا دی۔دو دوکانیں لُوٹ لی گئیں بچے کھچے سامان کو جلا کر خاکستر بنا دیا گیا۔ایک احمدی کے لکڑیوں کے ٹال کو (جس میں تقریباً ایک ہزار من لکڑی تھی) آگ لگا دی گئی۔

لائلپور۔۔۔مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی پندرہ دکانوں کو لُوٹ کر آگ لگا دی۔دو احمدیوں کے مکانوں اور ایک احمدی (چوہدری فتح محمد) کی فیکٹری (واقع سمندری روڈ) کو لوٹ لیا۔گوجرہ ۔۔۔احمدیوں کی بیس دوکانیں لُوٹ لی گئیں ۔مسجد سے ملحقہ سات دوکانوں کو مکمل طور پر جلا دیا گیا ۔مسجد احمدیہ،سٹور مسجد، گودام، لائبریری اور مربی سلسلہ کے مکان کو تباہ و برباد کر دیا۔مسجد کی چار دیواری اور مینار شہید کر دیئے گئے اور اندرونی حصے کو آگ لگا کر گھڑیال،بجلی کے پنکھے، میٹر اور صفیں سب کچھ جلا دیا گیا۔قرآن مجید کے نسخوں کو ٹھڈے مار مار کے آگ کے ڈھیر میں پھینکا گیا ۔اور پولیس نے تین احمدیوں کو ہی گرفتار کیا۔مانانوالہ (ضلع لائلپور)۔۔۔ہجوم نے حملہ کر کے ایک احمدی کے مکان کا بیرونی دروازہ توڑ دیا۔اور ایک کی دوکان کا سارا سامان تباہ و برباد کر دیا اور تیسرے احمدی کو زخمی کر کے اُس کے گھر کا سارا سامان لُوٹ لیا۔جو بچ رہا اُسے جلا دیا۔شورکوٹ

۔۔۔دواحمدیوں کو مار مار کرلہولہان کر دیا۔مسجد احمدیہ کے مینار شہید کر کے مسجد پر قبضہ کرلیااور قرآن مجید کے تمام نسخے جلا دیئے گئے ۔دو احمدیوں کی دکانوں کو لُوٹ کر جلا دیا گیا ۔خانیوال ۔۔۔احمدیوں کی چھ دکانیں لُوٹ لیں دوکان کا سارا سامان جلا دیا گیا۔مسجد کو تباہ کر دیا۔اوراس کا سارا فرنیچر جلا دیا۔لائبریری کو آگ لگا دی گئی ۔مربی سلسلہ کے مکان پرحملہ کر کے اُن کی بیوی کو زخمی کر دیا۔ملتان ۔۔۔''مبشر میڈیکل سٹور'' پر پتھراؤ کر کے توڑ پھوڑ کی گئی ۔ایک کینٹین لُوٹ لی اور کراکری اور دیگر سامان تہس نہس کر دیا ۔بہاولپور۔۔۔ایک احمدی (چوہدری بشیر احمد) کے پٹرول پمپ کوآگ لگانے کی کوشش کی گئی ۔شیشے اور دیگر سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔صادق آباد (ضلع رحیم یارخان)۔۔۔ایک احمدی کی دکان ملتان ٹینٹ سروس پرحملہ کر کے اسے تہس نہس کیا گیا۔

چک نمبر 269 مکووالہ (ضلع ساہیوال)۔۔۔ایک احمدی کا مکان لُوٹ لیا گیا۔غنڈے اُس کی تین بھینسیں بھی کھول کرلے گئے۔فصل مونگی (دو ایکڑ) کے رقبہ کوآگ لگا کرتباہ کر دیا گیا۔

لاہور۔۔۔ایک احمدی طالب علم (مشہود احمد) کو نیو کیمپس میں بری طرح پیٹا گیا ۔تمام کالجوں کے ہوسٹلوں میں احمدی طلبہ کا تمام سامان اور کتب جال دی گئیں ۔انجینئرنگ یونیورسٹی کے تمام احمدی طلبہ کا تمام سامان نذرآتش کر دیا گیا۔(ہیڈ آف دی ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ) کے بنگلہ پراُن کے گھر کا سامان اور کار کوآگ لگا دی ۔ایک اوراحمدی استاد کے گھر کا تمام سامان جلا دیا گیا۔ڈِنگہ (ضلع گجرات)۔۔۔تین احمدیوں پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا گیا۔راولپنڈی ۔۔۔مری روڈ پر مسجد احمدیہ نور پر پتھراؤ کر کے مسجد کے شیشے اور نچلی منزل کے پنکھے توڑ دیئے ۔لائبریری کتب اور فرنیچر کو نذرآتش کر دیا گیا۔قرآن مجید کے متعدد نسخے جلا دیئے اور تین سائیکلیں بھی نذر آتش کر دی گئیں ۔اسلام آباد۔۔۔یونیورسٹی کے تمام احمدی طلبہ کے کمروں کے تالے توڑ کراُن کا سامان جلا دیا گیا۔کوہاٹ۔۔۔۔ایک احمدی (رفیق احمد صاحب) کا گھیراؤ کر کے انہیں شدید طور پر زخمی کر دیا گیا۔ڈیرہ اسماعیل خان۔۔۔ایک احمدی (صوفی غلام محمد) کے مکان پرحملہ کر کے تمام

سامان توڑ پھوڑ دیا۔کھڑکیاں اور دروازے توڑ ڈالے۔پولیس نے صوفی صاحب اوران کے بیٹے کوگرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔

سرگودھا۔۔۔دواحمدیوں کی دکانوں اور مکانوں کوسخت نقصان پہنچایا گیا۔ادویات اورفرنیچر کو تباہ وبرباد کیا گیا۔مکانوں کوآگ بھی لگائی گئی۔قریشی محمودالحسن احمدی کے مکان اور منوراحمد کے کارخانے پرشدید پتھراؤ کیا گیا۔پولیس نے پانچ احمدیوں کوگرفتار کرلیا۔

31 مئی 1974ء

چنیوٹ۔۔۔ایک احمدی احسانِ الٰہی جنجوعہ کے مکان پرشدید پتھراؤ کیا گیا سامان کی توڑ پھوڑ کے بعد سامان کوآگ لگادی گئی۔جنجوعہ صاحب کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی اوراُن کے بیوی بچوں کوزبردستی ٹرک میں ٹھونس کرربوہ روانہ کردیا گیا۔

شورکوٹ۔۔۔احمدیوں کی دس دوکانوں کولُوٹ کرآگ لگادی گئی۔چار مکانوں پرحملہ کر کے اُنہیں شدید نقصان پہنچایا گیا۔مکانوں سے قیمتی سامان لوٹنے کے بعد آگ لگادی گئی۔چار احمدیوں کوشدید زخمی کیا گیا۔لائل پور۔۔۔مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی دکانوں،مکانوں کی لُوٹ کھسوٹ،گھیراؤ،جلاداور احمدیوں کی مارپیٹ کا بازارگرم کیے رکھا۔اسی وحشت وبربریت کے دوران میں احمدیوں کی 26 دوکانوں 57 مکانوں کولُوٹ کرجلادیا گیا۔اور پولیس نے دواحمدیوں کو گرفتار کرلیا۔زرعی یونیورسٹی کے ملک مقبول احمد کے کمرے کا تمام سامان اور پی ایچ ڈی کی کتب نذرآتش کردی۔ایک احمدی ڈاکٹر نثاراحمد کی دوکان پرمٹی کا تیل ڈال کرآگ لگادی گئی۔اسی طرح ایک اوراحمدی فضل دین نامی کے مکان کولُوٹ کرآگ لگادی۔سول لائنز کی کوٹھی نمبر 25 کوبھی آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ماموں کانجن(ضلع لائل پور)۔۔۔احمدیوں کے مکانوں پرشدید پتھراؤ کر کے توڑ پھوڑ کی گئی۔نواں لاہور(ضلع لائل پور)۔۔۔ایک احمدی چوہدری نذیراحمد کے مکان پرزبردستی قبضہ کرلیااور مکان کی عقبی دیوارتوڑ کرساراسامان لُوٹ لیا۔مانانوال(ضلع لائل

پور)۔۔۔مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے اُسے شدید نقصان پہنچایا گیا۔لائبریری کی تمام کتب اور فرنیچر جلا کر رکھ کر دیئے گئے۔ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کر کے چار افراد کو زخمی کر دیا۔گھر کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ دیں۔کمالیہ۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر تیل چھڑک کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔سرگودھا۔۔۔جامع مسجد احمدیہ ''نیوسول لائنز'' میں مقیم ایک احمدی (انسپکٹر بیت المال) کا تمام سامان نذر آتش کر دیا۔بھیرہ۔۔۔احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں پر کھلے بندوں حملے کیے گئے۔ 7 دوکانوں اور 3 مکانوں کو لُوٹ کر آگ لگا دی گئی۔مسجد احمدیہ کی کھڑکیاں اور دروازے توڑ دیئے گئے۔قرآن مجید، کتب احادیث اور تفاسیر کو پھاڑ کر جلا دیا گیا۔ایک احمدی کے مکان پر تھراؤ کیا گیا۔خانیوال۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کر کے تباہ کیا گیا۔

دنیاپور۔۔۔ایک احمدی کی دو بسوں پتھراؤ کر کے انہیں شدید نقصان پہنچایا گیا۔ملتان ۔۔۔نشتر میڈیکل کالج کے احمدی پروفیسر عطاء اللہ صاحب پر حملہ کر کے شدید زخمی کیا گیا ۔ساہیوال۔۔۔شدید پتھراؤ کر کے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کے کلینک کو تباہ و برباد کیا گیا۔عارف والا۔۔۔ایک احمدی ڈاکٹر کے کلینک کو جلا دیا گیا۔کلینک میں رکھے ہوئے لٹریچر کے علاوہ قرآن مجید کے ایک نسخے کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ایک احمدی سے توبہ کرانے کے لئے اسے مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا۔حویلی لکھا (ضلع ساہیوال)۔۔۔ایک احمدی ڈاکٹر محمد نواز صاحب کا میڈیکل سٹور لُوٹ لیا گیا۔دکان اور تمام قیمتی فرنیچر توڑ پھوڑ کر تباہ کر دیا گیا۔ٹاون کمیٹی کے ایک احمدی سینٹری انسپکٹر کو دفتر سے نکال کر زدوکوب کیا گیا پھر اُس کے کپڑے پھاڑ کر برہنہ کر کے اتنا پیٹا گیا کہ شدید ضربات کے باعث بے ہوش ہو گیا۔بہاول نگر۔۔۔احمدیوں کی تین دکانیں لُوٹ لی گئیں اور بچے کھچے سامان اور فرنیچر کو آگ لگا دی۔رات کے وقت ایک احمدی ایڈووکیٹ (رانا محمد خاں صاحب) کے مکان پر بارودی گولہ پھینکا گیا۔جس سے شدید دھماکہ ہوا۔خان پور۔۔۔ایک احمدی کے ہوٹل کو تباہ و برباد کیا گیا۔اور کچھ احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں کو جو بند تھے (اُن کے) تالے

توڑ کر لُوٹا گیا۔ چک نمبر 132 این پی (ضلع رحیم یار خان)۔۔۔صادق آباد کے کچھ لوگوں نے بصورتِ جلوس آ کر احمدیوں کے مکانوں پر حملہ کیا۔ رحیم یار خان۔۔۔احمدیوں کی سات دکانوں کو مکمل طور پر لُوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ ایک احمدی (رشید احمد) ٹمبر مرچنٹ کے لکڑ منڈی کے گودام کو آگ لگا دی۔ قیمتی لکڑی لوٹ لی گئی۔ سانگرہ (ضلع لاہور)۔۔۔کھڈیاں کے ایک احمدی کو سخت زدہ کوب کیا گیا۔ لاہور۔۔۔ہوسٹلوں سے آجانے والے طلباء کا سامان جلا دیا گیا۔ سانگلہ ہل ۔۔۔غیر احمدی علماء کے اس پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر کہا احمدیوں نے اپنی مسجد میں بہت اسلحہ جمع کر رکھا ہے۔ پولیس نے مسجد کی تین دفعہ تلاشی لی۔ اور احمدیوں کو پریشان کیا۔ مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ کوٹ عبدالمالک (ضلع شیخوپورہ)۔۔۔رات کے تین بجے ایک احمدی ڈاکٹر کی دکان کو لُوٹ کر آگ لگا دی۔ ایک اور احمدی کی دکان دن دہاڑے لُوٹ کر جلا دی گئی۔ سید یوسف شاہ (ایک اور احمدی) کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ مڑبلوچاں ۔۔۔ایک احمدی ڈاکٹر (غلام حسین) کی دکان کے تالے توڑ کر ادویہ لوٹ لی گئیں۔ بقیہ سامان کو آگ لگا دی گئی۔ دکان میں موجود لٹریچر بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ دو اور احمدیوں (منظور احمد اور حکیم محمد ابراہیم) کی دکانوں کا سامان لُوٹ کر اُن کو آگ لگا دی۔ سکھیکی ۔۔۔مشتعل جلوس نے جمیل میڈیکل سٹور پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ سٹور میں ادویہ، صابن، منیاری کا سامان اور سگریٹ وغیرہ لُوٹ لیے۔ بقیہ سامان کو آگ لگا ی جس میں قرآن کریم کے کئی نسخے، کتب تفاسیر اور دیگر کئی کتب جل کر راکھ ہو گئیں ۔قریشی محمد حنیف کی دکان اور مکان لُوٹنے کے بعد جلا دیئے گئے۔ قریشی محمد عبداللہ کے مکان پر حملہ کیا۔ اور تمام سامان کو آگ لگا دی۔ اس طرح قریشی ظفراللہ نامی احمدی کی دکان اور مکان بھی لُوٹ کر جلا دیئے گئے۔ حافظ آباد۔۔۔ایک احمدی سرفراز سعود احمد کے مکان پر حملہ کر کے اُس کا تمام سامان اور فرنیچر جلا کر راکھ کر دیا۔ مریدکے (ضلع شیخوپورہ)۔۔۔مبارک میڈیکل سٹور پر حملہ کر کے پہلے شدید نقصان پہنچایا۔ پھر آگ لگا دی۔ رات کو مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے توڑ پھوڑ کی گئی

۔گوجرانوالہ۔۔۔احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں پر عام حملے کر کے قتل و غارت،لوٹ مار اور گھیراؤ،جلاؤ کا بازار گرم کیا گیا۔تیرہ مکان اور چھ دکانیں لُوٹ کر آگ لگا دی گئی۔باغبانپورہ کے تمام احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔مسجد احمدیہ پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔باہر کا دروازہ توڑ دیا گیا۔اور مسجد کی حفاظت کے لیے جو بارہ خدام متعین تھے۔پولیس نے اُنہیں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ایک احمدی حاجی شریف احمد کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا احمدیہ لائبریری کو تہس نہس کر کے اس میں موجود قرآن کریم کے تمام نسخے اور کتب جلا دی گئیں۔ایک موٹر کار،دوسکوٹر اور ٹریکٹر جلا دیئے گئے۔ایک احمدی کا اینٹوں کا بھٹہ لوٹ لیا گیا۔سیالکوٹ۔۔۔حاجی پورہ کی مسجد کا سامان نکال کر آگ لگا دی گئی۔سینیٹر ظہور الحق پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔اور دفتر کو آگ لگا دی گئی۔دھدوبسر۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔اور مکان کی بالائی منزل کو جلا کر راکھ کر دیا۔منڈی بہاؤالدین۔۔۔نماز جمعہ کے بعد مسجد احمدیہ کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی ۔احمدیوں کی چار دکانیں لوٹ لیں۔شوگر ملز کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔مسجد احمدیہ سے ملحقہ مکان پر مرزا اقبال منور بیگ پر حملہ کیا گیا۔تمام لٹریچر،صفیں،دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ توڑ دی گئیں اور سامان لُوٹ لیا گیا۔راولپنڈی۔۔۔موہن پورہ میں ایک احمدی کے مکان کو آگ لگا دی گئی۔اسلام آباد۔۔۔طلباء کا ایک جلوس مسجد پر حملہ آور ہوا۔مسجد کا سارا سامان،سیمنٹ اور بجری ملانے والی مشین اور شٹرنگ کا سامان توڑ پھوڑ کر آگ لگا دی۔اور خادم مسجد کا گھر لوٹ لیا۔کوہ مری ۔۔۔احمدیہ مشن ہاؤس پر حملہ کر کے شیشے اور دیگر سامان توڑا پھوڑا گیا۔کچھ سامان،لائبریری کی کتب اور قرآن کریم کے 23 نسخے باہر سڑک پر رکھ کر جلا دیئے اور اُس کے بعد مشن ہاؤس کی عمارت کو مکمل طور پر نذر آتش کر دیا۔مسجد احمدیہ پر حملہ کیا گیا۔دروازے اور کھڑکیاں توڑ کر جلا دی گئیں ۔چھت کو توڑا گیا۔’’سنی بنک‘‘میں ایک احمدی ناصر احمد کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا ۔کیمبلپور۔۔۔سارا دن جلسوں اور جلوس کے ذریعہ اشتعال پھیلایا جاتا رہا۔پولیس نے احمدیوں

سے کہا کہ وہ اپنے گھروں ہی میں بند رہیں ۔پشاور۔۔۔مسجد احمدیہ سول کوارٹرز پر حملہ کیا گیا ۔لائبریری کا دروازہ توڑ کر دروازے اور فرنیچر کو آگ لگادی۔الماریاں توڑ دی گئیں۔اور کتب جلا دی گئیں۔لائبریری کے ساتھ ایک احمدی کے راشن ڈپو کا دروازہ توڑ کر سارا سامان باہر نکال کر جلا دیا گیا۔مسجد احمدیہ کا ایک حصہ بھی جلا دیا گیا۔شام کے وقت ایک حملہ میں احمدیوں کو قتل اور اُن کے سامان کی لُوٹ کو کارِ ثواب قرار دے کر بھڑکایا گیا۔مظفر آباد (آزاد کشمیر)۔۔۔مساجد میں اشتعال انگیز تقریریں کر کے عوام کو احمدیوں کو لُوٹنے مارنے پر اُکسایا گیا۔

یکم جون 1974ء

لائل پور۔۔۔دن بھر شہر میں جلوس چکر لگاتے رہے۔احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں میں آج بھی آگ سلگتی رہی۔رات کے وقت ایک احمدی کے مکان کو آگ لگادی گئی۔صورت حالات سے عاجز آ کر احمدیوں کو نہایت بے بسی کے عالم میں دوسری جگہوں پر منتقل ہونا پڑا۔دوپہر کے وقت جھال خانوآنہ میں ایک احمدی کے کھوکھے کو جلانے کی کوشش کی گئی۔چک نمبر 342 گ ب (ضلع لائل پور)۔۔۔دو دفعہ جلوس نکالا گیا۔ایک احمدی کے مکان پر پتھراؤ کر کے اُس کے دروازے کھڑکیاں اور روشندان توڑ دیئے گئے۔جڑانوالہ۔۔۔5 / 6ہزار افراد کا مستقل جلوس احمدیوں کے گھروں کا طواف کرتا،غلیظ گالیاں دیں ،اشتعال انگیز نعرے لگانا اور پتھراؤ کرتا رہا۔شاہ نکڈر (ضلع سرگودہا)۔۔۔ایک احمدی کی دکان،چھپر اور ایک کمرے کا تمام سامان جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

قائد آباد (ضلع سرگودہا)۔۔۔شہر میں ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔جس نے احمدیوں کی چھ دکانوں کو پوری طرح لُوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیا۔3 مکانوں کو لوٹ کر آگ لگادی گئی ۔تین احمدیوں کو مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا۔احمدیہ لائبریری جس میں قرآن مجید،تفاسیر اور سلسلہ کا دوسرا لٹریچر تھا۔سب کو جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔سانگلہ ہل۔۔۔مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی گیارہ

دکانیں لوٹ کر جلا دیں ۔ایک قالین فیکٹری جلا دی گئی ۔ایک احمدی کی دکان کا تالہ توڑ کر تمام سامان لُوٹ لیا گیا۔خانقاہ ڈوگراں ۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی کے گھر پر شدید پتھراؤ کیا ۔سانگرہ (ضلع لاہور) ۔۔۔مسجد احمدیہ پر حملہ کیا گیا۔دروازے کھڑکیاں اور بجلی کے پنکھے توڑ دیئے گئے ۔کچھ سامان جلا دیا گیا ۔ایک احمدی کی دکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی ۔چوہڑ کانہ۔۔۔ایک ہجوم نے احمدیوں کی چھ دکانوں کو پوری طرح لُوٹ کر آگ لگا دی۔چھ مکان بھی جلا دیئے گئے ۔وار برٹن (ضلع شیخوپورہ) ۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر حملہ کر کے تمام سامان لُوٹ لیا گیا۔لاہور۔۔۔کرشن نگر میں تین احمدیوں کے مکان جلا دیئے گئے ۔ابراہیم حئ سنز کی دکان جلا دی گئی ۔موہنی روڈ پر ایک احمدی ظہیر الدین کا مکان لُوٹ لیا اور باقی سامان کو آگ لگا دی گئی۔حافظ آباد۔۔۔ایک بڑے جلوس نے احمدیوں کی 11 دکانوں اور 9 مکانوں کو لُوٹ کر جلا دیا۔چھ دکانوں کا تمام سامان لُوٹ لیا گیا۔باقی پانچ کی عمارتیں بھی جلا دیں۔مکانات بھی بری طرح لُوٹے گئے ۔چار کی عمارتیں بھی جزوی طور پر جلا دی گئیں ۔احمدیوں کے چار کارخانے تباہ کر دیئے ۔جنس لوٹی اور جلائی گئی۔عمارت اور مشینری تہس نہس کر دی گئی ۔کپڑا بننے کے دو کارخانے بھی لُوٹ کر جلا دیئے گئے ۔مسجد احمدیہ کو توڑ پھوڑ کر شدید نقصان پہنچایا۔اور ایک احمدی شوکت حیات صاحب کو شہید کر دیا گیا۔گوجرانوالہ۔۔۔سول لائنز اور سیٹلائٹ ٹاؤن کے سواہر احمدی کا مکان اور دکان جلا دی گئی ۔مشتعل ہجوم نے ”دہلی کلاتھ ہاؤس“ والے محمد افضل صاحب اور ان کے لڑکے محمد اشرف کو شہید کر دیا۔دوپہر کے وقت سعید احمد خاں صاحب کو بھی شہید کیا گیا۔متذکرہ تین شہداء کے علاوہ سعید احمد خاں صاحب کے خسر منظور احمد خاں ان کے برادرِ نسبتی محمود احمد خاں صاحب، سجاد پرویز صاحب اور ان کے والد احمد علی صاحب کو بھی بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔خدا رحمت کند عاشقان پاک طنیت را۔دکانوں اور مکانوں کا جو سامان لوٹا نہ جا سکا اُسے نذر آتش کر دیا گیا۔اور عمارتوں کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ایک احمدی محمد شریف کا ٹریکٹر معہ ٹرالی جلا دی گئی ۔اُن کا دفتر

، گیراج اور باغ بھی جلا دیئے۔ پانچ لاکھ کے قریب پختہ اینٹ لُوٹ لی گئی۔

مرید کے ۔۔۔ مشتعل ہجوم نے آج پھر مسجد احمدیہ پر حملہ کیا۔ ایس پی صاحب نے مسجد کو تالا لگوا دیا۔ مسجد کے قریب ایک احمدی کی بوٹوں کی دکان لُوٹ لی۔ ایک احمدی کے مکان پر حملہ کر کے سارا سامان تباہ و برباد کر دیا۔ رشید احمد صاحب کا ٹرک توڑ پھوڑ دیا۔ اور ان کی صابن کی دکان لُوٹ لی۔ شیخ جمیل احمد صاحب کی زیر تعمیر کوٹھی کو آگ لگا دی۔ اور شر پسند سارا سیمنٹ سریا اور بجری وغیرہ لُوٹ کر لے گئے۔ ایک احمدی کی دکان کا سارا سامان باہر نکال کر جلا دیا۔ اسی طرح ایک اور احمدی عمر حیات صاحب کے مکان کا سارا سامان لُوٹ لیا۔ کامونکی ۔۔۔ ایک احمدی کا زیر تعمیر مکان جلا دیا گیا۔ زیورات اور دیگر گھریلو سامان لُوٹ لیے۔ دکان کا فرنیچر، شوکیس، سامان بجلی اور سیف توڑ پھوڑ دیا اور دکان پر قبضہ کر لیا۔ احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا اور انہیں قتل کر دینے کی علی الاعلان دھمکیاں دی گئیں۔ گکھڑ منڈی ۔۔۔ احمدیوں کے گھروں کا محاصرہ کر کے شدید پتھراؤ کیا گیا۔ مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے اُسے آگ لگا دی گئی ۔ اور جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔ تین احمدیوں کی دکانیں مکمل طور پر لُوٹنے کے بعد جلا دی گئیں۔

وزیر آباد ۔۔۔ ایک بہت بڑے ہجوم نے میاں غلام احمد صاحب کی رائس فیکٹری میں موجود قریباً 8 لاکھ روپے کا سارا چاول لُوٹ لیا۔ باردانہ وغیرہ اور گودام نذر آتش کر دیئے۔ فیکٹری کی مشینری اور عمارت تباہ و برباد کر دی گئی۔ اُن کی تیل کی ایجنسی کو آگ لگا دی۔ اُن کے ٹھنڈے مشروبات کی فیکٹری کو لُوٹا گیا۔ خالی بوتلیں اور دیگر سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔ فارم کٹلری ورکس کو لُوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ عینکوں بیسمنٹ لوہے، سبزی بیکری اور مٹھائی کی پانچ دکانوں کو لُوٹ کر اُن کی عمارتوں کو تباہ کیا گیا۔ تین احمدیوں کے مکانون اور سامان لُوٹ کر آگ لگا دی گئی ۔ ڈسکہ ۔۔۔ جلوس نے جامع مسجد احمدیہ پر پتھراؤ کر کے مسجد کے دروازوں، کھڑکیوں اور دیگر سازوسامان کو شدید نقصان پہنچایا۔ دو احمدیوں کے مکانوں پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔ ایک احمدی کی

دکان اور مکان پر حملہ کر کے سارا سامان لُوٹ لیا۔ پتھراؤ سے اُن کی بیوہ، والدہ اور بچے زخمی ہو گئے ۔مرزا نصیر احمد صاحب کے کارخانے پر پتھراؤ کر کے کارخانے کا سارا سامان لُوٹ لیا۔تین احمدی دکانداروں کی دکانوں کولُوٹ کر باقی سامان کوآگ لگادی۔

سیالکوٹ ۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر کھلے بندوں حملے کر کے دن لُوٹ مار،توڑ پھوڑ اور آتش زدگی کا بازار گرم رکھا گیا۔دس دکانوں کو بری طرح لُوٹا گیا۔ پانچ کولُوٹنے کے بعد آگ لگادی گئی ۔پسرور۔۔۔شہر میں ایک جلوس نکالا گیا ہجوم نے سب سے پہلے چودھری محمد اکرم کے مکان کا تالا توڑ کر تمام قیمتی سامان لُوٹا اور باقی سامان کوآگ لگادی گئی ۔میر مبشر احمد کے مکان کوشدید پتھراؤ سے تباہ کیا۔دروازے اور کھڑکیوں کے بعد چھت بھی پھاڑ دی ۔ایک احمدی کی کوٹھی پر حملہ کر کے دروازے اور کھڑکیاں برباد کر دیں ۔مسجد احمدیہ،رائس مل پر شدید پتھراؤ کر کے جی بھر کر نقصان پہنچایا گیا۔گلوٹیاں کلاں ۔۔۔ایک احمدی کے گھر پر پتھراؤ کیا گیااور دروازے توڑ کر سامان لُوٹ لیا۔

بوریوالہ۔۔۔ایک مشتعل ہجوم نے شہر کے گلی کوچوں میں چکر لگا کر اشتعال پھیلایا۔ہارون آباد۔۔۔ایک احمدی کی دکان لُوٹ کر جلادی گئی ۔چودھری صاحب کی دکان اور مکان لُوٹنے کے بعد جلادیئے ۔ایک احمدی ایڈووکیٹ محمد ریاض قمر صاحب کا مکان لُوٹنے کے بعد گھر کوآگ لگادی گئی ۔حویلی لکھا(ساہیوال)۔۔۔احمدیوں کا مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔اوکاڑہ۔۔۔مسجد احمدیہ پر حملہ کیا گیا۔مسجد کونقصان پہنچانے کے بعد احمدیہ لائبریری کا دروازہ توڑ کر لٹریچر اور فرنیچر جلا دیا گیا۔اُس کے بعد مکانوں اور دکانوں کی لُوٹ مار،توڑ پھوڑ اور آتشزنی شروع کی گئی ۔تین دکانیں لُوٹ لی گئیں ۔ڈی بلاک میں ایک مکان کے دروازے توڑ کر تمام گھریلو سامان لُوٹ لیا ۔لائبریری پر حملہ کے دوران تمام مذہبی کتب اور قرآن کریم کے نسخوں کوتباہ وبرباد کر دیا۔

عارف والا۔۔۔تقریباً تمام معروف احمدیوں کے مکان اور دکانیں جلا دی گئیں ۔ڈاکٹر خالد

ہاشمی کا کلینک اور مکان کا سامان راکھ کا ڈھیر بنا دیئے گئے۔ڈاکٹر صاحب کے مکان میں جماعت کی لائبریری بھی نذرِ آتش کر دی گئی۔ڈاکٹر خداداد صاحب کے کلینک کو جلا دیا گیا۔اور پھر حفاظت خود اختیاری کے الزام میں اُن کے لڑکے اور نواسے کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی۔جاوید ریڈیو سروس سے ریڈیو اور ٹی وی کا سارا سامان لُوٹ لیا گیا۔دو احمدیوں کے گھروں کا سارا سامان لُوٹنے کے بعد گھروں کو آگ لگا دی گئی۔مکان کی منڈیریں اور چاردیواری تک گرا دی گئی۔ایک احمدی کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔پھر ہسپتال میں بھی اُن پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔

قبولہ (ضلع ساہیوال)۔۔۔پہلے قبضہ میں ایک جلوس نکالا دوپہر کے بعد عارف والا سے شر پسندوں سے بھری تین بسیں پہنچ گئیں اور لُوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔108 احمدیوں کی دکانوں کو لُوٹ کر جلا دیا گیا۔3 احمدیوں کے مکان لوٹ کر جلا دیئے گئے۔مسجد احمدیہ اور ملحقہ مکان کو نذرِ آتش کر دیا۔دنیا پور۔۔۔لُوٹ کھسوٹ ،توڑ پھوڑ کا سلسلہ صبح کے آٹھ بجے سے شام تک جاری رہا اور احمدیوں کے مکان اور دکانیں اور دیگر املاک چُن چُن کر لُوٹی ،جلائی اور تباہ کی گئیں۔7 احمدیوں کی دکانوں پر پورا سامان لُوٹنے کے بعد اُنہیں آگ لگائی گئی۔چار احمدیوں کو مار مار کر شدید زخمی کیا گیا۔مظفر گڑھ۔۔۔شہر میں ایک جلوس اشتعال انگیزی پھیلاتا رہا۔رات کے وقت ایک احمدی کی دکان کو آگ لگا دی گئی۔لیہ۔۔۔جلوس نے احمدیوں کی دکانوں پر پتھراؤ کیا۔ایک دکان کو آگ لگا دی۔ڈیرہ غازی خاں۔۔۔جلوس نے مسجد احمدیہ، لائبریری اور احمدیوں کی املاک کو نقصان پہنچایا۔رحیم یار خاں۔۔۔صبح ہوتے ہی شہر میں احمدیوں کی دکانوں کو لُوٹنے اور انہیں جلانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔احمدیوں کی 10 دکانیں پوری طرح لُوٹ کر جلا دی گئیں نیز 6 مکان سارا سامان لُوٹ لینے کے بعد نذرِ آتش کر دیئے گئے۔صادق آباد۔۔ایک جلوس نے احمدیوں کے 5 مکانوں کو لُوٹنے کے بعد آگ لگا دی۔تین دکانیں بھی لُوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دی گئیں۔2 احمدی شدید زخمی ہوئے۔سکھر۔۔۔ہجوم نے احمدیوں کی تین دکانیں لُوٹ کر اُنہیں نذرِ آتش کر دیا۔

جہلم۔ہجوم نے احمدیوں کی گیارہ دکانوں کو لُوٹا اور پھر ان میں سے 5 کو آگ لگا دی ۔پنڈ دادن خان ۔۔ایک احمدی کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔ایک احمدی کی دکان کے تالے توڑ کر دکان کا سارا سامان باہر نکال کر نذرِ آتش کر دیا گیا۔میانوالی ۔۔۔ایک بپھرے ہوئے جلوس نے 2احمدیوں کی دکانیں لُوٹ لیں ۔لیاقت آباد پپلاں (ضلع میانوالی)۔۔ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔''کراچی سٹوڈیوز'' پر حملہ کر کے سارا سامان لُوٹ لیا۔اور جو بچ رہا اسے توڑ پھوڑ دیا۔اس قدر دہشت گردی اور شورہ پشتی کی گئی کہ احمدیوں کو مجبوراً نقل مکانی کرنا پڑی ۔مظفر آباد۔۔تمام مقامی احمدیوں کے مکانات پر حملے کئے جاتے رہے قرآن کریم کے درجنوں نسخے ،کتب احادیث ،تفاسیر جلا کر راکھ کر دی گئیں ۔چار احمدیوں کے مکانوں پر شدید پتھراؤ کر کے دروازوں کھڑکیوں، روشندانوں وغیرہ کو شدید نقصان پہنچایا گیا۔اس ہنگامے میں تین احمدی زخمی ہوئے ۔پشاور۔ایک جلوس نکلا جس نے احمدیوں کی املاک کو لُوٹنے اور جلانے کا بازار گرم کر دیا ۔آٹھ احمدیوں کے گھروں کا تمام قابل ذکر اثاثہ لُوٹنے کے بعد باقی سامان کو جلا دیا گیا۔خیبر میڈیکل کالج ،پشاور یونیورسٹی ،ایگریکلچرل کالج اور انجینئرنگ کالج کے سات احمدی طلبہ کا سارا سامان اور کتب جلا دی گئیں ۔چک نمبر 63ای۔بی (ضلع ساہیوال)۔عارف والا سے عزیز اللہ صاحب احمدی کے گھر بار کو جلانے اور لُوٹنے کے لئے عارف والا سے شر پسند 15بسوں 6ٹرکوں اور 5ٹرالیوں میں لے کر آئے۔ایک مجسٹریٹ ایک انسپکٹر پولیس، ایک سب انسپکٹر پولیس ،دو اے ایس آئی اور 12 سپاہی اور دو فوٹو گرافر بھی ان ہزاروں لیڈروں کے ہمراہ تھے۔گھر کو جلا کر راکھ کر دے گیا۔ٹیوب ویل کی موٹر اکھیڑ کر ساتھ لے گئے اور تمام پھل دار درخت کاٹ کر تباہ کر گئے۔

2جون1974ء

چک جھمرہ۔۔۔ایک بہت بڑے ہجوم نے تین احمدیوں کے مکانوں پر حملہ کر کے قیمتی سامان

لُوٹ لیا۔فرنیچر،الماریاں،دروازے اور کھڑکیاں توڑ ڈالیں اور باقی سامان جلا دیا۔احمد صاحب باجوہ کی دکان کو لُوٹ کر آگ لگا دی۔

سلانوالی۔تین احمدیوں کے گھروں پر شدید پتھراؤ کر کے انہیں سخت نقصان پہنچایا گیا۔

جھنگ شہر۔ایم۔بی احمد صاحب کے پٹرول پمپ کو آگ لگا دی گئی جس پر قابو پا لیا گیا۔مسجد احمدیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

شورکوٹ۔ایم۔بی احمد صاحب کے تیل کے ڈپو کو آگ لگا کر تیل کے 2 ڈرم جلا ڈالے۔

سرگودھا۔رات کو سول لائنز کی زیر تعمیر مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے مسجد کے سٹور میں قناتوں ،شامیانوں اور دیگر سامان کو نذر آتش کر دیا۔الیکٹرک پمپ اٹھا کر لے گئے۔خادم مسجد پر چاقوؤں سے حملہ کر کے اُسے شدید زخمی کر دیا۔ایک اور احمدی پر حملہ کر کے اس کی گھڑی چھین لی ۔اور اس کا بٹوہ بھی لے اڑے جس میں 341 روپے تھے 2 مکانوں کو شدید پتھراؤ کر کے نقصان پہنچایا اور پانچ دکانیں لُوٹ لیں۔

خوشاب۔۔دو احمدیوں کی دوکانوں کو آگ لگائی گئی۔ایک کو سرِ بازار پیٹا گیا۔

میانی۔شہر میں جلوس نکال کر جگہ جگہ اشتعال انگیز تقریریں کر کے تعصب کی آگ بھڑکائی گئی۔

ساہیوال شہر۔ایک احمدی کی دکان کو آگ لگا کر نقصان پہنچایا گیا۔جناب مستقیم صاحب ایڈووکیٹ کے چیمبر کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔حویلی لکھا (ضلع ساہیوال)۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی کو گھیر کر اس پر احمدیت چھوڑنے کے لئے تشدد کیا۔

فورٹ عباس۔احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں پر حملے ہوئے تین مکانوں سے تمام قیمتی سامان لُوٹ کر بقیہ سامان اور عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔تین دکانیں لُوٹ لی گئیں۔معلم وقفِ جدید کا سائیکل اور دوسرا سامان لُوٹا اور کچھ جلا دیا گیا۔بوریوالہ۔۔۔صبح کے وقت ایک جلوس نکالا گیا۔جس نے دوپہر سے قبل احمدیوں کی دکانوں مکانون اور دیگر املاک کو لُوٹنے کا بازار گرم کر دیا

۔دس مکان پوری طرح لُوٹ لیے اور جو سامان بچ گیا اُسے آگ لگا دی گئی ۔اس طرح سات دکانوں کو لُوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ تمام مکان اور دکانیں کھنڈرات بن گئیں ۔اس کے بعد لٹے پٹے بے بس احمدیوں کو کسی اور جگہ منتقل کرنے کی بجائے تھانے پہنچا دیا گیا۔اور دروازے اور روشندانوں سب کچھ جلا دیا گیا۔ ہینڈ پمپ اُکھاڑ لیا اور لائبریری میں موجود قرآن مجید کے نسخوں کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔ملتان ۔۔۔شہر میں ایک بڑے جلوس نے مسجد احمدیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی ۔مسجد کے قریب ڈرائی کلینگ کی ایک دکان کو نقصان پہنچایا گیا۔اور ایک احمدی پر چاقو سے حملہ کر کے اسے شدید زخمی کر دیا۔رحیم یار خان ۔۔۔شہر میں احمدیوں کی دو درجن کے قریب دکانیں لُوٹی اور جلائی گئیں ۔انتظامیہ کا اندازِ معاملہ کچھ ایسا تھا جیسے یہ سب کچھ بہت جلد ہونا چاہیے ۔تا کہ وہ افسران بالا کو رپورٹ دے سکیں کہ یہاں کچھ ہوا ہی نہیں ۔چوہڑ کانہ ۔۔۔لوگ احمدیوں کی لُوٹی اور جلائی ہوئی دکانوں کا دن بھر ملبہ اُٹھاتے رہے اور ان پر قبضہ جمانے کی کوششوں میں رہے۔لڈیاں ۔۔۔ایک جلوس نے ایک گاؤں سے سودا سلف لینے کے لیے آئے ہوئے احمدیوں کو گھیر کر بہت زدوکوب کیا۔قصور۔۔۔ایک جلوس نے مسجد احمدیہ پر پتھراؤ کر کے عمارت کو شدید نقصان پہنچایا۔راہ ہوالی ۔۔۔تمام احمدیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر انتہائی بے بسی کے عالم میں ایک کیمپ میں جمع کر دیا گیا۔حافظ آباد اور راہ والی کے مابین بسوں کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں ۔ہر بس کی پڑتال کی جاتی اور جو احمدی ملتا اُسے پیٹا جاتا ۔گوجرانوالہ ۔۔۔آج بھی لُوٹ مار، آتشزنی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔آج مزید دو احمدیوں عنایت اللہ صاحب اور غلام قادر صاحب کو گولی مار کر بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔احمدیوں کے مزید 8 مکانوں اور 6 دکانوں کو لُوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیا۔ہجوم کی طرف سے شدید پتھراؤ سے مار پیٹ سے 5 احمدی شدید زخمی ہوئے جن میں سے ایک عورت تھی ۔گلوٹیاں کلاں ۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی کی دکان اور مکان کا سارا سامان لُوٹ لیا۔ جو لُوٹ کر لے جایا نہ جا سکا۔اُسے ایک

جگہ اکٹھا کر کے آگ لگا دی گئی۔لالہ موسیٰ۔۔۔شہر میں اشتعال انگیز نعرے اُچھالتا ہوا ایک جلوس نکلا جس نے مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے اس پر بالجبر قبضہ کر لیا۔

گوجر خاں۔جماعت احمدیہ کے خلاف مقامی اور بیرون سے آئے ہوئے شورہ پشتوں نے جلوس نکالا اور پھر مار پیٹ ،لوٹ مار اور آتشزنی کا بازار گرم کر دیا۔احمدیوں کی چار دکانیں اور دو گودام مکمل طور پر لُوٹ کر نذر آتش کر دیئے گئے۔احمدیہ ہاؤس اور مسجد احمدیہ کی دومنزلہ عمارت پر حملہ کر کے اُس کے دروازے کھڑکیاں اور روشندان توڑ پھوڑ دیئے گئے۔قرآن مجید کی تفاسیر اور سلسلہ کی دیگر کتب پھاڑ کر نالیوں میں پھینک دی گئیں۔مسجد کی دریاں ،پنکھا اور مہمان خانے کے تمام کپڑے بستر ے لوٹ لیے گئے۔راولپنڈی۔۔۔خواجہ محمد عبداللہ صاحب احمدی کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔رات کے وقت مسجد احمدیہ پر حملہ کیا گیا۔راجہ بازار میں ایک بہت بڑے ہجوم نے ایک احمدی جمال الدین امینی کے مکان پر حملہ کیا۔اور جب انہوں نے خود حفاظت کے لئے ہجوم کو منتشر کرنے کی غرض سے ہوائی فائرنگ کی تو پولیس انہیں گرفتار کر کے لے گئی۔ٹیکسلا۔۔۔چودھری محمد شریف صاحب ایچ۔ایم۔سی کو ڈیوٹی کے دوران بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ان کے بازو اور سر پر شدید چوٹیں آئیں۔ایچ۔ایم۔سی کے ایک اور احمدی نوجوان کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔اس کے بعد ہجوم نے حملہ کر کے اس کے کوارٹر کا سارا سامان لُوٹ لیا۔اور بچے کھچے سامان کو نذر آتش کر دیا۔ایچ۔ایم۔سی کے تمام احمدی ملازمین کو اس قدر ہراساں کیا گیا کہ وہ پریشان حالی میں ٹیکسلا چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔حویلیاں۔۔۔احمدیوں کے خلاف ایک اشتعال انگیز جلوس نکالا گیا۔ایک احمدی غلام حسین کے مکان پر بارودی گولے پھینکے گئے۔کیمبلپور۔۔۔مربی سلسلہ عطاء الکریم کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔ایک اور گھرانے پر (یہ معلوم ہو جانے پر) کہ وہاں احمدی عورتیں جمع ہیں شدید پتھراؤ کر کے عمارت کو ازحد نقصان پہنچایا گیا۔گلگت۔۔۔شہر میں ایک جلوس نعرے لگاتا ہوا مسجد پر حملہ آور ہوا اور اس پر پتھراؤ کیا۔مسجد کا

دروازہ توڑ پھوڑ دیا۔احمدیہ لائبریری کا دروازہ توڑ کر تمام کتب پھاڑ دی گئیں۔اُنہیں پھاڑا اور پاؤں تلے روندا اور نالیوں میں پھینکا گیا۔شکار پور(سندھ)۔۔۔شہر میں ایک جلوس نکلا ایک احمدی عبدالرشید کے کارخانے پر حملہ کر کے دفتر اور ایک گودام پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔بموں کے دھماکے کر کے احمدیوں میں ہراس پھیلایا گیا۔مردان۔۔۔ایک احمدی پر رات کی تاریکی میں سول ہسپتال کے گیٹ کے قریب مخالفین نے حملہ کیا۔اور رائفلوں کے بٹ مار مار کر اُسے شدید زخمی کر دیا۔

3 جون 1974ء

جھنگ شہر۔نواب افتخار احمد کے مکان پر مخالفین کا ایک جلسہ ہوا اشتعال انگیز تقاریر کے بعد جلوس نکالا گیا۔جس نے احمدیوں کی 12 دکانوں کو مکمل طور پر لُوٹ لیا گیا۔چار بڑے گودام بھی لُوٹنے کے بعد نذر آتش کر دیئے گئے رات کے وقت ایک احمدی بابو عبدالمجید انبالوی کے مکان کو آگ لگا دی گئی۔لائل پور۔۔۔ایک مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی تین دکانیں پوری طرح لُوٹنے کے بعد جلا دیں۔ایک احمدی کے مکان کو آگ لگا دی۔قریشی محمود الحسن صاحب کی دکان کی تلاشی لی گئی۔ظفر بک ڈپو میں آگ لگانے والے غنڈوں کو گرفتار کرنے کی بجائے پولیس نے ایک احمدی پروفیسر محمد طفیل ناز کو گرفتار کر لیا۔جو بک ڈپو کی بالائی منزل پر رہائش پذیر تھا۔اوکاڑہ۔۔۔مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی دو دکانوں اور ایک پٹرول پمپ کی توڑ پھوڑ اور لُوٹ مار کی۔ساہیوال۔سات احمدیوں کے مکانوں کو آگ لگا کر جلانے کی کوشش کی گئی۔ملتان۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی کی دکان کو آگ لگا دی جس کا سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔نواب شاہ (سندھ)۔۔۔شہر میں مولویوں کی اشتعال انگیزی سے بھڑک کر ایک احمدی کی دکان کی توڑ پھوڑ کی۔

کوٹ عبدالمالک (شیخوپورہ)۔۔۔ایک احمدی کی دکان لُوٹ لی گئی اور بچا کھچا سامان جلا دیا گیا۔بچیکی (شیخوپورہ)۔ایک مشتعل ہجوم نے ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا پھر مکان

کے تالے توڑ کر سارا سامان لُوٹ لیا۔مرید کے۔۔۔ایک سائیکلو سٹائل چٹھی جس پر متعدد افراد کے دستخط تھے پھیلا کر اشتعال بر پا کیا۔ایک احمدی پر ترکِ عقائد کا دباؤ ڈالا گیا۔گوجرانوالہ۔۔دو احمدیوں کو شہید کر دیا گیا۔تین مکان لُوٹ کر جلا دیئے گئے۔تتلے عالی (گوجرانوالہ)۔۔مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں پر حملہ کر کے تباہ و برباد کر دیا۔دو احمدیوں کو بیدردی سے پیٹا گیا۔چھ مکانوں اور ایک ڈیزل آئل ڈپو کو لوٹ کر جلا دیا گیا۔سیالکوٹ۔۔۔مشتعل ہجوم نے پانچ دکانوں کو لُوٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔ایک مکان اور گرلز سکول کے پنکھے اتار کر فرنیچر تباہ و برباد کر دیا اور مکان کو جلا دیا۔ڈسکہ۔۔۔ہجوم نے دو دکانوں کو لُوٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔مسجد احمدیہ گلی تار والی اور مسجد احمدیہ سول لائنز کو آگ لگا دی اور سارا سامان لُوٹ لیا نیز ایک مکان پر حملہ کر کے کھڑکیاں اور برتن توڑ ڈالے۔کوٹ نیناں (سیالکوٹ)۔۔۔چودھری محمد شریف نامی احمدی کے مکان پر جلوس نے شدید پتھراؤ کیا۔راولپنڈی۔۔۔مشتعل ہجوم نے شدید پتھراؤ کر کے ڈاکٹر شریف احمد اور ڈاکٹر ریاض احمد صاحبان کی دکانوں کو نقصان پہنچایا۔مظفر آباد۔۔۔ہجوم نے چودھری عطاء اللہ صاحب کے مکان کو نذرِ آتش کر دیا۔راجہ خورشید احمد کو شدید زخمی کیا۔اُن کے مکان کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔نیز عبدالمنان صاحب کے مکان پر ہجوم نے حملہ کر کے توڑ پھوڑ کی اور سارا سامان جلا دیا۔ڈیرہ اسماعیل خان۔۔مشتعل ہجوم نے صوفی غلام محمد صاحب امیر جماعت کے مکان پر حملہ کیا۔مکان کو بری طرح توڑا پھوڑا۔فرنیچر کو تباہ و برباد کیا اور جب صوفی صاحب نے بچاؤ کے لئے ہجوم کو منتشر کرنے کی غرض سے ہوائی فائر کیے تو پولیس نے اُنہیں اور اُن کے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔پشاور۔۔۔مشتعل ہجوم نے بشیر احمد صاحب کے مکان کی قیمتی اشیاء کو لوٹ کر باقی سامان کو آگ لگا دی۔ایک احمدی فارسٹ مینجر کے مکان کو لوٹنے کے بعد جلا دیا۔ڈاکٹر رشید احمد کی دکان لُوٹ لی اور باقی سامان نذرِ آتش کر دیا۔ہری پور۔۔۔حالات شدید ناساز گار ہونے کے باعث بچوں اور مستورات کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنا پڑا۔کریم آباد (ہنزہ)۔۔۔ہجوم نے حملہ کر

کے احمدیہ لائبریری کو شدید نقصان پہنچایا اور قرآن کریم کے متعدد نسخہ جات کو پھاڑا۔ پاؤں تلے روندا اور ضائع کر دیا۔ اور پتھراؤ کر کے مسجد احمدیہ کے شیشے توڑ دیئے۔ کوئٹہ۔۔۔ مشتعل ہجوم نے ایک احمدی حلوائی کی دکان لُوٹ لی۔

4 جون 1974ء

جھنگ۔۔۔ مشتعل ہجوم نے آج بھی احمدیوں کی دکانیں لُوٹیں دکانیں کرائے پر تھیں اُن کا سارا سامان باہر نکال کر اسے آگ لگا دی اور احمدیوں کی نو دکانیں بھی جلا دیں۔ میاں بشیر احمد صاحب کے پٹرول پمپ پر کئی بار حملے کیے گئے۔ بعض احمدیوں پر ترک عقائد کے لیے تشدد کیا گیا۔ لالیاں۔۔۔ ایک اشتعال انگیز جلوس نکلا۔ لیکن اُسے پولیس نے منتشر کر دیا اور عارضی طور پر فضا پرامن ہوگئی۔ چنیوٹ۔۔۔ شرپسندوں نے اشتعال انگیز جلوس نکال کر ربوہ کے نواحی دیہات کے لوگوں کو منع کیا کہ ربوہ میں کوئی چیز نہ بھیجی جائے۔ اور اہل ربوہ کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ سرگودھا۔۔۔ ایک احمدی کا مکان اور دکان تمام قیمتی سامان لُوٹنے کے بعد جلا دیئے گئے۔ چک جھمرہ۔۔۔ شہر میں جلسہ کر کے مولویوں نے احمدیوں کے خلاف مکمل سوشل بائیکاٹ پر زور دیا۔ لائل پور۔۔۔ کاٹن ملز کی طرف سے ایک مشتعل ہجوم آیا لیکن جلد منتشر ہو گیا۔ کولووال (گوجرانوالہ)۔۔۔ مخالفین نے دو احمدی نوجوانوں محمد رمضان اور محمد اقبال صاحبان کو شہید کر کے اُن کی لعشوں کو نہر میں بہا دیا۔ ایک نعش ابھی تک نہیں مل سکی۔ منڈی بہاؤالدین۔۔۔ شرپسندوں نے آج ڈاکٹر نذیر احمد اور ملک محمد راشد کی دکان کو دوبارہ آگ لگائی۔ ڈسکہ۔۔۔ شرپسندوں نے آج ایک احمدی ٹیچر محمد شریف کا (جو تنخواہ لینے گئے تھے) تعاقب کیا۔ اُن پر پتھر پھینکے۔ غلیظ گالیاں دیں اور دیر تک سکول کا محاصرہ کیے رکھا۔ ہارون آباد۔۔۔ چودھری غلام قادر صاحب احمدی کی دکان پر حملہ کر کے اُسے لُوٹ لیا گیا۔ مردان۔۔۔ ہجوم نے مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے دارالمطالعہ کو آگ لگا دی۔ موضع ہتھیال (مردان)۔۔۔ ماسٹر عبدالرحمن صاحب احمدی کی دکان پر پتھراؤ کیا

گیا۔اور سامان کو توڑ اپھوڑا گیا۔راولپنڈی۔۔۔ایک احمدی کرایہ دار پر دباؤ ڈالا گیا کہ فی الفور مکان خالی کر دے ورنہ سامان وغیرہ باہر پھینک دیا جائے گا۔واہ کینٹ۔۔۔شر پسندوں نے بشیر احمد صاحب اے ڈبلیو ایم پر حملہ کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا۔جنہیں سی ایم ایچ میں داخل کرانا پڑا ۔چارسدہ۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی ٹیچر نور الحق کے مکان پر حملہ کر کے سارا سامان لُوٹ لیا ۔ماسٹر صاحب کو زخمی کیا اور مکان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔پبّی۔۔۔مسجد احمدیہ اور لائبریری پر حملہ کر کے قرآن مجید کے نسخے ،مذہبی کتب اور دیگر لٹریچر نذر آتش کر دیا گیا۔نرناب۔۔۔ہجوم نے فردوس خاں،بشیر احمد اور محمد سعید صاحبان کے مکانوں پر حملہ کر کے تمام سامان لُوٹ لیا۔اور عمارت کو مسمار کر دیا۔محمد صادق کا مکان بھی لُوٹ کر مسمار کر دیا گیا۔شبقدر۔۔۔ایک بڑے جلوس نے ڈاکٹر داؤد احمد کے مکان اور دکان پر حملہ کر کے قیمتی سامان لُوٹ لیا۔بقیہ کو آگ لگا دی۔عمارت کو شدید نقصان پہنچایا۔کوئٹہ۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی کے مکان کے گیٹ کو آگ لگا دی ۔سوات۔۔۔اورنگ زیب کالج کے طلبہ نے سوات ہوٹل کو نقصان پہنچایا۔بعد ازاں دفتر روزگار کے احمدی مینیجر پر حملہ کرنے اسکے دفتر گئے لیکن انہیں نہ پا سکے۔

5 جون 1974ء

سرگودھا۔۔۔شر پسندوں نے ایک اشتعال انگیز جلوس نکالا۔پولیس تماشائی کے طور پر ہمراہ تھی ۔سات مکانوں کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا۔نیز ایک بیڈفورڈ ٹرک کو آگ لگا دی۔احمدیوں کی دو دکانوں کو حملہ کر کے لُوٹ لیا اور بچے کھچے سامان کو آگ لگا دی۔چک نمبر 46 جنوبی (سرگودھا)۔۔۔شر پسندوں نے بشیر احمد صاحب احمدی کے گھر کا سامان باہر نکال کر اُسے آگ لگا دی ۔لالیاں۔۔۔رات کے ایک بجے کے قریب پولیس احمدیوں کے گھروں پر پہنچی اور اُنہیں تھانے لے گئی۔پھر وہاں سے انہیں زبردستی ربوہ پہنچا دیا۔ہمبوآنہ۔۔۔ایک احمدی ظفر اللہ صاحب کی دو مربع گندم کو مخالفین نے کھیتوں میں نذر آتش کر دیا۔کوٹ میرا شاہ (جھنگ)۔۔۔محمد علی شاہ کے

ڈیری فارم اور کوٹ امیر شاہ سے ربوہ کو دودھ پہنچانے والوں کو منع کر دیا کہ اہل ربوہ کو دودھ مہیا نہ کیا جائے۔لاہور۔۔۔شر پسندوں نے راوی روڈ پر واقع ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب احمدی کے مکان پر حملہ کر کے اسے نقصان پہنچایا۔ساہیوال۔۔۔شورہ پشتوں نے ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا۔مکان کو نقصان پہنچایا۔پتھراؤ سے ایک احمدی خاتون شدید زخمی ہو گئی۔ملتان ۔۔۔شر پسندوں نے شام کے وقت مسجد احمدیہ پر پٹرول کے ڈبے پھینکے اور خادم مسجد کی بیوی کو زخمی کر دیا۔کراچی۔۔۔شر پسندوں نے احمدیہ لائبریری پر حملہ کیا اور مسجد احمدیہ پر گرنیڈ پھینکا۔قیصر سینما کو آگ لگانے کی کوشش کی اور ایک احمدی کو زخمی کر دیا۔چکوال۔۔۔ایک ہجوم نے ملک بشیر کے مکان کو دو دفعہ آگ لگائی مگر آگ پر قابو پا لیا گیا۔مردان۔۔۔آٹھ افراد نے ایک احمدی کو چاقوؤں سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔راولپنڈی۔۔۔ایک جلوس نے علاؤالدین صاحب امینی کے گھر کا دروازہ جلا دیا۔ڈاکٹر شریف صاحب کا سارا سامان جلا دیا عید گاہ کی چار دیواری گرا دی ۔اور دروازے جلا دیئے۔الٰہی بخش صاحب کے مکان پر پتھراؤ کیا۔اسلام آباد۔۔۔بارہ احمدی احباب کو شدید زدو کوب کیا اور قائد خدام الاحمدیہ عبدالحق صاحب کے منہ میں گوبر ڈالا ۔پشاور۔۔۔ایک مشتعل ہجوم نے چیف انجینئر شوگر ملز جنید احمد صاحب کے مکان پر حملہ کر کے تمام قیمتی سامان لُوٹ لیا۔باقی کو آگ لگا دی۔اس ہجوم کے ہمراہ 120 کے قریب پولیس والے تھے ۔اے۔سی اور ڈی ایس پی بھی ساتھ تھے۔انہوں نے جنید صاحب کے دو بھائیوں کو گرفتار کر لیا ۔نیز جلوس نے ایک احمدی ہدایت اللہ صاحب کے مکان کو لُوٹ کر ہجوم نے باقی سامان کو آگ لگا دی۔ترنگ زئی۔۔۔جلوس نے ایک احمدی کے مکان کو لُوٹا اور جو سامان لوٹا نہ جا سکا اسے آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔تربیلا۔۔۔ایک احمدی خاتون کے گھر کو آگ لگا دی گئی مگر آگ پر جلد قابو پا لیا گیا ۔پبی۔۔۔ایک مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں پر پتھراؤ کیا اور سامان نذر آتش کر دیا۔ڈاکٹر عزیز الدین صاحب کی دکان سے ادویات اور دیگر اشیاء لُوٹ لیں اور تباہ کر دیا

۔ڈاکٹر صاحب کے مکان میں بھی توڑ پھوڑ کی ۔دواخانہ دارالفضل پر حملہ کر کے سامان کولُوٹا اور فرنیچر کوآگ لگا دی۔ بعدازاں ڈاکٹر منیر صاحب کی دکان کولُوٹ کر نقصان پہنچایا۔

تیرے پاس ثاقب بے نوائیں یہ بس خدا کی امانتیں
اسی در پہ جاکے جھکائیو یہ جبیں بھی دل بھی نگاہ بھی

نوٹ:''روزنامچے'' کی پہلی قسط کے ابتدائیے میں یہ بات صراحت سے عرض کر دی گئی تھی کہ یہ جماعت احمدیہ کے خلاف چلائی یا چلوائی گئی ۔تحریک کے پہلے سات (7) دنوں کی کارکردگی کا ایک اچٹتا سا خاکہ ہے جو پورے وثوق کے ساتھ ہر لحاظ سے مکمل بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔تاہم شکر گزار ہیں ہم کو بالواسطہ ''متوبین'' نے بھی بعض نظر انداز ہو جانے والے حوادث وسانحات کی طرف توجہ دلانا شروع کر دی ہے ۔کوشش کی جائے گی کہ روز نامچے کی آخری قسط کے بعد ان تفاصیل کو(توثیق وتصدیق کے بعد)اسی طرح تاریخ وار''بطورضمیہ'' شائع کر دیا جائے۔(ادارہ)

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

6جون 1974ء

واہ کینٹ۔۔۔محمد الیاس صاحب عارف ونائب قائد (خدام الاحمدیہ) کو 4 جون کو اپنے بچوں کوگاڑی پر سوار کرا کے پولیس واہ کینٹ آرہے تھے کہ ٹیکسلا سے نکلتے ہی اُنہیں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔سرگودھا۔۔۔مظاہرین نے دو احمدیوں (حاتم علی اور بابو غلام رسول) کے کارخانے اور مکان کوآگ لگا دی ۔لیکن اس پر جلد قابو پا لیا گیا۔خوشاب ۔۔۔شرپسندوں نے اللہ دتہ احمدی کو زد وکوب کیا اور شدید زخمی کر دیا۔ پولیس نے احمدیوں سے اپنا لائسنس یافتہ اسلحہ بھی جمع کرا دینے کا مطالبہ کیا۔ چک نمبر 31 جنوبی (سرگودھا)۔۔۔کئی روز مسلسل پتھراؤ کے بعد (جو روزانہ پولیس کی موجودگی میں کیا جاتا رہا) لاؤڈ اسپیکر سے اعلان نشر کیا گیا کہ احمدی اپنے گھر بار چھوڑ کر چلے جائیں

ورنہ اُنہیں لُوٹ لیا جائے گا۔راولپنڈی۔۔۔ہجوم نے میجر مقبول احمد صاحب کے مکان پر پتھراؤ کیا۔کوہاٹ۔۔۔شر پسندوں نے ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب کی دکان کے دروازے توڑ دیئے۔پشاور۔۔۔جلوس نے انوار احمد صاحب فاروقی کے گھر پر حملہ کیا۔ملتان۔۔۔ہجوم نے شیزان ہوٹل پر حملہ کر کے تمام شیشے وغیرہ توڑ دیئے۔جام شورد۔۔۔میڈیکل کالج کے ایک احمدی طالب علم مبشر احمد کو کالج کے طلبا نے شدید زدوکوب کیا۔

7 جون 1974ء۔۔۔سرگودھا۔۔۔ایک احمدی محمد احمد حامی کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔لاہور۔۔۔''شفا میڈیکوز'' پر پتھراؤ کر کے دکان کے شیشے وغیرہ توڑ دیئے گئے۔چک نمبر 36ج۔۔۔ایک احمدی کے گھر کو آگ لگا دی گئی۔کوٹ نیناں۔۔۔احمدیوں کے گھروں پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔راولپنڈی۔۔۔بانی سلسلہ احمدیہ کی تصویر بگاڑ کر اُس کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں دیواروں پر چسپاں کی گئیں۔ایک احمدی رشدی صاحب کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔مردان۔۔۔ایک بہت بڑے جلوس نے ایک احمدی کے مکان پر حملہ کر کے اُسے شدید نقصان پہنچایا۔کوہاٹ۔۔۔غیر احمدی حضرات نے پولیس کی موجودگی میں مسجد احمدیہ میں (جو پولیس کی تحویل میں تھی) نماز جمعہ ادا کی اور احمدیوں کے خلاف نہایت غلیظ اور اشتعال انگیز نعرے بازی کی۔

8 جون 1974ء

جہانیاں۔۔۔ایک احمدی کو اس الزام میں گرفتار کیا گیا کہ اس نے بانی جماعت احمدیہ کی تعلیم کے بارے میں ایک غیر احمدی کو خط کیوں لکھا۔پشاور۔۔۔ایک احمدی نوجوان سید آفتاب احمد کو (جو سرحد ٹیچرز ایسوسی ایشن کے صدر بھی تھے) شر پسندوں نے گولی مار کر شہید کر دیا۔مانسہرہ۔۔۔شہر میں ایک جلوس نے احمدیوں کی پانچ دکانیں لُوٹ لیں۔جو سامان اُٹھا کر نہ لے جایا جا سکا اُسے جلا کر راکھ بنا دیا۔

9 جون 1974ء

۔۔لائل پور۔۔۔غلہ منڈی کے تاجروں نے میاں غلام احمد صاحب کو اپنی انجمن کی رکنیت سے نکال دیا۔اوران کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا۔رائے ونڈ۔۔۔مسجد احمدیہ کا محاصرہ کر کے اسے دو دفعہ آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔حویلی لکھا (وساویوالہ)۔۔۔ایک بڑے جلسہ میں اشتعال انگیز تقاریر کے بعد ٹاؤن کمیٹی کے ایک احمدی ملازم کو نکال دینے کا مطالبہ کیا۔پولیس نے احمدیوں کو کسی قسم کا تحفظ دینے کے بجائے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا۔نواب شاہ۔۔۔رات کے وقت ایک احمدی کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔کراچی۔۔۔ڈو میڈیکل کالج کے بعض شر پسند طلبہ نے دو احمدی طلبہ کو بہت مارا پیٹا۔کوئٹہ۔۔۔رات کے وقت ایک احمدی سید محمود احمد کے مکان پر حملہ کیا گیا۔اوراُن کے ایک لڑکے سید مولود احمد کو گولی مار کر شہید کیا گیا۔دوسرے دو بچے شدید زخمی ہوئے۔نعش کو چونکہ کسی اور جگہ لے جانا ممکن نہ رہا تھا۔اِس لیے مولود شہید کو مسجد احمدیہ کے احاطہ ہی میں امانتاً دفن کر دیا گیا۔بنوں۔۔۔پولیس نے احمدیوں کو مسجد احمدیہ میں نماز پڑھنے سے روک کر مسجد کو تالا لگادی۔

ٹوپی وخوشحال آباد۔۔۔صبح دس بجے کے قریب ٹوپی میں مار دھاڑ،قتل وغارت اور آتشزنی کا سلسلہ شروع ہوا۔جو ٹوپی کے بعد خوشحال آباد شکرئے میں بھی رات کے گیارہ بجے تک جاری رہا ۔دونوں جگہوں پر 71 مکان،دکانیں اور ایک حجرہ جلا کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔شر پسند کنوؤں سے بجلی کے پمپ تک اکھاڑ کر لے گئے۔مرحوم صاحبزادہ عبداللطیف کے مقبرے اور دیگر بزرگوں کی قبروں کو مسمار و تباہ کر دیا۔سر صاحبزادہ عبدالقیوم کے دادا کتب عالم صاحب کا مقبرہ جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا ۔ریزہ ریزہ کر دیا۔جو دکانیں نیپ جمعیۃ العلماء اسلام اور جماعت اسلامی کے مالکان کی تھی۔اُن کا صرف سامان لوٹا گیا باقی سامان سمیت جلا دی گئیں۔آٹھ احمدی اوراُن کے عزیز شہید ہوئے ۔ٹوپی میں صوبیدار غلام سرور خان کو شہید کرنے کے بعد ان کی نعش کو پتھر مار مار کر کچلا اور بگاڑا گیا

۔پھر اُن کے بھتیجے اسرار محمد خان کو گولی مار کر شہید کیا گیا۔پھر خنجروں سے اُن کا پیٹ چاک کر کے ان کا جسم گولیوں کی باڑھ سے چھلنی کر دیا گیا۔بلآخر دو گروہوں نے شہید کی دونوں ٹانگیں مخالف سمتوں میں کھینچ کر نعش کو درمیان سے چیر دیا۔

10 جون 1974ء

چنیوٹ ۔۔۔شر پسندوں نے ایک احمدی شیخ سبحان علی صاحب کا مکان لُوٹ لیا۔منڈی مرید کے ۔۔۔ایک احمدی کے میڈیکل سٹور کو آگ لگا کر مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا۔اور پولیس نے ایک احمدی کو گرفتار کر لیا۔مردان ۔۔۔مشتعل ہجوم نے مختلف بازاروں میں احمدیوں کی سات دکانیں لُوٹ لیں ۔تمام قیمتی سامان لے گئے ۔جو باقی بچا اسے نذر آتش کر دیا۔جیکب آباد ۔۔۔ایک احمدی ریلوے گارڈ عبدالرحمن سیفی کو شر پسندوں نے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔

11 جون 1974ء

ایبٹ آباد۔۔۔ہزاروں کی تعداد میں شر پسند احمدیوں کے مکانوں ،دکانوں ،احمدیہ مسجد،مشن ہاؤس ،لائبریری اور احمدی افراد پر حملہ آور ہوئے ۔ایک احمدی نوجوان فخر الدین صاحب بھٹی کو شہید کر دیا۔شہید ہو جانے کے بعد بھی ہجوم اُن کی نعش پر گولیاں برساتا رہا۔نعش کے ناک ،کان کاٹ کر مثلہ بنایا گیا ۔اُسے خنجروں سے بگاڑا گیا۔پھر اُن کے مکان کا تمام سامان نکال کر اسے آگ لگا دی اور بھٹی صاحب شہید کی نعش کو اُس جلتے الاؤ میں پھینک دیا۔شر پسند جلتی ہوئی آگ میں بھی نعش پر سنگ باری کرتے رہے ۔احمدیہ مشن ہاؤس اور لائبریری کی عمارتوں کو سخت نقصان پہنچایا گیا۔تمام سامان توڑ پھوڑ کر تمام کتب سمیت جلا دیا گیا۔احمدیوں کے چھ مکان اور ایک دکان مکمل طور پر لُوٹ لی۔بالاکوٹ ۔۔۔دو احمدی باپ بیٹوں کو گولی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔اُن کی نعشوں کی بے حرمتی کی گئی ۔اُن کے گھر بار جلا دیئے گئے ۔ایک نعش کو پٹرول چھڑک کر جلا دیا گیا ۔ایک احمدی کی تین دکانیں جلا دی گئیں ۔تیل اور چاول کی مشینیں بھی نذر آتش کر دی گئیں

۔ڈاڈر۔۔۔تین احمدیوں پر عقائد سے منحرف ہونے کے لئے شدید دباؤ ڈالا گیا۔مانسہرہ ۔۔۔چار احمدیوں پر عقائد سے منحرف کرنے کے لیے تشدد کیا گیا۔اوکاڑہ۔۔۔احمدیوں کی تمام دکانوں پر شدید قسم کی چیکنگ کی گئی۔واہ کینٹ۔۔۔منور احمد جاوید صاحب کو مارا پیٹا گیا۔اور دہشت گردی سے احمدیوں میں ہراس پھیلایا گیا۔حویلیاں۔۔۔چوہدری مبشر احمد صاحب کے گھر کا تمام سامان لُوٹ لیا۔وہ ایمونیشن ڈپو میں منتقل ہو گئے۔تو کمانڈر نے انہیں وہاں سے بھی کوارٹر چھوڑنے کا حکم دیا۔اُنہیں مجبوراً ربوہ میں پناہ لینا پڑی۔

12جون 1974ء

ڈیرہ اسماعیل خان۔۔۔ڈپٹی کمشنر کی موجودگی میں تمام احمدیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر ایک جگہ ''زنداں'' نامی کیمپ میں پہنچایا گیا۔احمدیوں کے مواشی وغیرہ لُوٹ لیے گئے۔یہ کیمپ صحیح معنوں میں ''زنداں'' ہی تھا۔لاہور۔۔۔جی ٹی روڈ پر ایک احمدی کے مکان میں دو گرنیڈ پھینک کر نقصان پہنچایا گیا۔داتا (ضلع ہزارہ)۔۔۔احمدیوں کو اُن کے عقائد سے منحرف کرنے کے لیے شدید تشدد کیا گیا۔مانسہرہ۔۔۔ایک احمدی کی دکان کو تمام سامان لُوٹنے کے بعد آگ لگا دی گئی ۔ایک اور احمدی کا مکان لُوٹ لیا گیا۔بھیڑکنڈ (مانسہرہ)۔۔۔شر پسندوں نے ایک احمدی پیر محمد شاہ کے مکان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔پھگلہ۔۔۔احمدیوں پر اپنے عقائد سے تائب ہو جانے کے لیے مار پیٹ کا بازار گرم رہا۔

13جو 1974ء

سرگودھا۔۔۔تالے توڑ کر دو احمدیوں کی دکانیں لُوٹ لی گئیں۔باقی سامان جلا دیا گیا ۔ساہیوال۔۔۔تخریب کاروں نے دہشت گردی سے احمدی عورتوں اور بچوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دینے پر مجبور کر دیا۔شاہ نگدر۔۔۔ایک احمدی کی گیارہ مربع اراضی کی ساری گندم اور تمام زرعی سامان لوٹ لیا گیا۔کیمبل پور۔۔۔شہر بھر میں احمدیوں کے مکمل سوشل بائیکاٹ کے اعلانات کیے

گئے ۔ڈاکٹر مرزا عبدالرؤف کی دکان پر پکٹنگ کی گئی ۔ایبٹ آباد۔۔۔ایک احمدی پر عقائد سے پھرانے کے لیے تشدد کیا گیا۔

14 جون 1974ء

لاہور۔۔۔ہجوم نے ایک احمدی کے مکان کا دروازہ جلا دیا۔مسجد دہلی دروازہ پر اور ایک دکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔پولیس ایک احمدی کو ہی گرفتار کر کے لے گئی۔سرگودھا۔۔۔تخریب کاروں نے ایک احمدی کی دکان کا قیمتی سامان لُوٹ کر بقیہ کو آگ لگا دی ۔وزیر پور کندھالہ (ضلع سیالکوٹ)۔۔۔ایک احمدی کا تین ہزار روپے میں خریدا ہوا خربوزوں کا باڑہ لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔دیپالپور۔۔۔تین احمدیوں کے کنبوں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔اُن کے ہاں ہر قسم کی اشیاء خوردونوش کی بہم رسانی پر پابندی عائد کر دی گئی ۔چک نمبر 91(الف)۔محمود آباد (ملتان)۔۔۔ایک احمدی کو لاٹھیوں سے مار مار کر شدید زخمی کر دیا گیا۔اور پولیس نے آٹھ احمدیوں کو گرفتار کر لیا۔تین کے وارنٹ جاری کر دیئے ۔ایک احمدی پر تشدد اور مستورات کو پریشان کیا۔چک گلزار (ملتان)۔۔۔دو احمدیوں کے گھروں پر تین بار گولے پھینک کر ہراس پھیلایا گیا ۔میلسی۔۔۔ایک احمدی کی دکان کو آگ لگا دی گئی ۔جس سے کپڑے کے کئی تھان جل گئے ۔ڈیرہ غازی خان۔۔۔مسجد احمدیہ کے صحن میں بم پھینکا گیا جس سے ایک خوفناک دھماکہ ہوا ۔واہ کینٹ۔۔۔مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ۔ہرنائی۔۔۔سارے شہر میں ہڑتال رہی ۔اشتعال انگیز جلوس نکالے گئے ۔پولیس نے احمدیوں کو تحفظ دینے سے انکار کر دیا۔

15 جون 1974ء

جھنگ ۔۔۔شہر کی مختلف مساجد میں جلسے کرا کے احمدیوں کو لُوٹنے ،مارنے اور قتل کرنے کی اعلانیہ تقریریں کی گئیں ۔قلات۔۔۔مولویوں کی قیادت میں ایک ہجوم نے ایک احمدی کے مکان پر حملہ کیا ۔مگر پولیس بر وقت پہنچ گئی ۔اور اُس نے مظلوم احمدی کی تمام فیملی کو کوئٹہ منتقل کر دیا

۔سادھوکے (ضلع گوجرانوالہ)۔۔۔صدر جماعت احمدیہ کے مکان کوآگ لگا کر اس کا ایک حصہ راکھ کردیا گیا۔تخت ہزارہ۔۔۔مسجد میں اشتعال انگیز تقریروں کے بعد حاضرین سے (احمدیوں سے مکمل سوشل بائیکاٹ کرنے کا) حلف لیا گیا۔چک نمبر 60 آر بی (کھیم سنگھ والا)۔۔۔ایک غیر احمدی کے گھر سے چودھری محمد علی صاحب احمدی کا رکھا ہوا شادی کا تمام سامان لُوٹ لیا۔کھیریاں والی (گجرات)۔۔۔احمدیوں سے مکمل سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا۔16 جون 1974ء سے 30 جون 1974ء تک کی کارکردگی کا اجمالی خاکہ؛

قسط نمبر 3

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

16 جون 1974ء

سرگودھا۔۔۔ایک جلسہ میں بائیکاٹ کواور شدید بنا دینے پرزور دیا گیا۔دکانوں اور ہوٹلوں پر باقاعدہ اس قسم کے اعلان چسپاں کئے گئے۔کہ ”مرزائیوں کوسودا نہیں ملے گا“۔ایک دکاندار نے اپنی دکان پر چسپاں کیا۔”جومرزائی یہاں سے سودا خریدے گا وہ کسی عورت نہیں کتیا کا بچہ ہوگا“پولیس کا عام رویہ سوشل بائیکاٹ کے حق میں تھا۔17 جون 1974ء۔۔۔چک نمبر 39 ڈی۔بی ۔(ضلع سرگودھا)۔۔۔احمدیوں کی فصلیں تباہ کردی گئیں شر پسند کپاس کاٹ کرلے گئے۔کماد تباہ وبرباد کردیا گیا۔ہر طرف سے بائیکاٹ کے باعث احمدیوں کی حالت محصورین کی سی رہی۔چک نمبر 203 مانانوالہ۔۔۔احمدیوں کے مکانوں پر حملے کر کے مکینوں کوشدید زخمی کردیا گیا۔پولیس نے حملہ آوروں کی تائید میں کاروائی کی۔شاہ پور صدر۔۔۔تخریب سازوں نے ایک احمدی کوسخت زدوکوب کیا۔سارادن وقفوں وقفوں سے اُن کے گھر پر پتھراؤ کرتے رہے۔مفتی محمود نے تقریر کی کہ بائیکاٹ اور شدید کر دیا جائے کہ احمدی اپنے عقائد سے تائب ہو جائیں

۔18 جون 1974ء۔۔۔۔چنیوٹ۔۔۔محلہ وار احمدیوں کے مکمل سوشل بائیکاٹ کی کمیٹیاں قائم کی گئی۔ایک دس سالہ احمدی بچے کے کپڑوں کو آگ لگا کر اسے جلا دینے کی کوشش کی گئی۔پاک پتن۔۔۔ایس ایچ او نے ایک احمدی میر عبدالمجید کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔احمدیوں کے گھروں کی تلاشی لی گئی۔بارہ احمدیوں کو بلا وجہ تھانے میں پانچ دن تک بند رکھا۔مخالفین کی پولیس ہر طرح اعانت کرتی رہی۔بھکر۔۔۔ڈی ایس پی نے احمدیوں کو اپنے گھر میں محصور رہنے کا حکم دیا ۔ایک احمدی کی دکان بزور بند کرادی۔

لائل پور۔۔۔سوشل بائیکاٹ سخت کر دیا گیا۔مالکان مکان نے احمدی کرائے داروں کو فی الفور مکان خالی کر دینے کے نوٹس دے دیئے۔سفینہ ملز کا تیار کردہ کپڑا خریدنے کی ممانت کر دی گئی ۔اور عام اعلان کیا گیا کہ جو کپڑا خریدے گا اس کی دکان اور گودام جلا دیئے جائیں گے۔بسوں والوں نے احمدی سواری بٹھانے سے انکار کر دیا۔پشاور۔۔۔بلائنیڈز انسٹیٹیوٹ میں گزشتہ بارہ سال سے ملازم ریلحس انسٹرکٹر حافظ محمد اعظم احمدی کو بلا وجہ نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔مرید کے ۔۔۔تمام احمدی کنبوں کا مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔

19 جون 1974ء

صدر گوگیرہ۔۔۔دکانوں پر پکٹنگ شروع کی گئی۔ایک احمدی کے ہاں بچہ کی ولادت کے لیے دایہ کو جانے سے روک دیا۔لائل پور۔۔۔مکمل سوشل بائیکاٹ جاری رہا۔تین احمدی کرایہ داروں کی دکانوں پر ان کے مالکوں نے قبضہ کر لیا۔مرید کے۔۔۔سوشل بائیکاٹ کو سخت کر دینے کے سلسلے میں لوگوں سے قرآن کریم پر حلف لیا گیا۔ایک خاکروب نے احمدی گھروں کی صفائی سے انکار کر دیا۔چک نمبر 35 ش۔۔۔احمدیوں سے سودا سلف خریدنا اور اُن کے ہاتھ بیچنا منع کر دیا گیا ۔مولوی صاحب نے تقریر میں احمدیوں کو لُوٹنے کو کارِ ثواب قرار دیا۔سرگودھا۔۔۔شہر بھر میں پوسٹر چسپاں کیے گئے کہ آئندہ شیزان فروخت کرنے والے دکان دار کا بھی بائیکاٹ کیا جائے گا۔

20 جون 1974ء

تر گڑی۔۔۔بعض احمدیوں پر تشدد کیا گیا۔ملازمین کو احمدی کے کام کرنے سے روک دیا۔اُن کے تمام کاروبار بند کر دیئے۔ہارون آباد۔۔۔سوشل بائیکاٹ کے سلسلے میں پولیس مخالفین سے ہر طرح تعاون کرتی رہی۔بھکّر۔۔۔بعض احمدیوں کو اعلانیہ قتل کر دینے کی دھمکیاں دی گئیں۔اور اُن کا ہر قسم کا بائیکاٹ کیا گیا۔واہ کینٹ۔۔۔تشدد سے تنگ آ کر بعض احمدی نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔گھروں سے باہر نکلنے والوں کو زدوکوب کیا گیا۔فیکٹریوں پر کاملاً جماعت اسلامی کے کارندوں کا قبضہ ہو گیا۔مرید کے۔۔۔پائونیر سٹیل ملز کے احمدی مینیجر کے خلاف اشتعال انگیز فقرے بازی کی گئی۔اسے ملازمت سے فارغ کر دیئے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔اوکاڑہ۔۔۔پکٹنگ اور بائیکاٹ شدید کر دیئے گئے۔شام کو ایس پی اور ڈی سی جب بازار میں آئے اس وقت ایک ہجوم نے ایک ایسے گاہک کو گھیر رکھا تھا جس نے ایک احمدی دکاندار سے کپڑا خریدا تھا۔مجلس عمل والے یہ کپڑا اپنے رضاکاروں میں تقسیم کر دیئے پر بضد تھے۔تلونڈی کھجور والی۔۔۔جلوس نے مسجد احمدیہ کو آگ لگا دی جس پر قابو پا لیا گیا۔ساہیوال۔۔۔مرزا احمد بیگ احمدی کے مکان کو آگ لگائی گئی۔ایک احمدی وکیل پر جھوٹا پرچہ درج کرایا گیا۔مڈھ رانجھا۔۔۔احمدیوں کے مکان پر نوٹس چسپاں کیے گئے کہ اپنے عقائد سے منحرف ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

21 جون 1974ء

۔۔۔مٹھ ٹوانہ۔۔۔مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔احمدیوں کے گھروں پر پہرے بٹھائے گئے۔ان پہرے داروں کو دس روپیہ یومیہ دیئے جاتے۔یہ ہر احمدی کا گھر سے باہر جھانکنے پر پیچھا کرتے اُسے گالیاں دیتے تنگ کرتے۔احمدیوں کی دکانیں بند کرا دی گئیں۔ڈاکٹروں کو احمدی بیماروں کو دوائی تک دینے سے منع کر دیا گیا۔ایک برات میں دو براتی احمدی تھے نکاح اس وقت تک نہ کیا گیا جب تک وہ براتی واپس نہ بھجوا دیئے گئے۔بہاول نگر۔۔۔ایس پی کی یقین دہانی کے باوجود

احمدیوں پر پکٹنگ جاری رہی۔لائل پور۔۔۔ایک احمدی بچے نے ایک ریڑھی والے سے آلو بخارہ خریدا تو اس کے ہمسائے نے اس بچے کو مارا اور آلو بخارہ چھین کر پھینک دیا۔اس پر شر پسند اکٹھے ہو گئے۔بچے کے والد باہر آئے تو اُن کے گریبان گیر ہو گئے۔اور ہجوم نے احمدیوں کے مکانوں کو آگ لگانی شروع کر دی۔بچے کے والد نے بچاؤ کے لیے ہوائی فائر کیے تو پولیس آ گئی۔اُس نے ہجوم کو منتشر کر دیا۔اور 19 احمدیوں کو گرفتار کر لیا اور اُن کے بچوں اور مستورات کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا۔رحیم یار خان۔۔۔مسجدوں میں اعلان کیا گیا اگر 30 تاریخ تک احمدیوں کو اقلیت قرار نہ دیا گیا۔تو تمام احمدیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔احمدی گھروں میں قید ہو کر رہ گئے۔اُن کے مکانوں پر پولیس متعین تھی جن کا سارا صرفہ احمدیوں کو ہی برداشت کرنا پڑا۔احمدیوں کی تمام دکانیں بند کرا دی گئیں۔

22 جون 1974ء

لاہور۔۔۔سید میر محمد احمد صاحب کے گھر پر رات کو دو بوتل والے بم پھینکے گئے۔ایک بم سے کار کو نقصان پہنچا۔جڑانوالہ۔۔۔غلہ منڈی میں احمدیوں کی پانچ دکانیں بند کرا دی گئیں۔ایک احمدی نے آٹا پسوانے کے لیے مشین پر گندم بھیجی اسے ایک مولوی صاحب چرا لے گئے۔کوہاٹ۔۔۔ملوں میں کام کرنے والے احمدیوں کو ہر طرح تنگ کیا گیا۔احتجاج کے طور پر مل کے ایک حصہ کو آگ لگا دی گئی۔پولیس احمدیوں کو مل کے ریسٹ ہاؤس میں لے آئی۔اور ان کا بازار میں سودا سلف کے لیے جانا بند کر دیا گیا۔پھگلہ۔۔۔ایک احمدی کی تدفین میں حصہ لینے کی وجہ سے قریبی گاؤں کے دو غیر احمدی دوستوں کا بھی بائیکاٹ کیا گیا۔دیپالپور۔۔۔مشتعل ہجوم نے ایک احمدی وکیل اور ایک احمدی ڈاکٹر کی دکان پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا۔پولیس پاس کھڑی صرف تماشہ دیکھتی رہی۔خوشاب۔۔۔دو احمدی گھروں پر پتھراؤ کیا گیا اور ان پر گندگی پھینکی گئی۔ایک احمدی کی قبر اکھاڑ کر بے حرمتی کی گئی۔رات کے وقت غنڈوں نے بندوقوں اور تیل کے

کنستروں سے لیس ہو کر آتشزنی کا بازار گرم کرنے کی کوشش کی۔ پاک پتن ۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ لگائی گئی۔ کچہری میں احمدی وکلاء کے چیمبرز پر بھی پکٹنگ کی گئی۔ بعض احمدیوں کو قتل کی دھمکیاں موصول ہوئیں۔ چک نمبر 31 جنوبی ۔۔۔ایک احمدی کا گھر لوٹ لیا گیا۔اوراس پر جماعت اسلامی کا جھنڈا لہرایا گیا۔گھر میں موجود ساری گندم اونے پونے فروخت کر دی گئی ۔لائل پور۔۔۔ایک احمدی عبدالقادر کے مکان کا گھیراؤ کیا گیا۔ پولیس نے ہجوم کو منتشر کیا تو پولیس چوکی پر جا کر احتجاج کیا گیا۔

23جون1974ء

قائدآباد۔۔۔ایگریکلچر ورکشاپ کے دو احمدی ملازمین کو اس قدر تنگ کیا گیا کہ ان کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ پولیس نے کسی قسم کا تحفظ دینے سے انکار کر دیا۔

سرگودھا۔۔۔احمدیوں کو سرراہ پیٹنے، مارنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ایک زخمی ایک احمدی ڈاکٹر سے دوائی لے کر آیا تو اس کی پٹیاں کھول دی گئیں۔احمدی پر گندا تیل پھینکا گیا۔اور پتھراؤ کیا گیا ۔ایک احمدی پر موبل آئل پھینکا اور گالیاں دی گئیں۔ایک احمدی کو سخت زدوکوب کر کے ایک دکان میں بند کر دیا گیا۔غنڈوں نے بازاروں میں نظر آنے والے احمدیوں پر تیزاب پھینکنے کی دھمکیاں دیں۔قصور۔۔۔سوشل بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔لائل پور۔۔۔پولیس نے مختلف احمدیوں کے گھروں پر جا کر ان کی املاک اور اسلحہ کی فہرستیں طلب کیں۔ پرائیویٹ اداروں اور فرموں سے احمدی ملازموں کو نکال دیا گیا۔رخصت پر گئے ہوئے ایک احمدی کو بذریعہ تار حکم دے کر فارغ کر دیا گیا۔ 21 تاریخ کو گرفتار کیے جانے والے احمدیوں پر دفعہ 144 کی خلاف ورزی اور اسلحہ استعمال کرنے کا الزام لگایا گیا۔

24جون1974ء

سرگودھا۔۔۔تمام احمدی دکانداروں پر پکٹنگ لگائی گئی۔مسجدوں میں احمدیوں کا پانی اور بجلی

بند کر دینے کی تلقین کی گئی۔صدر گوگیرہ۔۔۔پکٹنگ شدید کر دی گئی۔تندوروں سے آٹے واپس کر دیئے گئے۔دکانوں پر نہایت غلیظ گفتار چھوکرے پہرے پر متعین کیے گئے۔چک نمبر 39 ڈی بی۔۔۔احمدیوں پر انہیں اپنے عقائد سے منحرف کرنے کے لیے تشدد شروع کیا گیا۔احمدیوں کے مکانوں پر بٹھائی گئی پولیس کے اخراجات بہت بڑھ گئے۔ہر سپاہی بھی گولڈ لیف کے سگریٹ مانگنے لگا۔ملتان۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر بم پھینکا گیا۔بم پھینکنے والا خود ہی زخمی ہو گیا۔اور اس کا بہتا ہوا خون ان کے گھر تک اُس کی نشاندہی کرتا گیا۔لالیاں۔۔۔سوشل بائیکاٹ میں تساہل برتنے والوں کے لیے ایک محاسبہ کمیٹی قائم کی گئی۔ساہیوال۔۔۔ایک احمدی زرگل کی دکان کو آگ لگائی گئی جس پر قابو پا لیا گیا۔دو احمدی دوستوں پر جھوٹے مقدمے بنائے گئے۔کوئٹہ۔۔۔مسجد احمدیہ سے ملحقہ پلاٹ کو غصب کرنے کے لیے ایک احمدی پر جھوٹا مقدمہ دائر کیا گیا۔

25 جون 1974ء

اوکاڑہ۔۔۔پکٹنگ شدید کر دی گئی۔گوجرانوالہ کی ایک پارٹی نے ایک احمدی دکاندار شیخ فضل محمد سے کپڑا خریدا مجلس عمل نے اسے پکڑ لیا۔اور دو ہزار روپے جرمانہ کیا۔ایک احمدی کو دکان بند کر دینے کا نوٹس دے دیا گیا۔دو احمدی بچوں کا بلاوجہ چالان کر کے مولویوں کو خوش کیا گیا۔اور وکیلوں کو عدالت میں پیش ہونے سے منع کر دیا گیا۔پشاور۔۔۔احمدیوں کو قتل و غارت گری کی دھمکیوں سے بھرپور گمنام خطوط ملے۔ارد گرد کے قبائلی علاقوں میں بھی اشتعال پیدا ہو گیا۔لائل پور۔۔۔آج صبح سا آٹھ جگہوں پر احمدی دکانداروں سے خریدا ہوا سودا واپس کرایا گیا۔تین جگہ گاہکوں سے کپڑا چھین کر جلا دیا گیا۔انصاف کمیٹی کا گھیراؤ جاری رہا۔ڈسٹرکٹ بار میں 8/7 وکیلوں نے احمدی وکلاء سے بائیکاٹ کے لیے ایک قرارداد پیش کی۔سرگودھا۔۔۔دکانوں کے علاوہ مکانوں پر بھی پکٹنگ شروع کی گئی۔ملازمین کو کام پر جانے سے روکا جانے لگا۔چک نمبر 35 ش۔۔۔غیر احمدی ملازمین نے احمدیوں کا کام کرنا چھوڑ دیا۔بسوں والوں نے ربوہ کی

سواری بٹھانی بند کر دی۔ساہیوال۔ہر جگہ پکٹنگ کے علاوہ احمدی دکانوں پر بڑے غلیظ بینرز بھی آویزاں کر دیئے گئے۔

26 جون 1974ء

لائل پور۔۔۔جماعت احمدیہ کے خلاف بڑا غلیظ قسم کا لٹریچر شہر بھر میں پھیلایا گیا۔سرگودھا۔۔۔گھروں سے باہر نکلنے والے احمدیوں پر پکٹنگ پر مامور چھوکرے ان پر رنگ اور موبل آئل پھینکتے اور استہزا کرتے۔کالا باغ (میانوالی)۔۔۔مخالفین نے اپنی قمیضوں پر ”مرزائیوں سے لین دین بند کرو“ کے بیج لگا دیئے۔لودھراں۔۔۔مارکیٹ کمیٹی کے ایک احمدی کو یہ کہہ کر دفتر سے نکال دیا گیا کہ اب تمہارے لیے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔غوطہ فتح گڑھ۔۔۔ایک احمدی کی تدفین روک دی گئی۔اوکاڑہ۔۔۔ایک احمدی رشید الدین احمد کو اوقاف کی مسجد سے ملحقہ دکان فوراً خالی کر دینے کی دھمکی دی گئی۔سمندری (چک نمبر 467 گ ب)۔۔۔ایک احمدی رفیق احمد بٹ صاحب کو پان، بیڑی، سگریٹ، مشروبات فروخت کرنے والوں کی یونین کی صدارت سے الگ کر دیا گیا۔اُن کا ڈپو چھین لیا گیا۔پی پی پی کی صدارت سے بھی الگ کر دیا گیا۔اُن کی دکان اور مکان پر بار بار حملے کیے گئے۔جہانیاں۔۔۔ایک احمدی ملازم دفتر میں گئے تو ان کے خلاف لڑکوں سے مظاہرہ کرایا گیا۔اور پولیس نے انہیں آئندہ دفتر آنے سے منع کر دیا۔

27 جون 1974ء

سرگودھا۔۔۔غنڈوں کی طرف سے احمدی مستورات کے تعاقب کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ایک بچی بازار سے دودھ لینے گئی ایک غنڈے نے اس کے تھپڑ مارا۔اور برتن چھین کر پھینک دیا۔ایک احمدی نوجوان دوائی لینے گیا تو 8 / 10 غنڈوں نے اُسے زدوکوب کیا۔اُس کے جسم پر رنگدار تین اور موبل آئل پھینکا۔احمدی گھروں پر متعین پولیس نے ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب کے مکان پر آنے والے دو احمدی نوجوانوں کو غنڈوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا۔جنہوں نے اُنہیں پیٹا۔اُن سے

پانچ سو روپیہ چھین لیا۔اورایک سائیکل بھی چھین لی۔نیریاں (آزاد کشمیر)۔۔۔ایک احمدی ماسٹر عبدالغنی کی زرعی زمین کے ایک حصہ پر مخالفین نے بالجبر قبضہ کر لیا۔چک نمبر 100 آر بی ۔اوکاڑہ (ضلع لائل پور)۔۔۔احمدیوں سے ہر قسم کا لین دین بند ہو گیا۔احمدیوں کو اپنے کھیتوں اور زمینوں پر جانے سے بھی روکا گیا۔احمدی بچوں کو سکول جاتے وقت پیٹا گیا۔حاصل پور۔۔۔ماشکیوں اور دوسرے ملازمین نے احمدیوں کے گھروں میں کام کرنے سے انکار کر دیا۔

28 جون 1974ء

سرگودھا۔۔۔ایک احمدی ٹیچر کے مکان کو آگ لگا دی گئی۔بھابڑہ۔۔۔دو تین احمدیوں پر عقائد سے منحرف کرنے کے لیے تشدد کیا گیا۔گوجر خاں۔۔۔احمدیوں کو قتل کی دھمکیوں کے خطوط ملے ایک احمدی بیمار کو سارے شہر میں کسی نے دوائی نہ دی۔

29 جون 1974ء

چک نمبر 303 (گ ب) تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ۔۔۔ایک احمدی محمد طفیل کا مکان معہ سامان جلا دیا گیا۔اُن کا لڑکا چٹیانہ پولیس رپورٹ درج کرانے گیا۔تو اُسے بھی مارا پیٹا گیا۔شام کو تھانیدار صاحب گاؤں میں آئے تو اُنہوں نے دونوں احمدی باپ بیٹوں کو سارے گاؤں کے سامنے اوندھا لٹا کر مارا۔گالیاں دیں ہتھکڑیاں لگائیں اور پھر الٹا اُنہی کا چالان کر دیا۔تیرک۔۔۔احمدیوں کے گھروں کے سامنے خاردار جھاڑیاں اور چھاپے گاڑ دیئے گئے کہ وہ باہر نہ نکل سکیں۔چک نمبر 209 (آر۔بی)۔۔۔ایک اہلحدیث مولوی کی تقریر سے مشتعل ہو کر ایک احمدی خاندان کا ڈیرا معہ سامان اور بھوسے کے دو موصل نذر آتش کر دیئے گئے۔بہاولپور۔۔۔میڈیکل کالج کے ایک احمدی طالب علم کو اس کے ایک ساتھی کا خط موصول ہوا۔جس میں لکھا تھا کہ ہمیں پرنسپل صاحب کی ہدایت یہ ہے کہ ”گورنمنٹ کا کوئی نقصان نہ ہو“ یعنی احمدی طلبہ کا سامان اس طرح جلاؤ کہ کالج کی عمارت اور فرنیچر کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔میاں چنوں۔۔۔ایک احمدی کے مکان کو جلانے کی بار بار کو

شش کی گئی۔ بہاول نگر۔۔۔ریل گاڑی اور بسوں میں احمدی مسافروں کو مارا پیٹا گیا۔
ساہیوال۔احمدیوں کے رہائشی مکانوں پر پکٹنگ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔
مغلپور (لاہور)۔۔۔بائیکاٹ شدید ہوگیا۔احمدی املاک کو جلانے کی بھی کوششیں کی گئیں۔

30 جون 1974ء

گگو (ضلع ساہیوال)۔۔۔لاقانونیت کا دور دورہ رہا۔دو احمدی کرائے داروں سے بالجبر دکانیں خالی کروائی گئیں۔احمدی ڈاکٹروں کی دکان پر مریضوں کو آنے سے روکا گیا۔بعض احمدیوں پر پولیس نے جھوٹ مقدمے بنائے۔ہجوم کی اشتعال انگیزی سے متاثر و مرغوب ہو کر پولیس نے بلاوجہ صدر جماعت کو گرفتار کر لیا۔کوٹ مومن۔۔۔احمدیوں سے ہر قسم کا لین دین بند رہا۔ان کی ناکہ بندی کی گئی۔انہیں اپنی زمینوں پر جانے سے روکا گیا۔بسوں پر چڑھانے سے انکار کر دیا گیا۔بھنگیوں کو اُن کے گھروں کی صفائی سے روک دیا۔اور احمدیوں کی دکانوں کو پکٹنگ لگائی گئی۔چک نمبر 100 آر بی (لاڑکانہ)۔۔۔بیشتر احمدیوں کو گھروں پر پتھراؤ کر کے ان کے دروازے توڑ دیئے۔اور عمارتوں کو نقصان پہنچایا گیا۔تخت ہزارہ۔۔۔ایک احمدی پر اپنے عقائد سے انحراف کے لیے شدید تشدد کیا گیا۔سرگودھا۔۔۔ایک احمدی کو شر پسندوں نے چاقوؤں سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔(از یکم جولائی 1974ء تا 7 جولائی 1974ء)

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

قسط نمبر (4)

یکم جولائی 1974ء

لائل پور۔۔۔ایک جولاہے نے ایک دکاندار سے آکر کہا کہ اب آئیندہ تمہارے پاس کپڑا

فروخت نہیں کیا کروں گا۔اور بھی ہفوات بکیں اُس کے بعد کچھ لوگ اُسے پولیس کے پاس لے گئے ۔کہ احمدی دکاندار نے نہ صرف اُس کو مارا ہے اُس کے سات سو روپے بھی چھین لئے ہیں ۔پولیس آئی اور اپنا نذرانہ طلب کیا۔جب وہ نہ ملا تو تین احمدیوں کو گرفتار کر کے لے گئی ۔سغینہ پرنٹنگ ملز کا تین لاکھ روپے کا سامان پولیس نے اپنے قبضے میں کر لیا۔اور احمدی ملازموں کو تنگ کیا۔ پاور لومز کے چودہ احمدی ملازموں کو فارغ کر دیا گیا۔پولیس کی طرف سے بدستور عدم تعاون رہا۔ڈسکہ۔۔۔ایک چھ ماہ کی احمدی بچی فوت ہوگئی ۔تدفین کا وقت آیا تو سات آٹھ سو افراد کا جلوس بنکارتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ایم این اے، ایس ایچ او، ڈی ایس پی سب نے مدد سے انکار کر دیا ۔ناچار بچی کو صحن مسجد میں دفن کرنا پڑا۔رحیم یار خاں ۔۔۔ایک کوارٹر میں 5 / 6احمدی ملازمین رہتے تھے ۔رات کو ان پر دستی بم پھینکا گیا۔ایک نوجوان بری طرح زخمی ہوا۔ چک نمبر 11 (ای ۔بی)۔(ساہیوال)۔۔۔ایک احمدی کا گھر لُوٹ لیا گیا۔اس کی غیر احمدی بیوی تمام قیمتی سامان لے کر اپنے غیر احمدی والدین کے ہاں چلی گئی ۔بھیرہ۔۔۔بازار میں جو احمدی سودا سلف خریدنے کے لئے گئے ۔اُنہیں منہ کالا کر کے بازاروں میں پھرایا گیا ۔چک نمبر 100 آر ۔بی (اڑکا)۔۔۔رات کے وقت شر پسندوں نے ایک جلوس نکالا ۔احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا ۔مسجد احمدیہ کے صحن میں غلاظت پھینکی اور پیشاب کیا۔مسجد میں پڑے ہوئے قرآن مجید کے نسخوں اور دیگر اسلامی کتب کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ چک نمبر 8ایم بی ۔(ضلع سرگودھا)۔۔۔بائیکاٹ اس قدر شدید کر دیا گیا کہ پوسٹ آفس والوں نے خط پہنچانے سے بھی انکار کر دیا ۔چک نمبر 94 گ ۔ب (جڑانوالہ)۔۔۔سوشل بائیکاٹ کے علاوہ آج دائیوں حتیٰ کہ بھنگیوں نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا ۔چک نمبر 57ج ب (ضلع لائل پور)۔۔۔رات کے وقت تین صد کے قریب شر پسندوں نے مٹی کے تیل کے کنستروں اور بندوقوں سے مسلح ہو کر ایک جلوس نکالا اور احمدیوں کے گھروں کو آگ لگا دی ۔قیمتی سامان لُوٹ لیا۔جلوس کی فائرنگ سے آٹھ احمدی زخمی ہو گئے ۔منڈی

پھلر واں ۔۔۔آج ڈاکٹروں نے احمدی مریضوں کا اعلاج کرنے سے انکار کر دیا۔گگو منڈی ۔۔۔(ساہیوال)بائیکاٹ کے علاوہ احمدیوں کوقتل کر دینے کی دھمکیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ۔گکھڑ منڈی ۔۔۔بعض احمدیوں کوان کے عقائد سے پھرانے کے لیےتشدد کیا گیا۔بھنگیوں تک کو ان کا کام کرنے سے روک دیا گیا۔

2جولائی 1974ء

جہلم ۔۔۔پورے ایک ماہ کے بعدآج یہاں پرفسادات شروع کر دیئے گئے۔کسی جھگڑے میں ایک غیر احمدی قتل ہو گیا۔مولویوں نے اس موقع کوغنیمت سمجھ کراس کے قتل کا الزام احمدیوں کے سر لگا کر اشتعال انگیزی شروع کر دی۔ایک جلوس نکالا گیا۔جس نے احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں پر حملے کیے۔انہیں بے دریغ لُوٹا اور جلایا ایک احمدی نوجوان سیٹھی مقبول احمدی صاحب کو اُن کے مکان پر گولی مار کر شہید کر دیا۔لُوٹ مار،آتشزنی،قتل وغارت گری کا یہ سلسلہ رات کے دس بجے سے صبح ساڑھے تین بجے تک جاری رہا۔ڈیوٹی مجسٹریٹ ایس پی،ڈی ایس پی،سول ڈیفنس افسر اور میونسپل کمیٹی کے ایڈ منسٹریٹر جلوس کے ہمراہ رہے۔اور جلوس سے مکمل تعاون کرتے رہے ۔یہاں تک کہ جلوس نے ’’جہلم پولیس زندہ باد‘‘ کے نعرے بھی لگائے۔شاہ کوٹ ۔۔۔شر پسندوں نے حملہ کر کے احمدیوں کے تمام مکانوں اور دکانوں کو لُوٹ لیا۔اور بعد میں آگ لگا دی۔مڈھ رانجھا۔۔۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔ایک جلوس نے صدر جماعت احمدیہ کو گھیر کر زدوکوب کیا وہ بھاگ کر تھانے گئے۔مگر پولیس نے ان کی حفاظت کرنے کی بجائے اُنہیں پھر جلوس کے حوالے کر دیا۔جس نے اُنہیں مار مار کر بے ہوش کر دیا۔مکڑوال ۔۔۔دو احمدی ملازموں کو وی آئی پی ڈی سی کے افسروں نے سخت کشیدگی کے باعث رخصت دے کربھجوادیا ۔قصبہ ساہیوال(ضلع سرگودھا)۔۔۔احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ روز کا معمول بن گیا۔آج بسوں والوں نے بھی احمدی سواریاں بٹھانے سے انکار کر دیا۔ترارکھل کشمیر۔۔۔ایک احمدی عبدالقیوم کے مکان پر

پتھراؤ کیا گیا۔لالیاں۔۔۔عبدالواحد صاحب مربی سلسلہ کو(جو ساہیوال سے آرہے تھے)بس والے نے اُنہیں لالیاں اتار دیا۔اوراُنہیں وہاں اس الزام میں کہ اُنہوں نے دھوکے سے چائے پی لی ہے۔بہت تنگ اور ذلیل کیا۔چک نمبر 42 شمالی۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر غلاظت پھینکی گئی۔بائیکاٹ جاری رہا۔سرگودھا۔۔۔آج بلاک نمبر 18 میں مسلح غنڈے چاقو اور چھرے لے کر گھومتے رہے۔اس طرح تین احمدی گھروں کے تمام افراد مکانوں میں محصور ہوکر رہ گئے۔اُن کا باہم رابطہ منقطع ہو گیا۔چک نمبر 18 منگلا۔۔۔احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔باٹا پور(لاہور)۔۔۔بائیکاٹ کے باعث احمدی ملازمین کام نہ کر سکے۔اور اُنہیں رخصت لینی پڑی۔کیمبل پور۔۔۔دکانداروں نے احمدیوں کو سودا دینا بند کر دیا۔گھریلو ملازمین نے کام پر آنا بند کر دیا۔کمیٹی کی ٹینکی سے بھی احمدیوں کو پانی نہ مل سکا۔بھلوال۔۔۔ایک احمدی ڈاکٹر کو 24 گھنٹے کے اندر احمدیت سے انکار کرنے یا بھلوال چھوڑ دینے کا الٹی میٹم دیا گیا۔علی پور چٹھہ۔۔۔صدر جماعت کے گھر پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔دکان پر بھی حملہ کیا گیا۔ڈسکہ۔۔۔بغیر کسی حکم کے پولیس نے تمام احمدیوں سے اُن کا لائسنس والا اسلحہ اپنے قبضے میں کر لیا۔الفضل انڈسٹریز کے ملازمین کو کام سے منع کر دیا گیا۔کارخانہ بند ہو گیا۔

3 جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔چار پانچ احمدیوں کو جو گھروں سے باہر نکلے بہت مارا پیٹا گیا۔بعض گھروں کے بجلی کے کنیکشن کاٹ دیئے گئے۔رات کو حافظ مسعود احمد صاحب کے مکان کے نزدیک ایک جلسہ ہوا جس میں جلسہ والوں نے خود ہی ایک دھماکہ کیا اور اس آڑ میں پولیس نے حافظ صاحب کے مکان کی تلاشی لینی شروع کر دی ریونیو آفس میں بھی احمدی ملازمین کا بائیکاٹ کیا گیا۔بھلوال۔۔۔احمدیوں کو قتل کر دیئے جانے کی دھمکیاں بصورت خطوط موصول ہوئیں۔کوٹ مومن۔۔۔ہر دکان پر احمدیوں سے بائیکاٹ کے پوسٹر چسپاں ہو گئے۔کیمبل پور۔۔۔ڈاکٹر عبدالرؤف

کی دکان پر پولیس بھی بیٹھی رہی۔اور پکٹنگ کرنے والے بھی بینر لے کر بیٹھے رہے کہ ''کافر مرزائی سے علاج نہ کراؤ''۔منڈی بہاوالدین۔۔۔آج بازار میں ایک احمدی کو شدید زدوکوب کیا گیا۔

4 جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔ریلوے پولیس کے دو سپاہیوں محمد صدیق اور محمد آصف نامی نے ایک احمدی انوارالحق سے گھی کا ایک کنستر چھین لیا۔ایک احمدی عورت کو جو چوہدری شریف احمد صاحب کے مکان پر کچھ سامان پہنچانے ٹانگے پر آئی تھی شرپسندوں نے گھیر لیا۔اُنہیں بے عزت کیا۔غلیظ گالیاں دیں اور سارا سامان چھین کر سڑک پر پھینک دیا۔بورے والا۔۔۔آج ملز انتظامیہ نے پانچ احمدی ملازموں کو کسی قسم کا تحفظ دینے سے معذرت کر دی۔جہلم۔۔۔ایک احمدی کی کپڑے کی دکان لُوٹ لی گئی۔رسول۔۔۔آج بسوں والوں نے احمدی سواریوں کو بسوں میں بٹھانے سے انکار کر دیا۔لیرک۔۔۔پہلے احمدی گھروں کے سامنے خاردار چھاپے گاڑے گئے تھے۔آج دیوار بنا کر رستہ روک لیا گیا۔چک نمبر 224۔ایل (ساہیوال)۔۔۔یہاں ایک ہی احمدی گھرانہ تھا۔جسے گاؤں والوں نے اتنا تنگ کیا کہ بچوں اور مستورات کو وہاں سے نکلنا پڑا۔دیپال پور۔۔۔بائیکاٹ نے باقاعدہ محاصرے کی شکل اختیار کر لی۔اوکاڑہ۔۔۔شرپسندوں کے تعاقب سے تنگ آ کر آج ایک احمدی نوجوان کو ایف ایس ایف کے ہیڈ کوارٹر میں پناہ لینی پڑی۔چک نمبر 2۔I.R.A۔۔۔شرپسندوں کی شورہ پشتیوں سے تنگ آ کر آج یہاں کے اکیلے احمدی کنبے کو مجبوراً ہجرت کرنا پڑی۔خوشاب۔۔۔ایک احمدی رانا عبدالرشید پر غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ایس ایچ او نے پرچہ کاٹنے سے انکار کر دیا۔چک نمبر 119۔ایل۔(ساہیوال)۔۔۔احمدیوں کے دونوں گھروں کا بائیکاٹ کیا گیا۔سودا سلف خریدنے، ایندھن اور مال مویشی کے لیے چارہ لانے تک پر پابندیاں لگا دی گئیں۔اب کنوؤں سے پانی بھی لینے نہیں دیا جاتا۔کالا گوجراں۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔4 جولائی الٹی میٹم کی آخری تاریخ تھی۔عبدالرزاق وغیرہ

نے عقبی دیواریں پھاند کر جان بچائی۔ مڈھ رانجھا (سرگودھا)۔۔۔بعض احمدیوں کو شدید زدوکوب کیا گیا۔اور بعض پر عقائد سے منحرف ہونے کے لیے تشدد کیا گیا۔

5جولائی 1974ء

بہاول پور۔۔۔شہر کی ہر دکان پر احمدیوں سے بائیکاٹ کی اپیل آویزاں کی گئی ۔شہر کی دیواروں پر غلیظ کلمات لکھے گئے۔پپلاں ۔۔۔شر پسندوں نے ایک احمدی کی دکان اور مکان لُوٹ لیے ۔باقی سامان کو جلا دیا۔ چک نمبر 224۔ایل ۔(ضلع ساہیوال)۔۔۔آج یہاں بعض احمدیوں کو غنڈوں نے بری طرح زدوکوب کیا۔سرگودھا۔۔۔رات کے گیارہ بجے ایک احمدی کے گھر میں آتش گیر مادہ سے بھری ہوئی بوتل پھینکی جس کے پھٹنے سے دیواروں اور اردگرد سامان کو آگ لگ گئی۔شیشے کے ٹکڑے لگنے سے ایک بچی زخمی ہوگئی۔ پاک پتن۔۔۔مسجد احمدیہ پر بالجبر قبضہ کرلیا گیا اور نماز وہیں ادا کی گئی۔ملازمین نے احمدی گھروں میں کام کرنا بند کردیا۔ایک احمدی کی کھڑی فصل کو ہل چلا کر تباہ کرنے کے بعد زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا۔

6جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔احمدی گورنمنٹ ملازمین کو بھی تنگ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔بعض کی زبردستی تبدیلی کردی گئی ۔بعض کو جبری چھٹی پر بھیج دیا گیا۔ایک احمدی خان عبدالستار خاں کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی ۔عبدالوہاب صاحب آفیسر کی شدید پٹائی کی گئی ۔گوجرہ۔۔۔تھانہ پولیس میں احمدیوں کے خلاف جھوٹی رپورٹیں درج کروا کر انہیں پولیس سے تنگ کرانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔لاہور۔۔۔چند احمدی طلبہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں امتحان دینے گئے۔امتحان کے بعد وہ اپنے کمروں میں سوئے ہوئے تھے کہ شرپسند طلبہ نے اُن کی جالیاں توڑ کر پٹرول چھڑک کر اُن کے سارے سامان کو آگ لگا دی ۔لڑکوں نے بھاگ کر بمشکل اپنی جان بچائی۔ چک نمبر 109 آر بی (لائل پور)۔۔۔آج آٹا پیسنے والی مشینوں کے مالکوں نے احمدی حضرات کا آٹا

پینے سے انکار کر دیا۔ چک نمبر 39 اے بی۔۔۔ پولیس بھی احمدیوں کو تائب ہو جانے کی تلقین کرتی رہی۔ گوجرانوالہ۔۔۔ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کو زدوکوب کیا گیا۔ اُن کی دکان بند کرا دی گئی۔ ایک احمدی کے گھر پر پتھراؤ کیا اور دروازے کو توڑ پھوڑ دیا۔ صدر گوگیرہ۔۔۔ ڈاکٹروں نے بھی احمدیوں کو دوائی دینے سے انکار کر دیا۔ خاکروبوں پر صفائی کرنے کی پابندیاں لگا دی گئیں۔ چک نمبر 295 (ج ب)۔۔۔ ایک احمدی کو بری طرح مارا پیٹا گیا۔

چک نمبر 100 (آر بی اڑکا)۔۔۔ احمدیوں کی دکانوں اور مسجد احمدیہ پر پتھراؤ کیا گیا۔ مسجد پر حملہ نماز عشاء کے دوران کیا گیا۔ پتھروں کے علاوہ غلاظت اور گوبر وغیرہ بھی صحن مسجد میں پھینکا گیا۔ اُس کے بعد احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کر کے شدید توڑ پھوڑ کی گئی۔ اسلام آباد ۔۔۔ ایک احمدی کے مکان پر آتشگیر مادہ پھینک کر گھر کا دروازہ جلا دیا گیا۔

7 جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔ چودھری عطا اللہ ایڈووکیٹ غیر احمدی ملازم کو بھی غنڈوں نے زدوکوب کیا۔ آج خادم مسجد کو اذان نہ دینے دی گئی۔ جھنگ۔۔۔ ایک وکیل نے ایک احمدی موکل کے مقدمہ کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا مگر فیس واپس نہ کی۔ چک نمبر 2/24۔ ایل (ساہیوال)۔۔۔ ایک مشتعل ہجوم نے ایک احمدی ٹیچر کے گھر جا کر اس پر احمدیت سے تائب ہونے کے لیے تشدد کیا ۔ اوکاڑہ سے کچھ احمدی ان کی امداد کو آئے تو ان پر حملے کا الزام لگا کر انہیں پولیس کے حوالے کر دیا ۔ خوشاب۔۔۔ ایک احمدی کی قبر کھول کر اُن کی نعش نکال لی گئی۔ اور اُس کی بے حرمتی کی گئی ۔ جہلم۔۔۔ پولیس نے دو احمدی گھرانوں کو خالی کرا لیا۔ کوٹلی۔۔۔ ایک احمدی کی قبرستان میں تدفین نہیں ہونے دی۔ گوجرہ۔۔۔ پکٹنگ کے علاوہ آج احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ بھی کیا گیا ۔ کوٹ مومن۔۔۔ آج دو احمدیوں خواجہ نصیر احمد اور گلزار احمد کو مارا پیٹا گیا۔ کراچی ۔۔۔ دوستگیر کالونی میں چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے مکان پر پلاسٹک بم پھینکا گیا جس سے بشیر احمد

صاحب زخمی ہو گئے تھے۔ چک نمبر 169 (مراد)۔۔۔ایک احمدی منصور احمد صاحب کو مارا گیا ۔غنڈوں نے اُن کی مزاج پرسی کے لیے آنے والوں کو اُن کے گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔از 8جولائی 1974ء تا 15جولائی 1974ء

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

قسط نمبر 5

8جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔29مئی 1974ء کے واقعہ کی بناء پر پولیس نے ربوہ کے 86افراد کو گرفتار کر کے سرگودھا ڈسٹرکٹ جیل میں بند کر دیا تھا۔اُنہیں ملنے کے لیے تین چارلڑکے سرگودھا گئے ۔جنہیں پندرہ سولہ غنڈوں نے گھیر لیا اور ہنٹروں ،ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے زدوکوب کیا۔ریوالور سے چند فائر بھی کیے گئے۔نیز دو احمدی عبداللہ جان صاحب اور طاہر محمود باجوہ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے کہ غنڈوں نے اُنہیں اچانک حملہ کر کے شدید زخمی کیا۔جڑانوالہ ۔۔۔احمدیوں کے گھروں پر پکٹنگ شدید کر دی گئی۔ایک غیر احمدی ماشکی کو ایک احمدی کے گھر میں پانی ڈالنے کی وجہ سے مارا گیا۔باغ (آزاد کشمیر)۔۔۔گوجرانوالہ کے مولویوں نے ایک جلسہ میں اشتعال انگیز تقریریں کر کے عوام کو احمدیوں کے بائیکاٹ پر اکسایا۔نیز فتویٰ دیا کہ اُنہیں حکومت کے فیصلے سے قبل ہی قتل کر دیا جائے۔بعض غنڈوں نے ایک احمدی ڈاکٹر اطہر محمود کو پکڑ کر بہت مارا پیٹا اور اُس کی گھڑی اتار کر لے گئے۔پریم کوٹ (گوجرانوالہ)۔۔۔ایک جلسہ میں احمدیوں کے سوشل بائیکاٹ پر زور دیا گیا۔ساہیوال۔۔۔احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔نیز محمد عاشق صاحب سیکرٹری مال کی دکان پر (جو مشترکہ تھی) غیر احمدیوں نے قبضہ کر لیا۔شورکوٹ۔۔۔تین احمدیوں کا سامان چھین لیا گیا۔اور اُن کا منہ کالا کر کے اُنہیں شہر بھر میں پھرایا گیا۔اڈہ لاریاں

پکٹنگ کی گئی کہ کوئی بس کسی احمدی سواری کو نہ اٹھائے۔ بنگلہ ڈاہرانوالہ۔۔۔ایک احمدی ڈاکٹر آم خرید کر گھر آ رہا تھا کہ غنڈوں نے آم چھین لیے اور انہیں پیٹا۔

9 جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔تقریباً سو افراد نے میرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ سرگودھا کی کوٹھی کا گھیراؤ کر کے تلاشی لینے کا مطالبہ کیا۔ پولیس نے تلاشی لی۔ اور وجہ یہ بتائی کہ میرزا صاحب نے ایک دن قبل جیپ پر سوار ہو کر اسلحہ تقسیم کیا ہے۔ اُس کے علاوہ ایک اور احمدی برکت اللہ صاحب کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ دونوں جگہوں سے کچھ برآمد نہ ہوا۔ لائل پور۔۔۔ظفر اقبال صاحب کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اُنہیں لائل پور چھوڑنا پڑا۔ جامع مسجد کچہری میں جلسہ ہوا۔ جس میں علی الاعلان یہ کہا گیا کہ ہم صرف 15 جولائی تک انتظار کریں گے ۔اُس کے بعد سوائے ربوہ کے کہیں کوئی احمدی دیکھنے کو نہ ملے گا ۔ چک نمبر 39 (ڈی ۔بی)۔۔۔ملحقہ گاؤں میں تقریریں کر کے سارے علاقے میں احمدیوں کے سوشل بائیکاٹ کی تلقین کی گئی ۔ککی نُو۔۔۔احمدیوں کے مکمل بائیکاٹ کی تحریک کی گئی ۔ چک نمبر 10 (ڈی ۔بی)۔۔۔علمِ دین نے احمدیوں کے بائیکاٹ کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ یہاں کوئی احمدی بچہ بھی زندہ نظر نہ آئے ۔اوکاڑہ۔۔۔مقامی وکلاء نے احمدیوں کے مقدمات کی پیروی سے انکار کر دیا۔ پھگلہ (ہزارہ)۔۔۔تلقین کی گئی کہ کسی احمدی کو قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے ۔ڈسکہ ۔۔۔چار گھوڑے گاڑیاں ایک احمدی کے برف کے کارخانے سے برف لے کر نکلیں غنڈوں نے گاڑیاں روک کر ساری برف نہر میں پھینک دیں ۔گوجر خاں ۔۔۔بائیکاٹ کے علاوہ پکٹنگ بھی شروع کر دی گئی ۔غیر احمدی مقروضوں نے احمدیوں کے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں عقیدہ بدلنے کی شرط عائد کر دی ۔تہال ۔۔۔احمدیوں کے مکانوں پر حملہ کیا گیا۔ تمام سامان لُوٹ لیا ۔گھروں کو آگ لگا دی گئی ۔ پولیس اور ہجوم کے درمیان مقابلہ ہوا۔ جس میں دو آدمی مارے

گئے۔اس ہنگامے میں احمدیوں کے بارہ مکان اور دو دکانیں لوٹ لی گئیں۔نیز ایک احمدی کے مکان پر گرنیڈ پھینکا گیا۔

10 جولائی 1974ء

بھیرہ۔۔۔شدید ناکہ بندی جاری رہی۔نائب امیر جماعت محمد احسن صاحب کو غنڈوں نے ڈاکخانے میں پکڑ کر زدوکوب کیا۔اور احمدی عورتوں کو جب وہ بازار سے سودا سلف خریدنے آئی تھیں غنڈوں نے پکڑ کر بے نقاب کیا اور لوگوں سے کہا کہ اُن کو اچھی طرح دیکھ لو اور آئیندہ کوئی سودا مت دیا جائے۔سودا وغیرہ چھین لیا گیا۔کھاریاں۔۔۔چودھری شریف احمد صاحب اور کرنل چودھری صاحب کے مکانوں پر حملہ کر کے غنڈوں نے سارا سامان لوٹ لیا اور گھروں کو آگ لگا دی۔نیز بشیر احمد صاحب کی دکان پر حملہ کر کے دکان کو توڑا پھوڑا گیا اور سامان لوٹ لیا۔ہجکہ۔۔۔ایک بہت بڑا جلسہ میں غنڈوں نے احمدیوں کو غلیظ ترین گالیاں دیں۔ایک بچے نے احتجاج کیا تو پولیس حرکت میں آگئی اور پانچ احمدیوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔چک نمبر 208۔(د۔ب) ۔۔۔احمدیوں کے کھیتوں کو پانی دینے پر پابندی عائد کی گئی احتجاج کیا گیا تو ہلہ بول کر کئی احمدیوں کو زخمی کر دیا گیا۔چک نمبر 298۔(د۔ب)۔۔۔بائیکاٹ اور پکٹنگ دونوں شدید کر دیئے گئے ۔ایک جلسہ میں یہ کہہ کر عوام کو اشتعال دلایا گیا کہ مشرقی پاکستان احمدی جرنیلوں نے گنوایا ہے ۔گوجرانوالہ۔۔۔ایک احمدی بچی کی نعش کو قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا گیا۔نعش کو ربوہ لے جا کر دفن کرنا پڑا۔ساہیوال۔۔۔ملک محمد مستقیم صاحب ایڈووکیٹ کے گھر میں دستی بم پھینکا گیا جس کے پھٹنے سے ملک صاحب زخمی ہو گئے۔چک نمبر 30۔(بہاول نگر)۔۔۔احمدیوں کو اپنے عقائد چھوڑنے کے لیے مجبور کیا گیا۔

11 جولائی 1974ء

۔۔اوکاڑہ۔۔۔پکٹنگ سخت کر دی گئی۔جو دکاندار احمدیوں کو سودا دیتا اسے بھی منہ کالا کر کے

بازاروں میں پھیرایا جاتا۔شیخ فضل محمد نذیر احمد کا نمائندہ ایک قریبی گاؤں میں رقم کی وصولی کے لیے گیا اُسے زدوکوب کر کے لُوٹا گیا۔گوجر خاں ۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر بڑے غلیظ قسم کے پوسٹر چسپاں کیے گئے ۔گوجرہ۔۔۔سخت سوشل بائیکاٹ کیا گیا ۔مسجد ہاروی میں بڑی دلآزار تقریریں کر کے احمدیوں کے خلاف اشتعال پھیلایا گیا۔دیواروں پر فحش گالیاں اور غلیظ فقرات احمدیوں کے متعلق لکھے گئے ۔چنیوٹ۔۔۔ایک جلسہ میں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کر کے عوام کو اُن کے خلاف اکسایا۔پولیس نے سید محبوب علی شاہ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو وہ فرار ہو گئے ۔پولیس نے شیخ اعجاز قدیر اور ایک ڈاکٹر کو پکڑ لیا۔دو احمدی جو رات کو ربوہ جانے کے لیے اسٹیشن پر آئے تھے۔پولیس نے اُنہیں اس الزام میں حراست میں لے لیا۔تو یہ بھی جلسہ میں تھے اور تین دن کے بعد چھوڑا۔لالیاں۔۔۔مکمل بائیکاٹ کے علاوہ یہ اعلان کیا گیا کہ جو احمدی بازار میں نظر آیا اسے قتل کر دیا جائے گا۔چک نمبر 297۔(ج۔ب)۔۔۔احمدیوں کا مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔نصیرہ۔(ضلع گجرات)۔۔۔سوشل بائیکاٹ کے علاوہ یہ اعلان کیا گیا کہ اگر اُنہوں نے احمدیت نہ چھوڑی تو تمام احمدیوں کے گھر جلا دیئے جائیں گے۔سرگودھا۔۔۔ایک احمدی کی کپڑے کی دکان کا تالا توڑ کر تمام کپڑا لوٹ لیا گیا۔چک نمبر 3 آر 27/۔(بہاول نگر)۔۔۔شر پسندوں نے احمدیوں کے مکانوں پر حملہ کرنے کی ناکام کوشش کی ۔تہال ۔۔۔پولیس فائرنگ سے مرنے والوں کا انتقام لینے کے لیے اعلان کیا گیا کہ اب احمدیوں کی عورتوں پر بھی دست درازی کی جائے گی۔چک نمبر 303۔(لائل پور)۔۔۔دو احمدیوں کو جھوٹے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔بعد میں بیٹے کو چھوڑ دیا گیا۔مگر باپ کو حراست میں رکھا گیا۔

12 جولائی 1974ء

چنیوٹ۔۔۔تین احمدیوں (ہدایت اللہ ناصر، شیخ مقبول احمد امینی اور عطاء اللہ صاحب امینی) کو جو ربوہ سے لاہور کے لیے ریل کار پر سوار ہوئے تھے۔غنڈوں نے چنیوٹ کے اسٹیشن پر زبردستی

گاڑی سے اتار لیا اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔عطاء اللہ امینی تو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ باقی دونوں کا منہ کالا کر کے سر اور ابرو مونڈ کر پولیس اور فیڈرل سیکورٹی فورس کی موجودگی میں بازاروں میں پھرایا گیا۔ چک نمبر 69 گ۔ب (مریح) ضلع لائل پور۔۔بائیکاٹ کر علاوہ اعلان کیا گیا کہ احمدیوں کے مردوں کو قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔بھیرہ۔۔شدید بائیکاٹ کے باعث فاقوں تک نوبت آ گئی۔ان فاقہ کشوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔کوٹلی۔(آزاد کشمیر)۔۔بول چال کا بھی بائیکاٹ رہا۔گھروں پر پکٹنگ بھی لگائی گئی۔سیالکوٹ۔۔ایک جلسہ عام میں ایک مولوی احسان الٰہی ظہیر نے اعلان کیا کہ اگر کوئی نبی آنا ہی تھا تو پھر میرے جیسا خوبصورت نبی آنا چاہیے تھا۔کھاریاں۔۔۔غنڈوں نے ایک احمدی عبدالحمید کے مکان کو آگ لگا دی۔ چک نمبر 285۔رنگونگل۔۔بائیکاٹ کے دوران احمدیوں پر عقائد سے منحرف ہو جانے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔لاہور۔باٹا پور۔(لاہور)۔۔فیکٹری میں احمدی ملازمین کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا ۔ہڑپہ۔۔بائیکاٹ کے علاوہ ایک احمدی عبدالطیف صاحب کو زدوکوب کیا ۔میانی۔ (سرگودھا)۔۔اعلان کیا گیا کہ احمدی یہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں ورنہ ہم اُنہیں ختم کر دیں گے ۔چک نمبر 300 ج ب۔(لائل پور)۔۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔مسجد احمدیہ پر پتھراؤ بھی کیا گیا

13 جولائی 1974ء

تخت ہزارہ۔۔۔رات کے وقت شرپسندوں نے احمدیوں پر ہلہ بول دیا۔حملہ آور کلہاڑیوں ،آتش گیر مادہ اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ یہ ہنگامہ آٹھ گھنٹے جاری رہا۔احمدیوں کی آٹھ دکانیں اور بارہ مکان جلا دیے گئے۔ پولیس باوجود اطلاع کے ہنگامے کے بعد پہنچی۔اور آتے ہی چھ احمدیوں کو ہی گرفتار کر لیا۔میانی۔(سرگودھا)۔۔۔دو احمدیوں کا منہ کالا کر کے اُنہیں بازار میں پھرایا گیا ۔حضور پور ریلوے اسٹیشن پر شیزان کی بوتلوں کے بھرے کریٹ توڑے گئے ۔چنیوٹ ۔۔۔ایک احمدی محمد یوسف ناصر لائل پور سے بذریعہ ریل گاڑی ربوہ آ رہے تھے چنیوٹ میں

غنڈوں نے اُنہیں گاڑی سے کھینچ کر اتار لیا۔اُن کے سر کے بال اور ابرو مونڈ دیئے۔اور پولیس کی موجودگی میں اُن کا منہ کالا کر کے سارے شہر میں پھرایا گیا۔ہڑپہ۔۔۔صدر جماعت احمدیہ عطاءاللہ صاحب کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔بیشتر احمدی اپنے مکان چھوڑ کر دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے ۔راولپنڈی۔۔۔سوشل بائیکاٹ کے علاوہ پکٹنگ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔چک نمبر 296ج ۔ب۔(لائل پور)۔۔۔بائیکاٹ مزید شدید کر دیا گیا۔چک نمبر 22ر۔ب۔(کوٹ احمد خاں)۔۔۔بائیکاٹ کے باعث احمدی کارندے نا ملنے کے باعث مونجی کاشت نہ کر سکے۔چک نمبر 30۔(ضلع بہاول نگر)۔۔۔احمدیوں پر عقائد سے منحرف کرانے کے لیے تشدد کیا گیا۔چک نمبر 102د۔ب بڑھیوالہ(ضلع لائل پور)۔۔۔احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔اور عقائد سے منحرف کرنے کے لیے تحریک چلائی گئی۔سرگودھا۔۔۔ایک چودہ سالہ بچے کو جو احمد نگر آنا چاہتا تھا ایک ڈرائیور نے خنجر مار کر زخمی کر دیا نیز رشید مکینکل ورکس پر قبضہ کر لیا گیا۔تالے توڑ کر تمام سامان لُوٹ لیا گیا۔

کوٹ مومن۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ جاری رہی۔مسجد احمدیہ پر پتھراؤ کیا گیا۔تمام بلب اور شیشے وغیرہ توڑ دیئے گئے۔سروار پور(سرگودھا)۔۔۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔ڈھول بالا۔(سرگودھا)۔۔۔احمدیوں پر تمام اشیاء ضروریات بند کر دی گئیں۔ایک احمدی کا تنور توڑا گیا۔بوچھال کلاں۔۔۔ایک جلسہ عام میں احمدی کو لُوٹنا کارِ ثواب قرار دیا گیا۔ان کے مال واسباب کو''مال غنیمت''قرار دے کر عوام کو اُن کے قتل پر اکسایا گیا۔اوکاڑہ۔۔۔مسلم جنرل سٹور اور ایک اور احمدی کی دکان پرنس کلاتھ ہاؤس سے کپڑا خریدنے والی عورتوں سے بالجبر کپڑا واپس کروایا گیا۔ساہیوال۔۔۔ایک احمدی قاضی عبدالرشید صاحب کے گھر پر کئی دفعہ حملے کیے گئے اور آگ لگائی گئی۔حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر احمدی اپنے اپنے گھروں میں ہی نمازیں ادا کرنے لگے۔علی پور۔(مظفر گڑھ)۔۔۔سوشل بائیکاٹ اور پکٹنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ایک مولوی نے

بازار میں کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ وہ کسی احمدی کو ضرور قتل کرے گا۔عبدالحکیم۔۔۔سوشل بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔چک نمبر 295 گ۔ب بیریانوالہ۔(ضلع لائل پور)۔۔۔ملحقہ چکوک کے غنڈوں نے احمدیوں کے گھروں کو آگ لگا دی۔سینوں کی باہم لڑائی کا الزام احمدیوں کے سر تھوپ کر اشتعال پھیلایا گیا۔اور احمدیوں کے گھروں کو جلانے کی کوشش کرنے لگے۔لیکن ڈی ایس سی صاحب کی بروقت مداخلت سے اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے پولیس نے بلاوجہ پانچ احمدیوں کو گرفتار کرلیا۔

14 جولائی 1974ء

بھیرہ۔۔۔شر پسندوں نے ایک احمدی بچے کو پکڑ کر خوب مارا پیٹا۔ایک احمدی کو گھیر کر اس پر آتشیں گلابی رنگ پھینک دیا گیا۔مسجد احمدیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور اعلان کیا کہ جو احمدی یہاں نماز پڑھے گا وہ نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا۔خوشاب۔۔۔ایک جلسہ عام میں کہا گیا کہ ہم احمدیوں سے 1953ء کا بدلہ لیں گے۔اُن کی لاشوں کو جلائیں گے۔تاکید کی گئی کہ کوئی نائی کسی احمدی بچے کا ختنہ نہ کرے۔نارووال۔۔۔ایک احمدی مبارک احمد سیکرٹری کمیٹی کو رات کے گیارہ بجے دھوکے سے باہر بلا کر زدوکوب کیا گیا۔مرزا محمد اسماعیل کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔میرک۔(ضلع ساہیوال)۔۔۔تمام احمدیوں کے مکانوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔اب انہیں مویشیوں کے لیے چارہ بھی چھتوں پر سے ہوکر دیواریں پھلانگ کر لانا پڑتا تھا۔

ظفروال۔۔۔شر پسندوں نے حکیم محمد عبداللہ صاحب باجوہ کی دکان پر حملہ کرکے اُسے لُوٹا اور آگ لگا دی۔مگر آگ پر بہت جلد قابو پا لیا گیا۔چک نمبر 244۔ایل (ساہیوال)۔۔۔ایک احمدی چودھری بشیر احمد کو اتنا تنگ کیا گیا کہ وہ نقل مکانی کے لیے تیار ہو گئے۔ساہیوال ۔۔۔بائیکاٹ کے علاوہ دو احمدیوں کے گھروں میں گولے پھینکے گئے جن سے گھروں میں آگ لگ گئی۔ربوہ۔۔۔ایک احمدی مبارک احمد طاہر بہاول پور سے ربوہ آرہے تھے لائل پور سے جب وہ

میانوالی ٹرانسپورٹ پرسوار ہوئے تو لائل پور سے دس میل کے فاصلے پر چنیوٹ کے کچھ شرپسندوں نے انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔کنڈیکٹر نے انہیں اُسی وقت وہیں اتار دینے کا فیصلہ کیا۔بحکہ ۔۔۔پولیس نے تمام احمدی گھرانوں کے مردوں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا ان میں بعض چھوٹ عمر کے بچے بھی تھے جن کی عمریں بمشکل 9,9 / 8,8 سال کی تھیں۔بہاول پور۔۔۔حاجی احمد بخش کے مکان کو آگ لگا دی گئی۔جس سے مکان کا ایک حصہ جل گیا۔ایک احمدی شریف احمد جاوید کو رات کے وقت پکڑ کر سخت زدوکوب کیا۔دنیا پور۔۔۔سوشل بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔راولپنڈی ۔۔۔ 14 / 7 / 1974 کو صبح کے وقت مسجد احمدیہ میں بم کا ایک دھماکہ ہوا۔کھڑکیاں اور روشندان ٹوٹ گئے۔مسجد کی عمارت ہل گئی۔لیٹرین کا دروازہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ایک احمدی بشیر احمد طاہر بہت بری طرح زخمی ہوئے۔واہ کینٹ۔۔۔احمدی گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔چار احمدی اس پتھراؤ سے زخمی ہوئے۔پریم کوٹ۔(آزاد کشمیر)۔۔۔گاؤں کے تمام کارندوں (لوہاروں ،ترکھانوں اور نائیوں)نے احمدیوں کا کام کرنا چھوڑ دیا۔رات کے وقت احمدی گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔احمدی بچوں کو سکول جاتے ہوئے مارا پیٹا گیا۔

15 جولائی 1974ء

گوجر خاں۔۔۔احمدیوں نے دکانیں کھولی ہی تھیں کہ دوبارہ پکٹنگ لگا دی گئی۔دکانوں پر بڑے بڑے غلیظ بینرز آویزاں کیے گئے۔ربوہ۔۔۔سرگودھا۔۔۔سے لائل پور جانے والی اعوان کمپنی کی ایک بس میں سوار چالیس کے قریب افراد نے ربوہ سے گزرتے وقت بڑے ہی غلیظ اور اشتعال انگیز نعرے لگائے۔بھیرہ۔۔۔ساڑھے تین بجے مسجد احمدیہ پر حملہ کیا گیا۔لیکن شرپسند مسجد پر قبضہ کرنے اور لاؤڈ اسپیکر چرانے میں ناکام رہے۔ساہیوال۔۔۔رات کے وقت 8احمدیوں کے گھروں پر آگ کے گولے پھینکے گئے۔جس سے دو احمدی شدید زخمی ہوئے۔حافظ آباد۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی گئی۔تلونڈی بھنڈواں۔۔۔احمدیوں کو مشترکہ مسجد میں

جہاں وہ 1957ء سے نمازیں پڑھ رہے ہیں۔نمازیں پڑھنے سے روک دیا گیا۔بھکر ۔۔۔احمدیوں کے شہراور بازاروں میں آنے پر پابندی عائد کردی گئی۔ہیروغربی۔(ضلع ڈیرہ غازی خاں)۔۔۔سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ایک بوڑھے احمدی کو زدوکوب کیا گیا۔احمدیوں کو کنویں سے پانی لینے سے روک دیا۔اُن کے پانی کے گھڑے توڑ دیئے گئے۔

از16جولائی تا23جولائی1974ء

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

قسط نمبر 6

16جولائی1974ء

سرگودھا۔۔۔ربوہ کے قریب 35احمدی افراد اپنے عزیزوں سے سرگودھا ڈسٹرکٹ جیل میں ملاقات کے لیے گئے۔جب یہ واپسی کے لیے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔اوران میں سے کچھ ابھی پل سے اتر ہی رہے تھے کہ چاروں طرف سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔جن سے زخمی ہوکر نو دس افراد خون میں لت پت پلیٹ فارم پر گر گئے۔اور پھر ایک گھنٹہ تک وہیں پڑے ایڑیاں رگڑتے رہے۔ریلوے کا عملہ پولیس یا کوئی اوراُنہیں اٹھانے کے لیے قریب نہ پھٹکا۔ان زخمیوں میں ایک بزرگ ماسٹر ضیاء الدین ارشد نامی تھے۔جن کے سر میں گولی لگی تھی۔اور جو تین ماہ تک موت وحیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔کوٹلی۔۔۔ماشکی ،خاکروب اور سبزی فروش تک بائیکاٹ میں شامل ہوگئے۔مسلسل بے روزگاری کے باعث احمدی مزدور کی حالت زار ہوگئی۔میر پور۔۔۔3دکانداروں نے احمدیوں کے ہاتھ سودا سلف فروخت کرنا بند کر دیا۔گکھڑ منڈی۔۔۔آج احمدیوں پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔رحیم یار خاں۔۔۔بائیکاٹ کے علاوہ احمدیوں کو حیلوں بہانوں سے بے عزت اور تنگ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔تتلے عالی

۔۔۔گاؤں والوں نے اعلان کیا کہ اب وہ احمدیوں کو دوبارہ یہاں آباد نہیں ہونے دیں گے۔

17 جولائی 1974ء

اوکاڑہ۔۔۔شدید پکٹنگ کے باعث احمدیوں کا گھروں سے نکلنا محال ہوگیا۔ڈسکہ۔۔۔طاہر اسلام عرف گڈو نامی بدمعاش فلم دیکھ کر واپس آتے ہوئے اپنے کسی پرانے دشمن سے لڑائی میں زخمی ہوگیا۔صبح اس نے مولویوں کے کہنے پر پولیس میں رپورٹ درج کرائی کہ اس پر احمدیوں نے رات قاتلانہ حملہ کیا ہے۔اس پر پولیس حرکت میں آئی بغیر کسی جواز یا ثبوت کے تین احمدیوں کو گرفتار کر کے سیالکوٹ حوالات میں لے جا کر بند کر دیا۔جڑانوالہ۔۔۔ایک احمدی گھر سے سودا سلف لینے کے لیے نکلا تو اسے پکڑ کر اس کا منہ کالا کیا۔اور اسے گلیوں میں پھرایا گیا۔گجرات شہر ۔۔۔ایک بڑا جلوس نکالا گیا۔جس نے ایک احمدی کی دکان لوٹ لی۔خوشاب ۔۔۔جامع مسجد بازار کے ایک جلسہ میں حلف اٹھایا گیا کہ اب ہم احمدیوں کو نیست و نابود کر کے ہی دم لیں گے ۔مردان۔۔۔ڈپٹی کمشنر نے ایک احمدی کو بیس دن کے لیے ضلع بدر کر دیا ایک احمدی محمد شعیب نامی ایس ڈی او کے مکان پر جا کر اس سے زبردستی ایک تحریر کے عقائد کے خلاف لکھوائی گئی۔کیمبل پور ۔۔۔ایک احمدی کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔بازید خیل۔۔۔ایک احمدی کو بری طرح مارا پیٹا گیا۔

18 جولائی 1974ء

خوشاب ۔۔۔ایک جلسہ میں یہ الزام لگایا گیا کہ افغانستان اور بھارت نے جو اس وقت پاکستان کی سرحدوں پر گڑ بڑ مچا رکھی ہے یہ سب احمدیوں کی شرارت ہے۔فلور مشینوں کے مالکوں نے احمدیوں کا آٹا پیسنے سے انکار کر دیا۔بعض احمدیوں کو زدوکوب کیا گیا۔ایک احمدی بچہ اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا کہ شور مچا دیا گیا۔اور پھر اس مکان پر حملہ کر کے اس کا سر اینٹ مار کر پھاڑ دیا گیا۔پولیس کو اطلاع دی گئی۔لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔جھنگ ۔۔۔آج یہاں چھوٹے

بچوں سے جلوس نکلوائے گئے ۔جو احمدیوں کے گھروں پر جا کر انہیں غلیظ گالیاں دیتے رہے ۔مغلپور۔(لاہور)۔۔۔رات کے وقت مسجد احمدیہ اور دو احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا ۔وجھ۔۔۔یہاں پر ایک ہی احمدی ڈاکٹر محمد ایوب تھے۔مولویوں نے لوگوں کو اُن کو لُوٹنے مارنے پر اکسایا۔ڈاکٹر صاحب رات کی تاریکی میں اپنے گھر والوں سمیت وہاں سے نکل کر ربوہ میں آ گئے ۔بہاول نگر۔۔۔ایک احمدی دوست شیخ اقبال صاحب کے مکان پر دستی بم پھینکا گیا۔جس سے مکان کی دیواروں کو شدید نقصان پہنچا۔ساہیوال۔۔۔حالات مزید خراب ہو گئے۔آج ایک احمدی کی دکان اور بھٹے پر بالجبر قبضہ کر لیا گیا۔شر پسندوں نے ہنگامے کر کے بعض احمدیوں کو زخمی کر دیا۔گوجر خاں۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ شدید کر دی گئی۔

گجرات۔۔۔جماعت احمدیہ کے سابق امیر کے مکان کو آگ لگا دی گئی۔جس سے دروازے کا ایک حصہ جل گیا۔لائل پور۔۔۔ڈاکٹر مقبول صاحب (جو جیل میں تھے) کے بعض عزیز اور مستورات اُن کے گھر سے سامان نکالنے کے لیے گئیں تو محلے کے بچوں سے اُن پر پتھراؤ کرایا گیا ۔مستورات کے برقعے اتارنے کی کوشش بھی کی گئی ۔بازید خیل۔۔۔آج ایک احمدی نوکر سے بازار میں تمام سودا چھین لیا گیا۔اور اسے مارا دھمکایا گیا۔ایک جلوس نکالا گیا جس کی قیادت کرنے والا شخص ایک بڑا سا چاقو لہرا رہا تھا۔احمدی گھروں کی ناکہ بندی مسلح کر دی گئی۔اور سوشل بائیکاٹ اور سخت کر دیا گیا۔

19 جولائی 1974ء

لائل پور۔۔۔دن کے وقت ایک جلوس نے ایک احمدی ملک عبدالحکیم صاحب کی دکان کے شوکیس جلا دیئے ۔باقی دونوں کو بھی آگ سے نقصان پہنچا۔تخت ہزارہ۔۔۔آج مسجد احمدیہ پر بھی بالجبر قبضہ کر لیا گیا۔اور عام اعلان کیا گیا کہ جو احمدی احمدیت سے تائب نہیں ہوئے اُن کے گھروں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا گیا۔لُوٹے ہوئے مال کو باہم تقسیم کیا گیا۔مبینہ طور پر پولیس کو اس

میں سے وافر حصہ ملا۔سرگودھا۔۔۔لُوٹ مار تشدد اور چھینا جھپٹی کے واقعات جاری رہے ایک احمدی سے راشن کارڈ چھین کر پھاڑ دیا گیا۔ایک احمدی کا تعاقب کر کے اس پر پتھراؤ کیا گیا۔ایک کی سائیکل چھین لی۔اور ایک احمدی کا بجلی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔اوکاڑہ۔۔۔ایک احمدی کے پٹرول پمپ پر حملہ کر کے سارا سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔چوک اعظم۔(ضلع مظفر گڑھ)۔۔۔ایک جلوس نے ایک احمدی کرایہ دار دکاندار سے زبردستی دکان خالی کروالی۔پولیس کو اطلاع دی گئی تو جواب ملا بہتر ہے۔یہاں سے کہیں چلے جاؤ۔آتے جاتے احمدیوں کو گالیاں دینے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔نائیوں تک نے احمدیوں کی حجامت بنانے سے انکار کر دیا۔رحیم یار خاں۔۔۔شدید پکٹنگ اور گھیراؤ کے باعث احمدیوں کا دکانیں کھولنا محال ہوگیا۔شرپسندوں نے بعض احمدی گھروں پر شدید پتھراؤ کیا۔کوٹلی۔۔۔آج یہاں سردار عبدالقیوم نے قرارداد الحاق پاکستان کے نام پر لوگوں کو جمع کر کے اس میں احمدیوں کے خلاف تقریر کی۔جلوس نکالا جس کی قیادت خود کی۔جس میں دل آزار نعروں کے علاوہ احمدیوں کو غلیظ گالیاں دی گئیں۔تمام احمدی گھرانے اشیاء خورد ونوش سے محروم رہے۔سرکاری ڈپوؤں نے بھی اشیاء خوردنی کی سپلائی سے انکار کر دیا اور انتظامیہ محض تماشائی بنی رہی۔گوجر خاں۔۔۔پکٹنگ کے علاوہ احمدیوں کے ٹیلیفون ٹیپ کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔بازید خیل۔(ضلع پشاور)۔۔۔ایک مشتعل جلوس ڈاکٹر منظور احمد صاحب کی دکان میں گھس گیا۔اور اُن پر اپنے عقائد سے انحراف کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔احمدیوں کے ہاتھ سودا فروخت کرنے والے ایک غیر احمدی دکاندار کو مارا گیا۔

20 جولائی 1974ء

گوجرہ۔۔۔اشتعال انگیز جلوسوں کا سلسلہ جاری رہا۔عنایت اللہ نامی ایک مولوی نے عوام کو اس بات پر اکسایا کہ قبرستانوں سے احمدیوں کے مردے نکال کر باہر پھینک دیئے جائیں۔ان سے ہمارے قبرستان ناپاک ہو گئے ہیں۔بھمبر۔۔۔بائیکاٹ جاری رہا۔ایک احمدی دکاندار سے

زبردستی دکان خالی کرالی گئی ۔ایک اور احمدی کا بجلی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔بعض احمدیوں پر اپنے عقائد سے منحرف ہو جانے کے لیے تشدد کیا گیا۔اُولیاں جٹاں ۔(آزاد کشمیر)۔۔۔رات کو ایک شر انگیز جھوٹ تراش کر احمدیوں کے گھروں پر حملہ بول دیا گیا۔لیکن خدا کے فضل و کرم سے تمام احمدی معجزانہ طور پر بچ گئے ۔ بھابڑہ ۔(آزاد کشمیر)۔۔۔آج بعض احمدیوں پر اپنے عقائد سے تائب ہو جانے کے لیے شدید دباؤ ڈالا گیا۔لائل پور۔۔۔ڈی ٹائپ کالونی میں جن احمدیوں کو گرفتار کیا گیا تھا اور جن کی مستورات دارالامان میں تھیں جب وہ واپس گھروں میں آئے تو گھروں کا تمام سامان غائب تھا ۔حالانکہ ان گھروں کی حفاظت پر سیکیورٹی کا تمام سامان غائب تھا ۔حالانکہ ان گھروں کی حفاظت پر سیکیورٹی فورس متعین تھی ۔ بڈھے چک ۔(لائل پور)۔۔۔مکمل بائیکاٹ رہا۔ایک جلوس جب ایک ایسی احمدی خاتون کے مکان پر حملہ بولنے گیا۔تو جلوس ہی کے نصف سے زیادہ افراد نے یہ کہہ کر جلوس کے قائدین کو شرم دلائی ۔کہ اسی خاتون نے تو گاؤں کے نصف سے زیادہ بچیوں کو قرآن مجید پڑھایا ہے ۔اس پر جلوس نے اپنا رخ موڑ لیا۔آج احمدیوں پر اپنے قائد سے منحرف کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا رہا ۔چک نمبر 100 آر ۔بی ۔اڑکا۔۔۔بائیکاٹ جاری رہا۔مساجد میں اشتعال انگیز تقریروں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔لاہور ۔۔۔آر۔اے بازار میں جلسہ ہوا۔جس کے بعد کچھ شر پسندوں نے ایک احمدی کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی ۔دروازے کو نقصان پہنچا۔ چک نمبر 88 شمالی ۔(ضلع سرگودھا)۔۔۔سرگودھا سے ایک عالم دین آئے اور اشتعال انگیز تقریر کے بعد بائیکاٹ شروع کرا گئے ۔

21 جولائی 1974ء

مغلپورہ۔(لاہور)۔۔۔آج یہاں پندرہ ،بیس سائیکل سواروں نے علاقے میں افواہ پھیلا دی کہ احمدیوں نے ہمارے چار مکان جلا دیئے ہیں ۔اس کے ساتھ ہی مساجد سے انتقام کے اعلانات شروع ہو گئے ۔سات افراد دیوار پھلانگ کر مسجد احمدیوں کو زدوکوب کیا اور پھر دروازہ

کھول دیا۔ایک ہجوم مسجد کے اندر آیا اور مسجد پر قبضہ کرلیا۔حاصل پور۔۔۔اشتعال انگیز جلوس نکلتے رہے۔ایک احمدی وکیل پر دو، تین مقدمات دائر کیے گئے۔ان پر چار دفعہ قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔مگر وہ بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ رہے۔سرگودھا۔۔۔احمدیوں کے خلاف فائرنگ کے جھوٹے الزامات شہر بھر میں پھیلائے گئے۔احمدیوں کے گھروں میں پٹاخوں اور گولوں کے پھینکنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔صوبیدار صلاح الدین صاحب کے مکان پر آتش گیر مادہ کی بھری بوتل پھینکی گئی۔جس سے دھماکہ کے ساتھ آگ پھیل گئی۔کراچی۔۔۔پانچ صد کے لگ بھگ افراد نے دو احمدی دوستوں کے مکان پر پتھراؤ کیا۔ایک کی والدہ پتھراؤ سے شدید زخمی ہوئیں پولیس نے پانچ احمدی افراد کو پکڑ کر تھانے میں بٹھائے رکھا۔پولیس احمدیوں کو اسلحہ جمع کرا دینے پر مجبور کرتی رہی۔بازید خیل۔(پشاور)۔۔۔ایک احمدی اور ان کے لڑکے کو سرراہ پکڑ کر ان کی تلاشی لی اور ڈرایا دھمکایا گیا۔اور جوابِ طلب کیا گیا کہ تم نے (ہمارے) تائب ہوجانے کے ''الٹی میٹم'' کا ابھی تک جواب کیوں نہیں دیا۔قصبہ ساہیوال۔(ضلع سرگودھا)۔۔۔آج احمدیوں کے مکانوں، دکانوں اور زرعی زمین پر شرپسندوں نے بالجبر قبضہ کرلیا گھروں سے لنن تلکے تک اکھاڑے گئے۔پولیس نے کسی قسم کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔مجبوراً انہیں وہاں سے نکلنا پڑا۔بہاولنگر۔۔۔ایک احمدی کی دکان ناصر کلاتھ ہاؤس کو آگ لگا دی گئی۔لیکن اس پر جلد قابو پا لیا گیا۔گوجرانوالہ۔۔۔مقامی انتظامیہ نے مسجد احمدیہ کے قریب کی گلی کے احمدی مکینوں کو اپنے مکانوں میں جانے کی اجازت نہ دی۔مسجد کے ٹوٹے ہوئے دروازے کا ناپ لینے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ڈی سی اور ایس پی سے کہا گیا۔تو وہ بھی ٹال گئے۔ایک احمدی کے لٹے ہوئے مکان کی بقیہ اشیاء بھی خرد برد کر لی گئیں۔چشتیاں۔۔۔آج سوشل بائیکاٹ نے یہ نئی صورت اختیار کی کہ احمدی وکلاء کو کیس نہیں لینے دیا جاتا رہا۔چنیوٹ۔۔۔سیالکوٹ سے ربوہ آتے ہوئے ایک احمدی کو پل چناب پر بس سے اتار کر ان کا تمام سامان چھین لیا گیا۔اور انہیں زدوکوب کیا گیا۔

22 جولائی 1974ء

نواب شاہ۔۔۔آج بعض شر پسند لڑکوں نے مسجد احمدیہ پر جماعت کے خلاف بڑے اشتعال انگیز پوسٹر لگائے۔کوئٹہ۔۔۔آج چار پانچ سو کے قریب لڑکوں نے جمیعت طلبہ کے لیڈروں کی قیادت میں ایک غیر احمدی دکاندار کے پاس کام کرنے والے احمدی کو ان کے حوالے کرنے پر اصرار کیا۔لیکن اس دوست نے حکمتِ عملی سے کام لے کر اپنے احمدی ملازم کو بچا لیا۔حویلی مجوکہ۔۔۔مجلس عمل کے جلسہ کے بعد تیس کے قریب غنڈے اس گھر پر لپکے جہاں احمدی مستورات مقیم تھیں۔دو احمدیوں نے انہیں روکا ہاتھا پائی میں دو افراد زخمی ہوئے۔اس پر احمدیوں کو گیارہ بجے ڈی ایس پی کی قیادت میں پولیس نے پانچ احمدیوں کو بلاوجہ گرفتار کرلیا۔ان میں ایک کی عمر 75 سال تھی۔سرگودھا۔۔۔دھماکے سے پھٹنے والا آتش گیر مادہ احمدیوں کے گھروں میں پھینکنے کا سلسلہ جاری رہا۔مگر پولیس ہر دفعہ احمدیوں کو ہی گرفتار کرتی رہی۔ایک احمدی جو ٹیلی فون کے محکمے میں ملازم تھے۔ڈیڑھ ماہ کی جبری چھٹی پر حاضر ہوئے تو دفتر کے ملازموں نے پھر ہنگامہ شروع کر دیا۔جس پر افسران نے انہیں پھر 45 دن کی جبری چھٹی پر بھیج دیا۔لائل پور۔۔۔ایک احمدی گلزار احمد محلہ طارق آباد میں ایک نلکے سے پانی پی رہے تھے کہ غنڈے ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور اس الزام میں ان پر ٹوٹ پڑے کہ انہوں نے ایک مسلمان کے نلکے کو ناپاک کر دیا۔دو احمدی طالب علموں کو آہنی مکوں اور آہنی راڈ سے بری طرح زدوکوب کر کے زخمی کر دیا گیا۔لائبریری کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ نے انہیں بمشکل جان سے مارنے سے بچایا۔مندر گلی کے جلسہ میں احمدیوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے سترہ ہزار طلباء سے خون سے دستخط لیے گئے۔لالہ موسیٰ ۔۔۔ایک احمدی کو زدوکوب کیا گیا۔مسجد احمدیہ پر بالجبر قبضہ کر لیا گیا۔علی پور۔(مظفر گڑھ) ۔۔۔آج ڈیڑھ بجے بعد دوپہر احمدیوں کی چار کپڑے کی دکانیں لوٹ لی گئیں۔ایک دکاندار کو بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ایک احمدی کی دکان کا تالہ توڑ کر سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔اس کے بعد ایک

جلوس نکالا گیا۔جو تین گھنٹے تک مختلف گلیوں اور بازاروں میں گھومتا پھرتا رہا۔گوجر خاں ۔۔۔اعلان کیا گیا کہ احمدی 25 جولائی تک تائب ہو جائیں۔ورنہ اُن کا شدید گھیراؤ جلاؤ کیا جائے گا۔گوٹی۔(آزاد کشمیر)۔۔۔سوشل بائیکاٹ کے سلسلہ میں آج احمدیوں کا پانی تک بند کردیا گیا۔جہلم۔۔۔غنڈوں نے آج تک احمدی کو شدید زدوکوب کیا۔اور ایک اوراحمدی کو سرِ بازار بے عزت کیا۔جتوئی۔(مظفر گڑھ)۔۔۔دواحمدیوں کو مشتعل ہجوم نے بری طرح پیٹا اور وہ ایک عرصہ تک ہسپتال میں زیرعلاج رہے۔چک نمبر 100۔(لیہ)۔۔۔احمدیوں سے ہر قسم کالین دین بند کر دیا گیا۔بہاول پور۔۔۔ایک احمدی عبداللطیف اعوان کو شر پسندوں نے پکڑ کر بری طرح زدوکوب کیا ان کے کپڑے پھاڑ دیئے اور دوسری اشیاء چھین لی گئیں۔

23 جولائی 1974ء

احمد نگر۔۔۔ایک احمدی خلیل احمد نامی سرگودھا سے سامان لے کر آرہے تھے۔بس والے نے انہیں احمد نگر اُتارنے سے انکار کر دیا۔انہوں نے بس کی چابی نکال لی۔اور وہیں اُترنے پر اصرار کیا ۔اتنے میں پیچھے سے ربوہ کی اے ایس آئی آ گئے کہ انہوں نے خلیل احمد صاحب کا اس الزام میں چالان کر دیا کہ یہ ایکسی ڈنٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔سیالکوٹ۔۔۔آج ایک احمدی کی دکان کے سامنے احمدیوں کا لٹریچر جلا دیا گیا۔اوکاڑہ۔۔۔ایک احمدی دکاندار کو اُس کے کرایہ دار درزی کے بچے نے پانی لا کر دیا۔اس پر مولوی نے اودھم مچا دیا۔پولیس درزی کے دو بچوں کو پکڑ کر تھانے لے گئی۔مغلپورہ۔لاہور۔۔۔آج پولیس نے مسجد احمدیہ کو جماعت احمدیہ کے قبضے میں دے دیا۔مخالفین نے مسجد کی تمام صفیں جلا دیں۔کھڑکیاں توڑ دیں۔سامان اور کتب وغیرہ لوٹ لیں۔لاؤڈ اسپیکر اٹھا کر لے گئے۔علی پور۔۔۔آج ڈپٹی کمشنر غنڈہ گردی کے واقعات کی اطلاع ملنے پر موقع دیکھنے آئے۔مگر کسی قسم کا ایکشن لینے سے معذوری کا اظہار کیا۔بہاول نگر۔۔۔آج چھوٹے بچوں کے لئے دودھ مہیا کرنا بھی بند کر دیا گیا۔اشتعال انگیز تقریروں کا سلسلہ جاری

رہا۔ڈیرہ غازی خاں ۔۔۔سوشل بائیکاٹ زور پکڑ گیا۔دو احمدیوں کے مکان خالی کرائے گئے ۔ایک لڑکی نے اپنے احمدی خاوند کے خلاف تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

(از 24 جولائی 1974ء تا 31 جولائی 1974ء)

قسط نمبر 7

شیخو پورہ ۔۔۔پولیس اور دیگر انتظامیہ نے تین دن کے لیے احمدیوں کی دکانیں بند کرا دیں ۔جھنگ ۔۔۔سوشل بائیکاٹ شدید ہو گیا۔اب گاڑیاں اور بسوں میں بھی احمدیوں کو تنگ کیا جانے لگا۔خانیوال ۔۔۔احمدیوں کا سودا سلف کے لیے بازاروں میں نکلنا محال کیا گیا۔گھیراؤ اور غنڈوں کا انہیں تنگ کرنا روز کا معمول بن گیا۔ایک احمدی عنایت محمد تارڑ نے غنڈوں کے ایک ایسے ہی گروہ سے بچنے کے لیے بھاگ کر تھانے میں پناہ لی۔ایک احمدی فیروز دین صاحب ٹریکٹر مرمت کرانے یہاں آئے تو انہیں تنگ کیا گیا۔اوکاڑہ ۔۔۔بائیکاٹ نے ایسی صورت اختیار کر لی معلوم ہوتا تھا شہر میں صرف مجلسِ عمل کی حکومت ہے جس کو چاہیں گھیر لیں پکڑ لیں ۔اُس کا منہ کالا کر دیں ۔اُس کا سامان چھین لیں اور کسی احمدی کی دکان پر جب چاہیں پتھراؤ شروع کر دیں۔کوٹ مومن ۔۔۔آج بازار میں احمدی لڑکوں کو بلاوجہ پیٹا گیا۔جب معاملہ تھانے تک گیا تو الزام لگایا کہ یہ چاقو دکھاتے تھے ۔بسوں پر سوار احمدیوں کو اتار کر مارا پیٹا جاتا رہا۔چکار۔(آزاد کشمیر)۔۔۔ایک جلوس نے احمدیوں کے مکانوں کو جلانے کی کوشش کی جو ناکام ہو گئی ۔ایک احمدی کو بازار میں زدوکوب کیا گیا۔دو احمدیوں کو بس میں پیٹا گیا۔

25 جولائی 1974ء

کوٹ مومن ۔۔۔آج ایک احمدی مشتاق احمد کو دھکے دے کر بس سے اتار دیا گیا۔ایک احمدی

نے دکان کھولنے کی کوشش کی اُسے ہلڑ مچا کر زبردستی بند کرا دیا۔ سانگلہ ہل۔۔۔ آج مسجد احمدیہ میں ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ پولیس نے جماعت احمدیہ ہی کے چار افراد کو گرفتار کر لیا۔ پنڈ دادنخان ۔۔۔ آج بعض احمدیوں پر اپنے عقائد سے منحرف کرانے کے لیے تشدد کیا گیا۔ اوکاڑہ۔۔۔ آج شر پسندوں نے دو احمدیوں کے مکانوں کو پٹرول چھڑک کر آگ لگانے کی کوشش کی۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ آپ پر قابو پا لیا گیا۔ شیخوپورہ۔۔۔ کشیدگی زیادہ ہو گئی۔ دو احمدیوں کو بلاوجہ گرفتار کر لیا گیا۔ کوٹ احمدیاں۔۔۔ ایک احمدی طالب علم افضال احمد امتحان دے کر کمرے امتحان سے نکلے تو انہیں گھیر کر پیٹا گیا۔

26 جولائی 1974ء

سرگودھا۔۔۔ بلاک نمبر 18 میں ایک غیر احمدی کے گھر میں گولہ پھٹنے سے ایک نو سالہ بچے کے ہاتھ کی دو انگلیاں کٹ گئیں۔ شر پسندوں نے اس واقعہ کو بھی احمدیوں کے خلاف منافرت آرائی کے لیے استعمال کیا۔ جھنگ۔۔۔ ایک سابق اسمبلی ممبر نے عوام الناس کو احمدیوں کے خلاف لوٹ مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کی کاروائیوں کے لیے اُکسایا گیا۔ اوکاڑہ۔۔۔ مسجد گول چوک کی تقریروں میں عوام کو احمدیوں کے قتل پر اکسایا گیا۔ بھیرہ۔۔۔ اشیاء ضروریہ حاصل کرنے کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں۔ گوجرانوالہ۔۔۔ پولیس نے احمدیوں کو اپنی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ خانیوال۔۔۔ آٹا پیسنے والی چکیوں کے مالکوں نے بھی احمدیوں کا آٹا پیسنے سے انکار کر دیا۔ اوچ شریف۔۔۔ احمدیوں کی دکانیں بالجبر بند کرا دی گئیں۔ ایک جلوس مسجد احمدیہ کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ اور جماعتی ریکارڈ لٹریچر اور دیگر اشیاء باہر نکال کر جلا دی گئیں۔

27 جولائی 1974ء

اوکاڑہ۔۔۔ مسجد گول چوک میں جلسہ کے بعد رات کے دو بجے شیخ فضل دین اور عبدالحکیم نامی دو احمدیوں کی دکانوں کو آگ لگا کر سارا سامان جلا دیا گیا۔ مغلپورہ۔ (لاہور)۔۔۔ آج کچھ شر پسند

بالجبر مسجد احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ مسجد پر قبضہ کرنے میں ناکامی کے بعد دیر تک پتھراؤ کرتے رہے۔ اُس کے بعد شیخ بشیر احمد کی دکان کے شیشے، دروازے اور کھڑکیاں توڑ دی گئیں۔ دکان کا سارا سامان باہر نکال کر آگ لگا دی گئی۔ ساہیوال۔۔۔احمدی وکلاء کے دفاتر اور دکانوں پر پکٹنگ جاری رہی۔ ایک احمدی امیر صاحب نامی دکاندار کا منہ کالا کر کے انہیں بے عزت کیا گیا۔ ایک احمدی کے پلاٹ پر ایک شر پسند نے ناجائز طور پر مکان کی تعمیر شروع کر دی۔

28 جولائی 1974ء

ساہیوال۔۔۔آج یہاں وزیر اعلیٰ پنجاب نے احمدیوں کے وفد سے ملنے سے انکار کر دیا۔ دوبارہ درخواست پر لاہور آنے کے لئے کہا گیا۔ لیکن وہاں بھی نہ ملے۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان صاحب کی دکان پر ایک احمدی کا منہ کالا کیا گیا۔ میرک۔۔۔احمدیوں کے گھروں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ اوکاڑہ۔۔۔احمدیوں کا اپنے گھروں سے نکلنا مشکل ہو گیا۔ ایک احمدی شیخ عبدالرزاق کریانہ مرچنٹ کی دکان لوٹ لی گئی۔ باقی اشیاء نذر آتش کر دی گئیں۔ عین بارہ بجے دوپہر مشتاق جنرل سٹور اور رزاق جنرل سٹور کا سامان جلایا گیا۔ رات کو ڈیڑھ بجے جلسہ کے خاتمہ پر رشید جنرل سٹور کو آگ لگا دی گئی۔ مغلپورہ (لاہور)۔۔۔ایک احمدی عطاء اللہ کا کھوکھا جلا دیا گیا۔ رات کے وقت تین احمدیوں کے مکانوں کو جزوی طور پر آگ لگا کر نقصان پہنچایا۔ ایک احمدی کی دکان اور ان کا مکان دونوں لوٹ لیے اور پھر جگہ پر قبضہ کر کے شر پسندوں نے مالک مکان کو زدوکوب کیا۔

رام باڑی۔ (آزاد کشمیر)۔۔۔سوشل بائیکاٹ شدید ہو گیا۔ آج احمدیوں کے لئے چکیوں سے آٹا پسوانا بھی مشکل ہو گیا۔ گگو منڈی۔۔۔آج ایک احمدی کے دکان اور مکان دونوں پر پکٹنگ لگا دی گئی۔ ڈسکہ۔۔۔ایک احمدی کو پولیس نے گالی گلوچ کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ بہاول پور۔۔۔آج بازار میں سودا وغیرہ خریدنے کے لیے گئے ہوئے چار احمدیوں کو سخت بے عزت اور زخمی کیا گیا۔ ملک پور مرزا۔ (گجرات)۔۔۔بائیکاٹ کی وجہ سے اشیاء ضروریات کا ملنا سخت دشوار

ہو گیا۔ بھوپال والا۔۔۔احمدیوں پر عقائد سے انحراف کے لیے تشدد کیا گیا۔ مسجد احمدیہ گرادی گئی۔ اچھر۔ (ضلع سرگودھا)۔۔۔رانا نور محمد صاحب احمدی کے مکان کے آگ لگانے اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی مگر شر پسندوں کو ناکامی ہوئی۔ جس کے بعد اُن پر ضروریات زندگی کے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ خوشاب۔۔۔سوشل بائیکاٹ شدید ہو گیا ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہو گیا۔ بازید خیل۔۔۔آج احمدیوں پر اپنے عقائد سے انحراف کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔ ایک احمدی کو راہ چلتے پندرہ بیس افراد نے گھیر کر زدوکوب کیا۔

29 جولائی 1974ء

پیتا کھ علی پور چٹھہ۔ (گوجرانوالہ)۔۔۔ایک احمدی خدا بخش صاحب کے مکان پر حملہ کر کے مخالفین نے تمام سامان لُوٹ لیا۔ مغل پورہ۔ (لاہور)۔۔۔ایک احمدی کے مکان کو آگ لگا دی گئی۔ پولیس نے جھوٹے الزامات پر تین احمدیوں کو گرفتار کر لیا۔ اوکاڑہ۔۔۔کشیدگی انتہا کو پہنچ گئی۔ ایک ہجوم کا سیکیورٹی فورس سے تصادم ہوا فورس کو گولی چلانی پڑی۔ ہجوم نے دو احمدیوں کی دکانوں کا سامان باہر نکال کر جلا دیا۔ جھنگ۔۔۔جلنے سے بچی ہوئی دکانوں پر پکٹنگ لگا دی گئی۔ بھیرہ۔۔۔احمدی راشن ڈپو سے اپنا راشن بھی نہ لا سکے۔ مظفر گڑھ۔۔۔آج پولیس والوں نے اپنے ایک پیٹی بند بھائی احمدی حوالدار کو زدوکوب کیا۔ جڑانوالہ۔۔۔دکانوں پر بڑے زور وشور سے پکٹنگیں لگا دی گئیں۔

وہاڑی۔۔۔احمدیوں پر سبزی اور دیگر تمام اشیاءِ ضروریات حاصل کرنا دشوار تر کر دیا گیا۔ کبیر والہ۔۔۔آج جلسہ کے بعد جلوس نے ایک احمدی کی دکان ''الفت سائیکل ورکس'' پر پتھراؤ کیا۔ خانیوال۔۔۔احمدیوں کی دکانوں سے سودا لینے والے خریداروں کا بھی گھیراؤ شروع ہو گیا۔ گکھڑ منڈی۔۔۔بھنگیوں کو احمدی گھرانوں میں کام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ تلونڈی کھجور والی۔۔۔غیر احمدی مزدوروں نے احمدی مزدوروں کی مونجی لگانے سے انکار کر دیا۔ ڈسکہ۔۔۔بشیر احمد صراف

کی دکان ایک غنڈے نے بالجبر بند کرادی۔ چک نمبر 39۔ڈی بی۔۔۔سوشل بائیکاٹ جاری رہا اور احمدیوں پر عقائد سے انحراف سے دباؤ بھی۔ برائے نام پہرے پر بیٹھی ہوئی پولیس کے اخراجات اور تقاضے نا قابل برداشت ہو گئے۔گلومنڈی۔۔۔ایک احمدی کو گھیر کر اُس پر تشدد کیا گیا۔ چک نمبر 104 پی (ضلع رحیم یار خان)۔۔۔آج گورنمنٹ تالاب سے بھی احمدیوں کو پانی لینے سے روک دیا گیا۔سمبڑیال۔۔۔مسجد احمدیہ سیل (seal) کر دی گئی۔گوجر خان۔۔۔دو احمدیوں کے مکانوں پر بارودی گولے پھینک کر ہراس پھیلایا گیا۔مٹھا ٹوانہ۔۔۔سوشل بائیکاٹ جاری رہا ایک احمدی کے گھر میں غلاظت پھینکی گئی۔دھوبیوں کو احمدیوں کے کپڑے وغیرہ دھونے سے روک دیا گیا۔دولیاں جٹاں۔(آزاد کشمیر)۔۔۔آج احمدیوں کو مشترکہ کنوئیں سے پانی لینے سے روک دیا گیا۔اُن کے مکانوں کو آگ لگانے کی کوشش بھی کی گئی۔مگر اُس پر قابو پالیا گیا۔

30 جولائی 1974ء

مغل پورہ۔(لاہور)۔۔۔ایک احمدی نوجوان کو چاقوؤں سے زخمی کر دیا گیا۔ایک احمدی کے گھر کو آگ لگائی گئی۔جس پر بروقت قابو پالیا گیا۔تر گڑی۔(گوجرانوالہ)۔۔۔ایک نجی تنازعہ میں ایک احمدی کو زخمی کر دیا گیا۔تین احمدیوں کو کلہاڑیوں اور لاٹھیوں کے زخم آئے۔مولویوں نے اسے مذہبی رنگ دے دیا۔اور پولیس نے تین احمدیوں ہی کو گرفتار کر لیا۔مجروحین سے بھی زیادتی کی۔پولیس صدر جماعت کو بھی بلاوجہ گرفتار کر کے لے گئی۔تہال۔۔۔بائیکاٹ اور شدید ناکہ بندی کی وجہ سے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔لالہ موسیٰ۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر بم پھینکا گیا۔مسجد احمدیہ پر مخالفین بدستور قابض رہے۔بورے والہ۔۔۔تمام احمد (انتہائی مخالفت لوٹ مار، مار دھاڑ اور آتش زنی کی کاروائیوں کے باعث) نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔راجن پور۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔شہر میں جا بجا بڑے غلیظ اور منافقانہ پوسٹر چسپاں کیے گئے۔جماعت کا لٹریچر اکٹھا کر کے آگ لگا دی گئی۔بھلوال۔۔۔آج احمدیوں پر اپنی تعداد اور جائیداد

کی تفاصیل بتانے کے لئے باؤڈالا گیا۔سرگودھا۔۔۔ایک فائرنگ کیس میں بلاتعلق چار احمدیوں کو ملوث کرنے کی کوشش کی گئی۔نارووال۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر شدید پتھراؤ کیا گیا ۔کوٹلی۔۔۔آج احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں کی لوٹ مار اور توڑ پھوڑ جاری رہی۔تمام احمدی تین مکانوں میں محصور ہوکررہ گئے۔پولیس نے تعاون سے انکار کر دیا۔لائل پور۔۔۔جھنگ بازار میں ایک احمدی کی کریانہ کی دکان لُوٹ لی گئی۔چشتیاں۔۔۔آج بار میں احمدی وکلاء کا بائیکاٹ کیا گیا۔باہر سے آئے ہوئے ایک احمدی کو زدوکوب کیا گیا۔حاصل پور۔۔۔وکلاء نے بھی احمدیوں کا بائیکاٹ کر دیا۔چک نمبر/ 84 ایف کے دو احمدیوں کا منہ کالا کر کے اُن کا شہر بھر میں جلوس نکالا گیا ۔جلوس پولیس تھانے کے قریب پہنچا تو پولیس نے پھر جلوس کا رخ شہر کی طرف موڑ دیا۔دو احمدیوں کو سخت مارا پیٹا گیا۔بہاول نگر۔۔۔بار نے فیصلہ کیا کہ احمدی وکلاء کی ممبر شپ ختم کر دی جائے ۔احمدی وکلاء کے خلاف ہلڑ بازی کی گئی۔ہارون آباد۔۔۔آج ماشکیوں اور بھنگیوں نے بھی احمدیوں کا کام کرنے سے انکار کر دیا۔سادھوکے۔۔۔ایک احمدی کے مکان کو آگ لگا کر جلا دیا گیا۔

31 جولائی 1974ء

ملتان۔۔۔نشتر میڈیکل سٹوڈنٹس یونین کے عہدہ داروں کی تقریب حلف وفاداری میں جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے کا عہد بھی لیا گیا۔بھلوال۔۔۔ڈاکٹر رشید احمد کے گھر پر پکٹنگ لگائی گئی۔انہیں کسی مقدمہ میں ملوث کرنے کا مبصوبہ بنایا گیا۔گوجرخاں۔۔۔آج شہر میں باہر سے آنے والے احمدیوں کو تنگ اور بے عزت کیا گیا۔جہلم۔۔۔سارا دن جلسے اور جلوسوں کا بازار گرم رہا۔بائیس احمدیوں کے مکان خالی کرا کے انہیں دوسرے مقامات پر منتقل ہونے کے لیے مجبور کر دیا گیا۔چھ احمدی خاندانوں پر احمدیت سے تائب ہوجانے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔سرائے عالمگیر ۔۔۔شدید بائیکاٹ کے باعث ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہو گیا۔گوجرانوالہ۔۔۔پولیس

نے آج بھی مسجد احمدیہ میں احمدیوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی ۔بھابڑہ۔ (سرگودھا)۔۔۔ایک جلسہ عام میں احمدیوں کو واجب القتل قرار دیا گیا۔دکانوں سے سودا سلف لینا ممنوع قرار دے دیا گیا ۔کاشت کار نہری پانی تک حاصل نہ کر سکے ۔جلوس نکالے گئے۔احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔احمدی اساتذہ کوسکول میں زدوکوب کیا گیا۔تخت ہزارہ۔۔۔گرفتار شدہ احمدیوں کو رہائی کا جھانسہ دے کر اپنے عقائد سے تائب ہو جانے کے لیے ورغلایا گیا۔مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔چک نمبر 432ج ب ۔(لائل پور)۔۔۔ایک احمدی کی زرعی زمین پر زبردستی قبضہ کرلیا۔حافظ آباد۔۔۔بائیکاٹ شدید ہو گیا۔دو سو سے زیادہ نوجوانوں سے تمام احمدیوں کی جائیدادیں جلا دینے کا حلف لیا گیا۔احمدی افراد کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔میانی۔(سرگودھا)۔۔۔مزارعین کو اپنے احمدی مالک،زمینداروں کی زمینوں پر قابض ہو جانے کے لیے اکسایا گیا۔احمدیوں کو اپنے گھروں میں محصور ومحبوس ہو جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ڈسکہ۔۔۔احمدیوں کی دکانیں زبردستی بند کرادی گئیں۔اشتعال انگیز تقریروں کا سلسلہ جاری رہا۔چک نمبر 169 مراد۔۔۔آج ماشکی حجام،بھنگی،ہرایک نے احمدیوں کا کام کرنے سے انکار کر دیا۔احمدیوں کو مشترکہ تالاب سے پانی حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا۔پسرور۔۔۔ایک احمدی مبشر احمد طاہر کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی گئیں۔چک نمبر 37ڈی بی ۔(سرگودھا)۔۔۔پانچ ہزار افراد پر مشتمل ایک جلوس نے گاؤں کا محاصرہ کیا اور ایک ہفتہ کے اندر اندر احمدیت سے تائب ہو جانے یا گاؤں چھوڑنے کا الٹی میٹم دیا۔پولیس احمدیوں سے تعاون کرنے کی بجائے ان سے ان کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کرتی رہی۔تہال۔۔۔آج بعض احمدیوں پر عقائد سے منحرف ہو جانے کے لیے جبر وتشدد کیا گیا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی وہ یاروں سے ہوئی ہے

قسط نمبر 8 (از یکم اگست 1974ء تا 7 اگست 1974ء)

سانگلہ ہل ۔۔۔ بائیکاٹ کے علاوہ مکانوں پر بھی پکٹنگ لگا دی گئی۔ حجاموں تک نے احمدیوں کی حجامتیں بنانے سے انکار کر دیا۔ کھیوڑا ۔۔۔ احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔ پنڈ دادن خان ۔۔۔ سوشل بائیکاٹ اور سخت کر دیا گیا۔ بھون ۔ (ضلع جہلم) ۔۔۔ بائیکاٹ کے باعث اشیاء خوردنی کا ملنا مشکل ہو گیا۔ چک نمبر 108 ایم بی ۔ (سرگودھا) ۔۔۔ احمدیوں سے ہر قسم کا لین دین بند کر دیا گیا۔ ایک احمدی نے جو تنگ آ کر ملحقہ گاؤں میں پناہ لی تو پیچھے اس کے گھر کا تالا توڑ کر شرپسندوں نے اُس کے برتن، کپڑے، اجناس اور دیگر ہر کارآمد چیز لوٹ لی۔ ایک غیر احمدی نے ایک احمدی کے دو دنبوں اور ایک بھیڑ کی واپسی سے انکار کر دیا۔ سیالکوٹ ۔۔۔ ڈپٹی کمشنر نے جماعت احمدیہ کے ایک ذمہ دار رکن کو بلا کر کہا کہ آپ لوگوں کو دستی یا ڈاک سے لٹریچر تقسیم کرنے کی اجازت نہیں ۔ حافظ آباد ۔۔۔ آج احمدیوں سے خریدا ہوا سودا چھین کر واپس کر دیا گیا۔ پاکپتن ۔۔۔ ایک احمدی کے دو غیر احمدی کرایہ داروں نے اپنے عقائد کی بنا پر کرایہ دینے سے انکار کر دیا۔ بہاولپور ۔۔۔ سوشل بائیکاٹ کے باعث احمدیوں کا کاروبار پوری طرح بند کر دیا گیا۔ بزرگ وال ۔۔۔ ایک احمدی ڈاکٹر محمد عبداللہ کے کلینک پر پتھراؤ کے بعد پکٹنگ لگا دی گئی۔ تاکہ کوئی مریض اُن سے دوائی وغیرہ نہ لے سکے۔

اوچ شریف ۔۔۔ ڈاک خانے والوں نے اخبار (الفضل) ان کے خریداروں تک پہنچانا بند کر دیا۔ لاہور ۔۔۔ ڈاک کے ذریعہ آنے والے الفضل کو خریداروں تک پہنچانے کی بجائے ان کی چٹیں پھاڑ کر اُنہیں ضائع کر دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تہال ۔۔۔ شرپسندوں کی دیدہ دلیریوں کے باعث احمدیوں کا گھروں سے نکلنا مشکل ہو گیا ۔ چک نمبر 9 3 ڈی ۔ بی۔ (سرگودھا) ۔۔۔ بائیکاٹ کے باعث اشیاء خوردنی کا ملنا مشکل ہو گیا۔ مگر پولیس کا اچھے سے اچھا کھانا مانگنے کا تقاضا بدستور جاری رہا۔ چک نمبر 106 لیّہ ۔ (ضلع مظفر گڑھ) ۔۔۔ ایس ایچ

اوپولیس نے امیر جماعت سے 75 روپے پٹرول کے صرفے کے وصول کیے۔سوشل بائیکاٹ سخت کر دیا گیا۔گوجر خاں۔۔۔ایک احمدی کوٹلی سے سودا لینے آیا۔سودا لے کر واپس جا رہا تھا کہ غنڈوں نے پکڑ کر اسے زدوکوب کیا۔اس کا جلوس نکالا اور اس سے زبردستی ایک توبہ نامے پر دستخط کرائے گئے۔رکھ چراگاہ۔۔۔جلسہ میں اشتعال انگیز تقریروں کے بعد سامعین نے ایک احمدی کے باغ پر دھاوا بول دیا۔اور تمام کچا پھل توڑ کر پھینک دیا۔ہڑپہ۔۔۔سوشل بائیکاٹ کے باعث ہر قسم کا لین دین بند ہو گیا۔

12 اگست 1974ء

لائل پور۔۔۔ایک احمدی طالب علم کے والد میڈیکل کالج کے پرنسپل سے ملنے آئے۔جب تک وہ پرنسپل کے کمرے میں رہے۔شر پسند طلبا باہر کھڑے احمدیوں کے خلاف غلیظ قسم کی نعرہ بازی کرتے رہے۔منڈی بہاؤالدین۔۔۔ایک مولوی اور چند شر پسند شوگر ملز سے ایک احمدی کو پکڑ کر باہر لے گئے۔اُسے درخت سے باندھ کر زدوکوب کیا۔پھر اُس سے زبردستی ایک تحریر لی گئی کہ اسے ایمپلائز یونین کے صدر اور سیکرٹری کو قتل کرنے کے لیے بھجوایا گیا تھا۔ایک اور مولوی (محمد عالم نامی) مل کر اندر آ کر مزدوروں کو احمدیوں کے بائیکاٹ کے لیے اکساتا رہا۔اوکاڑہ۔۔۔جمعہ کے روز ایک احمدی دکاندار نے اپنی دکان کھولی۔اور (اس عرصہ میں) آئی ہوئی ڈاک لے کر چلا گیا۔اس پر شر پسند دکانداروں کا ایک وفد اے۔سی سے ملا اور الزام لگایا کہ وہ اپنی دکان میں بم رکھ گیا ہے۔جس کے پھٹنے سے ہماری دکانوں کو بھی خطرہ ہے۔چنانچہ اے۔سی نے آ کر تلاشی لی اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔حیدرآباد۔۔۔جماعت احمدیہ کے خلاف اشتہارات کے ذریعہ منافرت پھیلانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔بھیرہ۔۔۔تین احمدیوں کو گھیر کر شر پسندوں نے اپنے عقائد سے منحرف کرانے کے لئے ان پر تشدد کیا۔کوٹ مومن۔۔۔ایک احمدی شیخ مشتاق احمد کے دو بچوں کو دکان سے واپسی پر گھیر کر زدوکوب کیا گیا۔لاہور۔۔۔ایک احمدی ریسرچ آفیسر محمود احمد صاحب کو شر

پسندوں نے (ان پر) چاقوؤں سے حملہ کر کے زخمی کر دیا۔کیمبل پور۔۔۔ایک غیر احمدی بم پھٹنے سے مر گیا۔اس کا الزام بھی احمدیوں کے سر تھوپ کر مولویوں نے شہر میں اشتعال پھیلایا۔ڈی ایس پی نے احمدیوں کے گھروں کی تلاشی لی تو کچھ برآمد نہ ہوا۔اس کے باوجود تین احمدیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔لیّہ چوک اعظم میں نشتر میڈیکل کالج کے ربوہ واقعہ میں ملوث طلبہ نے جلسہ کیا اور سوشل بائیکاٹ ناکام ہوجانے کی صورت میں احمدیوں کو قتل کر دینے کا اعلان کیا نیز یہ مطالبہ کیا کہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا ناصر احمد کو قصر خلافت سے نکال کر یہ عمارت مفتی محمود اور مولوی نورانی کے سپرد کر دی جائے ۔اور احمدیہ لائبریری کو آگ لگا دی جائے ۔گکھڑ منڈی ۔۔۔جلسہ میں احمدیوں کے قتل عام کے دھمکیاں دی گئیں ۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔چک نمبر 363 آئی۔بی۔۔۔آج احمدیوں کے خلاف غلیظ الزامات اور اشتعال انگیز تقریروں کا سلسلہ جاری رہا۔گوجرانوالہ۔۔۔ایک جلسہ میں اعلان کیا گیا کہ اگر احمدیوں کو غیر مسلم قرار نہ دیا گیا تو اُن کا بچہ بچہ قتل کر دیا جائے گا۔

3 اگست 1974ء

چک نمبر 39 ڈی بی۔(سرگودھا)۔۔۔ڈی ایس پی نے احمدیوں سے کہا کہ وہ ربوہ کے کیمپ میں کیوں نہیں چلے جاتے ۔انہیں اُن کی حفاظت کرنی پڑتی ہے ۔چک نمبر 18 ایم بی۔(سرگودھا)۔۔۔مکمل بائیکاٹ کے باعث حالات سنگین صورت اختیار کر گئے۔بھلوال۔۔۔ڈاکٹر رشید احمد صاحب احمدی کے ہسپتال پر پکٹنگ ہے۔کسی مریض کو ان کے پاس آنے نہیں دیا جاتا۔اُن کے گھر پر بھی پکٹنگ لگا دی گئی ہے۔بھیرہ۔۔۔آج شر پسندوں نے ایک احمدی خاتون کی جماعت احمدیہ کے قبرستان میں تدفین پر بھی روک ڈالی ۔حتیٰ کہ اے سی کو خود موقع پر اپنی موجودگی میں تدفین کرانی پڑی ۔سانگلہ ہل ۔۔۔گدھوں پر لدوا کر کھاد لانے والے احمدیوں اور گدھوں والے کو تنگ کیا گیا۔گوجرانوالہ۔۔۔مفتی محمود اور مولوی نورانی نے سخت اشتعال انگیز

تقریریں کی۔علی پور چٹھہ۔۔۔بائیکاٹ کو اور سخت کر دیا گیا۔پشاور۔۔۔ایک سینئر احمدی ٹیچر کو ڈرا دھمکا کر اُن سے ملازمت سے استعفیٰ لیا گیا۔خوشاب۔۔۔ایک جلسہ میں اشتعال انگیز تقریریں کر کے شہر میں ہڑتال کرائی گئی۔کیمبل پور۔۔۔اپنے ہی بم کے پھٹنے سے مرنے والے شخص کے سلسلے میں امیر جماعت احمدیہ کے بیٹے مرزا مظفر احمد کو گرفتار کر لیا گیا۔مولویوں نے شدید قسم کی اشتعال انگیز تقریریں کیں۔پاکپتن۔۔۔سید منصور احمد کی ٹھیکہ لی ہوئی زمینوں میں فصل کو تباہ کر دیا گیا۔

4 اگست 1974ء

گوجرہ۔۔۔آج احمدیوں نے باہر سے ایک حجام کو لا کر حجامتیں بنوائیں۔شرپسندوں نے اُس حجام کو پکڑ لیا۔اُس کا منہ کالا کیا۔جلوس نکالا۔اور اُس کی ناک سے لکیریں نکلوائیں۔سانگلہ ہل۔۔۔چار احمدی مربی سلسلہ پولیس کی حراست میں ہیں۔ڈی سی نے مولویوں کے الٹی میٹم سے مرعوب ہو کر اُن کی ضمانت نہ لی۔ایک حجام نے احمدی بچوں کی حجامتیں بنوائیں تو اُس کا منہ کالا کیا گیا نیز چائے کے ایجنٹ چائے کے دکانداروں کو کوٹہ دینے آئے تو بہت شور شرابہ کیا گیا۔اور جب تک احمدی دکاندار کو چائے واپس نہ دلواء خود چائے نہ پی۔سادھوکی۔۔۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔منافرت کی صورت سنگین ہوگئی۔اسلام آباد۔۔۔مسجد الحبیب کے جلسہ میں سخت اشتعال انگیز تقریریں ہوئیں۔احمد رضا قصوری نے بھٹو صاحب پر الزام لگایا کہ انہوں نے انتخابات میں احمدیوں سے 37 لاکھ روپے لیے تھے۔قریباً سبھی مقررین نے اس قسم کے الفاظ کہے کہ قلم کی سیاہی سے مسئلہ حل کر دو۔ورنہ گلیوں میں اسے خون کی سرخ روشنائی سے حل کیا جائے گا۔کراچی ۔۔۔بعد نماز عشاء مسجد ’’والا خوان‘‘ میں ایک جلسہ ہوا جس میں بانی سلسلہ احمدیہ کی ذات اور جماعت کے خلاف بہت غلیظ اور اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔لوگوں کو علی الاعلان اُکسایا گیا کہ احمدیوں کے گھروں کو لوٹ کر جلا دو۔اُن کی عورتیں اٹھا لو، بچوں اور مردوں کو قتل کر دو۔خلیل آباد ۔(آزاد کشمیر)۔۔۔جماعت احمدیہ کے معلم کے گلے جوتیوں کا ہار ڈال کر انہیں شہر بھر میں پھرایا

گیا۔اوکاڑہ۔۔۔دس بجے کے قریب عورتوں اور بچوں کا ایک جلوس نکالا گیا۔جس میں بڑے غلیظ قسم کے نعرے لگائے گئے۔رات کے وقت مسجد غوثیہ میں جلسہ ہوا جس میں کہا گیا کہ ہم احمدیوں کو پاکستان میں نہیں رہنے دیں گے۔

5اگست 1974ء

کیمبل پور۔۔۔مکرم امیر صاحب علاوہ چھ اور احمدیوں کے مکانوں کی تلاشی لی گئی۔مگر کوئی قابل اعتراض شے برآمد نہ ہوئی۔ربوہ۔۔۔ریلوے اسٹیشن سے گزرتے ہوئے غیر احمدی مسافروں کی طرف سے غلیظ گالیاں دے کر گزرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔لائل پور۔۔۔شہر میں جزوی طور پر ہڑتال ہوئی۔مولوی صاحبان خود بازاروں میں پھر کر دکانیں بند کراتے رہے۔محلہ محمد پورہ میں ایک احمدی کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔لالہ موسیٰ۔۔۔مسجد احمدیہ میں کسی احمدی کو نماز پڑھنے کے لیے داخل نہ ہونے دیا گیا۔وہاڑی۔۔۔بائیکاٹ کے علاوہ پکٹنگ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔چک نمبر 7ایم۔بی۔(قائدآباد)۔۔۔آج ایک احمدی مرزا احمد الدین کی زمینوں پر اور پھر گھر پر شرپسندوں نے فائرنگ کی۔حیدرآباد۔۔۔ٹیکنیکل کالج میں احمدی طلبہ کو دھمکی دی گئی۔کہ دو دن کے اندر اندر ہوسٹل چھوڑ دو ورنہ گولی چلے گی۔ملتان شہر۔۔۔نوری مسجد ممتاز آباد میں ایک جلسے میں احمدیوں کے خلاف مولوی نیازی (عبدالستار) نے احمدیوں پر نہایت اشتعال انگیز اور بے بنیاد الزام لگائے۔بہاول نگر۔۔۔ایک احمدی کی دکان بالجبر بند کرانے کے لیے شور شرابہ کیا گیا۔دوسرے احمدیوں کی دکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔''انصاف کلاتھ ہاؤس'' کو لوٹ کر باقی سامان کو آگ لگا دی۔اُس کے بعد ایک اور احمدی کے جنرل سٹور پر ہلہ بول دیا گیا۔پولیس ایک احمدی بشیر احمد کو گرفتار کر کے لے گئی۔اوکاڑہ۔۔۔آج ہڑتال کرائی گئی۔عورتوں نے پھر جلوس نکالا۔جن کی آڑ میں پولیس پر بھی پتھراؤ کیا گیا۔

6اگست 1974ء

راولپنڈی۔۔۔آج شہر میں ہڑتال کرائی گئی۔سرگودھا۔۔۔پولیس نے شرپسندوں کے کہنے پر چک نمبر 87 شمالی کے نصیراللہ صاحب اور چودھری رشید احمد صاحب کو بعض بے بنیاد الزامات میں گرفتار کرلیا۔میانی۔۔۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔کراچی۔۔۔آج ایک مولوی غائب ہوگیا۔جس پر پانچ احمدیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔شرپسندوں نے تھانہ کا گھیراؤ بھی کیا۔شہر کے متعلقہ حصے میں ہڑتال کی گئی۔بہاول نگر۔مشتعل ہجوم نے احمدیوں کی تین دکانیں لوٹ کر جلا دیں۔بائیکاٹ اور پکٹنگ شدید کر دی گئی۔اشیائے خوردنی کا ملنا دشوار ہوگیا۔چک نمبر 31 ج۔(سرگودھا)۔۔احمدیوں کے گھر کے سامنے جلوس نکالے گئے۔دو پر اپنے عقائد سے انحراف کرانے کے لیے تشدد کیا گیا۔لائل پور۔۔ایک احمدی محمد سلیم پر عقائد سے توبہ کرانے کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔ہارون آباد۔۔۔بہت سے غیر احمدیوں نے احمدیوں کے واجبات ادا کرنے سے انکار کر دیا۔کوٹ مومن۔۔آج بعض احمدی دکانداروں سے خریدا جانے والا سود جبراً واپس کرا دیا گیا۔اسلام آباد۔۔آج احمدیوں کے خلاف احتجاج ہڑتال کرائی گئی۔تمام دکانیں بند رہیں

7 اگست 1974ء

اوکاڑہ۔۔۔کسی اکیلے احمدی کا گھر سے نکلنا تک دشوار ہوگیا۔لائل پور۔۔۔میڈیکل کالج کے طلبہ نے ایک احمدی طالب علم کو زدوکوب کیا۔نیز پرنسپل سے اُسے کالج سے نکال دینے کا مطالبہ کیا۔پولیس نے بمشکل اس طالب علم کو اپنی حفاظت میں اُس کے گھر پہنچایا۔بہاول نگر۔۔۔عارضی طور پر حراست میں لئے گئے شرپسند رہا کر دیئے گئے۔جس کے بعد جلوس نکالا گیا۔جس نے احمدی گھرانوں پر پتھراؤ کیا۔چک نمبر 10170۔آر۔(ضلع ملتان)۔۔۔پکٹنگ اور بائیکاٹ شدید کر دیئے گئے۔خلاف ورزی کرنے والے پر سو روپیہ جرمانہ کرنے کی تجویز ہوئی۔شیر گڑھ۔۔۔ایک احمدی کے مکان کو آگ لگا کر جلانے کی کوشش کی گئی۔چک نمبر 9/ 7۔اے ایل۔(ضلع ساہیوال)۔۔۔ایک احمدی خاتون کی تدفین مشکل بنا دی گئی۔بالآخر فیصلہ ہوا کہ

احمدیوں کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد غیر احمدی بھی اُس کا جنازہ پڑھیں گے۔جب کہیں تدفین ہوئی۔کراچی۔۔۔ایک جلسہ میں گمشدہ مولوی کو 48 گھنٹے کے اندر اندر حاضر کرنے کا مطالبہ کیا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

از 8 اگست 1974ء تا 15 اگست 1974ء

قسط نمبر 9

حافظ آباد۔۔۔شر پسندوں نے ایک احمدی مستری بشیر احمد کو پیٹا۔احمدیوں کی دکانیں بند کرا دی گئیں۔تر گڑی۔۔۔ہسپتال میں داخل زخمی احمدیوں کو ہسپتال سے فارغ ہوتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔چک نمبر 39 ڈی۔بی۔(سرگودھا)۔۔۔انتہائی کشیدہ صورت حال کے پیش نظر احمدیوں کو اپنے بچوں کو اور مستورات کو کسی محفوظ جگہ پر منتقل کرنا پڑا۔بھیرہ۔۔۔ایک احمدی کا منہ کالا کر کے اور اُس کے گلے میں جوتیوں کا ہار ڈال کر پھرایا گیا۔بھا بھڑہ۔۔۔8/9 معلمات کو ڈرایا گیا کہ اگر وہ سکول گئیں تو اُن کی ٹانگیں توڑ دیں جائیں گی۔بازید خیل۔(پشاور)۔۔۔تین احمدی ڈاکٹروں کی دکانوں کو لوٹ کر جلا دیا گیا۔ساہیوال۔۔۔نیشنل بینک میں ملازم ایک احمدی نثار احمد کو (جو رخصت پر تھے) ڈرایا دھمکایا گیا کہ وہ حاضر نہ ہوں۔رات کے وقت ایک احمدی وکیل ناصر احمد صاحب کے گھر میں ایک بارودی گولہ پھینکا گیا۔پولیس نے پرچہ لینے سے انکار کر دیا۔سرگودھا۔۔۔آج ایک احمدی اپنے گھر میں واپس آیا (جس کا مکان پولیس کی حفاظت وتحویل میں تھا) تو دیکھا کہ مکان کے تمام تالے ٹوٹے ہوئے ہیں۔دو کمروں کا سارا سامان لوٹ لیا گیا ہے نیز بجلی اور پانی کے کنکشن کٹے ہوئے ہیں۔ہیرو شرقی۔(ڈیرہ غازی خاں)۔۔۔ایک مقامی کنویں سے احمدیوں کو پانی لینے سے روک دیا گیا۔زدوکوب کیا گیا۔اور قتل کر دینے کی دھمکیاں دی گئیں۔بدّو ملّہی۔۔۔پولیس نے اسلحہ برآمد کرنے کے لیے احمدیوں کے گھروں پر چھاپے مارے۔مگر کچھ برآمد نہ

ہوا۔راولپنڈی۔۔۔پولی ٹیکنیکل کالج کے طلبہ اور اساتذہ کو نوٹس دیا گیا کہ وہ امتحان لینے اور دینے کے لیے نہ آئیں ۔ورنہ نقصان کی ذمہ داری ان پر ہوگی ۔لاہور۔مغل پورہ ۔۔۔میں عبدالحق صاحب مجاہد کے مکان کو آگ لگادی گئی۔مکان کو نقصان پہنچنے کے علاوہ سامان کا معتد بہ حصہ جل گیا ۔رحمان پورہ میں پکٹنگ زیادہ شدید کردی گئی۔

9 اگست 1974ء

چک نمبر 39 ڈی۔بی۔(سرگودھا)۔۔۔احمدیوں کی فصلیں اجاڑ دی گئیں۔انہیں چارہ کاٹنے سے روک دیا۔شر پسند ایک احمدی کا کماد بیلنے والا بیلنا اکھاڑ کر لے گئے۔شاد باغ ۔(لاہور) ۔۔۔ایک احمدی عبدالماجد کی فیکٹری ناگی انڈسٹری پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ساہیوال ۔۔۔آج تین احمدیوں کے مکانوں پر آتش گیر مادہ پھینکا گیا جو دھماکے کے ساتھ پھٹا اور آگ بھڑک اٹھی۔گوجرانوالہ ۔۔۔انتظامیہ نے احمدیوں کو مسجد احمدیہ میں جانے کی اجازت نہ دی ۔14-13 احمدی جو مختلف فیکٹریوں میں ملازم تھے۔ملازمت سے برطرف کردیئے گئے۔بھیرہ ۔۔۔مسجد احمدیہ پر پتھراؤ کیا گیا۔دو احمدیوں کو زخمی کردیا گیا۔کبیر والا۔۔۔جامع مسجد میں نماز عید کے بعد جلسہ ہوا جس میں کالج کھلنے پر پنجاب میں خون کی ہولی کھیلنے کا اعلان کیا گیا۔منڈی بہاؤ الدین ۔۔۔ایک احمدی شوکت حسن صاحب نیازی کو سخت زدوکوب کیا گیا۔ چک نمبر 86 جنوبی ۔(سرگودھا)۔۔۔ایک جلسہ کے بعد بائیکاٹ شروع ہوگیا۔مسجد میں احمدیوں کو نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

10 اگست 1974ء

ڈسکہ۔۔۔احمدیوں کی دکانیں جبراً بند کرادی گئیں۔ایک احمدی ابراہیم کو خنجر مار کر زخمی کردیا گیا ۔اسی طرح ایک اور احمدی بشیر احمد صاحب پر بھی حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا گیا۔اسلام آباد ۔۔۔مسجد نور کے ایک جلسہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور شدید کردینے کے متعلق تقریریں ہوئیں جن

میں احمدیوں پر بے سروپا الزام عائد کر کے لوگوں کو مشتعل کیا گیا۔گرمولہ وِرکاں۔(گوجرانوالہ) ۔۔۔ایک جلسہ میں احمدیوں کو صرف آئندہ سات دنوں تک کھانے پینے کی مہلت کا اعلان کیا گیا نیز یہ کہ اس کے بعد انہیں چُن چُن کر قتل کر دیا جائے گا۔چک نمبر 39 ڈی بی ۔(سرگودھا)۔۔۔احمدیوں کا بائیکاٹ شروع ہو گیا۔اوکاڑہ ۔۔۔احمدیوں کی دکانیں کھل گئیں ۔جلسوں کا سلسلہ تیز ہو گیا۔ڈیرہ غازی خان ۔۔۔ایس پی صاحب کی ہدایت کے تحت ایس ایچ او نے احمدیوں کے بارے میں کوائف جمع کرنے شروع کر دیئے۔

11 اگست 1974ء

لائل پور۔۔۔ایک جلسہ میں مولوی یوسف بنوری نے کہا میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ لیاقت علی خاں کو بھی مرزائیوں نے قتل کرایا تھا۔یہ تمہیں بھی گولی مروائیں گے۔کوٹلی لوہاراں ۔۔۔آج ایک بدمعاش ڈاکٹر لال دین صاحب کے گھر میں گھس آیا اور ان کی بہو کو زدوکوب کر کے بھاگ گیا ۔علی پور چٹھہ ۔۔۔آج شرپسندوں نے صدر جماعت احمدیہ کے مکان پر حملہ کرنے کی کوشش کی ۔سرگودھا۔۔۔کچھ شرپسند شاہ پور سے رہا ہوئے تو ان کا جلوس نکالا گیا۔جو ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب کے مکان تک آیا اور دیر تک کھڑا غلیظ نعرے لگاتا رہا۔نارووال۔۔۔آج فیروز نامی ایک مولوی نے ایک نہایت غلیظ اور اشتعال انگیز تقریر احمدیوں کے خلاف کی۔پولیس احمدیوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔

12 اگست 1974ء

چک نمبر 39 ڈی بی ۔(سرگودھا)۔۔۔مخالفین ایک احمدی برہان محمد صاحب کے لڑکے کو زبردستی اٹھا کر لے گئے اور زدوکوب کیا۔مریدکے۔۔۔چند خدام بشیر احمد صاحب آزاد کے ہینڈ پمپ کی مرمت کرانے کے بعد ایک مستری کے ہمراہ گھر سے باہر نکلے تو غنڈوں نے انہیں گھیر لیا اور شدید تنگ کیا۔شیخوپورہ۔۔۔شہر میں دو دن کے لیے بند کرائی جانے والی دکانیں کئی ہفتوں سے

بند پڑی ہیں ۔انتظامیہ نے اُس سلسلے میں آج بھی کسی قسم کے تعاون کا یقین نہیں دلایا۔پھلوگی ۔(گوجرانوالہ)۔۔۔ایک عورت نے احمدیوں کے ہاتھ سبزی فروخت کی تو اس کا منہ کالا کر کے اسے سارے گاؤں میں پھیرایا گیا۔سرگودھا۔۔۔ایک احمدی فتح محمد صاحب ایک دوسرے احمدی سے ملنے گئے تو غنڈوں نے انہیں بہت زچ کیا نیز حاجی جنوداللہ صاحب کی دکان کے شیشے توڑ دیئے گئے ۔لائل پور۔۔۔آج پریمیر ملز کے احمدی ملازم کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔گکھڑ منڈی۔۔۔آج ایک احمدی کو جو گوجرانوالہ جانے کے لیے ویگن پر سوار ہوئے تھے ۔ویگن سے اتار دیا گیا۔اور گالیاں دی گئیں ۔

13راگست 1974ء

چک نمبر 98شمالی ۔(سرگودھا)۔۔۔ایک احمدی اور ان کی بیوی کو اپنے عقائد سے منحرف ہونے سے انکار پر ان کے دونوں بچے چھین لیے گئے نیز سرگودھا سے غنڈے منگوا کر جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی ۔بھیرہ۔۔۔ایک احمدی کو سودا دینے پر ایک غیر احمدی دکاندار کا منہ کالا کر کے جلوس نکالا گیا۔سرگودھا۔۔۔احمدیوں کو بجلی کے بل بھی ادا نہیں کرنے دیئے گئے ۔احمدی اساتذہ کے دوسری جگہوں پر تبادلے کیے جانے شروع ہو گئے ۔واتہ۔(ضلع ہزارہ)۔۔۔شرپسندوں نے مسجد احمدیہ مسمار کر دی ۔اُس کے دروازے اور کھڑکیاں جلا دیں ۔ملحقہ لائبریری کو شدید نقصان پہنچایا۔لیّہ ۔۔۔آج ایک جلسہ میں ممبران اسمبلی کو بھی دھمکیاں دی گئیں نیز ماسٹر حامد علی احمدی کو سکول میں حاضر ہونے پر جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی ۔لاہور۔۔۔وحدت کالونی میں چار احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔اُوچ شریف ۔(بہاول پور)۔۔۔شرپسندوں نے احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں پر حملے کیے ۔لائبریری کا دروازہ توڑ کر قرآن کریم اور احادیث کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔بچل پور۔۔۔آج ایک احمدی محمد عارف کے غیر احمدی لواحقین نے ان کی بیوی پر اپنے میاں سے متعلق زوجیت فسخ کرنے پر دباؤ ڈالا۔

14/اگست 1974ء

لالیاں ۔۔۔احمدیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ لالیاں چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں ۔ایک گھر کا (جہاں صرف احمدی مستورات مقیم تھیں) گھیراؤ کر کے غلیظ ترین گالیاں دی گئیں ۔لاہور ۔۔۔چار احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ایک بچی زخمی ہوگئی نیز باٹا پور میں کمپنی کے تمام احمدی ملازمین کو کوارٹروں سے نکال کر غیر معینہ مدت کے لیے رخصت پر بھیج دیا گیا۔بہاول پور۔۔۔چودھری بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ کے پٹرول پمپ پر پریکٹنگ لگا دی گئی۔خانیوال۔۔۔ایک احمدی امان اللہ بٹ کے گھر سے ایک احمدی بچی کو اغوا کرنے کی کوشش کی گئی ۔ملزموں کو اندھا دھند فائرنگ سے بٹ صاحب زخمی ہو گئے ۔

15/اگست 1974ء

سرگودھا۔۔۔چند احمدی مستورات بازار میں دوائی لینے گئیں تو غنڈوں نے اُن کا پیچھا کیا۔اور ڈاکٹروں کو تحریری دھمکی دی کہ اگر انہیں دوائی دی گئی تو تمہارے لیے یہ بہت برا ہوگا۔لاہور۔رحمن پورہ۔۔۔میں شدید ناکہ بندی کے علاوہ احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ بھی کیا گیا نیز وحدت کالونی کے ایک احمدی شیخ اعجاز احمد کو گھیر کر شدید زدوکوب کیا گیا ۔چک نمبر 32 جنوبی۔ (سرگودھا)۔۔۔ایک جلسہ ہوا جس کے بعد احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا ۔ساہیوال ۔۔۔فرید ٹاؤن کے احمدیوں کے گھروں میں بارودی گولے پھینکے گئے ۔ایک احمدی علی احمد صاحب کی اہلیہ زخمی ہوگئیں ۔احمدی طلباء اور احمدی اساتذہ کے نام سکولوں میں داخل نہ ہونے کے سلسلہ میں ایک انتباہ بصورت پوسٹر شہر بھر میں چسپاں کیا گیا۔ہارون آباد۔۔۔ایک احمدی حاجی علم دین صاحب کا گودام لوٹ لیا گیا۔شیخوپورہ۔۔۔ایک احمدی ملک لطیف احمد سرور ایم اے ایم ایڈ سکول کھلنے سے ایک دن پہلے سکول گئے تو دیواروں پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی پائی ۔”اگر ماسٹر لطیف سرور مرزائی نے سکول میں قدم رکھا تو اُس کو قتل کر دیا جائے گا۔“رحیم یار خاں

۔۔۔مقامی انتظامیہ کی اجازت سے ایک احمدی نے اپنی دکان ''البرق الیکٹرک سٹور'' کھولی تو شرپسندوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔چنانچہ دکان پھر بند کر دینی پڑی۔اور ڈپٹی کمشنر نے احمدیوں سے کہا کہ وہ سات ستمبر تک اپنی دکانیں بالکل بند رکھیں۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

از16اگست1974ء تا23اگست1974ء

قسط نمبر 10

لائل پور۔۔۔وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی نے احمدی طلبہ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔یونیورسٹی میں جگہ جگہ بینرز لگائے گئے۔جن پر لکھا ہوا تھا کہ ''احمدی طلباء کا داخلہ ممنوع ہے۔'' شکار پور(سندھ)۔۔۔ایک احمدی ٹیچر سے کلاسیں چھڑوا کر اسے پی۔ٹی۔آئی بنا دیا گیا خوشاب۔۔۔غیر احمدی اساتذہ کے منافرانہ پراپیگینڈہ اور کشیدگی بڑھا دینے کے باعث ایک احمدی ٹیچر رخصت پر جانے کے لیے مجبور ہو گیا۔لیّہ۔۔۔ایک احمدی ٹیچر کو سکول کھلنے کے بعد حاضر ہونے کی صورت میں قتل کی دھمکیاں دیں اور اپنے ایک شیعہ دوست سے ملنے گئے۔تو انہیں گھیر کر ان پر پتھراؤ کیا گیا۔بھابھڑا۔(سرگودھا)۔۔۔آج ہائی سکول کے طلباء سے احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کرایا گیا۔مرید کے۔۔۔شرپسندوں کے دباؤ کے تحت آج ایک ٹیچر کو جبراً رخصت پر گھر بھجوا دیا گیا۔مڈھ رانجھا۔۔۔مقامی مزدوروں نے ایک جلوس کے ذریعے احمدی معلمات کو پریشان کیا۔اس مکان کو جس میں وہ تنخواہیں تقسیم کر رہی تھیں جلا دینے کی دھمکی دی گئی۔وہ مشکل سے چھپ چھپا کر سرگودھا پہنچیں۔سرگودھا۔۔۔مولوی بشیر احمد صاحب قمر مربی کا مکان پولیس کی تحویل میں تھا۔جب وہ واپس گھر آئے تو مکان کا تالہ کھلا ہوا تھا۔اور اشیاء میں سے چودہ اہم آیٹم غائب تھے۔پتوکی۔۔ایک احمدی پروفیسر کے خلاف پوسٹر بازی کی گئی۔جلوس میں

پرنسپل نے بھی شرکت کی۔انہیں اپنے عقائد سے منحرف ہونے کے الٹی میٹم دیے گئے۔حتیٰ کہ وہ رخصت لے کر گھر آ گئے۔راولپنڈی۔۔گارڈن کالج یونین نے اپنے ایک اجلاس میں کالج کے احمدی طلبہ کے داخلے پر پابندی لگا دینے کا مطالبہ کیا۔واہ کینٹ۔۔۔ایک احمدی ڈپٹی اسسٹنٹ کنٹرولر عزیز الحق نامی جمعہ کی نماز کے بعد باہر آئے تو گیٹ پر شر پسندوں نے انہیں آ ہنی مکے مار مار کر بری طرح زخمی کر دیا۔بورے والہ۔۔سکول پہنچنے کے بعد دو احمدی ٹیچر عبدالمنان بھٹہ اور شمس الدین سیال سٹاف روم میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ باہر سے ان پر ایک بڑا پتھر پھینکا گیا۔انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع ایس ایچ او کو دی۔انہوں نے کسی قسم کا تحفظ دینے سے انکار کر دیا۔اور کہا کہ بہتر ہے تم رخصت لے کر چلے جاؤ۔

17راگست 1974ء

لاہور۔۔پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اکنامکس کی پروفیسر مس زینت ماجد کو طلبہ نے الٹی میٹم دیا کہ وہ یونیورسٹی چھوڑ جائیں ورنہ نتائج کی ذمہ داری قبول کریں۔(2) یونین اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں ایک احمدی طلبہ نصیر احمد کو زدوکوب کیا گیا۔اور آئندہ یونیورسٹی آنے کی صورت میں گولی سے اڑانے کی دھمکی دی گئی۔(3) اینمل ہسبینڈری کالج کے ایک احمدی طالب علم منور احمد فارم داخلہ جمع کروانے گئے تھے۔جمیعت کے طلبہ نے انہیں گھیر کر سخت زدوکوب کیا۔بوچھال کلاں۔۔احمدی احباب کا واٹر سپلائی کی ٹوٹیوں سے پانی حاصل کرنا بھی بند کر دیا گیا۔جن حجاموں نے ان کی حجامتیں بنائی تھیں ان پر بھی کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا۔خوشاب۔۔۔دو احمدی ٹیچروں کو سکول میں آنے پر انہیں سکول سے نکل جانے کا الٹی میٹم دیا گیا۔انہیں حاضری نہ لگانے دی گئی۔اسلام آباد۔۔ایک احمدی پراچہ نامی کے گھر آتش گیر مادہ کی بھری ہوئی بوتلیں پھینکی گئیں۔جن سے بہت بڑا دھماکہ ہوا۔ایک احمدی ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی کار پر پتھراؤ کیا گیا۔

میانی۔(سرگودھا)۔۔۔احمدی معلمات سکول گئیں تو غنڈوں نے ان کا تعاقب کیا ان پر غلیظ

آوازیں کسیں۔انہیں زبردستی سکول سے نکال دیا گیا۔ایس ایچ او سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے کسی قسم کی ذمہ داری لینے کی بجائے کہا کہ آئندہ کوئی احمدی استانی سکول نہ جائے۔چک نمبر 197 آئی۔ایل۔۔۔احمدیوں پر ان کی باری کا پانی راستے میں کاٹ کر اِدھر اُدھر بہا دیا جانے لگا۔جلال پور کھاکھی ۔(ملتان)۔۔۔ایک احمدی نذیر احمد پر غیر احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کرنے کے الزام میں جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔چک نمبر 46 جنوبی۔۔۔ماسٹر مبارک احمد صاحب کو گھر آتے رستے میں لڑکوں نے زدوکوب کیا۔سیالکوٹ۔۔۔قومی ہائی سکول میں احمدی بچے پڑھنے گئے تو ان کا استقبال غلیظ نعروں سے کیا گیا۔اور سکول میں ہڑتال کرا دی۔کوٹلی ۔۔۔آج راہ چلتے احمدیوں پر پتھراؤ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔مرید کے۔۔۔دو احمدی طلبہ کو سکول جانے پر مارا پیٹا گیا۔

18/اگست 1974ء

ترگڑی۔۔آج ایک احمدی گھرانے پر احمدیت سے تائب ہو جانے کے لیے شدید دباؤ ڈالا گیا ۔ملتان۔۔نشتر میڈیکل کالج کا ایک احمدی طالب علم جب لاہور سے ملتان اسٹیشن پر اترا تو کالج کے طلباء کا ایک ہجوم اُس پر ٹوٹ پڑا۔اور اُسے خوب پیٹا۔کالج میں تمام احمدی طلباء کا تمام سامان نکال کر جلا دیا گیا۔ہسپتال کے ہوسٹل سے تین احمدی ڈاکٹروں کا سامان باہر نکال کر جلا دیا گیا۔ڈاکٹر عطاءاللہ کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔کیمبل پور۔۔ایک احمدی عورت کی تدفین نہ ہونے دی گئی ۔جلوس نے احمدیوں کی قبریں اکھاڑ دیں اور اُن کے کتبے توڑ ڈالے۔لالیاں۔۔احمدی لڑکیوں کو سکول سے نکال دیا گیا۔معلمات کو سکول میں نہ آنے کی دھمکیاں دی گئیں ۔بہاول پور ۔۔چوہدری بشیر احمد صاحب کے پٹرول پمپ پر پکٹنگ سخت کر دی گئی ۔ان پر کار کے نیچے لے کر ایک شخص کو ہلاک کرنے کی کوشش کا جھوٹا الزام عائد کیا گیا۔ایک احمدی محمد باقر کو بازار میں گھیر کر پانچ شر پسندوں نے پیٹا۔اوکاڑہ۔۔فضل عمر کلاتھ ہاؤس کے احمدی پروپرائٹر سے تمام کاروبار بالجبر

ان کے غیر احمدی شریک کاروبار کے سپرد کر دیا گیا۔ جو ہر چیز ہضم کر گیا۔شیخو پورہ شہر۔۔شیخ ظفر احمد نامی احمدی کی اہلیہ کی تدفین پر شر پسندوں نے قبر کا گھیراؤ کر لیا۔اور قبر کو اکھاڑ دینے کے لیے اودھم مچایا پولیس نے بمشکل ہجوم کو منتشر کیا۔ایک احمدی کا مکان جلانے کی کوشش کی گئی۔جو ہر آباد۔۔پی ٹی سی کی ایک احمدی طالبہ کو کلاس سے دھکے دے کر نکال دیا۔اوچ شریف ۔۔ 17/16اور 18اگست کو مسلسل احرار مجلسِ عمل جمعیت علماء اسلام اور جمعیتِ طلبہ کا مشترکہ جلسہ ہوتا رہا۔جس میں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر میں انہیں اعلانیہ قتل کی دھمکیاں دی گئیں ۔بہاول نگر۔۔ چک نمبر 327ایچ آر چک نمبر 107,7 آر، 141مراد، 169مراد،ڈاہرانوالہ بنگلہ ،ہارون آباد اور چشتیاں میں بائیکاٹ اور شدید بنا دیا گیا۔بُورے والہ۔۔ایک احمدی ملازم کو جبری رخصت پر بھیج دیا گیا۔موضع بڑالی ۔(آزاد کشمیر)۔۔شر پسندوں نے ایک احمدی محمد اکبر کو تین دن تک جنگل میں باندھے رکھا اور زدوکوب کیا گیا۔شکر گڑھ ۔۔ایک احمدی کو لٹریچر تقسیم کرنے کے الزام میں زدوکوب کیا۔

19/اگست 1974ء

پسرور۔۔ایک مولوی بشیر احمد نامی نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔جس طرح کسی گاؤں میں پاگل کتا گھس آئے تو سب سکھ،عیسائی، ہندو اور مسلمان اس کو مارنے پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔اسی طرح ہم احمدی کو ختم کرنے پر آج سنی ،شیعہ، بریلوی اور اہل حدیث اکٹھے ہیں ۔ چک نمبر 84 آئی فتح ۔۔احمدیوں کے بچے کئی روز تک سکول نہ جا سکے ۔پھَلو کی ۔۔تین اشخاص کا احمدیوں سے کلام کرنے کے الزام میں منہ کالا کر کے گدھوں پر بٹھا کر جلوس نکالا گیا۔ چک نمبر 62۔(ایم ایل بھکر)۔۔ایک احمدی کو گھیر کر اُس پر پتھراؤ کیا گیا۔دنیا پور۔۔ہائی سکول میں احمدی بچوں کو پیٹا گیا ۔خلیل آباد۔۔احمدیوں کا پانی تک بند کر دیا گیا بعض کو زدوکوب کیا گیا۔ترگڑی۔۔ایک احمدی محمد افضل منیر نامی ترگڑی سے تین میل دور ایک گاؤں میں سرکاری ڈیوٹی پر ملیریا کی دوائی تقسیم کرنے

گئے اُنہیں گھیر کر تنگ کیا گیا۔

20/اگست 1974ء

اسلام آباد۔۔ایک احمدی پروفیسر منور احمد کالج گئے تو اُن کے خلاف اودھم مچایا گیا۔اسلام آباد یونیورسٹی کے دو احمدی پروفیسر اور چار احمدی کارکنوں کو ایک ماہ کی جبری رخصت پر بھیج دیا گیا ۔ڈاور۔(ضلع جھنگ)۔۔آج ایک مولوی صدیقی کی قیادت میں کچھ شر پسند گورنمنٹ پرائمری سکول میں گئے ۔وہاں احمدی طلبہ کو ڈرا دھمکا اور پٹوا کر سکول سے نکال دیا گیا۔سرگودھا چک نمبر 88۔۔شمالی کا ایک طالب علم گورنمنٹ ہائی سکول نمبر (2) میں تعطیلات کے بعد پڑھنے کے لئے گیا تو اسے کلاس سے نکال دیا گیا۔بہاول پور۔۔میڈیکل کالج یکمیں ا احمدی ڈاکٹر گلنار احمد ڈیوٹی پر حاضر ہوتو ان کے خلاف ہنگامہ برپا کیا گیا۔پرنسپل صاحب نے انہیں دوبارہ چھٹی پر بھیج دیا ۔کبیر والا۔۔۔بوائیز ہائی سکول میں احمدی بچوں کو سخت پریشان کیا گیا کرلز ہائی سکول کی دو استانیوں کو بھی بہت زچ کیا گیا۔لائل پور۔۔زرعی یونیورسٹی میں دو احمدی ملازموں کو مجبور کیا گیا وہ ملازمت چھوڑ کر چلے جائیں ۔سانگلہ ہل۔۔آج ایک جلوس نکلا۔جگہ جگہ اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں اور احمدیوں کے مکانوں پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔خانیوال۔۔آج دو احمدیوں کی دکانوں پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔لاہور۔۔اسلامیہ ہائی سکول کینٹ کے ایک طالب علم کو زدوکوب کیا گیا۔بھیرہ ۔۔۔20 اگست کو ایک احمدی رفع حاجت کے لے باہر گیا تو اُسے لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے شدید زدوکوب کیا گیا۔ایک بہت بڑا جلوس بھی نکالا گیا۔جس نے احمدیوں کے گھروں اور مسجد پر پتھراؤ کیا۔تمام احمدیوں کی دکانیں بند کرا دیں گئیں ۔گھروں پر پکٹنگ لگا دی گئی ۔خوشاب ۔۔۔تنویر ہائی سکول سے دو احمدی طلبہ کے نام خارج کر دیئے ۔سیالکوٹ۔۔ایک احمدی طالب علم مبشر شاہین کو کالج جاتے ہوئے پریشان کیا۔پھر شر پسندوں نے کالج سے نہ نکالا گیا۔تو وہ کالج کو آگ لگا دیں گے۔چک نمبر 41 جنوبی (سرگودھا)۔۔چک نمبر 46 جنوبی سے ایک احمدی اُستاد پڑھانے آئے

تو غیر احمدی اساتذہ نے مل کر اُنہیں زدوکوب کیا۔مرید کے۔۔دو احمدیوں کے مکانوں پر دھما کے سے پھٹنے والے گولے پھینکے گئے۔

21/اگست 1974ء

سیالکوٹ۔۔سٹوڈنیٹس فیڈریشن نے جلوس نکالا۔قومی ہائی سکول میں ہڑتال کرادی گئی۔باقی سکول بھی بند کرادیئے۔ڈاور۔۔احمدی بچوں کو ڈرا دھمکا اور مار کر سکول سے نکال دیا گیا۔کوٹ مومن۔۔چند اوباشوں نے سکول میں گھس کر ایک احمدی ہیڈ مسٹرس کو غلیظ گالیاں دیں۔چک نمبر 9۔(گجرات)۔۔ایک احمدی پوسٹ آفس سے اپنی ڈاک دینے گئے تو وہاں اُس پر اندر بلا کر حملہ کر دیا گیا۔بعد میں اُن پر جھوٹا مقدمہ بنا دیا گیا۔

22/اگست 1974ء

راولپنڈی۔۔۔آج ایک جلسہ میں مولوی بنوری اور دیگر احمدیوں کے خلاف شدید اشتعال انگیز تقریریں کیں۔سیٹلائٹ ٹاؤن اور سبزی منڈی میں احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ شدید کر دی گئی۔سرگودھا۔۔آج ایک جلسہ میں راؤ عبدالمنان نامی ایک شخص نے اپنے تقریر میں احمدیوں کو ننگی ننگی گالیاں دیں۔مرید کے۔۔۔آج مجلس عمل کی تنخواہ دار کارندوں نے ایک احمدی نوجوان پر عقائد سے انحراف کے لئے شدید دباؤ ڈالا۔چک نمبر 7ایم۔بی (سرگودھا)۔۔۔ایک احمدی حالات کو کشیدہ دیکھ کر عارضی طور پر ہجرت کر گئے تھے اور جاتے وقت اپنی کچھ اشیاء بطور امانت بعض غیر احمدی احباب کے پاس رکھ گئے واپسی پر تمام واپس کر دینے سے انکار کر دیا گیا۔نیز شرپسند اُن کے گھر سے 850 روپے مالیت کے چاول لکڑیاں اور گڑ اٹھا لے گئے۔جتوئی۔(مظفر گڑھ)۔جماعت اسلامی کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں عوام کو احمدیوں کے قتل لُوٹ مار اور مار دھاڑ پر علانیہ اُکسایا گیا۔گرمولہ۔بائیکاٹ شدید کر دیا گیا۔کھیتوں کو جاتے ہوئے احمدی بچوں اور مستورات کو سخت پریشان کیا اور اُن سے کپڑے وغیرہ چھین لیے۔مغلپورہ۔(لاہور)۔آدھی رات

کے وقت ایک احمدی کے مکان میں ہینڈ گرینڈ پھینکا گیا جس سے بلڈنگ کو شدید نقصان پہنچا۔

23/اگست 1974ء

بھیرہ۔۔۔احمدیوں کی دکانوں پر پتھراؤ کیا گیا اور آتش گیر مادہ پھینکا گیا۔سول ہسپتال کے ڈاکٹر نے طبی امداد دینے سے انکار کر دیا۔گجرات۔۔۔احمدی مسجد میں نماز مغرب ادا کر رہے تھے کہ کسی شرپسند نے ہینڈ گرینڈ پھینکا چار نمازی شدید زخمی ہوئے۔اچھّر۔(سرگودھا)۔۔۔ایک احمدی کا پانی روک کر اس کی فصل کو نقصان پہنچایا گیا۔چک نمبر 32 جنوبی۔(سرگودھا)۔۔۔آج احمدیوں کے گھروں پر پھر پتھراؤ کیا گیا۔کوٹ مومن۔۔۔مسجد پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔ملک وال ۔۔۔ڈاکٹر مبشر احمد صاحب (سول ہسپتال) کے احمدی شرپسندوں نے حملہ کر کے زخمی کر دیا۔سید والہ۔۔۔ایک احمدی نعیم احمد کے ہوٹل کے (شرپسندوں نے) تمام برتن وغیرہ توڑ ڈالے اور اُسے زدوکوب کیا۔نیز احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

(24اگست 1974ء تا 31اگست 1974ء)

قسط نمبر 11

سرگودھا۔۔۔ایک احمدی ہیڈ مسٹریس صاحبہ ڈیوٹی پر سیٹلائٹ ٹاؤن گئیں تو ان کے خلاف اس قدر اودھم مچایا گیا کہ انہیں واپس آنا پڑا۔واپسی پر وہ بس پر سوار ہوئیں تو کنڈیکٹر نے انہیں دھکا دے کر بس سے اتار دیا۔جونیئر ماڈل سکول کی دو احمدی استانیوں پر احمدیت چھوڑنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ایک احمدی بچی شاچہ کو سکول میں زدوکوب کیا گیا۔ایک احمدی ڈاکٹر عبدالقادر صاحب کی کار ایک غیر احمدی ڈاکٹر نصراللہ صاحب کے پاس تھی۔وہ اس پر ڈاکٹر عبدالقادر صاحب کے بچوں کو سکول چھوڑنے جایا کرتے تھے۔شرپسندوں نے اس کار کو بھرے بازار میں اس پر

پٹرول چھڑک کر جلا دیا۔میانی۔(سرگودھا)۔۔۔ایک احمدی محمود احمد صاحب کی اہلیہ تنخواہ لینے گئیں۔غنڈوں نے ان کا تعاقب کیا اور ریلوے اسٹیشن تک جلوس کی شکل میں انہیں پریشان کیا۔لائل پور۔۔۔باون کے قریب احمدی ملازموں کو مختلف اداروں فیکٹریوں اور ملوں کی ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔بھیرہ۔۔۔نئی پولیس گارڈ کے آنے پر احمدیوں نے دکانیں کھول لی تھیں لیکن ''الفتح'' کے غنڈوں نے پھر جبراً بند کر دیں۔رات کے وقت جامعہ غوثیہ کے ہیڈ کوارٹر میں خود ہی کچھ دھماکے اور فائر کر کے اس کا الزام احمدیوں کے سر تھوپ دیا گیا۔پولیس بغیر کسی ثبوت کے چار احمدیوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔خاکروبوں کو احمدیوں کے گھروں میں کام کرنے سے روک دیا گیا۔حاصل پور۔۔۔آج یہاں شرپسند ایک احمدی غلام نبی باجوہ کا منہ کالا کر کے اور اُن کے گلے میں جوتیوں کا ہار پہنا کر صبح کے نو بجے سے سہ پہر تین بجے تک شہر میں پھراتے اور انہیں زدوکوب کرتے رہے۔کوٹ مومن۔۔۔مولوی سید عباس علی شاہ نے تقریروں میں اعلانیہ احمدیوں کو قتل کرنے کے لئے عوام کو اُکسایا۔جس کے نتیجے میں مسجد احمدیہ اور احمدیوں کے گھروں پر خشت باری کی گئی۔مسجد کا نلکا خراب کر دیا گیا۔ٹوٹیاں توڑ دی گئیں۔مسجد میں دو احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔احمدیوں پر بحالت نماز پتھراؤ کیا گیا۔بعد میں مسجد کا تالا توڑ کر قرآن مجید کے نسخے مذہبی کتب اور اخبارات و رسائل کے علاوہ بستر وغیرہ اٹھا لے گئے۔احمدی طالب علم سکول گئے تو انہیں اساتذہ کے سامنے گراؤنڈ میں لے جا کر مارا پیٹا گیا۔

25راگست 1974ء

۔۔ملتان۔۔۔دو احمدی طلباء عبدالمتین اور قمر الاسلام کو گورنمنٹ ہائی سکول میں مارا پیٹا گیا۔لڑکیوں کے سکولوں میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی۔چک نمبر 9 شمالی۔(سرگودھا)۔۔۔ایک احمدی ملازم کو بلاوجہ معطل کر دیا گیا۔بھیرہ۔۔۔احمدیوں کے گھروں کا محاصرہ کر کے ان پر پتھراؤ کیا گیا۔جھنگ۔۔۔گرلز ہائی سکول کی ہیڈ مسٹرس سے احمدی استانیوں کو برطرف کر دینے کا مطالبہ

کیا گیا۔

26راگست 1974ء

لاہور۔۔۔مسجد غوثیہ میں ایک جلسہ میں احمدیوں کے خلاف سخت اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں ۔اور ایک کتابچہ ''دجال کذاب کی حقیقت کو سمجھئے'' تقسیم کیا گیا۔بھیرہ۔۔۔مسجد نور پر سخت پتھراؤ کیا گیا۔احمدیوں کا مسجد میں داخل ہونا ناممکن ہوگیا۔چھنی جاناں۔(گوجرانوالہ)۔۔۔آج ایک احمدی ٹیوب ویل آپریٹر کو بلاوجہ ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔بہاول نگر۔۔۔آج صبح نو بجے ایک جلوس نکالا گیا جس میں بازار کے لوگ تھے۔مگر سکول کے بچوں کو آگے رکھا ہوا تھا۔جلوس نے ایک احمدی کی دکان کا دروازہ توڑ کر مال لُوٹا کچھ توڑا پھوڑا اور فرنیچر باہر نکال کر آگ لگا دی ۔پولیس آخری دم تک محض تماشائی بنی دیکھتی رہی۔شیخو پورہ۔۔۔سیکرٹری تحریک ختم نبوت شیخ محمد امین کے قبضے سے ساٹھ ہزار روپے کا غیر ملکی کپڑا اسمگل کیا ہوا پکڑا گیا اور اس کا چالان ہوا تو اس واقعے کو بھی احمدیوں کے خلاف منافرت پھیلانے کے لئے استعمال کیا گیا۔چک نمبر 33 جنوبی ۔(سرگودھا)۔۔۔بعد نماز جمعہ مجلس عمل نے ایک اشتعال انگیز جلسہ کر کے گاؤں کے تمام احمدیوں کا بائیکاٹ کرا دیا۔

27راگست 1974ء

ہجکہ۔(سرگودھا)۔۔۔یہاں دو مسجدوں میں احمدی اور غیر احمدی اکٹھے نمازیں پڑھا کرتے تھے ۔مخالفین نے ایک پر قبضہ کر لیا اور دوسری پر قبضہ کر لینے کی کوشش جاری رہی۔چک نمبر 96 گ ب۔(لائل پور)۔۔۔تین احمدی ٹیچروں کا گھیراؤ کر کے ان پر پتھراؤ کیا گیا۔لائل پور۔۔۔پرنسپل اور طلبہ نے پروفیسر ظفر اقبال کو دھمکی دی کہ وہ رخصت لے کر چلے جائیں۔لاہور ۔۔۔یونیورسٹی میں محمد یوسف صاحب کو پیٹا گیا۔اور ڈاکٹر چوہدری غلام اللہ صاحب کا منہ کالا کر کے اُنہیں یونیورسٹی بھر میں پھرایا گیا۔بھیرہ۔۔۔آج ایک احمدی کا منہ کالا کر کے اُسے بازاروں

میں پھرایا گیا۔گرمولہ ورکاں ۔(گوجرانوالہ)۔۔۔ایک احمدی نوجوان کو زدوکوب کیا گیا۔ڈیزل نہ ملنے کے باعث احمدیوں کے ٹیوب ویل بند ہو گئے شرپسندوں نے ایک احمدی لڑکے کو اغواء کر کے سترہ دن تک غائب رکھا۔تشدد کے باعث اُس کا دماغی توازن بگڑ گیا۔گجرات ۔۔۔ڈی سی صاحب نے احمدیوں کے اسلحہ کی فہرستیں تیار کرنے کے سلسلے میں (مطالبہ پر)تحریری حکم دینے سے انکار کر دیا۔پولیس چودھری بشیر احمد صاحب کی رائفل لے گئی ۔بہاول نگر۔۔۔شیخ غلام احمد صاحب کی دکان لوٹنے کے علاوہ رانا محمد خاں صاحب ایڈوکیٹ کے مکان پر حملہ کر کے اس کے دروازے توڑ دیئے گئے۔

28راگست 1974ء

سرگودھا۔۔۔آض ایک احمی بچی جو چوتھی جماعت کی طالبہ ہے پر یہ الزام لگا کر اشتعال پھیلایا گیا کہ اُس نے استانی کو مارا۔ چک نمبر 88 شمالی۔(سرگودھا)۔۔۔آج بعض احمدی مردوں اور عورتوں کی سرِ بازار بےعزتی کی گئی۔کیمبل پور۔۔۔دواحمدی استانیوں کے خلاف ہنگامہ خیزی کر کے انہیں سخت پریشان کیا گیا۔بھکہ ۔(سرگودھا)۔۔۔یہاں نو احمدیوں کے 307اور 305(ت پ)کےتحت جھوٹے مقدمات بنا کر گرفتار کر لیا گیا۔وہ بعد میں رہا ہو گئے تو انہیں دوبارہ گرفتار کرانے کی کوشش کی گئی ۔میرا بھنگیاں ۔(آزاد کشمیر)۔۔۔آج بعض احمدیوں پر سرِ راہ تشدد کیا گیا۔احمدی بچوں کو سکول میں آنے سے روک دیا۔کدھڑ۔۔۔ایک احمدی استانی پر پتھراؤ کیا گیا۔سکول کی دیواروں پر احمدیوں کے خلاف غلیظ نعرے لکھے گئے۔

29راگست 1974ء

مڑھ بلوچاں ۔(شیخوپورہ)۔۔۔ایک احمدی استانی کا گھیراؤ کر کے اُسے سخت پریشان کیا گیا ۔بھیرہ۔۔۔مسجد فضل پر خشت باری کی گئی۔جس سے چند نمازی شدید زخمی ہوئے۔مسجد میں گھس کر اُس کے کنوئیں میں غلاظت پھینکی گئی۔اور بعض احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔رحمان

پورہ۔(لاہور)۔۔۔ایک احمدی کو شدید زدوکوب کیا گیا اس کی ناک پر شدید زخم آئے۔میر پور خاص۔۔۔جمیعت اسلامی کے طلباء نے ہوسٹل میں ایک احمدی کو پیٹا اور اس کا سارا سامان جلا دیا۔

30راگست 1974ء

چک نمبر 41 جنوبی۔(سرگودھا)۔۔۔مسعود احمد صدر جمیعت طلباء اور دیگران نے احمدیوں کے بارے میں انہیں قتل کر دینے کی تقریریں کیں۔نیز حکومت کے خلاف بھی زہر اُگلا۔راؤ عبدالمنان نامی ایک شخص نے عوام کو احمدیوں کو ختم کر دینے کے لیے اُکسایا۔چک نمبر 13۔(ملتان)۔۔۔غنڈوں نے احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا۔اطلاع دینے پر پولیس نے کوئی نوٹس نہ لیا۔لائل پور۔۔۔مسجد عبداللہ پور میں جلسہ کر کے مولوی تاج محمود اور دوسرے مولویوں نے احمدیوں کے متعلق شدید غلیظ اور خطرناک قسم کی اشتعال انگیزی پھیلائی۔چک نمبر 9۔68ایل۔(ساہیوال)۔۔۔مولویوں نے ایک جلسہ میں عوام کو احمدیوں کے قتل اور اُن کے املاک کو لُوٹنے اور جلانے پر اُکسایا۔چک نمبر 32 جنوبی۔(سرگودھا)۔۔۔احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا۔چونیاں۔۔۔پتوکی سے غنڈے منگوا کر فیض احمد خان احمدی کے مکان پر حملہ کیا گیا۔صوبیدار میجر ریٹائرڈ عبدالحمید کی دکان کا تمام سامان باہر نکال کر جلا دیا گیا۔پولیس اور مجسٹریٹ کھڑے محض نظارہ دیکھتے رہے۔

31راگست 1974ء

چیچہ وطنی۔۔۔مولوی یوسف بنوری نے ایک جلسہ میں احمدیوں کے خلاف شدید اشتعال پھیلایا۔جس سے کشیدگی بڑھ گئی۔چونیاں۔۔۔ایک احمدی کے گھر کا محاصرہ کر کے شرپسندوں نے گھر کا تمام سامان لُوٹ لیا۔ایک احمدی دوست کی فوٹو گرافی کی دکان کا سارا سامان باہر نکال کر جلا دیا۔ساہیوال۔۔۔بعد نمازِ عشاء مدینہ مسجد میں جلسہ ہوا۔جس میں احمدیوں کی مساجد کو ”دجال گاہ“ قرار دیا گیا۔مولوی یوسف بنوری نے اپنی اشتعال انگیز تقریر میں علی الاعلان عوام کو احمدیوں

کے قتل پر اُکسایا۔جلسہ میں الٹی میٹم دیا گیا کہ اگر بھٹو نے ہماری مرضی کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو ہم قتل وغارت میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ہمارا 50 ہزار رضا کار چنیوٹ میں تیار بیٹھا ہے جو 7 ستمبر کو ربوہ کی طرف مارچ کرے گا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

یکم ستمبر 1974ء تا 10 ستمبر 1974ء

قسط نمبر 12

بہاول پور۔۔۔ایک احمدی پٹرول پمپ پر موٹر سائیکل میں پٹرول ڈلوانے کے لیے گیا۔پٹرول پمپ لگی ہوئی تھی۔شر پسندوں نے انہیں گھیر لیا۔اور حملہ کر دیا۔انہوں نے بھاگ کر شو روم میں پناہ لینا چاہی مگر 5 / 6 سو افراد کے ہجوم نے انہیں مار مار کر زخمی کر دیا۔پٹرول پمپ کے تمام تیل کے ڈبے توڑ پھوڑ دیئے اور موٹر سائیکل کو جلا دیا۔دو احمدیوں چودھری بشیر احمد صاحب امیر ضلع اور نعیم جاوید صاحب کے مکانوں کو آگ لگا دی۔اور تمام قیمتی سامان لوٹ لیا۔شکایات پر انتظامیہ نے از حد سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔نیز ماڈرن سٹیشن سروس نامی پٹرول پمپ نے (جو زیر پکٹنگ تھا) پٹرول ڈلوانے کی پاداش میں ایک غنڈے نے ایک احمدی کو زخمی کر دیا۔بھلوال ۔۔۔قائد خدام احمدیہ سکوٹر پر ضلع کی جماعتوں کا دورہ کررہے تھے۔بھلوال پہنچ کر ان کے سکوٹر میں پٹرول ختم ہو گیا۔وہ بس میں سوار ہونے لگے تو کچھ شر پسند مرزائی، مرزائی کی آوازیں کستے ہوئے ان پر پل پڑے ۔اور اُن کے کپڑوں کو آگ لگا دی جس سے اُن کا جسم جھلس گیا۔ ملتان۔۔۔ساڑھے تین بجے بعد دوپہر ایک احمدی کے مکان (واقع کیمبرج روڈ) پر عقبی جانب سے آتش گیر مادہ پھینک کر سٹور میں آگ لگا دی۔

2 ستمبر 1974ء

بہاول نگر۔۔۔پولیس کی موجودگی میں دو نوجوان سکوٹر سواروں نے رانا محمد خان صاحب ایڈووکیٹ (امیر جماعت احمدیہ) کی کوٹھی کے دروازے کو آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگا دی ۔وکلاء نے احمدی موکلوں کا بائیکاٹ کر دیا۔قصبہ ساہیوال۔۔۔چودھری محمد شریف صاحب باجوہ کی غیر موجودگی میں شر پسندوں نے ان کی زمین پر قبضہ کر کے فصل کاشت کر لی۔کھجور کے درخت سے سارا پھل بھی اتار لیا۔روڑہ۔۔۔پولیس نے ایک احمدی کا اونٹ لے جا کر ایک غنڈے کے ڈیرے پر باندھ دیا۔دو احمدیوں کو گھر سے نکال کر اُن کا تمام سامان لُوٹ لیا گیا۔پولیس ایک احمدی کو بغیر کسی جرم کے پکڑ کر لے گئی۔گھوگیاٹ۔۔۔بائیکاٹ کو شدید بناتے ہوئے احمدی اساتذہ اور طلباء کو سکول سے نکال دیا گیا۔منڈی بہاؤالدین۔۔۔وکلاء نے امیر جماعت احمدیہ منور حسین صاحب ایڈووکیٹ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔اور اُن کے منشی کو بھی اُن کا سودا سلف لانے سے سختی سے منع کر دیا۔

3 ستمبر 1974ء

کوٹ سوندھا۔(ضلع شیخوپورہ)۔۔۔احمدیوں کے گھروں پر پولیس کی موجودگی میں پتھراؤ کیا گیا۔اکّا دکّا جو بھی احمدی شر پسندوں کو نظر آیا اسے زدوکوب کیا گیا۔ایک احمدی کی ایک مربع زمین پانی بند کر دیئے جانے کے باعث تباہ ہوگئی۔ایک احمدی کے مکان پر حملہ کر کے دروازے کو توڑ دیا اور سامان توڑ پھوڑ کر باہر پھینک دیا گیا۔پتھراؤ سے ایک احمدی شدید زخمی ہوا۔بھلوال۔۔۔پرنسپل نے احمدی طلباء کو کالج آنے سے منع کر دیا۔اطلاع دی گئی تو انسپکٹر پولیس کالج گیا۔اُس کے بعد احمدی طلباء کو تھانے میں بلا کر ہدایت کی کہ وہ 7 ستمبر 1974ء کے بعد کالج جائیں۔چک نمبر 32 جنوبی۔(سرگودھا)۔۔۔رات کے وقت احمدی گھرانوں پر شدید پتھراؤ کیا گیا۔لائل پور۔۔۔گرلز ہائی سکول بھوانہ بازار میں غیر احمدی طالبات نے دو احمدی طالبات کو زدوکوب کیا۔احمدی

اساتذہ کے خلاف بھی محاذ آرائی ہوئی۔ مسجد فضل کے سامنے ''انجمن تعمیر ملت'' کے بعض کارکنوں نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی۔

4 ستمبر 1974ء

وزیرآباد۔۔۔4/5 ستمبر کی درمیانی شب ایک احمدی کے دروازے کو باہر سے پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ سانگلہ ہل۔۔۔بازار میں چند شرپسندوں نے پٹاخے چلا کر تھانے میں جا کر رپورٹ کر دی کہ احمدیوں نے بم چلائے ہیں۔مگر پولیس جلد ہی شرارت کی تہہ کو پا گئی۔ سرگودھا۔۔۔آج کچہری میں چند سکوٹر سوار شرپسند لڑکوں نے ایک احمدی کو مارا اور اس کی چادر چھین کر لے گئے۔ دو احمدیوں کو سبزی منڈی کے قریب پکڑ لیا اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔ لائل پور۔۔۔صدر زرعی یونیورسٹی کی صدارت میں ایک اجلاس میں پندرہ مقررین نے سخت اشتعال انگیز تقاریر کیں۔اور فیصلہ ان کی من مرضی کا نہ ہونے کی صورت میں حکومت کا تختہ الٹ دینے اور احمدیوں کے قتلِ عام کی دھمکیاں دی گئیں۔ چک نمبر 327 ایچ۔آر۔(ضلع بہاول نگر)۔۔۔شرپسندوں نے مولوی محمد عبداللہ احمدی کے گھر پر اینٹیں برسائیں۔ دو اُنہیں آ کر لگنے سے اُن کے تین دانت ٹوٹ گئے۔

5 ستمبر 1974ء

چک نمبر 32 جنوبی (سرگودھا)۔۔۔حجامتیں بنوانے کے لیے ایک حجام باہر سے منگوایا گیا۔ شرپسندوں نے اُس پر بھی پتھر برسائے۔ چک نمبر 33 جنوبی۔۔۔کے ایک احمدی اپنے عزیز کی خیریت دریافت کرنے آئے تو اُنہیں مار مار کر زخمی کر دیا۔اور پولیس کے دو دانسٹیبل بڑے آرام سے بیٹھے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ چک نمبر 33 جنوبی۔(سرگودھا)۔۔۔محمد حسین صاحب احمدی کا مکئی کا کھیت اجاڑ دیا گیا۔ دولیاہ جٹاں۔(آزاد کشمیر)۔۔۔آج احمدیوں کا پانی بھی بند کر دیا گیا۔ میرا بھڑکا۔(آزاد کشمیر)۔۔۔آج بعض احمدیوں کو راہ چلتے زدوکوب کیا گیا۔ جا ملکے چیمہ

۔(سیالکوٹ)۔۔۔مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے دروازے توڑ دیئے گئے۔صفیں جلا دی گئیں۔بھوپال والا۔۔۔شر پسندوں پر مشتمل ایک جلوس نے سکول کی عمارت پر پتھراؤ کیا۔اور اُسے بند کر دینے کا مطالبہ کیا۔سمبڑ یال۔۔۔آج جلوس نے خواجہ محمد امین کے پٹرول پمپ پر حملہ کر دیا۔پسرور۔۔آج طلبہ نے احمدی اساتذہ سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ڈسکہ۔۔۔مرزا صدیق اور مرزا نذیر (احمدیوں) کے مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔سیالکوٹ شہر۔۔۔ایک احمدی کے مکان پر پتھراؤ کر کے شیشے اور بلب وغیرہ توڑ دیئے گئے۔چک نمبر 42 جنوبی۔(سرگودھا)۔۔۔گاؤں میں شدید اشتعال انگیز تقریروں کے بعد غفور احمد احمدی نے فساد اور حملہ کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ساتھ کے گاؤں سے چند احمدیوں کو اپنی حفاظت کے لئے بلوالیا۔غنڈوں نے پولیس کو اطلاع کر دی کہ اُس نے ہم پر حملہ کرنے کے لیے غنڈے بلوائے ہیں۔پولیس آئی اور دس احمدیوں کو بغیر کسی جرم کے گرفتار کر کے لے گئی۔

6 ستمبر 1974ء

لاہور شہر۔۔۔کی دیواروں پر غلیظ نعرے بازی کے جواب میں احمدی نوجوانوں نے چند ایک جگہ یہ عبارت لکھی ''اسلامی نظام کی ترقی کے لئے غیر اسلامی طریقے جائز نہیں''۔یہی عبارت مسلم کمرشل بینک کی ایک دیوار پر بھی تھی۔جہاں بم کا دھماکہ ہو گیا۔تو پولیس نے چند احمدی نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔اور بم کے واقعے کو اُن سے منسوب کرنے کی کوشش کی۔پولیس شیخ رحمت علی صاحب کو رات گیارہ بجے پکڑ کر لے گئی۔ربوہ۔۔۔اعوان کمپنی کی ایک بس کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مولوی نے اہلِ ربوہ کو غلیظ گالیاں دیں۔اور احمدیت پر اشتعال انگیز فقرے بازی کی۔چک نمبر 86 ج۔(سرگودھا)۔۔۔مڈل سکول کے طلباء سے ایک جلوس نکلوایا گیا۔جس نے احمدیوں کے مکانوں پر پتھراؤ کیا۔اور گرلز مڈل سکول میں جا کر احمدی استانیوں کی بے عزتی کی۔چک نمبر 33 ج۔(سرگودھا)۔۔۔آج ایک جلوس نے احمدیوں کے گھروں پر شدید پتھراؤ کیا

۔اچھر۔۔۔پولیس احمدی نوجوانوں کوکسی نامعلوم جرم کے الزام میں پکڑ کر تھانے لے گئی۔حاصل پور۔۔۔شرپسندوں نے چودھری غلام علی احمدی کو پکڑ کر ان کا منہ کالا کیا۔پھراُن کے گلے میں جوتیوں کا ہار ڈال کر شہر میں پھرایا۔اور شدید زدوکوب کیا۔جس سے وہ بے ہوش ہو گئے۔گھوگھیاٹ۔۔۔ایک احمدی ٹیچر نے اپنے ایک غیر احمدی شاگرد کو بازار سے کوئی چیز لانے کے لیے رقعہ دیا۔ایک ٹیچر قاری سعید احمد ضیاء نامی نے اِس پراُس طالب علم کو بید سے پیٹا،اور احمدیوں کا سکول میں داخلہ بند کر دیا۔

7 ستمبر 1974ء

ساہیوال۔۔۔آج یہاں لہکو کہا کلمہ گو احمدیوں کو دو (2) اغراض کے لئے ''ناٹ مسلم'' قرار دیئے جانے کی خوشی میں چراغاں کیا اور جلوس نکالا گیا۔ربوہ۔۔۔پولیس ایک بنگالی احمدی طالب علم کو گرفتار کر کے لے گئی۔لائل پور۔۔۔پانچ احمدی طلباء کو یونیورسٹی سے باہر نکال دیا گیا۔دو کا منہ کالا کر کے انہیں گدھے پر سوار کر کے جلوس نکالا گیا۔پھرانہی طلبہ پر فائرنگ کرنے کا الزام لگا دیا۔اور پولیس انہیں گرفتار کر کے لے گئی۔وائس چانسلر نے احمدی طلبہ سے ملنے سے انکار کر دیا۔لاہور۔۔۔آج پولیس نے ''اسلامی نظام کی ترقی کے لیے غیر اسلامی طریقے جائز نہیں'' کی عبارت لکھنے کے جرم میں شیخ رحمت علی صاحب کے علاوہ منیر نا گی،آغا سلطان معظم،اثمار احمد،نعیم احمد اور خواجہ منظور احمد نامی نوجوان کو بھی گرفتار کر لیا۔جا مکے چیمہ۔(سیالکوٹ)۔۔۔جلوس نے دو احمدی گھروں پر پتھراؤ کر کے شدید نقصان پہنچایا اور مولوی عنائت اللہ احمدی کی دکان لوٹنے کی کوشش کی۔خوشاب۔۔۔ایک احمدی ماسٹر نصر اللہ صاحب خوشاب سے جڑانوالہ جا رہے تھے۔جب وہ سرگودھا پہنچے ایک غنڈے نے ایک اینٹ اٹھا کر ان کے منہ پر دے ماری۔اور انہیں لہو لہان کر دیا۔

8 ستمبر 1974ء

خوشاب۔۔۔غیر احمدیوں نے رانا عطاء اللہ احمدی کو بلا کر کہا کہ اپنے مربی کو عصر کی نماز سے قبل یہاں سے نکال دو، ورنہ ہم انہیں قتل کر دیں گے۔ بدوملہی ۔۔۔احمدی بچوں کو پیٹا گیا اور دھمکی دی گئی کہ ہم مسجد پر قبضہ کر لیں گے۔ سرگودھا۔۔۔آج کلیار ٹاؤن میں ایک احمدی کے مکان پر حملہ کر کے لوٹنے کی کوشش کی گئی۔ ڈیرہ اسماعیل خان ۔۔۔آج صبح ایک ملا مسجد میں گھس آیا اور قابض ہو گیا۔ تھانہ میں رپورٹ دے کر اسے نکالا گیا۔ ڈی سی اور ایس پی نے کہا کہ مسجد احمدیہ پر مسجد کے بجائے عبادت گاہ کا بورڈ لگائیں۔ بہاول نگر۔۔۔ایک احمدی وکیل شیخ کریم الدین کو ایک غیر احمدی وکیل نے چائے کی دعوت دی مگر شرپسندوں نے اس پر کینٹین والے کو جالیا اور اس کے برتن توڑ ڈالے۔ لاہور۔۔۔آج آغا عبدالرحیم صاحب کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ ایک دروازہ اور کھڑکی جل گئے رات کو ملک عزیز صاحب کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔ رتوچھہ۔ (جہلم)۔۔۔آج احمدیوں کو تالاب سے پانی بھرنے سے روک دیا گیا۔ 7 ستمبر کے فیصلے کے بعد مخالفت اور شدید ہوگئی۔ بھون۔ (جہلم)۔۔۔تالابوں سے احمدیوں کو پانی بھرنے نہیں دیا گیا۔

9 ستمبر 1974ء

چک نمبر 5۔ (شیخوپورہ)۔۔۔احمدیوں کو مسجد میں اذان دینے سے روک دیا گیا۔ اوکاڑہ ۔۔۔احمدیوں کو اذان دینے سے روکا گیا اور ایک دکان ''مسلم جنرل سٹور'' کا نام تبدیل کرنے کا مطالبہ کر دیا گیا۔ ڈسکہ۔۔۔مولویوں نے عبداللطیف بٹ کی دکان بند کرانے کی کوشش کی۔ اور ان پر فتویٰ لگایا کہ اب تمہاری بیوی تم پر جائز نہیں کیونکہ تم غیر مسلم ہو۔ ان کے خسر نے انہیں گھر سے نکال دیا۔

10 ستمبر 1974ء

گوجرہ ۔۔۔حفاظتی پولیس کی موجودگی میں کچھ شرپسند مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کے لیے آئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ ان کی جگہ ایک مجسٹریٹ صاحب آئے اور مسجد کو خالی کرا کے

پولیس کے حوالے کر گئے۔ ہجکہ۔۔۔ایس ایچ او نے صدر جماعت احمدیہ سے کہا کہ اب مسجد میں نمازیں ادا نہ کریں۔تحریری حکم کا مطالبہ کرنے پر برہم ہوکر انکار کر دیا۔مگر غیر احمدیوں سے کہا کہ اب تم بے شک اُن کی ٹانگیں توڑ دو تو بھی میں کوئی ایکشن نہیں لوں گا۔ چک نمبر 37۔(بہاول نگر)۔۔۔پولیس کی موجودگی میں غیر احمدیوں نے چودھری رحمت علی کو مشترکہ کنوئیں سے پانی بھرنے سے روک دیا۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

(11 ستمبر 1974ء تا 30 ستمبر 1974ء)

قسط نمبر 12

گوجرہ۔۔۔دباؤ ڈالا گیا کہ احمدی نہ اذان دیں نہ نماز پڑھیں۔اوکاڑہ۔۔۔ایک احمدی استانی پر تشدد کیا گیا۔

12 ستمبر 1974ء

لائل پور۔۔۔شر پسندوں نے شیخ رحمت اللہ کی دکان پر قبضہ کر کے خالی ڈبے باہر نکال کر انہیں آگ لگا دی۔ چک نمبر 99 شمالی۔(سرگودھا)۔۔۔پولیس نے فون کیا کہ احمدی مسجد میں نماز نہ پڑھیں۔کیونکہ پرسوں کی لڑائی میں زخمی ہونے والا شخص مر گیا ہے۔ایک احمدی افتخار احمد کو قتل کے سلسلہ میں گرفتار کر لیا گیا۔مسجد میں اذان دینے سے روکا گیا۔ملتان۔۔۔مربی سلسلہ احمدیہ پر اشتعال انگیز خطبہ کا الزام دھر کر گرفتار کر لیا گیا۔گجرات۔مسجد احمدیہ کی بجلی کاٹ دی گئی۔لاہور۔۔۔مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازے پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔پیر محل۔(لائل پور)۔۔۔مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔جو ناکام رہی۔ایک احمدی بچے کو سکول میں بلاوجہ پیٹا گیا۔چک نمبر 70 ایم ایل۔۔۔آج بندوقوں سے مسلح ساٹھ ستر افراد نے احمدیوں پر

احمدیت سے تائب ہو جانے کے لیے دباؤ ڈالا۔نوکوٹ۔(سندھ)۔۔۔آج یہاں مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

14 ستمبر 1974ء

چک نمبر 87 شمالی۔(سرگودھا)۔۔۔سرگودھا سے جماعت اسلامی کے دوسکوٹر سوار آئے اور چودھری رشید احمد صاحب کے غیر احمدی ملازم پر حملہ کر دیا۔مقابلہ میں حملہ آوروں میں سے ایک زخمی ہو گیا۔سرگودھا۔۔۔شہر میں ایک احمدی کے پلاٹ پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔

15 ستمبر 1974ء

درہ شیر خان۔(آزاد کشمیر)۔۔۔احمدیوں کا پانی بند کر دیا گیا۔راشن ڈپوؤں سے احمدیوں کو راشن ملنا بند ہو گیا۔دھیر و وال۔(سیالکوٹ)۔۔۔پولیس کی موجودگی میں گاؤں کے افراد نے لاٹھیوں سے مسلح ہو کر احمدیوں کے گھروں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔سمبڑیال۔۔۔ریذیڈینٹ مجسٹریٹ نے مسجد احمدیہ کو سیل (seal) کر دیا۔مخالفین نے مہر توڑ کر قبضہ کرنے کی کوشش کی ۔شکایت پر ڈپٹی کمشنر نے کہا فساد کا خطرہ ہے۔فی الحال احمدی مسجد میں نماز نہ پڑھیں۔

16 تا 20 ستمبر 1974ء

چک نمبر 37 جنوبی۔۔۔(16 ستمبر)احمدی اساتذہ،استانیوں اور طلبہ کو سکول جانے سے منع کر دیا گیا۔چک نمبر 104 جڑانوالہ۔۔۔(17 ستمبر)رشید الدین صاحب احمدی (ملازم نیشنل بینک پاکستان) کو اپنے ایک ساتھی سے جھگڑے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔پولیس نے احمدیوں کو مسجد میں اذان دینے سے منع کیا۔شر پسندوں نے ''مسلم جنرل سٹور'' کا بورڈ اتار دیا۔تہال۔(گجرات)۔۔۔(18 ستمبر 1974ء)احمدیوں کو مشترکہ کنوئیں سے پانی حاصل کرنے سے روک دیا گیا۔چک نمبر 295 گ ب۔(بیریاں والہ)۔۔۔19 ستمبر احمدیوں کو

تالاب سے پانی لینے سے منع کر دیا گیا۔ مسجد میں نماز ادا کرنے اور اذان دینے سے بھی روک دیا گیا۔ چک نمبر 71 جنوبی۔ (سرگودھا)۔۔۔(20 ستمبر) حکومت کے فیصلہ کے بعد احمدیوں کا بائیکاٹ اور شدید کر دیا گیا۔ ایک غیر احمدی ٹیچر نے علی الا علان احمدیوں کو قتل کرنے اور اُن کی مسجدوں پر قبضہ کر لینے کو جائز قرار دیا۔

21 ستمبر 1974ء

چک نمبر 266 گ ب۔(لائل پور)۔احمدیوں کو مخالفین نے مشترکہ ڈگی سے پانی لینے سے روک دیا۔ چک نمبر 148 گ ب۔(چوہلہ)۔احمدیوں کو پانی لینے سے روک دیا گیا۔ پنڈ دا دنخاں مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنیوٹ۔آج جب ایک احمدی علم دین صاحب (جنہیں 4 جون 1974ء کو پولیس نے جبراً ربوہ بھجوا دیا تھا) واپس اپنے گھر میں آئے تو گھر سے قریباً 20 ہزار روپے کا قیمتی سامان چوری پایا۔

22 ستمبر 1974ء

جا مکے چیمہ ایک احمدی مختار احمد کو شر پسندوں نے مارا۔ تھانہ میں رپٹ درج کرائی گئی تو رات کو احمدی کے گھر پر پتھراؤ کیا گیا۔ کوٹ سوندھا۔۔۔غیر احمدیوں نے مسجد احمدیہ پر بالجبر قبضہ کر لیا۔ امیر ضلع کی درخواست پر پولیس نے مسجد واگزار کرائی۔ سرگودھا اس افواہ پر کہ سرگودھا ریلوے سٹیشن پر فائرنگ کرنے والے ایک غنڈے کو احمدیوں نے اغواء کر لیا۔ پولیس دو احمدی نوجوانوں کو پکڑ کر لے گئی۔ سمبڑیال دو احمدی طالب علم سمبڑیال سے سیالکوٹ جا رہے تھے۔ ٹرین میں انہیں زدوکوب کیا گیا۔

23 تا 26 ستمبر 1974

چک نمبر 73 گ ب (گڑیال)۔۔۔(23 ستمبر) ربوہ سے واپس گاؤں آجانے پر ایک

احمدی گھرانے کو دھمکی دی گئی کہ اگر وہ اُن جیسے مسلمان نہ ہوئے تو تمام افراد خاندان کو قتل کر دیا جائے گا۔ چک نمبر 252 سراں ۔(لائل پر)۔۔۔(24 ستمبر) احمدی گھرانوں پر پتھراؤ کیا گیا اور قتل کر دیئے جانے کی دھمکی دی گئی۔ایک احمدی عبدالرحمان کو شدید زخمی ہوجانے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل کرنا پڑا۔چھنی جاناں (گوجرانوالہ)۔۔۔(25 ستمبر) ٹیوب ویل سے پانی حاصل کرنا تک بند کر دیا گیا۔مسجد احمدیہ پر قبضہ کر کے فرش اکھاڑ دیا گیا۔صفیں جلا دی گئیں ۔مجبوراً نماز صدر جماعت کے گھر پر ادا کرنی پڑی۔کھاریاں۔۔۔(25 ستمبر) مخالفین نے مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ۔میراں بھڑکاں ۔(آزاد کشمیر)۔۔۔(26 ستمبر) احمدی ملازمین کو حکومت آزاد کشمیر کی طرف سے اپنے عقائد کے مطابق پر کرنے کے لئے فارم تقسیم کیے گئے کہ وہ قادیانی ہیں یا لاہوری جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

27 ستمبر 1974ء

سانگلہ ہل ۔۔۔آج بعض احمدیوں کو بازاروں میں زدوکوب کیا گیا۔پولیس نے کسی قسم کا ایکشن لینے سے انکار کر دیا۔قادر آباد ۔۔۔مسجد احمدیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔بھیرہ ۔۔۔احمدی کرایہ دار دکانداروں سے دکانیں خالی کرالی گئیں ۔اچھر۔۔۔ایک احمدی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے دکان بنالی گئی۔احمدیوں کا پانی تک بند کر دیا گیا۔

روڑہ۔۔۔پولیس نے 15 احمدیوں کو دفعہ 144 کی خلاف ورزی میں گرفتار کرلیا گیا۔

28,29 ستمبر 1974ء

لائل پور۔۔۔زرعی یونیورسٹی لائل پور کے احمدی طلبہ کو اپنے ’’میس‘‘ کا علیحدہ انتظام کرنے کو کہا گیا۔غیر احمدی طلبہ نے حملہ کر کے ’’میس‘‘ کے برتن توڑ دیئے۔اور باہر غیر احمدی طلبہ کا ’’میس‘‘ کا بورڈ لٹکا دیا گیا۔ چک نمبر 295ب ۔(بیریانوالہ)۔۔۔(29 ستمبر) تھانیدار نے احمدیوں کو اذان دینے سے منع کر دیا۔

30 ستمبر 1974ء

لاہور گورنمنٹ پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ریلوے میں ہوسٹل کے احمدی طلبہ کے کھانے کا ٹیبل الگ کر دیا گیا۔گورنمنٹ ہائی سکول چاہ شیخو پورہ کے احمدی ٹیچر خلیل احمد کے سکول کے گلاس میں پانی پینے پر گلاس توڑ دیا گیا اور ہنگامہ برپا کیا گیا فشری (FISHERY) ڈیپارٹمنٹ کے ایک احمدی سے یہ کہہ کر قرآن مجید چھین لیا گیا۔کہا اب ان کا قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

قسط نمبر 13

14 ماہ اکتوبر 1974ء

شاہدرہ۔۔۔(یکم اکتوبر 1974ء) ایک احمدی سکول ٹیچر کو بالجبر کرائے کے مکان سے نکال دیا گیا۔صورت حال اس قدر کشیدہ کر دی گئی کہ انہیں اپنا سامان کسی دوسرے احمدی کے ہاں رکھ کر فی الفور نکلنا پڑا۔

2 اکتوبر 1974ء

تخت ہزارہ۔۔۔آج ایک احمدی کی میت قبرستان میں دفن نہ ہونے دی۔پولیس نے کھلم کھلا ہنگامہ کرنے والوں کا ساتھ دیا۔اوکاڑہ۔۔۔ایک دس سالہ احمدی بچے کو احمدیت کی وجہ سے پیٹا گیا۔شیر گڑھ فارم۔۔۔ایک احمدی ملازم کے نوکروں کو اُس کا کھانا پکانے اور دیگر کام کرنے سے روک دیا گیا۔حتیٰ کہ پانی تک پر پابندی عائد کر دی گئی۔

3 اکتوبر 1974ء

کنری۔(سندھ)۔۔۔جماعت اسلامی کے ارکان اور بعض شر پسندوں نے ایک احمدی پر

قرآن کریم کو نذرآتش کر دینے کا جھوٹا الزام لگا کر شہر میں احمدیوں پر ہلہ بول دیا۔کوئی دو ہزار افراد کا مجمع لاٹھیوں، بندوقوں اور ریوالوروں سے مسلح ہو کر ڈاکٹر رشید احمد احمدی کے مکان پر حملہ آور ہوا۔ پولیس اس مجمع کے ساتھ ساتھ تھی۔اُن کا مکان جلانے کی کوشش کی گئی۔اُن کی ڈسپنسری کو توڑ پھوڑ ڈالا اور بھینسوں کے واڑہ کو آگ لگا دی۔اُن کے ملازم حمید نے بھینسوں کو جلانے سے بچانے کی کوشش کی تو اُسے فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔اور بعد میں بازاروں کا رخ کیا۔اور احمدیوں کی 18 دکانیں اور تجارتی ادارے لُوٹ کر جلا دیئے گئے ۔شہر کا ایس ایچ او معہ گارڈ اپنے پہلو میں ریوالور لٹکائے ساتھ ساتھ رہا اور تماشائیوں کی طرح احمدیوں کی دکانوں کے جلنے کا نظارہ کرتا رہا۔

4 اکتوبر 1974ء

میر پور خاص۔(سندھ)۔۔۔کُنری کے بعد اگلے دن یہاں بھی ہنگامہ برپا کیا گیا۔مشتعل ہجوم نے ڈاکٹر عبدالرحمن صدیقی کی ڈسپنسری توڑ پھوڑ دی۔اس کے بعد احمدیہ لائبریری پر شدید پتھراؤ کر کے دروازے وغیرہ توڑ دیئے۔احمد آباد سٹیٹ۔کُنری۔۔۔میں شرپسندوں سے نظم ونسق کا تعاون دیکھ کر یہاں بھی فساد برپا کرنے کی کوشش کی گئی۔ایک احمدی اور ایک غیر احمدی بچے کی تو تکار کو بہانہ بنا کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق تمام عورتیں اور مرد باہر نکل آئے اور کوئی پانچ گھنٹے تک گھوم کر از حد اشتعال انگیز نعرے اور احمدیوں کو غلیظ ترین گالیاں دیتے رہے۔

5 اکتوبر 1974ء

سرگودھا۔۔۔علی الصبح راؤ عبدالمنان نامی ایک شخص کی اپنے جسم پر خود تراشیدہ خراشوں کو بہانہ بنا کر شہر بھر میں ہڑتال کر کے ایک جلوس نکالا گیا۔جس نے صبح کے آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک احمدیوں کے مکانات اور دکانوں کو لُوٹنے ،جلانے اور تباہ و برباد کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور پولیس کے کارکن مسکرا مسکرا کر بے بس شہریوں کے یوں لٹنے ، جلنے اور بے خانماں ہونے کا نظارہ کرتے رہے۔فائر بریگیڈ کئی گھنٹے بعد پہنچے۔اور پہنچنے کے بعد احمدیوں کے جلتے ہوئے مکانوں کی

بجائے ملحق مکانوں کو بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ مسجد احمدیہ کو ڈھایا، لُوٹا اور تھوڑا پھوڑا گیا۔ 38 مکانات اور دکانوں کو پوری طرح لوٹنے کے بعد آگ لگا کر کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ ایک کار اور دو سکوٹروں کو بری طرح جلا دیا گیا۔ احمدیوں کی دکانوں پر پڑے ہوئے قرآن مجید کے ہزاروں نسخے بھی جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ پانچ احمدی اس ہنگامہ خیزی میں شدید زخمی ہوئے۔ گورنمنٹ پولی ٹیکنیکل کے پانچ احمدی طلباء کو زدوکوب کیا گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ صوبے کے وزیر اعلیٰ جناب ح۔ رامے صاحب اس دن شہر میں موجود تھے۔ ضلع بلکہ ڈویژن بھر کی پولیس بھی شہر میں موجود تھی۔ جس جگہ وہ تقریر کر رہے تھے وہاں سے جلتے ہوئے مکانوں کا دھواں اور آگ بخوبی دکھائی دیتے تھے۔ لیکن وزیر اعلیٰ اور اُن کے وزرائے صغیر کے احساسِ فرض کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ شام کے وقت وزیر اعلیٰ نے احمدیوں کے کھنڈرات بنے ہوئے مکانات اور دکانوں کا چکر لگایا۔ شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ اُن کی خواہش کی پوری پوری تعمیل کی گئی ہے یا نہیں۔ روڈا۔ (سرگودھا)۔۔۔ مسجد احمدیہ کو آگ لگا کر پوری طرح جلا دیا گیا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کے تمام نسخے بھی یہ کہہ کر الاؤ میں جھونک دیئے گئے کہ یہ مرزائیوں اور غیر مسلموں کے قرآن ہیں۔ چک نمبر 9 پنیار۔ (سرگودھا)۔۔۔ ایک مشتعل جلوس نے مسجد احمدیہ پر حملہ کر کے تمام بلب وغیرہ توڑ دیئے گئے۔ تمام وائرنگ اکھاڑ ڈالی۔ کام کرنے والے ملازموں کو احمدیوں کے گھروں میں کام کرنے سے روکا گیا۔ گوبند پور۔۔۔ محمد حسین نامی ایک احمدی کے مکان کا سارا سامان باہر نکال کر آگ لگا دی گئی۔ کوٹ مومن۔۔۔ شہر بھر میں ہڑتال ہو جانے کے اعلان پر احمدی اپنی دکانیں بند کر کے گھروں کو جا رہے تھے کہ جلوس نے ان پر پہلے پتھراؤ کیا پھر ڈنڈوں سے حملہ کر کے چار احمدیوں کو شدید زخمی کر دیا۔ ایک احمدی سے 550 روپے چھین لیے۔ اور ایک احمدی کے مکان پر مسلسل ایک گھنٹہ پتھراؤ کیا۔ ایک احمدی طالب علم کو لاٹھیوں سے مار مار کر زخمی کر دیا۔ اور پھر طبی امداد نہ پہنچنے دی۔ قصبہ ساہیوال۔ (سرگودھا)۔۔۔ ایک احمدی پر اپنے عقائد سے منحرف ہو

جانے کے لئے دباؤ ڈالا گیا جب وہ نہ مانا تو اُسے اُس کے گھریلو سامان اور کتب لائبریری کے نجی ٹرک پر سوار کرا کے ربوہ بھیج دیا گیا۔بھلوال۔۔۔ڈاکٹر رشید احمدی کے ہسپتال اور دکان کو آگ لگا کر تمام سامان جلا دیا گیا۔ڈاکٹر عبدالکریم کے مکان پر حلہ بول کر تمام سامان لُوٹ لیا اور گھر تباہ و برباد کر دیا۔بھیرہ۔۔۔بحکہ کے ملک ممتاز صاحب اوران کے چچازاد بھائی ظفر احمد صاحب (جو بھیرہ میں سکول ٹیچر ہیں) پہ سکول کے اوقات میں حملہ کیا گیا۔ممتاز صاحب زخمی ہوئے۔ظفر احمد صاحب کی آنکھ نکل گئی۔بعد میں پولیس انہیں ساتھ لے گئی۔

6اکتوبر1974ء

چک نمبر 46 شمالی۔(سرگودھا)۔۔۔آج مسجد احمدیہ کے مینار شہید کر دیئے گئے۔اور پھر فجر کے وقت غیر احمدی مولوی نے مسجد میں گھس کر نماز پڑھائی، درس دیا اور احمدیوں کو دھمکیاں اور الٹی میٹم دیئے۔سرگودھا۔۔۔جوہر کالونی میں حافظ عبدالعزیز صاحب گوندل احمدی کے مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں کو آگ لگا دی گئی۔

7اکتوبر1974ء

لائل پور۔۔۔خیراں بی بی زوجہ سراج دین صاحب مرحوم محلہ غلام آباد کا مکان واقعہ محلہ چوہڑل لائل پور (نزد پرانی ٹنکی) کو پوری طرح لوٹنے کے بعد جلا دیا گیا۔تہال (گجرات)۔۔۔ایک احمدی بچے کو ناحق پیٹنے پر بشارت احمد صاحب احمدی مارنے والوں کے گھر شکایت لے کر گئے وہ انہیں پکڑ کر اندر لے گئے اور مار مار کر زخمی کر دیا۔اِس پر اُن کے بھائی چھڑانے کے لئے گئے تو اُنہیں بھی مار مار کر زخمی کر دیا گیا۔ہسپتال میں مناسب طبی امداد نہ مل سکنے پر ''سی ایم ایچ'' میں داخل کرایا گیا۔لیکن وہ نیم بے ہوش ہی رہے۔بلآخر زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے۔

8/9اکتوبر1974ء

بھروکے کلاں ۔(ضلع سیالکوٹ)۔۔۔(8اکتوبر 1974ء)ایک احمدی ٹیچر سلیم صاحب کے گھر پر پتھراؤ کیا گیا۔وزیرآباد۔(گوجرانوالہ)۔(9اکتوبر 1974ء)ڈاکٹر محمد عبداللہ ہاگورا (احمدی)اپنے گھر سے باہر نکلے تو مکان کے باہر کی نالی میں ایک نوانچ لمبا اور پون انچ پائپ پڑا دیکھا ہے۔وہ اُسے ابھی اُٹھا کر دیکھ ہی رہے تھے کہ وہ دھماکے سے پھٹ گیا۔جن سے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ران اور پیٹ پر بھی زخم آئے۔شرپسندوں نے الٹا لاؤڈ اسپیکر پر یہ اعلان شروع کر دیا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بم ایک مولوی صاحب کے جنازہ پر پھینکنے کے لئے پکڑا ہوا تھا۔اوراسی طرح کے درجن بھر اور بم ان کے گھر میں پڑے ہوئے ہیں جس پر پولیس فوراً تلاشی کے لیے پہنچ گئی لیکن کچھ بھی دستیاب نہ ہوا۔

10اکتوبر 1974ء

وسن کے (سیالکوٹ)۔۔۔ایک فقیر نشے میں دھت احمدیوں کی مکئی کی فصل اُجاڑ رہا تھا کہ احسان الحق صاحب نے اُسے منع کیا مگر وہ باز آنے کی بجائے انہی کے گلے پڑ گیا۔اس دھینگا مشتی میں ایک ڈنڈہ ان کی پسلی پر بھی لگا اور وہ چوٹ لگتے ہی مر گیا۔گاؤں کے مولوی نے اس واقعہ کو فرقہ وارانہ فساد کا رنگ دے کر لوگوں کو مشتعل کیا۔پولیس نے چار احمدیوں کو گرفتار کر لیا۔لائل پور ۔۔۔کوہِ نور ملز کے ایک احمدی ملازم حبیب احمد کو ایک بورڈ پر لکھے ہوئے احمدیوں کے عقیدے کے خلاف الفاظ مٹانے کے الزام میں پولیس نے گرفتار کر لیا۔

11 تا15اکتوبر 1974ء

نوشہرہ ککے زئیاں۔۔۔(12اکتوبر(آج کچھ شرپسندوں نے مسجد احمدیہ کا وہ حصہ مسمار کر دیا جہاں ''مسجد احمدیہ'' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔قادرآباد ۔(سیالکوٹ) ۔۔(12اکتوبر 1974ء)آج احمدیوں کو مشترکہ مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔کوٹ نہال سنگھ (ساہیوال)۔۔۔(12اکتوبر)ایک احمدی رشید احمد کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔چک

مٹھا (ساہیوال)۔۔۔(14 اکتوبر 1974ء) گاؤں کو غیر مسلموں سے پاک کرنے کی مہم میں آج ایک احمدی کے گھر پر پتھراؤ کیا گیا۔احمدیئے والہ (سرگودھا)۔۔۔(15 اکتوبر 1974ء) دو احمدی ٹیچروں کو سکول میں حاضری دینے سے روک دیا گیا۔

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے

قسط نمبر 15

ماہ نومبر 1974ء

پشاور۔۔۔(یکم نومبر 1974ء) اسلامی جمیعت طلباء کا بائیسواں سالانہ اجتماع منعقد ہوا جس میں جماعت اسلامی کے پانچ مولویوں نے احمدیوں کے خلاف اشتعال پھیلانے کے علاوہ نوجوانوں کو اُکسایا کہ وہ بڑھ کر حکومت پر قبضہ کر لیں۔مردان۔۔۔(یکم نومبر 1974ء) تحریک استقلال کے کنونشن میں حکومت پر تنقید و تنقیص کے پہلو بہ پہلو جماعت احمدیہ کے خلاف بڑی دریدہ دہنی سے کام لیا گیا۔اور عوام کو احمدیوں پر ظلم و تشدد پر اکسایا گیا۔تخت ہزارہ۔۔۔(5 نومبر 1974ء) 14 جولائی 1974ء لُوٹ مار اور آتش زنی سے احمدیوں کی صرف ایک دکان بچی تھی۔اور وہی گاؤں کی احمدی آبادی کی ضروریات پوری کرتی تھی۔اس پر پکٹنگ لگا دی گئی۔احتیاط کے طور پر یہ بات ایس ایچ او کے نوٹس میں لائی گئی تو اس نے الٹا احمدی دکاندار کو بلا کر گالیا دینی شروع کر دیں۔خان پور۔(ضلع رحیم یار خاں)۔۔(7 نومبر 1974ء) اعلانِ عام کیا گیا کہ خان پور کے کسی قبرستان میں احمدیوں کی میتیں دفن نہ ہونے دی جائیں گی۔

ہجکہ۔(سرگودھا)۔۔(8 نومبر 1974ء) ایک غیر احمدی مولوی سلطان محمود نے دفعہ 144 کے باوجود احمدیوں کے خلاف نہایت اشتعال انگیز تقریر کی جس میں عوام کو انہیں قتل کر دینے کی اعلانیہ تلقین کی نیز بیس دن کا الٹی میٹم دیا کہ اس کے بعد انہیں تہس نہس کر دیا جائے گا۔لائل

پور۔(22 نومبر 1974ء) مولوی نورانی اور جمیعت علماء پاکستان کے سیکرٹری نے جلسہِ عام میں بھٹو حکومت پر تنقید کے علاوہ احمدیوں کے خلاف بہت بدزبانی کی اور خدام الاحمدیہ کی تنظیم پر پابندی نہ لگانے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار نہ دینے کا ذکر کرتے ہوئے وزیراعظم پر بدعہدی کا الزام لگایا

یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں ہوئی ہے

قسط نمبر 16 مئی 1975ء

لاہور۔(گنج مغل پورہ)(21 مئی 1975ء) برانڈرتھ روڈ کے من گھڑت اور فرضی واقعہ کو بہانہ بنا کر شیخ مبارک احمد پانی پتی کے مکان پر دو دفعہ پتھراؤ کیا گیا اور پھر بعد دوپہر مسجد احمدیہ گنج مغل پورہ پر ہلہ بول دیا۔ پتھراؤ کے ذریعے کھڑکیاں وغیرہ توڑ دیں پھر مسجد کے بیرونی دروازے اور کھڑکیوں کو آگ لگا دی۔ اور مسجد کی تمام چٹائیاں جلا دیں۔ چار احمدیوں کو شدید زخم آئے۔ اس کے بعد چار احمدیوں کی دکانوں کے تالے توڑ کر سارا سامان لوٹ لیا۔ اور جو باقی بچا اسے آگ لگا دی۔ دکانوں کو شدید نقصان پہنچانے کے بعد ہجوم نے احمدیوں کے مکانوں پر حملہ کیا۔ اور چھ مکانوں کو نقصان پہنچایا۔ ایک مکان کو پوری طرح لوٹ کر ایک حصہ جلا دیا۔ ایک اور احمدی کے مکان کے بیرونی دروازے اور کھڑکیاں جلا دیں لاہور۔(22 مئی 1975ء) برانڈرتھ روڈ پر سارا دن چھوٹے چھوٹے جلوس نکلتے رہے۔ مشتعل ہجوم نے تین مرتبہ احمدیہ مارکیٹ پر زبردست پتھراؤ کیا۔ لاہور کے بعض علاقوں میں جزوی طور پر ہڑتال ہوئی۔ جلوس نے فلیمنگ روڈ پر ایک احمدی حکیم نور احمد صاحب کی دکان پر پتھراؤ کیا جس سے بہت سا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا۔ پتھراؤ سے حکیم صاحب کا لڑکا لیاقت احمد زخمی ہو گیا۔ مریدکے۔(22 مئی 1975ء) ایک احمدی کے مکان کا دروازہ جلا دیا گیا۔ لاہور۔۔(23 مئی 1975ء) رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب سلطان پورہ کی احمدی مسجد کو آگ لگائی گئی۔ مسجد میں کچھ تعمیری سامان اور دروازے وغیرہ

پڑے ہوئے تھے انہیں جلا دیا گیا۔مغل پورہ میں سردار نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ مسجد احمدیہ سے نماز پڑھ کر باہر نکلے تو حکیم عبدالرشید صدر جماعت اسلامی کے لڑکے مجید نے اُن کے سر پر اینٹ دے ماری جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔میانوالی۔۔۔(23 مئی 1975ء) جمیعتِ علماء اسلام اور جماعت اسلامی والوں نے قرآن کریم کے کچھ جلے ہوئے صفحات لے کر بازاروں میں جلوس نکالا اور یہ کہہ کر احمدیوں کے خلاف اشتعال پھیلایا کہ احمدیوں نے قرآن جلایا ہے۔شہر میں ہڑتال کرا دی گئی ۔احمدیوں نے پولیس کو اطلاع دی جس نے صورت حال پر قابو پالیا۔اوکاڑہ۔ (27 مئی 1975ء) ایک احمدی خاتون کو مقامی قبرستان میں دفن نہ کرنے دیا گیا۔پولیس کو اطلاع دی گئی تو اس نے بھی شر پسندوں سے مرعوب ہو کر معزوری کا اظہار کر دیا۔ناچار میت کو ربوہ لے جا کر دفن کرنا پڑا۔راولپنڈی۔۔۔(30 مئی 1975ء) حکومت پاکستان کے محکمہِ بحالیات نے جماعت احمدیہ راولپنڈی کی جامع مسجد ''مسجد نور'' کو نیلام کر دیا۔یہ جائیداد صدر انجمن احمدیہ نے قیام پاکستان سے دو سال قبل جون 1975ء میں ایک مسلمان ٹھیکیدار محمد شفیع ولد خدا بخش مغل ساکن راولپنڈی سے بعوض 18000/-روپے خریدی تھی۔اور اسی وقت اس نے اس کی رجسٹری بحق صدرِ انجمن احمدیہ ہو گئی تھی۔بعد ازاں اس جائیداد پر مسجد احمدیہ کی تعمیر کی گئی ۔اور اس وقت سے یہ اب تک جماعت احمدیہ راولپنڈی کی جامع مسجد اور لائبریری کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔

مجموعہ کلام ثاقب زیروی

دورِ خسروی

دورخسروی چو دورخسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اسمعوصوت السماء جاءالمسیح جاءالمسیح نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار (از حضرت مسیح موعودؑ)



انتساب

اُس پرشکوہ والوالعزم (حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ) کے نام جس نے میرے تخیل کے راہوار کو دین کی طرف موڑا اگر قبول افتدز ہے عزّو شرف نیاز نشان۔ ثاقبؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود علیہ السلام



دیباچہ

اسلامی شریعت بوجہ کامل واکمل ہونے کے ہر شعبہء زندگی کے متعلق ہمیں ہدایت دیتی اور ہمارے لئے ایک سیدھی راہ کا دروازہ کھولتی ہے۔ اگر ایک طرف خدائی فعل نے انسانی فطرت میں ''موزدنیت'' ودیعت کی تو دوسری طرف اُس کی شریعت نے

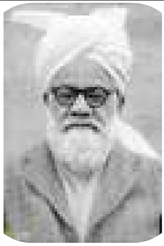
ہمیں یہ بتایا کہ اس ''موزونیت'' کا فلاں استعمال صحیح اور فلاں غلط ہے۔ فرمایا:۔ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ Oاَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ O وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ Oالا الذین اٰمنو وعملوا الصلحٰت وذکروا اللہ کثیراً۔ یعنی شعراء میں سے وہ بھی ہیں جن کی پیروی کرنیوالے گمراہی اور جہالت میں پڑ کر تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ اگر کسی کی مدح کریں گے تو ممدوح میں دنیا جہان کی خوبیاں (جن کا ہزارواں حصہ بھی اس میں نہ پایا جاتا ہوگا) دکھائیں گے۔ کسی کی مذمت شروع کریں گے تو اس کی تمام خوبیاں سے آنکھیں بند کرتے ہوئے شیطان مجسم بنا کر اُسی ہمارے سامنے لاکھڑا کریں گے۔ فحش کلامی پر اُتریں گے تو اتنا گند تولیں گے کہ خود شیطان کی آنکھیں نیچی ہوجائیں۔ افتراء کی طرف طبیعت مائل ہوگی تو تیزی طبع انہیں ان اندھیروں کی اتھا گہرائیوں تک لے جائیگی۔ تکبر جوش مارے گا تو خدائے واحد وقہار پر حملہ کرنے سے نہ چوکینگے۔ جذبات انتقام جوش ماریں گے تو تمام وہ حدود نظروں سے پوشیدہ ہوجائیں گی جن سے آگے انتقام بُرائی ہی برائی بن کر رہ جاتا ہے جس کے ہوتے عفو کیلئے دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ تمام اخلاق رزیلہ کو اچھا کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور مخلوق خدا میں سے بہتوں کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اُن کی طبائع میں قرار بھی نہیں ہوتا۔ طبیعت انتہائی بزدلی سے انتہائی شجاعت کی طرف حد سے بڑھے ہوئے عفو سے حد سے بڑھے انتقام کی طرف ذلیل کن منکسر المزاجی سے شیطانی تکبر اور عجب اور ریاء کی طرف پلٹا کھاتی ہے۔ وعلی ہذا القیاس اور اسی اتار چڑھاؤ کے مطابق کلام موزوں چنگاریاں بن کر ان کے مونہہ سے جھڑتا ہے۔ ایسے شعراء کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ بخل کی مذمت کر رہے ہونگے اور خود بخیل ہونگے۔ شجاعت کی داد دے رہے ہونگے اور خود انتہائی بُزدل ہونگے۔ اوروں کو صداقت کے قبول کرنے کیلئے اُکسا رہے ہونگے اور خود صداقت کے دشمن جانی ہونگے اور غرضیکہ ایسے شعراء کے خیالات کذب وصداقت ہر دو کا معجون ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ کے بجالانے کی توفیق انہیں نہیں

ملتی۔خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور بہتوں کو گمراہی کی طرف لے جانے والے بھی۔مگر دنیا میں صرف اسی ایک قسم کے شعراءنہیں پائے جاتے۔انکے برعکس ایسے شعراء بھی ہیں (جن کا ذکر اِلّا کے بعد شروع ہوتا ہے) جن کی خیالات کی بنیاد ایمانیات پر ہے جن کے جذبات فطرت صحیحہ کا آئینہ ہیں۔ جو مدح وذم عفوانتقام انکسار وخودداری وخودی وغیرہ کو اپنے اپنے حدود کے اندر رکھتے ہوئے ان کی تعریف کرتے اور ان پر دنیا کو اُبھارتے ہیں۔یہ وہ شعراء ہیں جو اعمال صالحہ بجالاتے اور ایسے ہی اعمال کے بجالانے کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں۔اور شعراء کا یہی وہ گروہ ہے جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے جس طرح آسمانوں کے ثوابت وسیار۔

زمین کے سمندر اور پہاڑ۔درختوں کے پتے۔روشنی کی شعائیں۔ہوا اور ایتھر کی لہریں اپنے اندرونی نظام کی ''موزونیت'' اور ''نظم'' سے اللہ تعالیٰ کی تحمید وتسبیح میں مشغول ہیں اسی طرح یہ شعراء ایمانیات کو منظوم کرتے ہوئے بھی اور اعمال صالحہ پر ابھارتے ہوئے بھی ذکر الٰہی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تاریخ کے بعض اوراق کو منظوم کر کے ثاقبؔ زیروی شعراء کیا اس دوسرے گروہ میں آ کھڑے ہوئے ہیں جن کا ذکر الّا الذین اٰمنوا میں ہے۔اللہ تعالیٰ اُن کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے کلام کو تاثیر بخشے۔وہ بہتوں کو ہدایت کی طرف لانیوالے اور گمراہی اور ہلاکت سے بچانیوالے ہوں۔آمین

خاکسار مرزا ناصر احمدؒ صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

19 دسمبر 1964



بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود علیہ السلام

تعارف

ثاقبؔ صاحب زیروی نے مجھ سے خواہش کی ہے میں ان کے تازہ کلام ’’دورخسروی‘‘ کے متعلق چند سطور تعارف کے رنگ میں لکھ دوں۔ میں عادتاً اور فطرتاً رسمی کاموں سے اجتناب کرتا ہوں لیکن چونکہ ثاقب صاحب کا بے حد اصرار ہے اور میں انہیں ایک مخلص نوجوان خیال کرتا ہوں اس لئے اُن کی دلداری اور ہمت افزائی کے خیال سے اور نیز اس خیال سے کہ شاید میرے قلم سے کوئی ایسی بات نکل سکے جو دوسروں کی بہتری اور میرے ثواب کا باعث ہو یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ شعروشاعری کے متعلق اس کے ادبی پہلو کے سوال کو الگ رکھتے ہوئے جو ایک جداگانہ میدان سے تعلق رکھتا ہے میرا نظریہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانئے سلسلہ احمدیہ کے اس مشہور شعر میں مرکوز بلکہ محدود ہے کہ:۔

کچھ شعرو شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدّعا یہی ہے

مذہبی لٹریچر میں شعروشاعری کو اس سے بڑھ کر قطعاً کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے جو اوپر کے شعر میں بیان کی گئی ہے اور اس مخصوص میدان میں بھی یہ فرق کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ صرف وہ مذہبی کلام ہی اشعار کے لباس میں پیش کیا جا سکتا ہے جو تشریح مذہب اور اشاعت مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ حامل شریعت کلام کو شعر گوئی اور منظوم کلام سے کوئی طبعی مناسبت نہیں ہے بلکہ ایسے کلام کو اشعار کے لباس میں پیش کرنے کی کوشش کرنا اپنے ساتھ کئی قسم کے خطرات رکھتا

ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے متعلق فرماتا ہے:۔

"**وما علّمناہ الشعر وما ینبغی لہ**۔ یعنی ہم نے اپنے اس رسول کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ شعر گوئی اس کے مناسب حال ہے"۔اس سے یہی مراد ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ تشریعی نبی تھے بلکہ اس دورعالم کی کامل ترین اور آخری شریعت آپ ہی پر نازل ہورہی تھی اس لئے اس عدم مناسبت کی وجہ سے آپ کو شعر گوئی سے الگ رکھا گیا۔مگر دوسرے میدانوں میں اچھے اور مفید شعر کہنے والوں کی خداتعالیٰ تعریف بھی فرماتا ہے:۔"**والشعراء یتّبعھم الغاون**.... **الّا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وذکرو اللہ کثیراً**۔یعنی ایسے شاعر قابل تعریف ہیں جو ایمان کی حالت پر قائم رہتے ہیں اور اپنے اشعار کو عمل صالح کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے کلام میں کثرت کی ساتھ خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔"

پس چونکہ ثاقبؔ صاحب کا یہ کلام اپنے موضوع کے لحاظ سے یقیناً ایک عمل صالح کا رنگ رکھتا ہے اور میں اُن کی نیت کے متعلق بھی نیک ظن رکھتا ہوں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اُن کی اس کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور اس کتاب کی اشاعت کو وسیع کرکے اُس سے تبلیغ رنگ میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔کیونکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں منظوم کلام اس فطری موسیقی کی وجہ سے جو انسان کے اندر پائی جاتی ہے زیادہ اپیل کرتا ہے اور ہماری نیت تو بہر حال یہی ہے کہ"اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدّعا یہی ہے"

مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ ثاقبؔ صاحب کے کلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں مگر میں باوجود اس بات کو تسلیم کرنے کے ابھی تک ثاقبؔ صاحب کے کلام میں بعض خامیاں پائی جاتی ہیں جو بہر حال آہستہ آہستہ دور ہونگی ان اعتراضوں کو چنداں وقعت نہیں دیتا۔کیونکہ ہمارے آسمانی آقا کا ہمارے متعلق یہ اصول ہے کہ:۔

'**لنجزینّھم اجرھم باحسن ما کانوا یعلمون**

یعنی ہم اپنے مومن بندوں کو اُن کے بہترین اعمال کی بنا پر جزاء دیتے ہیں اور ایسا نہیں کرتے کہ ان کی کمزوریوں کی بنا پر ان کے ساتھ سلوک کریں یا ان کے اعمال کو سمو کر ان کے ساتھ معاملہ کریں‘‘

تو جب ہمارا مہربان آقا جو ہمارے تمام فطری اخلاق کا سر چشمہ ہے اپنے خادموں کے ساتھ اس اصول کی بنا پر سلوک کرتا ہے جو اوپر کی قرآنی آیت میں بیان ہوا ہے تو ہم اپنے بھائیوں کے معاملہ میں اس اصول کو کیوں نظر انداز کر دیں۔ پس مجھے خامیوں کی طرف نگاہ نہیں بلکہ ثاقبؔ صاحب کی اچھی نیت اور ان کے کلام کے اچھے پہلوؤں کی طرف نگاہ ہے۔

ویسے بھی دیکھا جائے تو ادیب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں اپنے کلام میں زیادہ تر ظاہری اور لفظی خوبیوں کی طرف توجہ رہتی ہے اور ان کی نگاہ اس حد سے آگے نہیں گذرتی کہ زبان صاف اور صحیح ہو اور کوئی لفظ یا کوئی فقرہ اہل زبان کے محاورہ کے خلاف نہ لکھا جائے۔ مگر ایسے لوگوں کا کلام عموماً بلند پردازی اور جدّت طرازی اور بندشوں کی چستی اور مضامین کے تنوّع اور استعاروں اور تشبیہات کے محاسن سے خالی ہوتا ہے مگر ہاں زبان روزمرّہ کے محاورہ کے لحاظ سے ضرور صاف ہوتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے ادیب وہ ہیں جن کی زبان روزمرّہ کے محاورہ کے لحاظ سے ایسی صاف نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات وہ کوئی غلط لفظ یا قابل اعتراض بندش یا خلاف محاورہ فقرہ بھی لکھ جاتے ہیں مگر بایں ہمہ ان کا کلام نہ صرف اعلیٰ معانی سے معمور ہوتا ہے بلکہ بلند پروازی اور بندشوں کی چستی اور مضامین کے تنوّع اور تشبیہات کے حسن سے اپنے اندر ایسا زور پیدا کر لیتا ہے کہ نہ صرف خود بلندیوں میں پرواز کرنے کی طاقت رکھتا ہے بلکہ اپنے پڑھنے والوں کو بھی اپنے ساتھ اُٹھا کر گویا ایک عالم بالا کی سیر کرا دیتا ہے۔ اردو کے شاعروں میں ان دو قسم کے ادیبوں کی مثال ذوق اور غالبؔ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے ذوقؔ کا کلام روزمرّہ کے محاورہ اور زبان کی صحت اور صفائی کے لحاظ سے غالبؔ کے کلام سے یقیناً بہت بہتر ہے۔ مگر جب ہم دوسرے معیار سے

پرکھتے ہیں تو غالبؔ کا مقام ذوقؔ سے بدرجہا بلند پاتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں ثاقبؔ صاحب پر اس مثال کو چسپاں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ بالکل مبتدی ہیں اور انہوں نے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ہمارے نقاد دوستوں کو چاہیے کہ ہمیشہ ادیبوں کے طبقات کے اس فرق کوملحوظ رکھیں جو میں نے اوپر بیان کیا ہے اور کوشش کریں کہ ہماری جماعت میں ایسے اہل فن پیدا ہوں جو زبان کے غلام نہ ہوں بلکہ زبان کے غلام نہ ہوں بلکہ زبان پر اس طرح سوار ہوں جس طرح ایک شاہسوار اسپ تازی پر سوار ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وطن کے لحاظ سے پنجابی تھے اور بعض جلد باز اور کوتہ نظر لوگوں نے آپ کے کلام میں اُردو کے روزمرہ محاورہ کے لحاظ سے نکتہ چینی بھی کی ہے۔ مگر یہ نکتہ چین آپ کے اس ارفع ادبی مقام کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے جو خدا نے آپ کو عطا کیا تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات پر دلّی کا (جو گویا اردو دانوں کا گھر ہے) ایک مشہور مصنّف لکھتا ہے:۔ ’’اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اسقدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب میں بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔۔۔۔۔۔ اُس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے‘‘ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا میرا مطلب یہ ہے کہ ثاقبؔ صاحب کا یہ مجموعہ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض سوانح اور بعض اخلاقی پہلوؤں کو دلکش پیرایہ میں منظوم کیا گیا ہے۔ دوستوں کو چاہیے کہ اس مجموعہ کو اپنی تبلیغی جدوجہد میں استعمال کر کے ثاقبؔ صاحب کو بھی چاہیے کہ وہ عربی اور فارسی میں زیادہ استعداد پیدا کریں اور اردو ادب کا بھی زیادہ مطالعہ کر کے اپنی اگلی کوشش کو اس سے بھی بہتر بنانے کی سعی کریں تا اُن کے کلام میں زیادہ سے زیادہ اثر پیدا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنے اور خیر وخوبی کے ساتھ انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار مرزا بشیر احمد قادیان 13 دسمبر 1945ء



پیش لفظ

شام کے دھندلکے میں میں کشاکش روزگار سے خیالی فیصلے کرتا اور ہنگامی گتھیوں کو سلجھا کے الجھتا اور الجھا کے سلجھتا ہوا گھر واپس ہوا تو والدہ جائے نماز پر ''حقیقۃ الوحی'' کے مطالعہ میں مصروف تھیں ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لب پر ''حقیقتیں'' خیالات میں ''وحی'' اور تصورات میں جنت ہر نظر کے ساتھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے چہرے کی جلد میں عقائد کی شمعیں روشن ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی ان کی ان کیفیات میں محبت کی موجیں اٹھیں اور کہنے لگیں۔ ''ثاقب بیٹا! تم شاعر ہو اور شاعر کا کام حقائق کو روشن کر کے عوام میں پیش کرنا ہے۔ کیا تمہاری نظر میں ''حقیقۃ الوحی'' میں حقائق کائنات نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا اور کسی حقیقت کو اس سے پہلے علم میں ڈھلنے کا حق پہنچتا ہے؟ اگر نہیں تو سب سے پہلے ''حقیقۃ الوحی'' کو نظم کرو۔ تم اس طرح میری آرزو کو پورا اور اپنی عاقبت کو تابندہ کرو گے۔''

اُن کے ان الفاظ میں حقائق کا ایسا جوش اور صداقت کا ایسا اشارہ تھا۔ کہ میں اپنی علمی کم مائگی اور ادبی بے بضاعتی کے باوصف روحانیت سے لیکر اپنے جسم کے ہر ذرّے میں ایک بے شکست عزم محسوس کرنے لگا اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے اپنی اُس قابل احترام ہستی کے سامنے ان حقیقتوں کو نظم کر دینے کا وعدہ کر لیا جس کے قدموں میں جنت کی بشارت ہے۔ خیال کا ارادے میں ڈھلنا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں ایک پر سکون انقلاب محسوس کیا۔ میری وہ شاعری جو ملحدانہ خس و خاشاک میں رینگ رہی تھی صداقت کے راستے پر مسکراتی نظر آنے لگی۔

اگرچہ میری مصروفیات اسقدر قدم گیر تھیں کہ کھلی فضاء میں سانس لینا تک میسر نہ تھا لیکن میں اسے بھی اس پیغامبر حقیقت کا ایک معجزہ سمجھتا ہوں۔ نہ معلوم میرے فرصت کے لمحات اتنے وسیع کس طرح ہو گئے کہ وقت نے یہ کام کرنے کی گنجائشیں دے دیں۔ مجید بھائی کا تقاضا تھا کہ اس

کوشش کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پہلے حصہ میں اس پیغامبر حقیقت کی زندگی کے زرّین حالات ہوں۔ دوسرے میں زرّین کارنامے تجویز معقول تھی اور مجھے اس سے کلیۃً اتفاق۔

میں فن زبان اصطلاحات اور استعاروں کی آرائش و تصحیح کو بھی ایک حد تک لازم قرار دیتا ہوں مگر جہاں مقصد کی بلندی ہاتھ سے نکل رہی ہو میری تمام اصطلاحی گوشے چھپ جاتے ہیں۔ اس لئے بلندی خیال اور پاکیزگی عقائد کو نظر انداز کرتے ہوئے جو اس پر تنقیدی نظر ڈالینگے انکا یہ شغل مغز کے مقابل پر قشر کو ترجیح دینے کے مترادف ہوگا۔ میں اپنے گوشہ گمنامی سے نکلنے کے سلسلے میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا بیحد ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر رکن سے دین کے بڑے بڑے کام لے۔ آمین، ناچیز کی عقید تمندانہ کوشش ناظرین کے سامنے ہے اور فیصلہ میرے اختیار سے باہر۔ اگر اس میں علمی و ادبی درزیں معلوم ہوں تو کامیابی کیلئے دعا طلب ہے۔

اختتام پر اپنے اُن معاونین کا (جنہوں نے حوالہ جات نکلانے، مسوّدات صاف کرنے، پروف دیکھنے اور دیگر کتابت و طباعت کی غیر شاعرانہ زحمتیں اٹھائیں) خاموش شکریہ بھی گو کافی ہے لیکن خلوص اور تشکر کے جذبات کو الفاظ کا جامہ محض اس لئے دے رہا ہوں کہ اظہار ممنونیت کی رسوائیاں بھی ایک خاص لطف رکھتی ہیں اور دل اس لطف کا پرستار ہے۔ مجھے اپنے عزم کی پختگی اور ارادے کی استقامت کیلئے آپ کی دعاؤں کی ہر وقت ضرورت ہے۔

’’میرا عزم‘‘

محبت کے عناصر جزو ایماں کر کے چھوڑونگا
میں اس جذبے کا ہر جو ہر نمایاں کر کے چھوڑونگا
لرزتے آنسوؤں کو سوزِ غم کی چاشنی دے کر
انہیں ہمتاب مہتاب درخشاں کر کے چھوڑونگا
میں ذرّوں تک کو دونگا نور روحانی کی تابانی
میں صحراؤں کو رشک صد گلستاں کر کے چھوڑونگا
مری وارفتگی پر ہنسنے والوں کو یہ کیا معلوم
میں حیراں ہوں مگر عالم کو حیراں کر کے چھوڑونگا
میں مانوس جفا کر لوں گا دل کی ہر تمنّا کو
مگر لا مذہبیت کو ہراساں کر کے چھوڑونگا
قسم ہے مجھ کو اس تارونکی ضو میں ہنسنے والے کی
نگاہ کبر کو سر در گریباں کر کے چھوڑونگا
ضیائے شمع بے دینی کے پروانوں کو بتلا دو
میں ہر شے کو الوہیت بداماں کر کے چھوڑونگا
چراغ احمدیت کر کے روشن بزم عالم میں
میں راہ دین و ایماں پر چراغاں کر کے چھوڑونگا
میں ثاقبؔ اُس کی محفل میں عمل کے گیت گا گا کر
گئے گذرے مسلماں کو مسلماں کر کے چھوڑونگا

ثاقب زیروی

باب اول
خاندانی حالات، حضور کی پہلی زندگی، بعثت، دعویٰ،

دعا

اے خدا! اَے کار سازو خالق کون و مکاں
تیری شانِ لم یزل کا ذکر اور میری زباں
قطرۂ ناچیز اور رودادِ بحرِ بے کنار
پھر قلم جو ہر قدم پر جھینپتا ہے بار بار
عالم حیرت میں ہوں کیونکر کہوں الفاظ میں
مجھ پہ میرے ظرف سے بڑھ کر ہیں تیری رحمتیں
ہے ترا سکہّ رواں ہر اک بلند و پست پر
گا رہے ہیں تیری شوکت کے ترانے بحرو بر
تیری ہی ہیبت سے ہیں مدہوش دشت و کوہسار
تیری ہی رحمت کا جھونکا ہے نسیم خوشگوار
مہر عالمتاب تیرے فیض سے پُرنور ہے
تیرے ہی پر تو سے ہر شعلہ شرار طور ہے
تیری ہی چشم کرم سے کھیتیاں شاداب ہیں
تیرے ہی جلوے سے مہر و ماہ عالمتاب ہیں
تیری نظروں سے نہیں اوجھل کوئی راز نہاں
بے دلوں کے دل کی ہے تسکین تیرا آستاں
شب میں چھا جاتی ہیں جب چاروں طرف تاریکیاں
تیرے بارے میں کوا کب کرتے ہیں سر گوشیاں

مسجد و مندر ترے ہی نام سے آباد ہیں
کافر و مومن ترا ہی نام لیکر شاد ہیں
زاھد کامل کے ہے زُہد و ریاضت میں تو ہی
برہمن کے سنکھ اور جذب عقیدت میں ہی تو
ہے تو ہی رندوں کے جذبات طرب آمیز میں
تو ہی مجذوبوں کے اقوال سرور انگیز میں
تو نے ہی دنیا میں بھیجے تھے محمدؐ مصطفیٰؐ
ہاں وہ انسان مکمل اور سچے رہنما
تو نے ہی اسلام کو بخشی ہے یہ تابندگی
احمدیت کو عطا کی ہے حقیقی زندگی
تو نے ہی جس وقت ہر سو ظلمتوں کا دور تھا
بت پرستی دہریت اور بدعتوں کا دور تھا
بھیجا وعدے کے مطابق (مہدی موعود) کو
تا زمانے میں ترے اسلام کی ذلت نہ ہو
تو نے ہی ثاقبؔ کو بخشے جذب ددردِ شاعری
یعنی اک نکبت زدہ کو دولت احساس دی
آج تیرے ہی حضور آیا ہے وہ بے خانماں
ہاتھ میں ناقص قلم ہے اور گذارش برزباں
چاہتا ہے قوم کی تاریخ وہ کرنا رقم
صعف لیکن قوت تحریر کو ہے دمبدم
اپنی چادر سے ہے بڑھ کر پاؤں پھیلا نیکا جوش
داستاں مہدیٔ موعود لکھنے کا خروش
ذہن پر اُس کے ہے طاری ایک مدّت سے جمود
لیکن اُمڈے آ رہے ہیں آرزوؤں کے جنود
دین کی خدمت کا اب ہے حکمراں دل پر خیال
اس لئے آیا پھیلائے ہوئے دستِ سوال
لاج اس سجدے کی رکھ اس التجا کی آبرو
اپنے ثاقبؔ کی غریب و بے نوا کی آبرو

سرورِ کائنات سے

پیشوائے ملت بیضا، عرب کے شہسوار
تو یقیناً تھا خدائی مملکت کا راز دار
تو نے ہی اصحاب کو بخشا وہ روحانی جلال
جس کے آگے سر بسجدہ ہوگئے کفر وضلال
تیری آنکھوں میں درخشندہ تھی روحانی چمک
صبر واستقلال کی تھی تیری سانسوں میں جھلک
تیری ہی ضو سے ہوئے روشن رُخ شام وعجم
نیند کے ماتے ہوئے بیدار اے شاہ اُمم
تجھ کو خالق نے کہا قرآن میں خیر البشر
اے شفیع دو جہاں اے غیرت شمس و قمر
تیرے انداز تکلم میں فصاحت کا کمال
تیرے اخلاق وتادُّب میں نہاں رعب وجلال
تیرے بن سنتا نہ تھا کوئی غریبوں کی فغاں
بارگہ میں تیری مظلوموں کو ملتی تھی اماں
تو نے اُمت کو سکھائے مہر والفت کے طریق

دشت والے بن گئے اک دم میں مردانِ خلیق
جو برادر کش تھے ان کو پھر اخوت بخش دی
نیک دل ان کو بنایا اور مروّت بخش دی
ہے بجا کہنا تجھے شمس الضحیٰ بدر الدّجیٰ
آمنہ کے غنچۂ رنگیں محمدؐ مصطفیٰ
اک نظر اس ثاقبؔ مضطر کی جانب ہو ذرا
آبدیدہ مضمحل لایا ہے تجھ تک التجا
عرض کرتا ہے کہ یہ مُلّا غرض کے میت آج
ہوگئے ہیں چھوڑ کر اسلام پابندِ رواج
مہدئ موعود سے جو بر سر پیکار ہیں
احمدیت سے ترے اسلام سے بیزار ہیں
عیش وعشرت میں سراپا غرق اور مدہوش ہیں
بھول کر احکام شرعی محوِ ناؤ نوش ہیں
اب نہ پہلی سی نمازیں ہیں نہ شورِ حق و ہو
عجز کے بندے ہوئے ہیں بندۂ جام وسبوُ
رہ گیا لفظوں ہی تک اسلام کا جاہ و جلال
ان درندوں نے کیا ہے خون انسانی حلال
یہ شریک بزم شادی ہیں شریک غم نہیں
ان کے جے کاروں میں اب روحانیت کا دم نہیں
ان کے ذہنوں میں شرارت ہے زبانوں پر دعا
اور سروں پر ہے مسلّط بادۂ کبرو ریاء
ان کے ایوانوں میں سائل کو نہیں ملتی پناہ
ان کی باتیں غرق ایمان اور عمل غرق گناہ
اک نظر اصلاح کی پھر اے علمبردار دین
محو ہوجائیں دلوں سے ان کے کبر و بُغض وکیں
تا نگاہ دور بیں سے راہ حق کو دیکھ لیں
تیرے مہدیؑ کی خدا کے حکم پر بیعت کریں

اجرائے سلسلہ مجدّ دین

پیشتر اس کے کہ لکھوں اصل رودادِ حیات
شعر کے مضراب سے چھیڑوں رباب کائنات
پیشتر اس کے کروں روشن شہابی قمقمے
اپنے خاص انداز میں گاؤں حجازی زمزمے
پیشتر اس کے کہ چھلکاؤں گہرہائے بہار
چاہتا ہوں آپ پر اک راز کرنا آشکار
مہدئ موعود کیوں نازل ہوئے اس دور میں
کیوں ہیں جھٹلانے کی خاطر آپ کے یہ کوششیں
نورِ حق سے ظلمت باطل ہے کیوں پھر دو بدو
کون سے احکام کے تابع یہ آیا نیک خو
مذہب اسلام کی ہے زندگی کا یہ ثبوت
سب مذاہب پر ہے اُس کی برتری کا یہ ثبوت
اس میں ماموروں کا ہوتا ہے رہا اب تک نزول
جن سے تھا اللہ راضی اور اللہ کا رسولؐ
جن سے ہوتا تھا مخاطب خود وہ ربِّ ذوالجلال
جن کے دم سے دین کا قائم تھا سب رعب وجلال

حکم حق سے توڑتے تھے زعمِ باطل اور غرور
ہر صدی کے ختم پر ہوتا رہا ان کا ظہور
یہ خدائی سلسلہ ہر دور میں قائم رہا
چونکہ تھا پہلے سے ہی فرمان شاہ دوسرا
آئے گا اسلام میں ہر اک صدی کے راس پر
اک مجدّد از پئ تجدید دین معتبر
جو کرے گا آبیاری دین کے اشجار کی
ہوگی بارش مذہب اسلام کے انوار کی
منہدم ہوتی رہیں تا قوم کی کمزوریاں
نور پھر سکہ جمائے دور ہوں تاریکیاں
پیشگوئی کے مطابق اولیاء آتے رہے
مستزاد اس پر کہ خیر الانبیاءؐ نے ساتھ ہی
اک بڑے فتنہ سے تھی ہم کو کرائی آگہی
یوں کیا ارشاد جب آئے گا دور آخری
پھیل جائے گی میری امت میں ہر سو ابتری
دہریت کا زور ہوگا اور مسلماں بے عمل
مذہب اسلام کی صورت ہی جائے گی بدل
بدترین مخلوق ہونگے مولوی مثلِ یہود
حکمراں ہوجائیں گے عالم پہ دجّالی جنود
مہدیٔ موعودؑ پھر اُس وقت بھیجا جائے گا
جو کہ دینِ ایزدی کو چار سو پھیلائے گا
ہوگا وہ مہدی بھی، عیسیٰ بھی، کرشن اوتار بھی
اور وہی خدمت کریگا دین کی تجدید کی
یہ اُسی مہدی کے ہے دورِ رسالت کا بیاں
جس کی بعثت سے مشرّف ہے زمینِ قادیان

برلاس قوم کا ہندوستان میں وَرُود

اس زمانے کو بھی گذرے اک زمانہ ہو چلا
ہند میں برلاس کا اک قافلہ وارد ہوا
جن کی حیثیت تھی مانند رئیسانِ زماں
ہند کی تاریخ سے ملتا ہے یہ واضح نشاں
اُن میں مفتی بھی تھے، قاری بھی تھے اور حفّاظ بھی
دین کی دولت بھی تھی گویا انہیں وافر ملی
ہند میں آئے وہ فارس سے بہ تزک و احتشام
اور پھر ان کا اسی جا پہ رہا دائم مقام
وہ ہوئے آباد مشرق کی طرف لاہور کی
ایک جنگل میں زمیں ویران اُن کو مل گئی
یاں کیا آباد اک قصبہ بنام اسلام پور
جس پہ برسائی خدا نے بارشِ نور و سرور
جس میں علم وفضل کے رہتے تھے ہر دم تذکرے
جس کے باشندے تصدق دین پر تھے جان سے
پھر انہی وصفوں سے قصبہ خوب شہرت پا گیا
اس کے پہلے نام میں لیکن تغیر آگیا
نسبت قاضی سے کہلانے لگا وہ قاضیاں
پھر بگڑ کر رفتہ رفتہ ہوگیا وہ قادیاں

دن بدن بڑھنے لگے رونق میں اپنی یہ دیار
اور مغلوں کا زیادہ ہوگیا رعب و وقار
قادیاں اب اچھی خاصی اک ریاست بن گئی
گویا ان مغلوں کی اپنی اک حکومت بن گئی
کیونکہ تھے جلدی ہی ان کو بادشاہ وقت سے
صورت جاگیر یہ سارے علاقے مل گئے

میرزا گل محمد کا عہد

جن دنوں تھے خالصہ کے جم رہے یاں مورچے
گل محمد مورثِ اعلیٰ یہاں مغلوں کے تھے
تھے بڑے فیاض و دانا اور بڑے فطرت کے نیک
علم و حکمت اور امارت میں بھی تھے لاکھوں میں ایک
اُس زمانے بھی جب عیش و طرب کا دور تھا
خود غرض حکام کے غیض و غضب کا دور تھا
اُن کی دینداری یہ تھی حالت یہ تھی ایمان کی
کان جس جانب اُٹھے آئی صدا قرآن کی
بادی ؟ برحق کے اقوال نصیحت خیز کا
دور ہوتا تھا یہاں دربار میں صبح و مسا
ایک خادم تک نہیں تھا تارکِ صوم و صلوٰۃ
ہوگیا تھا وردِ قرآں اُن کا معمول حیات
اس قدر حاصل ہوا قصبہ کو جب دینی کمال
چھا گیا ہر چار جانب اُس کا روحانی جلال
آپ ہی تھے نیک پر دادا مسیح وقت کے
مہدیء دوراں انہی کی آل میں پیدا ہوئے

غیاث الدّولہ کی آمد

سیر کی خاطر غیاث الدّولہ آیا ایک بار
آپ کے دربار میں پہنچا بہ عجز و انکسار
آیا اور دیکھا کہ یاں تھا دین دنیا سے بلند
یاں ہر اک دل کو تھے اقوال خداوندی پسند
ہے حکومت کی جلا بھی اور دیں کا نور بی
یاں ہے شاہی طنطنہ بھی جلوہ ہائے طور بھی
یاں مسلماں کو خدا کے دین کا ہے پاس بھی
یاں ابھی ایمان بھی قائم ہے اور احساس بھی
مختصر دربار میں شان مسلماں دیکھ کر
اک مقدس روح کے کارنمایاں دیکھ کر
آبدیدہ ہوکے یوں کہنے لگا افسوس! کاش!
کچھ ذرا پہلے اگر ہوتا یہ مجھ پر راز فاش
ایسے ویرانے میں اک مغلوں کا ایسا مرد ہے
جس کے دل میں اب بھی دینِ مصطفیٰ کا درد ہے
جو ہر اک پہلو سے ہے پاک اور قابل حکمراں
جس سے رہ سکتا ہے اسلامی حکومت کا نشاں
تو میں کہتا ان گنہگاری کے بد ایام میں
دور کم فہمی میں دورِ نحس و بد انجام میں
تخت دلیّ پر اسی اللہ کے بندے کو بٹھائیں

تا کہ اسلوب حسن سے سارکام انجام پائیں
میرزا صاحب تھے ہچکی کے مرض میں مبتلا
یہ مرض حضرت کو آخر وقت تک لاحق رہا
آخری لمحوں میں بیماری کا جب دورہ پڑا
اور فضا پر موت کا خونی دھند لکا چھا گیا
جب بھیانک سے نظر آنے لگے آثار زیست
جب تھے گم ہونے کو ہیبت میں سبھی انوار زیست
سب طبیبوں دیا مل کر یہ اُن کو مشورہ
مے پلادی جائے تو ہوجائے گا کچھ فائدہ
آپ لیکن لفظ مے سنکر بہت گھبرا گئے
اور رحلت بس یہی کہتے ہوئے فرما گئے
سخت نفرت ہے مجھے اس بادۂ ناپاک سے
دور رہنے دو مجھے اس زہر آتشناک سے

میرزا عطا محمدؒ صاحب

میرزا موصوف جب دنیا سے رخصت ہو گئے
آپ کے فرزند پھر گدّی پہ جلوہ گر ہوئے
اک نہایت نیک دل سادہ طبیعت آدمی
صلح جُو اور نیک ظن اور نیک سیرت آدمی
لیک جب ڈھیلی لگا میں ہوں تو پھر کیسا عروج
آخرش کرنا پڑا منظور قصبے سے خروج
مرضیٔ مولا کہ دشمن جلد غالب آگئے
سب علاقوں پر ریاست کے تسلّط پا گئے

آپ نے ہر سعی فرمائی ریاست کیلئے
وقت کے لیکن بہت ہی طور تھے بگڑے ہوئے
سب علاقے قادیاں کے ماسوا جاتے رہے
دشمنان تند خو اس کے بھی درپے ہو گئے
قادیاں اک قلعے کی صورت تھا مثلِ کوہسار
شہر کے چاروں طرف رہتے تھے فوجی پہرہ دار
شہر کے چاروں طرف تھی ایک مستحکم فصیل
تھی بلندی میں کوئی بائیس فٹ بیحد طویل
اور یہ دیوار کہتے ہیں تھی اتنی عرض میں
تین چھکڑے ایکدم پہلو بہ پہلو چل سکیں
حیف! یہ چیزیں یونہی بے فائدہ ہی رہ گئیں
کام کچھ بھی لے سکے ان سے نہ قصبے کے مکیں
رہو کہ دیکر اُس میں داخل ہوگیا اک سکھ گروہ
شہر پر قبضہ کیا جس نے بصد شان و شکوہ
پھر بہیمیّت کے دکھلائے وہ اُس نے معجزے
جن کو ممکن ہی نہیں تاریخ ضائع کر سکے
شہر پر اُس وقت تھا عالم تباہی کا عجیب
خوار تھے اہل دول درماندگی میں تھے غریب
مسجدیں ویران اور شاہی محلوں میں دھوآں
اور حراست میں جناب میرزا کا خانداں
سب خزانے ضبط اور سب کارخانے پائمال
بڑھتا جاتا تھا ہر اک لمحہ جہالت کا جلال

تھی تعصّب اور تنفّر کی حکومت چار سو
غیظ میں بپھرے چلےآتے تھے نیکی کے عدو
سب کتبخانے جلا کر راکھ دشمن نے کئے
جن میں تھی قرآں کے نسخے بھی قدیمی شان کے
حکم قصبے سے نکل جانے کا صادر کر دیا
اور یوں دار الخلافے پر تسلط پالیا
ان سیہ کاروں نے اس پر بھی نہیں کی اکتفا
زہر دھوکے سے جناب میرزا کو دے دیا
کاش!اس سے مطلع ہوتے کہ اس کنبے سے ہی
وہ خدائے دو جہاں پیدا کر یگا اک جری
جس کے ڈر سے کانپ اُٹھیں گے جہالت کے محل
آئے گا ان کی ضلالت کی مجالس میں خلل

میرزا غلام مرتضیٰ صاحب

آپ کے ارادے

آخری تھے جام بس رنجیب سنگھی دور کے
جب غلام مرتضیٰ دربار میں حاضر ہوئے
حکمران وقت نے والد کی مملوکات سے
پانچ گاؤں میرزا صاحب کو واپس دیدیے
میرزا صاحب کی خواہش تھی کہ والد کے سبھی
ازروئے قانون، گاؤں ہوں مرے ملکیتی
بس اسی دھن میں عدالت میں کیا صرف کثیر
کچھ نہیں ملتا نہ دے جب تک حقیقی دستگیر

اوراسی باعث وہ اپنے ہمنشیں احباب سے
زندگی کے آخری ایام تک کہتے رہے
کس طرح ہوگی غلام احمدؑ کی ائندہ بسر
تا بہ کے کٹتی رہے گی زندگی بھائی کے گھر
جس کا ہے یہ حال کوئی بھول کر گر آگیا
سر بسر مایوس ہوکے اُس سےفوراً چل دیا
دین کا بندہ ہے بس دنیا سے الفت ہی نہیں
زندگی کا کیا کروں اس کی میں ربّ العالمین
مطلع ہوتے وہ کاش اس راز سے اُس کا خدا
مہدیٔ دوراں بنانے کیلئے ہے چن چکا
اس کی گویائی کا سکہ ہوگا عالم پر روا
معدن لطف وکرم سمجھینگے اس کوانس وجاں
برکتیں ڈھونڈیں گے کپڑوں سے اسی کے بادشاہ
اس سے وابستہ رہنے سے ملے گی عزّو جاہ
اب اسی مہر منو ر کی ضیا پاشی سے ہی
مل سکیگی دین کی مردہ رگوں کو زندگی
مسجدیں ویراں ہیں آبادی عطا کر دیگا یہ
دل ہوئے تاریک نور ایزدی بھر دیگا یہ
اس سے اب اس قوم میں یکسر نیا دور آئیگا
ساری دنیا میں یہ گل اب رنگ و بو پھیلائیگا
آخری ایاّم تو گذرے بصد اندوہ و یاس
قلب میں جب خدمت دیں کی بڑھی یکلخت پیاس

پھر جھکے یوں کہہ کے دیں کی سمت با عجز و نیاز
بخشدے میرے گناہوں کو اے میرے کارساز

ولادت باسعادت

گلشن اسلام پر تھی بے بسی چھائی ہوئی
ہر کلی تو نسی ہوئی، ہر شاخ مرجھائی ہوئی
وہ خزاں آئی کہ تھی موہوم اُمید بہار
اب نہ وہ غنچے ہی باقی تھے نہ پہلا سا نکھار
ہر طرف تھے معصیت کے دور ہر جانب گناہ
ہو رہا تھا نیکیوں کی فوج پر غالب گناہ
ظلمتوں کے سرخ پرچسم اُڑ رہے تھے دہر میں
پاؤں ظلم و جور کے اب جم چکے تھے دہر میں
خالق کون و مکاں نے اک نگاہ لطف کی
سارے پژمردہ گلوں میں تازگی سی آگئی
وہ کہ جس کے دم سے ہونا تھا طلوع آفتاب
چہرہ اسلام سے اُٹھنا تھا ظلمت کا نقاب
گا چکے تھے گیت جس کے انبیاء و اولیاء
جس کی آمد کی خبر دیتے تھے محبوب خدا
ہاتھ میں جس کے تھی شمشیر قلم کی سلطنت
تھی ملی جس کو ازل سے جاہ و عزّ و تمکنت
دید کو جس کی تھیں مدّت سے نگاہیں بے قرار
شوق ظاہر ہو رہا تھا اب بہ شکل اضطرار
ہاں وہی شہزادۂ حکمت، وہی نورِیں نظر
ہوگیا پیدا غلام مرتضیٰ صاحب کے گھر
بدعت و عصیاں کے سارے قمقمے گل ہوگئے
شرک و بے دینی تحیر کی فضا میں کھوگئے
آسماں پر اُودی اُودی بدلیاں رقصاں ہوئیں
وجد میں آ آ کے حوریں لوریاں گانے لگیں
مُطربان بزم جنت ہاتھ میں برط اٹھائے
ساری دنیا کو لئے جاتی تھے نغموں میں بہائے
ذرّے ذرّے میں چمک تھی مہر عالمتاب کی
دید کے قابل تھی شوخی جلوۂ بے تاب کی
بے خود دمدوش تھے اب میگاران چمن
مہر دینداری نے ڈالی تھی ابھی پہلی کرن
دہریّت پر حملہ آور ہوگئی یزدانیت
دین کی تاریکیوں میں آگئی نورانیت
کشور پنجاب میں پھر تزلزل آگیا
حکمرانوں کا غرور تمکنت تھرّا گیا
کر رہے تھے آسماں پر انبیاء مل کر دعائیں
میرزا کے گھر کی لیتے تھے ملائک بھی بلائیں
اس کے گھر پیدا ہوا تھا معرفت کا تاجدار
اک جری اللہ اور وحدانیت کا شہسوار
ہے زمین قادیاں تو لائق صد مرحبا
مہدیٔ موعود سا تو نے گھر پیدا کیا

نور کا چشمہ ہے تو علم وھدیٰ کی کان ہے
یہ سچا ہے گر کہوں تو سر بسر ایمان ہے

السلام

السلام اے جادہء فکر و عمل کے شہسوار
السلام اے دین حق کی مملکت کے تاجدار
السلام اے ظلمتوں میں نور کے پیغامبر
افتخار آدمیت، رہبر جن و بشر
السلام اے مخزن ایثار و جان عاشقی
اے مسیحائے زماں، روح روان عاشقی
السلام سے خاص شیدائے رسول ہاشمیؐ
تو نے رکھ لی آکے سچ مچ آبرو اسلام کی
السلام اے پہلواں اے کافروں کے بیخ کن
مشرکوں کے فاسقوں کے فاجروں کے بیخ کن
السلام اے ماہ رفعت عاجزوں کے درد مند
منبع عرفان و حکمت صاحب عزم بلند
السلام اے مصدر انوار اے روشن ضمیر
ماہ طلعت، مشعل دیں، بے کسوں کے دستگیر
السلام اے شاہ اقلیم سخن والانشان
خادم دینِ محمدؐ مہدئ آخر زماں
تیرے آنے سے وہی روشن بہاریں آگئیں
پھر زمانے پر تقدس کی فضائیں چھا گئیں

’’قادیان دارالامان‘‘

غیرت شمس و قمر، اے سر زمین قادیان
ہیں تری تعریف میں سب بحر و بر رطب اللساں
تجھ کو حاصل ہے جنم بھومی کا احمدؑ کی شرف
گوہر نایاب ہے تیری زمیں کا ہر خزف
چشمہء علم و ہدیٰ! اے قادیاں اُمّ القریٰ
تیرے احمدؑ نے کیا پھر تازہ دینِ مصطفیٰ
مہدیء موعود کی تونے ہی کی نشو و نما
اور مرے محمود کی تو نے ہی کی نشو نما(غلط)
نسل ہادی نے تجھے اسلام کی خاطر چنا
اور خدائے پاک نے الہام کی خاطر چنا(غلط)
تو نے پیدا کردئے بو کرؓ ایسے نیک خو
تیری گلیوں میں پھلے پھولے عمرؓ سے جنگجو!
تجھ میں اب بھی خالدؓ جانباز سے ہیں تیغ زن
گود سے تیری ہوئے پیدا ہزاروں صف شکن
خاک کا ہر ذرّہ تیری قابل تعظیم ہے
دفتروں میں تیرے ہاں اسلام کی تنظیم ہے
شوکت اسلام کی تو اب بھی ہے زندہ مثال
تیرے باشندوں کو حاصل ہیں سبھی دینی کمال
حق و ہو کا شور اُٹھتا ہے ترے ایوان سے
تجھ میں دی جاتی اذانیں ہیں بلالی شان سے
تیرے محرابوں پہ ہے اب بھی وہ اسلامی جلال

تیری دیواروں پہ ہیں ضو ریز ہمت اور کمال
تیرا ہر ذرّہ ہمیں دیتا ہے منزل کی خبر
تیری ہر قندیل ہو کر رہ گئی ہے راہبر
تیرے مومن رہن ذکر ذات سرمد کے لئے
تیری جانیں وقف ہیں دینِ محمدؐ کیلئے
مرجع اقوام عالم، منبع علم و ھدیٰ
تو نے تازہ کر دکھائی شانِ دینِ مصطفیٰ
تو اخوّت اور حمیّت میں ہے اب بھی بے نظیر
نام سن کر کانپ جاتے ہیں ترا ظالم شریر
دل دہل جاتا ہے کافر کا تصور سے ترے
نوجوانوں میں ترے اب بھی ہیں دینی ولولے
مہرعالمتاب کی جھکتی ہے تجھ سے ہی جبیں
ہے بجا تجھ کو کہوں گر ہمسر عرش بریں
میں بھی تیری خاک سے اُلفت کا ہوں اُمیدوار
کاش بس جائے کبھی یہ دل کا اُجڑا سا دیار

بچپن

آؤ اس معصوم کے بچپن کو بھی دیکھیں ذرا
عہد طفلی اس مہ ِ نو نے بسر کیونکر کیا
کس طرح یہ غنچہ بن کر پھول مہکا چار سو
کس طرح نقّاش قدرت نے ملائے رنگ و بو
دور دورہ عسر کا تھا خانداں میں آجکل
انصرام یسر میں اب آتا جاتا تھا خلل
باپ کی کوشش تھی ماضی پھر سے بن کے آئے حال
لیکن اس اُمید میں سب لُٹ گیا مال و منال
گویا پیہم یاس سے اُمید بھی بد حال تھی
گویا اس غنچے سے پہلے ہر فضا پامال تھی
لیکن اس فرزند کی زرّیں ولادت کا اثر
دیکھکر حیران سے رہنے لگے اہل نظر

تنگدستی پر تسلط پا گئی آسودگی

خانداں کو مفلسی سے مخلصی حاصل ہوئی
یاس اور ناکامرانی لے رہی تھی ہچکیاں
رُک چکی تھیں نکبتوں کی زور آور آندھیاں
فارغ البالی کا پرچم خوب لہرانے لگا
گھر کا نقشہ دیکھ کر اب عسر شرمانے لگا
والدہ نے دیکھ کر اک دن جبین تاجدار
یہ کہا! بچّے کی آیا ہو نہایت ہوشیار
خالق اکبر! عطا کر اس کو تو عمر دراز
تو دو عالم میں کر اس کو سر بلند و سرفراز
ہے عجب معصومیت کی اس کے چہرے پر جھلک
اور جبیں پر صاف اقبال درخشاں کی چمک
ننھے بچّے کے تھے سب انداز ایسے دلنشیں
اور بچوں میں مثال اُن کی نہ ملتی تھی کہیں

دوسرے بچوں کو تھا کھیلوں کھلونوں کا دھیان
ہر گھڑی کچھ سوچ میں رہتی تھی یہ معصوم جاں
والدہ کو تنگ کرنے کی تو فطرت ہی نہ تھی
اُس کے ننھے میں کوئی بچوں سی عادت ہی نہ تھی
بھانپ لیتی تھی یہ زیرک کی چھچھلتی سی نظر
یہ یقیناً ہوگا مستقبل میں قومی راہبر
چھیڑ دیتا تھا کوئی جب گھر میں ذکر مصطفیٰ
محویّت میں غرق ہوجاتی تھی یہ روح وفا
دل میں تھا اخلاص محبوب خدا کیواسطے
عشق بے پایاں حبیب کبریا کیواسطے
وہ مبارک گود جس میں یہ گہر پیدا ہوا
مہدی موعود یہ رشک قمر پھولا پھلا
وہ حقیقت میں ہے ثاقبؔ قابل صدا احترام
پہنچیں اُس روح مقدس کو مرے لاکھوں سلام

شباب

کس طرح یہ جاں دل وجاں سے ہوئی دیں پر نثار
کس طرح گذری جوانی عہد شوق و اضطرار
آؤ دیکھیں اس کتاب زیست کا اک اور باب
کونسی شے تھی نہ پیدا ہو سکا جس کا جواب
کیا ریاضت تھی، وہ دھن کیا تھی، وہ محوّیت تھی کیا
جس نے اک ذرّے کو بخشی آبِ درِّ بے بہا
کچھ برائے عاقبت شاید ہمیں بھی مل ہی جائے
غنچۂ اُمید اس کاوش سے شائد کھل ہی جائے
آپ کی ہستی سے ہرگز یہ توقع ہی نہ تھی
خانگی کاموں کی جانب ملتفت ہونگے کبھی
دین سے الفت تو سب پر ہوچکی ہے آشکار
دنیوی دھندوں کا حضرت پر نہ تھا کچھ انحصار
بلکہ حضرت کو ہوا کرتی تھی اتنی محویت
دل پہ اتنی حکمراں تھی آپ کے یزدانیت
گر کوئی ملنے کی خاطر آپ سے گھر آ گیا
محترم والد سے فوراً یہ جواب اس کو ملا
ہوگا مسجد میں کہیں بیٹھا نوافل پڑھ رہا
گھر سے کلی طور پر ہے بے تعلق ہوگیا
اُس جوانی میں یہ عالم تھا حضور پاک کا
جب تعیش میں پھنسا ہوتا ہے ہر اچھا برا
قلب جب صبح ومسا رہتا ہے وقفِ اضطراب
اور راتوں کو وصال حسن کیآتے ہیں خواب
جب بدلتا ہے زمانہ کروٹیں ہرگام پر
جستجوئے حسن میں رہتی ہے کیف آگیں نظر
ہوتا ہے جب جذبہ ؟ صورت پرستی جوش پر
بیہشی جب حکمراں ہوتی ہے عقل وہوش پر
جستجو میں ساقی ؟ مہوش کی رہتی ہے نظر
بیخودی سی جب برستی ہے در و دیوار پر

ڈھونڈھتی ہیں جب نگاہیں محفل رقص وسرور
بے حقیقت ہو کے رہ جاتی ہیں دنیاوی قیود
دل کی حالت غیرسی رہتی ہے جب صبح ومسا
ولولوں کا دل میں رہتا ہے بپا طوفان سا
کفر جب دلکش نظر آتا ہے کچھ ایمان سے
جب لکھے جاتے ہیں مضموں عشق کے عنوان سے
رقص جب کرتا ہے نظروں میں کوئی مینا بدوش
نیشتر محسوس ہوتا ہے جب انداز خموش
جب ستارے رازداں ہوتے ہیں نامہ برقمر
راتیں ہوجاتی ہیں جب اختر شماری میں بسر
ہاں اُسی عہد جوانی میں اُنہی لمحات میں
منہمک تھے حضرت اقدس خدا کی ذات میں
ایک مصرع میں یہ نکتہ کر گیا شاعر بیاں
در جوانی ذکر کر دن شیوہ ؟ پیغمبراں

سرکاری ملازمت

اک کرشمہ دیکھئے ناواقفیت کا یہاں
کس طرح درپے تھی اُس کے گردشِ دورِ زماں
باپ کو کیا علم یہ کیا نور ہے کیا بات ہے
کس غذائے نور پر اس کی گذر اوقات ہے
اُس کو خالق نے کیا ہے کونسا جوہر عطا
یہ جوانی میں بھی کیوں ہے اسقدر مجذوب سا
یہ فلک کی سیر کا عادی ہے اور اس کی جبیں
ماسوی اللہ کے لئے ہے ناشناسائے زمیں
جانتے وہ کاش! یہ اللہ کی تلوار ہے
ڈالنا دنیا کے دھندوں میں اسے بیکار ہے
بس انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ یہ لختِ جگر
نوکری پر جائے اچھی زندگی کر لے بسر
اس لئے جلدی عدالت میں کہیں لگوا دیا
حکم کیسے ٹال سکتے تھے بھلا ماں باپ کا
کون سی راحت ہے بڑھ کر حکم سے ماں کے
کون کرتا ہے تردد کب کسی کے واسطے
اقتضائے وقت سے حضرت ملازم ہوگئے
اور فرائض منصبی اپنے ادا کرتے رہے
کس طرح ہوتی وہاں ایسے نجیلوں کی گذر
جس جگہ رہتی ہے جیبوں پر کلرکوں کی نظر
آخرش مولیٰ نے سن لیں سوز میں ڈوبی دعائیں
باپ کے دل میں اُمنگ آئی کہ بیٹے کو بلائیں
حضرت اقدس نے پھر استعفیٰ داخل کر دیا
یوں ہوئی اب حادثانہ زندگی کی ابتدا

”والسماءِ والطارق

عمر ہوگی مہدی ؟ موعود کی چالیس سال
جب ہوا مرزا غلام مرتضیٰ کا انتقال
انتقال میرزا صاحب سے کچھ ہی پیشتر
رحلتِ والد کا منظر خواب میں آیا نظر

خواب دیکھا اور عجب دل میں خیال آنے لگے
دنیوی دھندے گھٹائیں بن کے چھا جانے لگے
دوسرے دن ہی حضور پاک پہنچے قادیاں
باپ کو اسہال سے پایا نزار و ناتواں
موت کے لیکن نہ ہوتے تھے کوئی ظاہر نشاں
جا چکا تھا کچھ مرض اور آ چکی تھی جاں میں جاں
لیکن اگلی دوپہر جب تھیں بلا کی گرمیاں
ایک سنّاٹا سا چاروں سمت تھا ہُو کا سماں
گرم ذرّے پھانکتی پھرتی تھی باد تند و تیز
شاہ خاور کی تھی آنکھیں برق پاش و برق ریز
لو کی پیہم یورشوں سے راہ گھبرائے سے تھے
اور چمن میں ہر روش کے پھول کملائے سے تھے
ہو رہا تھا آگ کی لپٹوں کا دھوکا سانس پر
اور تھی بدلی ہوئی اگنی کی دیوی کی منظر
ملگجا سا ہو گیا تھا دھوپ سے کلیوں کا رنگ
بہہ رہا تھا جب پسینہ بن کے سب جسموں کا زنگ
ہر گل و غنچے کی زینت ختم تھی چہروں پہ گرد
ہر زباں پر العطش تھا، اور آنکھیں زرد زرد
پاس بیٹھا تھا مریض ابّا کے ہر چھوٹا بڑا
دیکھکر والد نے حضرت کی طرف یہ دی صدا
جاؤ کچھ آرام کر لو بیٹا اوپر سو رہو
کچھ تمہیں تکلیف ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو
آپ بالا خانے میں آرام کرنے کیلئے
باپ کے فرمان کی تعمیل کی خاطر گئے
آپ لیٹے اور خادم پاؤں سہلانے لگا
نیند کا غیبی فرشتہ لوریاں گانے لگا
ڈگمگاتا سا تجنّس ذہن پر حاوی ہوا
اک عجب پُر کیف بے خوابی سے ہم آہنگ سا
عین اُسی عالم میں اک الہام حضرت کو ہوا
جس سے حضرت کے ارادوں کا جگر تھرّا گیا
جس کا مطلب تھا کہ جب یہ مہر تاباں ڈھل گیا
آپ کے والد کو پیغام اجل آجائے گا

''الیس اللہ بکاف عبدہ

یہ خیال آتے ہی حضرت ہوگئے مغموم سے
گھر کی ذمہ واریوں کے اب خیال آنے لگے
باپ کے کندھوں پہ تھا سب دنیوی دھندوں کا بار
گھر کے اخراجات کا بھی تھا اُنہی پر انحصار
مرحلے یہ دنیوی کیونکر کریں گے آپؑ طے
ان سے جب نفرت ازل سے آپؑ کی فطرت میں ہے
غرق تھا ایسے خیالاتِ پریشاں میں دماغ
آگئے لے کر فرشتے ایک الہامی چراغ
خالق اکبر نے فرمایا ہے اے قلبِ حزیں
''کیا خدا ہی اپنے بندے کیلئے کافی نہیں''

بخشا اس الہام نے دل کو سکونِ دائمی
رنج و غم کی کیفیت فوراً ہی عنقا ہوگئی
آنے والے حادثے کا انتظار اب صبر سے
موجب حکم ِ الٰہیٰ شام تک کرتیرہے

والدمحترم کی وفات

دن ہوا جب ختم باغوں میں ہوئیں خاموشیاں
چھاگئیں ہر سو سہانی شام کی تاریکیاں
جا رہے تھے اپنے اپنے آشیانوں کو طیور
لے رہا تھا کروٹیں شاعر کا خوابیدہ شعور
آرہی تھیں شام کی پریاں ہواؤں پر سوار
گرم ذرّوں کی جھپکتی تھیں نگاہیں بار بار
دن گلے مل مل کے رخصت ہورہا تھا شام سے
اور فرصت مل رہی تھی ہر کسی کو کام سے
نیک سیرت نیک دل مرزا غلام مرتضیٰ
چل بسے تھامے ہوئے آرام سے دستِ قضا
اور وصیت کے مطابق مسجدِ اقصیٰ میں ہی
چھ مہینے قبل جس کی آپ نے تعمیر کی
صحن کے گوشے میں باصبر وسکوں مدفوں ہوئے
تاکہ ہر دم کان میں نام خدا پڑتا رہے

آقا سے اُلفت

دور کھیتوں کے کنارے جھک رہا ہے آفتاب
اوڑھتا جاتا ہے چرخِ نیلگوں رنگیں نقاب
سرخ سنجافیں لگاتی ہے شفق کہار پر
تھر تھراتی پھر رہی ہے دھوپ سبزہ زار پر
جھک رہی ہیں ٹہنیاں شرما رہے ہیں سبزہ زار
گنگناتا پیچ کھاتا بہہ رہا ہے آبشار
بیخودی ہر چیز پر طاری ہے حاوی ہے سکوں
کیا عجب دلکش سماں ہے بے پئے بیہوش ہوں
آرہے ہیں ذہن میں مضموں نرالے پے بہ پے
آج شعریت کا دریا خوب طغیانی پہ ہے
شام کی تاریکیاں چاروں طرف چھانے کو ہیں
کھیتیوں سے اب تھکے دہقان لوٹ آنے کو ہیں
دیتی ہیں آرام کا مثردہ شفق کی سرخیاں
دن کے دھندوں سے فراغت پاگئے پیروجواں
ختم ہے سب ہاؤ ہو دنیا پہ طاری ہے سکوں
میرے دل کی بیقراری ہے مگر حد سے فزوں
غور سے دیکھا تو راز بے خودی افشا ہوا
آج ہے پیشِ نظر مضمون اور عنواں نیا
اپنے آقا سے غلاموں کی محبت کا بیاں
خامہ؟ ثاقب میں لکھنے کی صلاحیت کہاں
ایسا آقا جس کی عظمت اور بزرگی لازوال

ایسا آقا جس کی حکمت اور لیاقت بے مثال — ہو گئے کافور جس کے دم سے سب فسق و فجور
ایسا آقا جس کے قدموں میں ملائک سر جھکائیں — آ گیا آمد سے جس کی بت پرستی میں فتور
ایسا آقا دیکھکر جس کو خدا کے راز پائیں — ہاں وہ غمخوارِ یتامیٰ، اور مساکیں کا معین
ایسا آقا جس کے آگے انبیاء کے سر جھکے — جس کی عظمت کا ہمیں حق الیقیں حق الیقین
اصفیاء و اولیاء و اغنیاء کے سر جھکے — اور اُس سے ایسے خادم کی محبت کا بیاں
ایسا آقا جو شہی کے تخت پر بھی تھا گدا — جس کے دل میں عشق کا تھا ایک بحر بیکراں
ایسا آقا جو گدا ہوتے ہوئے تھا بادشا — ”**ھذا رجل یحب رسول اللہ**“
ایسا آقا لطف میں یکتا، کرم میں بے نظیر — جس کا دل کیا تھا محمدؐ کی محبت کا مقام
جو معیں فاقہ کشوں کا، اور غریبوں کا نصیر — جسکے لب پر یہ سخن رہتا تھا جاری صبح و شام
ایسا آقا جس کو آقا کہہ کے دل کو لطف آئے — بیکسے شد دین احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
جسکی پیشانی کی ضو سے مہر بھی آنکھیں چھپائے — ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست
ایسا آقا جو نبی ہوتے ہوئے میداں میں جائے — جو مئے اسلام سے بس بیخود و سرشار تھا
زخم کھائے جسم اطہر پر لہو میں بھی نہائے — دین پر قربان ہونے کیلئے تیار تھا
ایسا آقا جس کی توریت مقدس میں خبر — جس کو دیکھا جب زمیں پر تو ملائک بول اُٹھے
ہاں وہی آقا کہ جو فاران پر آیا نظر — یہ وہی ہے جس کو اُلفت ہے رسول اللہ سے
ھادی ؟ برحق، محمدؐ مصطفیٰ، ماہ مبیں — محو خواب ناز میں ہوتا تھا جب سارا جہاں
وہ شفیع المذنبین و رحمۃ اللعالمیں — نام ہوتا تھا نبیؐ پاک کا وردِ زباں
خالق اکبر کا دشمن ہے جو ہے اُس کے خلاف — پوچھتا کوئی جو ذاتِ مصطفیٰ کی آب و تاب
منحرف ہونا ہے اُس سے خود خدا سے انحراف — تو بڑی ہی تمکنت سے وہ یہ دیتا تھا جواب
جس کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کی سرداری مٹی — شانِ احمدؐ را کہ داند جز خداوندِ کریم
اور حکومت دل سے مصنوعی خداؤں کی اٹھی — آنچناں از خود جُدا شد کز میاں اُفتاد میم

دَر رہِ عشقِ محمدؐ ایں سرو جانم رَود
اِیں تمنّا ایں دعا، ایں دَردِلم عزمِ صمیم

بلوغتِ نبوّت کی عمر

آرہا ہے وہ زمانہ جب مسیح خوشخصال
ختم کرنے کو ہیں اپنی عمر کے چالیس سال
پاچکی معراج اب وہ بچنے کی تربیت
ہچکچاہٹ دل میں ہے اورلب پہ پیہم معذرت
چیختے ہیں دوسری جانب زمین و آسماں
دیکھ کر اسلام کی فرسودہ حالت کا سماں
دے رہے ہیں آپ کے مبعوث ہونے کی خبر
انتظار دید میں بیتاب ہیں شمس و قمر
گلشن اسلام میں یکسر خزاں کا دور ہے
اُس کی شادابی کا، رعنائی کا، منظر اور ہے
دین کی شاخیں نظرآتی ہیں سنولائی ہوئی
نگاہیں بندگانِ حق کی گھبرائی ہوئی
گرد ہے پتوں پہ مرجھائے سے ہیں نخل ونہال
ساری رعنائی چمن کی ہوچکی ہے پائمال
موسم ناساز سے سارے پھلے پھولے شجر
ہورہے ہیں خشک اور بادخزاں ہے زور پر
لالہ ونرگس سے دلکش پھول بھی مرجھا گئے
یاسمن اور نسترن پژمردگی پر آگئے
سرد اور شمشاد خم کھا کر زمیں پرگر گئے
بند سب روحانیت کے فیض کے چشمے ہوئے
آہ! وہ اسلام جو سرسبز اور شاداب تھا
چشمہ ? آبِ بقا کے فیض سے سیراب تھا
سینچتا تھا خون سے جس کو حجازی باغباں
رحمۃ للعالمیں، زینت وہ کون و مکاں
جس کو آنحضرت کی عشق وسوز میں ڈوبی دعائیں
دے گئیں وہ نور جس سے مہرومہ آنکھیں چھپائیں
جس کی خوشبو نے دماغوں کو معطّر کر دیا
نور روحانی نے دنیا کو منوّر کر دیا
جوگلستاں تھا زمانے میں حسین و پربہار
اور دشمن کے مقابل ایک مستحکم حصار
اُس کی دیواروں میں رخنے ہیں، منڈیریں سوگوار
اُس میں بھولے سےنہیں آتی کبھی بادبہار
اُٹھ گیا ہے دل سے لوگوں کے اخوت کا خیال
عفّت وعصمت ہے پژمردہ حمیّت پائمال
ٹال دیتے ہیں جواں ماں باپ کے فرمان کو
بیچتے ہیں کوڑی کوڑی کے لئے ایمان کو
اُڑگئی غیرت دلوں سے مٹ گیا جوش جہاد
جذبہ ? اصلاح گم ہے اور غالب ہے فساد
بزم مسلم میں وہ اب رنگیں ترانے ہی نہیں

وہ حجازی رعب و شوکت کے زمانے ہی نہیں
بعثت اور ماموریت کا اعلان
تھا حضور پاک کے دل میں بھی یہ وہم قدیم
آسمانوں پر ہیں زندہ حضرت عیسیٰؑ مقیم
ہونگے وہ قبل از قیامت صاحب عزم و عمل
اُن کی دہشت سے لرز جائینگے سب دشت وجبل
اور بقول دیگراں اسلام کو پھیلائیں گے
پھر بزور سیف اپنی عظمتیں منوائیں گے
انتظام خالق اکبر مگر کچھ اور تھا
خالقِ آفاق کو مدّ نظر کچھ اور تھا
چن لیا تھا آپ کو اس نے زمانے کیلئے
مہدی موعود اور عیسیٰ بنانے کیلئے
مرضیٔ اقدس یہ تھی خلاّقِ خاص و عام کی
خود ہی جڑ کاٹے مسیح وقت ان اوہام کی
سلسلہ الہام کا پھر اس طرح جاری ہوا
ہم نے تجھ کو اس زمانے کا مجدّد چن لیا
یہ صدی ہے چودھویں اور تو ہے وہ ظلِّ رسولؐ
جسکا قرآں اور حدیثوں میں بھی ہے ذکر نزول
اُٹھ اور اب اعلان کردے، میں ہوں مامور خدا
میری بیعت کا ہے سب پر فرض عائد ہوگیا
تم مجھے تسلیم کر کے سب عذابوں سے بچو

حق کی خوشنودی اگر چاہو مری بیعت کرو
وہ خدا تم پر کرے گا نازل اپنی برکتیں
نیک بندوں کیلئے جو ہیں مقدّر نعمتیں
قومیں اس اقدام پر بدظنّیاں پھیلائینگی
اور تمہیں نابود کرنے کیلئے تُل جائیں گی
تم پہ الزامات بے جا بھی لگائے جائیں گے
ہر طرح سے پیرو مہدی ستائے جائیں گے
کام لینا ہے تمہیں لیکن بڑے ہی ضبط سے
جس طرح سب پیروانِ انبیاء کرتے رہے
خائب و خاسر کرے گا اُس کو ربِّ ذو الجلال
دیکھنا چاہیگا جو تیرے ارادوں کا زوال
اور تری تائید میں آئیں گے پیہم زلزلے
اُن کے عالی قصر یکدم منہدم ہوجائیں گے
تیری سُبکی کرنیوالوں سے میں لوں گا انتقام
زلزلے، طاعون، بس کردینگے سب قصّے تمام
میں نے بھیجا ہے تجھے میں خود تری نصرت پہ ہوں
چاہتا ہوں دیں کو تیرے ہاتھ سے تازہ کروں
تیری نصرت کیلئے فوجِ ملائک آئے گی
قوم جو چاہے گی رسوائی تری مٹ جائے گی
جب یہ الہامات کا اک سلسلہ جاری ہوا
اپنی کمزوری کا حضرت کو خیال آنے لگا

ہو چکا تھا وا مگر الہام ربانی کا باب وہ کہ جن کو مذہب حق سے رہا ہوا اجتناب
آتی تھی آواز ''تیرا ہو چکا ہے انتخاب'' ہوں وہ میرے ہاتھ پر ایمان لاکر کامیاب
آخر اعلان پیام لامکاں کرنا پڑا مرچکے حضرت مسیح ناصریؑ مدّت ہوئی
باخبر جس سے ہوا اچھا، برا چھوٹا بڑا تم نے قرآں کے معانی پرتوجہ ہی نہ کی
مصطفیٰ کی پیشگوئی ہوگئی ہے بارور دیکھوفرقاں میں تمہاری بات کی تردید ہے
دیکھ لوبے دینیاں دنیا میں ہیں کس زور پر اک نہیں تیس آئیتوں میں میری ہی تائید ہے
میں ہواہوں اس لئے نازل کہ بدعت کومٹاؤں ہو رہے ہو وہم و گمراہی میں کیوں تم مبتلا
اور سب ادیان پر اسلام کا سکہّ جماؤں جب خدا خود اسپہ شاہد ہو رہا ہے برملا

شہابِ ثاقب

مجموعہ کلام ثاقب زیروی

مرے کریم تری بخشش و عطا کے نثار
دل و نگاہ سے پردہ اُٹھا دیا تو نے
ادائے شکر کے قابل زبان بھی ہو عطا
جو درد سا رہے جہاں سے سوادیا تونے



تحدیث نعمت

تحدیث نعمت کے طور پر سب سے پہلے اپنی اس خوش بختی کا ذکر کروں گا، کہ محبیؔ ومخدومی خان نیاز محمد خان صاحب (سی۔ایس۔پی) کی کریم النفسی کے طفیل مجھے ''شہاب ثاقب'' کو منصۂ شہود پر لانے میں ہرگز کسی قسم کی کوئی دقت، اذّیت یا دوڑ دھوپ ثاقبؔ نوازی اپنی کاوشوں کا ایک حصّہ منظر عام پر لانے کی مخلصانہ تلقین فرمائی۔ میں نے نیاز مندانہ آمادگی کا اظہار کیا تو فرمایا ''آپ کے ذمہ بس اتنا ہی کام ہے کہ بکھرے ہوئے اوراق کو فراہم کر کے بھجوا دیجئے باقی سب کچھ بہ طریق احسن یہاں انجام پا جائے گا'' اور پھر ایک دن پاکستان کواپریٹو بک سوسائٹی کے دبیر وناظم کی طرف سے مجھے

ایک ''معاہدہ نامہ'' وصول ہوگیا جس کا حاصل، نیاز و ناز کا یہ مرقع ہے جو اس وقت ''شہاب ثاقب'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ اسے قبول کرے اور اس مرد اولوالعزم سے دین و دنیا کے بڑے بڑے کام لے (آمین) لاریب میری خاموش خودداری کو اگران کے وسیع الظرف مزاج کا سہارا نہ ملتا تو شاید یہ مجموعہ ابھی اور چند سال شرمندہ ءطباعت نہ ہو پاتا۔لیکن اس خوش بختی کا ذکر کرتیوقت یہ دلدوز کسک آخر دم تک بدستور قلب جگرک کچوکے دیتی رہی ہے کہ ''شہاب ثاقب'' منظر عام پر آیا بھی تو اُس وقت جب اُس کے دو والا وشیدا بزرگ اللہ کو پیارے ہو چکے۔

پہلے میرے بھائی جان ابوحمید ظفر (چوہدری عبداللہ خان صاحب نوّر اللہ مرقدہ جن کی محبانہ تلقین وتحریک ''شہاب ثاقب'' کی کتنی ہی غزلوں اور نظموں کیشان نزول ہےاوردوسرے استاذی المحترم حضرت مولانا عبدالمجید سالکؔ (مرحوم ومغفور) جنھوں نے شہاب ثاقب کی ترتیب و

تدوین کی خبر سنتے ہی پھڑک کر فرمایا ’’اس میں ثاقبؔ کا تعارف میں لکھوں گا‘‘ اور پھر فریش بستر علالت ہونے کے باجود ایک مبسوط نوٹ لکھ کر جلد ہی مجھے بھجوا بھی دیا جو شریک اشاعت ہے۔’’وہ عظیم و برتر خدا ان دونوں پاک روحوں کو اطمینان، سکینت اور کروٹ کروٹ دلداریوں، محبتوں اور کرمفرمائیوں سے ثاقب کو اس کے حق سے ہمیشہ کچھ زیادہ ہی ملتا رہا۔ بے شک اگر ’’شہاب ثاقب‘‘ میں آہنگ حجاز کا حصہ شامل نہ ہوتا جو اُس وجہ تخلیق کائنات کے نام منسوب و معنون ہے جس سے پہلے اور بعد میں بڑا انسان نہ کبھی پیدا ہوا نہ ہوگا تو شہاب ثاقب کے انتساب کے متن میں یقناً میرے انہی تین نالہ شناس محسنوں کا تذکرہ دکھائی دیتا۔

ناچیز۔۔۔ثاقب زیروی



ثاقب کا تعارف

(از حضرت مولانا عبدالمجید سالک (نور اللہ مرقدہ)

حضرت مولانا عبدالمجید سالک (نور اللہ مرقدہٗ کے قلم سے

اگرچہ ثاقب کی شاعری اور جریدہ نگاری کا غلغلہ چندہی سال سے عام ارباب ذوق سلیم کے کانوں تک پہنچا ہے لیکن میں انہیں کوئی بیس سال سے جانتا ہوں جب وہ سرکاری ملازم تھے اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے جو زیادہ تر مذہبی انداز کے ہوتے تھے۔ اُن کا ذوق سخن میرے دامن میں اور اُن کا شوق صحافت انقلاب کی آغوش میں پروان چڑھا ہے۔ وہ خلوص ومحبت اور احساس دردمندی کے پیکر ہیں۔ چنانچہ آپ کو ان کی یہ خصوصیات اُن کی شاعری، اُن کی انشا پردازی اور اُن کی صحافت میں قدم قدم پر جلوہ گر نظر آئیں گی۔

شعر وموسیقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ثاقبؔ کو ان دونوں سے بہرہ وافر ملا ہے۔ اُن کے شعر میں ایسا درد وسوز اور اُن کے نغمے میں ایسی کھٹک موجود ہے کہ جب وہ مشاعروں کی سٹیج پر آتے ہیں تو حاضرین نقش بدیوار ہو جاتے ہیں اور داد وتحسین کے غلغلہ انداز وقفوں کے سوا آخر تک نقش بدیوار ہی رہتے ہیں۔ ان کی نظموں اور غزلوں کا پہلا مجموعہ ارباب ذوق سلیم کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ ثاقب ابھی اس کی اشاعت پر آمادہ نہ تھے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجموعوں کی اشاعت کہن سال شاعروں کا حق ہے لیکن احباب اور مدّاحوں کے تقاضے نے مجبور کر دیا کہ وہ چند منظومات کو جن میں سے اکثر زبان زدعام ہیں اور جن کو بار بار ثاقبؔ کی زبان سے سننے کا اشتیاق بھی عام ہے جمع کر دیں۔ میرے نزدیک یہ مجموعہ اہل ذوق کے فوری اطمینان کے لئے کافی ہوگا۔ اور وہ آئندہ

مجموعوں کے منتظر رہیں گے

اور ''نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول''

ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی ہے ان کی طبیعت میں شرافت سعادت شرم حضوری اور دیانت فکر وعمل کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نوجوانی اور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی نفسی بے راہ روی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا اور وہ ہمیشہ ایک بندھے ٹکے اسلوب زندگی پر کار بندر ہے ہیں چنانچہ اُن کی شاعری کو دیکھیئے فکر میں جدّت تو ہے ابتذال نہیں دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں۔ موجودہ نظام عدم مساوات کے خلاف طیش ہے لیکن کمیونزم نہیں۔ یہی اعتدال کا رستہ اور یہی صراط مستقیم ہے اور مجھے ہرگز اندیشہ نہیں کہ اب ثاقبؔ اپنی ادبی زندگی کے کسی موڑ پر بھی اس صراط مستقیم سے گمراہ ہوں گے۔ ثاقب کی نعمت میں پرانے نعت گوئیوں کی ''توصیف رُخ وگیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' نہیں نہ نئے مدّاحوں کا انقلابی لہجہ ہے۔ بلکہ کچھ ایسا سمویا ہوا انداز ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عشق وشیفتگی کی وہ کسک بھی موجود ہے جو ہر مسلمان کے گوشۂ دل کا عزیز تریں سرمایہ ہے مسلمانوں کے قلوب میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زندہ رکھنے کا بہترین تبلیغی نسخہ یہی ہے کہ اس قسم کی نعتوں کو رواج دیا جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ثاقبؔ اس کے اہل میں اور ہمیں ان سے مزید اچھی نعمتوں کی توقع رکھنی چاہیے۔ غزل میں ثاقب شدت اظہار کا قائل نہیں صرف شدت احساس کا قائل ہے وہ واردات کو دل کی گہرائیوں تک محسوس کرتا ہے لیکن اظہار کے وقت احتیاطاً دائیں بائیں نگاہ ڈال لیتا ہے کہ کوئی ان واردات کو عریاں نہ دیکھ لے۔ ایک غم ناک تامل، ایک محتاط رکاوٗ، ایک شریفانہ عشق ثاقبؔ کی غزل کی خصوصیت ہے اور اسلئے دیئے کا اثر یہ ہے کہ درد زیادہ عمیق اور سوز زیادہ جلانے والا ہوتا ہے اور شاعر کی ہستی ایک انگارہ بن کر رہ جاتی ہے جس پر اگرچہ راکھ کی دبیز تہ جمی ہوتی ہے

لیکن اس کا اندروز شعلوں کا سرمایہ دار ہوتا ہے۔ ثاقبؔ کی نظموں میں معاشرتی مسائل کی طرف اشارے بھی ہیں محبت کے ان معاملات کا تذکرہ بھی ہے جس کے لئے ظرف تنگنائے غزل کافی نہ تھا حب وطن کے نہایت مخلصانہ اور سچے جذبات بھی ہیں

غرض ثاقبؔ کے کلام میں مجھے کوئی ایسا عدم تطابق یا فقدان اعتدال نظر نہیں آتا جس سے اس کے فکر کی گمراہی کا اندیشہ ہو۔ اس کا ڈھرّ ا قائم ہو چکا ہے۔ اب ضرورت ثبات قدم کی ہے اور انشاءاللہ وہ ثابت قدم رہیں گے لغزشوں کا دور گزر چکا اب راستہ سیدھا اور صاف ہے۔ اخبار نویسی فکر وشعر کی دشمن ہے۔ ثاقب کو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ وہ کسی روزنہ اخبار کے مدیر نہیں ہیں ورنہ اب تک ان کی شاعری جاں بحق ہو چکی ہوتی ہفتہ وار صحافت کی مصروفیات بھی کم نہیں لیکن تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ ثاقبؔ کی شاعری ہفتہ وار صحافت کی چوٹ برداشت کر سکتی ہے۔ دیکھیں کب تک کر سکتی ہے لیکن مجھے ثاقب کی توازن و اعتدال سے توقع ہے کہ وہ ان دونوں مشغلوں کو بیک وقت باحسن وجود نباہ لے جائیں گے۔ میں ان چند تعارفی الفاظ کے ساتھ ثاقب کی کتاب کو اہل ذوق کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔

عبدالمجید سالک

آہنگ حجاز

کہاں تو کہ باعث کن فکاں کہاں فکر ثاقب نیم جاں
بھلا مدحت شہ انس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا
تو حبیب رب جلیل ہے تری عظمتوں کا جواب کیا
تو مقام فخر خلیل ہے تری حرمتوں کا حساب کیا
تری اک نگاہ پڑی جہاں وہاں ظلمتوں کا گذر کہاں
ترے ایک جلوہ کے سامنے مہ ومہر کی تب و تاب کیا
تری عظمتوں کے نشاں کبھی نہ مٹیں گے شورش کفر سے
یم بے کراں سے اُلجھ سکے گی حقیر جوئے کم آب کیا
یہ مری نظر کا قصور ہے کہ تو پاس رہ کے بھی دور ہے
یہ مرا ہی شوق ہے درمیاں تجھے احتیاط نقاب کیا
جوترے جمال میں کھو گیا ہوا بے نیاز غم جہاں
وہ رہین سود و زیاں ہو کیوں کہ عذاب کیا ہے ثواب کیا
ترے میکدے سے جو پی گیا ترا کیف جس نے سمولیا
اُسے فکر عرصہ دہر کیوں اُسے خوفِ روز حساب کیا
کہاں تو کہ باعث کن فکاں کہاں فکر ثاقب خستہ جاں
بھلا مدحتِ شہ انس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

۞۞۞۞

سلام اُن پر درود ان پر زباں پہ آیا ہے نام جن کا
مرے تخیل کی رفعتوں سے بلند تر ہے مقام جن کا
اُنہی کے فیض کرم سے علم وادب کے چشمے اُبل رہے ہیں
مثال قرآں زبان عالم پہ آج تک ہے کلام جن کا
بروز محشر خدا کی رحمت اُنہی پہ سایہ کرے گی آ کر
جنوں نے بڑھ کر لکھا دیا ہے ترے شہیدوں میں نام جن کا
اُنہی کی مستی ہے میکدوں میں اُنہی کا چرچا ہے میکشوں میں
بلا تامل رواں ہے اب تک تمام رندوں میں جام جن کا
ہمارے دل کا تو پوچھنا کیا اُنہی کا قائل اُنہی پہ مائل!
بلندرتبہ ہے بادشاہوں سے ایک ادنی غلام جن کا
اُنہی کے قانون زندگی سے نظام ہیں زندگی کے قائم
نہیں ہے گرچہ جدید پھر بھی جدید تر ہے نظام جن کا
وہ نور دیکھو ظہور دیکھو جمال دیکھو کمال دیکھو
وہی ہیں عقبیٰ میں میر محفل سنا تھا دنیا میں نام جن کا
اُنہی کے پیغام ضوفشاں سے چھٹیں گی تاریکیاں جہاں کی
عرب کے ظلمت کدوں میں پہلے کبھی تھا گونجا پیام جن کا
نہیں یہ جرات تو اور کیا ہے میں اُن کی توصیف کر رہا ہوں
خدا نے ذوق طلب میں ثاقب کیا ہے خود احترام جن کا

۞۞۞۞

مجبور دعاؤں میں اثر ڈھونڈ رہے ہیں
رحمت کی وہی پہلی نظر ڈھونڈ رہے ہیں
آنکھوں میں ہیں اشکوں کی لرزتی ہوئی شمعیں ا
ور اس شب ظلمت کی سحر ڈھونڈ رہے ہیں

اے روح تقدس تری رفعت کے سہارے
ہم عظمت و ناموس بشر ڈھونڈ رہے ہیں
جلوہ نظر آیا تھا اُنہیں جو شبِ اسریٰ اب تک
اسے خورشید و قمر ڈھونڈ رہے ہیں
جو شام و سحر تھے ترے جلووں سے منوّر
وہ شام و سحر شام سحر ڈھونڈ رہے ہیں
جس درد سے صدیقؓ کی آنکھیں ہوئیں خونبار
وہ درد مرے دیدۂ تر ڈھونڈ رہے ہیں
ثاقب جہاں ملتی ہیں ہر اک دل کو مرادیں ہم اس
شہ لوکﷺ کا در ڈھونڈ رہے ہیں

✿✿✿✿

ہیں رَوکش جنت گل و ریحان محمد
کس شان سے مہکا ہے گلستان محمدﷺ
کیوں ہو نہ ہر اک قوم ثنا خوان محمد
آفاق ہے شرمندہ احسان محمد
کس شوق سے لیں طورنشینوں نے بلائیں
جب سوئے مدینہ چلے مستان محمد
میں شان محمد تو بیاں کرتا ہوں لیکن
افکار کہاں میرے کہاں شان محمد
آتشکدے سب کفر کے ٹھنڈے ہوئے لیکن
گل ہو نہ سکی شمع شبستانِ محمد

معراج میں حضرت کے قدم عرش پہ پہنچے
ہے عرش بھی پایۂ ایوان محمد
کونین کے سینے میں حرارت ہے انہی کی
اللہ کے دل میں بھی ہے ارمانِ محمد
دیں بھی وہی ملت بھی وہی ملت بیضا
سادہ سا مسلماں ہوں مسلمانِ محمد
تربت سے ہو کیا خوف، مجھے حشر کا کیا غم ثاقبؔ
مرے سینے میں ہے قرآن محمدﷺ

✿✿✿✿

جو تیرا ہو وہ تیرے سوا کس کو پکارے
سن اے مری کمزور اُمیدوں کے سہارے
اے شاہ دو عالمﷺ مری کشتی کو بچا لے
منجدھار ہے اور دور ہیں موجوں سے کنارے
پُر نور ہوئی تجھ سے عرب کی شب تاریک
تو چاند تھا اور تھے ترے اصحاب ستارے
اب تیرے سوا کون انہیں زندہ کرے گا
دم توڑ گئے راہ میں آلام کے مارے
پھر زلف حیات آج پریشان ہے مولا
اس کو ترے شانے کے سوا کون سنوارے
اک بار پھر اُمت پہ وہ شفقت کی نگاہیں
اے آمنہﷺ کیلال، حلیمہؓ کے دلارے

ثاقب کو بھی دھن ہے یہی اے شاہ مدینہ
ان آنکھوں سے دیکھے کبھی بطحا کے نظارے

✿✿✿✿

ہر عزم کی روشن پیشانی پر نام تمہارا دیکھا ہے
ہر وقت کے بہتے دھارے پر پیغام تمہارا دیکھا ہے
نصرت نے تمہاری عظمت کے بیباک ترانے گائے ہیں
رحمت کے دمکتے ہونٹوں پر الہام تمہارا دیکھا ہے
پیوند قبا و چادر میں قدموں میں دو عالم کی دولت
آغاز تمہارا دیکھا ہے انجام تمہارا دیکھا ہے
تاریک دلوں کو نور دیا رحمت سے جہاں معور کیا
ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر یکساں انعام تمہارا دیکھا ہے
اک نور کی پیاسی دنیا پر اُبھرا جو مثال شمس و قمر
خم خانہ کوثر کے ساقی وہ جام تمہارا دیکھا ہے
اے رحمت عالم دونوں جہاں حلقے میں تمہاری زلفوں کے
از صبح ازل تا شام ابد اک دام تمہارا دیکھا ہے
دنیا کے مصائب کا ثاقب کیا رنج کرے کیوں فکر کرے
تاریکیء حرماں میں اکثر پیغام تمہارا دیکھا ہے

✿✿✿✿

ختم ہیں تجھ پہ خوبیاں ختم ہیں تجھ پہ مدحتیں
تجھ پہ سلام بار بار تجھ پہ ھزار رحمتیں
تیرے طفیل آدمی روکش قدسیاں ہوا
تیری ضیا سے بڑھ گئیں ارض و سما کی جلوتیں
ختم رُسل ہے تیری ذات فخر رسل ہے تیرا نام
وقف ہیں تجھ پہ عظمتیں ختم ہیں تجھ پہ برکتیں
تیری قدم پہ جھک گئے تاجورانِ شرق و غرب
تجھ پہ نثار ہوگئیں دونوں جہاں کی رفعتیں
پر چم نور لے کے جب جلوہ طراز تو ہوا
مٹ گئیں کفر و شرک کی سارے جہاں سے ظلمتیں
تیرے غلام ہوگئے دونوں جہاں سے بے نیاز
تیرے فقیر پاگئے کون و مکاں کی دولتیں
کرتا ہے ثاقب حزیں تجھ سے ہی کسب فیض نور
تیری لگن نے دیں اُسے علم و ادب کی نعمتیں

✿✿✿✿

آپھر آغاز محبت کا فسانہ چھیڑیں
آپھر آغاز تباہی کی کوئی بات کریں
جھوم کر کون اُٹھا ہے سرایوان غزل
گنگنانے لگے افکار بعنوان غزل
زلف شبگوں میں مہک عارضِ گلگوں پہ نمی
نور و نکہت سے مزین ہے شبستان غزل
خسرو مے کی اُٹھی خاک نشینوں پہ نظر
لو بھری بزم میں بٹنے لگا عرفانِ غزل
تم انہیں جام کہو ساغر و پیمانہ کہو

میری آنکھوں میں وہ آنکھیں ہیں خمستانِ غزل
ہائے وہ منظر بے تابئ حسن اشک بہ اشک
کس تسلسل سے نکھر تا گیا وجدان غزل
مُدّتوں بعد کل اُس راہگذر سے گذرے
دل میں انگڑائیاں لیتا رہا ارمانِ غزل
اب تو کلیوں کو بھی چومو گے تو آنچ آئے گی
ہم نے دہکادیا داغوں سے گلستانِ غزل
لطف کو جور کہے جاؤ گے کب تک ثاقبؔ
یہ تصرُّف یہ شکایت نہیں شایانِ غزل

✿✿✿✿

گھرے لگے ہوئے غم ایام کے سائے
کس طرح کوئی ان کی رفاقت کو بھلائے
ہنس ہنس کے بڑھاتا ہوں میں یوں حوصلہء دل
رو رو کے کوئی جیسے بُجھی شمع جلائے
پلکوں کی نمی آئینہ وار غم دل ہے
بنتی نہیں اب راز محبت کو چھپائے
پھولوں کی مہک کم نہیں کانٹوں کی چبھن سے
کس کس سے کوئی دامن احساس بچائے
چارہ گرو اس درد کی ایسی کوئی تدبیر
جب تک نہ کروں یاد اُسے یاد نہ آئے
پھر آج سرطور و فا جاتے ہیں ثاقبؔ
نظروں میں کسی شوخ کے جلووں کو بسائے

✿✿✿✿

حسن نظر کے دھوکے کھائے ذوق نظر کی آب گنوائی
جب بھی آگ بجھانے نکلے اور نئی اک آگ لگائی
تیرے حسن کا پرتو ہر جا میرے عشق کا چرچا ہر سُو
کیسے وفا کی بات بنے گی تو ہرجائی میں ہر جائی
خود کو کھو کر تجھ کو پایا، کہنے کی اک بات ہے ورنہ
اس دنیا میں کون کسی کا کوئی ہوا کس کا سودائی
ساقی ہم دیوانوں سے ہے رونق محفل گرمء بادہ
ہم نے خون کے آنسو رو کر میخانے میں جوت جگائی
بیت گیا پھر شام کا وعدہ پھیل گئے ہر سمت اندھیرے
آس کی نبضیں ڈوب چلی ہیں یاس نے لی ہے پھر انگڑائی
ان کی نذر کریں کیا ثاقب اپنے پاس دھرا ہی کیا ہے
عشق کے غم احساس کے نشتر ناکامی اور درد جُدائی

✿✿✿✿

بہاروں میں گلوں کو چاک داماں ہم نے دیکھا ہے
مسرت کے جلو میں غم کا ساماں ہم نے دیکھا ہے
خدا اپنے گیسوئے پریشاں کو یہ سمجھا دے
پریشاں کرنے والوں کو پریشاں ہم نے دیکھا ہے
ہمیں معلوم ہے بدلے ہوئے ہیں وقت کے تیور
مزاج آب وگل کو شعلہ افشاں ہم نے دیکھا ہے

یہ آنسو صرف آنسو نہیں دل کی ضیائیں ہیں
شبِ غم ان سے پلکوں پر چراغاں ہم نے دیکھا ہے
جنھیں توفیق ہے غم کو مسرت سے بدلنے کیا
ان آنکھوں سے انہیں بھی غم بداماں ہم نے دیکھا ہے
وہی ہے اصطلاح مے کشاں میں روح مے خانہ
تری آنکھوں میں جس مستی کو رقصاں ہم نے دیکھا ہے
حیات عشق میں داغ تمنّا سے ہے رنگینی
اسی سے دل کا ویرانہ گلستان ہم نے دیکھا ہے
تصور کی یہ تیرے کار فرمائی ارے توبہ
سکوت شام ہجراں کو غزلخواں ہم نے دیکھا ہے
سفینوں کے بھروسے پر خدا کو بھولنے والو
سفینوں کو تو ہوتے نذرِ طوفاں ہم نے دیکھا ہے
اُن آنکھوں میں خزاں اب جاودانی ہوگئی ثاقبؔ
جن آنکھوں سے کبھی جشنِ بہاراں ہم نے دیکھا ہے

✡✡✡✡

غموں سے دل کو بہلاتا رہا ہوں
محبت کے مزے پاتا رہا ہوں
وفا کے زمزمے گاتا رہا ہوں
تری محفل کو گرما تا رہا ہوں
مجھے ترغیب دنیا دینے والے
میں ان راہوں سے کتراتا رہا ہوں
مری نظریں تھیں اور جلوے کسی کے
سر طور وفا جاتا رہا ہوں
وہ جلوں کی جھلک دیتے رہے ہیں
مگر میں غش پہ غش کھاتا رہا ہوں
وہ آجاتے ہیں وہ آئے، آگئے وہ
دل ناداں کو سمجھاتا رہا ہوں
پیمبرین کے گمراہوں کو تیرے
وفا کی راہ پر لاتا رہا ہوں
بحمد اللہ ساز موت پر بھی
ترانے زیست کے گاتا رہا ہوں
تجلی گاہ عالم میں بہ ھر سو
نظر کا جال پھیلاتا رہا ہوں
خوشی میں غم میں زنداں میں سردار
ترا افسانہ دہراتا رہا ہوں
میں اے ثاقبؔ ہمیشہ دشمنوں سے
فریب دوستی کھاتا رہا ہوں

✡✡✡✡

مطرب کوئی ترانہء غم آفریں سنا
افسردگی عشق کو پھر آج دے ہوا
دار و رسن خموش ہیں برق فنا کو چھیڑ
شایان عشق کوئی نیا حشر کرپا

اس سیر گاہ زیست میں جس سمت رخ کیا
پہرہ لگاہوا تھا کسی کے خیال کا
رسوا ازل سے ہے یونہی رسوائیوں کا نام
کوئی کسی کے عشق میں رسوا نہ ہوسکا
روٹھی ہوئی صدا میں وہ تجدید التفات
وہ لطف سرگراں مجھے پھر یاد آگیا
یہ بھی ہوا کہ اپنے تصور میں ہو کے غرق
دیکھی ہے میں نے آپ کی تصویر بار ہا
للہ ذکر عہد وفا پھر نہ چھیڑنا
ثاقبؔ ہمارا دل ہے بہت ہی دکھا ہوا

✡✡✡✡

قلب و جگر کو غم کے سہارے نہیں رہے
شاید ہم اُن کے اور وہ ہمارے نہیں رہے
یہ کس نے لوٹ لیں مرے اشکوں کی تابشیں
پلکوں پہ اب وہ چاند ستارے نہیں رہے
ذوق طرب ہجوم بہاراں نشاط گل
مرغوب تھے اُنہیں جو نظارے نہیں رہے
تنگ آکے ہم نے خود ہی سفینہ ڈبو لیا
طوفاں میں اب وہ زور وہ دھارے نہیں رہے
گریہ کناں ہے رونق لیلائے زندگی
ثاقبؔ وہ شوخ و شنگ اشارے نہیں رہے

✡✡✡✡

جنوں سے سیکھ کے آداب آگہی میں نے
خرد سے چھین لیا ذوق بندگی میں نے
خوشادہ جشن شراب خلوص قلب و نظر
کس اہتمام سے لی مول دشمنی میں نے
سوال جب بھی اُٹھا تیری راہ تکنے کا
سحر کے تارے سے کی ہے برابری میں نے
ترے خیال کی رنگینیاں ارے توبہ
تمام رات بہادروں میں کاٹ دی میں نے
غم زمانہ کی آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں
تری جفا سے نباہی ہے دوستی میں نے
تری نظر کے بدلتے ہی اس زمانے میں
ہر ایک چیز کو پایا ہے اجنبی میں نے
ترے فراق کی مایوسیوں کی شرپا کر
کبھی کبھی تو ہر اک آس توڑ دی میں نے
جفا تو خیر سوا ل وفائے حسن پہ بھی
ترا ہی نام لیا ہے ہنسی خوشی میں نے
ترے تصور روشن سے مانگ کر کرنیں
شب فراق کی دھولی ہے تیرگی میں نے
کہیں یہ راز نہ پاجائیں تیری آمد کا
تمام رات نہ تاروں سے بات کی میں نے

اجل کو میں بھلا خاطر میں لاؤں گا ثاقبؔ
کہ بارِ زیست اُٹھایا ہنسی خوشی میں نے

✿✿✿✿

ہجر میں حسرت ناکام نے دم توڑ دیا
زہر آغاز سے انجام نے دم توڑ دیا
مژدہ اے عشق کہ زنجیر عناصر ٹوٹی
اک ترے کشتہ آلام نے دم توڑ دیا
تلخ کامانِ محبت تو ابھی تشنہ تھے
تلخی گردش ایام نے دم توڑ دیا
پیرمے خانہ دہائی کہ خرد کے ہاتھوں
میرے میخانۂ الہام نے دم توڑ دیا
خوگر گردش ایام تھے ہم اے ساقی
ایک گردش میں ترے جام نے دم توڑ دیا
اُن کے قدموں پہ جبیں رکھ کے ہوا کوئی خموش
سرمے خانہ مے آشام نے دم توڑ دیا
مرتے مرتے بھی ترا نام تھا ہونٹوں پہ مگر
آخر اس کوشش ناکام نے دم توڑ دیا
کوئی اُس حسن ستم کیش سے کہہ دے ثاقبؔ
آپ کے بندۂ بے دام نے دم توڑ دیا

✿✿✿✿

اگر یہی روز و شب رہیں گے عجیب رنگ بہار ہوگا
کلی کلی سوگوار ہوگی چمن چمن اشک بار ہوگا
مجھے نظر آرہی ہیں اب تک جبیں چرخ کہن پہ شکنیں
ترے غریبوں کے حق میں یارب یہ دور کب سازگار ہوگا
جو میں کہوں ترک آرزو کو تو کون مانے گا بات میری
جو تم کرو گے وفا کی باتیں بھلا کسے اعتبار ہوگا
مری مسرت کا راز پنہاں اسی فریب یقین میں ہے
بلا سے تو آئے یا نہ آئے مجھے ترا انتظار ہوگا
جفا کے بدلے وفا کی دھن میں یہ جان اک روز ختم ہوگی
مگر جہان وفا میں ثاقبؔ ہمارا دم شاہکار ہوگا

✿✿✿✿

کہاں محبت کی اب وہ رسمیں کہاں وہ اُلفت بھرے ترانے
سکون دل اب کہاں میسر سکون دل کے گئے زمانے
مجھے کہاں دشمنوں سے شکوہ میں کشتۂ لطف دوستاں ہوں
جفا کو توفیق وہ کہاں ہے جو گہرے چرکے دیئے وفا نے
میں مطرب نو کی نغمہ ریزی سے جھوم اُٹھوں کہاں ہے ممکن
میں جانتا ہوں کہ ساز میں گو نئے مگر راگ ہیں پرانے
نہ اعتبار کرم مکمل نہ اعتماد ستم دوامی
یہاں محبت وہاں محبت یہاں بہانے وہاں بہانے
مری عقیدت پرستشوں کی حدوں سے گزرا ہی چاہتی تھی
مگر بڑے زور سے پکارا تری جفائے وفا نما نے
خزاں کی رت کا بہار کے خوشگوار موسم میں ذکر کیسا

وہاں سے ساز الم اُٹھا دو جہاں دھمکتے ہوں شادیانے
لو وہ بھی آئے ہیں پرسش غم کو انتہائے کرم ہے ثاقبؔ
کہ ضبط غم کو بدل دیا ہے جمود سے جب مرے خدا نے

✿✿✿✿

رُخ جنوں پہ ضیائے قرار کیا کہنا
سکون خاطر سیماب وار کیا کہنا
لپٹ لپٹ گیا ذرّوں سے نور بینائی
وہ انتظار سر رہگذار کیا کہنا
اُجڑ نہ جائے کہیں بزم اعتماد حیات
نفس نفس میں یہ برق و شرار کیا کہنا
شب فراق ستاروں کے دل لرز اُٹھے
اذیّت دل بے اختیار کیا کہنا
جمود فکر و نظر کا جمود ارے توبہ
خرد کی موت جنوں کا مزار کیا کہنا
تمہاری یاد بھی پہروں کے بعد آئی ہے
نوازشات غم روزگار کیا کہنا
اُلجھ اُلجھ گئے پھولوں سے بار ہا کانٹے
یہ اہتمام فریب بہار کیا کہنا
یہ خود فیربیاں، یہ خوش گمانیاں ثاقبؔ
کہ وہ بھی ہوں گے یونہی بے قرار کیا کہنا

✿✿✿✿

بلند از خدشہء دورِ غم ایام رہتا تھا
مرے ہونٹوں پہ جن راتوں میں تیرا نام رہتا تھا
وہیں زہّاد نے مل جل کے مسجد کی بنا رکھ دی
جہاں ہر شام اک جشن صلائے عام رہتا تھا
جنوں کی پختگی کے اولین لمحے بھی کیا شے تھے
کہ جب آغاز میں اندیشہ انجام رہتا تھا
شہید مے کدہ نے کس جگہ لی آخری ہچکی
یہاں سے میکدہ کا در تو بس اک گام رہتا تھا
وہ خوش بختی سے میخواروں کی سجدہ گاہ ہے ساقی
کہ جس کوچے میں تیرا ثاقبؔ بدنام رہتا تھا

✿✿✿✿

مثال رنگ چمن ہے مزاج عشق و جنوں
کہ پائمالِ فراق اب ہیں بے قرار سکوں
نہ جانے کیا نگہ اوّلیں کے بعد ہوا
وہ داستانِ الم یاد ہو اگر تو کہوں
خرد سے پھر کوئی لغزش حضور حسن ہوئی
جو تلملائے سے بیٹھے ہیں آج اہل جنوں
خیال زُلف و رُخ یار کا تقاضا ہے
دیار حسن کے شام و سحر کا ذکر کروں
مجھے تو ہو نہ سکی جرأت بیانِ فراق
نگاہ ناز میں تھا وہ پمیبرانہ فسوں

ترے تغافل پیہم سے اُس مقام پہ ہوں
کہ مسکرا نہ سکوں اشک غم بہا نہ سکوں
مجھے خبر نہیں یار ان بزم کہتے ہیں
کہ اب میں شام وسحر کچھ اُداس رہتا ہوں
تجھے تو مل گئی توفیق بے وفائی کی
مرے لئے بھی دعا مانگ کوئی کام کروں
شعور عشق مکمل ہے ان دنوں ثاقبؔ
نہ بھولتا ہوں اُنہیں اور نہ یاد کرتا ہوں

۞۞۞۞

کبھی اشکوں سے خالی دیدۂ پُرنم نہیں ہوتے
مرے گنجینہء دل میں یہ موتی کم نہیں ہوتے
ابھی ذوق اذیّت جانے کیا کیا گل کھلائے گا
ہمیں ان سے شکایت ہے کہ وہ برہم نہیں ہوتے
نیاز و ناز میں پہلے پہل کی شدّتیں توبہ
ارادے آتشیں ہوتے ہیں جب محکم نہیں ہوتے
ملا کر اشک پیتے ہیں مسّرت ریز بادہ میں
وفور عیش میں ہم بے نیا زغم نہیں ہوتے
کسی کا نام اب بھی خود ہی آجاتا ہے ہونٹوں پر
جو دل پر نقش ہوتے ہیں کبھی مدھم نہیں ہوتے
کوئی دیکھے تصور میں جسارات کاریاں اپنی
تمہارے سامنے آکر تو گویا ہم نہیں ہوتے
اُنہی کیدم سے قائم ہے وقارِ بے خودی ثاقبؔ
وہ دیوانے میسر جن کو ''جام جم'' نہیں ہوتے

۞۞۞۞

عطا کیا ہے تجھے خدا نے بلند کیسا مقام ساقی!
کہ تیرے ساغر کی ایک گردش ہے گردش صبح وشام ساقی
پلاثواب وگنہ کی آلائشوں کو بالائے طاق رکھ کر
کہ ہم ہیں ایسے قلندروں میں ہے جن پہ دوزخ حرام ساقی
تری نظر کے ہراک اشارے پہ وقت کروٹ بدل رہا ہے
یہ مست جھونکے ہیں یا فلک سے کچھ آرہے ہیں پیام ساقی
کہیں ہے نغمہ کہیں مغنیّ کہیں ہے نگہت کہیں تجلیّ
شباب سی شے کی آمد میں اس قدر اہتمام ساقی
صراحیاں بے نصیب بادہ نہ رنگ محفل نہ کچھ ارادہ
اگر یہی تیرا مے کدہ ہے تو میکدے کو سلام ساقی
چلو بھی بس ہو چکی ندامت ذرا اسی تمکنت میں آؤ
کہ اس توجہ سے مٹتا جاتا ہے حسن کا احترام ساقی
وہ ہم ہیں جن کا طریق ومسلک نہیں ہے کچھ بھی سوائے اُلفت
ہم ایسے رندان پارسا کا ہے پیشوا اور امام ساقی
زباں زد عالم ہیں فسانے بہت تری دستگیریوں کے
ہزار گرتوں کو تو نے تھاما لے میں چلا مجھ کو تھام ساقی
اسی طرح مست مست آنکھوں سے اپنے ثاقبؔ کو دیکھتا رہ
کہ تیرے ان میکدوں سے قائم ہے دو جہاں کا نظام ساقی

✡✡✡✡

خرد کی گتھیاں سلجھا رہا ہوں
جنوں کی سمت بڑھتا آرہا ہوں

اُنہیں دل دے کے اب پچھتا رہا ہوں
سزا اپنے کئے کی پارہا ہوں

برنگ آہ پھولوں سے نکل کر
دھواں بن کر چمن پرچھا رہا ہوں

چمن بنتے ہیں جو آہ رسا سے
وہی آتش کدے بھڑکا رہا ہوں

جہاں کل بلبلیں تھیں نغمہ افشاں
عُقابوں کے نشیمن پا رہا ہوں

کبھی شرمائے تجھے مجھ سے دو عالم
اب اپنے آپ سے شرما رہا ہوں

وفا میں معتبر ہے حسن یا عشق
اسی میں مدّتوں اُلجھا رہا ہوں

وہی میں ہوں وہی ماضی کی باتیں
پُرانی گتھیاں سلجھا رہا ہوں

میرا پیمانہ ؟ ھستی نہ پوچھو
کبھی قطرہ کبھی دریا رہا ہوں

کہاں لے آیا مجھ کو جذب پرواز
فضائیں ہی فضائیں پا رہا ہوں

مجھے رُخصت کریں رندانِ مے نوش
کہ میں اس میکدے سے جارہا ہوں

جنہیں ثاقبؔ مہارت ہے وفا میں
میں اُن احباب سے کترا رہا ہوں

✡✡✡✡

جب غم میں ہوں لطفِ عیش نہاں پھر غم کا مداوا کون کرے
بے زار ہو دل جب جینے سے جینے کی تمنا کون کرے

وہ دیکھتی آنکھوں محفل سے لو آنکھ بچا کر چل نکلے
امروز کا جب یہ عالم ہے فسردا پہ بھروسا کون کرے

وہ ظلم پہ جب پچھتائیں گے آنسو تو ٹھہر ہی جائیں گے
جو آگ سلگتی ہے دل میں اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

موت اُن کی آمد آمد کے ہنگامے ہی میں آپہنچی
اب اُن سے بھلا جلد آنے کا بالیں پہ تقاضا کون کرے

اُلفت کا اثر اُس سمت بھی ہے سنتا ہوں کہ روتے کٹتی ہے
اچھا ہے جو اتنا درد تو پھر اس درد کو اچھا کون کرے

بادل کی گرج میں کوئل کی کوکو بھی رسیلی ہوتی ہے
اس مدھ بھرے سندر موسم میں تنہائی گوارا کون کرے

ہر گل کے بدن میں کانٹا ہے ہر دوست میں پوشیدہ دشمن
دنیا کے نتائج دیکھ چکے اب خواہش دنیا کون کرے

ہم اُن کو اپنا جانتے ہیں وہ غیر کو کہتے ہیں اپنا
بس اتنی سی لغزش پر ثاقبؔ اپنے کو پرایا کون کرے

✿✿✿✿

رات کو پچھلے پہر جب اشک برساتا ہے دل
اشک کے ہر ایک قطرے میں نظر آتا ہے دل
صبح تک شاید نہ میں ہوں اور نہ یہ سازِ حیات
ڈوبتے ہیں تارے بیٹھتا جاتا ہے دل
وہ تبسم آفریں چہروں سے کھائے ہیں فریب
جب کوئی بے ساختہ ہنستا ہے بھر آتا ہے دل
حسن واقف ہے نہ اہل عشق کو اس کی خبر
کس طرح اک اجنبی صورت پہ آجاتا ہے دل
تھا کبھی میری نگاہوں میں وفا کا اک مقام
اب وفا کا نام سن کر ڈوب سا جاتا ہے دل
عشق کی کشتی کا ساحل سے بھلا کیا واسطہ
کھاتا جاتا ہے تھپیڑے جھومتا جاتا ہے دل
دور ہوتا ہوں تو رہتی ہے نگاہوں کو تلاش
حسن کے نزدیک جاتا ہوں تو گھبراتا ہے دل
ہر قدم پر مشکلیں ہیں عشق غیرت مند کو
جرم کرتی ہیں نگاہیں اور شرماتا ہے دل
شام سے یوں صبح کرتا ہوں فراق دوست میں
دل کو سمجھاتا ہوں میں اور مجھ کو سمجھاتا ہے دل
عشق میں ثاقبؔ نگاہیں تو عبث بدنام ہیں
ہم نے دیکھا ہے نظر سے پیشتر آتا ہے دل

✿✿✿✿

زندگی کا بار جب ہنس کر اُٹھا سکتا ہوں میں
موت کی تلخی کو کب خاطر میں لاسکتا ہوں میں
جُرعہ جُرعہ مے کدے میں پینے والے آ ادھر
خانہ سازِ عشق کے دریا لنڈھا سکتا ہوں میں
اُن کو یہ قدرت کہ ہنس ہنس کر رُلا سکتے ہیں وہ
مجھ کو یہ توفیق رو رو کر ہنسا سکتا ہوں میں
نوچ سکتا ہوں ستارے توڑ سکتا ہوں شہاب
خاک پر گردوں کی پیشانی جھکا سکتا ہوں میں
منتظر ہے جس کا گردُوں مقتضی ہے جس کا وقت
وہ تماشا بھی زمانے کو دکھا سکتا ہوں میں
اپنے معیار طبیعت سے مری فطرت نہ ناپ
انتہائے یاس میں بھی مسکرا سکتا ہوں میں
موت کو جب دے نہیں سکتے مرے آنسو خراج
کیا قصیدے لے کے درباروں میں جاسکتا ہوں میں
جن کو ثاقب ساتھ لایا ہے یہ دور انقلاب
ایسی لاکھوں ظلمتوں کو جگمگا سکتا ہوں میں

✿✿✿✿

دیکھ آئے جرات و توفیق رندا نہ ذرا
کوئی لے جائے خرد کو تابہ میخانہ ذرا
غم نہ گھٹ جائے کہیں یہ درد ہوجائے نہ کم

اک نگاہ حشر زا، بے اختیار نہ ذرا
لب پہ طوفان تبسم، دل میں طوفان الم
کوئی دیکھے تو مرا یہ رنگ مستانہ ذرا
عشق کو تسلیم عذراحتیاط و مصلحت
ہم مگر رکھتے ہیں اک ذوق جدا گانہ ذرا
دامن دل تھام ہی لیتے ہیں یہ دیر و حرم
ان مقامات خرد سے ہوشیار انہ ذرا
ماند پڑجانے کو ہے نور سرور تشنگی
جان میخانہ ہٹا لے جام و پیمانہ ذرا
ہم بھی ثاقبؔ دیکھنے والی نظر رکھتے تو ہیں
سامنے آکر تو دیکھے حسن جانا نہ ذرا

✿✿✿✿

گذارش نگہ التفات کیا کیجے
خودی کی موت کے بل پر حیات کیا کیجے
نیاز حسن سے مجذوب عشق کیا آگاہ
خدا کے بعد خدائی کی بات کیا کیجے
رُخ حیات پلٹنا ہی جب نہیں ممکن
یقین شعبدۂ معجزات کیا کیجے
لہو رُلا کے ہی گذرا پہ دن گُذر تو گیا
مگر یہ ڈستی ہوئی چاند رات کیا کیجے
نظر نظر میں چٹانوں کی عظمتیں ثاقب
شناوراں محبت کی بات کیا کیجے

✿✿✿✿

مری منزل کا حاصل اور کیا تھا
کہ ہر رستے میں تیرا نقش پا تھا
جہاں تیری طلب میں ہم مٹے تھے
وہیں اک نقش پیدا ہوگیا تھا
اُسی سے حال دل کہتے تو کہتے

✿✿✿✿

وہی نا آشنا اک آشنا تھا
نگاہوں کا تصادم اللہ اللہ
زمانہ چپ تھا اور دل بولتا تھا
یہاں بکھریں فسانے ہی فسانے
حقیقت کا تقاضا اور کیا تھا
وفا کا حق ادا کب ہم سے ہوتا
کرم در اصل یہ بھی آپ کا تھا
بظاہر ہم نہ تھے شاکی کسی سے
مگر دل میں بہت کچھ ماجرا تھا
نظر کیوں پھیر لی اے جان ثاقبؔ
اُسے تو بس ترا ہی آسرا تھا

✿✿✿✿

نظر ہلا نہ سکیں گردشیں زمانے کی

ہجوم غم میں ادا سیکھ مسکرانے کی
جو تو نے درد سمجھ کر بچا کے رکھ لی ہے
وہی تو چیز تھی ساقی ہمیں پلانے کی
بجا کہ برق کا کھٹکا نہ خوف باد مگر
قفس میں بات کہاں پھر بھی آشیانے کی
میں کائنات پہ اس رخ سے غور کرتا ہوں
کہاں تک اس میں ہے وسعت مرے سمانے کی
جو خاک پر ہے پڑا رندِ بے نوا ثاقبؔ
مچل پڑے تو ہو برہم فضا زمانے کی

✡✡✡✡

شراب و نغمہ و حسن جواں سے کھیل چکا
میں اس زمین سے اس آسماں سے کھیل چکا
مری نظر کیل ئے آسماں نئے لاؤ
میں ان ستاروں سے اس کہکشاں سے کھیل چکا
نشاط اس کو سزا وار ہے زمانے میں
جو ہر قدم پہ غم ناگہاں سے کھیل چکا
بساط عشق پہ ہوں اور یہ نہیں معلوم
کہاں سے کھیل رہا ہوں کہاں سے کھیل چکا
فضائیں ہیں تری پرواز کے لئے کافی
چمن پرست بہت آشیاں سے کھیل چکا
بنا ہوا ہے مغنّی کے لب پہ اب فریاد
جو زمزمہ لب جوئے رواں سے کھیل چکا
زیان و سود محبت اُسی پہ روشن ہیں
جو وصل و ہجر کے سود زیاں سے کھیل چکا
مری نظر میں ہیں ثاقبؔ فراز مستقبل
بہت دنوں غم عمر رواں سے کھیل چکا

رات وہ آئے راج دُلارے
مشک بکھیرے زُلف سنوارے
نقرئ لے اللہ رے تاثر
جھوم اُٹھے آکاش پہ تارے
شوق نے لاکھوں جال بچھائے
رُک نہ سکے اوقات کے دھارے
آگے تمہارا ذوق طبیعت
یہ ہے طوفاں وہ ہیں کنارے
صبح اُمید و عدہٴ فردا
جینے کے دلچسپ سہارے
ثاقبؔ ان دنیا والوں نے
کب اور کس کے کاج سنوارے

✡✡✡✡

کس نے یہ اک نگاہ ناز ڈالی اس اہتمام سے
خود ہی لپٹ گئی مینا ہر ایک جام سے

دل جو ہنسا میں رو دیا میں جو ہنسا یہ رو پڑا
تابہ سحر یونہی رہا سلسلہ التزام سے
کب ہیں خرد کے بس کا روگ عشق وجنوں کی اُلجھنیں
عزم، خیال خام سے، حوصلے نا تمام سے
میرے نصیب عشق کو حسن سے کیا نہیں ملا
طعنے جگر خراش سے وعدے برائے نام سے
دل پہ کسی کے ذکر سے آتی ہے یوں شگفتگی
جیسے کلی چٹک اُٹھے باد صبا کے نام سے
زائچہ غم حیات کچھ نہ بتا سکا مجھے
جاتا ہوں کس مقام کو آیا ہوں کس مقام سے
جنبش چشم حسن تک عشق کیسارے ولولے
حسن کی تابناکیاں عشق کے احترام سے
عیش تو اک طرف رہا غم نہ ملا بقدر ظرف
پوری طرح نہ صبح بھی بدلی ہماری شام سے
فطرت حسن کھول کر ثاقب خود فریب پر
کوئی اُسے نکال دے مہر ووفا کے دام سے

✡✡✡✡

کمال محبت سے کیا ہوگئے ہم
تھے محدود بے انتہا ہوگئے ہم
کسی کے شہید جفا ہوگئے ہم
یہ کیا ہوگیا ہے یہ کیا ہوگئے ہم
چھپائیں مگر کس طرح سے چھپائیں
ترے راز سے آشنا ہوگئے ہم
کبھی حسن کو عشق بننا نہ آیا
یہ کس آرزو میں فنا ہوگئے ہم
اُٹھا لو بساط محبت اُٹھا لو
محبت سے عہدہ بر آ ہوگئے ہم
ابھی ہوش آنے نہ پایا تھا ثاقبؔ
غم عشق میں مبتلا ہوگئے ہم

✡✡✡✡

بدل ڈالا ہے پھر موسم نے تنظیم گلستاں کو
چلی ہیں ٹولیاں بن بن کے رندوں کی بیاباں کو
خزاں رُخصت ہوئی چھلکا ہر اک غنچہ کا پیمانہ
پیام عیش آیا پھر دل حسرت بد اماں کو
یہ کس مست جوانی نے نقاب ناز کو اُلٹا
گھٹا کی اوٹ لینا پڑگئی ماہ درخشاں کو
ہے اک اک چوکھٹے میں ایک اک تصویر مایوسی
کوئی دیکھے تو اس آئینہ شہر خموشاں کو
بہار آئی ہر اک غنچہ نے رنگیں پیرہن بدلا
جنوں پھر ناپنے آیا ہے میرے جیب و داماں کو
غرور و ناز سے میرے خطوں کو پھینکنے والو
کبھی تعویذ سمجھو گے ان اوراق پریشاں کو

✿✿✿✿

چڑھتے سورج کی کرنوں کو پھینک دیا ہے کس نے مسل کے
کس کے قدم سے پھوٹ بہے ہیں نور کے سوتے ہلکے ہلکے
پینے سے انکار کسے ہے پینا تو ایمان ہے اپنا
پر وہ خانہ ساز پئیں گے جو اُس مست نظر سے چھلکے
ساون کی بدمست پھواروں نے کچھ ایسی جوت جگائی
ذہن سے غم یوں اُترا جیسے حسن کے سر سے آنچل ڈھلکے
قلب و نظر کو ڈس لیتی ہے ان دیکھے غنچوں کی چٹک بھی
اے پھولوں کے راج دُلارے سوچ سمجھ کر خوب سنبھل کے
ہائے مقدر اُن اشکوں کا جو برہن کی دھیر بندھائیں
جو ساجن کا جشن منائے وارے نیارے اس کا جل کے
میرے لئے بیتاب رہے ہو میرے لئے آنکھیں برسی ہیں
صاف دیئے دیتے ہیں گواہی بھیگے بھیگے بل آنچل کے
ساغر کے پرتو میں ہوگی ثاقبؔ کی توحید پرستی
لطف رہے گر دیکھیں تماشا رند سبھی میخانے چل کے

✿✿✿✿

اک روشنی سی حدّ نظر سے دیکھتے تو ہیں
اُٹھتی ہے کب نقاب سحر دیکھتے تو ہیں
زلف سیاہ تابہ کمر دیکھتے تو ہیں
تاریکیوں میں خواب سحر دیکھتے تو ہیں
مایوسیوں نے لوٹ لئے خواب آرزو
اُٹھ اُٹھ کے پھر بھی جانب در دیکھتے تو ہیں
دامان لطف غیر پہ ہے غیر پر رہے
مجھ کو یہ کم نہیں وہ ادھر دیکھتے تو ہیں
دیکھیں کب آئے نظم محبت میں انقلاب
اک کش مکش سی شام و سحر دیکھتے تو ہیں
کیا کم ہے یہ عنایت کیف نگاہ دوست
ہم جس طرف ہیں لوگ اُدھر دیکھتے تو ہیں
دست کرم بڑھے نہ بڑھے یہ رہا نصیب
تجھ کو گدائے راہ گزر دیکھتے تو ہیں
آنکھوں کو پھر یہ اشک بھی شاید نہ ہوں نصیب
رو رو کے تجھ کو وقت سفر دیکھتے تو ہیں
محدود کب ہے حسن حدود نگاہ میں
یوں دیکھنے کو اہل نظر دیکھتے تو ہیں
ممکن ہے اب وہ جان تغافل بھی آ ہی جائے
ثاقبؔ دعا میں رنگ اثر دیکھتے تو ہیں

نظر اُن کی حریف نشہ صہبا نہ ہو جائے

✿✿✿✿

کہیں ویران بزم ساغر و مینا نہ ہوجائے
ہیں میرے اشک غم میں ضبط کے سمٹے ہوئے طوفاں
ہیں ڈرتا ہوں یہ قطرہ ٹوٹ کر دریا نہ ہوجائے
نظر افسانہ بنتی جا رہی ہے ڈر رہا ہوں میں

زمانے میں کسی کا رازِ غم افشاء نہ ہو جائے
نگاہ ملتفت سے میری جانب دیکھنے والے
کہیں پھر دل میں حشر آرزو برپا نہ ہو جائے
کوئی انساں سجود عشق کے قابل نہیں ہوتا
خدا کا جب تلک انساں پر دھوکا نہ ہو جائے
جنون شوق لے آیا ہے مجھ کو اُن منازل میں
پہنچ کر جس جگہ ہر آشنا بے گا نہ ہوجائے
زمانہ سے تری رو داد اُلفت کہتے ڈرتا ہوں
کہ تیرا آستانہ مرکز دنیا نہ ہو جائے
تمہاری انجمن میں لاکھ فرزانے سہی لیکن
جسے تم ہنس کے دیوانہ کہو دیوانہ ہو جائے
ازل سے زندگی اس شرط پر لائی مجھے ثاقبؔ
کہ دنیا میں رہے آلودہ دنیا نہ ہوجائے

✡✡✡✡

آنکھوں سے لاکھ خون کے طوفاں اُٹھا یئے
لیکن نہ اہل دہر کے احساں اُٹھا یئے
اُلفت کی قید و بند پہ آزادیاں نثار
رہ کر قفس میں لطف بہاراں اُٹھا یئے
تاریکیء حیات کو درکار ہے سحر
اپنی جبیں سے زُلف پریشاں اُٹھایئے
اس زندگی پہ موت کو ترجیح کیوں نہ دیں
کیوں اتّہامِ خواب پریشاں اُٹھایئے
آپ آنسوؤں میں غرق نظر آئیں گے مجھے
کہئے نہ مجھ سے دیدۂ گریاں اُٹھایئے
پروانہ بھی شہید گل و غنچہ بھی شہید
کس کس جگہ سے خاک شہیداں اُٹھایئے

✡✡✡✡

بطن زمیں میں سینکڑوں خورشید ہیں نہاں
کیوں دل سے اپنے عظمت انساں اُٹھایئے
ہے اس قدر تو آپ کو جلووں پہ اختیار
ہنستے ہوؤں کو اشک بد اماں اُٹھایئے
ہے ان میں جذب خون شہید ان جستجو
پلکوں سے جھک کے خار مغیلاں اُٹھایئے
اک بار اور دیجئے اِذن حیات شوق
اک بار پھر نگاہ پشیمان اُٹھایئے
ہر موسم بہار گزرتا ہے اشک بار
کس حوصلہ پہ ناز گلستاں اُٹھایئے
ثاقبؔ کی ہست وبود کا ہوتا ہے فیصلہ
ہاں پھر نگاہ حشر بد اماں اُٹھایئے

✡✡✡✡

خمارِ بادۂ تقدیسِ آبرو ٹوٹا
فریب تمکنت حسن آرزو ٹوٹا

کلی کلی نے گریبان چاک کر ڈالا
جونہی طلسم چمن زارِ رنگ و بو ٹوٹا
نچوڑے کوئی رگ رگ سے زندگی کی شراب
کچھ اس خلوص سے پیمان گفتگو ٹوٹا
بہت عمیق تھی فکر و نظر کی گہرائی
بہت ہی دیر میں ہنگام ہاؤ ہو ٹوٹا
نیاز و ناز کی تفریق اُٹھنے والی تھی
کہاں پہنچ کے مراعزم جستجو ٹوٹا
تمہیں حیات کی نس نس میں جذب کر لونگا
بڑے ہی کرب سے یہ زعم گرم خو ٹوٹا
اُٹھا کچھ اس طرح ثاقبؔ حجاب خوش فہمی
دل و نظر کا ہر ارمانِ جستجو ٹوٹا

✡✡✡✡

جہاں حیات کے تیور نظر سے گزریں گے
ہمارے ساتھ چلو ہم اُدھر سے گزریں گے
خزاں گزیدہ گلستاں نظر براہ رہے
بہار ساتھ لئے وہ ادھر سے گزریں گے
ہوئے تھے سجدہ کناں جس جگہ بنام جنوں
بزعم ہوش اب اس رہگذر سے گزریں گے
بڑھاو ؟ اب نہ بہت آب میرے اشکوں کی
یہ تیر بھی مرے قلب و نظر سے گزریں گے
یہی اُمید کرم ہے تو دیکھنا ثاقبؔ
ہزار یاس کے طوفان سر سے گذریں گے

✡✡✡✡

جہاں رستہ دکھانے رہرووں کو راہبر آئے
بحمد اللہ اب ہم ان منازل سے گذر آئے
کسے منزل ملی ہے نقش منزل کب نظر آئے
ہزاروں راہزن نکلے ہزاروں راہبر آئے
مری تقدیر اور ان کا رادہ ایک ہیں دونوں
اُنہیں کس طرح روکے گا زمانہ وہ اگر آئے
نہ جانے کس قیامت کا فسوں تھا ان کی محفل میں
جو اُٹھے بے خبر اُٹھے جو آئے بے خبر آئے
کہا جاتا ہے دل کی ہے رسائی عرش اعظم تک
لبوں پر کیوں فقیروں کے دعائے بے اثر آئے
مری نظروں میں اب تک ہیں ترے جلووں کے ہنگامے
مری نظروں میں کیونکر عظمت شمس و قمر آئے
وقار عشق کو خود اضطراب عشق لے ڈوبا
نہ آنا چاہتے تھے بزم میں تیری مگر آئے
ازل کے دن سے ثاقبؔ ہم وہ فطرت لے کے آئے ہیں
عدد کو رنج پہنچے اور ہماری آنکھ بھر آئے

✡✡✡✡

مے کدے میں تری آنکھوں کی اگر بات کریں
ہم خرابات کو کچھ اور خرابات کریں
آپھر آغاز محبت کا فسانہ چھیڑیں
آپھر آغاز تباہی کی کوئی بات کریں
اُلجھنیں اور نہ بڑھ جائیں مقدر کی مرے
اُن سے کہہ دو نہ کنکھیوں سے اشارات کریں
غم سے ساتھی نے بھی جب وقت پہ دم توڑ دیا
کیا مسرت کے سہارے گذر اوقات کریں
شب کے تاروں کی نگاہوں میں کہاں گنجائش
آستاروں سے کہیں دور ملاقات کریں
اپنے دامن میں تو نالوں کے سوا کچھ بھی نہیں
وہ بضد ہیں کہ بپا محفل نغمات کریں
رنگ مے خانۂ ہستی کا بدل دیں ثاقبؔ
ہم سے دیوانے جو پابندیٔ اوقات کریں

چارہ گر منہ تک رہے ہیں نزع کا ہنگام ہے
زندگی کی ساری صبحوں کی یہ تنہا شام ہے
میں ابھی تک جس طرح برباد تھا برباد ہوں
دل ابھی تک جس طرح ناکام تھا ناکام ہے
سلسلہ شام وسحر کا ختم ہے اب تیرے بعد
آتجھے رولوں تو میری زندگی کی شام ہے
یاس کے عالم میں ہے اُن کا تصوّر ضو فشاں
جلوۂ شام و سحر گویا بیک ھنگام ہے
خود کو دیکھ اور ظرف ساقی دیکھ اے شیخ حرم!
یہ ہے میخانہ یہاں ہر دم صلائے عام ہے
تلخیٔ مے سے زیادہ تلخ تھے اپنوں کے جور
گردش ایام لیکن گردشِ ایام ہے
فیض بادہ ہی نہیں ثاقبؔ خدا کا شکر ہے
چشم ساقی کی عنایت بھی شریک جام ہے

۞۞۞۞

میرِ مَیٔ خانہ ہے میں ہوں بادۂ گل فام ہے
اب مرے ساغر کی زد پر گردش ایام ہے
موت جس سے ساری دنیا لرزہ بر اندام ہے
اصطلاح عاشقی میں زندگی کا نام ہے
غرق خود اپنے لہو میں آفتاب شام ہے
کیا یہی ہر تابدار آغاز کا انجام ہے

۞۞۞۞

دل و نظر پہ مسلّط ہے اک سکوں دشمن
بدل رہی ہے محبت جنوں کا پیراہن
بنی ہے زمزمۂ شوق قلب کی دھڑکن
یہ کس کے پاؤں کی آہٹ ہوئی پس چلمن
نگاہ شوق ہے اور ان کا عارض روشن
مچل رہی ہے دم صبح آئینہ پہ کرن

یہ کون حسن بہاراں ادھر سے گذرا ہے
مہک رہے ہیں ابھی تک گلوں کے پیراہن
ترس رہا ہے جبینوں کو آستانِ جمال
کہاں گئی وہ نیاز وفا کی رسم کہن
پلٹ دیا ہے محبت نے رخ مقدر کا
جبین سن پہ لیکن ابھی وہی ہے شکن
یہ اتفاق ہے یا معجزہ گناہوں کا
کہاں وہ رحمت کامل کہاں ہیں تر دامن
رہ طلب میں کوئی کس کا اعتبار کرے
جنوں خرد کا مخالف، خرد جنوں دشمن
نظر کو شوق نظارہ ہے دل میں خود داری
دل و نگاہ کے رشتہ میں پڑگئی اُلجھن
وہ آنسوؤں پہ مرے مسکرا دیئے ثاقبؔ
بکھر گئے مری حدّ نگاہ تک گلشن

✡✡✡✡

تم عرش نشیں ہو کہ قریب رگ جاں ہو
ہم خاک نشینوں کو صدا دو کہ کہاں ہو
دنیا کے غموں پر جو ترے غم کا گماں ہو
آنسو میری آنکھوں میں نہ ہونٹوں پہ فغاں ہو
اے قافلہ شوق کچھ اس طرح رواں ہو
منزل پہ بھی گر د رہ منزل کا گماں ہو
خود مجھ کو بھی احساس نہیں اپنے زیاں کا
بے وجہ مرے حال پہ تم نوحہ کناں ہو
شاید کہ جو مسجود ملائک تھا وہ میں ہوں
شاید یہ جہاں میری ہی آواز فغاں ہو
ہر جلوہ اسرار عیاں دیکھ چکا ہوں
تم جانے ابھی کون سے پردے میں نہاں ہو
اشکوں کی مرے داد ترے اشک نہیں ہیں
ان قطروں کی اتنی بھی تو قیمت نہ گراں ہو
دم ٹوٹ چلا رات کا بجھنے لگے تارے
کس آس پہ اب حضرتِ ثاقبؔ نگراں ہو

✡✡✡✡

مجھ کو نگاہ لطف کا حقدار دیکھ کر
دیکھا ادھر اُدھر کو کئی بار دیکھکر
محوّیت خیال میں گم ہے جہان ہوش
غم سو چلا ہے شوق کو بے دار دیکھ کر
کھلتے ہی آنکھ کوچ کا نقارہ بج گیا
گھبرا رہا ہوں قافلہ تیار دیکھکر
اے حسن ہاں نقاب اُٹھا شوق سے مگر
للہ ظرف طالب دیدار دیکھکر
ہوتا ہے یہ گمان کہ آئیں گے وہ ضرور
شب بھرمہ و نجوم کو بیدار دیکھ کر

ڈرتا ہوں بزم دہر میں محشر بپا نہ ہو
ہم تم میں ربط و ضبط کے آثار دیکھ کر
ممکن ہے آنسوؤں میں بہادوں نظر کا نور
چشم طلب کو حائل دیدار دیکھ کر
ثاقبؔ بس اس جبیں کی بلندی نہ پوچھئے
جھک جائے خاک پر جو درِ یار دیکھ کر

✡✡✡✡

سمٹے ہوئے جلوے رُخ پہ نمی نظریں بھی ملانا مشکل ہے
تم مجھ سے چھپالو حالت دل دنیا سے چھپانا مشکل ہے
نظروں سے گرانا آساں ہے نظروں میں بسانا مشکل ہے
ذرّوں کو ضیائے دل دے کر اکسیر بنانا مشکل ہے
اے شمع ترے غم کا قصہ معلوم ہے ساری محفل کو
جو غم ہے ہمارے سینے میں اُس غم کا چھپانا مشکل ہے
ممکن ہی نہیں دل پر قابو جب پیار کسی کا جاگ اُٹھے
یہ شمع جلانا سہل سہی یہ شمع بجھانا مشکل ہے
دنیا کے حوادث توڑ سکیں روحوں کا تعلق ناممکن
ہو خونِ جگر جس میں شامل وہ نقش مٹانا مشکل ہے
انجام خُوشی سے ناواقف ہیں عیش وطرب کے متوالے
ہنگام طرب یاد آئے انہیں اشکوں کا زمانہ مشکل ہے
بے کیف سہی بے رنگ سہی اک لہر تو اب بھی آتی ہے
دل لاکھ شکستہ ہو لیکن یادوں کا بھلانا مشکل ہے
ایثار شکست دل ثاقبؔ ہر شخص کے بس کا کام نہیں
اے اشک بہا دینے والے ان کا پی جانا مشکل ہے

✡✡✡✡

کہاں ذکر ماہ و انجم کہاں روشنی کی باتیں
یہاں صبح تک چلیں گی یونہی تیرگی کی باتیں
ستم اے صداقت غم ابھی لوگ کر رہے ہیں
غم عاشقی کی لے میں غم زندگی کی باتیں
لو وہ جان انجمن بھی سر بزم آن پہنچا
یہاں زیب گفتگو تھیں ابھی آپ ہی کی باتیں
کوئی لڑکھڑا نہ جائے کہیں جادۂ طلب سے
ذرا اور دھیمے دھیمے کرو آگہی کی باتیں
تری آنکھ سے بھی ہوگی کبھی بحث کیف ومستی
تری زُلف سے سنیں گے کبھی برہمی کی باتیں
ہیں صحیفۂ وفا کے یہی باب دو نمایاں
مری دوستی کے قصے تری دشمنی کی باتیں
ترا حسن ایک نغمہ وہی نغہ محبت
مرے لب پہ رقص کرتی ہوئی روشنی کی باتیں
مجھے مجھ سے چھیننے کی ابھی ھرا دا وہی ہے
وہی ان کا حسن سادہ وہی سادگی کی باتیں
مری داستان غم پر وہ سکوت بے نیازی
کوئی جیسے سن رہا ہو کسی اجنبی کی باتیں

میں سکون دل کی خاطر کسے ڈھونڈ لاؤں ثاقبؔ
مجھے ہوں نصیب کیسے گئی زندگی کی باتیں

جُرعے

1974ء سے پہلے کا سب کچھ سیاسی انسانوں کی آزادی وخود اختیاری کی نذر ہو گیا تھا۔ ذہن نے زیادہ سے زیادہ 1950ء سے پہلے کے اشعار کے لئے دماغ پر زور ڈالا تو کوئی غزل بھی پوری یاد نہ آئی۔ بس پانچ چھ غزلوں کے دو دو چار چار شعر یاد آسکے جو اسی ہیئت میں پیش خدمت ہیں۔ثاقبؔ

❂❂❂❂

پردہ اُٹھایئے گا رُخ لا جواب سے
لپٹی ہوئی ہے دید کی حسرت نقاب سے
ہوجائیں خاک ختم ہو دل کا معاملہ
اک بار ہم کو دیکھ لو چشم عتاب سے
دے عشق کی دُہائی تجلی حسن دوست
گر واسطہ پڑے دل خانہ ء خراب سے
ثاقبؔ کو تیرے عشق سے اک زندگی ملی
ذرّے نے اکتساب کیا آفتاب سے

1939ء

مدّت کے بعد خواب میں آکر چلے گئے
سویا ہوا نصیب جگا کر چلے گئے
اب تک بہک رہا ہے نظام جہان دل
کیا جانے کیا نظر سے پلا کر چلے گئے
جب موج آگئی تو وہ آکر مرے قریب
محرومیوں کے رنج بھُلا کر چلے گئے
ہم اور اُن کے درد کی دولت رہے نصیب
رُتبہ دل حزیں کا بڑھا کر چلے گئے
ثاقبؔ وہ کل اُٹھے تو تھے ناراض ہی مگر
جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے

❂❂❂❂

بے چارگیٔ قلب ہو یدا نہ کر سکے
وہ آئے بھی تو عرض تمنّا نہ کر سکے
شرمندگی حسن گوارا نہ کر سک
ایسا نہ کر سکے کبھی ایسا نہ کر سکے
دنیا غرور حسن کا انجام دیکھتی
ہم عشق میں کمال ہی پیدا نہ کر سکے

❂❂❂❂

تھا زعم احتیاط تجلی اُنہیں
خواب میں کل تم جو مل کے جدا ہوتے رہے
امتحان ضبط آہ نارسا ہوتے رہے

اشکِ غم بہتے رہے جب تک رہے تم رُو برو
اور زباں کے فرض آنکھوں سے ادا ہوتے رہے
ہائے جلوے جو تمہارے حسن سے معمور تھے
آہ وہ لمحے جو محروم ضیاء ہوتے رہے
ہر نظر بے گانگی کے راز سمجھاتی رہی
ہر قدم پر عبرتوں کے باب وا ہوتے رہے
جس قدر کھلتا گیا خوش اعتقادی کا بھرم
رفتہ رفتہ آشنا ناآشنا ہوتے رہے
اللہ اللہ عہد و پیمان محبت کا مآل
نغمہ ہائے عیش پیغام قضا ہوتے رہے
جو تمہارے پاؤں پر رکھا تو سر تھا عرش پر
یوں بھی ہم آغوش یہ ارض و سما ہوتے رہے
بھول کر بھیجا نہ او ظالم کسی خط کا جواب
روزِ محشر بزم ثاقبؔ میں بپا ہوتے رہے

✡✡✡✡

تمہاری بزم تلطف کو کون بھول سکے
جہاں دلوں کو سکون وقرار ملتا ہے
یہیں کہیں انہی زلفوں کی چھاؤں میں لیکن
نگاہ ہوش کو درس فرار ملتا ہے

جہاں میں ہوں

وفائے اہل دل سر در گریباں ہے جہاں میں ہوں
خلوص مصلحت آمیز ارزاں ہے جہاں میں ہوں
وبال ہوش میں عشق و حدیث عشق کے معنی
مشیت نیم ظاہر نیم پنہاں ہے جہاں میں ہوں
شب تاریک کی حسرت زدہ ذہنی کشاکش کو
میسر کب نوید صبح تاباں ہیجہاں میں ہوں
محبت کا کلیں بکھرائے رہتی تھی کہاں وہ دن
درد دیوار پر اب یاس خنداں ہے جہاں میں ہوں
طمانچے پڑ رہے ہیں پے بہ پے روئے اخوّت پر
خدا کا خوف رہن طاق نسیاں ہے جہاں میں ہوں
یہاں تو چاک ہوتے ہیں گریباں اصطلاح پر
فریب زیست پر خود زیست حیراں ہیجہاں میں ہوں
قسم ان صبر و ہمت کے سبک رفتار لمحوں کی
عروس عظمت دل چاک داماں ہے جہاں میں ہوں
عزائم پر ہیں ایسی یورشیں بے اعتمادی کی
یقین زندگانی تک گریزاں ہے جہاں میں ہوں
تکلف برطرف یہ دیکھ کر دل بیٹھا جاتا ہے
حقیقت گم و تصنّع ہی نمایاں ہے جہاں میں ہوں
یہ کس کی زندگی افروز سن رہا ہوں صدا
مجھے عدم پہ گمان وجود ہونے لگا
مجھے عدم پہ گمان وجود ہونے لگا

رباب شعر کے تاروں سے لرزشیں پھوٹیں
حریم دل میں کسی کا درود ہونے لگا

میں کہاں آ نکلا

(ایک پیر خانقاہ کی لادینی سرگرمیوں سے متاثر ہوکر)

شورش زہد بپا ہے میں کہاں آنکلا
ہر طرف مکرو ریا ہے میں کہاں آنکلا
نہ محبت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آنکلا
چشم خود بیں میں نہاں حرص زرو گوہر کی
کذب کے لب پہ دعا ہے میں کہاں آنکلا
راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے میں کہاں آنکلا
دن دہاڑے ہی دکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور حیا ہے میں کہاں آنکلا
یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آنکلا
خندہ زن سفلگی ہے اس کی ہر اک سَلوٹ میں
یہ جو سرسبز قبا ہے میں کہاں آنکلا
دلنوازی کے پھریروں کی ہواؤں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے میں کہاں آنکلا
عجز سے کھلتی سمٹی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
ان کے سینوں میں دغا ہے میں کہاں آنکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے میں کہاں آنکلا
قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے میں کہاں آنکلا
الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوف خدا
چوکڑی بھول گیا ہے میں کہاں آنکلا

✡✡✡✡

مزارنور جہاں

شام کے آثار سے تھا چرخ پر ہلکا غبار
نور کا زرکار دامن ہو چکا تھا تار تار
تھا اُفق پر دور گہری سرخیوں کا اژدھام
کہہ رہا تھا فاتح مغرب کا دیکھو انتقام
اب در تنویر پر کوئی جبیں جھکتی نہیں
سلطنت میں میری سورج کی کرن رُکتی نہیں
آرہا تھا سیر سے میں زیر لب گاتا ہوا
ہلکی ہلکی راگنی سے وجد میں آتا ہوا
راہ میں نور جہاں کا جب نظر آیا مزار

دیکھ کر اک ہوک سی اُٹھی جگر میں بار بار
خستہ دیواروں کی حالت اور منڈیریں سوگوار
گاہ شاداں گاہ ہوتی تھی تمنا بے قرار
جابجا پھیلے ہوئے تھے صحن میں تنکوں کے ڈھیر
دل نے دی آواز ثاقبؔ یہ ہیں سب قسمت کے پھیر

✡✡✡✡

یہ وہی نور جہاں ہے جو بصد رعب و جلال
منصفی کے آئینہ میں دیکھ سکتی تھی نہ بال
یہ وہی نور جہاں ہے جو بہ شان احتشام
تھامتی تھی اپنے ہاتھوں سے زمانے کی زمام
ہاں اسی نور جہاں کی دھوم تھی افلاک پر
سو رہی ہے آج جو مجبور فرش خاک پر
یہ نظام دہر یکساں حال پر رہتا نہیں
ایک رُخ پر وقت کا دریا کبھی بہتا نہیں

✡✡✡✡

جذب وفا

(ایک متموّل دوست کے مکتوب کے جواب میں)

اک فقیر رہگذر ہوں اک گدائے بے نوا
ہے نظر لیکن مری فردوسیوں کی آشنا
میری آنکھوں میں ہے وہ نور محبت جلوہ ریز
جس کے آگے ماند ہے تابانی بغض وریا
روح اس سوز و گداز عشق سے ہے مضطرب
جس سے لرزاں اور ترساں ہے دل ارض وسما
مسکراتا ہی نظر آیا وفور یاس میں
میرے سینے میں نہاں ہے وہ دل رنگیں نوا
میری آہوں کی رسائی تک کہاں تیرا دماغ
جس پہ تونے ڈال رکھی ہے تموّل کی ردا
ہوں وہ رند خود شناس و مست صہبائے ازل
جس کے نعروں سے درِ تقدیس ہوجاتا ہے وا
دے نہیں سکتی میری غیرت کو ناداری شکست
آستان غیر پر جھکنا نہیں مجھ کو روا
جتنا جی چاہے کچو کے دے دل بے تاب کو
زخم شمشیر ستم کھا کر کہے گا مرحبا
میرے ظاہر سے مرے باطن کا اندازہ نہ کر
آنکھ ہے میری حسیں اور دل ہے معمور ضیا
مجھ پہ آوازے نہ کس میرا تمسخر مت اُڑا
میرے استغناء سے خم ہے گردن حرص و ہوا
ہو سکے تو دل سے اس جذب وفا کی قدر کر
میرے درس صدق وتسلیم و رضا کی قدر کر

یاددہانی

(یومِ آزادی کی شب ایک محفل رقص وسرور دیکھ کر)

مسرّتوں کے ساتھیو تمازتوں کے دوستو
ہجوم درد چھٹ گیا اَلم کا رنگ کٹ گیا
ہے کائنات نغمہ زَن ہوا ہوئے غم و محن
بکھر گئی نئی پہ بھبن جبل جبل و من و من
ہے اک عجیب بانکپن روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جام لو عنان زیست تھام لو
شفق کا رنگ چھا گیا پیام شام آ گیا
سنبھلی رہی ہے تیرگی مچل رہی ہے چاندنی
یہ حسن و سحر دلبری بہک چلی ہے زندگی
یہ شب فسون بے خطا یہ نکہتوں کا سلسلا
جو ان دو دھیا فضا یہ زمزموں کا رت جگا
انہیں جو دیکھ پائے گا نہ کیوں پئے پلائے گا
لوئے بہ جام آ گئی وہ لالہ فام آ گئی
جنوں پیام آ گئی برائے عام آ گئی
ابھی تو عام ہے پیو خرد غلام ہے پیو
وہ بے حساب عصمتیں وہ بے مثال برکتیں
جو دن دہاڑے لُٹ گئیں تمہیں جو یاد تک نہیں
یہ اُن کا خون ہے پیو پیو پلاؤ اور جیو
خدا نہ دے وہ بے ضمیر کہ جن سے قوم ہو حقیر
فقط امیر بن امیر سرود و رقص کے اسیر
مگر یہ تابہ کے چلن رہو گے کب تلک مگن
ہمیں وہ شیر چاہیئں عدو پہ جو جھپٹ سکیں
ہجوم غم میں مسکرائیں اجل پہ قہقہے لگائیں
یہ فاقہ مست و خستہ حال نحیف برق کی مثال
نہ ان کے فقر کو جھنجھوڑ نہ یوں کلائیاں مروڑ
اُمڈ پڑیں جو آندھیاں کڑک اُٹھیں جو بجلیاں
اگر یہ آگ اُبل پڑی اگر یہ بھوک جاگ اُٹھی
تو زلزلہ سا آئے گا تو عرش کانپ جائے گا
تو پھر یہ جنگ زرگری یہ مکر وفن کی رہبری
یہ اہتمام مے کشی یہ تاجرانہ دوستی
یہ سب بنیں گی ساقی نہنگ وقت کی غذا

وفا

آنسوؤں سے تربتر تکیے سے جو گردن اُٹھی
لڑکھڑا اُٹھا کھلی آنکھوں کا ذوق انتظار
کون سمجھائے اسے سود و زیان زندگی
آج کل تو لوگ کرتے ہیں وفا کا کاروبار

تفاوت

بھلاؤں کس طرح تو ہی بتلا میں اُس مسرت کی ساعتوں کو
ترے تلطّف نے جب پیام دوام بھیجا تھا راحتوں کو

کہاں وہ دن جب دماغ اُلفت میں بوئے عنبر بسی ہوئی تھی
نسیم راحت تھی نشہّ افشاں لبوں پہ کلیوں کے بھی ہنسی تھی
قدم قدم پر حیات نوتھی الم کے دھارے رُکے ہوئے تھے
رخ وفا پر بشاشتیں تھیں جفا کے پرچم جھکے ہوئے تھے

✡✡✡✡

فروغ معصومیت سے عشق و وفا کے چہرے پہ نور سا تھا
نظر کی وادی کا ذرّہ ذرّہ حریف انوار طور سا تھا
کہاں یہ کرب آفریں تفاوت جھکی ہوئی ہے نگاہ میری
بدل چکی ہے فراق دائم میں اُلفت بے گناہ میری
میں اُس جگہ ہوں جہاں کسی میں بھی جوہر آب وگل نہیں ہے
جفا پرستوں کے تنگ سینوں میں سنگ پارے ہیں دل نہیں ہے
نگاہ بدتاک میں لگی ہے تری محبت کا درد چھینے
ذرا جو غفلت میں آنکھ جھپکوں تو لے اُڑے یاد کے نگینے
مرے خیابان آرزو پر جفا سرشتوں کا ہے تسلط
یہ ساز جرات کے آتش زمزموں کا سیلاب روکتے ہیں
یہ شوق بے تاب کچنوں زاجواں ارادوں کو ٹوکتے ہیں
یہ پستیوں کے مکین اوج غم محبت سے بے خبر ہیں
خُلوص نیت کی ضو سے عاری وفا کی فطرت سے بے خبر ہیں
غرض عجب جانکنی کا عالم ہے یاس ہر سمت چھا رہی ہے
دل ونظر کا جہاں ہے ویراں زبان پر مہر سی لگی ہے

آجا

تیری فرقت میں دل زار تپاں ہے آجا
زندگانی پہ جہنم کا گماں ہے آجا
ان برستی ہوئی آنکھوں کا بھرم رہ جائے
اے سکون دل خونبار کہاں ہے آجا
آرزوؤں کے مساموں سے لہو رستا ہے
کس قدر درپئے آزار جہاں ہے آجا
اے مری روح کے تپتے ہوئے صحرا کی بہار
اب تو نغموں پہ بھی شیون کا گماں ہے آجا
دیکھ مرجھا چلیں اُمید کی نورس کلیاں
گھات میں میری بہاروں کے خزاں ہے آجا
کیا تماشا ہے کہ ہنگام ظہور مہ عید
چشم ثاقبؔ تری جانب نگراں ہے آجا

اس موڑ کے آگے منزل ہے

بے خوف گزر اس خوف و خطر کی وادی سیلہراتا جا
مرعوب نہ ہو اس جنگ وجنوں کے میداں سے اتراتا جا
موجوں کے تھپیڑے سہہ سہہ کر طوفاں کے مقابل آتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
مایوس نگاہوں سے اکثر اک آنچ نکلتی رہتی ہے
اک شے ہے جو ہر دم سینوں میں کروٹ سی بدلتی ہے

چہرے سے عروس ہستی کے آنچل کو ذرا سرکا تا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
یہ مکرو ریا، یہ ظلم وستم، ہر گام پہ رستہ روکیں گے
اللہ سے لے کر بندوں تک کے نام پہ تجھ کو ٹوکیں گے
ان حرص کی گندی لاشوں سے بچتا، کھنچتا، کتراتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
وہ دیکھ تمازت ماند ہوئی غیرت کے بلند ایوانوں کی
دولت کے تقدس نے دے دی رشوت کو جلا نذرانوں کی
ماحول کی نیت ٹھیک نہیں ماحول سے بھی ٹکراتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

✡✡✡✡

عصمت کی تجارت ہوتی ہے تہذیب کے قحبہ خانوں میں
ناموس کے سودے چکتے ہیں تقدیس کے بادہ خانوں میں
تقدیس کے بادہ خانوں کی بنیادوں کو لرزاتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
اخلاص کی سادہ راہوں میں کب تک تجھے رہبر لوٹیں گے
تا چند فریب جلوہ گری آخر یہ ستارے ٹوٹیں گے
ذرّوں کو ضیائیں دیتا جا تاروں کے مقابل لاتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
لے مجھ سے یقیں اس گلشن میں پھر بادِ بہاری آئے گی
پُرنور سویرا پھوٹے گا کرنوں کی سواری آئے گی
کچھ اور ذرا تاریکی ی میں گرتا پڑتا بل کھاتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بیباک ترانے گاتا جا

دیار روح پہ تاریکیوں کی یورش ہے
تمازت غم اُلفت کا حال کیسا ہوگا
جھکی تھی جس پہ جبیں جب وہ آستاں ہی نہیں
سجود عظمت دل کا مآل کیسا ہوگا

عالم بے عمل

(ایک جلسہ سیرۃ النبیؐ میں ایک بانکے مولوی کی غیر مومنانہ حرکات دیکھ کر)

اے عالم دین متیں اے ہادیء راہ یقیں
اے کان علم معرفت اے منبع انسانیت
اے عابدوں کے رہنما اے عاصیوں کے ناخدا
اے صاحب جاہ وحشم اے حسن و تقدیر اُمم
تیرا تبسم خوب ہے طرز تکلم خوب ہے
ہے خوب منبر پر پھبن یہ علمانہ بانکپن
تسبیح در بند عبا ہے دل نشین و دلربا
چوخانے رومالوں پہ بال لاتے ہیں رندوں کو بھی حال
لیکن نگاہوں میں نہاں کیوں ہیں ریا کی بجلیاں
کیوں نطق بے تاثیر ہے بے ربط سی تقریر ہے
ہاں کیا ہوئی نورانیت وہ عابدانہ تمکنت

اشک پیازی کیا ہوا سوز حجازی کیا ہوا
ہو ذکر خیر الانبیاؐ اور بزم ایسی بے مزا
یہ وجد میں آئے نہیں یہ لوگ غش کھائے نہیں
آ تجھ کو بتلاؤں میں راز یہ واردات سوز و ساز
کیوں خوں میں وہ کھولن نہیں کیوں سم ہوا وہ انگبیں
عالم ہے جب ت باعمل تابع ہیں اقوام وملل
جب یہ نشہ جاتا رہا سارا مزہ جاتا رہا
اُس دور پر ڈال اک نظر جب عشق تھا معراج پر
جب دل برائے نام تھا شوق شہادت عام تھا
مرد مجاہد کی نظر جب چیر دیتی تھی سپر
جب گردش شام وسحر رکھتی تھی پاؤں پھونک کر
رُک رُک کے جب چلتی رہی رُوح الامیں کی نبض بھی
اک وہ تھے اور اک تو ہے آج پابند و بیمار رواج
یہ ڈھونگ آخر تابہ کے تیری حمیت سرد ہے
یہ جہل کے مارے سبھی یہ زندہ جاگیریں تری
جن پر ہے اب چشم کرم چشم کرم چشم ستم
ان کو جہنم میں نہ ڈال اے بے وقار و بے کمال
ڈاکو ہے تو ایمان کا رہزن ہے اطمینان کا
اس عالمانہ بھیس میں لیتے ہیں اژ در کروٹیں
داڑ و ترے کاٹے کا کیا اے مار تکذیب و ریا
اے کاش یہ پہچان لیں تیری حقیقت جان لیں
رو رہا ہوں میں وطن سے دور فرط ورد سے
بہہ رہا ہے آنسوؤں میں نور یوں سمٹا ہوا
آہ بھرتے وقت جیسے فرقت محبوب میں
قلب کھنچتا آ رہا ہو سانس میں لپٹا ہوا

بہت دن ہوئے

مرے ہاں بھی تھی محفل کامرانی
ہر اک آرزو تھی مری جاودانی
تھا اس زور پر رقص حسن و جوانی
دو عالم کو میں جانتا تھا کہانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
مچلتا تھا دل حسن کے جھرمٹوں پر
فدا تھی نظر ابر کی کروٹوں پر
کسی کی جبیں کی حسیں سلوٹوں پر
تزلزل میں آتا تھا قصر جوانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
محبت کے لب پر تھا خونی تبسم جہاں
بھر سے تھا دل میں قصد تصادم
تنفس میں تھا آتشیں سا تلاطم تھی
آہوں کے آگے ہر اک آگ پانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

یہ ماضی و مستقبل و حال کے غم مرے ہاں
تھی ان سب کی رفتار مدھم
میں جب لے کے ہاتھوں میں جرات کا پرچم
حوادث پہ کرتا تھا آتش فشانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
یہ غربت کا شکوہ یہ زر کا تفاخر
انہیں دیکھتا تھابچشم تنفّر
ہر اک شب تھی جب بے نیاز تکدّر
ہر اک صبح تھی زندگی کی سہانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
چھلکتا ہوا جام ہمراز تھا
جب دمکتا ہوا چاند ندمساز تھا جب
گناہوں پہ بھر فخر اور ناز تھا
جب عبادات سے تھی بڑی آنا کانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
یہ غربت کا شکوہ یہ زر کا
تفاخر انہیں دیکھتا تھا بچشم تنفّر
ہر اک شب تھی جب بے نیاز تکدّر
ہر اک صبح تھی زندگی کی سہانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

✡✡✡✡

چھلکتا ہوا جام ہمراز بہت
لیکن مری نگاہ سے پردہ نہ کر سکے
گو ہم نے اپنے آپ کو ثاقبؔ مٹا دیا
اس انتہا پہ بھی اُنہیں اپنا نہ کر سکے

✡✡✡✡

ہر غم کو ساز گار کئے جا رہا ہوں میں
یوں دل کو پختہ کار کئے جا رہا ہوں میں
کہہ کر خزاں سے تیری جوانی کی داستاں
ہم پایہء بہار کئے جا رہا ہوں میں
تجدید عہد لطف وفا کر رہے ہیں وہ
اور ان پہ اعتبار کئے جا رہا ہوں میں
ہر شے پہ پڑھ کے پھونک رہا ہوں فسون عشق
ہر شے کو پائدار کئے جا رہا ہوں میں
اس درجہ مضطرب ہوں کہ بن کر حریف حسن
اب ان کو بے قرار کئے جار ہا ہوں میں
ثاقبؔ وفورِ درد نے پاگل بنا دیا
خود کو جو آشکار کئے جار ہا ہوں میں

✡✡✡✡

نگاہوں کو مری تو واقف سرّ نہاں کر دے
مری کم مایگی کو بے نیاز دو جہاں کر دے
وبال جان ہوتے جا رہے ہیں حسرت و ارماں

حیات چند روزہ کو حیات جاوداں کر دے
سرِ محفل میں ان سے بے تکلف ہو کے ملتا ہوں
کہ میری احتیاط اُن کو نہ مجھ سے بدگماں کر دے
شباب اُس حسن زا برسات کو کہتے ہیں اے ثاقبؔ
جو برسے جس زمیں پر اُس کو رشک گلستاں کر دے

تقاضے

مجھ پر آوازے نہ کس میرا تمسخر مت اُڑا
میرے استغنا سے خم ہے گردن حرص و ہوا

صبح دیانت

مسکرا اے دل ارادوں میں حرارت آگئی
کلفتوں میں شادمانی کی حلاوت آگئی
ظلمت تخیل میں تابانیاں لہرا اُٹھیں
فکر کے دامن میں تنویر صداقت آگئی
رفتہ رفتہ تیرگی کی چلمنیں اُٹھنے لگیں
تیرہ بختوں کی جبینوں پر صباحت آگئی
بزم اعدا میں سو انیزے پہ اُترا آفتاب
اہل شر محسوس کرتے ہیں قیامت آگئی
ثبت ہے ماتھے پہ ہر تاریک باطن کا مآل
بے نوا اخلاص کے رُخ پر بشاشت آگئی
پھر دلوں میں حوصلے انگڑائیاں لینے لگے
منزلوں کے دوش پر روح شجاعت آگئی
کون عارض سے نقاب ناز سر کانے لگا
مژدہ اے اہل وطن صبح دیانت آگئی
زندہ باد اے صاحب عزم و عمل پائندہ باد
آپ آئے زندگانی کی بشارت آگئی

بے عنوان

کون یہ دھیمے سروں میں راگنی گانے لگا
میرے تپتے ذہن پر ریشم سا پھیلانے لگا
دوڑ اُٹھی رندوں کی شریانوں میں روح بیخودی
وجد میں آکر جو ساقی جام لہرانے لگا
پھر بکھر جانے کو ہے شیرازہ ؟ بزم خرد
پھر جنوں تزئین مے خانہ پہ اترانے لگا
عشق کی نس نس میں بس کر رہ گیا کیف جمیل
کون کانٹوں میں گلوں کی روح دوڑانے لگا
کس کی خوشبو بس گئی جلوہ نہ جلوہ ضو بہ ضو
وقت شہنائی پہ کس کیز مزے گانے لگا
اُٹھ رہے ہیں ذہن کے تاریک گوشوں سے نقاب
فکر ذوق شعریت کو شمع دکھلانے لگا
کس کی آمد ہے سر بزم وقار حسن و عشق
پرچم ایمان حسن و عشق لہرانے لگا
چشم و دل ہیں پھر رہین اہتمام ربط و ضبط

کون یہ افسانۂ ماضی کو دہرانے لگا
کس کی لے رقصاں ہے ثاقب زندگی کے ساز پر
میرے دل کا ذرّہ ذرّہ جھومنے گانے لگا

ہم

ہوکر بلند قید زماں و مکاں سے ہم
ہنس ہنس کے کھیلتے ہیں بہار و خزاں سے ہم
اے چرخ پیر تیری نوازش کا شکریہ
مانوس ہوگئے الم جاوداں سے ہم
مہتاب کو نصیب نہ تاروں میں وہ جمال
لائے ہیں جو جبیں میں ترے آستاں سے ہم
ہے کارواں ہمارے عزائم کا معترف
گو دور رہ گئے ہیں بہت کارواں سے ہم
ہے کیا مزے کی بات کہ باوصف مفلسی
ہیں بے نیاز دولت کون و مکاں سے ہم
کامل یقین ہے کہ لہو دے رواں رواں
اسرار گلستاں جو کہیں باغباں سے ہم
اک پل گذار کر ترے پہلو میں اے حبیب
ہیں بے نیاز زندگی جاوداں سے ہم
آئیں جنہیں ہے راز مسرت کی جستجو
پردے اُٹھا رہے ہیں غم دو جہاں سے ہم

کیف سحر

جا رہا تھا سیر کو میں صبح گلشن کی طرف
روشنی تھی شرق کے گل رنگ مسکن کی طرف
نرم و نازک ٹہنیوں پر بلبلوں کا چہچہا
آرہی تھی عطر میں بھیگی ہوئی ٹھنڈی ہوا
زرفشاں کرنیں تھیں شبنم کی جبیں پر جلوہ کار
پھر رہی تھی کھیلتی معصوم کلیوں سے بہار
باغ میں ہر شاخ گل کے ہاتھ میں پیمانہ تھا
پتے پتے کی زباں پر حسن کا افسانہ تھا
زمزمے سب وقف تھے منقار بلبل کے لئے
سرخیاں تھیں سربسر پیراہن گل کے لئے
روح پر اک کیفیت طاری تھی دل بے تاب تھا
اوس کی جو بوند تھی اک گوہر نایاب تھا
جارہے تھے مست دہقاں راگنی گاتے ہوئے
کھیت کی ترشی ہوئی راہوں پہ بل کھاتے ہوئے
مسکراتی تھی زمیں اور آسماں حیران تھا
اوس میں بھیگی ہوئی مٹی کو اطمینان تھا
پرچم زر مہر عالم تاب لہراتا ہوا
بام پر آیا حدیث نور فرماتا ہوا
مسکرائے پھول کلیاں گفتگو کرنے لگیں
اوس کی پریاں سوئے گردوں قدم دھرنے لگیں

نور تاریکی کے پیچھے دوڑتا پھرنے لگا

✿✿✿✿

سبز پتوں کا پسینہ خاک پر گرنے لگا شوخ کرنیں
شوخ کرنیں راستوں کی خاک پر جھکنے لگیں
نرم و نازک پتیوں کی گردنیں اُٹھنے لگیں
لے کے آئے سرد جھونکے ہاتھ میں جام گلاب
جاگ اُٹھا کاروبار زندگی کا پیچ و تاب
رفتہ فتہ آگئی تیزی رُخ خورشید میں
ہوگیا مصروف سینہ درد کی تجدید میں
رات کے دل کا سکوں محفل میں دن کی کھوگیا
عشق کی حیرت کا افسانہ مکمل ہوگیا

راتوں کے ڈھیر

(ایک کوہستانی رزم گاہ آزاد کشمیر کو چاندنی میں نہایا ہوا دیکھ کر)

خم چڑھائے جا رہا ہوں بادۂ مہتاب کے
پھر بھی روح شعریت ممکن نہیں ہو جائے سیر
لوٹ ہی لیں گے دل ثاقبؔ کا صبر و عافیت
یہ شب پُر نور یہ سمٹی ہوئی راتوں کے ڈھیر

وقت التجا

(اپنی ایک منہ بولی بہن کی شادی پر)

کیا سبب ہے کیوں کلی دل کی ہے مرجھائی ہوئی
پھول سے چہرے پہ ہے کیوں بے کسی چھائی ہوئی
کس تخیل نے تجھے بخشا ہے یہ حزن وملال
کس تفکر نے تبسم کو کیا ہے پائمال
کل تری شادی ہے ہاں معلوم ہے
کیا یہی باعث ہے تو کل شام سے مغموم ہے
یہ بجا ہے اجنبی دنیا میں تو کل جائے گی
اور برسوں یاد ''امیؔ'' کی تجھے تڑپائے گی
جس جگہ کا ذرّہ ذرّہ تجھ سے نامانوس ہے
جس سے لرزاں آج تیرے ذہن کا فانوس ہے
ساتھنیں تیری یہ تجھ سے دور تر ہوجائیں گی
جستجو میں ان کی تیری حسرتیں کھوجائیں گی
لیکن اے عصمت کی پتلی اس کا غم بے سود ہے
تیری آسائش کا ہر ساماں وہاں موجود ہے
دیکھ یہ پیغمبروں کا فیصلہ بے جا نہیں
عمر بھر دو شیزگی کا جوش رک سکتا نہیں
نا خدایان تمدن عقل سے عاری نہیں
مذہبی افراد پر دیوانگی طاری نہیں
اس جدائی میں ہے پوشیدہ جہاں کا اتحاد
روح و تن کی شادمانی جسم و جاں کا اتحاد
اس جدائی ہی سے وابستہ ہے قوموں کی فلاح

سینکڑوں خوش بختیوں کی ہے بنا رسم نکاح
حسرت تخلیق اک دن روح کو گرمائے گی
وہ بھی دن آئے گا جب تو والدہ کہلائے گی
کیا عجب ہے بطن سے پیدا ہوں تیرے صف شکن
جن کی اک دنیا کہے جان وطن روح چمن
جن کی رگ رگ میں وفا و حرّیت کا جوش ہو
موت بھی جن کے جلو میں زندگی بردوش ہو
جن کی صورت سے نمایاں ہو جلال قیصری
جن کی سیرت ہو سراپا اُسوہ ء پیغمبری
اس الم کو ترک کر دے اور دعا کو ہاتھ اُٹھا
عاجزی سے کہہ کہ مستقبل کا حامی ہو خدا
رونے دھونے کا نہیں یہ التجا کا وقت ہے
صدق دل سے عاجزی کر لے دعا کا وقت ہے

وطن

14 اگست 1947ء کی یاد میں

ہو باغباں کو مبارک شباب سرو وسمن
کہ ہو رہا ہے شگفتہ خزاں رسیدہ چمن
زمانہ آج ہے رقصاں بہشت درد امن
مگر نہاں نگہ عیش سے ہے دور محن
کئی کروڑ نگاہوں کے انتظار کے بعد
اُفق سے موت کے پھوٹی ہے زندگی کی کرن
لہو میں ڈوب کے پہنچے ہیں جو کنارے تک
وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کس قدر ہے کٹھن
سلام تم پہ شہیدان عرصہء تقسیم
کہ جان دے کے بچالی ہے آبروئے وطن
بجھی نہیں ہے ابھی تشنگی زمینوں کی
ابھی فضاؤں میں برپا ہے شور دار و رسن
دلوں کے زخم ابھی دے رہے ہیں گرم لہو
ابھی ہیں تازہ شہیدوں کے گلفروش کفن
پھر ایک بار وہی آتش جگرا افروز
وہ جس سے کھول اُٹھی تھی فضائے گنگ وجمن
پھر ایک بار نگاہوں سے بجلیاں برسیں
پھر ایک بار اُٹھیں نعرہ ہائے کفر شکن
مجاہدوں کے لئے امتیاز کیا ثاقبؔ
ٹھہر گیا یہ جہاں قافلہ وہیں ہے وطن

ہم لوگ

قتیل کشمکش روزگار ہیں ہم لوگ
فریب خوردۂ لیل و نہار ہیں ہم لوگ
زہے کرم تو مائل بہ التفات نہیں
زہے نصیب، ترے بیقرار ہیں ہم لوگ
ہمیں ہیں وہ جنہیں ازبر ہے سرگذشت چمن
اداشناس خزاں و بہار ہیں ہم لوگ

قدم قدم پہ ہیں مجبوریوں کے ہنگامے
خدا گواہ کہ بے اختیار ہیں ہم لوگ
ملی ہے جن کے لہو کو حرارت خورشید
وہی پیمبر برق و شرار ہیں ہم لوگ
نسیم صبح چمن تک ہی رکھ نشاط اپنا
ہمیں نہ چھیڑ بڑے سوگوار ہیں ہم لوگ
ہمارے دل نے فریب سکوں نہیں کھایا
سمجھ کے سوچ کے سیماب وار ہیں ہم لوگ
نشیب پر نہیں اپنی بلندیوں کی اساس
ازل کے دن ہی سے گردوں وقار ہیں ہم لوگ
نہ اعتبار وفا ہے نہ اعتماد جفا
یہ کس نگاہ میں بے اعتبار ہیں ہم لوگ
ملائیں ہم سے نظر مہر و ماہ کیا ثاقبؔ
کہ اُس جمال کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

بنام اُونام۔۔۔۔

خواب میں کل تم جو مل مل کے جدا ہوتے رہے
امتحان ضبط آہ نارسا ہوتے رہے
اشک غم بہتے رہے جب تک رہے تم رو برو
اور زباں کے فرض آنکھوں سے ادا ہوتے رہے
ہائے جلوے جو تمہارے حسن سے معمور تھے
آہ وہ لمحے جو محروم ضیاء ہوتے رہے
ہر نظر بے گانگی کے راز سمجھاتی رہی
ہر قدم پر عبرتوں کے باب وا ہوتے رہے
جس قدر کھلتا گیا خوش اعتقادی کا بھرم
رفتہ رفتہ آشنا ناآشنا ہوتے رہے
اللہ اللہ عہد و پیمان محبت کا مآل
نغمہ ہائے عیش پیغام قضا ہوتے رہے
جو تمہارے پاؤں پر رکھا تو سر تھا عرش پر
یوں بھی ہم آغوش یہ ارض و سما ہوتے رہے
بھول کر بھیجا نہ او ظالم کسی خط کا جواب
روز محشر بزم ثاقبؔ میں بپا ہوتے رہے

✿✿✿✿

تمہاری بزم تلطف کو کون بھول سکے
جہاں دلوں کو سکون وقرار ملتا ہے
یہیں کہیں انہی زلفوں کی چھاؤں میں لیکن
نگاہ ہوش کو درس فرار ملتا ہے

جہاں میں ہوں

وفائے اہل دل سر در گریباں ہے جہاں میں ہوں
خلوص مصلحت آمیز ارزاں ہیجہاں میں ہوں
وبال ہوش میں عشق و حدیث عشق کے معنی
مشیت نیم ظاہر نیم پنہاں ہے جہاں میں ہوں

شب تاریک کی حسرت زدہ ذہنی کشاکش کو
میسر کب نوید صبح تاباں ہیچہاں میں ہوں
محبت کا کلیں بکھرائے رہتی تھی کہاں وہ دن
دردیوار پر اب یاس خنداں ہے جہاں میں ہوں
طمانچے پڑ رہے ہیں پے بہ پے روئے اخوّت پر
خدا کا خوف رہن طاق نسیاں ہے جہاں میں ہوں
یہاں تو چاک ہوتے ہیں گریباں اصطلاح پر
فریب زیست پر خود زیست حیراں ہیچہاں میں ہوں
قسم ان صبر و ہمت کے سبک رفتار لمحوں کی
عروس عظمت دل چاک داماں ہے جہاں میں ہوں
عزائم پر ہیں ایسی یورشیں بے اعتمادی کی
یقین زندگانی تک گریزاں ہے جہاں میں ہوں
تکلف برطرف یہ دیکھ کر دل بیٹھا جاتا ہے
حقیقت گم و تصنّع ہی نمایاں ہے جہاں میں ہوں

✡✡✡✡

یہ کس کی زندگی افروز سن رہا ہوں صدا
مجھیعدم پہ گمان وجود ہونے لگا
مجھے عدم پہ گمان وجود ہونے لگا
رباب شعر کے تاروں سے لرزشیں پھوٹیں
حریم دل میں کسی کا درود ہونے لگا

میں کہاں آنکلا

(ایک پیر خانقاہ کی لادینی سرگرمیوں سے
متاثر ہوکر)

شورش زہد بپا ہے میں کہاں آنکلا
ہر طرف مکرو ریا ہے میں کہاں آنکلا
نہ محبت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آنکلا
چشم خود بیں میں نہاں حرص زرو گوہر کی
کذب کے لب پہ دعا ہے میں کہاں آنکلا
راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے میں کہاں آنکلا
دن دہاڑے ہی دکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور حیا ہے میں کہاں آنکلا
یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آنکلا
خندہ زن سفلگی ہے اس کی ہر اک سَلوٹ میں
یہ جو سرسبز قبا ہے میں کہاں آنکلا
دلنوازی کے پھریروں کی ہواؤں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے میں کہاں آنکلا
عجز سے کھلتی سمٹی ہوئی باچھوں پہ نہ جا

ان کے سینوں میں دغا ہے میں کہاں آنکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے میں کہاں آنکلا
قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے میں کہاں آنکلا
الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوف خدا
چوکڑی بھول گیا ہے میں کہاں آنکلا

مزارنور جہاں

شام کے آثار سے تھا چرخ پر ہلکا غبار
نور کا زرکار دامن ہو چکا تھا تار تار
تھا اُفق پر دور گہری سرخیوں کا اژدھام
کہہ رہا تھا فاتح مغرب کا دیکھو انتقام
اب در تنویر پر کوئی جبیں جھکتی نہیں
سلطنت میں میری سورج کی کرن رکتی نہیں
آرہا تھا سیر سے میں زیر لب گاتا ہوا
ہلکی ہلکی راگنی سے وجد میں آتا ہوا
راہ میں نور جہاں کا جب نظر آیا مزار
دیکھ کر اک ہوک سی اُٹھی جگر میں بار بار
خستہ دیواروں کی حالت اور منڈیریں سوگوار
گاہ شاداں گاہ ہوتی تھی تمنا بے قرار
جابجا پھیلے ہوئے تھے صحن میں تنکوں کے ڈھیر
دل نے دی آواز ثاقبؔ یہ ہیں سب قسمت کے پھیر

۞۞۞۞

یہ وہی نور جہاں ہے جو بصد رعب و جلال
منصفی کے آئینہ میں دیکھ سکتی تھی نہ بال
یہ وہی نور جہاں ہے جو بہ شان احتشام
تھامتی تھی اپنے ہاتھوں سے زمانے کی زمام
ہاں اسی نور جہاں کی دھوم تھی افلاک پر
سو رہی ہے آج جو مجبور فرش خاک پر
یہ نظام دہر یکساں حال پر رہتا نہیں
ایک رُخ پر وقت کا دریا کبھی بہتا نہیں

جذب وفا

(ایک متموّل دوست کے مکتوب کے جواب میں)

اک فقیر رھگذر ہوں اک گدائے بے نوا
ہے نظر لیکن مری فردوسیوں کی آشنا
میری آنکھوں میں ہے وہ نور محبت جلوہ ریز
جس کے آگے ماند ہے تابانی بغض وریا
روح اس سوز و گداز عشق سے ہے مضطرب
جس سے لرزاں اورترساں ہے دل ارض وسما
مسکراتا ہی نظر آیا وفور یاس میں
میرے سینے میں نہاں ہے وہ دل رنگیں نوا

میری آہوں کی رسائی تک کہاں تیرا دماغ
جس پہ تونے ڈال رکھی ہے تموّل کی ردا
ہوں وہ رند خود شناس و مست صہبائے ازل
جس کے نعروں سے درد تقدیس ہوجاتا ہے وا
دے نہیں سکتی میری غیرت کو ناداری شکست
آستان غیر پر جھکنا نہیں مجھ کو روا
جتنا جی چاہے کچو کے دے دل بے تاب کو
زخم شمشیر ستم کھا کر کہے گا مرحبا
میرے ظاہر سے مرے باطن کا اندازہ نہ کر
آنکھ ہے میری حسیں اور دل ہے معمور ضیا
مجھ پہ آوازے نہ کس میرا تمسخر مت اُڑا
میرے استغناء سے خم ہے گردن حرص و ہوا
ہو سکے تو دل سے اس جذب وفا کی قدر کر
میرے درس صدق و تسلیم و رضا کی قدر کر

یاددہانی

(یوم آزادی کی شب ایک محفل رقص وسرور دیکھ کر)

مسرّتوں کے ساتھیو تمازتوں کے دوستو
ہجوم درد چھٹ گیا الم کا رنگ کٹ گیا
ہے کائنات نغمہ زن ہوا ہوئے غم و محن
بکھر گئی نئی پہ بھبن جبل جبل و من ومن
ہے اک عجیب بانکپن روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جام لو عنان زیست تھام لو
شفق کا رنگ چھا گیا پیام شام آگیا
سنبھلی رہی ہے تیرگی مچل رہی ہے چاندنی
یہ حسن و سحر دلبری بہک چلی ہے زندگی
یہ شب فسون بے خطا یہ نکہتوں کا سلسلا
جو ان دو دھیا فضا یہ زمزموں کا رَت جگا

✡✡✡✡

انہیں جو دیکھ پائے گا
نہ کیوں پیئے پلائے گا
لوئے بہ جام آگئی وہ لالہ فام آگئی
جنوں پیام آگئی برائے عام آگئی
ابھی تو عام ہے پیو خرد غلام ہے پیو
وہ بے حساب عصمتیں وہ بے مثال برکتیں
جو دن دہاڑے لُٹ گئیں تمہیں جو یاد تک نہیں
یہ اُن کا خون ہے پیو پیو۔۔۔۔پلاو اور جیو
خدا نہ دے وہ بے ضمیر کہ جن سے قوم ہو حقیر
فقط امیر بن امیر سرود و رقص کے اسیر
مگر یہ تابہ کے چلن رہو گے کب تلک مگن
ہمیں وہ شیر چاہیئں عدو پہ جو جھپٹ سکیں
ہجوم غم میں مسکرائیں اجل پہ قہقہے لگائیں

یہ فاقہ مست و خستہ حال نحیف برق کی مثال
نہ ان کے فقر کو جھنجھوڑ نہ یوں کلائیاں مروڑ
اُمڈ پڑیں جو آندھیاں کڑک اُٹھیں جو بجلیاں
اگر یہ آگ اُبل پڑی اگر یہ بھوک جاگ اُٹھی
تو زلزلہ سا آئے گا تو عرش کانپ جائے گا
تو پھر یہ جنگ زرگری یہ مکر وفن کی رہبری
یہ اہتمام مے کشی یہ تاجرانہ دوستی
یہ سب بنیں گی ساقی نہنگ وقت کی غذا

وفا

آنسوؤں سے تربتر تکیے سے جو گردن اُٹھی
لڑکھڑا اُٹھا کھلی آنکھوں کا ذوق انتظار
کون سمجھائے اسے سود و زیان زندگی
آج کل تو لوگ کرتے ہیں وفا کا کاروبار

تفاوت

بھلاؤں کس طرح تو ہی بتا میں اُس مسرت کی ساعتوں کو
ترے تلطّف نے جب پیام دوام بھیجا تھا راحتوں کو

☆

کہاں وہ دن جب دماغ اُلفت میں بوئے عنبر بسی ہوئی تھی
نسیم راحت تھی نشہّ افشاں لبوں پہ کلیوں کے بھی ہنسی تھی
قدم قدم پر حیات نوتھی الم کے دھارے رُکے ہوئے تھے
رخ وفا پر بشاشتیں تھیں جفا کے پرچم جھکے ہوئے تھے
فروغ معصومیت سے عشق و وفا کے چہرے پہ نور سا تھا
نظر کی وادی کا ذرّہ ذرّہ حریف انوار طور سا تھا
کہاں یہ کرب آفریں تفاوت جھکی ہوئی ہے نگاہ میری
بدل چکی ہے فراق دائم میں اُلفت بے گناہ میری
میں اُس جگہ ہوں جہاں کسی میں بھی جوہر آب وگل نہیں ہے
جفا پرستوں کے تنگ سینوں میں سنگ پارے ہیں دل نہیں ہے
نگاہ بدتاک میں لگی ہے تری محبت کا درد چھینے
ذرا جو غفلت میں آنکھ جھپکوں تو لے اُڑے یاد کے نگینے
مرے خیابان آرزو پر جفا سرشتوں کا ہے تسلط
یہ ساز جرأت کے آتش زمزموں کا سیلاب روکتے ہیں
یہ شوق بے تاب کچھنوں زاجواں ارادوں کو ٹوکتے ہیں
یہ پستیوں کے مکین اوج غم محبت سے بے خبر ہیں
خُلوص نیت کی ضو سے عاری وفا کی فطرت سے بے خبر ہیں
غرض عجب جانکنی کا عالم ہے یاس ہر سمت چھا رہی ہے
دل ونظر کا جہاں ہے ویراں زبان پر مہر سی لگی ہے

آجا

تیری فرقت میں دل زار تپاں ہے آجا
زندگانی پہ جہنم کا گماں ہے آجا
ان برستی ہوئی آنکھوں کا بھرم رہ جائے
اے سکون دل خونبار کہاں ہے آجا

آرزوؤں کے مساموں سے لہو رستا ہے
کس قدر درپئے آزار جہاں ہے آجا
اے مری روح کے تپتے ہوئے صحرا کی بہار
اب تو نغموں پہ بھی شیون کا گماں ہے آجا
دیکھ مرجھا چلیں اُمید کی نورس کلیاں
گھات میں میری بہاروں کے خزاں ہے آجا
کیا تماشا ہے کہ ہنگام ظہور مہ عید
چشم ثاقبؔ تری جانب نگراں ہے آجا

اس موڑ کے آگے منزل ہے

بے خوف گزر اس خوف وخطر کی وادی سے لہراتا جا
مرعوب نہ ہو اس جنگ وجنوں کے میداں سے اتراتا جا
موجوں کے تھپیڑے سہہ سہہ کر طوفاں کے مقابل آتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
مایوس نگاہوں سے اکثر اک آنچ نکلتی رہتی ہے
اک شے ہے جو ہر دم سینوں میں کروٹ سی بدلتی ہے
چہرے سے عروس ہستی کے آنچل کو ذرا سرکا تا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
یہ مکر و ریا، یہ ظلم وستم، ہر گام پہ رستہ روکیں گے
اللہ سے لے کر بندوں تک کے نام پہ تجھ کو ٹوکیں گے
ان حرص کی گندی لاشوں سے بچتا، کھنچتا، کتراتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
وہ دیکھ تمازت ماند ہوئی غیرت کے بلند ایوانوں کی
دولت کے تقدس نے دے دی رشوت کو جلا نذرانوں کی
ماحول کی نیت ٹھیک نہیں ماحول سے بھی ٹکراتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
عصمت کی تجارت ہوتی ہے تہذیب کے قحبہ خانوں میں
ناموس کے سودے چکتے ہیں تقدیس کے بادہ خانوں میں
تقدیس کے بادہ خانوں کی بنیادوں کو لرزاتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
اخلاص کی سادہ راہوں میں کب تک تجھے رہبر لوٹیں گے
تا چند فریب جلوہ گری آخر یہ ستارے ٹوٹیں گے
ذرّوں کو ضیائیں دیتا جا تا روں کے مقابل لاتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا
لے مجھ سے یقیں اس گلشن میں پھر باد بہاری آئے گی
پُر نور سویرا پھوٹے گا کرنوں کی سواری آئے گی
کچھ اور ذرا تاریکی ی میں گرتا پڑتا بل کھاتا جا
اس موڑ کے آگے منزل ہے بیباک ترانے گاتا جا

✡✡✡✡

دیار روح پہ تاریکیوں کی یورش ہے
تمازت غم اُلفت کا حال کیسا ہوگا
جھکی تھی جس پہ جبیں جب وہ آستاں ہی نہیں
سجود عظمت دل کا مآل کیسا ہوگا

عالم بے عمل

(ایک جلسہ سیرۃ النبیؐ میں ایک بانکے مولوی کی غیر مومنانہ حرکات دیکھ کر

اے عالم دین متیں
اے ہادی ء راہ یقیں
اے کان علم معرفت
اے منبع انسانیت
اے عابدوں کے رہنما
اے عاصیوں کے ناخدا
اے صاحب جاہ و چشم
اے حسن و تقدیر اُمم
تیرا تبسم خوب ہے
طرز تکلم خوب ہے
ہے خوب منبر پر پھبن
یہ علمانہ بانکپن
تسبیح در بند عبا
ہے دل نشین و دلربا
چو خانے رومالوں پہ بال
لاتے ہیں رندوں کو بھی حال
لیکن نگاہوں میں نہاں
کیوں ہیں ریا کی بجلیاں
کیوں نطق بے تاثیر ہے
بے ربط سی تقریر ہے
ہاں کیا ہوئی نورانیت
وہ عابدانہ تمکنت
اشک پیازی کیا ہوا
سوز حجازی کیا ہوا
ہو ذکر خیر الانبیاؐ
اور بزم ایسی بے مزا
یہ وجد میں آئے نہیں
یہ لوگ غش کھائے نہیں
آ تجھ کو بتلاؤں میں راز
یہ واردات سوز و ساز
کیوں خوں میں وہ کھولن نہیں
کیوں سم ہوا وہ انگبیں
عالم ہے جب تک باعمل
تابع ہیں اقوام و ملل
جب یہ نشہ جاتا رہا
سارا مزہ جاتا رہا
اُس دور پر ڈال اک نظر
جب عشق تھا معراج پر

جب دل برائے نام تھا اس عالمانہ بھیس میں
شوق شہادت عام تھا لیتے ہیں اژ در کروٹیں
مرد مجاہد کی نظر دارُ و ترے کاٹے کا کیا
جب چیر دیتی تھی سپر اے مار تکذیب و ریا

۞۞۞۞

اے کاش یہ پہچان لیں
تیری حقیقت جان لیں

۞۞۞۞

جب گردش شام و سحر
رکھتی تھی پاؤں پھونک کر
رک رک کے جب چلتی رہی
روح الامیں کی نبض بھی
اک وہ تھے اور اک تو ہے
آج پابند و بیمار رواج
یہ ڈھونگ آخر تابہ کے
تیری حمیت سرد ہے
یہ جہل کے مارے سبھی
یہ زندہ جاگیریں تری
جن پر ہے اب چشم کرم
چشم کرم چشم ستم
ان کو جہنم میں نہ ڈال
اے بے وقار و بے کمال
ڈاکو ہے تو ایمان کا
رہزن ہے اطمینان کا

رو رہا ہوں میں وطن سے دور فرط ورد سے
بہہ رہا ہے آنسوؤں میں نور یوں سمٹا ہوا
آہ بھرتے وقت جیسے فرقت محبوب میں
قلب کھنچتا آ رہا ہو سانس میں لپٹا ہوا

بہت دن ہوئے

مرے ہاں بھی تھی محفل کامرانی
ہر اک آرزو تھی مری جاودانی
تھا اس زور پر رقص حسن و جوانی
دو عالم کو میں جانتا تھا کہانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
مچلتا تھا دل حسن کے جھرمٹوں پر
فدا تھی نظر ابر کی کروٹوں پر
کسی کی جبیں کی حسیں سلوٹوں پر
تزلزل میں آتا تھا قصر جوانی

بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
محبت کے لب پر تھا خونی تبسم
جہاں بھر سے تھا دل میں قصد تصادم
تنفس میں تھا آتشیں سا تلاطم
تھی آہوں کے آگے ہر اک آگ پانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
یہ ماضی و مستقبل و حال کے غم
مرے ہاں تھی ان سب کی رفتار مدھم
میں جب لے کے ہاتھوں میں جرأت کا پرچم
حوادث پہ کرتا تھا آتش فشانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
یہ غربت کا شکوہ یہ زر کا تفاخر
انہیں دیکھتا تھا بچشم تنفّر
ہر اک شب تھی جب بے نیاز تکدّر
ہر اک صبح تھی زندگی کی سہانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
چھلکتا ہوا جام ہمراز تھا جب
دمکتا ہوا چاند ندمساز تھا جب
گناہوں پہ بھر فخر اور ناز تھا جب
عبادات سے تھی بڑی آنا کانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی
وہ منظور ہر روز تازہ جفائیں
یونہی روز تکنا وہ آئیں نہ آئیں
جھڑکنے پہ بھی قہقہوں کی صدائیں
غموں میں بھی تھی ہمت شادمانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

رجز

ثبات زندگی ہم ہیں حیات جاوداں ہم ہیں
ہمیں کیا وقت روکے گا کہ اک سیل رواں ہم ہیں
وطن کا ذرہ ذرہ دیدہ و دل کی امانت ہے
وطن کے اور ناموس وطن کے پاسباں ہم ہیں
ہمیں میں آ کے گم ہوتے ہیں زعم خام کے جلوے
سرراہ جسارت کارواں در کارواں ہم ہیں
جدھر سے ہم گذر جائیں بہاریں مسکرا اُٹھیں
صداقت کا مچلتا جھومتا ابر رواں ہم ہیں
ہماری ہی ندا تھی جو سر گنگ و جمن گونجی
جو ہر جانب کبھی لہرا گیا تھا وہ نشاں ہم ہیں
زمانے کی ہوا نے آزمایا بارہا ہم کو
خس وخاشاک باطل کے لئے چنگاریاں ہم ہیں
ہمارے دم سے ہے گرمئ ہنگامہ ہستی
کہیں سے چھیڑیئے گا داستاں درد استاں ہم ہیں

سبک ساران ساحل ہم سے کیا آنکھیں ملائیں گے
جہاں خود غرق ہوں طوفاں وہ بجز بیکراں ہم ہیں
بالآخر مضطرب آنکھیں ہماری سمت اُٹھیں گی
کہ ہر آزردہ غم کے لئے دار الاماں ہم ہیں
اگر ہم بزم سے اُٹھے تو پھر کیا بزم آرائی
کہ پروانہ صفت ہر بزم کے روح وراں ہم ہیں
زمانہ زندگی پائے گا ثاقبؔ جس کی آنچوں سے
وہ سوز مستقل وہ اضطراب جاوداں ہم ہیں

بربطؔ کے نظّارے

(آزاد کشمیر میں بربط نامی ایک رزم گاہ پر فرقان فورس کے مجاہدوں کی جاں سپار جولانیوں اور وادی کی شادابرعنائیوں سے متاثر ہو کر) ثاقبؔ

اک طرفہ خوشی چھن جانے پر بے تاب ہے دل رنجور ہوں میں
گو حسن کے طوفاں خواب ہوئے اک پاک نشہ میں چور ہوں میں
دیکھا ہے جو دل کی آنکھوں سے کہنے کے لئے مجبور ہوں میں
بربطؔ کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
خوابیدہ نظاروں کے چہرے صہبائے ضیا سے دھلتے ہوئے
شبنم کے لرزتے موتی بھی کانٹوں میں گلوں کے تلتے ہوئے
ظلمت کی ردائیں اُٹھتی ہوئیں جلووں کے دریچے کھلتے ہوئے
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دُور ہوں میں
وہ رات کے عبرت نامے پر تصدی سحر کا فرمانا
مدہوش فضاؤں میں یکدم آواز اذاں کا لہرانا
اور صبح کپچیّ چپیّ کو چاندی کی قبائیں پہنانا
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
شبنم کے دھلے گلزاروں میں چھن چھن کے ہواؤں کا آنا
بربط کے دمکتے سینے پر برکھا کا وہ موتی برسانا
جھرنوں کے حسیں فوّاروں کی جھل مل میں جنوں کا افسانہ
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
جذبات نمو کا یہ عالم ذرّوں میں دھڑکنے کے ارماں
ہر راہ میں نظمیں بکھری ہوئیں ہر ذرّہ فسانے کا عنواں
ہر موڑ سراپا انگڑائی، ہرگام پہ لغزش کا امکاں
بربط کے نظّارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
جب سانولے کھیتوں کو چھوُ کر رنگین ہوائیں گونجتی ہیں
تاریک خموشی میں یکدم توپوں کی صدائیں گونجتی ہیں
بے باک مجاہد جھومتے ہیں بے باک ندائیں گونجتی ہیں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ ان سے دور ہوں میں
آزاد مجاہد وادی میں جب شب کو طرارے بھرتے ہیں
اور چرخ کے پختہ کار ستارے آنکھ ملاتے ڈرتے ہیں
تکبیر کے نعرے سن سن کر بے موت بھی دشمن مرتے ہیں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کے ان سے دور ہوں میں
کچھ پوچھ نہ ان دیوانوں کی یلغار پہ جب آجاتے ہیں
گردوں پہ کللیلیں کرتے ہیں کہسار سے ٹکر کھاتے ہیں

باطل کو ہزیمت ہوتی ہے دولت کے دھوئیں اُڑ جاتے ہیں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کے ان سے دور ہوں میں ☆

سکائی لائن۔۔۔۔۔ یہ ضیغم

بلوچ رجمنٹ کے اُن آٹھ عسکریوں کے نام جو آٹھ ہزار کے اُس بے خانماں قافلہ کو سرحد پاکستان تک اپنی جانوں پر کھیل کر بحفاظت لائے جس میں راقم الحروف اور اس کا بچا کھچا کنبہ بھی شامل تھا۔ ثاقبؔ

✡✡✡✡

خدنگ عشق کے جوہر دکھا کے چھوڑیں گے
وہ دن قریب ہے تارے فلک کے توڑیں گے
نہ جا تو خاک سے لتھڑی ہوئی جبینوں پر
مشیّتوں کی کلائی یہی مروڑیں گے
یہ گرم سانس کی آنچیں تو صاف کہتی ہیں
شب سیاہ کی پہنائیوں کو توڑیں گے
حجاب غفلت انساں اُٹھا کے یہ ضیغم
نصیب خفتہ ؟ دوراں کو بھی جھنجھوڑیں گے
اُبل پڑیں گے حیاتِ دوام کے چشمے
شرار و سنگ کو اس زور سے نچوڑیں گے
رگوں میں کھولتے خوں کی ندی بتاتی ہے
بلند و سخت چٹانوں کے منہ بھی موڑیں گے
مقدّروں کے نوشتے مٹا کے لوٹیں گے
یہ کامرانی کے ڈنکے بجا کے لوٹیں گے

کچو کے دے اُسی انداز دل رُبائی سے
ابھی حیات کی لہروں میں انتشار نہیں
نظر ملا کہ نظر پر جمود طاری ہے
جنوں جگا کہ مری خاک بے قرار نہیں

ننگ فقر

برسات نے ہر ذرّہ کو بخشی ہے تجلی
موسم نے زمیندار کی کردی ہے تسلی
شاداب نظر آتے ہیں سب کوہ و بیاباں
نغمات کی یلغار ہے ہر سمت پر افشاں
نکھرے سے نظر آتے ہیں بام و در و دیوار
دلہن سی نظر آتی ہے ہر شاخ ثمر دار
گھنگھور گھٹاؤں سے برستا ہے ترنّم
اک ظلم مجسم ہے یہ فطرت کا تبسم
رعنائی عجب شان سے پر تول رہی ہے
دوشیزگی جھولے کی گرہ کھول رہی ہے
ایسے میں مگر حیف کہ درگاہی مجاور
جس فقر سراپا کو مسائل بھی ہیں از بر
وہ دین کا درویش مسلماں بہ تجمل
گفتار فسوں ساز ہے لبریز توکل

جس کو ہے فقط مشغلہ سبّحہ و زُنّار
جو قوم کے ایمان کا بنتا ہے نگہدار
جو رندوں سے برگشتہ ہے واعظ سے ہے مانوس
ہے جس کا اثاثہ فقط اک خرقہء سالوس
قدرت کے عطیہ کی ہے توہین میں کوشاں
اور قلب میں اُمڈے ہیں سیہ کاری کے ارماں
ہاتھوں میں ''تبرک'' ہے نظر اور کہیں ہے
دل اور کہیں ہے تو جگر اور کہیں ہے
کوشش میں ہے دوشیزہء معصوم کو دیکھے
بدنظری سے اُس عفّت معصوم کو دیکھے
مولا ہیں کہاں بجلیاں اس وقت گرادے
اس زہد ریاکار کی ہستی کو مٹا دے

ماہیاء

(پنجاب کے محبوب ہر دل عزیز لوگ گیت ''ماہیا'' کے طرز پر دوستوں کے اصرار پر قلم برداشتہ)

ہم درد کے مارے ہیں اُلفت سے ہمیں دیکھو تقدیر کے مارے ہیں
دولت کی کہانی کیا ڈھلتی ہوئی چھاؤں کیا بہتا ہوا پانی کیا
پیمانے تک آپہنچے گر پڑ کے ترے میکش میخانے تک آپہنچے
تڑپاؤ نہ آجاؤ یہ رات غنیمت تاروں سے نہ شرماؤ
کیوں آنکھ ملا بیٹھے ہم اپنے نشیمن میں خود آگ لگا بیٹھے
مخمور جوانی ہے رعنائی کے پردے میں محشر کی کہانی ہے
کیا وقت سُہانے ہیں تسکین دل وجاں پر نظروں کے نشانے ہیں
اے کاش تم آجاتے بجھتی ہوئی آنکھوں کی شمعوں کو جلا جاتے
گھنگھور گھٹا چھائی افلاک سے پھر میری توبہ کی قضا آئی
وہ سامنے آبیٹھے بولیں یا اُنہیں دیکھیں ہم ہوش گنوا بیٹھے
زُلفوں کو تو لہراؤ رُکتی ہی نہیں ظالم اس شب کو تو ٹھہراو
رورو کے گزاری ہے نظروں کا یہ کہنا ہے بازی کہیں ہادی ہے
پژمردہ سا رہتا ہے ملکر بھی اُنہیں ثاقبؔ افسردہ سا رہتا ہے

✡✡✡✡

اُن حسیں حسرتوں کی بات نہ کر
جن کیرخ پر حیات کی لو تھی
اُن دمکتی شبوں کا ذکر نہ چھیڑ
جن میں ایفا عہد کی ضو تھی

تلقین

(اپنے ایک مہاجر عزیز کو احساس زیاں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر)

پرانے زخم کے ٹانکے نہ توڑو غم بڑھانے کو
ابھی تم کو مصائب کے نئے سانچوں میں ڈھلنا ہے
ابھی سے کیوں ہراساں ہوا ابھی سے چین کیا معنی

ابھی تم کو دہکتی آگ کے شعلوں میں جلنا ہے
تلاش گوشہ ہائے عافیت میں نامرادی ہے
تمہیں تو دشمنوں کی چھاتیوں پر مونگ دلنا ہے
ابھی سے بندھ گئی ہچکی ابھی سے چھٹ گئیں نبضیں
ابھی تو چرخ کج رفتار کے ہمراہ چلنا ہے
پہاڑوں سے تمہیں ٹکرا کے رہنا ہے زمانے میں
تن آسانی کی مہلک آرزوؤں کو کچلنا ہے
تمہارے سامنے ہیں زندگی کے مرحلے لاکھوں
زمانے کو پلٹنا ہے ہوا کا رُخ بدلنا ہے
اگر ہے امن ساحل دور موجوں سے تو ہونے دو
تمہیں بپھرے ہوئے طوفاں کے پہلو میں مچلنا ہے
نئی راہیں، نئی دُشواریاں ہیں پھر بھی چلنا ہے
جنہیں اکسیر بننا ہیا نہیں بھٹّی میں جلنا ہے

✡✡✡✡

دل و نظر کے تقاضوں کی یورشیں توبہ
کہاں کہاں سے میں زنجیر عشق توڑوں گا
حدود ذہن پہ پہرے تو بیٹھ سکتے ہیں
روئیں روئیں سے تمہیں کس طرح نچوڑوں گا

چلا بھی آ

تجھے کیا خبر نہیں زندگی کا کچھ اعتبار چلا بھی آ
مجھے اپنے قلب پہ اب نہیں رہا اختیار چلا بھی آ
کف ناز پر لئے جام بادۂ خوشگوار چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ
جو ترے حضور گذر گئیں وہی ساعتیں تو تھیں ساعتیں
انہیں ساعتوں ہی کی یاد سے مری زندگی کی لطافتیں
مری زندگی، مری شاعری، مرے شاہکار چلا بھی آ
میں وفورغم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ
مری کائنات حیات کو ہے گریز صبر وسکون سے
مری ہمنشیں ہیں وحشتیں مری زندگی ہے جنون سے
مجھے ایک پل تیری یاد میں نہیں اب قرار چلا بھی آ
میں وفورغم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ
پھر اُسی نگاہ سے ملتجی ہوں کہ جس کے کیف وسرور سے
غم ہجر کے بھی تکلفات کو دیکھتا تھا غرور سے
دل غم نصیب کو دیکھ لے کبھی ایک بار چلا بھی آ
میں وفورغم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ
کچھ عجب ہے رنگ بہار کا رُخ ہر پر ہے نکھار سا
ہے کلی کلی کی زبان پر ترا تذکرہ مرا ماجرا
یہ سماں اور ایسے میں چپ رہے ترا میگسار چلا بھی آ
میں وفورغم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ
تو اگر یہ چاہے شعار شکوہ کو چھوڑ دوں تو یونہی سہی
تو جو چاہتا ہے کہ دل کی آس کو توڑ دوں تو یونہی سہی
مجھے سب خوشی سے قبول ہے مرے ''اعتبار'' چلا بھی آ

میں وفورِغم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ

بھکارن

شفق کی سرخیاں پیغام لائیں شادمانی کے
سجے مغرب میں میخانے نے شراب ارغوانی کے
لگا اُٹھنے دھند لکا ملگجی سی رہگذاروں سے
ہزاروں مستیاں پھیلیں فضا میں لالہ زاروں سے
گھروں کی سمت آئے کھیتیوں سے مست چرواہے
لگے آباد ہونے شہر کے خاموش چوراہے
ضیاؤں کے دریچے تیرگی نے بند کر ڈالے
نگوں تھے خاک پر گلشن میں شرمائے ہوئے لالے
چراغوں کی ضیائیں تیرگی میں جھلملا اُٹھیں

۞۞۞۞

ستاروں کی نگاہیں آسماں پر تلملا اُٹھیں
شفق سے سرخ پانی نے بھی کیں رنگینیاں پیدا
تخیل میں مرے یکدم ہوا طوفان سا برپا
میں اسٹیشن کی جانب چل دیا یوں بے خیالی میں
خودی کے راز تک کھوئے گئے آشفتہ حالی میں
مچلتا گنگناتا میں مسافر خانے جا پہنچا
مری آنکھوں نے اک دلسوز نظّارہ وہاں دیکھا
بلا کا شور تھا ہنگامۂ بے تاب تھا ہر سو
نظر کے سامنے اک مضطرب سا خواب تھا ہر سو

بھکارن کی صدا لیکن وہاں کوئی نہ سنتا تھا
صدائیں جو لگاتی تھی کہ ''پیسہ دیجیئے بابا''
خدا کے نام پر دیجوخدا اُس کا ثمر دے گا
مرادوں سے تمہارا دامن مقصود بھر دے گا
بھکارن سربسر اک رنج کی تصویر تھی گویا
کتاب غربت و افلاس کی تفسیر تھی گویا
نگاہوں میں پریشاں حال ارماں ڈگمگاتے تھے
رُخ رنگیں پہ ابر بے بسی آتے تھے جاتےتھے
کسی کو رحم آتا تھا نہ لیکن اُس کی حالت پر
نظر جمتی نہ تھی اُس کی پریشاں حال صورت پر
صدا بے کیف سی گم ہو رہی تھی جوفضاؤں میں
نوادالا کوئی دلبر بنا نہ بے نواؤں میں
یہ عالم دیکھ کر ثاقبؔ مرے آنسو نکل آئے
جودل میں درد کےطوفاں تھی آنکھوں میں اُبل آئے
خیال آیا کہ میرے ملک کا انجام کیا ہوگا
اگر ناکامیوں کا ہے یہ عالم کام کیا ہوگا
اسی صورت رہے زوروں پہ گر افلاس و ناداری
امیروں کوبھی ہو جائے گی اک دن زندگی بھاری
سر اہل دُوَل پر تیز خنجر جگمگائیں گے
فضائے صاف میں یہ سانس تک لینے نہ پائیں گے
جگادیں گے یہ فاقے ایک دن شورِ بغاوت کو

وہ دن نزدیک ہے یہ بھوک کھا جائے گی دولت کو

✿✿✿✿

سراب کیف کی جاں سوز آتشیں لو سے
حیات عشق کی رعنائیاں پگھلتی رہیں
تری وفاؤں کا انمول روپ ڈھلتا رہا
مرے خمار کی کیفیتیں بدلتی رہیں

بے اولاد سرمایہ دار

اے کہ تجھ کو لوگ کہتے ہیں بڑا سرمایہ دار
منعمانِ وقت میں ہے آج کل تیرا شمار
ہے ترے دم سے ہی تیری کارگاہوں کا نظام
تیرے ایوانوں کے ماتھے پر رقم ہے تیرا نام
تھیٹروں میں عارضی بینکوں میں تجھ سے جان ہے
تیری دولت گاہ کیا ہے سیم وزر کی کان ہے
یہ ترے رنگیں منارے یہ ترے اُونچے محل
ہے ثبوت اس کا کہ تو ہے منعموں میں بے بدل
ہر الیکشن میں کیا جاتا ہے تیرا انتخاب
مانتے ہیں سینکڑوں انسان تیرا رعب و داب
چھپتی ہے تصویر تیری ہر نئے اخبار میں
ہیں فرشتوں کی طرح خادم ترے دربار میں
پھر بھی تو غمگین ہے مغموم ہے رنجور ہے
رُخ پہ شادابی ہے تیرے قلب میں ناسور ہے

جس گھڑی تو سیم و زر کو دیکھ کر ہوتا ہے شاد
ہاں اُسی دم گھر کا منظر بھی تجھے آتا ہے یاد
ہے چراغ صبح کی مانند یہ تیری حیات
تیرے قصر زندگی میں پل رہے ہیں حادثات
نام لے کر بھی ترا کوئی نہ بھیجے گا درود
خاک میں مل جائے گا اک روز سامان وجود
دیکھ اک مزدور کی نادار کی حالت بھی دیکھ
اپنی عظمت پر نظر ڈال اُس کی نکبت کو بھی دیکھ
ڈھانپنے کو تن نہیں دو گز اُسے کپڑا نصیب
دیکھنے جاتے نہیں بیمار بچوں کو طبیب
جب گلے سے لگ کے ہنس پڑتے ہیں اُس کے بے زباں
بھول جاتا ہے وہ سب رنج و محن کی داستاں

✿✿✿✿

ہیں مہیا ہر طرح آرام کے ساماں تجھے
اور عطا فطرت نے کی ہیں سینکڑوں خوشیاں تجھے
تیری قسمت میں نہیں لیکن کوئی گھر کا چراغ
تجھ کو ہے محرومئ اولاد اک سینے کا داغ
تجھ میں اور اُس میں یہ فطرت کی طرف سے فرق ہے
تو تو دولت میں مگن ہے وہ خوشی میں غرق ہے
اُس کو حاصل ہے توکل تجھ کو حاصل ہے فراغ
تیری آنکھیں شادماں ہیں اُس کا دل ہے باغ باغ

کوئی بارش تیرے دل کے داغ دھو سکتی نہیں
کوئی ظلمت اُس کی تابانی کو کھو سکتی نہیں

مادرِ مجاہد

(ایک مجاہد کی محاذ کشمیر کو روانگی کے منظر سے متاثّر ہوکر)

انہی ماؤں کے سانسوں سے وفا کے راگ نکلیں گے
انہی کے گرم آنسو بن کے ٹھنڈی آگ نکلیں گے

مادرِ مجاھد

نہیں بھولا میں اب تک وہ الم انگیز نظارہ
کہ جب بھی یاد آجاتا ہے دل ہوتا ہے صد پارہ
شفق اور ہلکی ہلکی دھوپ تھی جب سبزہ زاروں پر
سنہری شام طاری تھی سراسر کہساروں پر
ہواؤں کی کھنک سے مدھ بھرے نغمے برستے تھے
نظر کے ولولے انوار کے منہ کو ترستے تھے
ہویدا تھے رُخِ تنویر سے نقش پشیمانی
ہر اک منظر پہ تھی ظلمات کی مشق ستم رانی
کسی منظر کیلب پر بھی نہ تھی اب گفتگو دن کی
سکوت شام میں گم ہو چکی تھی ہاؤ ہو دن کی
دھندلکوں، ظلمتوں سے اَٹ رہا تھا فرش نورانی
ترانے گا رہا تھا جُوئبَاروں کا رواں پانی
عجب تھے نور و تاریکی میں کچھ باہم اشارے سے
جہاں تھے گاؤں اب واں تھے فقط دھندلے کنارے سے
عروس تیرگی گیسوئے شب لہرانے والی تھی
تھکے ہارے بیابانوں کو اب نیند آنے والی تھی
چمن زاروں میں اک مرعوب خاموشی سی طاری تھی
سواری آرہی تھی ٹھاٹ سے شہزادی شب کی
ستارے آسمانوں پر پلک جھپکانے والے تھے
بیاباں کے شجر بھی ہانپ کر سوجانے والے تھے
اسی عالم میں میں بھی گنگناتا گاؤں آپہنچا
سحر سے شام تک پیدل سفر کا دھوپ کا مارا
زباں پر شکوۂ ناسازیٔ دور زمانہ تھا
نظر میں وقت کے پہلو بدلنے کا فسانہ تھا
گرا جاتا تھا نظروں سے وقار کو کوشش و محنت
کہ دن بھر جو عرق ریزی کریں اُن کی ہو یہ دُرگت

✿✿✿✿

پسینے کی جگہ جو خوں بہائے اُس کی یہ حالت
جسے دن رات دردِ قوم کھائے اُس کی یہ حالت
مسلماں ہے مگر الطاف یزداں کو ترستا ہے
سرکشت اُمید اوبار کا بادل برستا ہے
مرے مولا میں سنتا تھا تو حامی ہے غریبوں کا
معین افلاس کے ماروں کا ہے اور کم نصیبوں کا

مگر تو جن کا حامی ہو وہ ہر سو ٹھوکریں کھائیں
بتا تو ہی کہ آخر یہ ترے بندے کدھر جائیں
یہ مجھ میں اور دل میں تھی ابھی اک کش مکش جاری
کہ اتنے میں مرے کانوں میں ہچکی کی صدا آئی
معاً جذبات کی دنیا میں ہلچل سی ہوئی پیدا
ہوا احساس کے دریا میں اک طوفان سا پیدا
طبیعت مضمحل سی ہوگئی اک درد سا اُٹھا
میں دل کو ہاتھ سے تھامے ہوئے آخر وہاں پہنچا
جہاں شکوہ تھا غربت کا نہ احساس امیری تھا
دلوں میں شعلہ زن اک جذبۂ آفاق گیری تھا
تجھے اے ہم نفس میں کیا بتاؤں میں نے کیا دیکھا
محبت کی وطن کی آن پر ہوتے فدا دیکھا
غریبی میں دلوں کی شوکت و تاب و تواں دیکھی
جواں بیٹے کو جو قربان کر ڈالے وہ ماں دیکھی
یہ دیکھا اک جواں ''امی'' کے پاس اک تار لایا ہے
جو اُس کے نام اُس کے حاکم لشکر نے بھیجا ہے
جو اس مضمون کا حامل ہے کہ ''اے جنت کے متوالے''
شجاعت اور ایماں کی مقدس گود کے پالے
وطن کے نام پر صرف اس قدر حد سے گزرتا ہوں
ملی تھی جو تجھے رُخصت اُسے منسوخ کرتا ہوں
اُفق سے اُٹھ کے نزدیک آ گئی ہے خوفناک آندھی
عدو نے زعم میں شبخون تسکیں پر کمر باندھی
بہت ممکن ہے ناموس وطن پر حرف آجائے
ہمارے صیقل امن و اماں کو زنگ کھا جائے
ضرورت جس قدر تیری ہے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
یہ تار اُس شدت احساس تک کو سہہ نہیں سکتا

✡✡✡✡

اسے تم حکم جانو، التجا سمجھو، چلے آؤ
وطن کی عظمتوں کا اقتضا سمجھو، چلے آؤ
ستم یہ ہے کہ پرسوں جواں آیا تھا گاؤں میں
ابھی وہ اجنبی تھا صحن کے پیپل کی چھاؤں میں
بلائیں بھی بہن ماں جائے کی لینے نہ پائی تھی
ابھی تک نانی جی بھر کر دعا دینے نہ پائی تھی
ابھی ماں نے وہ جتنا چاہتی تھی منہ نہیں چوما
ابھی شہباز سارے گاؤں تک میں بھی نہیں گھوما
پلا تھا جن کے سائے میں وہ چھپرّ تک نہیں دیکھے
وہ جن پر دل سے مائل تھا وہ منظر تک نہیں دیکھے
ابھی ہے باپ کے مرقد پہ پڑھنا فاتحہ باقی
وہ کیا بتلائے کیا کچھ کر لیا ہے اور رہے کیا باقی
عیاں ویرانیاں دل کی ہیں بہنوں کی نگاہوں سے
نگاہیں جو لپٹ کر رہ گئی تھیں اُس کی راہوں سے
وہ غم سے مضطرب تو ہیں مگر اس کی نہیں قائل
کہ اُن کا پیار ہو جائے وطن کے پیار میں حائل

ہے ماں خاموش غم میں صورت تصویر بیٹھی ہے
لئے ہونٹوں پہ جیسے قسمت کشمیر بیٹھی ہے
بصد ہمت وہ بولی خاک سب ارمان کرتی ہوں
مرے بیٹے تجھے کشمیر پر قربان کرتی ہوں
مرا دل گو ترے جانے کے غم سے پارا پارا ہے
نہ کھل کر رو ہی سکتی ہوں نہ ضبط غم کا یارا ہے
وطن کی آن اک جانب ہے اور دل دوسری جانب
مرا منہ دوسری جانب ہے منزل دوسری جانب
نظر میں تیری دوشیزہ بہن بھی ہے بڑھاپا بھی
غریبی بے بسی بے چارگی اپنا رنڈاپا بھی
زمانے کی ہوس کاری کا ڈر بھی اور نکبت بھی
فلک کی گردش جورو جفا بھی اور فلاکت بھی
مگر خوش ہوں کہ اب تک دولت ایمان باقی ہے
شہنشا ہوں کو جو حاصل نہیں عرفان باقی ہے
ہماری آن پر آیا نہیں ہے کوئی داغ اب تک
دلوں میں عصمت مریم کے ہیں روشن چراغ اب تک

✿✿✿✿

تو پھر اک بارگاؤں میں بہ تُزک و احتشام آئے
وطن کے دشمنوں پر فتح پائے شاد کام آئے
ہمیں جس نے تجھے بخشا تھا وہ تیرا سہارا ہو
وہی تیرا محافظ ہو وہی حامی ہمارا ہو
تجھے وہ فتح ونصرت دے ہمیں صبر وسکوں بخشے
تجھے کیا ہر جواں کو جاں دینے کا جنوں بخشے
خوشی اور غم کے رنگیں آنسوؤں سے یہ فضا ٹوٹی
ادھر جگمگا اُٹھیں مری نور محبت سے
کہ پاکستان قائم ہے انہی ماؤں کی ہمت سے
یہ زندہ ہیں تو پھر باقی ہے ایماں بھی شجاعت بھی
اور ان کے دم سے قائم ہے وطن کی قدر و عزّت بھی
چٹانوں سے بھی ٹکرائیں گے ان کے صف شکن جا کر
اَنی کو چومتے ہوں گے بدن پر برچھیاں کھا کر
صفوں کو کاٹ کر یہ شیر سوئیں گے کچھاروں میں
لہو سے ان کے گل بوٹے اُگیں گے لالہ زاروں میں
نقوش پا سے ان کے زندگی انگڑائیاں لے گی
عدم کے گنبدوں سے انکی خاموشی صدا دے گی
انہی کے ضیغموں کی دھاک ہے اقصائے عالم پر
بجا ہے ان کے شیروں کے قدم چومے فلک جھک کر
انہی ماؤں کے سانسوں سے وفا کے راگ نکلیں گے
انہی کے گرم آنسو بن کے ٹھنڈی آگ نکلیں گے
یہ زندہ ہیں تو پاکستان کی قسمت ہے تابندہ
کمال صفدری قائم جلال حیدریؓ زندہ
یہ مائیں دُشمن اسلام کو نیچا دکھائیں گی
یہی کشمیر کی جنت کو آزادی دلائیں گی

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

رحمۃ العالمین کے نام جن سے محبت میرا سرمایہ حیات ہے

(ثاقب زیروی)

نویدمنزل۔۔ثاقب زیروی

پیش رس

شعرا اور ادیب حضرات کوبھی عجیب وغریب عادات ودیعت ہوتی ہیں کہ حضرت ثاقبؔ زیروی ایک ہفت نامے کے مدیر ادارہ تحریر ہونے کے باوجود ذاتی پبلسٹی کو چنداں پسند نہیں کرتے حالانکہ وہ جماعت احمدیہ کے ایسے مقبول ومحبوب شاعر ہیں جنہیں خدام و انصار کے اجتماعات کے علاوہ 1939 سے 1983 تک جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسوں کے سٹیج پر اپنا کلام سنانے کی سعادت حاصل رہی اور 1974 سے لے کر 1983 تک ان کے منظومات تو وہ فقید المثال قومی سرمایہ ہیں جو مایوس وملول دلوں کے لئے اُمید وتمکنت کا پیغام ثابت ہوئیں۔ ربوہ میں جلسہ سالانہ پر ''حالات حاضرہ'' سے متعلق ان کے اشعار (جنہیں وہ اپنے مخصوص ترنم میں ادا کرتے تھے) سماعت میں گھلتے ہی رُوحوں میں اُتر جاتے تھے اور پھر سارا سال اُنہیں دوہراتے الاپتے اور کسب تمکنت کرتے گزر جاتا تھا۔ مثلاً 1974ء کے جلسہ سالانہ میں جب انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎

میں فدائے دینِ ہدیٰ بھی ہوں
درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گدا بھی ہوں
میری فرد جرم میں درج ہو
میرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی

تو وارفتگان احمدیت کو تمام پابندیوں کے باوجود بات کرنے کا ایک انوکھا حوصلہ افزاء قرینہ ہاتھ لگا۔

جماعتِ احمدیہ کو 1974 میں دو اغراض کے لئے ''ناٹ مسلم'' قرار دینے والا حکمران جب 1977ء میں خدائی تقدیر کی گرفت میں آیا تو میں نے سنا کہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان جو اکثر خرابیٔ صحت کے باعث کار میں بیٹھ کر جلسہ کی تقاریر سنا کرتے تھے پہلے شعر کے بعد ہی کار سے نکل کر سٹیج پر پہنچ گئے۔ یہ کہتے ہوئے ''حمید یہ صرف سننے کی نہیں دیکھنے کی بھی چیز ہے'' ثاقب اس وقت اپنی نظم 'انجام' کا یہ شعر دہرا رہے تھے اور پنڈال نعرہ ہائے تکبیر

پستے ہیں بالآخر وہ اک دن اپنے ہی ستم کی چکی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا، ہامانوں کا

مگر میں نے جب بھی ان کے اس قومی سرمایہ کی اشاعت کے لئے کہا وہ طرح دے گئے۔ حتیٰ کہ انہیں 1996ء کے اوائل میں ''برین ہیمرج'' کا عارضہ لاحق ہوا اور حضرت امام حضرت جماعت احمدیہ اور دردمندان جماعت کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے خالق دو جہاں نے کامیاب آپریشن کے بعد انہیں خارق عادت طور پر شفاء بخشی جس۔۔۔۔ سے ایک بار پھر اپنی گزارش دوہرائی تو اس احساس کے تحت کہ یہ نئی زندگی انہیں صرف خدمت دین کے لئے عطاء ہوئی ہے وہ کسی قدر مائل ہوئے مگر ان کی ''ذاتی پبلسٹی'' سے گریز کی جبلی صفت یا کمزوری قدم قدم پر آڑے آتی رہی اور مجھے ان سے ''نوید منزل'' کا مسودہ حاصل کرنے میں پورے چھ ماہ لگ گئے۔ زیر نظر نوید منزل تین حصوں پر مشتمل ہے۔

اول:۔ وہ منظومات جو شاعر نے 1974 سے 1983 تک جماعت احمدیہ پاکستان کے جلسہ سالانہ کی سٹیج سے پڑھیں اور جنہیں شیدائیان احمدیت نے محبت ورافت بھرے کانوں سے سنا۔

راہگزاروں میں تو ہو سکتی ہے ترمیم مگر

رہرو دیکھنا منزل نہ بدلتے رہنا
یہ بھی تو غنیمت ہے کہ ہر ظلم کی تکمیل
غیروں سے جو ہوتی تھی وہ یاروں سے ہوئی ہے
جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا

نہ بجھاسکیں انہیں آندھیاں جو چراغ ہم نے جلائے تھے
کبھی لو ذرا سی جو کم ہوئی تو لہو سے ہم نے اُبھار دی

مرزاخلیل احمد قمرؔ

حسین یاد

آئی ہے یاد آج پھر اس حق پرست کی
جس نے حریمِ عرشِ بریں کو ہلا دیا
جس نے حیاتِ تازہ کے نغمے الاپ کر
مُردوں کو زندگی کا قرینہ سکھا دیا
صدق و صفا کی شمعیں جلائیں کچھ اسطرح
نور محمدیؐ سے جہاں جگمگا دیا
ڈالی جو خاک پر کبھی مچلی ہوئی نگاہ
ہر ذرہ حقیر کو سونا بنا دیا
اللہ رے اُس جری کے عزائم کی آب و تاب
طوفاں ٹھہر گئے وہ اگر مسکرا دیا
بھر کر دلوں میں ذوق یقیں، ذوق حریت
روندے ہوؤں کو عرش کا تارا بنا دیا
میں اس حسین یاد کو دل میں بساؤں گا
اک لازوال نقش محبت بناؤں گا

ا۔حضرت مسیح موعود

جان نثار دین احمد

یہ تمہید عقیدت بھی ہے تشبیب صداقت بھی
تیرے ہر عزم کو حاصل تھی تائید مشیت بھی
کہاں قسمت میں یہ معراج توفیق وسعادت بھی
کہ تبلیغ ہدایت بھی ہے تجدید ہدایت بھی
فقط عزم وعمل سے فطرتوں کے رخ پلٹ دینا
یہ ایماں کی حرارت بھی ہے ایمان کی کرامت بھی
یہ بزم ناز ہے کسی جاں نثار دین احمد کی
یہاں تو سرنگوں ہے کجکلا ہوں کی رعونت بھی
یہ کس کا نام آیا غیرت توحید کے لب پر
زمانہ گوش بر آواز بھی ہے محو حیرت بھی
تیرے نعروں سے بے دینی کے ایواں ہی نہیں لرزے
اُڑی ہے بےطرح دینی ریا کاروں کی رنگت بھی
یقیناً تھے وہ قسمت کے دھنی تقدیر کے یاور
رہی جن کو میسر تیری صحبت بھی سیادت بھی
خدا کی رحمتیں تجھ پر کہ تجھ سے نوع انساں کو
ملی ایماں کی دولت بھی، بصیرت بھی شجاعت بھی

التجائےغم دیرپا

رازِ بقائے زندگی کیا ہے مجھے بتا بھی دے
جینے کا ولولہ بھی دے جینے کا حوصلہ بھی دے
عرصہ روزگار میں اُلجھا ہوا ہوں ذات سے
اے میرے ہادی ازل مجھکو میرا پتا بھی دے
طور بھی ایک امتحاں دار بھی ایک امتحاں
کب تک مگر یہ سلسلہ جلوہ رخ دکھا بھی دے
محفل ہست و بود ہے کس کے لئے سجی ہوئی
محفلِ ہست و بود کا سر نہاں بتا بھی دے

کاسۂ شوق لے کے تو آیا ہے انکے روبرو
آنکھ سے التجا بھی کر دل سے انہیں صدا بھی دے

سوئی ہوئی ہے زندگی کھوئی ہوئی ہے زندگی
خواب زدہ حیات کو خوابوں سے تو جگا بھی دے

ظلمت غم میں تا بہ کے کوئی رہے یوں مبتلا
تاروں بھری حیات کا رستہ کبھی دکھا بھی دے

بخشش و عفو کا چمن جس سے بہار خیز ہو
مجھ سے گناہ گار کو ایسی کوئی سزا بھی دے

محفل کائنات سے ٹوٹے بھی حلقہ جمود
بربطِ صبح و شام کو نغمہ دل کشا بھی دے

قائم رہے تمام عمر دردِ وفا کا سلسلہ
ثاقب خستہ حال کو وہ غم دیر پا بھی دے

میرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی

یہ بجا کہ راستہ پُر خطر ہے ستم کی رات سیاہ بھی
مگر اہل دل کو ہو فکر کیوں کہ جنوں ہے مشعل راہ بھی

مجھے ناز انکی ہی چاہ پر وہی جن کی ایک نگاہ پر
یہ متاعِ دیدہ و دل تو کیا ہے نثار عزت وجاہ بھی

یہ عجیب طرح کا دور ہے کہ جہاں کا رنگ ہی اور ہے
یہاں اعتبار ثواب کیا نہیں اعتبار گناہ بھی

چلیں نفرتوں کی وہ آندھیاں کہ چراغ پیار کے بجھ گئے
نہ دکھائی دے کوئی روشنی نہ سجھائی دے کوئی راہ بھی

وہی آسماں ہے وہی زمیں پہ سکوں کا نام ونشاں نہیں
کہاں جا کے سر کو چھپایئے نہیں کوئی جائے پناہ بھی

جو گزر گئی ہیں قیامتیں نہ کہیں گئے اُن کی حکائتیں
کوئی کر لے ظلم کی انتہا نہ کریں گے ہم کوئی آہ بھی

جو لگے تھے زخم وہ سی لئے جو ملے تھے اشک پی لئے
در شکوہ سارے ہی بند ہیں نہ سنو گے دل کی کراہ بھی

انہیں اعتبار وفا نہیں ہمیں اعتبار ستم تو ہے
ہے انہی کے لطف کا آئینہ یہ ہمارا حال تباہ بھی

میں ہوں خرقہ پوش تو کیا ہوا مرا دل ہے صورت آئینہ
جو حریف تاج وسریر ہے میرے سر پہ ہے وہ کلاہ بھی

میں فدائے دین ہدیٰ بھی ہوں اور مصطفٰی کا گدا بھی ہوں
میری فرد جرم میں درج ہو میرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی

تیرے پاس ثاقب بے نوا ہیں یہ سب خدا کی امانتیں
اسی در پہ جا کے جھکائیو یہ جبیں بھی دل بھی نگاہ بھی

دسمبر ۱۹۷۴

ہنس کے گزار دی

وہ جو گردسی تھی جمی ہوئی وہ جبیں سے ہم نے اتار دی
شب غم اگر چہ طویل تھی شب غم بھی ہنس کے گزار دی

تیری عظمتوں کا جواب کیا تیری رحمتوں کا حساب کیا
انہیں جنتوں کی نوید دی جنہیں شان صبر وقرار دی

بھلا کیوں بقائے دوام کو نہ ہو ناز اُن کے وجود پر

وہ جنہوں نے جاں سی عزیز شے بھی تیرے حبیب پہ وار دی
کبھی یوں بھی لیتے ہیں امتحاں کہ لٹاؤ دولت جسم وجاں
کبھی یوں بھی کرتے ہیں وہ کرم طلب ایک شے کی ہزار دی
نہ بجھا سکیں انہیں آندھیاں جو چراغ ہم نے جلائے تھے
کبھی لو ذرا سی جو کم ہوئی تو لہو سے ہم نے ابھار دی
ہے تیری عطا ہے تیرا کرم کہ تیری نظر میں ہیں محترم
دیا تو نے ضبط کا حوصلہ ہمیں تو نے غم کی سہار دی
وہی ٹھہرے موردِ کفر بھی جنہیں دین جاں سے عزیز تھا
وہی خارین کے کھٹک رہے ہیں جنہوں نے فصل بہار دی
میرے زخم جس میں نہاں رہے مرا درد جس میں چھپا رہا
میرے چارہ گر تیرا شکر یہ وہ قبا بھی تو نے اتار دی
نہیں کوئی اب سرِ رہگذر چلے آئیں راہر و بے خطر
جو شبِ ستم تھی دھواں دھواں وہ لہو سے ہم نے نکھار دی
ذرا دیکھ ثاقب بے نوا یہ اسی نگاہ کا فیض ہے
تیری روسیاہی تو ڈھل گئی تیری عاقبت تو سنوار دی

اے قادیاں دارالاماں!

اے قادیاں دار الاماں اونچا رہے تیرا نشاں
عرفان و حکمت کی مچلتی آبشاروں کے وطن
اخلاق اور ایمان کی روشن بہاروں کے وطن
اے مصطفیٰ کے دیں کے سچے جاں نثاروں کے وطن
تیری شجاعت کے ترانے گا رہا ہے آسماں
اے قادیاں دارالاماں اونچا رہے تیرا نشاں
تیرا ہر اک پیغام ہے معمور نورِ زندگی
تیری فضاؤں سے برستا ہے سرور زندگی
ظلمت کے ماروں کے لئے بے مثل طور زندگی
تیرا ہر ایک جلوہ ہے پیغام بہار جاوداں
اے قادیان دارالاماں اونچا رہے تیرا نشاں
ہر اک زباں پر آج ہے بیتاب افسانہ ترا
ہے مرجع اقوام عالم آج میخانہ ترا
فرزانگی پرچھا گیا اُٹھا جو دیوانہ ترا
ہر دور میں ہر راہ میں آگے ہے تیرا نوجواں
اے قادیان دار الاماں اونچا رہے تیرا نشاں
پھر چہرۂ اسلام پر نورانیت سی آگئی
حق کھل اُٹھا اس شاں سے باطل کی کلی مرجھا گئی
ہر قول پر ہر فعل پر یزدانیت سی چھا گئی
المختصر تونے بدل ڈالے ہیں اندازِ جہاں
اے قادیان دار الاماں اونچا رہے تیرا نشاں
دشمن تری روحانیت کی تاب لاسکتا نہیں
اس شمع نورانی کو پھونکوں سے بجھا سکتا نہیں
باطل پر اتنے ٹاٹھ سے اب کوئی چھا سکتا نہیں
یہ تو ہے جس کے نور سے حیران ہیں تاریکیاں
اے قادیاں دار الاماں اُونچا رہے تیرا نشاں

فردوس کو تیری بہاروں میں بسایا جائے گا
چنگاریوں کو دے کے لو شعلے بنایا جائے گا
اقصائے عالم میں ترا ہی گیت گایا جائے گا
وہ دن نہیں ہیں دور کچھ از فضل ربِّ دو جہاں
اے قادیان دار الاماں اونچا رہے تیرا نشاں

منزل نہ بدلتے رہنا

مے کی مانند ہر اک جام میں ڈھلتے رہنا
ہم نے سیکھا نہیں ایمان بدلتے رہنا
ٹھوکریں کھا کے بہر گام سنبھلتے رہنا
ستو! تم کو قسم ہے یونہی چلتے رہنا
خدمت دیں کی لگن کیسے مٹا سکتے ہیں
شمع سے سیکھا ہے جن لوگوں نے جلتے رہنا
غم نہ کرنا جو ہیں راہوں میں اندھیروں کے ہجوم
سرخرو دے گی صدا تم کو کناروں کی ہوا
دل میں موجوں کی تڑپ لے کے مچلتے رہنا
گلشن دین محمد ﷺ کے مہکتے پھولو!
لاکھ ہوں جورِ خزاں پھولتے پھلتے رہنا
اور بھی آئیں گے اس راہ میں کچھ سخت مقام
عزم کی شمع لئے سینوں میں چلتے رہنا
موت اک شعلہء بے رنگ سے تعمیر ہوئی
زندگی کیا ہے فقط آگ میں جلتے رہنا
لذت سوزِ جگر دولتِ بیدار بھی ہے
صورت ِ شمع سرِ بزم پگھلتے رہنا
راہگزاروں میں تو ہو سکتی ہے ترمیم مگر
رہرو دیکھنا منزل نہ بدلتے رہنا
ایک موتی کی طرح بطنِ صدف میں ثاقبؔ
ہم نے سیکھا ہے حوادث میں پلتے رہنا

۲۷ دسمبر ۱۹۷۶

مرحلہ رسن و دار

سامنا ہم نے کیا الحاد کی یلغار کا
دل پہ ہر گھاؤ سہا ہے وقت کی تلوار کا
کفر کی آندھی چلی اُٹھیں گھٹائیں شرک کی
ہم الم لے کے پھرے اسلام کے انوار کا
ہر قدم پر اک قیامت ہر روش محشر بدوش
زیر لب تھا نام لیکن احمد ﷺ مختار کا
وقت شاہد ہے کہ ہم نے عجز کامل کے طفیل
زور توڑا دشمنانِ دین کے پندار کا
اہل دنیا کا تعصّب ساری دنیا کے شکوک
کیا یہی انعام ہے حق کے علمبردار کا
نفرت و تحقیر کے کانٹے ہماری راہ میں
یہ صلہ تھا داعیانِ موسم گلبار کا
مرحلہ در مرحلہ جرم و سزا کے مخمصے

ہر قدم پر مرحلہ در پیش رسن و دار کا
ہم نے دل کی روشنی دی ایک تیرے نام پر
ہم نے منہ پھیرا جہاں کے ہر اندھیرے غار کا
ہم لٹے برسوں لٹے لٹتے رہے ہر دور میں
تھا سہارا ہم کو لیکن اک ترے انوار کا
جنگلوں میں ہم نے روشن کر دیئے تیرے چراغ
دشت کو تحفہ دیا ہم نے ترے کردار کا
کیا کہیں، کس سے کہیں کیسے کہیں شرح ستم
کوئی پیرایہ نظر آتا نہیں اظہار کا
سنگباری کا یہ عالم، نطق تک مجروح ہے
راستے مسدود ہیں اور دم نہیں گفتار کا
وقت کی رفتار نے مجبور کر کے رکھ دیا
جبر کس کس سے کہیں اس وقت کی رفتار کا
ہم ہیں عادل اور ہیں مضروب تیغ عدل کے
کون تخمینہ لگائے ظلم کے معیار کا
آخرش کہنا ہے اتنا تیرے فیض خاص سے
تابہ کے خوں ریز خنجر قاتل خونخوار کا
''شور کس کا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا''

نذرانہء جاں بھی

ہر سمت ہے گو ظلم و تعصب کا دھواں بھی
منزل بھی نگاہوں میں ہے منزل کے نشاں بھی
ہم وارث دیں، وارث شمشیر و سناں بھی
پھولوں کی مہک ہیں کبھی شعلوں کی زباں بھی
ناموسِ محمدؐ پہ کبھی وقت جو آیا
ہم پیش کریں گے اُسے نذرانہ ء جاں بھی
ہم وہ ہیں کہ دشمن کو بھی دیں دل دعائیں
جو آئے مٹانے اُسے دیں امن و اماں بھی
افریقہ کے صحرا میں کیا ہم نے اُجالا
یورپ کے کلیساؤں میں دی ہم نے اذاں بھی
الحاد کو للکارا سرِ محفلِ الحاد
تثلیث کے چہرے کو کیا ہم عیاں بھی
توحید کے متوالوں پہ تکفیر کے فتوے
واعظ کا ہے کیا خوب یہ اندازِ بیاں بھی
کرتے ہیں بہاروں پہ وہ تنقید مسلسل
چہروں پہ لئے پھرتے ہیں جو رنگِ خزاں بھی
اس راز سے واقف نہیں نفرت کے پجاری
دنیا میں ہے اک چیز محبت کی زباں بھی
اُٹھی ہے کچھ اس ڈھنگ سے چشمِ کرم بھی
میخوار بھی سیراب ہوئے تشنہ وہاں بھی
مظلوم کی آہوں سے لرز جاتا ہے سورج
طوفان اُٹھا دیتا ہے اک اشکِ رواں بھی

ہو جائیں گے معلوم زمانے کو حقائق
چھٹ جائے گا اک روز تعصب کا دھواں بھی
اید یکھنے والو ہمیں نفرت سے نہ دیکھو
ہیں خاک نشیں باعثِ تزئینِ جہاں بھی
ہم ان کے ہیں جو ان کا ہو وہ مٹ نہیں سکتا
ہو درپئے آزار اگر سارا جہاں بھی
پچھتائیں گے کل اپنے ہر اک جور پہ ثاقبؔ
دیتے نہیں جو آج ہمیں اذنِ فغاں بھی

نویدمنزل

انہی کی رہ میں بچھایا کرتے ہیں خار اکثر زمانے والے
جولوگ ہیں تپتے ریگزاروں میں لالۂ وگل کھلانے والے
وہ جن کوکوثر عطا ہوا ہے ہم انکی نظروں سے پی رہے ہیں
ہماری قسمت پہ رشک کرتے ہیں پینے والے پلانے والے
ہماری تو جان بھی وہی ہیں ہمارا ایمان بھی وہی ہیں
وہ اور ہوں گے درمحمد ﷺ پہ جاکے پھر لوٹ آنے والے
قدم شہادت گہ محبت میں ہم نے رکھا ہے مسکرا کر
ہمارے سینے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہیں تیر آزمانے والے
ہے بات کل کی وہ دور خونیں کہ لمحہ لمحہ تھا آزمائش
ہرایک جانب سے چل پڑے تھے ہماری ہستی مٹانے والے
بفضل ایزد ہمارے صبر وثبات کی تو چٹاں وہیں سے
ہیں آج لیکن کہاں ہمیں کاسۂ گدائی تھمانے والے
کہیں ہیں جور وجفا کی باتیں کہیں ہیں مکر وریا کی گھاتیں
نقاب ڈالے ہوئے ہیں رُخ پر وفا کی باتیں بنانے والے
اُتر ہی جائیں گے اک نہ اک دن یہ نفرتوں کے سیاہ بادل
گزرہی جائیں گے خوں کے دریا سے جان پر کھیل جانے والے
ہمارے ہونٹوں کی مسکراہٹ نہ چھن سکی ہے نہ چھن سکے گی
کہ ہم ہیں بے نور محفلوں میں وفا کی شمعیں جلانے والے
ہمیں خبر ہے ہمارے مسلک کی کہکشاں ضوفشاں رہے گی
نظر نہ آئیں گے آسماں پر چمک یہ جھوٹی دکھانے والے
دکھائی دینے لگے ہیں آثار غلبۂ دین مصطفیٰ ﷺ کے
تمام دنیا کے قصرِ ظلمت ہیں نور سے جگمگانے والے
ہمارے ہاتھوں میں مشعلیں ہیں وقار دین محمدی ﷺ کی
ہمیں تو ہیں آج گمرہوں کو نوید منزل سنانے والے
جہان بھر میں کہاں ہیں دنیا پہ دین کی فوقیت کے داعی
کہاں ہیں ثاقبؔ جفاؤں سے مسکرا کے آنکھیں ملانے والے

انجام

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خواب طرب سب خواب ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
تاریخ کے سینے میں اب تک ہیں دفن وہ سارے ہنگامے
انسان کے ہاتھوں دنیا میں کیا حال ہوا انسانوں کا
طاقت کے نشے میں چور تھے جو توفیق نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا

پستے ہیں بالآخر وہ اک دن اپنے ہی ستم کی چکی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا ہامانوں کا
کم مایہ ہیں پر قدرت نے ہمیں احساس کی دولت بخشی ہے
ہر آنکھ سے آنسو پونچھیں گے دکھ بانٹیں گے سب انسانوں کا
جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا
اے صبر و رضا کے متوالو اُٹھو تو سہی دیکھو تو سہی
طوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا
جھنکار پہ سونے چاندی کی ہوتا ہے ضمیروں کا سودا
اس دور خرابی میں یارو خطرہ ہے بہت ایمانوں کا
اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کے ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سو پہرہ ہے کم فہموں کا، نادانوں کا
ہم دین ہدیٰ کے پرچم کو اونچا ہی اڑاتے جائیں گے
جو طوفانوں کے پالے ہوں کیا خوف انہیں طوفانوں کا
آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے اب گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقبؔ انجام بلند ایوانوں کا

عزم نو

ہجوم غم سے شب جو نفشاں سے گزریں گے
کھلیں گے پھول وہاں ہم جہاں سے گزریں گے
اُٹھائے پرچم دین محمد ﷺ عربی
ہم ایک دن حدِ کون و مکاں سے گزریں گے
مسیح وقت کے فرزند کی قیادت میں
بہ عزم نو رہِ آہ فغاں سے گزریں گے
فراز دار سے کس نے ہمیں پکارا ہے
ہم آ رہے ہیں کہو ہم وہاں سے گزریں گے
صلیب وقت نہ مصلوب کر سکے گی ہمیں
ہر آزمائش و ہر امتحاں سے گزریں گے
رہیں گے تیروں کی بوچھاڑ میں بھی خندہ بلب
مثال برق دلِ دشمناں سے گزریں گے
کھلائے رکھیں گے گلشن لہو سے زخموں کا
ہم اس فریب بہار و خزاں سے گزریں گے
لگائے بیٹھے ہیں پہرے جو وادی ؟ گل پر
سکوت گل پہ بھی انکو گماں سے گزریں گے
قدم قدم پہ اُجالوں کی بارشیں ہوں گی
جلائے مشعل جاں ہم جہاں سے گزریں گے
جو ہم پہ سنگ ملامت اُٹھائے پھرتے ہیں
کبھی تو وہ بھی کسی امتحاں سے گزریں گے
خدا کسی کو نہ مانیں گے ہم خدا کے سوا
ستم کی راہ سے بھی شادماں سے گزریں گے
ہے سدّ راہ زمانہ تو کیا ہوا ثاقبؔ
بفیض عشق ہر اک ہفتخواں سے گزریں گے

راہ وفا

روشن ہیں جو سینوں میں عزائم کے شرارے
بھرتے ہی چلے جائیں گے ہر گام طرارے
بڑھتے ہی چلے جائیں گے ہمرنگِ صبا ہم
ہر گام ہے تائیدِ خدا ساتھ ہمارے
کیا ہم کو ڈراتے ہو زمانے کی ہوا سے
اُڑتے ہوئے دیکھے ہیں بہت ہم نے شرارے
وہ خادمِ اسلام نہیں دشمنِ دیں ہے
جو دل میں انی جہل و تعصب کی اُتارے
معلوم نہیں اُس کو کہ یہ طنز کے نشتر
مہیز لگاتے ہیں ارادوں کو ہمارے
لب بستہ و خاموش ہیں غنچوں کی طرح ہم
اَشکوں کی طرح ؓ بکھرے ہیں گو خواب ہمارے
لو اسکی ہی رکھتے ہیں نہاں خانہء دل
جو چاند تھا اور جس کے تھے اصحاب ستارے
ہے ہم کو یقیں غلبہء دیں ہو کے رہے گا
طوفان سے ہی اُبھریں گے اک روز کنارے
جب تازہ کوئی زخم ملا راہ وفا میں
ہم جھک گئے سجدے میں وہیں شکر کے مارے
روشن کئے ہم مشعل جاں چلتے رہے ہیں
ظلمات کی یلغار سے ہمت نہیں ہارے
صد شکر کہ تو نے ہمیں توفیق عطا کی
صدقے ترے اسلام کے جانوں سے اتارے
اب دور نہیں منزل اُمید ہماری
دیتے ہیں خبر صبح کے بجھتے ہوئے تارے
ثاقبؔ انہیں لو دیتے رہو سوز یقیں سے
بن جائیں گے اک روز یہی اشک شرارے

قرطبہ کی شام

وہی حسین مناظر جمیل نقش و نگار
وہی سکوت میں ڈوبے ہوئے حسیں مینار
طلسم ہوشربا گنبدوں کے سینوں میں
وہی خموش فضاؤں میں گرمی گفتار
عروس شام کا منظر اُسی طرح عریاں
وہی فلک پہ رواں سرخ بدلیوں کی قطار
سنا رہے ہیں فسانے گئے زمانوں کے
ردائے کہنہ میں لپٹے ہوئے درو دیوار
یہیں سے پھوٹے تھے سوتے کبھی تمدن کے
یہیں سے پھیلے تھے دنیا میں علم کے انوار
کنارِ آب یہاں کشتیاں جلائی تھیں
بنامِ حق و صداقت اُٹھے تھے کچھ جیدار
عجیب شان سے اُترے تھے سرفروش یہاں
عدو سے رک نہ سکی انکی جرائت یلغار
محیط صدیوں پہ وہ دور حکمرانی رہا

فسانے جسکے لب دہر پر ہیں اب بھی ہزار
پھر ایسا وقت بھی آیا کہ مٹ گئے وہ نقوش
نہ ساز باقی رہا نہ ساز کی جھنکار
سیاہ رات ہوئی خیمہ زن چراغ بجھے
خزاں نصیب ہوئی لُٹ گئی چمن کی بہار
مگر پھر آج وہاں ضو بکھرتی دیکھتا ہوں
جہاں کل اُڑتا تھا ہر سمت ظلمتوں کا غُبار
دلوں میں کھلنے لگے آج پھر گلِ توحید
شکستہ شازوں سے آنے لگی ہے پھر جھنکار
کرن اُمید کی آئی نظر اندھیروں میں
جو جاں بہ لب تھے ملے انکو زیست کے آثار
یہ ذوق و شوق نمولی گلوں نے انگڑائی
اُتر رہا ہے پھر اندلس میں کاروبارانِ بہار
نوید امن بنے گی یہ طرح نو ثاقبؔ
بڑھے گا اس سے زمانے میں دین حق کا وقار

نوید بہار

طلیطلہؔ سے یہ خوشکن نوید آئی ہے
کہ روح عظمت اسلام مسکرائی ہے
خبر یہ ہے کہ فضاؤں کا زنگ چھوٹ گیا
سپینؔ کا متعفن جمود ٹوٹ گیا
ہر ایک نقش تعصب دلوں سے صاف ہوا
بنام حق دل تثلیث میں شگاف ہوا
سپینؔ جرأتِ طارق کی یادگار حسیں
سپینؔ ملت بیضا کی جرأتوں کا امیں
جہاں ہیں قرطبہؔ ایسے نشاں وہی اسپینؔ
جہاں پہ غازی رہے حکمراں وہی اسپین
نگاہیں ہم نے جہاں موت سے ملائی تھیں
کنار بحر جہاں کشتیاں جلائی تھیں
طلوع مہر صداقت ہوا زوال کے بعد
فضا میں گونجی اذاں اک ہزار سال کے بعد
مسرّتیں چمک اُٹھیں غم و ملال کے بعد
طلوع مہر صداقت ہوا زوال کے بعد
خدا کے گھر کی بنا رکھی ناصرؔ دیں نے
جمال عظمتِ اسلام و روح تمکیں نے

۲

دلوں میں عشق محمدؐ کی لو اتار گیا
مسیح وقت کا فرزند پالا مار گیا
جو سجدہ ریز ہوئے داعیان صدق و صفا
ملائکہ نے کہا لا الٰہ الا اللہ
طلیطلہؔ میں جو گونجے درود اور اسلام
ہر ایک قلب سے پھوٹے مسرّتوں کے پیام
کھلا یہ راز یہ شاہوں کے بس کا روگ نہیں

یہ معرکے ہوا کرتے ہیں طے بہ صدق و یقین
خلوص و مہر کے ساتھ عجز و انکسار کے ساتھ
ہم اب کے فتح کریں گے دلوں کو پیار کیساتھ
خدا کے دین کا عرفان لے کے آئے ہیں
ہم اپنے ہاتھوں میں قرآن لے کے آئے ہیں
کہاں وہ تمکنت شاہانہ عزّو جاہ میں ہے
جو ایک مرد خدا دوست کی نگاہ میں ہے
ہر ایک سو یہاں قرآں کی روشنی ہوگی
بہار اب کے جو آئی ہے دائمی ہوگی

وقت آنے دو

رعنائیاں ہر سو بکھریں گی گیسوئے سحر لہرانے دو
پرنور سویرا پھوٹے گا یہ ظلمت شب ڈھل جانے دو
تم اپنی وفا پر دیوانو بھولے سے بھی حرف نہ آنے دو
جو تم کو برائی دیتے ہیں تم ان کو پیار خزانے دو
ہم جور و جفا کے خوگر ہیں بدلیں گے نہ اپنی خوئے وفا
ہم پیار کی شمعیں جلائیں گے نفرت کو زور دکھانے دو
تزئینِ گلستاں کرلیں گے پھر خونِ دل وجاں سے اپنے
پہلے ہم آبلہ پاؤں کو کانٹوں کی پیاس بجھانے دو
یہ سچے عشق کی باتیں ہیں خوش بختی کی معراج ہے یہ
وہ لُطف مجسّم جب بھی کہے ان جانوں کے نذرانے دو
جذبات کا خوں کرتے کرتے اک عمر گزاری ہے ہم نے
خاموش نگاہوں کا تحفظّ بھی اس دور میں ایک خطا ٹھہری
یہ قاضیءشہر کا فتویٰ ہے اس جرم کے بھی حرجانے دو
دل خوف خدا سے خالی ہیں ہوتی ہے تجارت مذہب کی
مذہب کے اجارہ داروں کو آئینہ ذرا دکھلانے دو
اک موج بہالے جائے گی سب ریت پہ لکھی تحریریں
اُس مالک کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں وقت آنے دو
ہر شخص پکارے گا اک دن ہر لب پہ یہی نعرہ ہوگا
ماحول کے چہرے سے ثاقبؔ بادل تو ذرا چھٹ جانے دو
یا صدق محمد عربی ہے یا احمد ہندی کی ہے وفا
باقی تو پرانے قصےّ ہیں زندہ ہیں یہی افسانے دو

ہم دیوانے

دیوانے بھلا کب رُکتے ہیں رستے میں کھڑی دیواروں سے
ہم ہنستے کھیلتے گزریں گے طوفانوں سے منجھداروں سے
صحراؤں کے تپتے سینوں پر ثبت ہمارے نقش قدم
گلزار بنا کر کھیلتے ہیں ہم جلتے ہوئے انگاروں سے
آنکھوں میں چھلکتے رہتے ہیں تسلیم و رضا کے میخانے
خود بڑھ کے گلے مل لیتے ہیں ہم چلتی ہوئی تلواروں سے
اُٹھے ہیں جو منزل کی جانب بڑھتے ہی چلے جائیں گے قدم
مرعوب نہ ہوں گے دل والے حالات کی ان یلغاروں سے
بیمار تمدن کو ہم نے بخشی ہے نئی اک تاب و تواں
دنیا نے محبت کرنا بھی سیکھا تو ہے غم کے ماروں سے

صدیوں کے پرانے خوابوں کو ہم نے زندہ تعبیریں دیں
خوابیدہ فضائیں جاگ اُٹھیں اُبھری جو اذاں میناروں سے
افلاک پہ روح ناصر دیں جھوم اٹھی فرط مسرت سے
جب آئی نوید فتح و ظفر اسپین کے لالہ زاروں سے
دل تو ہے وہ نازک آئینہ جو بار سخن بھی سہہ نہ سکے
فرمائیں نہ بس تکلیف کرم کہہ دے یہ کوئی غمخواروں سے
جس در کے گداؤں کے آگے فغفورِ زمانہ جھکتے ہوں
اُس در کے گدا کو کیا لینا اس دنیا کے درباروں سے
ثاقبؔ یہ کرم بھی کیا کم ہے ناصرؔ جو لیا طاہرؔ بخشا
ورنہ دیوانے مرجاتے سر ٹکرا کر دیواروں سے

تعبیرخواب

تاریکیٔ شب سے پھوٹ بہیں یوں خواب سحر کی تعبیریں
ظلمت کا ازالہ کرنے کو ہر سمت سے لپکیں تنویریں
خوشبوئے تبسّم چھین سکی نہ موت بھی جن کے ہونٹوں سے
اُن دیوانوں کو تکتی ہیں حیرت سے ستم کی زنجیریں
ہر جبر پہ خندہ پیشانی، ہر جور پہ کیفِ روحانی
گرتی ہیں خدا کے بندوں پر پھولوں کی طرح سے شمشیریں
مرعوب نہ ہوں گے دل ان سے سب اپنی دیکھی بھالی ہیں
یہ زہر میں ڈوبی تحریریں، انگار سے اُگلتی تقریریں
ہم راہ وفا کے راہی ہیں دیں کے بے خوف سپاہی ہیں
ہیں دل میں شہادت کے ارماں رقصاں ہیں لہو میں تکبیریں
اس طرح ہوئی درّانہ طے تسلیم و رضا کی ایک صدی
ہم ہنستے رہے تقدیروں پر اور ہم پہ ہنسا کیں تقدیریں
کب ظلم کی آندھی روک سکی رستہ بے باک اُجالوں کا
گرتی ہی رہی ہے برق تپاں اُٹھتی ہی رہی ہیں تعمیریں
آئے تو تھے خالی دامن دل اُٹھے تو لئے سو میخانے
بس ایک نگاہ ساقی نے بدلی یوں دلوں کی تقدیریں
جو ان کی نظر میں لے آئیں جو ان کے کرم کا موجب ہوں
اُن بابرکت تحقیروں پر سو جان سے قرباں توقیریں
اے دشمن دیں اُس مالک کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں
کیوں تجھ کو دکھائی دے نہ سکیں دیوار پہ لکھی تحریریں
جو کل تھا منظر آج نہیں جو آج ہے کل دھندلائے گا
دیکھی ہیں بہت ثاقبؔ ہم نے یہ رنگ برنگی تصویریں

بارگاہِ خاتم النبیین

زمزمہ تیرے تقدس کا سنایا ہم نے
اک گراں خواب سے دنیا کو جگایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہم نے
دیدہ و دل میں اک نور بسایا ہم نے
پرچمِ دین کی عظمت کو بڑھایا ہم نے
کفر و الحاد کے ایواں کو ہلایا ہم نے
گردشِ وقت کی آنکھوں سے ملا کر آنکھیں
بزمِ تثلیث میں کہرام مچایا ہم نے

کافرو ملحد و دجکال کے طعنے سُن کر
صبر و ایماں کا عالم دکھایا ہم نے
حق کا اظہار کیا حق کی حمایت کی ہے
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
ہم نے للکارا ہے یورپ کے کلیساؤں کو
دامنِ شرک کے پُرزوں کو اُڑایا ہم نے
ریگزاروں میں دیں کے مبشر ہم ہیں
مرغزاروں میں تیرا کلمہ سنایا ہم نے
کس نے تاریکیٔ حالات کا توڑا پندار
کس نے راہوں کو اُجالوں سے سجایا ہم نے
کس نے بجھتی ہوئیں شمعوں کو ضیائیں دیں ہیں؟
کس نے ذہنوں کے چراغوں کو جلایا ہم نے؟
دل پہ انسان کے دنیا میں جہاں تک پہنچے
نقش اخلاق مقدس کا بٹھایا ہم نے
یہ ترا ہی تو کرم ہے اے رسول عربیؐ
فیض بے پایاں جو ہر راہ میں پایا ہم نے
''ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے''

پیرایہءاظہار

یوں اپنی مشیت پر گراں بار رہے ہیں
ہم خود سے بھی برگشتہ و بیزار رہے ہیں
چوما ہے ہمیں چاند ستاروں کی ضیاء نے
ہم خاک رہِ احمدؐ مختار رہے ہیں
لے چل کسی تنکے کی طرح سُوئے مدینہ
اے موجِ ہوا ہم بھی سُبکبار رہے ہیں
اُن لوگوں کی توقیر ہے بازار وفا میں
جاں بیچ کے جو تیرے خریدار رہے ہیں
یہ اشک ہیں تقدیس عقیدت کی علامت
یہ اشک بھی پیرایۂ اظہار رہے ہیں
دیکھا ہی نہیں فقر و غنا نے کبھی مڑ کر
ہر سمت زر و سیم کے انبار رہے ہیں
چُھو کر تیرے قدموں کو یہ ناچیز سے ذرّے
دنیا کے لئے مطلع انوار رہے ہیں
اک جنبش خامہ سے جگا دے انہیں ثاقبؔ
وہ ہاتھ جو اسلام کی تلوار رہے ہیں

سرعرش راز و نیاز ہو

کوئی ایسا جام بھی ساقیا جو سراپا سوز و گداز ہو
سر طور ان سے ہو گفتگو سر عرش راز و نیاز ہو
میں تیرے کرم کا مجاز ہوں یہی بخششوں کا جواز ہو
مرے دامن دل مضطرب کو نصیب خاک حجازؔ ہو
یہ حضور پاک کی روشنی کہ فضا کا نور ہے زاہدو
اسی نور سے جو وضو کرو تو ادا دلوں کی نماز ہو

تیری چشمِ لطف عطا کرے وہ ستارہ گیر جسارتیں
کہ جمالِ طور کی راہ میں نہ نشیب ہو نہ فراز ہو
تیرالطفِ خاص ہو بے کراں تیرا عفو سب پہ ہو ضوفشاں
میری آرزو ہے یہ سلسلہ تیری رحمتوں کا دراز ہو
یہی آرزو، یہی التجا، یہی ہر گھڑی ہے مری دُعا مری
کائناتِ حیات میں تیرا عشق و درد و گداز ہو
تیرے دستِ فیضِ دوام سے جو طلب کیا ہے سوملِ گیا
کوئی مجھ سا طالبِ عفو ہو کوئی تجھ سا بندہ نواز ہو
تیرے دل میں ثاقبِ خستہ جاں نہ ہو ظلمتوں کا کہیں نشاں
تیری آرزو کی بساط پر جو وہ حُسن جلوہ طراز ہو

فریاد

الم گزیدہ ہیں دامانِ دل دریدہ ہیں
ترے حضور میں آئے ہیں غم رسیدہ ہیں
دلوں کی بات زبانوں پہ آنہیں سکتی
مثال موج ہوا رنگ رُخ پریدہ ہیں
میں اپنی دیکھتی آنکھوں کو کیسے دھوکا دوں
چمن کے پھول تو افسردہ خوں چکیدہ ہیں
متاع کوچہ و بازار، دیں ہے جن کیلئے
جہاں میں آج وہی لوگ برگزیدہ ہیں
نہ تیرا خوف دلوں میں، نہ احترام ترا
ہیں بے لگام زبانیں دہن دریدہ ہیں
ترے کلام کی خدمت بھی ناروا ٹھہری
مزاج اہل زمانہ سے آبدیدہ ہیں
نگاہ لطف بہ کن حال ماسپرس زما
کہیں تو کیسے کہیں ہم زباں بریدہ ہیں
جو ربط خاص ہے تجھ سے کسی کو کیا معلوم
عدو سمجھتا ہے ہم آہِ نار سیدہ ہیں
جھکا سکی نہ ہمیں کوئی جبر کی آندھی
ترا کرم ہے کہ اب تک بھی سرکشیدہ ہیں
فلک پہ کاہکشاں، تیرے حسن کا پرتو
یہ حرف و صوت جہاں سب تیرا قصیدہ ہیں
تو لطف خاص سے اپنے نواز دے آقا
جہاں کے لطف و کرم سے بہت کبیدہ ہیں
زمانہ کچھ بھی کہے ہم اُنہی کے ہیں ثاقبؔ
خدا کے بعد جو ہر شے سے برگزیدہ ہیں

ہمارا چاند قرآں ہے

خدائے لم یزل کا ہم پہ یہ اک خاص احساں ہے
ہمارا پرچمِ اخلاق اُس کا دینِ فرقاں ہے
وہی جلوہ جسے فاران کی چوٹی نے دیکھا تھا
اُسی کے دم سے اس میں چراغاں تھا چراغاں ہے
دیا تھا ہم نے جو پیغامِ حق تاریک راہوں کو
وہی پیغامِ حق ہر ایک ذرے میں درخشاں ہے

پھرے ہیں مشعلِ اسلام لے کر دشت وصحرا میں
جہاں پہنچے قدم اپنے وہ عالم نور افشاں ہے
ہمارے منہ جو آئے گا ہمیشہ منہ کی کھائے گا
ہمارے پاس قرآن ہے ہمارے ساتھ یزداں ہے
خبر بھی ہے ترے کچوکوں پر بھی اے ناداں
ہمارا دل نہایت مطمئن ہے چہرہ خنداں ہے
ارے او کم نظر تحریف کا الزام اور ہم پر
حفاظت اُس کے قرآن کی ہمارا جزوِ ایماں ہے
ہمارے واسطے آیات ہیں تنویر کے دھارے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
مرادوں کے گہر سے دامنِ دل آج بھر لیں گے
کرم فرما گنہگاروں کے سر پر ابرِ نیساں ہے
خدا کی راہ میں مٹ کر ملے گی زندگی ثاقبؔ
جو اُس کے در کا ہو جائے وہی دراصل انساں ہے

نصرت جہاں بیگم

معین وقت پر خالق نے پھر سازِ حسیں چھیڑا
محبت اور اخوّت کے ہوئے نغمات سے پیدا
چھٹے ظلمت کے بادل، مہرِ حق بالائے بام آیا
زمیں والوں کو پھر سے نور رحمت کا پیام آیا
ندا آئی جہاں میں پھر ہمارا پہلواں آئے
جہاں والوں کو جو اسلام کے آداب سکھلائے
مٹائے جا کے ہر گل کاریٔ شرک و تو ہم کو
بدل دے زہر خنداں سے جو تثلیثی تبسّم کو
جہاں کو خواب غفلت سے جگانا کام ہو جس کا
ہر اک شے کو مٹا کر پھر بنانا کام ہو جس کا
چناؤ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواں سب سے پسند آیا
یقیناً ایسے مشکل وقت میں تھا چاہیے ایسا
جمالی شان کے ہتھیار سے آراستہ کر کے
نگاہوں میں، جگر میں، دل میں، نورِ ایزدی بھر کے
فرشتوں کو دیا یہ حکم بس اک بار پھر جاؤ
رفیق ایسا ہمارے رازداں کے واسطے ڈھونڈو
جو یکتائے زمانہ ہو رحیمی اور کریمی میں
جہاں بھر میں بدل نہ مل سکے جس کا حلیمی میں
ہو دل معمور جس کا جذب و دردِ غمگساری سے
ہے اس کو کھیلنا سارے جہاں کی بیقراری سے
ہمارے دین پر جو جان تک دنیا روا جانے
بروں کا جو بھلا چاہے بروں کا جو بھلا جانے
زمانے کے مصائب کو دعا صبر سے جھیلے
فلک کی گردشوں کی یورشوں سے ناز جھیلے
ہم اُس کو اپنی شفقت کا بھرا ساغر پلائیں گے
ہم اُس کو اس جہاں کے واسطے رحمت بنائیں گے
خدیجہ کے مقدس نام سے اس کو ضیا دیں گے

اُسے اس دور کے سب مومنوں کی ماں بنا دیں گے
فرشتے سن کے اس ارشاد کی تعمیل کو دوڑے
جھپک میں آنکھ کی دنیا سے خوش اور شادماں لوٹے
سروں کو خم کیا اور التجا کی ملجاو ماؤی
ترے لطف و کرم سے مل گیا ہے وہ در یکتا
ہے جس کے حال پر تیرے کرم کی بارش پیہم
وہ تیری بہتریں تخلیق ہے ''نصرت جہاں بیگم''
خُدا کو یہ چناؤ بھی فرشتوں کا پسند آیا
بنا کر ''مومنوں کی ماں'' جہاں میں اس کو پھر بھیجا
خدا اُس ماں کو ہم سب سے زیادہ زندگی بخشے
جہاں جس سے مزین ہے وہ اس کو ہر خوشی بخشے
کہ جس کے بطن سے محمود سا گوہر ہوا پیدا
میرا ہادی میرا آقا میرا رہبر ہوا پیدا

میرا جواب

(ایک شاعر دوست کے جام شراب پیش کرنے پر)

مری نظر ستارہ گیر۔۔۔۔۔۔سکوں پسند و دلپذیر
جنوں نواز و غم شناس۔۔۔۔۔نیاز کیش و پُرسپاس
میں آشنا ہوں درد سے۔۔جہاں کے گرم سرد سے
نشیب سے فراز سے۔۔۔ہر ایک سوز و ساز سے
زمیں کے دل کے راز سے۔فلک کے ساز باز سے
سماں یہ خوشگوار سا۔۔۔۔۔۔۔یہ وقت پُر بہار سا
یہ شوخ و چنگ محفلیں۔۔۔۔۔۔خرد شکار منزلیں
یہ نور پاش مشعلیں۔۔۔۔۔حسیں کھنکتی چھاگلیں
یہ رنگ، رُوپ یہ شباب۔یہ شوق کا حسین خواب
یہ حسن اتنا بے نقاب۔۔۔۔یہ آنکھ اتنی بے حجاب
یہ حُسن اتنا بے نقاب۔۔۔۔یہ آنکھ اتنی بے حجاب
یہ وقت کے ہیں شعبدے۔۔نہیں گر آج کل مٹے
سبوح میں سُرخ سُرخ سی۔۔خمار و کیف کی پری
غرور میں بھری بھری۔۔۔اگر نظر میں بچ گئی
تو سب متاعِ ہوش گُم۔۔۔یہ جوش گُم خروش گُم
تو فکرِ عاقبت مٹا۔۔۔تو رُعبِ مغفرت گیا
خودی میں غرق ہوگیا۔۔۔۔سزا جزا کا غم اُڑا
فلک سیخا ک پر گرا۔۔۔۔۔۔ل ھُوستو کا ہو رہا
مجھے ہے غم سے کھیلنا۔۔۔۔فلک کے وار جھیلنا
ہٹانا اس شعور کو۔۔۔خمارزدہ سرور کو
خدا کے نام پر ہنسی۔۔خدا کے خوف کی کمی
یہ اہتمام عارضی۔۔۔یہ شعبدے ہما ہمی
یہ میری زد میں آئیں گے
یہ مجھ سے منہ کی کھائیں گے
اُٹھا شرابِ ناب اُٹھا۔۔۔یہ چنگ اور رُباب اُٹھا
ہے اُن کی لے میں دہریت
ہے اُن میں جذبِ شیطنت

یہ رنگ چھوڑ چھاڑ کر۔۔۔یہ جام توڑ تاڑ کر
یہ نقش سب بگاڑ کر۔۔۔۔یہ میکدے اُجاڑ کر
نئی زمیں بناؤں گا۔۔۔۔نیا جہاں بساؤں گا
کہ جس کی دیکھکر جھلک ۔۔ہمیشہ سر دُھنے فلک
جہاں ملک بھی سر جھکائیں۔ہمیشہ حوریں گیت گائیں
جہاں ملے گی ہر گھڑی۔۔۔۔۔حجاز کی کھنچی ہوئی

داستانِ غم

اعلانِ مصلح موعود کے سلسلہ میں عظیم الشان جلسہ منعقدہ دہلی ۱۹۴۴ بمقام جہانگیر پارک دہلی کی منظوم روئیداد جس میں شاعر کو زخمی ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔(مرتب)

ثاقب صاحب اس بارہ میں فرماتے ہیں ۔میں ان دنوں سرکاری ملازم تھا ایک دن کی اسٹیشن چھوڑنے کی رُخصت لے کر دہلی گیا۔جہاں حریفانِ احمدیت نے جلسہ گاہ پر ہلہ بول دیا۔بالآخر قائد خدام الاحمدیہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ارشاد پر خدام نے ان ہزاروں ہلڑ بازوں کو پسپا کیا وہ جب مستورات کی لاریوں پر حملہ آور ہوئے اُس وقت بھی تصادم ہوا پولیس دونوں طرف کے افراد کو تھانے لے گئی۔ایک کی بجائے چار دن لگ گئے۔ میرے دوست چوہدری اسلام الدین تحصیلدار زیرہ ضلع فیروز پور نے اپنے ایک سکھ مجسٹریٹ کو تار دیا کہ وہ میرا پتہ کرے کہ کیا ہوا جس پر دہلی سے زیرہ کو واپسی پر میں نے چوہدری اسلام الدین تحصیلدار زیرہ کو مخاطب کر کے یہ نظم کہی ہے جو مجھے اس لئے بھی پسند ہے کہ حضرت اماں جان یہ نظم سننے کے لئے بطورِ خاص خدام کے اجتماع میں تشریف لائیں اور مجھ دعاؤں سے نوازا۔(مرتب)

لے سن اسلام دلی کے سفر کی داستان غم
بڑا پُر ہول تھا ہنگامہ ٔبے تاب کا عالم
ان آنکھوں سے بڑے دلدوز منظر دیکھ آیا ہوں
حقیقت کے سمجھنے کو بڑا سامان لایا ہوں
سکول یوں روند ڈالا نونہالانِ تعصب نے
مکدّر کی فضا یوں خوش خصالانِ تعصّب نے
فلک پر وہ مقدس روح بھی گھبرا گئی ہوگی
وہ صورت چاند سی یہ دیکھ کر شرما گئی ہوگی
تلاوت ہو رہی تھی بزم پر تھا وجد ساطاری
ج بینینِ خم تھیں اور آنکھوں سے اشکِ خوں تھے جاری
کلام اللہ سے دل کی شقاوت ڈھلتی جاتی تھی
محبت بھرتی جاتی تھی کدورت ڈھلتی جاتی تھی

کہ اسلام اور اسلامی وفا سے دور احراریؔ
ہے جن کی موجزن ہر ایک رگ میں خون غدّاری
یہ جن کی خاکساری سے تکبر شرم سی کھائے
اخوت دیکھ کر جن حیا پہلو بدل جائے
نظر گستاخ و بے دید اور زباں میں اوپری تیزی
چلن شاہد کہ سب ہیں ماہرین فتنہ انگیزی
بھرے اجلاس میں بے باک غرّاتے ہوئے آئے
جنون انگیز تپتے راگ برساتے ہوئے آئے
معاً غوغا سا برپا ہوگیا بزم شرافت میں
عجب اک ہاتھا پائی چھڑ گئی کذب وصداقت میں
اسی پر بس نہیں یہ زخم خوردہ ذہنیت والے
یہاں سے ہو کے مستورات کے پنڈال پر جھپٹے
وہاں خدّام کو زخمی کیا، ہاں اُن جوانوں کو
جو بے بس زخم کھا کر تک رہے تھے آسمانوں کو
جنہیں یہ حکم تھا بس زخم کھاؤ اور دعائیں دو
خوشی سے وار جھیلو مسکراؤ اور دعائیں دو
وہ بھو کے شیر دل میں سو سو پیچ وتاب کھاتے تھے
وفورِ غیظ سے چہروں پہ رنگ آتے تھے جاتے تھے
وہ تھے مجبور ورنہ یہ جوانانِ حسیں کیا تھے
شجاعت بھول کر پھٹکی نہیں جن کے قریں کیا تھے
یہ سارا دن اسی شور وشغب کے دور میں گزرا
یہاں تک اُٹھ گیا ہر چیز سے خورشید کا پہرا
دریچے توڑ کر تنویر کے یوں شام در آئی
دھند لکا چھا گیا چاروں طرف ہر شکل گہنائی
دعاؤں پر ہوا اجلاس ختم اور یوں ہوا ارشاد
جواں جو مسکرا کر جھیلیں ہر اک قسم کی بے داد
وہ جاں پر کھیلنے کے واسطے میدان میں آئیں
حفاظت سے گھروں میں قوم کی ماؤں کو پہنچائیں
وہ بتلادیں ہمیں احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیں پر مرنا آتا ہے
ہمیں ناموس کی اپنے حفاظت کرنا آتا ہے
یہ سن کر بزم اعداد میں معاً اک شور سا اٹھا
شجاعت کے دکھانے کا نیا اک داؤں یاد آیا
وہ جھپٹے عورتوں کی لاریوں پر شان وشوکت سے
بدل کر پینترے کرتب دکھائے خوب طاقت کے
مگر ایمان والوں سے تصادم ہو نہیں سکتا
وہ آئے غیظ میں بپھرے ہوئے لیکن ہوئے پسپا
پچھاڑا سینکڑوں کو اس طرح اُن نوجوانوں نے
زمیں تو اک طرف دی داد ساتوں آسمانوں نے
یہ منظر دیکھ کر دوڑی شجاعت منہ چھپانے کو
کہ اب مردانگی راس آ نہیں سکتی زمانے کو
اگر اسلامؔ کہتے ہیں صداقت کے مٹانے کو
اگر اسلام کہتے ہیں نہتّوں کے ستانے کو

اگر اسلام یہ ہے مرد مستورات پر جھپٹیں
جواں کہلا کے ملک وقوم کی ناموس پر لپکیں
اگر اسلام قرآں سے تکدر پیدا کرتا ہے
مناجات محمدؐ سے تنفّر پیدا کرتا ہے
اگر اسلام یہ ہے حق سے دل کو ضد سی ہوجائے
جہاں روشن فضائیں ہوں وہاں سے آنکھ کترائے
تو پھر اس مظہرِ خلق برائے نام سے توبہ
مجھے یہ کفر بہتر ہے ترے اسلام سے توبہ

خدامِ احمدیت سے ۱۹۳۹ تا ۱۹۴۲

ہماراترانہ

مسجود قدسیاں ہے اب آستاں ہمارا
مقبول دو جہاں ہے دار الاماں ہمارا
روحانیت کے شیدا انسانیت پہ قرباں
تبلیغ احمدیت قومی نشاں ہمارا
سینچیں گے اس طرح کچھ خونِ جگر سے اسکو
جان بہار ہوگا یہ گلستاں ہمارا
فضلِ عمر ہمارے سالار و راہبر ہیں
پھر کامراں نہ کیونکر ہو کارواں ہمارا
تبلیغ زندگی کا مقصد ہے اس کی خاطر
کھیلے گا جان پر بھی ہر نوجواں ہمارا
کیوں پیاس لے کے جائیں غیروں کے میکدوں پر
دریانوال ہے جب پیر مغاں ہمارا
ثاقبؔ یہ مجلسیں اب پھولیں گی ایسی
صدیوں تلک بجے گا نام آسماں ہمارا

ضرورت ہے

محبت اور عقیدت کے ترانوں کی ضرورت ہے
سراپا درد ہوں، ایسے فسانوں کی ضرورت ہے
جوانوں کے رگ وریشے میں خونیں بجلیاں بھر دیں
ہمیں ان حشر پرور داستانوں کی ضرورت ہے
خدا کی راہ میں جو جان دینا آبرو جانیں
امام وقت کو ایسے جوانوں کی ضرورت ہے
ہو جن کی ہر نوا میں انگبیں سے بڑھ کے شیرینی
ہمیں ان صاف گو شیریں بیانوں کی ضرورت ہے
جو سینچیں خونِ دل سے گلستانِ احمدیت کو
ہمیں اس وقت ایسے باغبانوں کی ضرورت ہے
حمیّت جن کا مسلک ہو اخّوت جن کا شیوہ ہو
خدا کے دین کو ان نوجوانوں کی ضرورت ہے
تمدّن کے علاوہ زُہد وتقویٰ میں بھی افضل ہوں
ہمیں اہل دُوَل کے اُن گھرانوں کی ضرورت ہے

دعا میں جن کی ہوں ارض و سما کی قوّتیں ثاقبؔ
خدائے پاک کے ان رازدانوں کی ضرورت ہے

ہم

زمانے کی جبیں سے غازہء بدعت اُڑا دیں گے
دلوں پر مذہب اسلام کا سکہ جمادیں گے
ہمارا کام ہے تبلیغ دین احمدؐ مرُسل
ہر اک گمراہ کو توحید کا ساغر پلادیں گے
کریں گے از سرِ نو زندہ جذب عجز و الفت کو
اخوت کے ہر اک خوابیدہ نغمے کو جگا دیں گے
بنیں گی پھر دہکتی دھوپ میں قالین شمشیریں
سکت پھر بازوئے مسلم کی عالم کو دکھا دیں گے
قیامت تک نہ اُترے گا نشہ جس کا دماغوں سے
وہ اخلاق و مروّت کی زمانے کو پلا دیں گے
چٹانوں سے بھی ٹکرا جائیں گے وہ دل ہیں پہلو میں
ہماری راہ میں جو بھی ہوا حائل مٹا دیں گے
ہمارے دل میں پنہاں کیمیائے احمدیت ہے
ہماری بات جس نے مان لی کندن بنا دیں گے
ہمیں ہیں وہ جو کہلاتے ہیں محمودی جواں ثاقبؔ
وہ ہم ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ مرُدوں کو جلا دیں گے

اپنے آقا سے

مرے چمن پہ بھی چشم بہار ہوجائے
مجھے بھی دور فلک ساز گار ہوجائے
بس اک نگاہ، محبت بھری، خلوص بھری
یہ اضطرار کبھی تو قرار ہوجائے
تجھے خدا نے دو عالم میں کامگار کیا
ادھر بھی اک نگہ کامگار ہوجائے
کچھ اس طرح سے جلا دے مری عقیدت کو
ہر ایک سانس میرا پائیدار ہوجائے
کچھ ایسی جوش مروّت ملا کے دے ساقی
ہر ایک جذبہ ؟ دل ہوشیار ہوجائے
کبھی جو خدمت اسلام کا پیام ملے
تو میں پھڑک اُٹھوں دل بیقرار ہوجائے
کچھ اس طرح سے ہوں ثاقبؔ نوازیاں آقا
ہر ایک شعر مرا شاہکار ہوجائے

سنائے جا

(شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنائے جا)

مسرّتوں کے قافلے تیرے انتظار میں
تڑپ رہی ہے تہنیت نگاہ بے قرار میں
تو غفلتوں کے نقش لوح قلب سے مٹا
شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنا
وہ دیکھ تن گیا ہے رحمت خدا کا سائباں
تو ہمّتیں جوان کر یہ کہہ رہا ہے آسماں
بلندیوں کی سمت چشم کار گر اُٹھائے

شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنانے
پہلے جب زمانے بھر کے خفتہ کار جاگ اُٹھیں
بے عمل فقیہہ جھوٹے روزہ دار جاگ اُٹھیں
سحر ہوئی ہے نغمۂ حیات گا۔جگائے جا
شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنائیجا
بھر چکے ہیں ان کو پھر جلا یہ تیرا کام ہے
باب معرفت کے خم لنڈھا یہ تیرا کام ہے
تو احمدی جواں ہے زندگی کے گیت گائے جا
شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنائے جا
دور وہ ہے جس میں عام ہیں سیاہ کاریاں
۔۔۔عظمتوں کے ہیں فقط گناہگاریاں
تو اپنی بزم نور ایزدی سے جگمگائے جا
شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنائے جا
جو کلفتوں سے سینہ تان کر لڑے وہ مرد ہے
وہ مرد جس کے دل میں دین مصطفیٰؐ کا درد ہے
قدم قدم پہ غیرتوں کی دھونیا ں رُمائے جا
شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنائے جا
ہے تیرا کام بجلیوں کی تابشوں سے کھیلنا
مچل مچل کے دشمنوں کی سازشوں سے کھیلنا
یہ لغزشیں ترے لئے نہیں، قدم بڑھائے جا
شجاعتوں کے حشر خیز زمزمے سنائے جا

ساقی خمخانہ تحریک جدید سے

ساغر بادہء عرفان پلا دے ساقی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی
فقط اک جام جو اس ہوش کے عقدے کھولے
فقط اک جام جو دیوانہ بنا دے ساقی
مجھ سے غم دیدہ پہ ہوجائے وہ چشم الطاف
جگمگا اُٹھیں مرے سارے ارادے ساقی
زخمہء نور سے یوں چھیڑ رباب ہستی
قلب بیتاب کا ہر ذرہ دعا دے ساقی
تجھ سے اقوام زمانہ کی ہے برکت منسوب
میری بگڑی ہوئی قسمت بھی بنا دے ساقی
تجھ کو مولیٰ نے کیا عطر رضا سے ممسوح
یہ مہک گلشن عالم میں بسا دے ساقی
تو نے جاری کیا خمخانہ ؟ تحریک جدید
اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی
اپنے ثاقبؔ کو جو احساس کی دولت بخشی
تجھ کو اس لطف کی اللہ جزا دے ساقی

رازونیاز

مجھے یہ درد سکوں ساز کیا دیا تو نے
جہان عشق میں رتبہ بڑھا دیا تو نے

یہ کیسا نغمۂ رنگیں سنا دی تو نے
مرے جنون کو پھر گد گدا دیا تو نے
توہمات میں گم ہو رہے تھے قلب و نظر
چراغ راہ ہدایت دکھا دیا تو نے
اُٹھا جو پرچم اسلام ہاتھ میں لے کر
جہان کفر کو نیچا دکھا دیا تو نے
ادائے شکر کے قابل زبان بھی ہو عطا
اگر ہے درد جہاں سے سوا دیا تو نے
پلا کے جام مئے عشق مہدیء موعود
جگر میں عشق محمدؐ بسا دیا تو نے
دلوں کو عشق الہیٰ سے کر دیا لبریز
خدا کے خاص مقرّب بنا دیا تو نے
میں تجھ سے مل کے ہوا اپنے آپ سے محجوب
یہ کیا حجاب نظر سے اُٹھا دیا تو نے
اُجاڑ ہونے کو تھا یہ ہرا بھرا گلزار
نئی بہار کا مژدہ سنا دیا تو نے
جوان بن گئے حلم اور عجز کے پیکر
عجیب رنگ دلوں پر چڑھا دیا تو نے
نگاہ ڈال کے لطف وکرم کی ثاقبؔ پر
خزف کو لعل بدخشاں بنا دیا تو نے

وہ تیز گام ہوجائے

نظر شراب محبت کا جام ہوجائے
ملے جو تم سے تمہارا غلام ہوجائے
طبیعتوں میں وہ عجز و نیاز ہو پیدا
جہان بھر میں مسلماں کا نام ہوجائے
نگاہ سرمۂ تقویٰ سے ہو ضیاء اندوز
جبیں رہین سجود و سلام ہوجائے
طلوع جس کا عزائم کو سست کر ڈالے
وہ صبح صبح سے پہلے ہی شام ہوجائے
تمہارا شیوہ ہو اکل حلال و صدق مقال
کہ تم پہ ناز جہنم حرام ہوجائے
کچھ اس طرح کرو تبلیغ احمدیت کی
ہر ایک سانس اُسی کا پیام ہوجائے
سنو! کہ وقت کی آنکھیں بدلتی رہتی ہیں
جو سست گام ہے وہ تیز گام ہوجائے
جہان بھر کی فتوحات ہیچ ہیں ثاقبؔ
بڑا جہاد ہے گر نفس رام ہوجائے

سکون وقرار کیا معنی؟

تیرے چمن میں نہ آئے بہار کیا معنی؟
مسرّتیں نہ ہو تجھ پر نثار کیا معنی؟

ہیں تیرے قافلہ سالار حضرت محمود
تو ہر قدم پہ نہ ہو کامگار کیا معنی؟
جو چھیڑ دے کبھی روداد مہدیٔ موعود
تو ساری بزم نہ ہو اشکبار کیا معنی؟
جوان ہے تو نگاہیں ملا ستاروں سے
ہی آہ و نالہ سرِ راہگذار کیا معنی؟
تو احمدی ہے تیرا مقصد حیات بلند
تجھے یہ دور فلک ساز گار کیا معنی؟
پلٹ کے رکھ دے بساط نظام بدعت کو
تجھے خزاں پہ فریب بہار کیا معنی؟
یہ چاہتا ہے کہ تو ننگ قوم کہلائے
وگرنہ تجھ سے عدو ہمکنار کیا معنی؟
جو سست ہیں تیرے ہمعصر و ہم نوا ثاقبؔ
تیرے جگر کو سکون و قرار کیا معنی؟

دوست! اہتمام نہ کر

تو دل کو وقف خیال شراب و جام نہ کر
نہ کر غریب کو اس آگ کا غلام نہ کر
یہ تیرے دین کی جولانیوں میں حائل ہیں
تو ان نشے کی ترنگوں کا احترام نہ کر
خلوص نیت و حسن عمل ہیں وجہ نجات
خدا کے کام کو ہرگز برائے نام نہ کر
وہ بات منہ پہ نہ لا جس میں کسل و کفلت ہو
ہو جس میں نخوت و نفرت کبھی کلام نہ کر
میں خوش ہوں مجھ کو ملی ہے گدائی محمودؔ
کچھ اور میرے لئے دوست! اہتمام نہ کر
اُٹھ اور اُٹھ کے بپا کر دے اک تلاطم سا
خدا کے دین کی خدمت میں صبح و شام نہ کر
یہ تیری تیغ مقدّر ہے دین کی خاطر
برائے نفس کبھی اس کو بے نیام نہ کر
مٹے بغیر در یار تک رسائی ہو
یہ بات جھوٹ ہے ثاقبؔ خیال خام نہ کر

دعا منظور ہو جائے

شرابِ احمدیت سے نظر مخمور ہو جائے
ہر اک آواز رشکِ نعرہء منصور ہو جائے
نگاہوں میں بسے کچھ اس طرح شانِ گدایانہ
شکوہ خسروی شانِ شہی مستور ہو جائے
نظر آئے زمانے کی جبیں پر دین کا غازہ
یہ رنگِ کفرو بدعت یک قلم کافور ہو جائے
تم اپنے جذبِ روحانی کو اس منزل پہ پہنچادو
کہ جو اللہ سے مانگو دعا منظور ہو جائے
تکلم میں شرافت ہو تبسم میں حیاداری
مبادا دل کا شہزادہ کبھی مغرور ہو جائے

جو آئینہ کہ بے دینی کی آرائش کا ساماں ہے
وہ تبلیغِ مسلسل اور دعا سے چور ہوجائے
لُنڈھاؤ خُم کے خُم میخانہء محمود سے پیہم
کہ دورِ آسماں بھی اس نشہ میں چور ہوجائے
جو محمودؔ ہے شانِ ایازی اُسے دکھلاؤ
محبت اور عقیدت سے فضا معمور ہوجائے
کرواس جوش سے تبلیغ کی تلقین اے ثاقبؔ
کہ ہر دمساز اس اقدام پر مجبور ہوجائے

آتش بڑھادی

زمانے کی خوابیدہ قسمت جگا دی
نئ اک محبت کی بستی بسا دی
غزل اس طرح احمدیت کی گادی
فلک جھوم اُٹھا۔ زمیں مسکرا دی
دکھا وے کا زُہد اور وہ ظاہر کا تقویٰ
ہر اک چیز عہد کہن کی مٹا دی
جوانوں کو اخلاص کی لو لگا کر
جوانی کی لاریب قیمت بڑھا دی
پلائی وہ جذبِ اخّوت ملا کر
میرے دل کے ذرّوں نے بڑھکر دعادی
یہ ربوہؔ۔ یہ وارفتگان محبت
تیرے عزم کی کر رہے ہیں منادی
دکھائی کچھ اس طرح شان محمدؐ
زمانے کی ہرشے نظر سے گرا دی
جوانوں کو خدّام کا نام دے کر
خدا سے محبت کی آتش بڑھا دی
یہ ثاقبؔ رہین خودی ہو چلا تھا
اسے خدمت دین کو لو لگا دی

میرا اسلام لے جا

محبوب دلستاں تک ،یکتائے دو جہاں تک
موعود کے نشاں تک ۔محمود قادیاں تک
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
علم و ادب کی جاہے محتاط ہو کے جاؤ
وہ بارگہ ہے عالی واں لغزشیں نہ کھاؤ
واں لغزشیں نہ کھانا قلب و نظر بچھانا
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
یوں عرضِ حال کرنا عالم کو وجد آئے
وہ طرز ہو بیاں کی جبریل رشک کھائے
جبریل رشک کھائے ہنستوں کو بھی رُلائے
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
میرا پیام کیا ہے کچھ دُکھ بھری دعائیں
روندی ہوئی غموں کی معدوم سی صدائیں
معدوم سی صدائیں موہوم سی نوائیں

لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
واں عقل کھیلتی ہے یاں جہل کی دما دم
واں نور کی خدائی یاں ظلمتوں کے پرچم
یاں ظلمتوں کے پرچم ہاں معصیت مجسّم
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
وہ رہبر مکمل میں ننگ قوم و ملت
وہ دین کا خلیفہ ذی شان و ذی وجاہت
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
میر بساط کیا ہے اور کس قدر جسارت
آرام بھی مگر دے یہ جذبۂ محبت
یہ جذبۂ محبت یہ جوشش عقیدت
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
فضلِ عمر سے کہنا،ثاقب ملول سا ہے
جو وقت کا تقاضا اب دل کو کھا رہا ہے
اب دل کو کھا رہا ہے،راحت مٹا رہا ہے
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
اُس پہ بھی چشمِ اُلفت ازراہِ لطف و رحمت
مدت سے کر رہا ہے تقدیر کی شکایت
تقدیر کی شکایت اُمید کی مذمت
لے اک پیام لے جا،میرا سلام لے جا
تیرے خدائے برتر سب رنج وغم مٹادے
لطف و کرم سے اپنے بگڑی ہوئی بنادے
بگڑی ہوئی بنادے گوہر مراد کا دے
اتنا پیام لے جا میرا سلام لے جا

خوشخبری

خزاں دیدہ گلستانوں پہ دورِ کامیاب آیا
زمیں والوں کی دیرینہ دعاؤں کا جواب آیا
محمدؐ کے خدا کے دیں کی نورانی قبا پہنے
ہمارے میکدے میں آج ساقی بے حجاب آیا
نہ کیوں مژدہ کہوں فرقت گزیدہ آرزوؤں سے
کہ ساقی خود سنبھالے ہاتھ میں جام شراب آیا
عطا کی زندگی مردہ دلوں کو دیں کو تابانی
لباس میرزا میں اُس کا لطف بے حساب آیا
عدو بھی لوہا مانے تیغ بّران محمدؐ کا
ضلالت کی مجالس میں کچھ ایسا انقلاب آیا
بجھا دو جہل کی دن رات جلنے والی شمعوں کو
کہ اب محفل کی تابانی بڑھانے آفتاب آیا
صدائے حق و ہو صبح و مسا ہے پھر مساجد میں
لو دین مصطفیٰؐ کی ذرّے ذرّے پر شباب آیا
جری اللہ نے اُس کو پچھاڑا دیں کے آئیں سے
کبھی جو زُہد کے بل پر کوئی خانہ خراب آیا
میں اُن سے کر رہا ہوں اکتسابِ زندگی ثاقبؔ
ہر اک ناکامراں جا کر جہاں سے کامیاب آیا

مسلمانوں کو پھر بیدار کردو

وہ دیں کی شان و شوکت مٹ چکی ہے
دلوں سیاب وہ ہیبت مٹ چکی ہے
نگاہوں کو وہی منظر دکھا کر
ذرا پھر دور خوش آثار کردو
مسلمانوں کو پھر بیدار کردو

ذرا چھیڑو وہ تبلیغی ترانے
وہی اسلام کے زرّیں فسانے
گزشتہ داستانیں پھر سنا کر
جو کاہل ہیں انہیں ہشیار کر دو
مسلمانوں کو پھر بیدار کردو

نقوش کفر و دہریت مٹا دو
درو دیوار بدعت کے ہلادو
شراب معرفت کے خم لنڈھا کر
جہاں کو بے خود سر شار کردو
مسلمانوں کو پھر بیدار کردو

گھٹا پھر چھا گئی جورو جفا کی
دلون میں لو نہیں یاد خدا کی
انہیں آئین اسلامی سکھا کر
اخوّت کے علمبردار کردو
مسلمانوں کو پھر بیدار کردو

لو جانبازی کی ساعت آگئی ہے
وطن پر پھر ہلاکت چھاگئی ہے
ترانے پھر شرارہ بارگا کر
رُباب و چنگ سب بیکار کردو
مسلمانون کو پھر بیدار کردو

جواں ہوا حمدیت کے جواں ہو
شجاعت کی زمیں کے آسماں ہو
خدا کی لو سے گل بوٹے اُگا کر
جہاں کو رشک صد گلزار کردو
مسلمانوں کو پھر بیدار کردو

نہ مے رہے نہ رہے خم نہ یہ سبو باقی

کہیں نہ خدمتِ اسلام کی ہے خو باقی
نہ مسجدوں میں ہے وہ شور حق و ہو باقی
وہ لا الہٰ کے نعرے وہ جوش عشقِ رسول
جہان میں ہے فقط انکی گفتگو باقی
ستم تو یہ ہے کہ خود مالیوں نے لوٹ لیا
چمن رہا نہ رہے گل ہی اور نہ بُو باقی
چمن رہا نہ رہے گل ہی اور نہ بوُ باقی
تجھے خدا نے زمانے میں انتخاب کیا
کہ تیرے دم سے رہے دیں کی آبرو باقی
پلٹ کے رکھ دے مجازی بساط عشرت کو

نہ مے رہے نہ رہے خُم نہ یہ سبو باقی
غرض کہ جان بھی نکلے تو خدمت دیں میں
رہے نہ قلب میں کچھ اور آرزو باقی
مری دعا ہے کہ جب سب بھی راہ پر آجائیں
تری نظر میں رہے پھر بھی جستجو باقی
رہا جو بات پہ ثاقبؔ کی تو عمل پیرا
تو پھر رہے گا زمانے میں ایک تو باقی

جہان تجھ سے تخاطب کو بیقرار رہے

نظر میں بادہ ءِ اسلام کا خمار رہے
جبیں حقائق ایماں سے تابدار رہے
ترا ہر ایک ارادہ جہاں سے افضل ہو
ہر ایک بات زمانے میں شاہکار رہے
وہ بات بات میں شیرینیاں ہوں نورانی
جہان تجھ سے تخاطب کو بے قرار رہے
ہیں اُسکے ہاتھ میں تہذیب نو کے دام بہت
نفس نفس ترا دشمن سے ہوشیار رہے
نظر کو، دل کو، جگر کو وہ خوب تاکے گا
تجھے ہر ایک پہ ہر طرح اختیار رہے
ہر ایک لفظ سیآتی ہو بُوئے خودداری
کچھ اس طرح کا تکلم میں انکسار رہے
جو تو چلے کبھی اسلام کے اُصولوں پر
بھلا یہ دور زمانہ نہ سازگار رہے
جو سست آئیں نظر احمدی جواں ثاقبؔ
تو میرے دل کو بھلا کس طرح قرار رہے

ترا عشق کامگار نہیں

عدو سے بھی جو مروّت ترا شعار نہیں
تو جان لے کہ ترا عشق کامگار نہیں
وہ آنکھ آنکھ ہے اُلفت میں اشکبار جو ہو
وہ دل نہیں جو محبت سے بے قرار نہیں
جو لاکھ غم ہوں تو اتنا سکون کیا معنی
ہے سچ تو یہ تو غم قوم سے فگار نہیں
وہ تند و تیز جو موعودؑ نے پلائی تھی
ترے دماغ میں اُس کا کوئی خمار نہیں
بہار بن کے اُٹھ اور تازگی کی بارش کر
چمن کے پھولوں پہ پہلا سا اب نکھار نہیں
قدم بڑھا کہ یہ لغزش تجھے نہیں زیبا
ابھی مقام ہیں اتنے کہ کچھ شمار نہیں
گزارے کتنے برس کھیل کود میں ثاقبؔ
تو اب بھی اپنے تساہل پہ شرمسار نہیں

نئی دنیا

زمانے کا مرکز ہے لامذہبیت

کدورت کے چنگل میں آئی محبت
ہر اک آنکھ میں کھیلتی ہے شرارت
تم اس حسن مغرب کا جو بن اُڑا دو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

وہ موعود وقت معین پہ آیا
پلٹ دی توہم کی آتے ہی کایا
یہ سب فیض ہم نے اُسی در سے پایا
غزل معرفت کی جہاں کو سنا دو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

یہ مُلّا یہ بُغض و کدورت کے مارے
یہ نفسوں کی جنت کے رنگیں منارے
توہم پرستوں کے اوچھے سہارے
انہیں بھی تو آئین مذہب سکھا دو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

پھر اسلام کی پڑگئی نبض مدہم
نگوں ہوگئے سب تقدس کے پرچم
مسلماں کیا ہے؟ یہود مجسّم
اُٹھو اس کی بگڑی ہوئی کو بنا دو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

تمہیں احمدیت سا جو ہر ملا ہے
زمانے سے روشن مقدر ملا ہے
جہاں بھر کا لاثانی گوہر ملا ہے
ہر اک بزم اس نور سے جگمگا دو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

وہی ہاں وہی نور افشاں تکلم
حیا داریوں کا سراپا تبسم
برستا تھا جس سے حجازی ترنم
وہ الفت کے خوابیدہ نغمے جگادو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

سنو گالیاں دیں کی باتیں سنا کر
دعا نیک ہو لب پہ دشنام پاکر
عدو کے ہر اک وار پر مسکرا کر
تم اس کے نشیمن پہ بجلی گرا دو
نئی اک محبت کی دنیا بسا دو

محبت بن کے چھا جا

اُڑا بُغض و کدورت کا تمدن
مٹا مغرب کا بودہ شعبدہ پن
یہ بے دیں محفلیں ویران کردے
تو دیں کی مشکلیں آسان کردے
تو یہ رعنائیاں یکسر مٹا جا
زمانے پر محبت بن کے چھا جا
لو پھر ہونے لگی آتش فشانی
مگر دنیا نے کچھ قیمت نہ مانی
بہاروں پر خزاں ہے کار فرما

مسلماں ہو رہا ہے غرق دنیا
اسے کچھ ہوش کی باتیں بتا جا
زمانے پر محبت بن کے چھا جا
تجھے ہے حکم تسلیم و رضا کا
جفا خو سے بھی پیمان وفا کا
ہے تیرا کام تبلیغ ہدایت
عدو سے بھی سلوک مہر و الفت
نئی اخلاص کی بستی بسا جا
زمانے پر محبت بن کے چھاجا
لے پھر دشمن لگا گمراہ کرنے
بھلے چنگے دلوں میں گند بھرنے
تو اُٹھ اور اُٹھ کے بنیاد دجہاں رکھ
نئی طرح زمین و آسماں رکھ
قیامت بن۔ یہ ہنگامے مٹا جا
زمانے پر محبت بن کے چھاجا
تری منزل ستاروں سے بھی بالا
ترا مقصود دنیا سے نرالا
تیرے گھر احمدیت کا اُجالا
تجھے اسلام نے نازوں سے پالا
تمیز پستی و رفعت مٹا جا
زمانے پر محبت بن کے چھا جا

تبلیغی غزل

عشق چھپتا نہیں اس طرح فسردہ ہوکر
زندگی بنتی ہے اُلفت میں کسی کا ہوکر
جاگ کم مائیگی دین بڑھی جاتی ہے
اُٹھ اور عالم پہ برس بارشِ تقویٰ ہو کر
تیری منزل ہے پرے حدِ تخیل سے بھی دور
تو ستاروں سے اُلجھتا ہے ثریا ہوکر
دیکھ موعودؑ کے وعدوں کی گھڑی آ پہنچی
وقت کا رہ گیا کیا آج تقاضا ہو کر
کم سوادوں کے ارادوں سے نہ ڈر حشر ہے تو
اُٹھ کے ہنگامے مٹا دہر میں برپا ہو کر
دین کو دنیا پہ کرنے کو مقدم اُٹھا
اور بیٹھا ہیوں مایوس و نکما ہو کر
جس کو خوش بختی سے ثاقبؔ ملے قائد محمود
چاہیے اس کو چمکنا ید بیضا ہو کر

دیں کا سپاہی

مئے عشق آنکھوں سے برسارہا ہے
محبت کے جذبوں کو گرما رہا ہے
تنفس میں ہے جراتوں کا تلاطم
چٹاں کا جگر کاٹتا جا رہا ہے
وہ دیں کا سپاہی چلا جا رہا ہے
غم دین احمدؐ سے پہلو سجائے

وہ دیں کا سپاہی چلا جا رہا ہے
ستاروں کی آنکھوں سے آنکھیں ملائے
حجازی لہو پھر سے کھولن میں آئے
چلا جا رہا ہے وہ قرآں اٹھائے
وہ دیں کا سپاہی چلا جا رہا ہے
یہ دیں کیلئے جان قربان کرے گا
یہ شمع ؟ حقیقت فروزاں کرے گا
کبھی احمدیت پہ گر وقت آیا
شہادت کے پھولوں کی افشاں کرے گا
وہ دیں کا سپاہی چلا جا رہا ہے
نگاہوں سے نورانیت ہے ہویدا
جبیں سے شہادت کا ہر راز افشا
ہر اک گام پر ایک طوفان برپا
زمانے میں ڈھونڈ و جومل جائے ایسا
وہ دیں کا سپاہی چلا جا رہا ہے
یہ احمد کا خادم یہ اسلام کا دل
یہ خلق و مروّت کا مہتاب کا مل
ہیں ساتھ اسکے محمودؔ کی وہ دعائیں
جہاں بھر کا انعام ہے جن کا حاصل
وہ دیں کا سپاہی چلا جا رہا ہے
حریفانِ خود سر سے جم کر لڑے گا

آہنگ حجاز

(ثاقب زیروی)

انتساب!

نعتوں کے اس مجموعہ کو اس وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام منسوب کرتا ہوں جو میرا آقا بھی ہے میرا محبوب بھی۔ثاقب زیروی

ا۔تذکرہ تیرا اور تیری باتیں

تا ابد تیری حکمرانی ہے
اک تری ذات غیر فانی ہے
تو ہی تنہا ہے تو ہی یکتا ہے
کون دنیا میں تیرا ثانی ہے
تو حقیقت ہے دونوں عالم میں
اور جو کچھ بھی ہے کہانی ہے
تو ہے خالق مہ و ستارہ کا
نور بھی تیرا جاودانی ہے
تیرے ایما سے شعلے پھول بنے
لطف سے تیرے آگ پانی ہے
تذکرہ تیرا اور تری باتیں
گلفشانی سی گلفشانی ہے
تو ہواؤں میں سانس لیتا ہے
پانیوں میں تری روانی ہے
لامکاں تو ہے اور لامحدود
بے نشانی تری نشانی ہے
اک نیا پن ہے ہر زمانہ میں
گو یہ دنیا بہت پرانی ہے
پھول پت جھڑ میں بھی کھلے اکثر
کیا عجب تیری باغبانی ہے
ہم جو ہیں آج بے طرح غمگیں
مہربانوں کی مہربانی ہے
دیکھ بازار زندگی میں ابھی
نیکیوں کی بہت گرانی ہے
تذکرہ تیرا اور لبِ ثاقبؔ
زندگی کس قدر سہانی ہے

ہم عظمت و ناموس بشر ڈھونڈ رہے ہیں
جلوہ نظر آیا تھا انہیں جو شب اسریٰ
اب تک اُسے خورشید وقمر ڈھونڈ رہے ہیں

نومبر 94ء کا ایک مکتوب نیو جرسی (شمالی امریکہ)

22 نومبر 1994ء

برادرم محترم! ہدیہ سلام ورحمت فراواں

میں 26 اکتوبر 1994ء سے شمالی امریکہ میں ہوں۔ میرا ایک شاگرد رشید الڑ سردار منصور (صدر ایسٹرن آرٹ فورم) نیو جرسی نے نیو یارک کی متعدد ادبی عدالتوں کے اشتراک و تعاون سے 29 اکتوبر کو نیو جرسی کے روز ویلٹ ہوٹل میں جشن راغب'' اور ایک عالمی مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔

آمدم برسر مدّعا۔آج شب عالم خواب میں آپ کو دیکھا اور آپ زبان مبارک سے ایک نعت سنی مگر ترنّم سے نہیں چونکہ سحر خیزی کی عادت سے لہذا نماز فجر سے کچھ قبل آپ کی نعتیہ شاعری پر دس شعر ہو گئے۔ جو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

طالب دعا۔راغب مراد آبادی

(راغب مراد آبادی)

بحق ثاقب زیروی

شمع حبِ احمدؐ مرسل ہے دل میں ضو فگن
ہے نیاز دولت دنیا ہیں ثاقب زیروی
جملہ اصنافِ سخن میں شعر گوئی کی مگر
نعت میں بھی مثل آپ اپنا ہیں ثاقب زیروی
ہے صحافت میں بھی حق گوئی و بے باکی پہ ناز
بندۂ حق گو مرے مولا ہیں ثاقب زیروی
حرف حق کہنے سے باز آجائیں ممکن ہی نہیں
نرغۂ اعداء میں گو تنہاء ہیں ثاقب زیروی
نعت گوئی ہی کا اے راغب یہ اک اعجاز ہے
وارثِ فکر فلک پیما ہیں ثاقب زیروی

پیش رس

جو بے کمال بھی ہو کر ہیں صاحبان کمال
وہی ہیں آج زمانے میں سب بلند اقبال
ہم ایسے اہل نظر پر نگاہ کون کرے
یہاں تو وجہ فضیلت ہے صرف جاہ وجلال
جدھر نگاہ کریں ہے رزالتواں کا ہجوم
ہر ایک قدر شرافت ہے آج رُوبہ زوال

یہ دور کم نگہی ہے یہاں کسے پہچان
کہاں ہے جہل وضلالت کہاں ہے فضل وکمال
نمود ونام کی خاطر ہراک عبادت ہے
کہاں ہے آج اذانوں میں سوزِرُوح بلال
عمل کے نام سے ہر فرد زندگی خالی
بنام دین وعقائد ہے روز جنگ و جدال
خدا پرستی بھی اب ہے نشانہ تضحیک
بچھے ہوئے ہیں بہر گام معصیت کے جال
یہ چیرہ دستی اہل خرد کوئی دیکھے
ہوئی ہے کسطرح انساں کی آبرو پامال
میں کم نگاہی اہل نظر پہ حیراں ہوں
نظر میں رکھتے نہیں لوگ کیوں عروج وزوال
ہمارے عزم میں تنویر عزم شبیریؓ
ہمارے فکر میں دین محمدیؐ کا جلال
کیا ہے عہد وفا جب تو کیوں ستم سے ڈریں
کریں گے تازہ بڑی تمکنت سے رسم بلالؓ
گلوں کی طرح سے شاداب اپنے چہرے ہیں
نہ کوئی رنج صعوبت نہ کوئی گرد ملال
ہمارے دل اُسی محبوبؐ کی امانت ہیں
ہے ختم جس پہ دو عالم کی خوبیوں کا کمال
نہیں ہے فکر کوئی گر گناہ گار کہے
متاع جاں سے ہمارے لئے تو اُنؐ کا خیال
ہمیں ہیں آج یہاں فقرِ بوُ ذریؓ کے امیں
نہ فکرِ سود وزیاں ہے نہ فکر مال و منال
یہی دعا ہے الٰہی کہ تیرے ثاقب کا
نہ پیش غیر کبھی ہو دراز دست سوال
ترے ہی در سے ملے اُسکو جو نصیب میں ہے
ترے کرم ہی کی دولت سے ہو وہ مالا مال

اے مرے ہادی ازل

راز بقائے زندگی کیا ہے مجھے بھی بتادے
جینے کا ولولہ بھی دے، مرنے کا حوصلہ بھی دے
عرصہ روزگار میں اُلجھا ہوا ہوں ذات سے
اے مرے ہادیٔ ازل مجھ کو مرا پتا بھی دے
محفل ہست وبود ہے کسی کے لئے سجی ہوئی
محفل ہست وبود کا سرّ نہاں بتا بھی دے
تیری نوازشات سے قلب ہے مطمئن مگر
مجھکو تو اپنے عشق کی دولت بے بہا بھی دے
سوئی ہوئی ہے زندگی کھوئی ہوئی ہے زندگی
خواب زدہ حیات کو خوابوں سے تو جگا بھی دے
کاسہ شوق لے کے تو آیا ہے انکے روبرو
آنکھوں سے التجا بھی کر دل سے انہیں صدا بھی دے
ظلمت غم میں تابہ کے کوئی رہے یوں مبتلا

تاروں بھری حیات کا رستہ کبھی دکھا بھی دے
بخشش و عفو کا چمن جس سے بہار خیز ہو
مجھ سے گناہ گار کو ایسی کوئی سزا بھی دے
محفل کائنات سے ٹوٹے بھی حلقہ ء جمود
بربطِ صبح و شام کو نغمہ دلکشا بھی دے
قائم رہے تمام عمر درد و وفا کا سلسلہ
ثاقبِ خستہ حال کو وہ غم دیرپا بھی دے

حدیث اُسوہ اطہر

دل کی زباں سے نعت پیمبرؐ سنائیں گے
ہم شب زدوں کو حرف منور سنائیں گے
دنیا کے پتھروں سے کہیں کیا حدیث غم
رودادِ غم حضورؐ کے در پر سنائیں گے
آنکھوں کو مل گئی جو بصیرت کی روشنی
پڑھ کر کتاب چہرۂ انور سنائیں گے
محرومیوں کے درد کو لفظوں میں ڈھال کر
موقع ملا تو ہم سر محشر سنائیں گے
صرف اذنِ گفتگو کا ہمیں انتظار ہے
جو کچھ گزر رہی ہے برابر سنائیں گے
یہ سانحات غم یہ حکایات خوں چکاں
ہنس کر سنائیں گے کبھی رو کر سنائیں گے
محبوب کبریاؐ کے پسینے کے نام پر
افسانۂ حیات معطر سنائیں گے
سینے میں موجزن ہے حقیقت کی آبجو
قطرے کو داستان سمندر سنائیں گے
اُترے ہیں آسماں سے ملائک بصد ادب
ثاقبؔ حدیث اُسوہ اطہرؐ سنائیں گے

صلی اللہ علیہ وسلم

ماہ نبوت، مہر رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
صبح ازل کے مطلع رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
شافع محشر ہادیٔ صادق
مظہر لطف و رحمت خالق
ساقی کوثر بحر سخاوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سورہ واللیل آپؐ کے گیسو
معنیٔ قوسین آپؐ کے ابرو
کس کو ملی ہے ایسی فضیلت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مشعل ایماں نور صداقت
آپؐ کی صورت آپؐ کی سیرت
حجت دیں، اتمام نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
آپؐ ہی کا ہم کو ہے وسیلہ
آپؐ ہی کا ہم کو ہے سہارا
بہر خدا ہو چشم عنایت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نذرِ خزاں یہ گلشن جاں ہے

ذہن اسیر و ہم وگماں ہے
پھر سے دکھا دو، راہ ہدایت ﷺ
پیش نظر ہو روضہ اطہر
لکھتا رہوں بس نعت پیمبرؐ
ہے یہی اپنی زیست کی غایت ﷺ
ذات گرامی رحمت عالم
زخم نہاں کے آپؐ ہیں مرہم
مژدہ امن و قلزم شفقت ﷺ
ہو نہ عمل اخلاص سے خالی
جاں میں ہو اپنی روح بلالیؓ
دل میں ہو ہر دم آپؐ کی چاہت ﷺ
آپؐ کا ثاقب مدح سرا ہے
آپؐ کے ہی در کا تو گدا ہے
نظر کرم ہو، چشم عنایت ﷺ

نور ھدایت

جس حال میں بھی اُس شہ خوباں کو پکارا
ملنے لگا کمزور عزائم کو سہارا
کھلنے لگے انوارِ صداقت کے دریچے
ہونے لگا تنویر محبت کا نظارا
پھر تشنہ لبی آج ہے محتاج تلطّف
اس سمت بھی اک کوثر وتسنیم کا دھارا
بہکی ہوئی روحوں کی فسردہ ہیں جبینیں
بھٹکی ہوئی دنیا کا ہے گردش میں ستارا
جانے کہاں دم لے گا یہ حیرت زدہ انساں
اوہام کا روندا ہوا ابہام کا مارا
تیری نگہ لطف سے ہر ذرّہ بنا تھا
اسلام کے گردوں کا درخشندہ ستارا
مولیٰ در تقدیس پہ آئے ہیں سوالی
رحمت کی فقط ایک نظر ان پہ خدارا
ہر صبح کے سینے میں ہو پھر رقص تجلیّ
ہر رات کے قالب میں ہو سینا کا شرارا
ہر سانس ہو تابندگی دیں کا پیامی
ہر تار نظر عظمت ملی کا ستارا
دھل جائیں کدورت کے جو یہ داغ دلوں سے
اس لطف کے بدلے میں غم زیست گوارا
یہ محفل میلاد ہے اُس ختم رُسلؐ کی
جس نے شب تاریک کو اشکوں سے نکھارا
جو نور ہوا پردہ ہستی سے ہویدا
جس نور نے ہر نور نبوت کو سنوارا
پرکیف سی یہ ہوک ہے کس یاد کا پرتو
یہ دل سے قریں ہو کے مجھے کس نے پکارا
ثاقب میں ہوں سرکارِ دو عالمؐ کا ثنا خواں

ہے عرش بریں میرے تخیل کا کنارا

اے رُوح تقدس

مجبور دعاؤں میں اثر ڈھونڈ رہے ہیں
رحمت کی وہی پہلی نظر ڈھونڈ رہے ہیں
آنکھوں میں ہیں اشکوں کی لرزتی ہوئی شمعیں
اور اس شب ظلمت کی سحر ڈھونڈ رہے ہیں
اے رُوح تقدّس تیری رفعت کے سہارے
ہم عظمت و ناموس بشر ڈھونڈ رہے ہیں
جلوہ نظر آیا تھا انہیں جو شب اسریٰ
اب تک اُسے خورشید وقمر ڈھونڈ رہے ہیں
جو شام وسحر تھے تیرے جلووں سے منوّر
وہ شام وسحر شام وسحر ڈھونڈ رہے ہیں
جس درد سے صدیقؓ کی آنکھیں ہوئیں خونبار
وہ درد میرے قلب وجگر ڈھونڈ رہے ہیں
ثاقب جہاں ملتی ہیں ہر اک دل کو مرادیں
ہم اُس شہ لو لاکؐ کا در ڈھونڈ رہے ہیں

میں آپ کا ہوں

دنیا کو نہ محبوب نہ مطلوب ہوا ہوں
میں آپؐ کا ہوں آپؐ سے منسوب ہوا ہوں
کل تک مرے سائے سے لرز جاتا تھا سورج
آج اپنے ہی سائے میں مرعوب ہوا ہوں
کل تک مرا دامن تھا فرشتوں کی جبینیں
آج اپنی نگاہوں میں ہی معیوب ہوا ہوں
ہر رنگ میں پہچانتا ہوں اُن کی تجلی
یوں ہوش میں رہتے ہوئے مجذوب ہوا ہوں
کس شہر میں ہیں اُنکے تلطّف کی ہوائیں
میں دیدہ حالات کا معتوب ہوا ہوں
توفیق بھی دے ظرف بھی دے تاب نظر بھی
کیوں اپنی تجلی ہی سے محجوب ہوا ہوں
پھر میرے خیالوں کی مسیحائی کو آجا
میں دار خیالات پہ مصلوب ہوا ہوں
ہے عشق مجھے شاہدؐ لولاک سے ثاقبؔ
کیوں ظلمت ایام کو مرغوب ہوا ہوں

بحضور خیرالانام

تباہیوں کا طلبگار ہوگیا ہوں میں
زیاں شعار و خطاکار ہوگیا ہوں میں
ضمیر مجھ سے خفا بدگماں ہے دل مجھ سے
نہ جانے کتنا گنہگار ہوگیا ہوں میں
تو آفتاب ہے میرے دل ونظر کو جگا
اندھیری شب کا پرستار ہوگیا ہوں میں
حضورؐ سیل حوادث رکے گا کیا مجھ سے
کہ آج ریت کی دیوار ہوگیا ہوں میں

زمانے بھر نے کیا سخت اختلاف مگر
زمانے بھر کا طرفدار ہوگیا ہوں میں
حضورؐ کا سہ دل ہے مری نگاہوں میں
حضور! حاضر دربار ہوگیا ہوں میں
مرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں یہ خوشی
کہ اُن کے غم کا سزا وار ہوگیا ہوں میں
نگاہ و دل پہ ہے طاری غنودگی ثاقبؔ
سمجھ رہا تھا کہ بیدار ہوگیا ہوں میں

تلاشِ التفات ناگہاں

قلم نعت پیمبرؐ میں رواں ہے ایک مدّت سے
مرا ذوقِ سخن گوئی جواں ہے ایک مدّت سے
نظر مجھ پر کسی کی مہرباں ہے ایک مدّت سے
گناہوں سے مجھے حاصل اماں ہے، ایک مدّت سے
جسے فاران کی چوٹی نے پہلی بار دیکھا تھا
وہی مہر مسلسل ضوفشاں ہے ایک مدّت سے
بساط طور بھی دیکھی، مقام دار بھی دیکھا
خدا جانے ترا جلوہ کہاں ہے ایک مدّت سے
چراغ محفل اصنام ہیں اس دل کے کعبہ میں
خیالوں پر مسلط اک دھواں ہے ایک مدّت سے
زمانے کے تصوّر نے عجب انداز بدلا ہے
کہ دامان تقدّس دھجیاں ہے ایک مدّت سے
بہت بیتاب رکھتا ہے مجھے ذوق جبیں سائی
جبیں سے دور تیرا آستاں ہے ایک مدّت سے
مری مرحوم، ہستی کو عطا حسنِ یقیں کر دے
کہ مجھ سے میرا دل بھی بدگماں ہے ایک مدّت سے
بہت ممکن ہے ثاقب وہ اچانک لطف فرمائیں
تلاش التفات ناگہاں ہے ایک مدّت سے

سرکارؐ مدینہ

جو سرورؐ کونین سے منسوب نہ ہوگا
وہ خالق کونین کو محبوب نہ ہوگا
بیداری احساس کو دولت نہ ملے گی
اس راہ میں جب تک کوئی مجذوب نہ ہوگا
افکار میں رچ جائیں جو انوار محمدؐ
جو کام بھی ہوگا کبھی ناخوب نہ ہوگا
ایمان کی توفیق عطا ہو تو کرم ہے
کچھ اور مری روح کو مطلوب نہ ہوگا
میں اُنکا ہوں اُن کیلئے بیتاب ہوں ہردم
ہر درد مرے نام سے منسوب نہ ہوگا
انسان کے زخموں کا لہو جسمیں نہیں ہے
وہ اشک مرے آنکھ کو مرغوب نہ ہوگا
سرکارؐ مدینہ سے جسے عشق ہے ثاقب
وہ دل غم حالات سے مرعوب نہ ہوگا

شاہد لولاک

کمال اوج پہ جب ذوق جستجو ہوگا
جمال شاہد لولاک روبرو ہوگا
چراغ کعبہ کی صورت جلے گا محشر تک
جو میرے دل میں کوئی نقش آرزو ہوگا
تری نگاہ کرم کے بغیر مشکل ہے
وہ دل جو چاک ہوا ہے کبھی رفو ہوگا
میں اپنے ظرف نظر کا کچھ امتحاں لے لوں
ترے جمال کا عالم تو چار سو ہوگا
وہ جس مقام پہ ہوں گے ترے نقوش قدم
اُسی مقام پہ فردوسِ رنگ و بُو ہوگا
بڑھیں گے فاصلے تڑپے کا جذ بہ قربت
دلوں کی بزم میں جب ذکرِ ماؤ تو ہوگا
خبر ہے مجھ کو بڑی عظمتیں ہیں اُس در کی
مراخیال بھی اس در پہ باوضو ہوگا
زبان اشک سے کہنا حدیث غم ثاقبؔ
انہیںؐ پسند یہ انداز گفتگو ہوگا

اُمیّ لقب

وجود پاک تھا اُس کا پیمبری کے لئے
وہ اک چراغ تھا دنیا کی روشنی کے لئے
بصیرتوں کا مرقع رہا وہ اُمیّ لقب
کھلی کتاب ہے وہ اب بھی آدمی کے لئے
ترے مقام سے کم تر ہے ماہ دو ہفتہ
بہت ہے یاد تری دل کی روشنی کیلئے
بشر کو تو نے عطا کی نگاہ رتبہ شناس
بھٹک رہا تھا زمانہ خود آگہی کے لئے
جبیں کے ساتھ مرا دل بھی سجدہ ریز ہوا
کہ ایک یہ بھی تھا اسلوب بندگی کے لئے
لیا جو نام ترا دل میں چاند اتر آیا
یہ تیرا اسم گرامی ہے چاندنی کیلئے
وہ سب حضورؐ کی دانش نے آشکار کئے
جہاں میں جتنے مقاصد تھے زندگی کے لئے
خمیدہ سر ہمیں ہونا پڑا خدا کے حضور
ہزار عذر کئے دل نے بندگی کیلئے
اُنہیؐ پہ آج مدارِ حیات ہے ثاقبؔ
جو کام ہم نے کئے آپؐ کی خوشی کیلئے
ضیائے روئے محمدؐ کی اک جھلک ثاقبؔ
مجھے نصیب ہو دل کی شگفتگی کیلئے

ضیائے صبح حجاز

یہ بات مجھ سے فلک نے کہی اشاروں میں
ضیائے روئے محمدؐ ہے چاند تاروں میں

ترا کرم ہے سہارا گناہ گاروں کا
تیرے کرم کی ہیں باتیں گناہ گاروں میں
نئی حیات ترستی ہے روشنی کیلئے
اندھیری شب کا سماں ہے نئے دیاروں میں
مرے سفینے کو ہے جستجوئے موجِ رسولؐ
میں قید رہ نہیں سکتا کبھی کناروں میں
ترے جمال درخشاں کی عطر بیز کرن
ہوائیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں لالہ زاروں میں
خدائے ارض وسما۔ رحمتوں کا مینہ برسا
سلگ رہے ہیں شگوفوں کے دل بہاروں میں
ہمیں بھی بادۂ یثرب سے عشق ہے ساقی
ہمارا نام بھی لکھ لینا بادہ خواروں میں
رسولؐ پاک سے نسبت نہ تھی انہیں ثاقبؔ
وہ قافلے جو بھٹکتے پھرے غباروں میں

باعث تکمیل جہاں

کردار کی عظمت کا نگہبان دیا ہے
سرکارؐ ازل نے ہمیں قرآن دیا ہے
اقوال محمدؐ کی دل آویز چمک نے
انسان کو اک رتبہ انسان دیا ہے
آنکھوں کیلئے بخشے ہیں عقبیٰ کے اُجالے
سینوں کیلئے جلوہ ایمان دیا ہے
اک رہبر کامل نے رہ صدق و وفا میں
ہر مرحلہ مشکل و آسان دیا ہے
سوچو تو کوئی غم ہیں یہاں کعبہ جاں تک
دیکھو تو دل بے سرو سامان دیا ہے
ہم لوگ دل و جان سے مرتے ہیں اُسی پر
جینے کا ہمیں جس نے یہ ارمان دیا ہے
صد شکر کہ ہم اسکی محبت سے ہیں مربوط
صد شکر کہ حق نے ہمیں ایقان دیا ہے
دل یاد محمدؐ میں تڑپتا ہے ہمیشہ
اک قطرہ بھی آلودۂ طوفان دیا ہے
ثاقب ہوئی تکمیل جہاں جسکی نظر سے
اللہ نے ایسا ہمیں انسان دیا ہے

شانِ محمدؐ

ہے روکش جنّت گل و ریحان محمدؐ
کس شان سے مہکا ہے گلستان محمدؐ
کیوں ہو نہ ہر اک قوم ثنا خوانِ محمدؐ
آفاق ہے شرمندۂ احسان محمدؐ
کونین کے سینے میں حرارت ھے اُنہی کی
اللہ کے دل میں بھی ہے ارمانِ محمدؐ
کس شوق سے لیں طورنشینوں نے بلائیں
جب سوئے مدینہ چلے مستانِ محمدؐ

میں شانِ محمدؐ تو بیاں کرتا ہوں لیکن
افکار کہاں میرے کہاں شانِ محمدؐ
آتش کدے سب کفر کے ٹھنڈے ہوئے لیکن
گل ہو نہ سکی شمع شبستانِ محمدؐ
معراج میں حضرتؐ کے قدم عرش پہ پہنچے
پس عرش ہے ہم پایۂ اَیوانِ محمدؐ
دین بھی وہی ملت بھی وہی ملتِ بیضا
سادہ سا مسلماں ہوں مسلمانِ محمدؐ
تربت سے ہو کیا خوف مجھے حشر کا کیا غم
ثاقبؔ مرے سینے میں ہے قرآنِ محمدؐ

نورِ اوّلیں

وہ روضہ نبیؐ کے نظاروں کی روشنی
اُتری ہوئی زمیں پہ ستاروں کی روشنی
ہوتی ہے چاندنی سے بھی بڑھ کرسین تر
اس سر زمیں کے راہگزاروں کی روشنی
فردوسِ رنگ و بو ہے کہ صحرائے نجد ہے
کتنی نظر نواز ہے خاروں کی روشنی
ساری بصیرتیں ہیں محمدؐ کے نام سے
دیکھے تو کوئی دل کے دیاروں کی روشنی
اس جوئے کہکشاں میں بڑی احتیاط سے
پھیلی ہوئی ہے نور کے دھاروں کی روشنی
پھر گلستاں میں گریہ شبنم کا قحط ہے
پھر تیز ہوگئی ہے شراروں کی روشنی
غار حرا کو بھی نہ فراموش کیجئے
بنیادِ حق ہے ایسے ہی غاروں کی روشنی
ہو التفاتِ کشتیٔ اُمّت کے ناخدا
پھر دور ہو رہی ہے کناروں کی روشنی
دنیا میں ہر قدم پہ ہے ثاقبؔ کی رہنما
اُس نور اوّلیں کے اشاروں کی روشنی

بفیضِ رسولؐ

شعور دے کے محمدؐ کے آستانے کا
مزاج بدلیں گے ہم اس نئے زمانے کا
مرے سفینہ ہستی کے ناخدا ہیں حضورؐ
مجھے نہیں کوئی اندیشہ ڈوب جانے کا
ہمیشہ برق گرمی ہے مگر بفیض رسولؐ
چراغ جلتا رہے میرے آشیانے کا
یہ میرا دل جسے دنیا بھی دل ہی کہتی ہے
یہ ایک جام ہے یثرب کے بادہ خانے کا
حضورؐ آپ کے ہی اک تبسّم لب سے
سلیقہ سیکھا ہے پھولوں نے مسکرانے کا
حضور! آپ یہ روشن میرے حقیقت ہے
میں ایک سادہ سا کردار ہوں فسانے کا

عبور کیسے کروں زندگی کی راہوں کو
کہ میرے سر پہ بڑا بوجھ ہے زمانے کا
میں چراغ عقیدت ہوں دل کی بستی میں
کہ حوصلہ کوئی رکھتا نہیں بجھانے کا
زہے نصیب جو مرا لہو بھی کام آئے
مجھے جنوں ہے چراغ حرم جلانے کا
گنہ کئے ہیں تو اب اُن کا اعتراب کریں
خدا تو خود بھی ہے خواہاں کسی بہانے کا
زمانہ جتنے ستم چاہے توڑ لے ثاقبؔ
دلوں سے عشق محمدؐ نہیں ہے جانے کا

محبوب دو جہاں

خوشبو و رنگ و نور کا دھارا نظر میں ہے
محبوب دو جہاں کا نظارا نظر میں ہے
دل میرا کانپتا ہے گناہوں کے خوف سے
اک تیری رحمتوں کا سہارا نظر میں ہے
اے رہنمائے کشتی دل روشنی دکھا
طوفاں کا ہوش ہے نہ کنارا نظر میں ہے
باطل کو جس کے نور نے دی آخری شکست
دل میں وہ چاند ہے وہ ستارہ نظر میں ہے
آزاد ہو رہا ہوں میں عصیاں کے خوف سے
چشم کرم کا خاص اشارا نظر میں ہے
آنکھوں میں بس گیا ہے نبیؐ کا رُخ جمیل
یا خُلد رنگ و بو کا نظارا نظر میں ہے
اتنا تو ہے کہ دستِ شفاعت ہوا بلند
اتنا تو ہے کہ حال ہمارا نظر میں ہے
ثاقب کے دل میں کیوں نہ ہو روح تجلیات
جب آمنہؓ کا راج دلارا نظر میں ہے

نعتِ مصطفیٰؐ

ہر التجاء سے پہلے ہر اک التجاء کے بعد
آتا ہے لب پہ نام محمدؐ خدا کے بعد
ہے ذاتِ حق حضورؐ کی صورت میں جلوہ گر
آئینے سب ہیں ماند رُخ مصطفیٰؐ کے بعد
اُس در سے جن کو دولت صبر و رضا ملی
چمکے وہ نور بن کے ہر اک ابتلا کے بعد
ہے کون بدنصیب جو باندھے گا غیر سے
عہد وفا حضورؐ سے عہد وفا کے بعد
اعمال کی سیاہی نے بے حس بنا دیا
شرمندگی بھی اب نہیں ہوتی خطا کے بعد
جلتے رہو گے حشر تلک غم کی دھوپ میں
سایہ کوئی ملے گا نہ اُنکی ردا کے بعد
سورج کے سامنے نہیں جلتا کوئی چراغ
آئے اسی لئے تو وہ سب انبیاء کے بعد

یا رب مجھے بنا دے درِ مصطفیٰ کی خاک
مانگوں گا اب نہ کوئی دعا اس دعا کے بعد
ثاقب پہ حضور کبھی وہ عطائے خاص
رہتی نہیں ہے کوئی طلب جس عطا کے بعد

ساقی کوثر

صدا بہ لب ہوں فقط رحمت و کرم کیلئے
درِ حضورؐ پہ آیا ہوں شرح غم کیلئے
تری عطا تری بخشش ہے ماو رائے حدود
نہ تو عرب کیلئے ہے نہ تو عجم کیلئے
بتوں کی تنگدلی پر کبھی نظر نہ گئی
میں بے قرار رہا وسعت ِ حرم کیلئے
جو آستانِ محمدؐ پہ ڈال دے مجھ کو
ترس رہا ہوں اُس اک لغزش قدم کیلئے
دعائے نیم شبی کس کی رنگ لائی ہے
ستارے رقص میں ہیں کس کی چشم نم کیلئے
ملا ہے جیسا بھی جتنا بھی مطمئن ہوں میں
مجھے دماغ نہیں فکر بیش و کم کیلئے
کرم کا ایک سہارا کرم کی ایک نظر
نہیں ہے زاد سفر منزل عدم کیلئے
بہت ہے بادہِ یثرب کا ایک پیانہ
بڑھایا ہاتھ نہ ثاقب نے جامِ جم کیلئے

بحضور سرور دو عالم

تو جبینِ دہر کا نور ہے تو حریمِ قدس کا راز ہے
تیرا نام دل کا سرور ہے تیرا ذکر دل کی نماز ہے
مرا اعتبار خودی بھی تو مرا اعتماد خدا بھی تو
تو ہی دینِ حق کی ہے آبرو تو ہی دین حق کا جواز ہے
تو جمال صبح وجود بھی، تیرے دم سے میری نمود بھی
تو ہی میرے ذہن کی روشنی، تو میرے دل کا گداز ہے
نہیں امتیاز گدا و شہ تیرے سامنے سبھی ایک ہیں
تری ذات رحمتِ دو جہاں تیرا در ہر ایک پہ باز ہے
تری اک نگاہ نے بخش دی میرے دل کو دولتِ سرمدی
میرے سامنے رہِ دہر کا نہ نشیب ہے نہ فراز ہے
نہ جہاں میں نام کی آرزو نہ فروغِ بام کی جستجو
ہے یہی بہت مرے واسطے کہ جبیں پہ خاکِ حجاز ہے
سرِ عرش تیرا ہی غلغلہ، سرِ فرش تیرا ہی سلسلہ
تو وہاں بھی رونق بزم تھا تو یہاں بھی جلوہ طراز ہے
کبھی اپنے پاس بلا کے سُن تجھے اپنے لطف کا واسطہ
کہ حکایتِ غم زندگی کا یہ سلسلہ تو دراز ہے
یہ شرف ہے ثاقبؔ خستہ جاں کہ بنا ہے تو اس کا مدح خواں
جو زمانے بھر کا ہے آسرا جو جہاں کا بندہ نواز ہے

نبی اُمیؐ لقب

کہوں جو نعت پیمبرؐ تو مشکبو ہو دہن
لکھوں جو وصف تو بڑھ جائے آبروئے فن
نبی اُمیّ لقب جس کا خلق تھا قرآن
نثار قدموں پہ جس کے ہر ایک عظمت فن
مقربانِ الٰہی کا فخر وہ شہ دیں
جمال حق و صداقت کی اوّلین کرن
وہ جس کا نام دل و جاں کو تازگی بخشے
وہ جس کا ذکر مٹائے کدورتوں کی چبھن
وہ جس نے کاٹ دیں ظلم وستم کی زنجیریں
سکھائے جس نے جہاں کو مروّتوں کے چلن
اُسی کی یاد میں قلبِ حزیں نے کروٹ لی
کہ گرد بن کے اُڑے ہیں تمام رنج و محن
حریم قلب میں آج اُسؐ کی آمد آمد ہے
مرے خیال نے پہنا گلوں کا پیراہن
بسا ہے گنبد خضرا کا عکس آنکھوں میں
نظر کے سامنے پھیلا ہوا ہے اک گلشن
تلاش کرتا ہے وہ خاک پا ستارہ شب
بسی ہوئی ہے دلوں میں وہ بوئے پیراہن
نہ کام آیا کسی کی عبادتوں کا غرور
وہ بار یاب ہوئے دل جنہیں تھی اُسکی لگن
سلام اُسؐ پہ ہو ثاقب درود ہو اُسؐ پر
دیا ہے جس نے اندھیرے جہاں کو اُجالا پن

حرفِ آخر

اے دست حق کے فقید المثال شہ پارے
ملائکہ ترے دربار کے ہیں ہرکارے
تو ہی کتابِ رسالتؐ کا حرف آخر ہے
ترے مقام سے کمتر ہیں انبیاء سارے
پڑی ہے قہر کی اُفتاد تیری اُمّت پر
کہیں برستے ہیں پتھر کہیں پہ انگارے
ہمیں سنبھلنے کی ہمت دے اے حبیب خدا
یہ آنکھیں دیکھیں تری رحمتوں کے نظارے
انہی سے ہوگی ضیا بار رہگزر اپنی
تری زباں کے الفاظ بھی ہیں مہ پارے
کبھی نہ چھوڑا ترا دامن کرم ہم نے
مصیبتیں بھی پڑیں ہم پہ جی نہیں ہارے
یہ کہکشاں کا رواں نور۔ مہرو ماہ و نجوم
ترے جمال کے ہیں یہ تع معجزے سارے
تو ہی کتابِ رسالتؐ کا حرف آخر ہے
ترے مقام سے کمتر ہیں انبیاء سارے
پڑی ہے قہر کی اُفتاد تیری اُمّت پر
کہیں برستے ہیں پتھر کہیں پہ انگارے

ہمیں سنبھلنے کی ہمت دے اے حبیب خدا
یہ آنکھیں دیکھیں تری رحمتوں کے نظارے
انہی سے ہوگی ضیا بار رہگزر اپنی
تری زبان کے الفاظ بھی ہیں مہ پارے
کبھی نہ چھوڑا ترا دامن کرم ہم نے
مصیبتیں بھی پڑیں ہم پہ جی نہیں ہارے
ملے گی تیرے ہی دم سے کرم کی بھیک ہمیں
کہ جا کہیں نہیں سکتے نصیب کے مارے
جمال خاص کا پر تو ہیں سر بسر ثاقبؔ
زمیں پہ لالہ و گل آسماں پہ سیارے

دلیل عظمت آدم

اسرار کائنات کے محرم وہی تو ہیں
انسانیت کے محسن اعظم وہی تو ہیں
قرآں کی بولتی ہوئی تفسیر ان کی بات
جن کی ہر ایک بات ہے محکم وہی تو ہیں
اُن سا کوئی ہوا ہے نہ ہوگا جہان میں
بعد از خدا بزرگ و مکرم وہی تو ہیں
میرے ہر ایک سانس میں خوشبو اُنہی کی ہے
میرے ہر ایک زخم کا مرہم وہی تو ہیں
اُن سے بیاں کروں گا کبھی داستان درد
زخمی دلوں کے مونس و ہمدم وہی تو ہیں
سب انبیاء کو نور ملا اُن کے نور سے
سب انبیاء کو نور ملا اُن کے نور سے
سب انبیاء سے افضل و اکرم وہی تو ہیں
احمدؐ لقب ہے اور محمدؐ ہے جن کا نام
کہتے ہیں جن کو رحمت عالم وہی تو ہیں
تا حشر اب اُنہی کی نبوت کا دور ہے
ہیں مرسلین حق کے جو خاتم وہی تو ہیں
انسان اُن کے دم سے فلک آشنا ہوا
ثاقبؔ دلیل عظمت آدم وہی تو ہیں

تلاوت

کتاب چہرہ خیر الانامؐ پڑھتے ہیں
نگاہِ دل سے خدا کا کلام پڑھتے ہیں
ہر ایک سانس عبادت گزار رہتا ہے
جبینِ دل پہ محمدؐ کا نام پڑھتے ہیں
نجوم ہوں کہ مہ و مہر پھول ہوں کہ صبا
درودِ سیدّ عالی مقام پڑھتے ہیں
نماز ہو کہ صحیفہ رُخ محمدؐ کا
بصد خلوص، بصد احترام پڑھتے ہیں
جبین گل پہ رُخ ماہتاب پر اکثر
جو اہل دل ہیں اُنہی کا پیام پڑھتے ہیں
اُس ایک نام کی تقدیس کیا کہوں جس پر

ملائکہ بھی درود و سلام پڑھتے ہیں
حضورؐ! آپ کی پاکیزہ دلنشیں مدحت
نگاہِ دل سے خدا کا کلام پڑھتے ہیں
ہر ایک سانس عبادت گزار رہتا ہے
جبینِ دل پہ محمدؐ کا نام پڑھتے ہیں
نجوم ہوں کہ مہ و مہر پھول ہوں کہ صبا
درودِ سیدّ عالی مقام پڑھتے ہیں
نماز ہو کہ صحیفہ رُخِ محمدؐ کا
بصد خلوص، بصد احترام پڑھتے ہیں
جبین گل پہ رُخ ماہتاب پر اکثر
جو اہل دل ہیں اُنہی کا پیام پڑھتے ہیں
اُس ایک نام کی تقدیس کیا کہوں جس پر
ملائکہ بھی درود و سلام پڑھتے ہیں
حضورؐ! آپ کی پاکیزہ دلنشیں مدحت
حضورؐ! آپ کے ادنیٰ غلام پڑھتے ہیں
نہیں ہے جس میں تغیر کا شائبہ ثاقبؔ
ہمیشہ ہم وہی درسِ دوام پڑھتے ہیں

درود تم پر سلام تم پر

ہے نام نامی تمہارا لب پہ درود تم پر سلام تم پر
میں تم سے دونوں جہاں منور درود تم پر سلام تم پر
چمن چمن تذکرہ تمہارا، یہ کہکشاں راستہ تمہارا
تمہاری خوشبو گلوں کے اندر درود تم پر سلام تم پر
تمہارے نقشِ قدم سے پائی ہے خاک نے ایسی سربلندی
زمیں کو ہے فوق آسماں پر درود تم پر سلام تم پر
دہن ہے سرچشمہ صداقت زباں ہے گنجینہ فصاحت
لبوں پر قربان موج کوثر درود تم پر سلام تم پر
رہ وفا سے ہٹائے گا کیا زمانہ اُسکو مٹائے گا کیا
تمہاری سیرت ہو جس کی رہبر درود تم پر سلام تم پر
ہم اور اب کس کے در پہ جائیں کسے غم زندگی سنائیں
تمہی تو ہو بے کسوں کے یاور درود تم پر سلام تم پر
کبھی تو آئے گا وہ زمانہ کبھی تو ہوگا مرا بھی جانا
کہوں گا روضہ پہ سر جھکا کر درود تم پر سلام تم پر
شبِ الم روکش سحر ہو کرم کی آقا بس اک نظر ہو
بُلا لو ثاقب کو اپنے در پر درود تم پر سلام تم پر

اے رحمت تمامؐ!

ہر لفظ عطر بیز، ہر اک حرف پھول ہے
جب سب لبوں پہ مدحت و نعتِ رسولؐ ہے
کھویا ہوا ہوں جب سے میں ان کے خیال میں

ادھر بھی ہو اک نگاہ سرور درود تم پر سلام تم پر قلب ونظر پہ رحمت حق کا نزول ہے
تمہی ہو شمع حریم داور۔ درود تم پر سلام تم پر اُن کا کرم ہو شامل احوال اگر تو پھر

بے مہریٔ جہاں کی شکایت فضول ہے
یہ جان و دل نثار محمدؐ کی آن پر
اس راہ میں ہر ایک اذیّت قبول ہے
رکھ لی مرے حضورؐ نے انسانیت کی لاج
ورنہ یہ آدمی تو ظلوم و جہول ہے
دیکھی ہر ایک صنف سخن تو کھلا یہ راز
صنف سخن تو اصل میں نعت رسولؐ ہے
معراج مصطفیٰؐ سے ہوا ہے یہ انکشاف
یہ کہکشاں توآپؐ کےقدموں کی دھول ہے
جو مانگنا ہو اُن کے وسیلے سے مانگیئے
اُن کی ہر ایک بات خدا کو قبول ہے
آئینہ جمال خدا اُن کی ذات ہے
عشق خدا بھی اصل میں عشق رسولؐ ہے
اے رحمت تمام! محبت کی اک نظر
مدّت ہوئی کہ آپؐ کا ثاقب ملول ہے

حرف صداقت

روح پر نقش ہے وہ شخص محبت کی طرح
ذکر ہے جس کے فضائل کا عبادت کی طرح
میرے سانسوں میں بسی رہتی ہےخوشبو اُسکی
میری آنکھوں میں وہ رہتا ہے بصارت کی طرح
رہنما آج بھی ہیں اُس کے کف پاک کے چراغ
دہر میں پھیلا ہے جوآج بھی نگہت کی طرح
شب ظلمات کا وہ نور جگر چیر گیا
جلوہ گر جب ہوا فاران پہ ہیبت کی طرح
نام سے اُس کے ہی روحوں میں کنول کھلتے ہیں
اس کے کوچے کی فضائیں بھی ہیں جنت کی طرح
جس نے روحوں میں جلائے تھے محبت کے چراغ
اب بھی ہیں سایہ فگن اور رحمت کی طرح
میں اُسی کے درِ الطاف پہ دستک دوں گا
جس کا در سب پہ کشادہ ہیں عدالت کی طرح
تو تو سرمایہء توقیر ہے عالم کے لئے
نام تیرا بھی بکے مال تجارت کی طرح
کذب اس طرح سے پھیلا ہے فضاؤں میں مری
ہرسراب آئے نظر آج حقیقت کی طرح
زینت منبر ومحراب ہوئے ہیں وہ لوگ
سفلگی جن کو ودیعت ہوئی عادت کی طرح
ہر نئے دن نئے تکفیر کے فتوے دیکھوں
زیست محسوس مجھے ہوتی ہے تہمت کی طرح
رخ عیّاری یہ تقوے کی ملمع کاری
عجز چہروں پہ نمایاں ہے رعونت کی طرح
جیسے محصور ہوں میں شعبِ ابی طالب میں
یوں گزرتا ہے ہر اک لمحہ قیامت کی طرح

اب نہ وہ پہلے سے ایماں ہیں نہ وہ سوز یقیں
صرف کہنے کو نظر آتے ہیں اُمّت کی طرح
لب پہ قدغن ہے مگر دل تو ہے آزاد ابھی
میں تو چاہوں گا تجھے حرفِ صداقت کی طرح
جب مسافر سُوئے طیبہ کوئی جاتے دیکھا
دل مرا ڈوب گیا۔ حرف ندامت کی طرح
دلِ ثاقب میں تیرے در پہ حضوری کا خیال
جھلملائے گا سدا شمع عقیدت کی طرح

ہیں جن کی باتیں خدا کی باتیں

جمال مہر و وفا کے قصّے، کمال صدق و صفا کی باتیں
جو ہو سکے تو سنائے جاؤں تمہیں حبیب خدا کی باتیں
ہوا کے رخ پر دیئے جلائے نئے نئے راستے دکھائے
ستم کے ماروں کا دل بڑھاتی ہیں انکے صبر و رضا کی باتیں
یہ دل بھی اُنکا ہے جاں بھی انکی یہ روح بھی مدح خواں ہے انکی
نبھائے جاؤں گا مرتے دم تک انہی سے عہد و وفا کی باتیں
وہی ہیں اوّل وہی ہیں آخر ازل بھی اُن کا ابد بھی اُن کا
رہیں گی تا حشر اب زبانوں پہ ''خاتم الانبیاء'' کی باتیں
میں داعی دینِ مصطفیؐ ہوں فدائی دینِ مجتبیٰؐ ہوں
ڈرا سکیں گی نہ میرے دل کو کبھی سزا و جزا کی باتیں
وہ خوبصورت، وہ خوب سیرت، وہ پیکر حلم اور مروّت
ہیں بدتریں دشمنوں کے لب پر بھی ان کے مہر و وفا کی باتیں
قدم قدم اُن کی رہنمائی، جہاں جہاں ان کی روشنائی
فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اب تک سکوت غار حرا کی باتیں
مری لگن اُن کا آستاں ہے یہی تڑپ تو متاع جاں ہے
کبھی تو ہوں گی شفیعِ محشر سے ثاقبؔ بے نوا کی باتیں

عشقِ نبیؐ

جس قلب کو بخشی ہے جلا عشقِ نبیؐ نے
حاصل اُسے دنیا میں ہیں تسکیں کے خزینے
اُس ذکر سے روشن ہیں نگاہوں کے جزیرے
اُس نام سے آباد ہیں روحوں کے مدینے
جو اُن کے بتائے ہوئے رستے پہ نہیں ہیں
منجدھار میں ہیں آج تلک ان کے سفینے
آقا! ترے دروازے پہ آئے ہیں سوالی
اپنا یا نہ اب تک جنہیں دنیا میں کسی نے
میں اُن کا ہوں دستک اسی دروازے پہ دوں گا
اک روز بلائیں گے مجھے بھی وہ مدینے
میں ان کو بتاؤں گا کہ اے رحمت عالمؐ!
دنیاوی خدا اب مجھے دیتے نہیں جینے
وہ بے کسوں کے غموں کا مرہم ہے ذکر جن کا دلوں کی شبنم
وہی تو ہیں ہادی دو عالم، ہیں جن کی باتیں خدا کی باتیں
کچھ بھی تو نہیں پاس تری نذر کو آقا!
پلکوں پہ لئے آیا ہوں اشکوں کے نگینے

سرکارِ دو عالم نے سکھائے مجھے ثاقبؔ
طوفان حوادث سے نکلنے کے قرینے

خیرالبشرؐ

تیری نگاہ سے کھلا راز حریم داوری
تیرے وجود پاک پر ناز کرے پیمبری
تیرا ہر ایک نقش پا۔ نور چراغ راستی
تیری زباں کا ہر حرف شرح و بیاں زندگی
جب بھی لیا ہے تیرا نام قلب ہوا ہے شاد کام
روح تلک اُتر گئے نور سرور و آگہی
تو ہے امام ہر صدی سارے جہان مقتدی
کر سکے کل خدائی میں کون تیری برابری
تیرا تو ہر غلام ہی شاہوں سے ہے بلند تر
کس کو نصیب ہو سکی شان اویسؓ و بوذریؓ
تیرے مزاج کی شناخت رحمت عفو و درگزر
تو نے تو دشمنوں کی بھی کی ہے کرم سے دلدہی
ہوں گے یہ پاش پاش کب حرص کے لات اور منات
دین خدا کے نام پر ہونے لگی ہے تاجری
نرغے میں آندھیوں کے ہے کب سے چراغ دیں حضور
روشنیوں کے نا م پر پھیلی ہوئی ہے تیرگی
شکر خدا کہ مل گیا راہ میں اُن کا نقشِ پا
ثاقب بے نوا تری کرتا بھی کون یاوری

خاتم الانبیاءؐ

تو حبیب ربِّ کریم ہے تو عجیب دُرِّ یتیم ہے
تیرے وصف کیسے بیاں کروں تو جہاں میں سب سے عظیم ہے
تو وجود حق کی دلیل ہے تو دعائے قلب خلیل ہے
تیری ذات خاتم انبیاء تیرا نور سب سے قدیم ہے
تو جمال حق کا ہے آئینہ تو حریم راز کا آشنا
تو کلی کلی کی ہے آرزو تو چمن چمن کی نسیم ہے
مری شاعری کا ظہور تو مرے علم وفن کا شعور تو
تیری آرزو مری زندگی تو ہی میری عقل سلیم ہے
تو نے بے کسوں کو دوائیں دیں تو نے دشمنوں کو دعائیں دیں
تو کرم کا ایک سحاب ہے۔ تیرا خلق خلق عظیم ہے
تیری بات بات ہے معتبر تیرا ہاتھ نبض حیات پر
تو ہر ایک جاں کا طبیب ہے تو ہر ایک دل کا حکیم ہے
تو نظر سے کتنا ہی دور ہو مرے قلب سے ہے قریب تر
تیرا ذکر مرہم قلب وجاں تیری یاد بوئے شمیم ہے
نہیں فکر ثاقب بے نوا جو کہے زمانہ برا بھلا
تو اُسی کا ہے تو اسی کا تھا وہ جو رحمتوں کا قسیم ہے

حمد باری تعالیٰ

تو رحیم بھی تو کریم بھی تو حلیم بھی تو بصیر بھی

کسی آئینے میں نہ مل سکی تیری رحمتوں کی نظیر بھی
تو فضائے ارض وسماء میں ہے تو بہشت آبِ آب و ہوا میں ہے
سرِ آسماں نئی کہکشاں ترے نور کی ہے لکیر بھی
کہیں آبشاروں کے گیت ہیں کہیں چاند تاروں کا حسن ہے
یہ تمام تیرے ثبوت ہیں یہ سحر بھی مہر صغیر بھی
تو کرم نواز ازل سے ہے تیری سمت سب ہیں جھکے ہوئے
ترے در پہ مجھ سے غریب بھی تیرے در پہ لاکھوں امیر بھی
میں رواں ہوں دشت حیات میں مجھے ظلمتوں کا خطر نہیں
میرے ساتھ یادِ رسول بھی میرے ساتھ ربِّ قدیر بھی
مجھے منزلوں کا جنوں نہیں مجھے فکر جادہ ضرور ہے
میرے دل کا چھوٹا سا قافلہ غم راہ کا ہے اسیر بھی
کبھی تاج وتخت کلاہ سے وہ نظر بچا کے گزر گئے
کہ طبیعتوں کے غنی رہے تیرے بے نوا و فقیر بھی
کبھی زندگی کا جنوں مجھے کبھی زندگی سے گریز ہے
مری زندگی کے یہ پیچ وخم میں رہا بھی ہوں میں اسیر بھی
ابھی دیکھ ثاقب خستہ جاں نہ سنا حکایت خوں چکاں
کہ ہزار زخموں کے بوجھ سے ابھی مضمحل ہے ضمیر بھی

احمد مختار

فدائے احمدؐ مختار ہوگیا ہوں میں
بہشت وخلد کا حقدار ہوگیا ہوں میں
غبار بن کے اُڑا ہوں حجاز کی جانب
جہانِ عشق کا معیار ہوگیا ہوں میں
پھر آج طور پر مری آنکھ میں اُتر آیا
پھر آج طالب دیدار ہوگیا ہوں میں
حرم نشیں تیرے قرباں نواز دے مجھکو
قریب سایہ دیوار ہوگیا ہوں میں
حضورؐ نے مجھے اذنِ کلام بخشا ہے
نوائے شوق کا اظہار ہوگیا ہوں میں
اُڑا ہوں سوئے مدینہ خیال کی صورت
سُبک خرام و سبک بار ہوگیا ہوں میں
غرض ہی کیا ہے درِ میکدہ پہ دستک دوں
تری نگاہ سے سرشار ہوگیا ہوں میں
خودی کیساتھ مجھے بے خودی کی دولت دے
ہجوم ہوش سے بیزار ہوگیا ہوں میں
نبیؐ کا عشق مرے دل میں بس گیا ثاقبؔ
زمانے بھر میں نکو کار ہوگیا ہوں میں

ساقی کوثر سے

کوئی ایسا جام اے ساقیا جو سراپا سوز وگداز ہو
جسے پی کے روح بھی بے نیاز حدود کیف مجاز ہو
یہ خرام گاہِ شمیم گل پہ تجلیات کی یورشیں

ہے سرور و کیف کا فیصلہ کہ یہیں ادائے نماز ہو
یہ مہ صیام کی برکتیں یہ نزول رحمتِ ایزدی
کوئی مہرباں ہوتو ہر نفس مرا کیوں نہ نغمہ طراز ہو
مری کائنات خیال میں کوئی جلوہ تاب حیات ہے
مرا قلب کیوں نہ ہو آئینہ میری روح کیوں نہ گداز ہو
پھر اُسی حبیبؐ وشہ جہاں کا حریم دل میں ورود ہے
جو فقیر پر بھی نظر کرے تو فقیر بندہ نواز ہو
یہ غم زمانہ کے مرحلے مرے واسطے نہیں کوئی شے
تو اگر شریک سفر رہے یہ نظر جو محرم راز ہو
میں اسیر زُلفِ رسولؐ ہوں مجھے کیا عذاب وثواب سے
یہی التجاء ہے کہ سلسلہ غم مصطفیٰؐ کا دراز ہو

ساقی کوثر سے

کوئی ایسا جام بھی ساقیا جو سراپا سوز و گداز ہو
سرِ طور ان سے ہو گفتگو سر عرش راز و نیاز
میں ترے کرم کا مجاز ہوں یہی بخششوں کا جواز
مرے دامن دل مضطرب کو نصیب خاک حجاز ہو
یہ حضورؐ پاک کی روشنی کہ فضا کا نور ہے زاہدو
اسی نور سے جو وضو کرو تو ادا دلوں کی نماز ہو
تری چشم لطف عطا کرے وہ ستارہ گیر جسارتیں
کہ جمال طور کی راہ میں نہ نشیب ہو نہ فراز ہو
ترا لطف خاص ہو بے کراں تیرا عفو سب پہ ہو ضو
فشاں
مری آرزو ہے کہ سلسلہ تری رحمتوں کا دراز ہو
یہی آرزو یہی التجا یہی ہر گھڑی ہے مری دعا
مری کائنات حیات میں ترا عشق درد وگداز ہو
تری عظمتوں کا جواب کیا تیری رفعتوں کا حساب کیا
یہ تیرا مقام بلند ہے کہ خدا سے راز و نیاز ہو
تیرے دست فیض ودوام سے جو طلب کیا ہے سوال گیا
کوئی مجھ سا طالب عفو ہو کوئی تجھ سا بندہ نواز ہو
ترے دل میں ثاقب خستہ جاں نہ ہو ظلمتوں کا کوئی نشاں
تری آرزو کی بساط پر جو وہ حسن جلوہ طراز ہو

احمد مختار

گو اہل جہاں درپئے آزار رہے ہیں
ہر حال میں ہم تیرے طلبگار رہے ہیں
یوں اپنی مشیت پہ گراں بار رہے ہیں
ہم خود سے برگشتہ و بیزار رہے ہیں
چوما ہے ہمیں چاند ستاروں کی ضیاء نے
ہم خاک رہِ احمد مختار رہے ہیں
لے چل کسی تنکے کی طرح سوئے مدینہ
اے موجِ ہوا ہم بھی سبکبار رہے ہیں
اُن لوگوں کی توقیر ہے بازار جہاں میں

جاں بیچ کے جو تیرے خریدار رہے ہیں
یہ اشک ہیں تقدس عقیدت کی علامت
یہ اشک بھی پیرایۂ اظہار رہے ہیں
یہ تیری محبت کا کرم ہے کہ جہاں میں
ہم صاحبِ دل صاحبِ کردار رہے ہیں
دیکھا ہی نہیں فقر و غنا نے کبھی مڑ کر
ہر سمت زر وسیم کے انبار رہے ہیں
چھو کر تیرے قدموں کو یہ ناچیز سے ذرّے
دنیا کے لئے مطلع انوار رہے ہیں
اک جنبش خامہ سے جگا دے انہیں ثاقبؔ
وہ ہاتھ جو اسلام کی تلوار رہے ہیں

ختم رُسل

ختم ہیں تجھ پہ خوبیاں ختم ہیں تجھ پہ مدحتیں
تجھ پہ سلام بار بار تجھ پہ ہزار رحمتیں
تیرے طفیل آدمی رُوکشِ قدسیاں ہوا
تیری ضیاء سے بڑھ گئیں ارض وسما کی جلوتیں
ختم رسلؐ ہے تیری ذات فخرِ رُسل ہے تیرا نام
وقف ہیں تجھ پہ عظمتیں ختم ہیں تجھ پہ برکتیں
پرچم نور لے کے جب جلوہ طراز تو ہوا
مٹ گئیں کفر وشرک کی سارے جہاں سے ظلمتیں
تیرے غلام ہوگئے دونوں جہاں سے بے نیاز
تیرے فقیر پاگئے کون و مکاں کی دولتیں
کرتا ہے ثاقب حزیں تجھ سے ہی کسب فیض نور
تیری لگن نے دیں اُسے علم وادب کی نعمتیں

ساقی مے خانہ کوثر

ہر عزم کی روشن پیشانی پر نام تمہارا دیکھا ہے
ہر وقت کے بہتے دھارے پر پیغام تمہارا دیکھا ہے
نصرت نے تمہاری عظمت کے بے باک ترانے گائے ہیں
رحمت کے دمکتے ہونٹوں پر الہام تمہارا دیکھا ہے
پیوند قبا و چادر میں قدموں میں دو عالم کی دولت
آغاز تمہارا دیکھا ہے۔ انجام تمہارا دیکھا ہے
تاریک دلوں کو نور دیا رحمت سے جہاں معمور کیا
ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر یکساں انعام تمہارا دیکھا ہے
اک نور کی پیاسی دنیا پر اُبھرا جو مثال شمس وقمر
مے خانہ کوثر کے ساقی وہ جام تمہارا دیکھا ہے
اے رحمت عالم دونوں جہاں حلقے میں تمہاری زلفوں کے

تیرے قدم پہ جھک گئے تاجورانِ شرق وغرب از صبح ازل تا شام ابد اک دام تمہارا دیکھا ہے
تجھ پہ نثار ہوگئیں دونوں جہاں کی رفعتیں دنیا کے مصائب کا ثاقب کیا رنج کرے کیوں فکر کرے

تاری کی حرماں میں اکثر پیغام تمہارا دیکھا ہے

باعث کُن فکاں

تو حبیب ربِّ جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا
تو مقام فخر خلیل ہے تیریحُرمتوں کا حساب کیا
تیری اک نگاہ پڑی جہاں وہاں ظلمتوں کا گزر کہاں
تیرے ایک جلوے کے سامنے مہ ومہر کی تب وتاب کیا
تیرے میکدے سے جو پی گیا تیرا کیف جس نے سمولیا
اُسے فکرِ عرصۂ دہر کیوں اُسے خوفِ روزِ حساب کیا
تیری عظمتوں کے نشاں کبھی نہ مٹیں گے یورشِ کفر سے
یم بے کراں سے الجھ سکے گی حقیر جوئے کم آب کیا
یہ مری نظر کا قصور ہے کہ تو پاس رہ کے بھی دور ہے
یہ مرا ہی شوق ہے درمیاں تجھے احتیاط نقاب کیا
جو ترے جمال میں کھو گیا ہوا بے نیاز غم جہاں
وہ رہینِ سُود وزیاں ہو کیوں کہ عذاب کیا ہے ثواب کیا
کہاں تو کہ باعث کن فکاں کہاں فکر ثاقب نیم جاں
بھلا مدحتِ شہ انس وجاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

نعت محبوب خدا

جنُوں نے بڑھ کر لکھا دیا ہے ترے شہیدوں میں نام جن کا
اُنہی کی مستی ہے میکدوں میں انہی کا چرچا ہے میکشوں میں
بلا تامل رواں ہے اب تک تمام رندوں میں جام جن کا
ہمارے دل کا تو پوچھنا کیا انہی کا قائل انہی پہ مائل
بلند رتبہ ہے بادشاہوں سے ایک ادنی غلام جن کا
اُنہی کے قانون زندگی سے نظام ہیں زندگی کے قائم
نہیں ہے گرچہ جدید پھر بھی جدید تر ہے نظام جن کا
وہ نور دیکھو ظہور دیکھو جمال دیکھو کمال دیکھو
وہی ہیں عقبہ میں میر محفل سنا تھا دنیا میں نام جن کا
اُنہی کے پیغام ضوفشاں سے چھٹیں گی تاریکیاں جہاں کی
عرب کے ظلمت کدوں میں پہلے کبھی تھا گونجا پیام جن کا
نہیں یہ جرات تو اور کیا ہے میں انکی توصیف کر رہا ہوں
خدا نے ذوق طلب میں ثاقب کیا ہے خود احترام جن کا

آمنہ کا لال

جو تیرا ہو وہ تیرے سوا کس کو پُکارے
سن اے میری کمزور اُمیدوں کے سہارے
اے شاہ دو عالمؐ مری کشتی کو بچا لے
منجدھارے اور دور ہیں دریا کے کنارے
پُر نور ہوئی تجھ سے عرب کی شبِ تاریک
تو چاند تھا اور تھے تیرے اصحابؓ ستارے
اب تیرے سوا کون انہیں زندہ کرے گا
دم توڑ گئے راہ میں آلام کے مارے
پھر زلف حیات آج پریشان ہے مولیٰ
اس کو تیرے شانے کے سوا کون سنوارے
اک بار پھر اُمت پہ وہ شفقت کی نگاہیں

اے آمنہ کے لال حلیمہ کے دُلارے
ثاقب کو یہی دُھن ہے یہی اے شاہِ مدینہ
ان آنکھوں سے دیکھے کبھی بطحا کے نظارے

طوافِ شمع

حسین یاد

آئی ہے یاد آج پھر اُس حق پرست کی
جس نے حریم عرش بریں کو ہلا دیا
جس نے حیات تازہ کے نغمے الاپ کر
مردوں کو زندگی کا قرینہ سکھا دیا
صدق و صفا کی شمعیں جلائیں کچھ اسطرح
اک قادیاں تو کیا یہ جہاں جگمگا دیا
ڈالی جو خاک پر کبھی مچلی ہوئی نگاہ
ہر ذرّہِ حقیر کو سونا بنا دیا
بھر کر دلوں میں ذوق یقیں ذوق حُرّیت
روندے ہوؤں کو عرش کا تارا بنا دیا
اپنے ہی گرد پیش سے فرصت نہ تھی جنہیں
سارے جہاں کے درد کا چسکا لگا دیا
اللہ رے اُس جری کے عزائم کی آب و تاب
طوفاں ٹھہر گئے وہ اگر مسکرا دیا
میں اس حسین یاد کو دل میں بساؤں گا
اک لازوال نقشِ محبت بناؤں گا

شمع شوق

نظر نظر میں لئے جان و دل کے نذرانے
طوافِ شمع کو پھر آگئے ہیں پروانے
جبیں پہ گردِ رہِ عشق دل میں نور و سرور
ہیں آسمان عقیدت پہ آج دیوانے
جہان درد لرزتی ہوئی صداؤں میں
محبتوں کے خزانے دلوں کے کاشانے
مصافحوں میں لپک اور معانقوں میں خلوص
عطا کیا ہے عجب سوز انہیں مسیحؑا نے
وہ لوگ آئے ہیں آنکھوں میں شمعِ شوق لئے
جنہیں نہ پوچھا کبھی کم نگاہ دنیا نے
زمین ربوہ کو سجدوں سے ناپنے کیلئے
مچل رہے ہیں جبینوں میں پاک نذرانے
کس اہتمام سے اک شمعِ انجمن کے لئے
وفا کے نور میں ڈوبے ہوئے ہیں پروانے
یہ تین دن بھی عجب رحمتوں کے دن ہوں گے
کھلیں گے دیدہ و دل میں گلوں کے پیمانے
شراب نور سے دھو لو دل ونظر ثاقبؔ
نصیب ہوں کہ نہ ہوں پھر یہ دن خدا جانے

دعاؤں میں یاد رکھنا

محبتوں میں ڈھلی ہوئی کیف زا نواؤں میں یاد رکھنا
منجھی ہوئی سوز وسازِ اُلفت کی التجاؤں میں یاد رکھنا
دلوں کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نداؤں میں یاد رکھنا
دیارِ احمدؐ میں رہنے والو! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

خرد کے ہوش آفریں مناظر میں محو ہو کر بھلا نہ دینا
سرورِ نغمات بربط زندگی میں کھو کر بھلا نہ دینا
بھلا نہ دینا تجلیوں سے دُھلی فضاؤں میں یاد رکھنا
دیار احمد میں رہنے والو! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

خدا کی بستی کے پاسباں ہو خدا تمہارا معین و ناصر
تمہیں حقیقت میں کامراں ہو خدا تمہارا معین و ناصر
اُٹھیں جو مینار کی بلندی سے ان صداؤں کو یاد رکھنا
دیار احمد میں رہنے والو! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

کلام ایزدی ہوا تھا نازل جہاں فضاؤں میں تم وہاں ہو
وہ ماہِ نو کھیلتا تھا جن نقرئی ضیاؤں میں تم وہاں ہو
زراہِ الطاف تیرہ بختوں کو بھی ضیاؤں میں یاد رکھنا
دیار احمد میں رہنے والو! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

جہاں نشیب وفراز پر شعورِ فطرت کی نقش کاری
ریاض جنت کی نزہتوں میں بسی ہوئی ہیں ہوائیں ساری
بہشت کی ہاں! انہی تقدس بھری ہواؤں میں یاد رکھنا
دیارِ احمد میں رہنے والو! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

ہماری تقدیر میں فراق اور تمہیں وصال حبیب حاصل
کہاں کوئی خوش نصیب ایسا جسے ہو ایسا نصیب حاصل
یہ التجا بس شبوں کی درد آفریں فضاؤں میں یاد رکھنا
دیار احمد میں رہنے والو! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

جس نے اسلام کی عظمت کا علم لہرایا

چشم میگوں میں یہ دلدوز سی حسرت کیا ہے
روئے روشن پہ پریشان سی نکہت کیا ہے
تجھ کو دیکھا تو مجھے دل کو قرار آہی گیا
تیری بیمار نگاہوں میں بھی برکت کیا ہے
جو کبھی دیکھ چکی ہوں تیری سطوت کا کمال
اُن نگاہوں میں بھلا دنیوی شوکت کیا ہے
کجکلا ہوں کی جبینوں کو نگوں دیکھا ہے
فقر کی قلب دو عالم پہ حکومت کیا ہے
شمع افسردہ ہو پروانوں کی حالت معلوم؟
جانے اس کرب میں مالک کی مشیت کیا ہے
جس نے اسلام کی عظمت کا علم لہرایا!
جس نے بتلایا کہ باطل کی حقیقت کیا ہے
جس نے ہر سانس لیا دینِ محمدؐ کے لئے
اس کی ہستی کے سوا میری ضرورت کیا ہے
میرے معبود! ابھی خام ہے عزم رہرو
میرے مسجود ابھی زعم جسارت کیا ہے

تیری دہلیز پہ جھک جھک کے دعائیں مانگوں
اس سے بڑھ کر مجھے طاقت مجھے قدرت کیا ہے
ساری دنیا کے مریضوں کو شفا دے یارب
آج معلوم ہوا ہے کہ علالت کیا ہے

پیمان شاعرِ رُوح مصلح موعود سے

تو نے کی مشعل احساس فروزاں پیارے
دل بھلا کیسے بھلا دے ترا احساں پیارے
روح پژمردہ کو ایماں کی جلائیں بخشیں
اور انوار سے دھو ڈالے دل و جاں پیارے
ولولوں نے ترے ڈالی مہ و انجم پہ کمند
تو نے کی سطوت اسلام درخشاں پیارے
اب وہی دین محمدؐ کی قسم کھاتے ہیں
تھے جو مشہور کبھی دشمن ایماں پیارے
پہلے بخشا مرے بہکے ہوئے نغموں کو گداز
پھر مری روح پہ کی درد کی افشاں پیارے
مجھ کو بھولے گی کہاں وہ تری بھرپور نگاہ
جگمگا اٹھا تھا جب فکر کا ایواں پیارے
اب نگاہیں تجھے ڈھونڈیں بھی تو کس جا پائیں
جانے کب پائے سکوں پھر دل ویراں پیارے
کون افلاک پہ لے جائے یہ روداد الم
تیرا متوالا ابھی تک ہے پریشاں پیارے

روح پھرتی ہے بھٹکتی ہوئی ویرانوں میں
دل ہے نیرنگئ افلاک پہ حیراں پیارے
شکر ایزد کہ تری آغوش کا پالا آیا
اپنے دامن میں لئے دولت عرفاں پیارے
فکر میں جس کے سرایت تری تخلیل کی ضو
گفتگو میں بھی وہی حسن نمایاں پیارے
جس کی ہر ایک ادا ''نافلۃ لک'' کی دلیل
جسکی ہر ایک نوا درد کا عنواں پیارے
دیکھ کر اُسکو لگی دل کی بجھا لیتا ہوں
آنیوالے پہ نہ کیوں جان ہو قرباں پیارے
تیری اس شمع کا پروانہ صفت ہوگا طواف
تیرے ثاقبؔ کا ہے اب تجھ سے یہ پیماں پیارے

نشان صبح سعادت تھی اُس کی لوحِ جبیں

برس گزر گئے لیکن وہ بھولتا ہی نہیں
وہ دور ہو کے بھی رہتا ہے میرے دل کے قریب
نفس نفس میں جلاتی ہے اس کی یاد دیئے
بچھڑ گیا ہے وہ مجھ سے کروں میں کیسے یقیں
بسا ہوا ہے وہ خوشبو کی طرح سانسوں میں
غمِ حبیب امانت ہے میری رُوح امیں
نظر میں رہتا ہے یوں تو ہجوم چہروں کا
مگر نگاہ نے دیکھا نہ کوئی اُس سا حسیں

پھوٹنا شروع ہوگئیں۔ یہ چند شعر اسی وجدان وامتنان کا ہلکا سا عکس ہیں۔(ثاقب)

وہ جانتا تھا ہر اک دل کو جیتنے کا فن
ادائے خندہ لبی اُسکی تھی سحر آگیں
وہ تھا مکارمِ اخلاق کا حسیں پیکر
رہا شدائد حالات میں بھی خندہ جبیں
خلاف شرع نہ سرزد ہوا عمل اُس سے
تھی اُس کے پیش نظر آبروئے دین متیں
نسیم صبح کی مانند تھا سفر اُس کا
قدم اٹھاتا تھا جب پاؤں چومتی تھی زمیں
کھلا ہوا تھا صداقت کا نور آنکھوں میں
نشانِ صبح سعادت تھی اُسکی لوحِ جبیں
میں اس کا لطف کریمانہ کیسے بھولوں گا
کہ اُس سے مجھے کو ملا اپنے شعر دفن کا یقیں
وہ اب بھی دیتا ہے اس دل کو حوصلہ ثاقبؔ
اگرچہ ہوگیا وہ شخص کب کا خلد نشیں

قلم کے رُوپ میں بخشی گئی بہار مجھے

اگلے دن بہ کمال شفقت ومحبت سیدی ومحبوبی حضرت مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ امام جماعت احمدیہ الثالث نے اس بے نوا کو تین قلم عطا فرمائے تو بے ساختہ رباب شعر سے تشکر و وجدان کی لرزشیں

اُسی کا پیار ہے شبنم، سلگتی آنکھوں کی
اُسی کی یاد میں ڈوبا ہوا ہے قلبِ حزیں

دیار نور سے خط کا جواب لایا ہے
پیامبر کرم بے حساب لایا ہے
جبین خط ہے جمال سحر کی تابانی
ہر ایک حرف حسیں آفتاب لایا ہے
میرے خیال و تصور کی روشنی کیلئے
بہ احتیاط بڑی آب و تاب لایا ہے
عبادتوں کے چمن سے پیامبر میرا
کچھ اور جرات کار ثواب لایا ہے
وہ جس سے روح میں ہوتی ہیں نزہتیں بیدار
وہی دمکتا مہکتا گلاب لایا ہے

بساط ِ شوق سر عجز کعبہ تاباں
یہ تین پہلو مری زندگی مرا ارماں
جلا ملی ہے انہی تین پہلوؤں کو مرے
ہزار حرفِ تشکر ہوئے ہیں وردِ زباں
مرے حضور نے بھیجے ہیں مجھکو تین قلم
عطائے خاص میں ثاقب یہ رمز ہے پنہاں
قلم ہے قاتل فسق و فجور و مکروریا
قلم ہے چارہ گرِ زخم عسرت دوراں
قلم کے جلوہ تخلیق سے ملے مجھ کو

شعور و فکر کی تابندہ وسعتوں کے نشاں
رخ حیات کے ہر نقش کو نکھاروں گا
بہ عہد و عزم ہر اک رہگزر سنواروں گا
بساطِ صدق و صفا پر بڑی عقیدت سے
خلوص و مہر کے خورشید بھی اُتاروں گا
جو سو رہی ہے یہ آغوش معصیت ابتک
صریر خامہ سے اس روح کو پکاروں گا
قلم سے زورِ طبیعت سے روشنائی سے
ورق ورق پہ نقوش وفا سنواروں گا
قدم قدم پہ میں آداب آدمیت کو
غبارِ تیرہ و تاریک سے اُبھاروں گا
قلم کی عظمت و تقدیس سے ہے پیار مجھے
قلم کے روپ میں بخشی گئی بہار مجھے

بقاعدل کی ہے بقائے خلافت

سنی ہم نے جس دم نوائے خلافت
ہوئے جان و دل سے فدائے خلافت
ہمیں خلدِ ربوہ کی پہنائیوں میں
نظر آرہی ہے ردائے خلافت
ہے عرفانِ اسلام ہر سمت جاری
فلک گیر ہے اب صدائے خلافت
زمانے کی رفتار یہ کہہ رہی ہے
بقا عدل کی ہے بقائے خلافت
کسی کے لبوں پر قصائد جہاں کے
ہمارے لبوں پر ثنائے خلافت
رہے حشر تک وہ ثنا خوان اس کا
جسے اپنا جلوہ دکھائے خلافت
بصیرت جسے دے وہ ربِّ دو عالم
وہی باندھتا ہے ہوائے خلافت
اندھیرے گھروں میں اُجالے ہوئے ہیں
گئی ہے کہاں تک ضیائے خلافت
خلافت سہارا ہے ہم غمزدوں کا
اسے رکھ سلامت خدائے خلافت
جسے روح تسلیم کرتی ہے ثاقبؔ
وہی آج ہے رہنمائے خلافت

فریاد

الم گزیدہ ہیں دامان دل دریدہ ہیں
تیرے حضور میں آئے ہیں غم رسیدہ ہیں
دلوں کی بات زبانوں پہ آنہیں سکتی
مثال موج ہوا رنگ رُخ پریدہ ہیں
عجیب رنگ بہاراں ہے میرے دل کی طرح

چمن کے پھول بھی افسردہ خون چکیدہ ہیں
متاع کوچہ و بازار دیں ہے جن کیلئے
جہاں میں آج وہی لوگ برگزیدہ ہیں
نہ کوئی خوف دلوں میں نہ احترام ترا
ہیں بے لگام زبانیں دہن دریدہ ہیں
تیرے کلام کی خدمت بھی ناروا ٹھہری
مزاج اہل زمانہ سے آبدیدہ ہیں
نگاہ لطف بکن حال ما مپرس زما
کہیں تو کیسے کہیں ہم زباں بریدہ ہیں
جو ربط خاص ہے تجھ سے کسی کو کیا معلوم
عدو سمجھتا ہے ہم آہِ نارسیدہ ہیں
تو اپنے لطف و کرم سے نواز دے آقا
جہاں کے لطف و کرم سے بہت کبیدہ ہیں
فلک کے کاہکشاں تیرے حسن کا پرتو
یہ حرف وصوت جہاں سب تیرا قصیدہ ہیں
جھکا سکی نہ ہمیں کوئی جبر کی آندھی
تیرا کرم ہے کہ اب تک بھی سرکشیدہ ہیں
زمانہ کچھ بھی کہے ہم انہی کے ہیں ثاقبؔ
خدا کے بعد جو ہر شے سے برگزیدہ ہیں

ہم دیوانے

صدیوں کے پرانے خوابوں کو ہم نے زندہ تعبیریں دیں
خوابیدہ فضائیں جاگ اُٹھیں جو اذاں میناروں سے
افلاک پہ روح ناصرِ دیں جھوم اٹھی فرطِ مسرّت سے
جب آئی نوید فتح وظفر اسپین کے لالہ زاروں سے
دل تو ہے وہ نازک آئینہ جو بارِ سخن بھی سہہ نہ سکے
فرمائیں نہ بس تکلیف کرم کہہ دے یہ کوئی غمخواراں سے
جس در کے گداؤں کے آگے فعفورِ زمانہ جھکتے ہوں
اُس در کے گدا کو کیا لینا اس دنیا کے درباروں سے
ثاقبؔ یہ کرم بھی کیا کم ہے ناصر جو لیا طاہر بخشا
ورنہ دیوانے مرجاتے سر ٹکرا کر دیواروں سے

وقت آنے دو

رعنائیاں ہر سو بکھریں گی گیسوائے سحر لہرانے دو
پرنور سویرا پھوٹے گا یہ ظلمت شب ڈھل جانے دو
تم اپنی وفا پہ دیوانو! بھولے سے بھی حرف نہ آنے دو
جو تم کو برائی دیتے ہیں تم انکو پیار خزانے دو
ہم جور و جفا کے خوگر ہیں بدلیں گے نہ اپنی خوئے وفا
ہم پیار کی شمعیں جلائیں گے نفرت کو زور دکھانے دو
تزئین گلستاں کرلیں گے پھر خون دل وجاں سے اپنے
ہم آبلہ پاؤں کو پہلے کانٹوں کی پیاس بجھانے دو
یہ سچے عشق کی باتیں ہیں خوش بختی کی معراج ہے یہ
وہ لطف مجسّم جب بھی کہے جانوں کے بھی اب نذرانے دو

جذبات کا خوں کرتے کرتے اک عمر گزاری ہے ہم نے
خاموش نگاہوں کو اب تو اس دل کا حال سنانے دو
ناموس دیں کا تحفظ بھی اس دور میں ایک خطا ٹھہری
یہ قاضی شہر کا فتویٰ ہے اس جرم کے بھی حرجانے دو
دل خوف خدا سے خالی ہیں ہوتی ہے تجارت مذہب کی
مذہب کے اجارہ داروں کو آئینہ ذرا دکھلانے دو
اک موج بہالے جائیگی سب ریت پہ لکھی تحریریں
اس مالک کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں وقت آنے دو
ہر شخص پکارے گا اک دن ہر لب پہ یہی نعرہ ہوگا
ماحول کے چہرے سے ثاقب بادل تو ذرا چھٹ جانے دو
’’یا صدق محمد عربی ہے یا احمد ہندی کی ہے وفا
باقی تو پرانے قصے ہیں زندہ ہیں یہی افسانے دو‘‘

راغب مرادآبادی بحق ثاقب زیروی

مدح خوان سرور بطحا ہیں ثاقب زیروی
مستحق جنّت الماویٰ ہیں ثاقب زیروی

جانتے ہیں مرسل و مرسل کا فرق و امتیاز
نعت گو اس وصف میں یکتا ہیں ثاقب زیروی

نعت گوئی کی بحمد اللہ اس انداز سے
محفل سرکارؐ میں گویا ہیں ثاقب زیروی

سالک مرحوم بھی تھے ان کے اوصاف آشنا
اب نہ پوچھے مجھ سے کوئی کیا ہیں ثاقب زیروی

دولت سرمد سے یہ مجموعہ نعت رسولؐ
فیض یاب ربی الاعلیٰ ہیں ثاقب زیروی

شمع حبِ احمدؐ مرسل ہے دل میں ضو فگن
بے نیاز دولت دنیا ہیں ثاقب زیروی

جملہ اصنافِ سخن میں شعر گوئی کی مگر
نعت میں بھی مثل آپ اپنا ہیں ثاقب زیروی

ہے صحافت میں بھی حق گوئی و بے باکی پہ ناز
بندہء حق گو مرے مولا ہیں ثاقب زیروی

حرف حق کہنے سے باز آجائیں ممکن ہی نہیں
نرغہء اعداء میں گو تنہاء ہیں ثاقب زیروی

نعت گوئی ہی کا اے راغب یہ اک اعجاز ہے
وارثِ فکر فلک پیما ہیں ثاقب زیروی

تعارف مصنّف

رانا عبدالرزاق خاں



پیدائش۔ 13 اپریل 1951۔ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

تعلیم۔میٹرک، ایف اے تعلیم الاسلام سکول و کالج ربوہ۔۔بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور

1972۔ملازمت۔۔سپروائزر۔پیکیجز بورڈ ملز لاہور۔زعیم۔خدام الاحمدیہ حلقہ جنرل ہسپتال قیادت ماڈل ٹاؤن لاہور

1975 بحرین عربین گلف روانگی بطور ایگریکلچر اسسٹنٹ بحرین۔وہاں نو سال سیکرٹری مال جماعت کام کی توفیق ملی۔

شادی 28 نومبر 1977 ربوہ۔۔سسر چچا جان ناصر احمد بہادر شیر افسر حفاظت خاص۔۔شمولیت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

1984 میں والد صاحب کی وفات پر تقرری نمبردار چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

1985 قائد خدام الاحمدیہ ضلع خوشاب۔1989 صدر جماعت احمدیہ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب مسلسل 2005 تک صدر رہے۔16 سال۔

1995۔ناظم مجلس انصار اللہ ضلع خوشاب وشمولیت ممبر شوریٰ مرکزیہ۔سیکٹری دعوت الی اللہ ضلع خوشاب 1997۔۔ذیابیطس کی بیماری لگی۔

2001۔انتخاب بطور امیر ضلع خوشاب۔ 2005۔روانگی لندن۔رضا کارانہ خدمت شعبہ عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ عرصہ دس سال۔

2009 مجلس شعر و سخن کا قیام بوساطت محترم مبارک صدیقی صاحب

2010۔کالم نگاری یو کے ٹائمز۔۔۔ایڈیٹر گوشہ ادب یو کے ٹائمز۔۔۔اخبار احمدیہ یو کے کے ادارتی بورڈ میں شمولیت۔جو کہ آج تک ہے۔

2012۔ معاون صدر TICOSA UK 2013۔قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجرا جنوری سے شروع۔

2014۔سیکرٹری تجنید TICOSA UK ساری تجنید مرتب کی۔رسالہ قندیل حق کا جنوری 2018 میں اجرا کیا۔

2015۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK مشاعرے اور دورہ جات کروائے۔

2017۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK۔دو کتب کی اشاعت۔قندیل حق 500 صفحات۔قندیل علم۔506 صفحات

2018۔تیسری کتاب کی اشاعت ہوئی۔دانشکدہ عظیم 600 صفحات۔ایک دینی میگزین، قندیل حق سہ ماہی شروع کیا گیا۔

2020۔چوتھی کتاب کی اشاعت۔۔سپوت ایشیا۔630 صفحات 2022۔پانچویں کتاب۔تاریخ کا ٹھگڑھ 500۔صفحات

2023۔چھٹی کتاب بہادر شیر مرحوم۔صفحات 100۔ساتویں کتاب نافلہ مہدی ایم ایم احمد صاحب۔قندیل ادب انٹرنیشنل کے دس سال مکمل۔

آٹھویں کتاب مجموعہ کلام (قندیل صحرائی) کے نام سے شائع ہونے کو تیار ہے۔

اس عرصہ میں رانا عبدالرزاق خاں نے تین صد سے زائد مشاعرے کروائے۔جس میں ہزاروں شعراء نے شمولت کی۔زوم پر بھی مشاعرے کروائے گئے۔

2023 نویں کتاب... موسیقارِ دربارِ خلافت ثاقب زیروی کی سوانح تحریر کی۔دسویں کتاب قائد اعظم کا دستِ راست۔۔چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے متعلق بھی تیار کر رہے ہیں جو کہ آخری مراحل میں ہے۔۔۔نیز قندیلِ حق کے 24 رسالے نکال چکے ہیں۔

DARBAR-E-KHILAFAT KA JANISAR

Life History of Sadib Zeervi Sahib

Compiled by :

Rana Abdul Razzaq Khan, London